

مدینہ سے مدینہ تک

قافلہ حسینی کی مدینہ سے لے کر واپس
مدینہ تک لمحہ بہ لمحہ رُوداد



ایت اللہ سید محمد جواد ذہنی تهرانی استاذ حوزہ علمیه المقدسہ ایران

تالیف

مقتل الحسین مدینہ سے مدینہ تک

مؤلف

آیت اللہ سید محمد جواد حسینی تہرانی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ ناصر مہدی جاڑا

نظر ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل

— ناشر —

احیاء الامم الخالصین لاہور

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نواز بیگ، لاہور۔ فون: 5425372

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

کتاب	:	مدینہ سے مدینہ تک
مؤلف	:	آیت اللہ سید محمد جواد حسینی تهرانی
مترجم	:	حجۃ الاسلام علامہ ناصر مہدی جاڑا
صحیح و نظر ثانی	:	حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری ناسخ
پروف ریڈنگ	:	غلام حبیب
کمپوزنگ	:	ادارہ منہاج الصالحین، لاہور
اشاعت	:	2012ء
ہدیہ	:	450 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20، اردو بازار - لاہور

فون 0301-4575120 • 042-7225252

دیکھ کر لاشہ شبیر کو بے گور و کفن
یاد زینبؓ کو محمدؐ کا مدینہ آیا

مدینہ سے مدینہ تک

آیت اللہ محمد جواد جنتی تهرانی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترتیب

19

● — حکاکہ بنائے لالہ بہت حسین

پہلی فصل

24

ولادت حسینؑ کی تاریخ کا تعین

25

● ولادت امام حسینؑ کی کیفیت

26

● فطرس فرشتے کی شفا یابی

دوسری فصل

28

حضرت امام حسینؑ کے احوال کی فہرست

28

● حضرت کے القاب

28

● حضرت کی کنیت

28

● حضرت کی عمر مبارک

28

● حضرت کی بیویاں

29

● حضرت کی اولاد

30

● حضرت کی شہادت کا دن اور مہینہ

30

● شہادت کا سال اور مقام

30

● حضرت کا مقام شہادت

30

● مدت امامت

تیسری فصل

31

حضرت امام حسینؑ کے خصائص، فضائل اور مناقب

چوتھی فصل

35

معاویہ کا یزید کے لیے بیعت لینے کا طریقہ

40

● معاویہ کا مدینہ میں امام حسینؑ سے ملاقات کرنا

43

●..... نور الدین ماکی کا کلام

پانچویں فصل

46

●..... معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت

49

●..... وصیت معاویہ برائے یزید

51

●..... یزید کا خلیفہ بن کر پہلا خطاب کرنا

53

●..... یزید کے ظلم کی ابتداء اور مدینہ کی طرف خط

53

●..... یزید کے خط کا متن

54

●..... ولید کا مروان سے مشورہ

58

●..... عبداللہ بن زبیر کا فرار اور عبداللہ بن مطیع کا گرفتار ہونا

60

●..... امام حسینؑ کا روضہ رسولؐ پر امت کے مظالم کی شکایت کرنا

61

●..... آغاز قیام سید مظلومان از مدینہ

62

●..... وصیت نامہ امام مظلوم برائے محمد بن حنفیہ

63

●..... عبداللہ بن عباس کی امام حسینؑ سے گفتگو

63

●..... عبداللہ بن عمر کی امام حسینؑ سے گفتگو

64

●..... جناب ام سلمہؓ کی امام حسینؑ سے گفتگو

65

●..... عمر بن علیؓ کی امام حسینؑ سے گفتگو

چھٹی فصل

66

●..... مدینہ سے مکہ تک شاہ مظلوماں کا سفر

67

●..... کلام مرزا رفیع در ذریعہ النجاة

69

●..... چاہڑ بن عبداللہ انصاری کی امامت سے ملاقات

70

●..... امام کا اپنے اہل بیتؑ کے ساتھ مدینہ سے خروج اور ان کی تعداد

70

●..... صاحب بیت الاحزان کا مقالہ

72

●..... مدینہ سے نکلنے والوں کی فہرست

73

●..... ازواج امیر المومنینؑ

74

●..... امام حسین علیہ السلام کی کنیز

- 75 • امام حسینؑ کے دس غلام
- 76 • برادرانِ امام حسینؑ
- 77 • اولادِ جعفر طیار و زکریا میں
- 77 • اولادِ عقیلؑ کربلا میں
- 78 • امام حسنؑ کے خانوادے سے افراد
- 80 • مدینہ سے مکہ کی طرف سفر
- 81 • کوفیوں کے خطوط برائے امام
- 83 • کوفیوں کو امامؑ کا جواب اور مسلمؑ کی کوفہ روانگی

۔ تہویں فصل

- 84 احوال حضرت مسلم بن عقیلؑ علیہ السلام
- 86 • امام حسینؑ کا اہل بصرہ کو خط برائے نصرت
- 86 • یزید بن مسعود ہمیشگی کا امامؑ کے خط پہنچنے کے بعد اشراف سے خطاب
- 87 • حاضرین کے جواب
- 88 • یزید بن مسعود کا امام کو جواب

آٹھویں فصل

- 90 حضرت مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی
- 90 • امام حسینؑ اور مسلم بن عقیلؑ کی ملاقات
- 91 • مدینہ کے راستے کوفہ روانگی
- 92 • کوفہ میں مسلم بن عقیلؑ کا ورود
- 93 • مسلم بن عقیلؑ کے حضور اشراف کوفہ کا کلام
- 93 • مسلم بن عقیلؑ کی تعریف میں مرحوم صدرالدین کا کلام (در کتاب ریاض القدس)
- 94 • حاکم کوفہ (نعمان) کی مسجد میں تقریر
- 95 • یزید کا قرآن کو پارہ پارہ کرنا
- 96 • ابن زیاد کا بصرہ سے کوفہ کی طرف سفر
- 97 • ابن زیاد کا کوفہ میں ورود

- 98 عید اللہ کا کوفہ کے اجتماع سے خطاب
- 99 مسلم بن عقیل کی احمد مختار کے گھر سے ہانی کے گھر منتقلی
- 100 عبداللہ بن یحضر بنی گرفتاری اور شہادت
- 102 ہانی بن عروہ کی گرفتاری
- 105 ملا حسین کاشفی - روضۃ الشہداء
- 105 ہانی کی شہادت پر رد عمل
- 106 حضرت مسلم بن عقیل نے دارالامارہ کا محاصرہ کیا
- 108 مسلم بن عقیل کی نماز کے بعد تہائی
- 113 مسلم بن عقیل کی گرفتاری
- 121 حضرت مسلم بن عقیل اور ابن زیاد کی تلخ کلامی
- 123 جناب مسلم کی وصیت
- 125 حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت
- 126 ہانی بن عروہ کی شہادت
- 128 مسلم اور ہانی کے سریزید کو بھیجنا
- 129 فرزند ابن مسلم کا حال
- 129 نظریہ صاحب ریاض القدس
- 130 مظلان مسلم کے بارے میں شیخ صدوق کا نظریہ
- 135 فرزند ابن مسلم کے بارے میں ملا حسین کاشفی کی روایت

نویں فصل

- 146 حضرت امام حسینؑ کی مکہ معظمہ سے عراق روانگی
- 146 جن اشخاص نے حضرت امام حسینؑ کو مکہ سے نکلنے اور کوفہ جانے سے روکا
- 153 طرمج بن حکیم
- 154 صاحب نوح کا مقالہ (اعظم کوئی کا ترجمہ)
- 155 سفر عراق کی طرف آغاز
- 156 ب: اپنے خاندان کی طرف خط لکھواتا

- 157 امام حسینؑ کا کاروان مقام مخیم پر
- 158 وادی صفاح میں فرزدق سے ملاقات
- 160 امام حسینؑ کا وادی عرق میں قیام
- 160 حضرت امام حسینؑ کا وادی ثعلبیہ میں خواب دیکھنا
- 161 کوفہ کے راستوں پر ابن زیاد کے گماشتوں کا پہرہ
- 162 حضرت امام حسینؑ کا وادی حاجر میں پہنچ کر اہل کوفہ کو خط بھیجنا اور خط لے جانے والے شخص کی گرفتاری
- 162 خط لکھنے کی وجہ اور مضمون خط
- 164 حضرت امام حسینؑ کی اگلی منزل پر عبداللہ بن مطیع سے ملاقات
- 165 حضرت امام حسینؑ کی آئندہ منزل پر زہیر بن قین سے ملاقات
- 167 منزل ثعلبیہ: جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع
- 169 جناب مسلم کی شہادت کی اطلاع کہاں ملی؟
- 170 منزل ثعلبیہ کے واقعات
- 172 منزل زبالہ کے واقعات
- 173 حضرت امام حسینؑ کا کاروان قصر بن مقاتل پر اور عبید اللہ بن حریص کی امام سے ملاقات
- 175 کامل الثریات میں ابن قولویہ کی روایت
- 179 امام حسینؑ کی خربن یزید ریاحی سے ملاقات
- 176 خُرو اور امام حسینؑ کی ملاقات کے بارے میں مختلف نظریات
- 179 منزل قطیف کا یہ پہنچ کر امام کا صحابہ سے بیعت اٹھالینا
- 182 خُری بخئی اور کاروان حسینؑ کا تعاقب
- 192 کیا عمر بن سعد امام حسینؑ کا قاتل ہے؟
- 194 آخرت میں عمر بن سعد پر عذاب
- 197 قتل حسینؑ کے لیے ابن زیاد کی محفل
- 199 عمر بن سعد کا قتل امامؑ کے بارے میں مشہور نظریہ
- 202 ابن زیاد کے لشکر کا امام حسینؑ کے کارواں و مدینہ جانے سے روکنا
- 204 جن اشخاص پر جنت تمام کی اور ان کو دعوتِ حق دی
- 206 ورود کر بلا اور شب عاشور تک کے واقعات

- 207 ابوحنفہ کے نزدیک اپنے قتل میں درودِ کربلا کا منظر
- 208 روزِ درودِ کربلا، ۲۰ محرم کے واقعات
- 212 وقائعِ روزِ سومِ محرم
- 213 لشکروں کے کوفہ سے نکلنے کی ترتیب صاحبِ معالیٰ السطین کے نزدیک
- 213 لشکر کی تعداد
- 214 درودِ عمر بن سعد روزِ سومِ محرم
- 218 عمر بن سعد کا کربلا سے ابنِ زیاد کو خط لکھنا
- 219 عمر بن سعد کی امام حسینؑ سے ملاقات
- 220 چار محرم کے واقعات
- 220 عمر سعد کی امام سے ملاقات
- 222 پانچویں محرم کے واقعات
- 223 چھ محرم کے واقعات
- 224 ساتویں محرم کے واقعات
- 224 پانی کا بند ہونا
- 226 آٹھ محرم کے واقعات
- 226 حضرت عباسؑ کا پانی لینے جانا
- 227 سقائی کی وجہ
- 228 جنابِ بَریہ بن نفیر ہمدانی کی ابنِ سعد کو نصیحت
- 229 حبیب ابنِ مظاہرؓ کا بنی اسد سے مدد طلب کرنا
- 231 عمر بن سعد کی امام حسینؑ سے ملاقات
- 231 دونوں لشکروں کے درمیان امام حسینؑ کا نصیحت کرنا
- 232 ابنِ جزی کا نظریہ
- 233 نویں محرم کے واقعات
- 237 امان نامہ برائے حضرت ابوالفضل العباسؑ و برادران
- 238 لشکر کا حملہ کرنا اور امامؑ کا مہلت مانگنا
- 240 عصر تا سوا امام حسینؑ کا خواب دیکھنا

- 242 شہد عاشور کے واقعات
- 242 بیعت کا اصحاب سے اُٹھالینا اور اصحاب کا اظہار وفاداری
- 243 حضرت عباسؓ علمدار کا اظہار وفاداری
- 244 عبداللہ بن مسلم کا اظہار وفاداری
- 244 جناب مسلم بن عویض کا اظہار وفاداری
- 245 جناب زہیر بن قین کا اظہار وفاداری
- 245 جناب سعید بن عبداللہ الجعفی کی اظہار وفاداری
- 245 جناب بشیر بن عمر و خضریٰ کا اظہار وفاداری
- 246 بے وفا صحابہ کا چھوڑ جانا
- 249 باوفا صحابیوں کو جنت کا نظارہ کرانا
- 249 بحکم امام حسینؓ خیام کی نئی ترتیب
- 250 خیام کے ارد گرد خندق کھودنا
- 250 چند دشمنوں کا امامؓ سے ملحق ہو جانا
- 251 بُریر کا پانی طلب کرنا اور جنگ ہو جانا
- 254 نجات کی کشتی کے ۳۲ سوار
- 254 ہلال کی خیام امامؓ کی پہرہ داری
- 258 صبح عاشور اور امامؓ کی نماز ہا جماعت
- 259 روز عاشور لشکرِ حق و لشکرِ باطل کی صف آرائی
- 260 امامؓ کے لشکر کی تعداد
- 261 امامؓ کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی
- 261 اسمائے بنی ہاشم
- 264 عمر بن سعد کے لشکر کی صف آرائی
- 265 لشکرِ ابن سعد کو بُریر کی نصیحت
- 266 لشکرِ حسینیؓ کا محاصرہ
- 266 حضرت امام حسینؓ کا وعظ و نصیحت کرنا
- 268 مناجاتِ امامؓ

- 269 امام کا دوسری مرتبہ وعظ و نصیحت اور اتمامِ حجت
- 272 نصرتِ امام کے لیے فرشتوں کا آنا اور امام کا مدد لینے سے انکار
- 273 امام کے استقاضہ نے خُر کی تقدیر بدل دی
- 275 کفر اور ایمان کی جنگ کا آغاز
- 277 پہلے حملہ کے شہداء کے اسمائے گرامی
- 280 لشکرِ اسلام پر لشکرِ کفر کا دوسرا حملہ
- 283 جنابِ خُر کا مکار قوم کو وعظ و نصیحت کرنا اور بھائی پر اثر
- 285 جنابِ خُر کا اپنے بیٹے کو میدان میں بھیجنا اور بیٹے کی شہادت
- 287 جنابِ خُر کی شہادت
- 290 شہادتِ معصب بن یزید ریاحی
- 290 جنابِ خُر کے غلامِ عروہ کی شہادت
- 290 امام کا تیسری مرتبہ اتمامِ حجت اور تین امور سے ایک کا اختیار دینا
- 291 سامرازدی کا زہیر بن حسان اسدی سے قتل ہونا اور جنابِ زہیر بن حسان کی شہادت
- 294 جنابِ عبداللہ بن عیسٰی کی شہادت
- 295 جنابِ زہیر بن خنیر ہمدانی کی شہادت
- 297 وہب بن عبداللہ بن حباب کلبی کی شہادت
- 301 جنابِ ہلال بن نافع کی شہادت
- 302 شہادتِ جنابِ نافع بن ہلال بکلی
- 303 جنابِ مسلم بن عوجبہ کی شہادت
- 306 جنابِ مسلم بن عوجبہ کے فرزند کی شہادت
- 307 ظہیر عاشورہ سے پہلے لشکرِ ابنِ سعد کے حملے
- 311 ظہیر عاشورہ کے واقعات
- 312 شہادتِ جنابِ حبیب بن مظاہر اسدی
- 313 جنابِ زہیر بن قین بکلی کی شہادت
- 315 نمازِ ظہر کی ادائیگی اور جنابِ سعید بن عبداللہ کی شہادت
- 316 دو بھائیوں جنابِ عبداللہ ہخفاری اور عبدالرحمن ہخفاری کی شہادت

- 317 شہادت طراح بن عدی
- 318 شہادت حظلہ بن سعد شیبانی
- 319 شہادت حجاج بن مسروق
- 320 شہادت ہاشم بن عتبہ بن وقاص
- 322 شہادت فضل ابن علی
- 325 شہادت جناب جون غلام ابی ذر غفاری
- 327 حضرت امام حسین کے نو غلاموں کی شہادت
- 327 ترکی غلام کی شہادت
- 329 بنی ہاشم کے جوانوں کا آپس میں الوداع کرنا
- 329 بنی ہاشم سے پہلا شہید کون؟
- 331 بنی ہاشم کی قربانیاں
- 331 حضرت علی اکبر کی تفصیلی شہادت
- 333 شہزادے کی میدان میں آمد
- 336 جناب علی اکبر کی لاش کا خیم میں پہنچنا
- 337 جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی شہادت
- 339 جناب جعفر بن عقیل کی شہادت
- 339 شہادت اولاد جعفر بن ابی طالب
- 340 شہادت جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار
- 341 جناب عون بن عبداللہ بن جعفر کی شہادت
- 341 امام حسن کی اولاد کی شہادتیں
- 341 جناب عبداللہ بن امام حسن کی شہادت
- 345 شہادت حضرت قاسم بن الحسن
- 347 عقد قاسم سلام اللہ علیہ
- 348 جناب قاسم میدان میں
- 350 جناب قاسم کی شہادت و شہادت
- 355 جناب حسن ثقی کا میدان میں جانا، زخمی ہونا اور قید ہونا

- 356 شہادتِ اولادِ علیؑ
- 356 شہادتِ جناب ابوبکر بن علیؑ
- 357 شہادتِ عون بن علیؑ
- 358 جناب محمد بن عباس علمدار بن علی بن ابی طالبؑ کی شہادت
- 360 سردارِ کربلا، علمدارِ کربلا قرنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت
- 369 امام حسینؑ کی تنہائی اور جہاد کے لیے تیاری
- 371 امام حسینؑ کا اہلِ حرم سے پہلا وداع کرنا
- 371 امام علیہ السلام کی عمر بن سعد سے گفتگو
- 372 امام زین العابدینؑ سے امام حسینؑ کا وداعِ بروایتِ صدرِ قزوینی
- 373 شہادتِ جناب علی اصغرؑ
- 374 شہادتِ علی اصغرؑ کی دوسری روایت
- 375 شہادتِ علی اصغرؑ کی تیسری روایت
- 377 شہادتِ علی اصغرؑ کے بارے میں قاضی دربندی کی چوتھی روایت
- 378 نصرتِ امامؑ کے لیے جنوں کی آمد
- 379 لشکرِ کفر پر امام حسینؑ کا اتمامِ حجت
- 381 خاتمِ آلِ عباسؑ کا مبارزہ اور اظہارِ شجاعت
- 385 عمر سعد کی عہد شکنی
- 387 تشنگی کی وجہ سے ضعف اور کمزوری
- 388 اہلِ حرم سے امام حسینؑ کا دوسرا وداع
- 391 امام حسینؑ کا امام زین العابدینؑ سے وداع
- 393 حضرت امام حسینؑ کی شجاعت کا ظہور
- 395 حضرت عبداللہ بن الحسن المجتبیٰؑ کی شہادت
- 396 شہادتِ جناب عبداللہ اصغرؑ
- 398 امام حسینؑ کا زین چھوڑنا
- 398 امامؑ کے زین سے زمین پر آنے کا انداز
- 399 جنابِ نسیب کا اضطراب اور استغاثہ

- 400 ذوالجناح کی وقاداری
- 400 ذوالجناح کی خیام میں آمد
- 401 امام حسینؑ کو شہید کرنے کے لیے کئی لوگوں کو بھیجا گیا
- 404 معاذت مقدس امام حسینؑ کی لشکر کی طرف سے توہین
- 405 قاتل امام کون؟
- 406 شمر کے قتل کرنے کی کیفیت
- 407 شمر ملعون کا امام حسینؑ کو شہید کرنا
- 409 شمر ملعون کا امام حسینؑ کے سر کو نیزے پر بلند کرنا
- 410 حضرت امام حسینؑ کا لباس لوٹنا
- 412 شہادت امامؑ کے بعد ذوالجناح کی خیام میں آمد
- 413 پامالی لاش سید الشہداء
- 415 شام غریباں اور غارتو خیام
- 420 خیام حسینی کو آگ لگانا

گیارہویں فصل

- 421 شب شام غریباں کے ہولناک واقعات
- 421 دو بچوں کی شہادت
- 422 امام حسینؑ کی انگلیاں کاٹنا
- 426 سرِ مطہر کا کوفہ پہنچنا
- 430 شہداء کے سر کاٹنے کا حکم

بارہویں فصل

- 432 کاروانِ اہل بیتؑ کی کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی
- 433 قیدیوں کا عبور قتل ہے

تیسریں فصل

- 439 دینی شہدائے کربلا
- 439 حضرت امام سجادؑ کا تدفین شہداء میں آنا اور بنی اسد کی رہنمائی کرنا

چودھویں فصل

- 443 کوفہ میں اہل بیتؑ کا ورود
- 444 اہل بیتؑ کے ورود کوفہ کے حالات
- 446 ایک کوئی عورت کا اہل بیتؑ کی حالت دیکھ کر متاثر ہونا
- 448 بازار کوفہ میں اہل بیتؑ کے خطاب
- 448 جنابِ ننبؑ کا خطبہ
- 449 خطبہ امامِ سجادؑ
- 451 خطبہ جنابِ فاطمہؑ الصغریٰ
- 452 خطبہ جنابِ ام کلثومؑ
- 453 مسلم معمار کا آنکھوں دیکھا واقعہ
- 455 زندانِ کوفہ میں آمد
- 457 عمر بن سعد سے ابنِ زیاد کی بے اعتنائی
- 458 اہل بیتؑ کی ابنِ زیاد کے دربار میں پیشی
- 465 ابنِ زیاد کا سرِ مطہر کو بازاروں میں پھرانا اور امامؑ سے سر کا کلام کرنا
- 466 ابنِ زیاد کی تقریر پر عبداللہ بن عقیف کی تنقید اور ان کی مظلومانہ شہادت
- 469 شہادتِ امامِ حسینؑ کی یزید کو اطلاع اور اس کا خوشی منانا
- 471 زندان میں اہل بیتؑ کو خوف زدہ کرنا
- 471 ابنِ زیاد نے شہادتِ امامؑ کی اطلاع مدینہ بھیجی
- 473 مدینہ میں عزاداری کی ابتدا

پندرھویں فصل

- 475 سرہائے شہداء اور اہل بیتؑ کی شامِ روانگی
- 476 کوفہ سے شام تک کاروانِ اہل بیتؑ کے منازل
- 478 واقعہ منزلِ کھیلہ
- 478 واقعہ منزلِ حنیہ
- 479 واقعہ منزلِ موصل

- 479 واقعہ منزل نصیبین
- 480 نصیبین کے بعد کا واقعہ
- 480 شہر حلب کا واقعہ
- 481 غیر معلوم مقام کا ایک واقعہ
- 483 واقعہ دیر راہب
- 488 کوفہ و شام کے درمیان غیر معلوم مقام کا واقعہ
- 491 واقعہ منزل حران
- 493 واقعہ سیبور
- 494 واقعہ منزل حماة
- 495 واقعہ شہر حمص
- 495 واقعہ بعلبک
- 496 صومعہ راہب کا واقعہ
- 497 واقعہ عسقلان
- 501 یزید کو زور و اہل بیت کی اطلاع
- 504 اہل بن سعید کی اہل بیت سے ملاقات
- 507 زور و شام کے وقت اسراء کی ترتیب
- 509 بوڑھے شامی کی توبہ
- 510 خربہ زندان میں زور و اہل بیت
- 511 اہل بیت کی یزید کے دربار میں پیشی
- 514 یزید کی سید الشہداء کے سر مطہر سے جسارت
- 517 دربار یزید میں امام حسین سے متاثر لوگوں کی سزا
- 522 دربار میں یزید سے امام سجاد کی گفتگو
- 525 محمد راسخ عسمت کی یزید کے دربار میں گفتگو
- 527 اہل بیت کی یزید کے دربار میں پیشی (بروایت انوار نعمانیہ و منتخب التواریخ)
- 529 زہیر عراقی کا واقعہ
- 530 یزید کی بے حیائی اور باطن کی عکاسی

- 531 دربار یزید میں جناب زینبؓ کا خطبہ
- 537 یزید ملعون سے امام سجادؑ کی گفتگو
- 538 اہل بیتؑ کا دربار خربہ زندان میں قید ہونا
- 539 خربہ شام کے زندان میں پریشانی
- 540 خربہ شام میں دختر امام حسینؑ کی شہادت
- 541 روز عاشورہ اس بچی کی حالت
- 547 غسالہ عورت سے جناب زینبؓ کا زبان حال میں خطاب
- 547 مزید مرثیہ بہ زبان حال
- 548 شامی خطیب کے خطبے کے جواب میں امام سجادؑ کا انقلابی خطبہ
- 552 مزید خطبہ امام سجادؑ پر روایت ابو جعفر
- 554 واقعہ ہمدہ زوجہ یزید
- 556 مقام مخصوص برائے عزاداری سید الشہداء
- 557 یزید کا اہل بیتؑ سے معذرت کرنا اور رہائی دینا

سولہویں فصل

- 560 اہل بیتؑ کی شام سے رہائی
- 561 امام سجاد علیہ السلام کی اہل بیتؑ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانگی
- 562 امام سجادؑ کی کربلا میں جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے ملاقات
- 563 اہل بیتؑ کا مدینہ میں واپس آنا
- 564 جناب محمد حنفیہؑ سے ملاقات
- 565 نعمان بن بشیر قافلہ سالار سے معذرت
- 566 امامؑ کے سر کی تدفین کے بارے میں تحقیق



ہٹا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

(عرض ناشر)

سانچہ کر بلا تاریخ اسلامی کا ایک اہم ترین موڑ ہے، جب نواسہ رسولؐ، جگر گوشہ علیؑ و بتول سیدنا و مولانا امام حسین علیہ السلام اپنے جوں ٹاروں کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ حق کی بقاء، دین کی سر بلندی اور انسانیت کے تحفظ کے لیے اپنی انمول جان کا نذرانہ پیش کر کے جرأت و شہامت، صبر و استقلال، حق گوئی و بے باکی کی وہ بے مثال اور عظیم الشان تاریخ رقم کی۔ پر مبنی نوع انسانیت ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ شاعر حسینیتؑ نے کیا خوب کہا ہے:

دنیا میں مودت سی جو اکسیر نہ ہوتی	خُر تیری کبھی معاف ہی تفسیر نہ ہوتی
عباسؑ کے بازو جو قلم ہوتے نہ بن میں	آئین وفا کی کوئی تحریر نہ ہوتی
برجی جو نہ لگتی علی اکبرؑ کے جگر میں	پھر فدیہٴ اعظم کی بھی تعبیر نہ ہوتی
ہاتھوں پہ جو قربانی بے شیر نہ ہوتی	کعبے کی مکمل کبھی تعمیر نہ ہوتی
ہوتی نہ شہادت جو نواسہؑ نبیؐ کی	پاسندگی اسلام کی تقدیر نہ ہوتی
سجادؑ کے پاؤں میں جو زنجیر نہ ہوتی	کربل کی کہانی یوں ہمہ گیر نہ ہوتی
زینبؑ سی جو شبیرؑ کی ہمیشہ نہ ہوتی	
سب ہوتا مگر شام کی تغیر نہ ہوتی	

دنیا جانتی ہے کہ ۶۱ ہجری قمری میں یزید پلید نے جب ظلم و ستم، جبر و استبداد اور غصب و استیصال کے ذریعے بدترین ظلم کی اور امام برحقؑ، ولی مسموع من اللہ، خلیفہ اللہ، وصی رسول اللہ حسین ابن علیؑ سے بیعت طلب کی تو اس نمائندہ الہی نے یزید اور اس کے گماشتوں کو ہر طریق سے سمجھانے کی کوشش کی اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کرتے ہوئے

”لوگو! رسول خداؐ نے فرمایا کہ جس نے ظالم، محرمات الہی، کھجلاں قرار دینے والے، عہد خداوندی کو

توڑنے والے، اللہ کے بندوں پر معصیت اور جبر و زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً غلاماً اس (نظام) کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو اللہ کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم و جابر کے ساتھ دوزخ میں ڈال دے۔“

مزید فرمایا:

”آگاہ ہو جاؤ انھوں نے شیطان کی حکومت قبول کر لی ہے اور رحمن کی اطاعت ترک کر دی ہے۔ ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود اللہ کو معطل کر دیا ہے..... خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے اس کو بدلنے کا حق ہے۔“

ان مختصر خطبات میں وہ پورا پیغام و فلسفہ بند ہے جس کی خاطر نواسہ رسولؐ نے اپنی، اپنے بچوں، بھتیجیوں، بھانجیوں، بھائیوں اور یار و انصار کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور صرف یہی نہیں الہی نظام کے تحفظ اور فروغ کے لیے مخدرات عصمت کے پردے تک قربان کر دیئے۔

امام عالی مقامؑ کا یہ مشن اور نظریہ حیات آج بھی جاری و ساری ہے اور جہاں بھی ظلم کی فصل بوئی جاتی ہے اہل حق پرچم حسینؑ لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اسوۂ حسینیؑ پر چلنے والے اکثر ”بہ یزداں ہم عدد“ (مختصر) ہوتے ہیں۔

کتبہ مقاتل اور روضہ خوانی بھی اسی مشن کے فروغ کا ایک زبردست ذریعہ ہیں جو آج تک واقعہ کربلا اور کوفہ و شام کی آسارت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ آج حسینیت اور کربلا ہر زندہ ادب کا استعارہ بن چکے ہیں تو اس کا سبب بھی یہی کتب ہیں۔ عربی، فارسی زبانوں میں پہلی صدی ہجری ہی سے مقاتل نے منصہ شہود پر آنا شروع کر دیا تھا۔ اردو زبان چونکہ چند صدیاں پہلے جنم لینے والی زبان ہے، اس لیے کتب مقاتل عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل کرنے کی بہت ضرورت تھی، تاکہ اس غلام کو پورا کیا جاسکے۔ لیکن یہ امر حیران کن ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اردو کا دامن، بہترین کتبہ مقاتل سے بھر چکا ہے۔

ادارہ منہاج الصالحین کا بھی ایک خصوصی مقصد کتبہ مقاتل کی اشاعت ہے۔ اس سلسلے میں ہم سوانح نامہ آلِ محمدؐ، سردار کربلا، غم نامہ کربلا، عزائے آلِ احمدؑ، توضیح عزائم جیسی دسیوں کتب منظر عام پہ لا چکے ہیں، جنہیں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

از مدینہ تا مدینہ فارسی کی بہترین کتاب مقتل ہے جس کے مصنف و مؤلف علامہ بے عدیل حضرت سید محمد جواد ذہبی تہرانی مرحوم ہیں۔ موصوف اس کے علاوہ تفسیر القرآن القامع کی شرح فارسی جوامع الجامع، کامل الزیارات کے بھی مترجم ہیں۔ ترجمہ نوح البلاغہ ملاحی اللہ کا شانی کی تصحیح و ترمیم بھی آپ ہی نے کی۔ حقوق، حدود، قصاص و دیات پر علامہ مجلسی علیہ

محدث جمع و تحقیق بھی فرمائی۔ موصوف نے ”از مدینہ تا مدینہ“ میں روایات مقتل کا ضخیم ذخیرہ جمع فرما دیا ہے، جنہیں سامنے رکھ کر جس پر تحقیق کے کام کو بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ نے ایسا پُر سوز اسلوب اور انداز تحریر بھی ہے کہ یہ مقتل الحسین کا بہترین منظر نامہ اور غم نامہ بن کر سامنے آیا ہے۔ ہم نے کتاب ہذا کا ترجمہ کروانا ضروری جانا۔ یہ سہ ایسی کتب کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتی ہیں۔

مترجم کی خدمات علامہ ناصر مہدی جاڑا صاحب نے انجام دی ہیں اور اس کی تصحیح و نظر ثانی میں تاریخ و مقتل پر دسترس رکھنے والے ہمارے برادر پروفیسر مظہر عباس چودھری نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ عربی عبارات پر بھی ہم نے خصوصی توجہ دی ہے، بہت فاری اشعار کو کم لایا گیا اور ان کی جگہ اردو اشعار کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہِ کریم میں التجا ہے کہ بصدق شہدائے کربلا اور آلِ عباسی ہماری یہ کاش قبول فرمائے اور اسے حسین کا پُرسہ سمجھا جائے۔ وہ مظلوم بی بی جو اپنی اجڑی قبر میں مظلوم حسینؑ کا گرتہ لیے روز جزا کے انتظار میں ہے، تاکہ بے گواہی و بی ادبی میں اپنے بچوں کی مظلومیت کا استغاثہ پیش کر سکے۔ کاش اس استغاثہ کے وقت میدانِ محشر میں ہم بھی سیدہ زہراءؑ کے سایہ عاطفت و مظلومیت میں اشک فشاں اور ماتم کناں موجود ہوں۔ یہی خواہش ہمارا سرمایہ حیات اور تقاضائے عاقبت ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

طالبِ دعا!

ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وہ جو نور چشم بتول تھا، جو گلِ ریاضِ رسول تھا
اُسی ایک شخص کے قتل میں میری کتنی صدیاں اداس ہیں

بے قیاس حمد اور بے حد تعریف اُس خالق کی جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا اور شکر ہے اس ذات کا کہ جس نے
ہمیں قوتِ عقل و ادراک عطا کی نیز سوچنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

ہمارا غیر محمد و درود و سلام ہو موجودات کے سرور، انبیاء کے تاج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اُن کے
بلافصل وصی، اولیا کے سردار حضرت علی سلام اللہ علیہ اور ان کی طیب و طاہر اولاد پر خصوصاً سید الشہداء حضرت امام حسینؑ پر۔
زیر نظر کتاب امام حسین علیہ السلام کے احوال و طلال پر ولادت سے شہادت تک مشتمل کتاب ہے۔ کافی عرصہ سے
سوچ رہا تھا کہ اس موضوع پر کتاب لکھی جائے اور خامس آلِ عبا کے عقیدت مندوں کی خدمت میں پیش کی جائے لیکن
معروفیات کی کثرت اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مانع رہی۔ دن گزرتے رہے، سفر جاری رہا۔ ان اوقات میں عمدہ
کتاب اور مختلف علوم کی درس و تدریس کے علاوہ مختلف اسفار کی تالیف کی۔ ان میں سے اکثر تالیفات گذشتہ تالیفات کی شرح
اور ترجمہ میں، جو حوزہ ہائے علمیہ میں درسی کتب کے طور پر رائج ہیں۔

اچانک خیال آیا کہ زعمی کا سورج زوال کے قریب ہے لیکن ابھی تک اپنے معمم ارادے کی طرف پیش قدمی نہیں کی،
ابھی میں اپنے آپ سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ میں نے تمام علوم و فنون میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں اور ہر باغ سے پھول
چن چن کر گلہستے بنا دیے ہیں لیکن اگر خامس آلِ عبا حضرت سید الشہداء کے مصائب، آزمائشوں اور پریشانیوں، نیز اہل
بیت کے دکھوں کی یادداشت نہ چھوڑی تو کیا کام کیا؟ اور صاحبِ شریعت کا دین کیا ادا کیا؟

پس یہی فکر ہر وقت لاحق رہی۔ بالآخر فضل و فیضِ الہی ہمیشہ کی طرح مجھ بے علم کے شامل حال ہوئے، کہ ایک رات
جناب آقائے سید فخر الدین جواہریان مدبر محترم انتشاراتِ پیامِ حق، جو نہایت محترم، معزز اور موفق سادات میں سے ہیں اور
حقیر سے مانوس ہیں، نے دورانِ گفتگو تجویز دی کہ اگر مقتلِ حسینؑ حضرت سید الشہداء سلام اللہ علیہ پر آپ ایک کتاب تالیف
کریں تو میں اپنے فاضل ہمارے جناب محمد جاسی کے تعاون سے چھاپ دوں گا اور اس پر بہت اصرار کیا۔ جب میرے داعی کو

صحیح بی تو پھر میں نے دیر کرنا جائز نہ سمجھا اور تمام موانع و شواغل کے باوجود خود کو پابند کیا کہ مقتل پر جامع کتاب تالیف کرے۔ جس فعلی خدا اور احسان الہی سے خاص آلِ عبا کے الطافِ کریمانہ بندہ کے شاملِ حال ہوئے اور بہت تھوڑے عرصے میں توفیق ملی کہ حضرت کے دکھ بھرے حالات جو مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا اور سرزمینِ کربلا پر ہوئے، جن سے حسینؑ کے دل داغدار ہوئے اور جو واقعات سرورِ شہیدان کی شہادت کے بعد اہل بیتِ حرم کو اسیری کے دوران میں آج سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر شام سے مدینہ پاک کی واپسی تک پیش آئے، ان کو جمع کرنے کی کوشش کی، جنہیں بحیثیت کرنے کی طاقت کسی میں نہیں اور اس کتاب کا نام از مدینہ تا مدینہ رکھا گیا ہے۔

اس قسم کی تالیف میں علماء کی تالیفات اور مکتوبات سے بہت زیادہ استفادہ کیا جاتا ہے، لہذا اس فیضِ الہی اور اجرِ جلیل سے روزِ رگ حصارِ دار بلکہ مقدم ہیں۔

امید ہے کہ خداوند متعال ناچیز کی یہ خدمت اور تمام حضرات جن سے استفادہ کیا گیا مثلاً گذشتہ علماء (کے مکتوبات)، پیشینہ اور معاونین سب کی زحمات کو قبول فرمائے اور روزِ قیامت ہمارے لیے ذخیرہ فرمائے۔ آمین ثم آمین رب العالمین!

سید محمد جواد ذہنی تہرانی

پہلا فصل

ولادتِ حسینؑ کی تاریخ کا تعین

وہ بیٹے پائے زہراء و علی نے
جنہیں اپنا پر سمجھا نبیؐ نے
جو بیٹھا پشتِ اقدس پر نواسہ
اٹھایا سر نہ سجدے سے نبیؐ نے
جسے روح الامین کہتی ہے دنیا
ترا جھولا جھلایا ہے اُسی نے

امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی تاریخ میں سال، مہینے اور دن کا اختلاف ہے۔ سال ولادت میں اختلاف کے بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں:

اول: بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ آپ کی ولادت تین ہجری کو ہوئی۔

دوم: بعض نے ولادت کا سال چار ہجری قرار دیا ہے۔

ماہ ولادت میں اختلاف کے حامل تین قول ہیں:

اول: ایک جماعت نے ولادت کا مہینہ ماہ شعبان لکھا ہے اور یہی مشہور ہے۔

دوم: ایک جماعت نے ولادت کا مہینہ جمادی الاول ذکر کیا ہے۔

سوم: کچھ لوگوں نے ولادت امام ماہ ربیع الاول کے آخر میں لکھی ہے۔

رہا ولادت کے دن میں اختلاف، تو اس میں بھی تین قول ہیں:

اول: بعض علمائے تاریخ نے جمعرات کے دن ۳ شعبان کو ولادت ذکر کی ہے۔

دوم: کچھ علمائے لکھا ہے: تاریخ ولادت ۳ شعبان بروز منگل یا جمعرات ہے۔

سوم: کچھ علمائے تاریخ ولادت ۵ ماہ شعبان لکھی ہے۔

البتہ مشہور علما کا نظریہ بہ متعلق ولادت بروز جمعرات ۳ شعبان چار بجری ہے۔

وودتِ امام حسینؑ کی کیفیت

ہاں اے فلکِ حیرتے سر سے جواں ہو اے ماہِ شبِ چاروہم، نورفشاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ تو عالم سے نہاں ہو اے روشنیِ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ولادت کی ید اللہ کے گھر میں

خورشید اُترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

امام رضا علیہ السلام سے منقول معتبر روایت میں آیا ہے: جب امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے تو رسولؐ خدا نے اسماء بنت عمس سے فرمایا: اسے مجھے دو۔ اسماء حضرت حسینؑ کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر رسولؐ پاک کے حضور لائیں۔ حضرتؑ نے انھیں اپنی گود میں لیا، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: حق تعالیٰ آپ کو سلام کہہ رہا ہے اور فرماتا ہے: علیؑ سے تمہاری نسبت ایسے ہے جیسے ہارونؑ کی نسبت موسیٰؑ سے ہے پس اس بیٹے کا نام ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر ”شبیر“ رکھو جس کا عربی میں معنی ”حسین“ ہے۔

رسولؐ خدا نے حسینؑ کا بوسہ لیا اور رو کر فرمایا: اے میرے بیٹے! ایک بڑی مصیبت تیرے انتظار میں ہے۔ پھر فرمایا: خدایا! اس کو قتل کرنے والے پر لعنت کر، پھر اسماء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ بات فاطمہؑ کو نہ بتانا۔ جب ساتواں دن ہوا تو حضرتؑ نے اسماء سے فرمایا: میرے بیٹے کو لاؤ۔

اسماء حسینؑ کو حضرتؑ کے پاس لائیں تو رسول اکرمؐ نے سیاہ اور سفید گوسفندوں سے ان کا عقیقہ کیا اور گوسفند کی ایک ران دایہ کو دی۔ پھر حضرت امام حسینؑ کے سر کے بال تراشے گئے اور ان کے سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی نیز خلوق پودے جو ایک خوشبودار پودا ہوتا ہے کے پتے امامؑ کے سر پر نئے۔ پھر حضرتؑ رونے لگے۔ حسین علیہ السلام کو گود میں لیا اور فرمایا: اے ابا عبد اللہ! آپ کا قتل ہونا مجھ پر بہت سخت اور گراں ہے۔

اسماء نے عرض کیا: میرے والدین آپؑ پر قربان ہوں یہ کیسی بات ہے کہ پہلے دن بھی کہی اور آج آپؑ پھر اس کی

تکرار فرما رہے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: اے اسماء! بنی امیہ کے ستم کاروں اور کافروں کا ایک گروہ میرے اس بیٹے کو قتل کرے گا اور خدا ان لوگوں کو میری شفاعت سے محروم کر دے گا۔ اس کو وہ شخص قتل کرے گا جو میرے دین میں رخنہ ڈالے گا اور خدا کا منکر

ہو جائے گا۔ پھر فرمایا: خدایا! میں تجھ سے سوالی ہوں کہ میرے ان دو بیٹوں کے لیے وہی کچھ عطا کرنا جو ابراہیمؑ اپنی ذریت کے حق میں چاہتے تھے۔ خداوند! ان کو دوست رکھ اور ہر اُس شخص کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھتا ہے اور لعنت کر اس شخص پر جو ان کو دشمن سمجھے۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے: حضرت کی ولادت کے وقت جناب فاطمہ زہراءؑ بیمار ہو گئیں اور دودھ کی کمی لاحق ہوئی تو رسول خداؐ نے اپنی انگشت آپ کے منہ میں دی اور اس سے دودھ جاری ہوا جو حضرت حسینؑ نے پیا۔ بعض مؤرخین نے کہا: حضرت نے اپنی زبان حسین علیہ السلام کے منہ میں دی اور زبان کو چوسنے سے غذا حاصل ہوئی اور پیغمبر کی زبان سے چالیس دن تک حسین علیہ السلام کو رزق اور غذائتی رہی اور آپ کا گوشت رسول کے گوشت سے بنا۔ کافی میں کلین کی روایت کے مطابق حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت حسینؑ نے نہ تو فاطمہ زہراءؑ کا دودھ پیا اور نہ کسی اور کا بلکہ حضرت کو رسول اکرمؐ کی خدمت میں لایا جاتا اور حضورؐ اپنی انگشت مبارک آپ کے منہ میں رکھتے اور آپ چوستے تھے۔ اور یہ چوسنا دو یا تین بار کافی تھا۔ اس طریقے سے حضرت حسینؑ کا خون اور گوشت بنتا رہا۔ اور کوئی بچہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت حسینؑ کے علاوہ ایسا نہیں جو چھ ماہ کا پیدا ہوا اور زندہ رہا ہو۔

فطرس فرشتے کی شفا یابی

تشیع کی معتبر ترین کتاب ”کامل الزیارات“ میں ابن قولویہ نے ایک حدیث امام صادق علیہ السلام سے یوں نقل فرمائی ہے: جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو حق تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ ہزار فرشتے لے کر زمین پر جاؤ اور میری اور اپنی طرف سے رسول خدا کو مبارک دو۔

حضرت نے فرمایا: جبرئیل کے اُترنے کا مقام ایک جزیرہ تھا جو دریا کے اندر تھا۔ اس جزیرہ میں فطرس نامی ایک فرشتہ تھا کہ جو عرش کے اٹھانے والوں میں سے تھا، خدا نے اس کو ایک کام کے لیے بھیجا اور اس نے سُستی کی تو اس کے پر ٹوٹ گئے اور اس جزیرہ میں گر گیا۔ اس نے چھ سو سال خدا کی عبادت کی حتیٰ کہ امام حسینؑ کی ولادت ہو گئی۔

فطرس نے جبرئیل سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

جبرئیل نے کہا: خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نعمت عطا فرمائی اور مجھے مبارک دینے کے لیے ان کے پاس بھیجا ہے لہذا میں حضرت کے پاس جا رہا ہوں۔

فطرس نے عرض کیا: اے جبرئیل! مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ شاید رسول خدا میرے لیے دعا کر دیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جبریلؑ فطرس کو اپنے ساتھ لایا۔ جب رسول اللہ کی خدمت میں پہنچا تو فطرس کو بوجھ لیا اور خود محضر رسولؐ میں پہنچ گیا اور خدا اور اپنی طرف سے مبارک پیش کی۔ پھر فطرس کا حال بتایا تو رسولؐ خدا نے جنت عطا فرمائی کہ فطرس کو لے آؤ۔ جبریلؑ اُسے لائے تو اُس نے اپنی داستان سنائی۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کے لیے دعا کی اور فرمایا: اپنے ٹوٹے ہوئے پردوں کو اس مولود کے ساتھ مَس کرو اور اپنے مقام پر چلے جاؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: فطرس نے اپنے شکستہ بال امام حسینؑ سے مَس کیے اور وہ صحیح و سالم ہو گیا۔ وہ مَس آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا تو اُس نے یہ جملے کہے:

یا رسول اللہ! یہ حتیٰ ہے کہ آپؐ کی اُمت اس مولود کو قتل کرے گی۔ میں اس مولود کے اپنے اُپر احسان کی وجہ سے خلع پر لازم کرتا ہوں کہ ہر زائر کی زیارت کو ان تک پہنچاؤں گا اور ہر سلام کرنے والے کا سلام ان تک پہنچاؤں گا۔ اور جو شخص ان کو مبارک دے گا وہ ان تک پہنچاؤں گا۔

فطرس سے پوچھئے کہ مقام حسینؑ کیا ہے
مَس کر کے جو حسینؑ کو پر لے کے اُڑ گیا ہے

★.....★.....★

دوسرا فصل

حضرت امام حسینؑ کے احوال کی فہرست

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مبارک نام حسینؑ ہے جو حسن کی تصغیر ہے۔ بعض نے کہا ہے: پہلے امام حسنؑ کا نام حمزہ اور امام حسینؑ کا نام جعفر رکھا گیا۔ پھر رسول خداؐ نے ان دونوں ناموں کو حسنؑ و حسینؑ سے بدل دیا۔ حضرت حسینؑ کا دوسرا نام حضرت ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر ”شیر“ ہے۔

حضرتؑ کے القاب

کتاب جنات المخلو د میں حضرتؑ کے سولہ القاب گنوائے گئے ہیں جو یہ ہیں: ① سید ② نقی ③ یزید ④ رشید ⑤ طیب ⑥ وفی (وفا کرنے والا) ⑦ ذکی ⑧ مبارک (خیر و برکت) ⑨ تاج (اپنے جد کے دین کے پیرو) ⑩ دلیل (راہنما) ⑪ سبط (چغیرگی دختر کا بیٹا) ⑫ شہید ⑬ طور سنن ⑭ نور المفقین (دنیا کی دونوں طرفوں کو روشنی دینے والا) ⑮ ثانی بطین ⑯ ثانی آل عبایا خاس آل عبا۔

حضرتؑ کی کنیت

حضرتؑ کی تین کنیتیں نقل ہوئی ہیں البتہ ایک پر تو اجماع و اتفاق ہے اور باقی دو میں اختلاف ہے۔

پہلی کنیت ابو عبد اللہ، دوسری اور تیسری ابو الامتہ اور ابو الماسکین کیونکہ حضرتؑ کے زمانہ میں کوئی ایسا مسکین نہ تھا مگر حضرتؑ کے لطف اور عنایت اُس کے شامل حال تھی۔

حضرتؑ کی عمر مبارک

مشہور ہے کہ حضرت ستاون سال دنیا میں رہے اور بعض نے اٹھاون برس بھی لکھا ہے۔

حضرتؑ کی بیویاں

آپؑ نے کئی عورتوں کے علاوہ پانچ عورتوں سے عقد کیا جن کی ترتیب یہ ہے:

۷ شہربانو بنت یزید گرد کہ تذکرۃ میں بقول سبط بن جوزی کے ان کا نام غزالہ تھا، بعض نے سلافہ اور بعض نے سحرہ ہے۔ کامل برد نے کہا ہے: یہ بی بی بہترین عورتوں میں سے تھیں۔ کشف الغمہ میں ہے کہ ان کا نام خولہ تھا جبکہ سہ سبکین نے ان کا نام شہربانو رکھا تھا۔

۸ رباب بنت ابومرہ بن عروہ بن مسعود

۹ رباب بنت امراء القیس بن عدی

۱۰ اُم اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمیہ

۱۱ قضا عیہ جن کے باپ کا نام معلوم نہیں۔

حضرت کی اولاد

حضرت کی اولاد کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: حضرت کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے کہا: حضرت کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے کہا: حضرت کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان اقوال سے صحیح نتیجہ یہی قول ہے۔ حضرت کے فرزند ان یہ ہیں:

① علی اکبر جو کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کی ماں جناب لیلیٰ بنت عروہ تھیں۔

② علی اوسط: جن کا لقب زین العابدینؑ ہے اور ان کی ماں شہربانو تھیں۔

③ علی اصغر جو طفل شیر خوار تھے اور کربلا میں شہید ہو گئے۔

④ محمدؑ، جو کربلا میں امامؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔

⑤ عبد اللہ کہ ایک لحظہ (گھنٹہ) کے تھے اور شہید ہو گئے۔ (ظہیر عاشور کو تولد ہوئے تھے)

⑥ جعفرؑ جن کی ماں قضا عیہ تھیں یہ اپنے بابا کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

⑦ فاطمہ مہرئی، جو عبد اللہؑ کی بہن تھیں جو ظہیر عاشور کو پیدا ہوئے تھے۔ اور بابا کے دامن میں شہید کیے گئے۔ یہ بی بی

یہ سن تھیں، کربلا میں موجود نہ تھیں۔

⑧ سکینہؑ، جن کی ماں رباب بنت امراء القیس تھیں اور یہ بی بی ہشام بن عبد الملک کے دور میں فوت ہوئیں۔

⑨ فاطمہ کبریٰ، یہ حسنؑ بن حسنؑ بن علیؑ کی زوجہ تھیں، ان کی ماں اُم اسحاق تھیں۔

⑩ رقیہؑ، جن کی ماں شہربانو تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئیں اور شام میں پانچ سال کی عمر یا سات

سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت کی شہادت کا دن اور مہینہ

روز شہادت میں اختلاف ہے۔ بعض نے روز جمعہ، اور بعض نے سوموار لکھا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے لیکن شہادت کا مہینہ محرم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

شہادت کا سال اور مقام

حضرت ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے اور اسی سال کئی گروہ خون حسینؑ کا انتقام لینے کی خاطر اٹھے اور تمام قاتلوں، ان کے معاونوں اور ان تمام خالموں کو جو سانچہ کربلا میں موجود تھے، قتل کر دیا اور ان سے ایک شخص بھی باقی نہ بچ سکا۔ البتہ جنات اخلود کے مطابق انتقام لینے والے گروہوں کے ہاتھ سے ایک شخص بھاگ گیا جس کی داڑھی میں اسی سال کے آخر میں آگ لگی اور وہ جل گیا۔ وہ آگ سے نجات کی خاطر فرات میں غوطہ زن ہوا لیکن موت سے نجات نہ پاسکا اور پانی ہی میں جہنم رسید ہوا۔

حضرت کا مقام شہادت

یہ مقام امام حسینؑ کی قبر مطہر کے نزدیک ہے۔ حضرت نے جنگ کے دوران میں بہت تک ودد کی مگر زخموں کی کثرت کی بنا پر قدرت و قوت کے ختم ہونے کے بعد بے تاب ہو گئے تو اپنی سواری سے اترے اور خاک پر بیٹھ گئے اور گروہ دشمنان جو ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافروں اور مشرکوں سے بدتر تھا حضرت کے ارگرد جمع ہو گیا اور تیروں، نیزوں اور دیگر اسلحہ سے وجوہ پاک پر ظلم کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مدت امامت

حضرت کی امامت کی مدت گیارہ یا بارہ سال ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے خصائص، فضائل اور مناقب

ہاں کہ عجب مرحوم سید نبیؑ ہے کیا خالق اکبر نے شرافت اُسے دی ہے
 ہے فاطمہؑ ماں، نانا نبیؑ، باپ علیؑ ہے بچپن سے وہ مقبول جناب احدی ہے
 جبریلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
 جس چیز پہ ہٹ کی ہے، وہ بھیجی ہے خدا نے
 درگاہ الہی میں یہ تھی عزت و توقیر اٹھتی تھی جو اطاعت کے لیے مادر دل گیر
 جبریلؑ سے فرماتا تھا یہ مالک تقدیر جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شیر
 زہراءؑ کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو
 ایذا اُسے ہوئے یہ گوارا نہیں ہم کو

روایات و اخبار سے استفادہ ہوتا ہے: حضرت تمام اچھی صفات کے حامل اور فضائل اخلاقی کے مالک تھے، ان میں سے نفع اور عاجزی کے بارے علامہ مجلسی، بحار الانوار میں مسعودہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ ایسے مساکین سے ترے جنھوں نے چادر بچائی ہوئی تھی اور اس پر ہڈیاں رکھی تھیں جن کو چوسنے اور کھانے میں مصروف تھے۔ ان مساکین سے حضرت کو دعوت دی کہ بسم اللہ آئیں۔ حضرت فوراً دوزانو ہو کر ان مساکین میں بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گئے اور بعد میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ”خدا متکبرین کو پسند نہیں کرتا۔“

پھر فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی تم بھی میری دعوت قبول کرو گے؟

انھوں نے عرض کیا: ہاں فرزند رسول! پس وہ اٹھے اور حضرت کے ہمراہ آپ کے گھر آ گئے۔ امامؑ نے اپنی کنیز سے فرمایا: جو کچھ گھر میں موجود ہے وہ لاؤ۔ آپ کے جود و سخاوت کے بارے مرحوم مجلسی نے کئی احادیث ذکر کی ہیں جن سے عین حدیثیں بطور نمونہ پیش ہیں۔

① امام نے فرمایا: پیغمبرؐ کی یہ کلام بالکل صحیح ہے کہ انھوں نے فرمایا: نماز کے بعد سب سے بہتر اور برتر عمل مومن کو خوش کرنا جس میں گناہ نہ ہو کیونکہ میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ کتے کو غذا دے رہا تھا تو اس کی وجہ پوچھی؟ غلام نے کہا: اے فرزندِ رسول! چونکہ میں غم و اندوہ میں ہوں میرا خیال ہے کہ شاید ان کے دل کو خوش کرنے سے میرا غم دور ہو جائے، کیونکہ میرا مالک یہودی ہے اس لیے زیادہ غم زدہ ہوں، میری خواہش ہے کہ اس سے میری جان چھوٹ جائے۔

حضرتؐ یہ بات سن کر واپس گھر آئے اور اس یہودی کی طرف دو سو دینار غلام کی قیمت بھیجی تاکہ غلام کو خرید کر آزاد کیا جائے۔ یہودی نے عرض کیا: غلام آپ کے قدموں پر قربان کر دوں، آپ کے حوالے کرتا ہوں اور غلام کو ایک بارغ بھی دیتا ہوں البتہ اپنی رقم اپنے پاس رکھیں۔

حضرتؐ نے فرمایا: یہ مال میں نے تجھے بخش دیا ہے۔

اس نے عرض کیا: میں نے آپ کے مال کو قبول کیا لیکن غلام کو ہدیہ دے دیا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا: میں نے غلام کو آزاد کر دیا اور یہ مال بھی اُسے بخش دیا۔

یہودی کی بیوی نے کہا: پس میں اسلام قبول کرتی ہوں اور اپنا حق میرا بچہ شوہر کو معاف کرتی ہوں۔

یہودی نے عرض کیا کہ میں بھی اسلام قبول کرتا ہوں اور اپنا گھر اپنی بیوی کو بخشا ہوں۔

② مرحوم مجلسی نے بحار الانوار میں اخطب خوارزمی کی ”مقتل آلِ رسول“ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے: ایک عربی دیہاتی امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسول! میں نے ایک کامل دیت کی ضمانت دی ہے۔ اب اس دیت کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اپنے دل میں سوچا کہ لوگوں سے کریم ترین شخص سے سوال کروں اور اہل بیت رسولؑ کے علاوہ میں کسی کو کریم نہیں سمجھتا۔

حضرتؐ نے فرمایا: اے بھائی! میں تین مسئلے آپ سے پوچھتا ہوں، اگر ایک کا جواب دیا تو ایک حصہ سوال کا عطا کروں گا۔ اگر دو سوالوں کا جواب دیا تو دو حصے اور اگر تین مسئلوں کا جواب دیا تو مکمل دیت دوں گا۔

اس دیہاتی نے عرض کیا: یا فرزندِ رسول! آپ جیسی عظیم ہستی مجھ جیسے جاہل سے سوال کرے؟ آپ علم الہی کے خزانے ہیں، میں کیا بتا سکتا ہوں؟

حضرتؐ نے فرمایا: میں نے اپنے نانا سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہر شخص کی معرفت کے مطابق اس سے نیکی کی

چلے

دیکھتی نے عرض کی: پس آپ سوال کریں اگر جواب آیا تو ٹھیک ورنہ سوال کا جواب تو سکے لوں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: سب سے افضل و برتر عمل کون سا ہے؟

دیکھتی نے جواب دیا: خدا پر ایمان۔

حضرتؑ نے پوچھا: کون سی چیز ہلاکت سے نجات کا باعث ہے؟

دیکھتی نے جواب دیا: خدا پر بھروسہ، اطمینان اور توکل۔

حضرتؑ نے پوچھا کہ مرد کی زینت کیا ہے؟

دیکھتی نے عرض کیا: ایسا علم زینت ہے جس کے ساتھ علم اور بردباری ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر کسی مرد کے پاس علم نہ ہو تو پھر زینت کیا ہوگی؟

دیکھتی نے عرض کیا: ایسا مال جس کے ساتھ مروت، جو انردی اور سخاوت ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر یہ مال بھی نہ ہو تو پھر زینت کیا ہوگی؟

دیکھتی نے عرض کیا: پھر ایسا فقر زینت ہوتی ہے جس کے ساتھ صبر و تحمل ہو۔

حضرتؑ نے پوچھا: اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر کیا زینت ہوگی؟

دیکھتی نے عرض کیا: اگر نہ علم، نہ مال، اور نہ فقر و صبر ہو تو پھر آسمان سے بجلی گرے اور وہ شخص جل جائے کیونکہ ایسا

چلے کے قابل ہی ہے۔

حضرتؑ مسکرائے اور ایک قصیدہ جس میں ہزار دینار سونے کا تھا اور اس کے ساتھ ایک انگشتری جس کی قیمت دو صد درہم

محمدؐ سے دی اور فرمایا: یہ دینار اپنے قرض خواہ کو دینا اور انگشتری کو اپنے حجاج کے لیے استعمال کرنا۔

دیکھتی نے حضرتؑ سے یہ عنایت وصول کی اور عرض کیا کہ واقعاً خدا ہی جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھنا ہے۔

(حدیث نوادر، ج ۲۲، ص ۱۹۶)

⑤ عمرو بن دینار کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اسامہ بن زید جب بیمار تھا، حضرت امام حسینؑ اُس کی عیادت کے لیے گئے تو وہ

حضرتؑ سے رو رہا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: بھائی! روتے کیوں ہو؟

وہ عرض کرنے لگا: ساتھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تمہارا قرضہ میرے ذمہ ہے، تم پریشان نہ ہو، میں ادا کروں گا۔

اس نے عرض کیا: مجھے خوف ہے کہ قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی میں دنیا سے چلا جاؤں۔
حضرتؓ نے فرمایا: تم نہیں مرو گے مگر اس وقت کہ جب میں تمہارا قرضہ اتار چکا ہوں گا۔
راوی کہتا ہے: اسامہ کے مرنے سے پہلے حضرتؓ نے قرض ادا کر دیا۔ (بخاری الانوار، ج ۳۳، ص ۱۸۹)

آپؐ کی شجاعت اور دلیری کے بارے میں اخبار اور احادیث بہت ہیں، صرف وہ کر بلا کا واقعہ ہی کافی ہے کیونکہ لشکرِ یزید کی کم از کم تعداد ۳۰ ہزار تھی اور حضرتؐ کے لشکر کا زیادہ سے زیادہ تعداد دو صد نفر سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے باوجود معمولی سا خوف بھی ان کے دل پر لاحق نہ ہوا بلکہ پوری قدرت و طاقت سے ان رو بہ مفت لمحوں کے سامنے کھڑے رہے۔ اگرچہ تمام مزین حضرتؐ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تھے، پیاس اور بھوک اپنے غلط عروج پر تھی نیز دکھوں اور پیاس نے حضرتؐ کو تھکا دیا تھا لیکن پھر بھی اس لشکر سے کمرائے اور ان کو قتل کیا، اور کشتوں کے پٹے لگا دیئے اور بردایت معتبر تقریباً ۱۹۰۰ نفری التار کیے جب کہ زخمی ان کے علاوہ ہیں۔ اس قدر تعداد کو چند گھنٹوں میں قتل کر دینا زمانے کے عجائب میں سے ہے۔ اور حقیقتاً نہ اس کی پہلے کوئی نظیر تھی اور نہ بعد میں ایسا ہوا ہے اور نہ ہوگا؟

مؤلف کہتا ہے: ہماری اصلی غرض ان حوادث و واقعات کو بیان کرنا ہے جو امامؑ کے ابتدائے مدینہ سے کر بلا اور کر بلا سے مدینہ تک کے سفر میں پیش آئے۔ لہذا بات مختصر کرتے ہیں تاکہ مقصود کو زیادہ سے زیادہ بیان کر سکیں۔ البتہ قیام امامؑ کے شروع ہونے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے مسلط ہو جانے کے علل و اسباب اور اس کے امر خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی وجوہات بیان کریں اور پھر اپنے مطلوب کا ذکر کریں۔

★.....★.....★

معاویہ کا یزید کے لیے بیعت لینے کا طریقہ

۵۶ ہجری میں معاویہ نے پختہ ارادہ کیا کہ یزید کے لیے حوام سے بیعت لیں، چونکہ حوام کی اکثریت اس سے عذر تھی۔ یزید کی ولی عہدی کا انکار کرتے تھے، لہذا معاویہ نے کچھ لوگوں کو زر و دولت سے خرید لیا اور کچھ کو دھمکیوں اور تحریک سے نرم کیا۔ یوں یزید کی ولی عہدی حوام پر تعمیل کی، البتہ اس ہمسیم کو مغیرہ بن شعبہ نے پیدا کیا اور اس کی تحصیل یہ ہے۔ مغیرہ کوفہ کا والی تھا۔ وہاں سے شام آیا اور معاویہ سے گفتگو کے درمیان کمزوری، سستی اور بڑھاپے کی بات آئی تو اسی صبح کو قیمت سمجھتے ہوئے کوفہ کی امارت سے استعفیٰ دیا تھا اور معاویہ نے بھی اس کا استعفیٰ قبول کر لیا اور اس کی جگہ سعد بن ہشام کو کوفہ کا امیر بنانا چاہا۔ مغیرہ نے خفیہ طور پر یزید سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ آج صبح رسول اور قریش کے بزرگان جمع نہیں ہیں، ان کی اولادیں حسن و فضل اور حنظل و ہبہم میں تم سے افضل اور برتر نہیں ہیں معاویہ لوگوں سے تمہاری بیعت کب نہیں لیتا؟

یزید جواب دینے آپ کو حکومت کے لائق نہ سمجھتا تھا، کہا: کیا یہ کام میرے لیے درست ہے؟

مغیرہ نے جواب میں کہا: ہاں یہ کام تو بڑا آسان ہے۔

یزید فوراً معاویہ کے پاس گیا اور مغیرہ کی تجویز پیش کی۔ معاویہ نے مغیرہ کو بلایا اور اس بیعت کے متعلق گفتگو کی۔

مغیرہ نے کہا: معاویہ! تم خود عثمان کے قتل کے بعد خونریزیوں کو جانتے ہو اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کھل کر سننے آپکے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ موت سے کوئی گریز نہیں۔ یزید تمہارا نیک اور اچھا خلیفہ ہے۔ چونکہ تم بوڑھے ہو گئے۔ لہذا یزید کے وجود سے خونریزیوں اور قتلوں کا کوئی خوف نہ ہوگا۔

معاویہ نے کہا: اس امر خلافت کے لیے مدبر و عاقل شخص ہونا لازمی ہے۔

مغیرہ نے کہا: کوفہ سے بیعت کرانے کی ذمہ داری میری ہے اور بصرہ کے لیے زیاد ابن ابیہ ہے۔ جب مراق مطلع ہو گیا تو اسے فوراً مقام سے مخالفت نہ ہوگی۔ معاویہ گھر گیا اور اپنی بیوی فاختہ سے بات کی تو اس نے کہا: مغیرہ خاگی دشمنی تم پر نکالنا چاہتا ہے۔ بہر حال معاویہ نے معصوم ارادہ کیا کہ اس کام کو عملی طور پر انجام دے، لہذا مغیرہ کو حکم دیا کہ واپس کوفہ جائے اور اپنے

ہم رازوں سے یہ بات کرے تاکہ جب وقت آئے تو عملی کوشش کی جائے۔

مغیرہ اپنے دوستوں کے پاس آیا، انھوں نے حالات پوچھے، تو کہا: میں نے معاویہ کو سرکش سواری پر سوار کر دیا ہے اور اُسے اُمت محمدؐ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا ہے اور دوبار فتنے کا دروازہ اس کی طرف کھول دیا ہے، جو کبھی بند نہ ہوگا۔ یہ کہا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو بیعت یزید کا مسئلہ بنی اُمیہ کے دوستوں اور محبوں میں پیش کیا۔ اشراف سے دس آدمی چنے اور ان کو ۳۰ ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے موسیٰ یا عروہ کے ساتھ چالیس آدمیوں کو شام بھیجا۔ وہ شام میں دربار معاویہ میں پہنچے۔ ہر ایک نے تقریر کی اور کہا:

ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو خبردار کریں کہ آپ کی زندگی کا چراغ بجھنے والا ہے، لہذا اُمت کے لیے مستقبل کا کوئی فیصلہ کریں تاکہ آپ کے بعد اختلاف اور فساد برپا نہ ہو، لہذا ہماری درخواست ہے کہ اپنی زندگی میں کسی شخصیت کو اپنا ولی عہد بنائیں۔

معاویہ نے کہا: تم خود میں سے کسی ایک کو چن لو۔

انھوں نے کہا: ہم تو یزید کے علاوہ اس خلافت کا کسی کو لائق نہیں سمجھتے۔

معاویہ نے کہا: تو پھر اسی کو چن لو؟

انھوں نے کہا: ہاں ہم اس امر پر راضی ہیں اور اہل کوفہ بھی خوش ہوں گے۔

معاویہ نے کہا: مجھے یہ قبول ہے، ابھی واپس جاؤ تاکہ بیعت لینے کا وقت آجائے۔ اس کے بعد خفیہ طور پر مغیرہ کے

بیٹے کو اپنے پاس بلایا اور اسے کہا: تمہارے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے میں خریدا ہے؟

اس نے کہا: ۳۰ ہزار درہم نقرہ یا بقول چار صد دینار طلائی میں۔

معاویہ نے کہا: تعجب ہے کہ ان لوگوں نے کتنا سستا دین بیچ دیا۔ اس کے بعد معاویہ نے بیعت یزید کے متعلق زیاد

ابن ابیہ کو خطوط لکھے اور اس سے اس مسئلہ میں اُس کا نظریہ پوچھا۔ زیاد بن ابیہ نے اس کام کو بہت عمدہ سمجھا اور اپنے مشیر عبید

بن کعب کو بلایا اور کہا کہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے لیے خط لکھا ہے اس میں اظہار کیا ہے کہ مجھے انکار کا خوف بھی ہے

اور لوگوں کے اطاعت کرنے کی امید بھی ہے اور اس بارے مجھ سے میری رائے پوچھی ہے اور تو جانتا ہے کہ یزید دین کے امور

سے بہت دور، سست، شکاری اور عیاش ہے۔ لہذا میرا خیال ہے کہ تم شام جاؤ اور میری رائے معاویہ تک پہنچاؤ اور یزید کے

کچھ افعال کا تذکرہ کرو نیز اسے کہو کہ تمہارا حوصلہ رکھو اور ابھی اس مسئلہ کو ذہن سے نکال دو حتیٰ کہ مناسب موقع آجائے۔

عبید نے کہا: بہتر یہ ہے کہ معاویہ کی رائے کی مخالفت نہ کی جائے اور یزید کو اس کے سامنے مبغوض شخص قرار نہ دیا

جائے۔ میں شام جاتا ہوں۔ یزید سے بات کروں گا کہ معاویہ تمہاری ولی عہدی پر اصرار کر رہا ہے اور ہم سے مشورہ مانگ رہا ہے اور جس دن سے تم نے بد اور زشت اعمال کو اپنا وطیرہ بنایا ہے زیادہ کڑا ہے کہ لوگ تمہاری بیعت سے انکار نہ کر دیں، لہذا مصلحت یہ ہے کہ اپنے اعمال میں تجدید نظر کرو، اپنی اصلاح کرو اور بُرے اعمال چھوڑ دو تاکہ اس مقصد کے لیے حالات مناسب ہو جائیں اور زیادہ تم اپنی طرف سے معاویہ کو ایک خط لکھو کہ اس کام میں جلدی نہ کرو اور حوصلہ و احتیاط سے آگے بڑھو اور اگر ایسا کرو گے تو خطرات سے بچ جاؤ گے۔ اس تدبیر سے معاویہ بھی یزید کو تنبیہ کرے گا اور خطرات سے بھی محفوظ رہیں گے۔

زیادہ نے کہا: یہ تدبیر بہت بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا اور تم بھی نصیحت کرنے سے دریغ نہ کرنا۔

عبید شام گیا اور زیادہ کا خط معاویہ کو پہنچایا اور یزید کو بھی وعظ و نصیحت کی۔ معاویہ نے زیادہ کی نصیحت کا انکار کر دیا البتہ اس کا اظہار نہ کیا، جب زیادہ مر گیا تو معاویہ نے پھر مصمم ارادہ کیا کہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنائے۔ لہذا سب سے پہلے ایک لاکھ درہم کا ہدیہ عبداللہ بن عمر کی طرف بھیجا۔ اس نے ہدیہ قبول کر لیا لیکن جب یزید کی ولی عہدی کا وقت آیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا: معاویہ نے اس ہدیہ سے ارادہ کیا کہ میرا دین خرید لے، اگر میں اس ہدیہ کو قبول کروں تو میں نے دین کو بہت سستا بیچ دیا۔

پھر معاویہ نے اسی مضمون پر مشتمل ایک خط مروان حاکم مدینہ کو لکھا جس میں تحریر کیا کہ موت حق ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اُمت میں تفرقہ ہو، اس لیے ارادہ ہے کہ اپنی زندگی میں کسی ایک کو اپنا ولی عہد بنادوں، اب تم سے اس بارے میں مشورہ کرتا ہوں لہذا تم اہل مدینہ کو میرے اس ارادے سے آگاہ اور مطمئن کرو اور مجھے ان کے جواب سے مطلع کرو۔ مروان نے اہل مدینہ کے سامنے معاویہ کا خط پڑھا تو سب نے خوشی کا اظہار کیا اور معاویہ کی رائے کی تصدیق کی اور کہا: جس قدر جلدی ہو سکے معاویہ کسی کو اپنا جانشین بنائے۔

مروان نے حالات معاویہ کو لکھے اور اُسے مطلع کیا تو معاویہ نے پھر یزید کے انتخاب کا لکھا اور اس کی توجہ دلائی۔ مروان نے اہل مدینہ سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ میری خلافت کے لیے یزید کی ولی عہدی کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ سب سے پہلے عبدالرحمن بن ابی بکر اجتماع سے اُٹھے اور کہا: اے مروان! تمہیں اس اُمت کی بھلائی کی کوئی سوچ نہیں آگئے چاہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کا قانون جاری ہو کہ ایک بادشاہ مرے تو دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھ جائے۔

مروان نے کہا: اے لوگو! یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے:

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُبٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَيْتَ الْغُرُفَ مِنْ قَبْلِي (سورہ

(احقاف: ۱۷)

عبدالرحمن نے کہا: اے زرقا کے بیٹے! آیات قرآنی کو ہمارے بارے میں تاویل کرتا ہے؟

حضرت عائشہ نے اس پر رد یہ سنا تو کہا: مروان! آیت کا مصداق عبدالرحمن نہیں، تو نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ آیت قرآن میں فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ مروان نے یہ سب حالات معاویہ کو لکھے۔ بعض تاریخوں میں آیا ہے کہ معاویہ نے اس مضمون کے خطوط ۵۵ ہجری میں اپنے خمال کو لکھے کہ یزید کی مدح و توصیف کریں اور ہر شہر اور علاقے کے رؤسا کو شام بھیجیں، لہذا عمر بن حزم کو مدینہ سے، اخف بن قیس کو بصرہ سے اور ہانی بن عروہ کو کوفہ سے شام بھیجا گیا۔

محمد بن عمر نے ایک مجلس میں معاویہ سے کہا: ان کل راع مسئول عن رعیتہ فانظر من تولی مراۃ انت محمد! ”اے معاویہ! یعنی ہر مرد اور حاکم سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا۔ لہذا توجہ رکھو کہ کس شخص کو امت محمدیہ کا ولی قرار دے رہے ہو۔“

معاویہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور بہت پریشان ہوا اور کہا: اے محمد بن عمرو! تو نے بے جا نصیحت کی ہے، جو تم پر لازم تھا اس کا اظہار کرو یا لیکن تجھے جانا چاہیے کہ مہاجرین اور اصحاب رسول تمام اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ اب ان کی اولادیں ہیں، اگر میں اپنے بیٹے یزید کو ولی مہد بناؤں تو دوسرے لڑکوں سے بہتر ہے۔ پھر اس کو ہدیہ اور انعام دیا اور کہا: تم واپس مدینہ چلے جاؤ۔

جب اخف بن قیس معاویہ کے پاس آیا تو قیس نے اسے یزید کے پاس بھیجا کہ یزید سے قریب تر ہو کر ملاقات کرو اور اسے دقت سے آزاد کرو۔

اخف یزید سے ملاقات کرنے اور اُسے آزمانے کے بعد معاویہ کے پاس آیا تو معاویہ نے کہا: یزید کو کیسا پایا ہے؟ اس نے کہا: رَبَّائِيَّةٌ شَبَابًا وَنَشَاطًا وَجَلَدًا وَمَزْجًا، ”میں نے اسے خوش طبع جوان، چست و چالاک اور مزاج پسند پایا ہے۔“

ہانی بن عروہ کے بارے میں ابی الہدیہ کی شرح میں ہے کہ ایک دن دمشق کی مسجد میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا تو اپنے دوستوں سے یوں کہہ رہا تھا: معاویہ ہمیں اپنے بیٹے یزید کی بیعت پر مجبور کر رہا ہے، لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور ہم کبھی اس کی بیعت نہیں کریں گے۔ ایک شامی جوان ان کے درمیان بیٹھا تھا، ان کی باتوں کو سن کر معاویہ کے پاس گیا اور تمام باتیں

مَدِیْنَةُ ٱلْمَدِیْنَةِ نے اس سے کہا: تم پھر ان کے پاس جاؤ اور وہاں اس قدر بیٹھے رہو کہ اس کے تمام دوست چلے جائیں۔ جب وہ سوتے کہنا کہ معاویہ نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور تم جاننے ہو کہ آج ابوبکر اور عمر کا زمانہ نہیں بلکہ بنی امیہ کی حکومت ہے۔ تمہاری جرأت اور خون بہانے کی طاقت کو جانتے ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی جان پر رحم کرو۔

وہ شخص صبح سویرے مسجد میں آیا اور ہانی کو نصیحت کی۔

ہانی نے کہا: یہ بات تمہاری اپنی نہیں تجھے معاویہ نے یہ تلقین کی ہے۔

شامی جوان نے کہا: میرا معاویہ سے کیا واسطہ؟

ہانی نے کہا: اب میرا پیغام بھی اس کو پہنچا دو کہ اس مسئلہ میں کوئی حل نہیں ہو سکتا۔

جوان نے معاویہ کو ہانی کا پیغام پہنچایا تو معاویہ بڑا متاثر ہوا اور کہا: ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان ردسائے بائیں کرنے کے بعد ایک دن ضحاک بن قیس اشجری کو بلایا اور کہا: میں ایک اجتماع منعقد

کروں گا۔ اس میں ردسائے قبائل کو حاضر ہونا ضروری ہے۔ میں اس اجتماع میں تقریر کروں گا۔ جب میں خاموش ہو جاؤں تو

تم لوگوں کو یزید کی بیعت کی طرف بلانا اور مجھے بھی اس کام کے لیے تشویق و تحریک کرنا اور اس طریقے سے یزید کی ولی

بیعت کو حاضرین کی رضامندی اور تصدیق قرار دینا۔

پھر یہ اجتماع تشکیل دیا گیا اور ہر ایک کو شرکت کی دعوت تھی۔ پہلے معاویہ نے تقریر کی اور اس میں عقلمند اسلام اور

حکومت کے فرائین کی پاسداری اور ولی امر کی اطاعت پر تفصیلی گفتگو کی۔ پھر یزید کے فضائل یعنی عاقل، مدبر، حسن، سیاست

مستند و پیراستہ ہونے وغیرہ کو پیش کیا اور لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔

اسی اثناء میں (حسب سازش) ضحاک بولا اور معاویہ سے خطاب کیا: عوام کے لیے ایسے ولی بافضلیت، عادل، حسن

حکومت والے کو مہین کرنا ہوتا ہے جو مسلمانوں کے خون کا محافظ ہو اور فتنے روک سکے (جس کی محافلت میں) راستے پر اس

امت کے امور احسن طریقہ سے حل ہوں۔

چونکہ یزید ان تمام خصوصیات اور فضائل کا حامل ہے لہذا میں دلی عہدی کے لیے یزید کے علاوہ کسی کو مناسب نہیں

اسی دوران میں عمرو بن سعید الاستراق اٹھا اور ضحاک کی تائید میں بات کی۔ اس کے بعد حصین بن نمیر اٹھا اور کہا: خدا

مقرر کر تو دنیا سے جائے اور یزید کو ولی عہد بنا کر نہ جائے تو امت کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس کے بعد یزید بن مضع نے کہا: اے معاویہ امیر المومنین! جب تم مرا جاؤ (پھر اشارہ یزید کی طرف کیا اور کہا) تو

تمہارے بعد ہمارا ولی بھی ہے اور امیر ہے اور جو شخص اس کی حکومت کو تسلیم نہ کرے گا اُسے ہم اس (تکوار) سے سزا دیں گے۔

معاویہ نے کہا: بیٹہ جاؤ تم تو تمام خطباء کے سردار ہو۔ پھر تمام قبائل کے سرداروں نے تقاریر کیں۔ معاویہ نے احنف بن قیس کی طرف توجہ کر کے کہا: تم بھی کوئی بات کرو۔ اس نے کہا: اگر کچ کھوں تو تم سے ڈرتا ہوں اور اگر جھوٹ بولوں تو خدا کا خوف ہے۔ خدا کی قسم! اے معاویہ! تم اپنے بیٹے کے شب و روز کو اور غمی و ظاہر کو بہتر جانتے ہو۔ لہذا اگر خدا کی خوشنودی اور امت کی مصلحت بڑیہ کو ولی عہد بنانے میں دیکھتے ہو تو کسی سے مشورہ نہ کرو اور اپنے ارادہ کو تکمیل کے مراحل تک پہنچاؤ۔ اور اگر اس کے خلاف سمجھتے ہو تو تمام گناہ اور ظلم و زیادتی اور توہین کا وبال اپنے سر پر نہ لو کہ چند دن بڑیہ کو حاکم بنالے۔

ایک شامی نے کہا: نہ معلوم یہ عراقی کیا کہہ رہا ہے؟ ہم نے ہر بات تمہاری سنی، اطاعت کی اور تمہاری رضا کی خاطر لڑائیاں کیں اور تکواریں چلائیں۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو اُٹھ کر چلے گئے۔ اور ہر مجلس و محفل میں احنف کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد معاویہ اپنے دشمنوں سے نرمی اور پیار کا اظہار کرتا تھا اور اپنے دوستوں کو ہدایہ سے اپنا فریفتہ یا حتی کہ غالب عوام بڑیہ کی بیعت پر آمادہ ہو گئے۔

معاویہ کا مدینہ میں امام حسینؑ سے ملاقات کرنا

اے شاو دین پناہ ترے عزم کے ثار

مدہب میں پہلے نہ دیئے کمرؤں کے پاؤں

جب اہل کوفہ، بصرہ اور شام بڑیہ کی بیعت کر چکے تو اسی مقصد کی خاطر معاویہ مدینہ آیا۔ سب سے پہلے اُس نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور جسارت کرتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں کہا: لا موحباً ولا اہلاً، خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا پاک خون بہہ رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش رہو اور یوں بات نہ کرو۔

معاویہ نے کہا: اس سے زیادہ بھی کہوں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے مدینہ میں آ کر امام حسین علیہ السلام سے خصوصی ملاقات کی اور تمہائی میں عرض کیا: آپ جانتے ہیں کہ تمام لوگوں نے بڑیہ کی بیعت کر لی ہے مگر صرف چار شخصوں نے بیعت نہیں کی جن میں آپ سرور و سردار

مخبر خراپ کو اس سے کیا اور کیوں کر اختلاف ہے؟

حضرت نے فرمایا: کیا ہوا کہ تمام اجتماع سے صرف مجھے مخاطب کیا، یہ بات دوسروں سے بھی کرو۔

پھر معاویہ نے عبداللہ بن زہیر کو بلایا اور کہا: تمام لوگوں نے یزید کی بیعت کی ہے لیکن پانچ شخصوں (قریشیوں) نے

مخفی کی، جن کا سالار تو ہے آخر تمہیں کیا اختلاف ہے؟

عبداللہ بن زہیر نے کہا: کیا میں ان کا سردار اور سالار ہوں؟

معاویہ نے کہا: ہاں! تم ہی ان کے سالار ہو۔

عبداللہ نے کہا: تم باقیوں کو لاؤ اگر انھوں نے بیعت کی تو میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا۔

پھر معاویہ نے عبداللہ بن عمر کو بلایا اور نرمی سے اس کے ساتھ بھی فضول اور باطل باتیں کیں۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: کیا تم نہیں چاہتے وہ چیز جس سے سرزنش اور ملامت سے بچ جاؤ اور خونوں کی حفاظت ہو اور اس

صلے مقصد تک پہنچ جاؤ۔

معاویہ نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟

عبداللہ بن عمر نے کہا: اپنے تخت پر بیٹھ جاؤ اور مجھ سے بیعت لینے کی شرط یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک سیاہ جام اور غلام

مخفی کی بیعت کر لیں تو میں بھی بیعت کروں گا۔ پھر عبدالرحمن بن ابی بکر کو بلایا اور کہا: تم کس جرأت اور طاقت کی بنیاد پر میری

بیعت کر رہے ہو؟

عبدالرحمن نے کہا: مجھے امید ہے کہ اس میں میرے لیے بہتری ہے۔

معاویہ نے کہا: میں چاہتا ہوں تمہاری گردن اڑا دوں۔

عبدالرحمن نے کہا: بلا جرم میرے قتل پر، خدا تجھ پر اس دنیا میں لعنت کرے گا اور آخرت میں تو آتش جہنم میں جلتا رہے گا۔

کتاب الامتہ والسلامۃ ابن حبیبہ میں معاویہ کی امام حسینؑ سے ملاقات کو یوں لکھا گیا ہے کہ ایک دن معاویہ محفل

میں کھڑے بیٹھا تھا، اپنے خواص، نوکر، اور غلاموں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو عمدہ لباس پہنائے اور کہا: اس محفل میں عام لوگوں کو

آنے سے روکنا، اُس وقت امام حسینؑ اور ابن عباسؑ کو بلوایا۔ پہلے ابن عباسؑ معاویہ کی محفل میں حاضر ہوئے، معاویہ نے ان کو

اپنی سر پر ساتھ بٹھایا، کچھ وقت ان سے باتیں کیں اور باتوں کے درمیان کہا:

اے ابن عباس! خداوند متعال نے آپ کو حرم رسولؐ کا مجاور اور اس مرقد اطہر سے انس دیا۔ یہ اللہ کا تمہارے اوپر

خصوصی احسان ہے۔

ابن عباس نے کہا: ہاں لیکن اس کے باوجود ہم بعض پر قناعت اور کھل سے محروم ہیں۔ پھر بھی یہ اکثر اور مکمل ہے۔ خلاصہ معاویہ اور ابن عباس کے درمیان بہت باتیں ہوتی رہیں۔ اس وقت محفل میں امام حسینؑ تشریف لائے۔

معاویہ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا، پہلے معاویہ نے امام حسینؑ کی اولاد کی خیر خیریت دریافت کی اور ان کی عمروں کے متعلق پوچھا۔ امامؑ نے جواب دیا۔ پھر معاویہ نے یہ خطبہ دیا:

حمدِ خدا اور تعریفِ رسولؐ کے بعد، امامؑ کی خدمت میں عرض کی کہ یزید کا حال آپؑ کو معلوم ہے اور خدا جانتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اُمت میں میرے بعد اختلاف اور تفرقہ نہ ہو۔ میں اس یزید میں علم و کمال، مروت اور تقویٰ دیکھتا ہوں اور اس کو قرآن اور سنتِ رسولؐ کے حوالے سے عالم جانتا ہوں۔

آپؑ جانتے ہیں کہ رسولؐ پاکؐ کی وفات کے بعد اہل بیتؑ کے باوجود اور بزرگ صحابہ مہاجرین و انصار سے ہونے کے باوجود ابو بکر خلافت کا متولی بن گیا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں اس اجتماع میں آپؑ سے انصاف کی توقع رکھتا ہوں۔ مجھے مثبت جواب دیں اور اس طرح یزید کی ولی عہدی کی تصدیق کریں۔

ابن عباسؓ بولنا چاہتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تم خاموش رہو کہ اس کی مراد اور مقصد میں ہوں۔ پھر امامؑ نے حمدِ خدا کی اور رسولؐ پر درود بھیجا اور فرمایا:

جس قدر فصیح خطیب رسولؐ اللہ کی تعریف کریں تب بھی ہزار سے ایک تعریف کی ہے اور تو نے اپنے بیٹے کی تعریف میں بہت افراط کی ہے اور حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ گویا کسی محبوب کی توصیف کی یا کسی غائب کی فضیلت بیان کی اور ان خرافاتی باتوں سے مسلمانوں کے عقیدوں کو خراب کر دیا ہے۔

خدا کی قسم! یزید اپنے نفس پر دلیل حازق ہے اور اس کے اعمال اس کے کردار پر گواہ ہیں۔ بہر صورت تو نے بات یزید کی کی ہے تو اس کی دختر بازی (زنا کاری) شکاری کتوں، کبوتروں اور اس کی عیاشیوں کی تعریف بھی کرو۔ اُمت محمدؐ کی کفالت کرنے سے تو درگزر کر جا، اپنے کئی گناہوں کے ساتھ فرزندِ زیاد کی دوستی کی بات نہ کر کیونکہ تیری زندگی ختم ہونے والی ہے اور موت تک فاصلہ آدھے نفس کا ہے۔ پھر قیامت کا دن تیرے آگے ہے اور تیرا عمل ظاہر ہوگا۔

یہ جو کہا ہے کہ خلافت میرا حق ہے تو خدا کی قسم! یہ میراثِ پیغمبرؐ ہے اور پیغمبرؐ کے وارث ہم ہیں۔ تو نے ناجائز طریقے سے مرکز سے ہٹا دیا ہے اور غصب کر کے مالک بن گیا ہے۔ تیری ذمہ داری ہے کہ اس واضح حجت سے یقین کر لے اور حق اصلی مالکوں کو پلٹا دے اب تو چند لوگوں کو گمراہ کر کے جو نہ محبتِ رسولؐ میں رہے اور نہ ان کا اسلام میں کوئی سابقہ ہے اور نہ دین میں رائج ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ امر مشکوک اور مشتبہ ہے کہ تو اپنے زندوں کو حاکم اور امیر بنا دے اور خود خدا کے

ہے راتر ہو جا۔ ان هذا لہو الخمران المبین۔

معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کی یہ باتیں سن کر ابن عباس سے کہا: تم لاؤ جو تمہارے پاس ہے اور میں خود جانتا ہوں کہ آپ کی باتیں بھی ان سے زیادہ سخت اور زہر آلود ہوں گی۔

ابن عباس نے کہا: میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ سید الانبیاء کے فرزند ہیں اور خاص آل کسا اور اہل بیت مطہر ہیں، اپنے صفت سے مدد کر رہا اور دوسرے لوگوں سے یہ باتیں کر۔ حتیٰ کہ خدا کا امر واضح ہو جائے اور وہی بہترین حاکم ہے۔ پھر کہیں بھل سے چلے گئے۔

حضرت مالکی کا کلام

فضول الجہمہ میں مالکی نے کہا ہے کہ ایک دن معاویہ نے کہا: مسلمانوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے اور اپنی مرضی اور حق سے بیعت کی ہے۔ لیکن چند لوگوں نے بیعت سے انکار کیا ہے حالانکہ اگر وہ بھی تعاون کرتے تو بہت بہتر تھا اور میں اگر مجھے ہجر کی کوئی کھتا تو اسے ولی عہد بناتا۔

ابن عباس آل عباس نے فرمایا: یہ بات یوں نہیں کہ تو نے ان کو جو یزید سے نسب، حسب، فضیلت، علم و دین کے لحاظ افضل ہے مجھ سے دیا اور اس کو اُمت رسول پر حاکم بنا دیا۔

معاویہ نے کہا: آپ کا مقصود اس کلام سے آپ خود ہیں۔

امام نے فرمایا: ہاں اور میں فضول اور بے مقصد بات نہیں کرتا۔

معاویہ نے کہا: دختر رسول کی شرافت اور ان کے سیدۃ النساء العالمین ہونے میں کوئی شک نہیں اور علی کے بھی سولہ سوسہ فضائل و مناقب موجود ہیں لیکن میں نے علی سے حکمیت (مصلحت) کی اور حکمیت کے نتیجے میں مجھے ان پر غلبہ ملا اور حق و عین سلطنت اور رسوم سیاست کے قوانین کو آپ سے زیادہ جانتا ہے۔

امام نے فرمایا: تم نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ یزید شراب خور، لہو و لہب کا دل دادہ اور محرمات کا مرتکب شخص ہے۔

معاویہ نے کہا: تم اپنے چچا زاد کے بارے یوں نہ کہو وہ تو تمہارے بارے سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں کہتا۔

امام نے فرمایا: میں جو یزید کے متعلق جانتا ہوں کہا ہے اور اگر وہ بھی میرے متعلق کچھ جانتا ہے تو بتائے۔

جب معاویہ مکہ سے جانا چاہتا تھا تو کہا: میرے سامان کو باہر لے جائیں اور منبر کو خانہ کعبہ کے قریب لگا دو اور پھر امام صفحہ کے مریدوں کو بلاؤ۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: جو نیکیاں معاویہ سے آج دیکھی ہیں ان پر فریفتہ نہ ہونا کیونکہ وہ

دھوکا اور مکر و فریب میں مشہور ہے۔ اور اب وہ ہمیں کسی اہم امر کے لیے بلاتا ہے لہذا اس کا جواب پہلے ہمیں تیار کرنا چاہیے۔ جب وہ معاویہ کی مجلس میں آئے تو معاویہ نے کہا: کیا تم نے اول وقت میں میرے نماز پڑھنے، صلہ رجمی کرنے اور میرے حسن سیرت کو جانتے ہیں اور جو کچھ تم نے کیا اس کو نا دیدہ کر کے قتل کیا۔

یہ یزید تمہارا چچا زاد ہے اور تمہارا بھائی ہے، میں یہی چاہتا ہوں کہ اس کو مقدم سمجھو اور خلافت کا نام اس پر لگا دو اور قاضیوں کو عزل و نصب، امر و نہی، وصول خراج اور تقسیم عطا بغیر کسی ممانعت اور مخالفت کے تمہارے اختیار میں ہیں۔ پھر اس کلام کو دو بار کہا البتہ کسی نے جواب نہ دیا۔

معاویہ نے ابن زبیر کی طرف منہ کر کے کہا: تم بیان کرو کہ قوم کے خطیب تم ہو۔ ابن زبیر نے کہا: تجھے عین میں سے ایک کام کرنا ہوگا: پہلا یہ کہ پیغمبر اکرم کی پیروی کرو کہ وہ دنیا سے چلے گئے اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا اور لوگوں نے خود ابو بکر کو حاکم بنالیا۔

معاویہ نے کہا: میں اب ابو بکر کے زمانہ کے حالات نہیں دیکھتا۔ ابن زبیر نے کہا: ابو بکر کی سنت پر عمل کرو کہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر عمر کو خلافت دے دی۔ معاویہ نے کہا: تیسرا کام کون سا ہے؟

ابن زبیر نے کہا: عمر کی پیروی کر لو کہ اپنی اولاد کو محروم کر کے خلافت کو شورشی ۶ نفری کے حوالے کر دیا۔ معاویہ نے کہا: اگر کوئی اور تجویز ہے تو بتاؤ؟

ابن زبیر نے کہا: جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نے امام اور امام کے دوستوں سے رائے طلب کی تو انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ معاویہ نے کہا: کیا میری باتوں کو رد کر دیا ہے اور میری باتوں کو جھوٹ سمجھا ہے اور میں نے چشم پوشی کی اور لوگوں سے میں یہ نہیں کہوں گا۔ اگر تم میں سے کوئی اب اس قسم کی بات کرے تو خدا کی قسم! اسی وقت حکم دوں گا کہ ان کا سر قلم کیا جائے، بہتر ہے کہ اپنی جانوں پر رحم کریں اور جان کی حفاظت واجب ہے۔ اس وقت جلا دوں کو بلایا اور کہا: دو جلا د ہر شخص پر کھڑے ہو جائیں، جب میں خطبہ دوں تو جو بھی ان میں سے بولے تم اس کو قتل کر دینا۔

پھر معاویہ منبر پر گیا اور خطبہ یوں دیا کہ ہمیں لوگوں کی باتیں سننی پڑتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حسین، امین ابی بکر، امین عمر اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ یہ مسلمانوں کے سردار ہیں۔ ہم ان کے مشورے اور تجویز کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ان کو میں نے دعوت دی تو انھوں نے بیعت کر لی اور اطاعت کر لی ہے۔

ہمسفر نے کہا: بس کرو ان کی بات کو بڑا بنا رہا ہو، تو ابھی اجازت دے ہم ان کی ابھی گردنیں اڑائے دیتے ہیں،
 بیعت پر راضی نہیں جو انہوں نے خفیہ طور پر کی جب تک ظاہری طور پر بیعت نہ کریں گے۔

سہیہ نے کہا: سبحان اللہ کہ شامیوں کو چند قریشیوں کا خون بہانا قبول ہے اور ان کے ارادے بڑے ہیں لہذا ان کی
 حیرت کر رہا: خبردار پھر ایسے الفاظ نہ کہنا یہ بزرگ رشتہ دار اور قریبی ہیں۔

سہیہ نے جب یہ سنا تو سارے اٹھے اور یزید کی امارت کی بیعت کر لی۔ معاویہ منبر سے نیچے اُترا اور فوراً مدینہ روانہ
 ہوئے۔ بیعت کی بیعت کو شامیوں کی بیعت کے ساتھ ملا دیا۔

سہیہ کے جانے کے بعد شامیوں نے اہل بیت کے ماننے والوں سے کہا: تم نے ہمیشہ کہا: ہم یزید کی بیعت نہیں
 کرتے۔ لیکن اب ہدایا اور تحائف ملے تو خفیہ میں بیعت کر لی؟

فہم نے کہا: نہیں، ہم نے بیعت نہیں کی، ہم نے مجمع میں اس کی تکذیب نہیں کی، کیونکہ ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا اور
 بیعت جب ہے، اس نے تمہاری دلالت سے ہمیں دھوکا دیا اور ہماری بیعت کا نام لے کر تم سے مکر و فریب کیا۔

معاویہ بن مکر مکر چلے گئے۔ معاویہ نے بنی اسد، بنی قریظہ، بنی مرہ کے عطیات دے کر دیئے اور بنی ہاشم کے بیت المال
 کو حیرت دے دیئے۔

تین ماہ معاویہ کے پاس گئے اور کہا: باقی تمام کو عطیات دے رہے ہو لیکن بنی ہاشم کے بند کر دیئے ہیں!
 سہیہ نے کہا: کیونکہ امام حسینؑ نے بیعت نہیں کی اور تم نے ان کی موافقت کی۔

تین ماہ نے کہا: ابن عمر، ابن ابی بکر اور ابن زبیر نے بھی بیعت سے انکار کیا، لیکن تم نے ان کو عطیات دیئے۔
 سہیہ نے کہا: تم ان کی طرح نہیں ہو، خدا کی قسم! جب تک حسینؑ یزید کی بیعت نہیں کریں گے تمہیں ایک درہم بھی

دے گا۔

تین ماہ نے کہا: میں بھی خدا کی قسم اٹھاتا ہوں کہ تمام اسلامی حدود میں لوگوں کو تمہارے ان مظالم سے آگاہ کروں گا
 سہیہ نے کہا: تمہارے خلاف بھڑکاؤں گا۔

سہیہ نے پھر بنی ہاشم کے عطیات کی اجازت دی اور امام کو عطیات بھیجے لیکن امام حسینؑ نے رد کر دیئے اور قبول نہ

پانچویں فصل

معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت

تاریخ اہم کوئی میں ہے کہ معاویہ شام کی طرف ہجرت کے موقع پر ”ابواء“ میں اُترا۔ اس کو قتل ہو گیا اور یہ بستر پر بڑی مشکل سے پہنچا۔ دوسرے دن لوگوں کو ہٹا چلا تو گردہ در گردہ عیادت کے لیے آتے گئے۔

معاویہ نے کہا: مہینہ تیس دو وجوہات کے باعث آتی ہیں:

① بہ سبب گناہ کہ خدا ان پر عذاب کرتا ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ گناہ نہ کریں۔

② بہ سبب عتائے خدا تاکہ اس کو ان تکالیف کے بدلے بہت زیادہ ثواب حاصل ہو۔

آج اگر اس بیماری میں مبتلا کیا گیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ ایک مضبوطی ہے تو دوسرے اعضا درست ہیں۔ اگر چند روز بیمار ہوں تو صحت مندی کے ایام بہت زیادہ ہیں۔ میرا کوئی حق خدا پر نہیں ہے، اقتدار کا لمبا عرصہ دیا۔ آج ستر سال کا ہوں کہ بیمار ہو گیا ہوں اور خدا ان مسلمانوں پر رحمت کرے جو میرے لیے صحت مندی کی دعائیں کرتے ہیں۔

جو جماعت اس کے پاس تھی اس نے اللہ سے اس کی صحت یابی کی دعا کی اور چلے گئے۔ جب معاویہ بیمار ہو گیا تو دلبرداشتہ ہو کر رونے لگا۔ مردان نے آ کر پوچھا: اے امیر! آپ روتے کیوں ہیں؟

کہا: روتا نہیں مگر اس لیے کہ بہت سے کام کر سکتا تھا لیکن نہیں کیے، لہذا اب پریشان ہوتا ہوں اور اپنی کوتاہیوں پر حیرت کرتا ہوں۔

دوسرا دتا اس لیے ہوں کہ یہ بیماری تقویٰ میرے ایک عضو پر ظاہر ہو گئی ہے جو روز بہ روز بڑھ رہی ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہ شاید مصیبت مجھ پر اس لیے آتی ہے کہ علی بن ابی طالب سے خلافت چالاکی سے چھین لی اور حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور مجھ پر جلدی عذاب ہو گیا ہے اور یہ سارے دکھ میں یزید کی محبت میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر یزید کی محبت نہ ہوتی تو میں سیدھے راستے پر ہوتا اور اپنی زندقہ کو پھیلاتا۔ لیکن یزید کی دوستی نے مجھے ایسی حرکتوں، باتوں اور جنگوں پر چڑھایا کہ آج میرے اوپر دشمن ہنستے اور دوست روتے ہیں۔

پھر وہ مقام ”ابواء“ سے شام پہنچا، گھر میں گیا تو بیماری زوروں پر تھی اور اس نے پورے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا

حکایت کو بڑے شور شرابے والے خواب دیکھتا اور ان سے ڈرتا تھا۔ کبھی کبھی ہڈیاں بکنا تھا۔ پانی بہت پیتا تھا۔ اس نے مجھے ہم نہ لیتی تھی۔ ہر لحظہ بعد بے ہوش ہو جاتا تھا۔ جب ہوش آتا تو یہی منہ سے بہ آواز بلند بولتا تھا:

میں نے کیا کیا اے حجر بن عدی! میری کیا دشمنی تھی میں نے کیوں آپ کو قتل کیا؟

اے مروین حق مجھے کیا تھا کہ تمہاری میں نے مخالفت کی۔

اے فرزند ابوطالب! یا علی، یا علی، یا علی!

اے میرے اللہ! الہی! اگر مجھے عذاب دینا ہے تو میں حق دار ہوں اور اگر معاف کر دے تو مہربان اور کریم خدا ہے۔

یہ کی یہی حالت رہی اور یزید ایک لحظہ بھی ڈور نہ ہوا۔ اسی دوران معاویہ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی تو ایک صحت نے جو وہاں موجود تھی، کہا: معاویہ اب مر گیا ہے۔ تو معاویہ نے آنکھیں کھولیں اور کہا: اگر معاویہ مرا ہے تو پھر تفرق ہوا۔ پھر اپنے گلے میں لٹکائے تعویذ کو کھینچا اور ڈور پھینک دیا۔

وقت یزید نے کہا: اب میری بیعت تم کرو تا کہ لوگ سنیں کہ مصلحت اسی میں ہے۔ اگر (نعوذ باللہ) تم نے میری قسم پر نہ لی تو خدا ہے کہ آل محمد سے دکھ چھیلوں۔ معاویہ یہ باتیں سنتا رہا لیکن خاموش رہا۔

پھر دس دن بعد بدھ کسی کو بھیجا اور امراء، مخلصین اور معززین اور دوستوں کو بلایا۔ اپنے نگران سے کہا: جب بھی آنا ہے۔ کسی کو روکنا نہیں۔ لوگوں کو جب پتا چلا کہ اب معاویہ کے پاس جانے کے لیے کوئی مانع نہیں تو لوگوں نے آنا شروع کیا۔ معاویہ کو سلام کرتے اور معاویہ کو غور سے دیکھتے اور واپس پلٹ جاتے تھے۔ لوگ ضحاک بن قیس (جو شہر کا ایک بزرگ و بزرگ تھا) کے پاس آتے روتے اور کہتے کہ ہمارا عظیم امیر بہت مشکل وقت گزار رہا ہے۔ یہ بیماری سے نہیں بچ سکتا۔ صحت کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ کیا یہ مصلحت ہے کہ خلافت خاندان بنی امیہ سے باہر چلی جائے اور ابوتراب کی آل کے پاس جائے۔ ہم ہر اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے پاس کافی لوگ جمع ہو گئے اور کہتے تھے کہ تم تو امیر شام کے مخلص ساتھی تھی اب یہ صحت ہو گئی ہے کہ دیکھ رہے ہو، اب مصلحت یہ ہے کہ تم دونوں امیر شام کے پاس رہو اور اگر ضرورت ہو تو اس کو تلقین کیے بغیر اپنے بیٹے یزید کے لیے ہدیہ کر دے کہ ہم سب کی یہی خواہش ہے۔

ضحاک اور مسلم دونوں معاویہ کے پاس آئے۔ سلام کے بعد کہا: امیر کا کیا حال ہے، کیا کوئی بہتری ہوئی ہے؟

معاویہ نے کہا: میں اپنے بہت زیادہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں لیکن پھر بھی اسی کی رحمت کا

ضحاک نے کہا: ایک بات میں اپنے امیر سے کرتا ہوں کہ لوگوں نے جب امیر کی حالت دیکھی ہے تو وہ بہت پریشان ہیں اور مشکل میں پڑ گئے ہیں، اختلاف کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ابھی تو آپ زندہ ہیں تو یہ حالات ہیں جب دنیا سے چلے گئے تو نہ معلوم کیا ہوگا۔

مسلم بن عقبہ نے کہا: لوگوں کے دل یزید کو خلیفہ بنانے کے لیے تیار ہیں اور تمام اس سے محبت کرتے ہیں۔ امیر شام کی یزید کے بارے میں پریشانی ڈور ہو گئی۔ اے امیر! آج مصلحت یہی ہے کہ دنیا سے جانے سے کوئی بات نہ کرو اور یزید کی خود بیعت کرو اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ۔

معاویہ نے کہا: مسلم تم نے بالکل درست کہا، میرے دل میں عرصہ دراز سے یہ آرزو تھی کہ یزید میرے بعد خلیفہ ہو اور کاش کہ یہ خلافت میرے خاندان میں قیامت تک رہے اور ابوطالب کی اولاد کو میری اولاد پر کبھی غالب نہ کرنا لیکن آج بدھ ہے اور جو کام بدھ کو کیا جائے تو اس کا انجام خراب ہوتا ہے۔ کل تک توقف کر کہ مجھے کچھ طاقت ہو اور میں یہ کام مکمل کر سکوں۔ ضحاک اور مسلم نے کہا: لوگ جمع ہیں آپ کی اقامت کے باہر کھڑے ہیں، وہ واپس نہیں جاتے جب تک تو یزید کی بیعت نہ کرے گا۔

معاویہ نے کہا: جو لوگ باہر کھڑے ہیں ان کو لندہ بھیجو۔

ضحاک اور مسلم باہر آئے، لوگوں سے ستر (۷۰) آدمی معروف جن کر معاویہ کے پاس بھیجے۔ وہ آئے، انھوں نے سلام کیا۔ معاویہ نے بہت کمزور آواز سے جواب دیا اور کہا: اے اہل شام! مجھ سے راضی ہو؟ سب نے کہا: ہم خوش ہیں۔ آپ نے عمومی طور پر تمام اہل شام پر شفقتیں کیں جو کبھی فراموش نہیں ہوں گی، آپ نے ہم پر احسانات کیے۔ معاویہ کی تعریفیں کیں اور علی کی توہین کرتے رہے اور ذلت کی خاک اپنے اور اپنے منہ میں خود ڈالتے رہے کیونکہ نفس رسول خدا کو گالی جکتے رہے اور معاویہ یزید کی خوشنودی کے لیے انھوں نے بہشت کو چھوڑ کر دنیا کو اختیار کیا ہے اور کہا: علی نے عراق سے شام کے لیے لشکر سے حملہ کیا۔ ہمارے مردوں کو قتل کیا، شہریوں کو خراب حال کیا۔ اب اس کے بیٹوں کو ہمارا حاکم اور خلیفہ نہیں بننا چاہیے۔

پس ہماری مراد یہ ہے کہ یزید خلیفہ ہو اور ہم نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ہم سب کی رضامندی اسی میں ہے، اور اس کام میں ہماری جانیں بھی چلی گئیں تو کوئی حرج نہیں۔ ہم ڈرنے والے نہیں، جان کی بازی لگا دیں گے۔ معاویہ ان کی باتوں سے خوش ہوا اور اٹھ بیٹھا اور اپنے نگران سے کہا: تمام لوگوں کو بلاؤ، لوگ بلائے گئے، کافی لوگ آئے اور معاویہ کی اقامت گاہ بھر گئی تو معاویہ نے کہا: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ دنیا کی انتہا زوال ہے، ہر شخص کی عمر ختم ہو جاتی ہے، آج میں زندگی کی آخری

سب محسوس، لیکن میرا دل اب بھی تمہارے لیے تڑپ رہا ہے، تاکہ جس کو چاہوں میں خلیفہ بنا دوں اور خلافت کی تمام تر ذمہ داریاں اُن کے اوپر ڈال دوں۔

تو صوفی نے ہاتھ اُٹھایا اور کہا: ہمیں یزید کے علاوہ کوئی خلیفہ نہیں چاہیے۔

یہ سنا کر جب ان لوگوں کا مبالغہ دیکھا تو ضحاک سے کہا: یزید کی بیعت کرو۔ ضحاک نے بیعت کی، اس کے بعد مسلم بن عقیل نے بیعت کی۔ پھر لوگ باری باری یزید کی بیعت کرتے جاتے۔ جب سب نے بیعت کر لی اور باہر چلے گئے تو یزید کو بلایا اور کہا: خلافت کا لباس پہنو۔ اس نے پہنا، اس کے سر پر دستار رکھی، زرہ پہنائی، انگلی میں انگلی پھنکائی، تخت پر بٹھایا اور زرہ کے اوپر ڈالا، اپنے باپ کی تلوار حائل کی اور باہر آیا اور مسجد میں گیا اور منبر پر بیٹھ گیا اور خطبہ دیا۔ جس نے خبر سے نہ اُترا۔ ہر قسم کی باتیں منبر پر کرتا رہا۔ باقی شامیوں سے بیعت لی۔ زوال کے وقت منبر سے اُتر کر باپ کے پاس آیا تو دیکھا کہ باپ موت کی سختی کی وجہ سے اپنے آپ میں لپٹا جا رہا تھا اور وہ عقل و ہوش میں نہ تھا۔ آدمی رات بھر سو رہا تھا۔ کچھ کھولی تو یزید کو اپنے پاس بیٹھا پایا۔ پوچھا: بیٹا کیا ہوا؟

یزید نے کہا: مسجد میں گیا ہوں، منبر پر خطبہ دیا ہے۔ تمام لوگوں نے اپنی رغبت اور محبت سے میری بیعت کی اور خوش ہو کر چلے گئے۔

یہ سنا کر ضحاک اور مسلم کو بلایا اور کہا: میرے بستر کے سر ہانے کاغذ ہے تو وہ کاغذ کال کر دیا تو اس پر معاویہ کے نام پر کوئی چیز لکھی تھی لہذا اس لحاظ سے ضحاک نے کاغذ لیا اور انھیں پڑھ کر سنایا۔

وصیت معاویہ برائے یزید

مرقدہ الرحمن الرحیم! یہ عہد معاویہ ہے اپنے بیٹے کے ساتھ، میں اس کی بیعت کرتا ہوں اور خلافت اس کے حوالے ہے۔ عدل و انصاف کی راہ پر چلا جائے۔ خلافت یزید کے حوالے ہے اور وہ اس کا امیر ہے اور اس سے کہا: موت و رضا کی سیرت پر چلنا ضروری ہے اور مجرموں کو جرم و جنایت کے مطابق سزا دینا۔ اہل علم و صلاح کو اچھا سمجھنا اور بدعنوان، دیکر عرب قبائل سے اور قبیلہ قریش سے خصوصاً رعایت کرنا اور اپنے دوستوں کو قتل کرنے والے سے دوری رکھنا۔ یہ مختل مظلوم عثمان کی اولاد سے قرب اختیار کرے اور ان کو آل ابوتراب پر مقدم رکھے اور بنی امیہ اور آل عبدالشمس پر مقدم رکھے۔

یہ عہد نامہ پڑھا جائے تو اس پر واجب ہے کہ یزید کو اپنا امیر سمجھ کر اطاعت کرے اور یزید کی اتباع کو پیشہ

بنائے۔ بس مرحبا و اھلا اور جو اس عہد نامے کا انکار کرے تو تلوار سے اسے سمجھا دیا جائے تاکہ یزید کی امارت اور خلافت کا اقرار کرے اور اس کا مطیع و فرماں بردار ہو جائے۔ والسلام

پس اس عہد نامہ پر مہر لگائی اور ضحاک کو دیا اور کہا کل صبح منبر پر جا کر اس عہد نامہ کو لوگوں کے سامنے پڑھ دو تاکہ ہر چھوٹا بڑا، کمزور اور شریف شخص اسے سنے۔

ضحاک نے کہا: ایسا ہی ہوگا۔

مؤلف کہتا ہے: تاریخ اعظم کوئی میں معاویہ اور یزید کے درمیان ہونے والے مقالات اور گفتگو تفصیل سے موجود ہے اور اس میں سے چند فقرات ذکر کرتا ہوں۔

معاویہ نے یزید سے کہا: میں تیری خلافت کے بارے میں چار اشخاص سے خائف ہوں: قریش سے عبدالرحمن بن ہشام، بکر، عبداللہ بن عمر خطاب، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی بن ابی طالب۔

عبدالرحمن: اسے عورتوں سے زیادہ دلچسپی ہے اور دوستوں اور ساتھیوں سے گپ شپ میں خوش رہتا ہے۔ جو کام اس کے دوست کرتے ہیں یہ بھی وہی کرتا ہے۔ عورتوں کو دیکھنا اس کا پسندیدہ کام ہے۔ وہ جو کرتا ہے اسے چھوڑ دو کیونکہ اس باپ کی فضیلت معروف ہے، اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ کرو۔

عبداللہ بن عمر بہت نیک اور تارک دنیا ہے، سیرت پدر پر چلتا ہے، جب اسے دیکھو تو میرا اسلام کہہ دینا اور اسے صبر اور ہدایہ دے کر رعایت کرنا۔

عبداللہ بن زبیر سے زیادہ ڈرتا ہوں کیونکہ وہ سخت، چالاک اور حیلہ باز ہے۔ ضعیف رائے والا ہے، صبر اور ثبات رائے والا ہے۔ کبھی تو تیرے اوپر شیر تیز کی طرح چنگھاڑتا ہوا حملہ آور ہوگا اور کبھی لومڑی کی طرح بڑی مکاری سے تیرے قریب آئے گا۔ اس کے ساتھ وہ رویہ رکھو جو وہ تمہارے ساتھ رکھے مگر جب وہ رغبت کرے تو تیری بیعت کرے۔ اس وقت تک نیک سمجھو اور مطمئن ہو جاؤ۔

ہاں حسین ابن علی آہ آہ! یزید کیا کہوں۔ ان کا خاص خیال رکھنا، ان کو ناراض نہ کرنا، جہاں جانا چاہیں انہیں ممانعت نہ کرنا لیکن کبھی کبھی تحدید کرتے رہنا، خبردار! انہیں تلوار نہ دکھانا اور نہ للکارنا جس قدر ہو سکے ان کا احترام کرنا۔ اگر اہل بیت کوئی شخص تیرے پاس آئے تو اسے بہت زیادہ ہدیہ دینا اور اسے راضی، خوشی اور خوش دل واپس پلٹانا۔

یہ اہل بیت ہیں جو عظمت اور عزت بلند سے زندگی گزارنے والے ہیں۔ ایسا نہ کرنا کہ تو رب کے پاس پہنچے تو تیرے گردن پر امام حسین کا خون ہو۔ خبردار، خبردار! حسین کو پریشان نہ کرنا اور ان کے کسی اعتراض پر ان کو تکلیف نہ دینا۔

حضرت یحییٰ بن جعفر رسول کا خیال کرتا۔

— یحییٰ! تم جانتے ہو کہ میرے سامنے امام حسینؑ نے جو سخت سے سخت بات بھی کی میں نے اس لیے تحمل کیا کہ وہ

حضرت یحییٰ بن جعفر اس بارے جو مجھ پر واجب تھا میں نے کہہ دیا ہے، تجھے ان مشکلات سے خبردار کیا ہے اور ڈرایا ہے۔

— معاویہ نے ضحاک اور مسلم کی طرف توجہ کی اور کہا: میں نے یزید کو جو نصیحتیں کی ہیں تم دونوں اُن پر گواہ رہنا۔ خدا

سبحانہ! حسینؑ دنیا کی ہر بہترین چیز خود لے اور دنیا کی بدترین چیز مجھے دے تو میں پھر بھی تحمل کروں گا اور میں ایسا شخص کبھی

مر جاؤں تو میری گردن پر حسینؑ کا خون ہو۔

— یحییٰ! میری وصیت کو سنا ہے۔ یزید نے کہا: ہاں سنا ہے۔ پھر اس کو چند نصیحتیں کیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہ

بعد بڑھ گیا۔ جب ہوش میں آیا تو کہا: آہ! جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور یہ مناجات پڑھیں۔ پھر

حضرت یحییٰ بن جعفر بیت اور اپنے چچا زاد بھائیوں کی طرف دیکھا اور کہا: اللہ سے ڈرنا کیونکہ اللہ سے ڈرنا ہی عقیدے کا استحکام ہے۔

— انیسویں اس پر جو اللہ تعالیٰ کے عتاب سے نہ ڈرے۔ پھر کہا: میں ایک مرتبہ خدمتِ مصطفیٰؐ میں بیٹھا تھا، حضرت

حضرت یحییٰ بن جعفر تھے۔ میں نے چند ناخن اٹھائے اور شیشی میں آج تک ان کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جب میں مر جاؤں اور مجھے

دفن میں لے جائے تو ان ناخنوں کو میری آنکھ، کان اور منہ پر رکھا جائے، پھر میری نماز جنازہ پڑھی جائے اور دفن کر دیا

جس سے میرا معاملہ خدا کے حوالے ہوگا۔ معاویہ اس کے بعد کچھ نہ بولا۔

یزید بھی اٹھ کر باہر چلا گیا اور شام کے ایک مقام ”حوارانِ ثنیہ“ پر شکار کے لیے چلا گیا۔ ضحاک کو یزید نے کہا: میں

بہت بے ہوش اور تم مجھے میرے بابا کے حالات کی خبر دیتے رہنا۔ دوسرے دن معاویہ مر گیا۔ یزید اس کے پاس موجود نہ تھا۔ معاویہ

حضرت یحییٰ بن جعفر کا دورانیہ ۱۹ سال اور تین ماہ کا تھا۔ وہ دمشق میں مر گیا اور روزِ وفات رجب، بروز اتوار، ۶۰ ہجری اور ۷۸ سال کی

مرحمت پائی۔

حضرت یحییٰ بن جعفر پہلا خطاب کرنا

— سیدِ اہم کوئی میں ہے کہ معاویہ کے مرنے کے بعد ضحاک باہر آیا۔ اُس نے معاویہ کی جوتیاں اٹھائی ہوئی تھیں اور

کہنے لگے: بات نہ کی، حتیٰ کہ مسجدِ اعظم میں آیا، لوگوں کو بلایا، منبر پر گیا۔ حمد و ثناء کے بعد کہا: اے لوگو! معاویہ فوت ہو گیا ہے اور

یہ بات نہ لیا ہے۔ یہ اس کی جوتیاں ہیں ابھی ان کو دفن کریں گے، تم لوگ ظہر کی نماز اور دیگر نمازوں میں آئیں۔ پھر وہ

یہ ہے: — پھر یزید کو یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ! حمد و ثنا اس خدا کی جس کی صفحہ بجا ہے اور صفحہ فدا بندوں کے لیے ہے۔ اس نے فرمایا ہے
 كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰی وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْوَامِ (سورۃ رحمن، آیہ ۲۶)
 ضحاک جہیں خلافت رسولؐ کی مبارک دیتا ہے کہ تمہیں آسانی سے خلافت مل گئی اور تعزیت پیش کرتا ہے کہ معاویہ
 وفات پا گئے..... انا للہ وانا الیہ راجعون!

جب یزید کو اس مضمون خط سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت جلدی واپس آئیں، تاکہ لوگوں سے دوبارہ اپنی خلافت و
 بیعت لیں۔ والسلام۔

جب یہ خط یزید کے پاس پہنچا اور اُس نے پڑھا تو اُس نے فریاد کی اور رونے لگا۔ کچھ وقت روتا رہا۔ پھر کہا: کھڑوں
 کو لگا میں ڈالیں، زمینیں رکھیں اور دمشق کی طرف روانہ ہوں۔ وہ وفات معاویہ سے تین دن کے بعد دمشق پہنچا۔
 لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ رویا اور سیدھا باپ کی قبر پر آیا اور بیٹھ گیا اور بہت رویا اور لوگ بھی اس کی موافقت
 میں روتے تھے اور ایک سبز گنبد جس کو معاویہ نے بنایا تھا کی طرف دیکھا۔ اس وقت یزید نے سیاہ ریشم کی پکڑی باندھی ہوئی تھی
 اور باپ کی تلوار حائل کی ہوئی تھی۔ پھر اس سبز گنبد کے پاس آیا۔ لوگ بھی اس کے دائیں بائیں تھے۔ جب اس گنبد میں آیا تو
 یہاں بہت سے لباس دیکھے جو ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ یزید ان پر بیٹھا اور لوگ اس کو مبارک باد دے رہے تھے۔
 باپ کی تعزیت کر رہے تھے۔

پھر یزید نے کہا: اے اہل شام! تمہیں بشارت ہو کہ ہم حق اور دین کے ناصر ہیں اور خیر و سعادت ہم ہی ہیں۔ جان :
 کہ عنقریب میرے اور اہل عراق کے درمیان ایک جنگ ہوگی، کیونکہ میں نے کچھلی راتوں میں خواب میں دیکھا ہے کہ میرے
 اور اہل عراق کے درمیان خون کی ندی بہہ رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ندی سے گزر جاؤں لیکن نہ گزر سکا تو عبید اللہؓ
 زیاد میرے آگے لگا اور وہ ندی سے گزر گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔

اکابرین شام نے کہا: ہم سب جنگ کے لیے تیار ہیں، تمہارے حکم بلکہ اشارہ کے تابع ہیں، جس طرف اور جب :
 کرو گے ہم ادھر چلے جائیں گے۔ اہل عراق ہمیں جانتے ہیں جو تلواریں مقین میں تمہیں وہی ہمارے ہاتھ میں ہیں۔
 یزید نے کہا: مجھے اپنی جان اور سر کی قسم کہ اسی طرح ہے۔ میں نے اپنے امور تمہارے اوپر سے اٹھا لیے ہیں۔ :
 باپ تمہارے اوپر مہربان تھا اور عرب میں میرے باپ سے زیادہ کوئی نئی، مروت والا اور خاضع اور بزرگوار نہ تھا۔ وہ بلاغت :
 بادشاہ تھا، اس کی بات میں کبھی لکنت نہ تھی اور آخر دم تک وہ ایسے رہا۔
 سب سے دور واقع آخری صف میں سے ایک شخص نے آواز دی: اے دشمن خدا، تو نے جھوٹ بولا ہے۔ ہرگز مع۔

سنت کا مک نہ تھا۔ یہ اوصاف تو محمد مصطفیٰ کی ہیں اور تو اور تیرا خاندان ان صفات حسنہ سے آشنا تک نہیں ہے۔
وہ نے اس شخص کی یہ بات سنی تو برہم ہو گئے لیکن اس شخص نے اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر اپنے آپ کو
سے یہ طرف کر لیا۔ اس لیے جس قدر تلاش کی وہ شخص نہ مل سکا تو لوگ خاموش ہو گئے۔

یہ شخص یزید کا دوست مسی عطای بن ابی مسلمین اٹھا اور کہا: اے امیر! دشمنوں کی باتوں سے پریشان نہ ہوں، مطمئن
میں۔ خدا نے تمہیں اپنے باپ کے بعد خلافت عطا کی ہے۔ تم ہمارے خلیفہ ہو اور تمہارے بعد تمہارا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوگا۔
تمہارا ہر بیٹے سے افضل کوئی شخص نظر نہیں آتا۔

یزید نے اس شخص کی تعریف کی اور اس کو عطا کی پھر وہ اٹھا اور حمد و ثنا کی اور رسول پاک پر درود بھیجا اور کہا: اے لوگو!
یہ نبی بندہ تھا اور خدا نے اس کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ اس کے بعد والے موجود ہیں اور رہیں گے، اگرچہ وہ ایسا خلیفہ نہ تھا
میں اس سے پہلے تھے۔ میں اس کی تعریف نہیں کرتا کیونکہ خدا بہتر جانتا ہے اگر اس کے وہ گناہ معاف کر دے تو اس کی
سے بدل سے بعید نہیں اور اگر اس کو عتاب کرے تو بھی امید ہے کہ آخر رحمت فرمائے گا۔ آج میں خلیفہ ہوں، اپنے حق
میں قصور نہیں کروں گا اور جہاں تک ممکن ہو خلافت کے امور کو انصاف و عدل کی راہ پر چل کر چلاؤں گا۔ والسلام!

یہ کلمے کہے اور بیٹھ گیا۔ لوگوں نے آوازیں دیں: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا، اے امیر! ہم تجھ پر بیعت کرتے ہیں۔ یزید نے
خود نے کا ہوا زور کھول دیا اور تمام امراء، شخصیات، اکابر، معروف حضرات، کمزور اور شریف تمام کو وافر مقدار میں مال ہدیہ
سے یزید نے اطراف کو خطوط لکھے اور اپنی بیعت کا مطالبہ کیا۔

عہد کی ابتداء اور مدینہ کی طرف خط

جمعہ فوج کے مطابق اس وقت مروان واپس مدینہ تھے۔ یزید نے حکومت سنبھالتے ہی اسے معزول اور اپنے چچا زاد
عبد الوہاب واپس مدینہ مقرر کر دیا لیکن بعض مورخین ولید کو از طرف معاویہ حاکم مدینہ بنانا چاہتے ہیں۔ البتہ اس پر تمام مورخین
میں سے کہ یزید نے خط ولید بن عقبہ کو لکھا اور اس میں تاکید کی کہ حضرت امام حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ
سے بیعت لیں اور ان کو مطہر بنائیں۔

خط کا متن

صَبِّحًا فَإِنَّ مَعَاوِيَةَ كَانَ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللَّهِ أَكْرَمَهُ اللَّهُ وَاسْتَخْلَفَهُ وَخَوَّلَهُ وَمَكَّنَ
لَهُ، فَعَاشَ بِقَدْرِهِ وَمَاتَ بِأَجَلٍ فَرَّجَهُ اللَّهُ فَقَدْ عَاشَ مُحْمُودًا وَمَاتَ بِرًا تَقِيًّا

وَكَتَبَ إِلَيْهِ فِي صَحِيفَةٍ

امام بعدا! فَخَذَ حُسَيْنًا وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ بِالْبَيْعَةِ أَخَذًا شَدِيدًا

لَيْسَتْ فِيهِ رُخْصَةٌ حَتَّى يُبَايِعُوا وَالسَّلَامُ!

”اے ولید! معاویہ اللہ کے بندوں سے تھا، خدا نے اس کو روئے زمین کی خلافت دی۔ اب وہ فوت

ہو گیا ہے۔ اچھی سیرت کا مالک تھا اور مجھے اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا۔ جب میرا غلط پڑھو تو امام

حسینؑ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ سے ضرور بیعت لو اور ان کو کوئی ڈھیل نہ دو..... والسلام!

ولید کا مروان سے مشورہ

جب ولید خط سے مطلع ہوا تو وہ خوف زدہ اور وحشت زدہ ہو گیا اور خط پر عمل کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اس مشکل سے

نجات کے لیے مروان سے مشورہ کیا اور کہا: ان تین شخصوں سے بیعت میں کیا مصلحت ہے؟

مروان نے کہا: مناسب یہ ہے کہ ان کو معاویہ کی موت کی خبر نہ دو اور ان کو بلاؤ اور بیعت یزید کا کہو۔ اگر انھوں نے

قبول کیا تو ٹھیک ورنہ ہر تین کو قتل کر دے۔ اگر معاویہ کی موت سے وہ باخبر ہو گئے تو مخالفت کے طبل بجائیں گے اور عوام کو اپنی

بیعت کے لیے بلائیں گے اور کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ البتہ عبد اللہ بن عمر کو مستثنیٰ کرو کیونکہ وہ صلح پسند شخص ہے جنگ و

جدال کے خلاف ہے۔ وہ خلافت حاصل کرنے کے لیے خون ریزی کرنے والا نہیں۔ ہاں اگر سب لوگ یک دل اور یک

زبان ہو کر خلافت ان کے حوالے کریں تو پھر طالب خلافت ہیں اور راضی اور خوشنود ہوں گے۔

پس اب مصلحت یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کو چھوڑ دے اور امام حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر کو بلاؤ، ان سے بیعت لو اور تم

جانتے ہو کہ حسینؑ بھی بیعت نہ کریں گے اور کام جنگ تک پہنچے گا۔ اور خدا کی قسم! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو حسینؑ سے بات

نہ کرتا بلکہ اس کی گردن اڑا دیتا اور اس کام میں مجھے کچھ بھی ڈر اور خوف نہ ہوتا۔

ولید نے سر جھکایا اور ایک گھنٹہ تو وحشت زدہ ہو کر زمین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر سر بلند کیا اور کہا: کاش! مجھے ماں نے

پیدا نہ کیا ہوتا، پھر بہت رویا۔

مروان نے کہا: اے امیر مدینہ! پریشان نہ ہوں بلکہ یزید کے حکم کا اجرا کرنے کی ہمت کریں۔ ابو ترابؑ کی اولاد

ہماری پرانی دشمن ہے۔ عثمانؓ کو انھوں نے قتل کیا ہے۔ معاویہ سے جنگ کے درمیان انھوں نے ہمارا خون بہایا ہے۔ اگر ہم

نے اس کام میں جلدی نہ کی اور حسینؑ موت معاویہ کے واقعہ سے مطلع ہو گئے تو پھر ان پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا اور تیری عزت یزید

کے محبوب بنے۔

میں ان باتوں کو چھوڑ دو اور اولادِ قاطمہ کے حق میں اچھائی کے علاوہ کچھ نہ کہو کیونکہ وہ فرزندِ پیغمبر ہیں۔
عبد بن عمرو بن عثمان کے جوان کو امام حسینؑ اور عبد اللہ بن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا۔ اس نے مسجد میں
پہنچا۔ فرمایا: تم جاؤ ہم ولید کے پاس آ جائیں گے۔

عبد بن عمرو نے کہا: ولید ہمیں کیوں بلانا چاہتا ہے؟
میں نے فرمایا: معاویہ مر گیا ہے، ولید چاہتا ہے کہ معاویہ کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہم سے یزید کی بیعت
کرتے۔ اس خواب میں دیکھا ہے کہ معاویہ کا منبر سرنگوں ہو گیا اور اس کے گھر آگ لگی ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ

عبد بن عمرو نے عرض کیا: میرا گمان یہ بھی ہے تو اب آپ کی کیا رائے ہے؟
میں نے فرمایا: میں چند جوان ساتھ لے جاؤں گا، ان کو دروازے پر روک کر خود اندر ولید کے پاس چلا جاؤں گا۔
عبد بن عمرو نے عرض کیا: میری جان قربان ہو، مجھے ڈر ہے کہ مبادا آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

میں نے فرمایا: ایسی کلام فرمائی کہ جس سے اُسے تسکین حاصل ہوئی۔ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ ولید کی طرف سے

حضرت عبد بن عمرو نے فرمایا: کوئی اور آئے یا نہ آئے میں آ جاؤں گا۔ ولید کا قاصد واپس گیا اور امام کا جواب بتایا۔
عبد بن عمرو نے کہا: حسینؑ نے دھوکا کیا ہے وہ نہیں آئیں گے۔

میں نے کہا: اس طرح حسینؑ دھوکا دینے والے نہیں ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے چند جوان اپنے ساتھ لیے اور انھیں
مجھے طلب کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مجھے ایسا کام کہے گا جو نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی میں اس کے مکر و فریب
کے شکار نہیں ہوں۔ تم اسلحہ اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو، تم دروازے پر رک جانا اور میں اندر جاؤں گا۔ اگر میری آواز بلند ہو تو
میں قتل کر دیتا۔

حضرت امام حسینؑ ولید کے پاس گئے۔ جب اندر پہنچے تو مروان بھی بیٹھا تھا۔ امامؑ نے فرمایا: صلہ رحم بہتر ہے قطع
کرتے نہیں ایک دوسرے کے موافق اور دوست دیکھا تو دل خوش ہوا ہے۔ خدا ہمیشہ تمہارے درمیان اصلاح
کرتے۔ امامؑ نے اس کلام کا جواب نہ دیا بلکہ ولید نے معاویہ کی موت کی خبر دی تو حضرتؑ نے کلمہ استرجاع
کیا۔ (یہ مرجعوں پر ہے۔)

پھر ولید نے بیعت کے متعلق یزید کا خط پڑھ سنایا تو حضرتؑ نے فرمایا: تو مخفیانہ بیعت پر راضی اور قانع نہ ہوگا۔ پھر بہتر ہے کھلے عام بیعت کرو تا کہ تمام لوگوں کو پتہ چلے لہذا صبح ہوئی جو مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ چونکہ ولید صلح پسند بندہ تھا۔ نے کہا: خدا کے لیے بیعت کے لیے آئیں۔

مروان مردود نے کہا: خدا کی قسم! اگر حسینؑ بغیر بیعت کے چلے گے تو ان پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے جب تک قتل عام نہ ہو جائے۔ ابھی حسینؑ کو پابند کرو اور بیعت کراؤ، اگر بیعت کریں تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیں۔

اس وقت امام حسینؑ نے مروان سے فرمایا:

يَا بَنُ الزَّرَقَاءِ اَتَقْتُلُنِي اَمْ هُوَ كَذِبٌ

”اے گندمی آکھ والی عورت کے بیٹے! تو مجھے قتل کرے گا یا وہ یہ جھوٹ ہے تم میں سے کسی کی یہ جرات نہیں۔“

پھر حضرتؑ نے ولید سے فرمایا: ہم رسالت و نبوت کے اہل بیتؑ اور ملائکہ کے نزول کا محل ہیں۔ ویشلی لَا يَبَاقُ مِثْلَ يَزِيدٍ، ”مجھ جیسا شخص یزید جیسے شخص (شراب خور، فاسق، فاجر) کی بیعت کیسے کر سکتا ہے۔“ اور پھر اپنے جوانوں کے ساتھ واپس گھر آ گئے۔ مروان نے ولید سے کہا: تو نے میرا کہنا نہیں مانا اور اس کو قتل نہیں کیا اب ان پر تیرا ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔

ولید نے کہا: انہوں نے تم پر ہے، کسی اور کو ملامت کر۔ مجھے اس کام کی رہنمائی کرتا ہے جس میں میری دینی ہلاکت ہے۔ ہرگز مجھے پسند نہیں کہ ان کو قتل کروں اور اگر بیعت کا انکار کریں تو بھی ان کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کی قسم! وہ تو اطاعتِ خدا، میزان ہیں۔ اگر کوئی لَنْ کے خون سے ہاتھ آلودہ کرے تو خدا کے نزدیک وہ مردود ہے۔

مروان چونکہ ان باتوں کا قائل نہ تھا لہذا اُس نے ان پر یقین نہ کیا لیکن مجبوراً مذاق اور تسخیر کے طور پر تائید کر دی۔ مؤلف کہتا ہے: ولید اور امام حسینؑ اور مروان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ستائیس رجب کی رات تھی۔ حضرتؑ آئے تا کہ کل دوبارہ بیعت کے لیے ولید کے پاس جائیں۔

تاریخ انجم کوئی نے ولید، مروان اور امام حسینؑ کے درمیان گفتگو کو یوں نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا: مجھے اس وقت دربار میں کیوں بلایا ہے؟

ولید نے کہا: یزیدؑ کی بیعت کے لیے جس کی بیعت تمام مسلمانوں نے کر لی ہے اور اس پر راضی ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: یہ کام بہت بڑا ہے مخفیانہ ہونا تمہارے لیے مفید نہیں۔ کل دوسرے لوگوں سے بیعت لو پھر ہم

سے سب سے پہلے ہوا کریں گے۔

حیدر نے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ نے اچھی بات کی اور میرا بھی یہی گمان تھا، اب واپس جائیں تاکہ کل مسجد میں لوگ

جاننے نہ پڑیں کہ اے امیر! تو بھول گیا ہے، ان کو نہ چھوڑو بلکہ قید کر لویا اپنے پاس بٹھا لو اور گردن اڑا دو کیونکہ اگر حسینؑ سے بچے گئے تو پھر ان پر قادر نہ ہوگا۔

حسینؑ نے جلال میں آکر فرمایا: کس شخص کی جرأت ہے کہ میرے بارے میں متد نظر کرے، اے بدکارہ عورت کے

بھائی! امیرؑ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ ہم اہل بیت رسالت، رحمت کا محل اور ملائکہ کے نزول کا مقام ہیں؟

میں کل صبح آؤں گا اور جو کہنا ہوگا لوگوں کے سامنے کہوں گا۔

مہر نے یہ کلمات بلند آواز سے کہے، امامؑ کے ساتھی تلواریں نیاموں سے نکال کر اندر جانے والے تھے کہ امامؑ باہر

نکلے تو روک لیا اور واپس گھر چلے گئے۔

مہر نے ولید سے کہا: تم نے میری بات نہیں سنی اور حسینؑ کو قید نہیں کیا اب وہ ہماری گرفت سے نکل گئے ہیں۔

ساتھ نہیں آسکتے۔ خدا کی قسم! اگر ان کو قید یا قتل کر دیتے تو غوغا اور شور شرابے سے نجات مل جاتی۔

مہر نے ہورعیؑ سے کہا: ایک شور بلند ہوا اور مدینہ والوں کا ایک گروہ ولید کے پاس آیا اور کہا: عبد اللہ بن مطیع کو کس جرم

سے قید کیا ہے؟ ابھی حکم دو اور اسے آزاد کر دو ورنہ ہم خود ان کو زندان سے رہا کر لیتے ہیں۔

مہر نے کہا: اسے یزید کے حکم سے قید کیا ہے، اور مصلحت یہ ہے کہ ہم اور آپ یزید کو خط لکھتے ہیں جو اس نے

سب سے پہلے کریں گے۔

مہر حذیفہ العدی نے کہا: ہم خط لکھیں اور خط شرم پہنچے اور پھر جواب آئے تو کیا اتنے دنوں تک وہ قید میں رہیں

معدنہ بن مطیع کے رشتہ دار اٹھے اور کہا: ہم اس کو قید میں کسی صورت نہیں رہنے دیں گے۔ پس وہ زندان میں آئے

حیدر اس بے حرمتی سے پریشان ہوا، ارادہ کیا کہ یہ حالت یزید کو لکھے اور بنی عدی کی شکایت کرے لیکن بعد میں

سنت نہ وجہ سے خط نہ لکھا۔ بہر صورت دوسرے دن امام حسینؑ اپنے گھر سے باہر آئے تاکہ معلوم کریں کہ حالات کیسے ہیں؟

مروان آپ کو راستے میں ملا اور کہنے لگا: اے ابا عبد اللہ! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں اور اس میں صرف آپ کی بہتری چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کر لیں تاکہ کوئی تکلیف اور مشقت نہ دیکھیں اور اس کے علاوہ فتنہ کی آگ بھی بجھ جائے گی۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون، آج اسلام اس قدر کمزور ہو گیا ہے اور مسلمان مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اے مروان! یزید کون ہے کہ تو اس کی بیعت کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ شرابی، زانی، فاسق اور فاجر ہے۔ تیری نصیحت بہت بُری اور بلا سود ہے۔ میں تیری اس نصیحت پر جو ہز رملامت سے بدتر ہے، تیری مذمت نہیں کرتا کیونکہ تجھ سے یہی توقع ہے۔ تو ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ رسول خدا نے تجھ پر لعنت کی تھی۔

اے دشمن خدا! تو نہیں جانتا کہ ہم رسول کے اہل بیت ہیں اور ہمیشہ ہماری زبان پر حق جاری رہا ہے اور حیدر امجد محمد مصطفیٰ نے فرمایا: ”خلافت آل سفیان پر حرام ہے۔“ جب معاویہ کو منبر پر دیکھو تو پیٹ پھاڑ دو۔ خدا کی قسم! اہل مدینہ نے معاویہ کو منبر پر بیٹھا دیکھا اور کچھ نہ کہا اور میرے جد کے کلام کا احترام نہ کیا لہذا خدا نے ان پر یزید کو مسلط کر دیا۔

مروان کو امام کی باتوں پر غصہ آیا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ یزید کی بیعت نہیں کرتے۔

امام نے فرمایا: اے پلید و دور ہو جاؤ! ہم اہل بیت طہارت ہیں اور خدا نے ہماری شان میں فرمایا:

اِنَّمَا يُرِیدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا

مروان نے سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولا۔ پھر امام نے چند جملے مروان مردود کی مذمت اور ملامت کے لیے فرمائے کہ وہ غصہ میں آ گیا اور ولید کے پاس گیا اور اسے تمام گفتگو سنائی۔ پھر اس گفتگو کو یزید کی طرف لکھا گیا۔

عبد اللہ بن زبیر کا فرار اور عبد اللہ بن مطیع کا گرفتار ہونا

اس خط کے یزید کی طرف روانہ کرنے کے بعد ولید نے عبد اللہ بن زبیر کو بلایا تو عبد اللہ بن زبیر نے کہا: میں خود ولید کے پاس آ جاؤں گا اور ویسے کروں گا جیسے امیر کا حکم ہے۔ ولید کو قاصد نے عبد اللہ کا پیغام دیا۔ ولید نے دوبارہ قاصد بھیجا اور کئی بار بھیجا اور آخری بار ولید کے غلاموں سے کہا: اے عبد اللہ آؤ اور امیر کی بیعت کرو ورنہ وہ تمہیں قتل کر دے گا۔

عبد اللہ کا بھائی جعفر ولید کے پاس آیا اور عرض کیا کہ عبد اللہ کی طلب میں جلدی نہ کرے تو ولید نے عبد اللہ کے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ جعفر نے کہا: چونکہ آپ کے مامورین بار بار ان کے پیچھے گئے ہیں اس لیے عبد اللہ کو شک پڑ گیا ہے اور وہ ڈر گیا

سنت یہ ہے کہ آج صبر کریں اپنے مامور واپس بلا لیں تو کل وہ خود آپ کے پاس آ جائے گا۔

میرے یہ نمٹیک ہے مجھے اور تیرے بھائی جیسوں کے لیے خدا نے فرمایا ہے: إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ، أَلَيْسَ

بَعْدَ ب (سورہ ہود، آیہ ۸)

خبر ہے۔ مامور واپس بلائے۔ جب رات ہوئی تو عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائیوں کو بلایا اور کہا: مناسب یہ ہے کہ
 سے نکل کر مکہ چلے جائیں۔ تم معروف راستے سے جاؤ اور میں غیر معروف راستوں سے آؤں گا کیونکہ مجھے
 سے۔ مومنین کو بھیجے گا جب مجھے گھر میں نہ پائیں گے تو تلاش پر نکلیں گے اور میری تعقیب کریں گے لہذا میں
 سے۔ سفر کرتا ہوں۔

مکہ کے بھائی شاہراہ اعظم پر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور عبداللہ اپنے بھائی جعفر کے ساتھ مدینہ سے غیر معروف
 سے۔ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جسے بن ولید نے عبداللہ کو بلایا تو اسے گھر میں نہ پایا تو معلوم ہوا کہ وہ فرار کر گیا ہے۔ ولید کو غصہ آیا اور مروان
 سے۔ نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو قبول نہ کرے اور مصلحت اندیشی کا خیال نہ کرے تو یہی ہوتا ہے۔ عبداللہ مکہ
 سے۔ جا سکا۔ اب اس کی گرفتاری کے لیے افراد بھیجوا تا کہ اسے گرفتار کر لائیں۔ چنانچہ ۸۰ افراد گھڑ سوار بنی امیہ
 سے۔ ساری میں بھیجے گئے تاکہ جہاں بھی اُسے دیکھیں گرفتار کر لائیں۔

بنو۔ نے بہت گھوڑے دوڑائے لیکن اس کو نہ پاسکے۔ ولید اس دن ابن زبیر کی گرفتاری کی مصروفیات کی وجہ سے
 سے۔ متصرف ہو گیا۔ سارا دن گھوڑے دوڑانے کے باوجود ابن زبیر گرفتار نہ ہو سکا۔ ولید پریشان ہوا اور چند
 سے۔ محبہ بن زبیر کے رشتہ داروں اور غلاموں کو گرفتار کر لائیں اور قید کر دیں۔

بنو۔ کے چچا زاد مٹھی عبداللہ بن مُطِیع کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ اس وقت ابن زبیر کا ایک رشتہ دار
 سے۔ پاس گیا اور اسے کہنے لگا: ولید نے عبداللہ بن مُطِیع کو بے گناہ قید کر دیا ہے اور آپ اسے نجات دلائیں تو
 سے۔ عمر خود جا کر جنگ و جدال کر کے اُسے آزاد کرائیں گے اور اگر ہم مارے گئے تو بھی پروا نہیں۔

بنو۔ بن عمر نے کہا: جلدی نہ کرو اور شور و غل نہ کرو تا کہ ہم سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں۔ پس مروان کو بلایا اور اسے
 سے۔ رجا: قلم و ستم کرنا چھوڑ دو تا کہ خدا تمہاری مدد کرے۔ عبداللہ بن مُطِیع کو کس جرم میں قیدی بنایا ہے؟

بنو۔ میں یزید کا جواب (ولید و مروان کے خط کا) پہنچا جس کا متن یہ تھا کہ تمہارا خط پہنچا، مطلب معلوم ہو گیا
 سے۔ بیعت میں رغبت کی ان کا پتہ چل گیا ہے۔ عبداللہ بن زبیر کو اپنے حال پر چھوڑ دو وہ پکڑا جائے گا۔ لومڑی

چاند سے کہاں چھپ سکتی ہے اور امام حسینؑ کا حال بتاؤ۔ اگر دوسرا کرو جیسا میں نے لکھا تو بہت انعام ملے گا۔ اس کے علاوہ تجھے اپنی افواج کا سالار بنادوں گا تاکہ دولت و نعمت کا مالک بن سکو۔

جب خط ولید کے پاس آیا اور اُس نے پڑھا تو بہت پریشان ہوا اور کہا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ، اگر یزید مجھے تمام دنیا اپنی تمام چیزوں کے ساتھ دے تو بھی میں امام حسینؑ کے خون بہانے میں شریک نہ ہوں گا۔

امام حسینؑ کا روضہ رسولؐ پر اُمت کے مظالم کی شکایت کرتا

پہلے ہم نے کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام ولید کے دربار سے گھر تشریف لائے۔ جب رات ہوئی تو اپنے جدا گھر کی مطہر و منور قبر کی زیارت کے لیے گئے اور عرض کیا:

اے نانا! اے رسول اللہ! میں حسینؑ بن علیؑ آپ کا بیٹا اور آپ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میں اس اُمت میں آپ کی یادگار ہوں۔ میری اطاعت کا آپؑ نے حکم دیا گواہ رہنا کہ اُمت نے میری کوئی مدد نہ کی اور میری قدر راضع کر دی۔ میری حرمت اور میری قربت کا کوئی لحاظ نہ رکھا، اب میں شکایت لے کر آیا ہوں۔ پھر نماز میں مشغول ہو گئے اور صبح تک رُکوع و سجود میں مصروف رہے۔

ولید نے تحقیق کے لیے کسی کو امام حسینؑ کے گھر بھیجا چونکہ آپ اپنے گھر نہ تھے تو ولید کو اطلاع دی تو ولید نے کہا: حید! خدا ہے کہ وہ اس شہر سے چلے گئے اور ہم ان کے خون کے بارے میں حریص استخوان میں جلا نہ ہوئے۔ حضرت صبح کو گھر پہنچے، دوسری رات جناب مصطفیٰؐ کی مقدس تربت پر آئے اور کئی رکعت نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد حق سبحانہ سے مناجات کی۔ آپ مناجات میں یوں کہہ رہے تھے:

”خدا یا! یہ تیرے پیغمبر محمد بن عبد اللہ کی تربت ہے، میں اس کی بیٹی کا بیٹا ہوں، جو واقعہ پیش آیا ہے تو جانتا ہے اور تو میرے حال سے آگاہ ہے۔ نیز میرے خیمے سے بھی آگاہ ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں تنگی کو اچھا سمجھتا ہوں اور منکر سے نفرت کرتا ہوں۔ اے خدا یا! اس تربت پاک کے حق کی قسم! اور اس قبر میں سونے والے کے حق کی قسم! کہ جو چیز تیری اور تیرے پیغمبرؐ کی رضا ہے وہ مجھے بتا دے اور میرے لیے آسان فرما دے۔ پھر بہت روتے اور میرا پاک پیغمبرؐ کی قبر پر رکھ دیا۔ آپ روتے روتے سو گئے تو خواب میں اپنے نانا رسول اللہؐ کو دیکھا کہ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ آرہے ہیں۔ کچھ دائیں طرف ہیں اور کچھ بائیں طرف ہیں۔ کچھ پیچھے اور کچھ منٹ فوج کی طرح آگے آگے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے آپ کو سینے سے لگا لیا، پیشانی کو چمکایا اور فرمایا: بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں معتریب ایک گروہ جو اسلام کا دھوے دار ہوگا تمہیں کربلا کی زمین پر قتل کر دے گا۔ تم عباس

ہوئے لیکن وہ پانی نہ دیں گے اور باوجود اس کے کہ وہ میری شفاعت کے امیدوار بھی ہوں گے۔ خدا میری نصیب دہی کو نصیب نہ فرمائے اور اس دن ان کو ذرا بھر فائدہ نہ ہو۔ اے میرے فرزند! تمہارے والدین میرے پاس بہشتِ مرقّات کی آرزو میں ہیں اور آپ کے لیے بہشت میں کچھ ایسے درجے ہیں کہ جو شہادت کے بغیر حاصل نہیں

ہے۔ نہ عرض کیا: اے نانا! مجھے قبر میں اپنے پاس بلا لیں کہ مجھے دنیا میں پلٹ کر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جیسے کہ فرمایا: سعادتِ شہادت کو حاصل کرو تو پھر تم ان درجات اور ثواب کو حاصل کر سکو گے۔

۴۔ نہ خند سے بیدار ہوئے تو اپنے خواب کا اپنے اہل بیت سے ذکر فرمایا۔ اہل بیت بہت پریشان ہوئے یہاں

کہ: اہل بیت کے اوپر اس قدر غم تھا کہ زندگی بھر میں ایسا غم دیدہ دن نہ دیکھا۔

ترجمہ صحیح مقلو مان از مدینہ

۵۔ رسولِ نانا کے حزار پر خواب دیکھنے کے بعد گھر آئے اور گھر والوں کو خواب سنایا اور پھر اس شب سے دو شب بعد

مدینہ سے نکل جانے کا مہم ارادہ کر لیا۔ نیم شب آپ قبر رسولؐ پر آئے، نماز پڑھی اور نانا کو الوداع کہا اور گھر واپس

آئے وقتِ عمر بن حنفیہ آپ کے گھر آئے اور عرض کیا: بھائی جان! میری جان آپ پر قربان ہو میرے لیے آپ

تعب و محنت کئی نہیں ہے اور آپ مجھے اپنی جان سے عزیز اور پیارے ہیں۔ گویا حکمِ اخوت کے سبب ہم دونوں ایک

سے ہیں۔ آپ میرے لیے اس کے مانند تھے اور اہل بیت کے بزرگ اور بڑے آج آپ ہیں اور بہشت میں جانے

سعادت سے ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرنے آیا ہوں، آپ میری نصیحت قبول فرمائیں۔

حضرت نے فرمایا: بھائی! کیا فکر مندی ہے، آپ کا قول میرے لیے بغیر کسی غرض کے ہے۔

عمر بن حنفیہ نے عرض کیا: مصلحت یہ ہے کہ آپ ان شہروں سے جو یزید کے قریب ہیں دور ہو جائیں تاکہ لوگوں سے

بیعت طلب نہ کریں۔ اگر یہ لوگ آپ کی بیعت کریں اور اطاعت کریں اور شکر بجالائیں اور اگر آپ کی بیعت نہ کریں تو

بہشت میں اور فضل و مروت کے لیے قطعاً نقصان دہ نہیں۔

۶۔ بات سے مجھے ڈر ہے کہ آپ کسی شہر میں جائیں اور کچھ لوگ آپ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں۔ اگر کچھ

آپ کے مخالف ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لڑائی جھگڑا ہوگا اور آپ کو شہید کر کے آپ کے خون کو ضائع کر دیں گے۔

حضرت نے فرمایا: آپ نے اچھی نصیحت کی۔ اب بتاؤ کس شہر میں جاؤں؟

محمد بن حنفیہ نے کہا: پہلے مکہ جائیں، اگر اہل مکہ آپ کی بیعت کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ یمن چلے جائیں کہ اہل یمن ضرور آپ کی بیعت کر لیں گے۔ اگر وہ بھی آپ کی اطاعت نہ کریں تو پھر پہاڑوں میں چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہنا اور مناسب وقت کا انتظار کرتے رہنا۔

حضرت نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر میرا دنیا میں کوئی بھی مددگار نہ ہوا تو بھی یزید کی بیعت نہیں کروں گا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نفرت کی ہے۔ اللھم لا تبصرک فی یزید۔ پھر دونوں بھائی اس قدر روئے کہ رشتہ ہائے مبارک تر ہو گئیں۔

محمد بن حنفیہ کا ارادہ تھا کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے نکلیں لہذا سامان سفر بھی حاضر کیا لیکن حضرت نے وہیں رکنے کا حکم دیا اور فرمایا: آپ ہمارے اسی شہر مدینہ میں رہو اور میری طرف سے حکومتی کاموں پر ناظر رہو اور حالات و واقعات میری طرف پہنچاتے رہنا۔ پھر امامؑ نے یہ وصیت نامہ محمد بن حنفیہ کے لیے لکھا۔

وصیت نامہ امام مظلوم برائے محمد بن حنفیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم! یہ وہ وصیت ہے جو حسین بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو لکھا۔ حسینؑ گواہی دے رہا ہے کہ لا الہ الا اللہ ہو وحدۃ لا شریک لہ، وان محمدًا عبدًا ورسولہ، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمدؐ حق کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں، اور جنت و جہنم حق ہے، قیامت حق ہے اور اللہ کا قبروں سے مبعوث کرنا حق ہے۔

وَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشِيرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِمًا وَإِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدِيدٍ، أُرِيدُ أَنْ أَمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرُ بِسِيرَةِ جَدِيدٍ وَأَبِي عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ

”یعنی میں نے قیام شروع کیا، میرا ارادہ فساد، تکبر اور حصولِ حکومت نہیں، بلکہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں، تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے نانا اور بابا کی سیرت پر چلوں، جو شخص میرے نظریے کو قبول کرے وہ حق کو قبول کرے گا اور حق اولیٰ ہے جس نے انکار کیا میں صبر کروں گا یہاں تک کہ میرے اور میری قوم کے درمیان اللہ حق کا فیصلہ کرے۔ وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“

اے بھائی! میری یہ وصیت تمہارے لیے ہے، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حضرت عباسؓ کی امام حسینؑ سے گفتگو

۱۔ مہر بن عباس امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے مکہ کے لیے خروج کے ارادے سے مطلع ہوئے تو آئے اور یہ ستر قریہ صلیح دیکھتا ہوں کہ جس طرح ایام معاویہ میں صبر کیا ہے، ایام یزید میں بھی صبر کر لو حتیٰ کہ حکم الہی سے منہ پھیرنے میں آپ کا مقصد اور ہدف بھی پورا ہو جائے۔

۲۔ مہر بن عباس نے فرمایا: کیا کہہ رہے ہو، میں یزید کی بیعت کرنے والا نہیں ہوں کیونکہ رسول پاکؐ نے کچھ اس ستر فرمایا ہے وہ مجھے معلوم ہے۔

۳۔ مہر بن عباس نے کہا: آپ درست فرماتے ہیں، میں نے خود رسول خداؐ سے سنا تھا: لا باہرک فی یزید کہ وہ میری بیٹی کے بیٹے حسینؑ کو قتل کرے گا۔

۴۔ علیہ السلام نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا کہتا ہے اس جماعت کے افراد کے بارے میں تو جو رسولؐ کی بیٹی کے وطن سے نکالتے ہیں، اور اپنی جد کی تربت کی زیارت اور مجاورت سے محروم کرتے ہیں، اور ڈراتے ہیں تاکہ کسی مہر بن قویام گاہ نہ بنا سکے اور اس کا خون بہانے اور قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں حالانکہ اس کا گناہ بھی کوئی نہیں ہے۔

۵۔ مہر بن عباس نے کہا: میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کہتا کہ ایسے لوگ کافر ہیں۔ ولا یاتون الصلوٰۃ الا وهم کسالی ولا یتنہ الا قلیلاً فکلن تجد له سبیلاً۔

۶۔ مہر بن عباس نے فرمایا: آپ امیر، نیک سرور، فرزند بنت رسولؐ اور علیؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ یہ خیال نہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے افعال سے غافل ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو شخص آپؑ کے جد کی مجاورت اور محبت سے منہ پھیر لے اس کی آخرت میں کوئی مقام اور حصہ نہیں ہے۔

۷۔ علیہ السلام نے فرمایا: میرے اللہ گواہ رہنا۔

۸۔ مہر بن عباس نے کہا: میری جان آپؑ پر قربان ہو، آپؑ جو اس طرح اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں اور مجھے اپنے منہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اگر میرے تعاون اور نصرت کی ضرورت ہو تو خدا کی قسم! آپؑ کی حمایت میں اس قدر تلوار اس منہ سے چلاتا رہوں گا، کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ کر گر جائیں تو بھی آپؑ کا حق ادا نہیں ہوگا۔

۹۔ مہر بن عباس کی امام حسینؑ سے گفتگو

عبد اللہ بن عمر نے کہا: اے فرزند عباس! ان باتوں کو چھوڑو اور پھر امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے

ابا عبد اللہ اپنے ارادے کو فتح کر دیں اور ہمارے ساتھ یزید کی بیعت کر لیں اور اپنے گھر، اپنے تانا کے حرم سے دور نہ ہوں۔ اگر یزید کی بیعت نہ کر دے گا تو آپ سے بیعت زبردستی لی جائے گی اور وہ آپ کو امن اور سکون سے وطن میں نہیں رہنے دے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ان باتوں پر لعنت کرتا ہوں، کیا میں اپنے نظریہ میں غلط ہوں کہ تم مجھے اس سے بچنے نہ بات کر رہے ہو۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: آپ غلطی پر نہیں ہیں، یہ ممکن نہیں کہ خداوند متعال دختر رسولؐ کے فرزند کو غلطی پر رہے۔ آپ نے نہیں سنا کہ کبھی زمانہ الٹی چالیں چلتا ہے۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ دشمن آپ کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ کام کریں جسے آپ برداشت نہ کر سکیں، لہذا مصلحت اسی میں ہے کہ ہم سے اتفاق کریں اور مدینہ میں ہمارے ساتھ بیعت کر لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں یزید کی بیعت کبھی نہیں کروں گا بلکہ اپنے تانا کی سنت اور بابا کی سیرت پر چلوں گا۔ جو شخص میری اتباع کرے گا تو اس نے حق کو قبول کیا اور اسے سعادت و سلامتی ملے گی۔ لیکن جو شخص انکار کرے گا اور مجھ سے اطاعت سے خارج ہوگا اس کے بارے میں مبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان خود کوئی فیصلہ کر دے۔ امام نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: خدا توفیق کو رفتی بنائے، اب تمہیں وداع کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الهدی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اس کے بعد وصیت نامہ اپنے بھائی کو دیا اور ان سے وداع کیا اور اہل بیتؑ، اصحاب اور قبیلہ والوں کو لے کر مدینہ طرف روانہ ہو گئے۔

جناب ام سلمہؓ کی امام حسینؑ سے گفتگو

جناب ام سلمہؓ زوجہ رسولؐ پاک کو جب اطلاع پہنچی کہ حسین علیہ السلام مدینہ سے جا رہے ہیں تو یہ بی بی عرصہ سہارے چلتے ہوئے امام حسینؑ کے پاس آئیں اور عرض کیا: میری گزارش آپ سے یہی ہے کہ عراق کی طرف سفر کا ترک کر دیں اور مجھے فراق دے کر مزید غمگین نہ کریں، کیونکہ آپ کے تانا بزرگوار نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کو سرزمینِ عین میں شہید کیا جائے گا۔

امام ام سلمہؓ نے فرمایا: اے ثانی اماں! اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ کس دن میں نے قتل ہونا ہے اور اپنے قتل جانتا ہوں اور اپنے مزار اور اہل بیتؑ کے مدفن اور قتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں تو میں اپنا قتل آپ سے

آپ کو معلوم ہو جائے کہ جو بات آپ کہتی ہیں وہ مجھ سے پوشیدہ اور پنہاں نہیں۔ پھر اپنے ہاتھ مبارک زمین پر نیچے ملنے زمین پر بلا دیکھی، لشکر، اصحاب کے لاشے اور اولاد حسینؑ کے بدن دیکھے تو بہت روئیں۔
 جیسے سزا نے ارشاد فرمایا: یہ خدا کی مرضی ہے کہ میں مقتول ہوں اور میری بیٹیاں اور بہنیں قید ہوں اور ان کو
 اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

سزا نے عرض کیا: جس دن سے آپ کے ناننانے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی تو ایک مٹی خاک کر بلا بھی اٹھا کر دی
 شیش میں رکھا ہوا ہے۔

سزا نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! مجھے اس زمین پر قتل کیا جائے گا، اگر میں خود کر بلا جاؤں تو جہاں بھی ہوں گا
 پھر ایک مٹی خاک کر بلا دی اور فرمایا: اس کو دیکھتے رہنا جس دن یہ دونوں مٹی خون بن جائے تو میں قتل

حضرت زین العابدینؑ سے گفتگو

حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جب امام حسینؑ علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا انکار کر دیا تو میں ان کے
 حرم میں عرض کیا: یا ابا عبد اللہ! میری جان آپ پر قربان کہ حضرت مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے بابا سے نقل کیا ہے
 جنت رونا آیا اور میری رونے کی آواز بلند ہوئی اور میں بات نہ کر سکا۔ حضرت نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور
 مجھے نے تجھے بھی خبر دی ہے کہ میں شہید ہو جاؤں گا۔

سزا نے عرض کیا: اے فرزند رسول! آپ محفوظ رہیں۔

یہ حق رسولؐ کی قسم کہ انھوں نے مجھے قتل ہو جانے کی خبر دی ہے؟

سزا نے عرض کیا: ہاں کاش کہ یزید کی بیعت کر لیتے۔

سزا نے فرمایا: مجھے امیر المومنینؑ نے بتایا تھا کہ خاتم الانبیاءؑ نے فرمایا ہے کہ مجھے اور میرے بابا کو شہادت کے
 جہنم میں جائیں گے، میری تربت اور بابا کی قبر مطہر ایک دوسرے کے قریب ہوں گی، کیا تمہارا خیال ہے جو تم جانتے ہو
 جہنم خدا کی قسم! میں ذلت اختیار نہیں کروں گا۔

حضرت عذراؑ جن کی ذریت نے اُمت کے ان فاسقوں سے یہ اذیتیں اٹھائی ہیں، اپنے بابا کے پاس اُمت کی شکایت

کی۔ جن لوگوں نے اولاد زہراؑ کو تکلیفیں پہنچائیں وہ کبھی جنت میں نہیں جاسکتے۔

چھٹا فصل

مدینہ سے مکہ تک شاہِ مظلوماں کا سفر

مرحوم شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں نقل فرمایا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام اتوار کی رات ۲۹ رجب کو آدمی رات۔ وقت مدینہ سے نکلے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے خارج ہوئے تو ملائکہ کے درگروہ ملاقات کے لیے آئے جن کے ہاتھوں میں جنگ کا اسلحہ تھا، بہشتی آؤنٹوں پر سوار تھے، انہوں نے سلام کے بعد عرض کیا: اے مخلوقِ خدا پر حجتِ خدا! ہم نے چند مقامات پر آپ کے ناناً اور آپ کی مدد کی۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میری اور تمہاری ملاقات محلِ قبر پر ہوگی اور وہ ایسی زمین ہے کہ جہاں میں شہید ہوں گا اسے کوہ کہتے ہیں۔ جب وہاں پہنچوں تو وہاں آنا۔ انھوں نے عرض کیا: اے حجتِ خدا! اب کیا حکم ہے کہ ہم اطاعت کریں اور اگر دشمن سے کوئی خطرہ ہے تو ہم آپ۔ ساتھ چلتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: وہ مجھ پر راہ نہیں پاسکتے اور نہ مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں حتیٰ کہ اس زمین میں پہنچ جاؤں۔ پس مونہ جنوں کے گروہ مضمر امامؑ میں آئے اور عرض کیا: اے سردار! ہم آپ کے شیعہ اور مددگار ہیں، آپ حکم فرمائیں تاکہ ہم عمل کریں۔ اگر دشمن ہیں تو اشارہ فرمائیں کہ ان کا شر تم سے دور کر دیں اور ان کو ہم کافی ہیں۔ حضرت نے فرمایا: آپ کو خدا جزائے خیر دے کیا جو کتاب میری جد پر نازل ہوئی ہے اسے نہیں پڑھا کہ آئینہ تَنَكُونُوا يَذَرُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔ دوسرا قرآن میں یہ نہیں پڑھا: لَيَبْزُغَنَّ الْيَوْمُ بِكَيْدِ الْعَيْنِ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (سورہ آل عمران، آیہ ۱۵۴)

اگر میں اپنی جگہ پر رہوں تو اس بدطینت مخلوق کا امتحان کیسے ہوگا؟ اور کربلا کی قبر میں کون سونے گا حالانکہ وہ قبر الارض کے دن خدا نے میرے لیے بنائی ہے اور شیعوں کی پناہ گاہ بنائی گئی ہے۔ میں روزِ عاشورہ کے آخر لحظات میں تیرے ہو جاؤں گا، میرے بعد میرے اہل اور قریبوں میں سے کوئی بھی باقی نہ بچے گا اور میرے سر کو یزید کے لیے لے جائیں گے۔ جنوں نے کہا: اے حبیبِ خدا! ہمیں ذاتِ خدا کی قسم! اگر آپ کا حکم واجب الاطاعت نہ ہوتا اور رب کے فرمان۔

سُنَّہ سے مَدِیْنہ تک کے تمام دشمنوں کو قتل کر دیے۔

خدا نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ دشمنوں پر قادر ہوں لیکن ہم اپنی قدرت اور توانائی کو استعمال نہیں کریں گے۔ تم لوگوں کو برباد ہو تو دلیل سے ہو اور جو شخص زندہ ہو تو دلیل سے ہو۔

سیرتِ اربعہ در ذریعہ النجاة

ذریعہ النجاة میں مرزا رفیع گرم رودی لکھتے ہیں: اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ کی کئی حکمت اور مصلحت کے تحت خروج کیا جب کہ حضرت علم الامت اور نانا کی روایات سے جانتے تھے کہ ظالموں کی مدد سے وہ اس زمین کو بلا پر انھیں قتل کر دے گا؟

جواب یہ ہے: اولاً یہ مسئلہ مشکل مسائل سے ہے کہ اس کا علم خود ان تک محدود تھا اور ہماری کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ یہ قطع ہونا ہماری کوئی شرعی تکلیف نہیں۔

دین: معصومین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ ہمارے عقیدہ کے مطابق کوئی خلافِ شرع یا نافرمانی نہیں کر سکتے خواہ کچھ بھی ہو یا کبیرہ۔ اس لیے کہ جو وہ کہتے ہیں یا عمل کرتے وہ محبوبِ خدا اور مرضیِ خدا ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ خروج حجت ہے۔ حسینؑ رضایتِ خداوند کا مورد تھے۔

جنت: بنی اُمیہ شدتِ عداوت کی وجہ سے جو ان کو حضرتؑ سے تھی ہمیشہ انتظار میں تھے کہ کس طرح ان کو قتل کر دیں اور حجت و خود آنحضرتؑ جانتے تھے کہ یہ ظالم مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، اس لیے انھوں نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی حیوان کے ساتھ چھپ جاؤں تو بھی مجھے وہاں سے نکال کر قتل کر دیں گے۔

دوسری طرف سے اہل کوفہ نے حضرتؑ کو خطوط لکھے تھے اور ان خطوط میں امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت کی، جس سے احساس کی تھی کہ ہماری رہنمائی کریں اور ظالم و ناسق و فاجر کا شر ہم سے دور کریں۔ اسی وجہ سے بطور اتمامِ حجت حضرتؑ مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ کی طرف خروج فرمایا۔

رابعاً: بعض اوقات ان ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السلام سے معجزانہ افعال صادر ہوتے ہیں کہ جو عام بشری طاقت سے خارج ہوتے ہیں بلکہ عام لوگوں کی فکر اور سوچ بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔

باقی سارے اوقات میں زیرِ معمول اور عادت کے مطابق اعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ کسی صورتِ بشری انبیاءؑ میں نہیں ہے۔ اس پر شاہد وہ روایت ہے کہ مرحوم صدوقؑ نے علل الشرائع اور اکمال الدین میں نقل کی ہے اور شیخ طوسیؑ نے

اس روایت کو محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی سے اس طرح بیان کیا ہے کہ محمد بن ابراہیم روایت کرتا ہے کہ میں ایک گروہ ساتھ جس میں علی بن موسیٰ القصری تھے۔ شیخ ابوالقاسم حسین بن روح کے پاس گئے تو ایک شخص اٹھا اور شیخ کی خدمت میں عرض کیا: میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کیا اجازت ہے؟

شیخ نے فرمایا: جو چاہو پوچھو۔

اس شخص نے کہا: آیا حضرت امام حسینؑ ولی خدا تھے یا نہ؟

شیخ نے کہا: ہاں! تھے۔

اس شخص نے کہا: کیا حضرت امام حسینؑ کا قاتل دشمن خدا تھا یا نہ؟

شیخ نے فرمایا: ہاں! تھا۔

اس شخص نے عرض کیا: کیا ممکن ہے کہ خدا اپنے دشمن کو اپنے ولی پر مسلط کر دے؟

شیخ نے فرمایا: میں جو کہتا ہوں اس کو سمجھو کہ خدا واضح طور پر آشکارا اپنی مخلوق کو خطاب نہیں کرتا اور خود ان سے کلام نہیں کرتا بلکہ پیغمبر کو ان کی جنس بشر سے مبعوث کر کے کلام کرتا ہے تاکہ وہ پیغمبر حق اور خلق کے درمیان واسطہ رہے۔ اگر پیغمبروں اور رسولوں کو کسی اور صنف سے پیدا کرتا تو لوگ ان سے نفرت اور دُوری اختیار کرتے اور الٹی قوانین ان سے قبول نہ کرتے۔

پس چوں کہ پیغمبر مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے، انہی کی جنس سے تھے، انہی کی طرح کھاتے، بازار جاتے اور حرکات و سکنات رکھتے تھے اور دوسرے لوگوں کی طرح تھے۔ ان کا اس طرح ہونا سبب بنا کہ لوگوں نے انہیں کہا: آپ ہماری طرح ہیں لہذا ہم تمہاری فرمائشات کو قبول نہیں کرتے مگر کوئی معجزہ دکھائیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ مخصوص انسان (مخصوص من اللہ) ہیں۔ پس حق تعالیٰ پیغمبروں کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کرتا ہے کہ عام بشر ان کاموں کو کرنے سے عاجز ہے۔ مثلاً کسی کو معجزہ طوفان دیا کہ اس طوفان کے ذریعے باغیوں اور سرکشوں کو غرق کر دیا۔ بعض کو ایسا بتایا کہ جب آگ میں گئے تو جلانے کے بجائے آگ شہنشاہی ہو گئی، مگر ابن گئی۔ بعض کو یہ معجزہ دیا کہ سخت ترین پتھر سے ایک اُونٹنی نکال لی اور اس کے پستانوں میں سے دودھ جاری کر دیا۔ بعض کو دریا کو روکنے کی طاقت دی اور پتھر سے چشمے جاری کر دیے اور عصا جو خشک لکڑی تھی اسے اڑدیا بنا دیا اور وہ اڑدیا تمام جادوگروں کے جادو کو نکل گیا۔

بعض کو ایسا معجزہ دیا کہ انھوں نے اندھوں کو آنکھوں والا بنا دیا، برص کے مریض کو شفا دینا اور مُردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ جیسے معجزے دیے گئے۔ بعض کو چاند دو ٹکڑے کرنے کی طاقت دی اور حیوانات کو طاقت دی کہ ان سے کلام کریں۔ پس چونکہ انبیاء کے یہ معجزات ہیں اور مخلوق ان جیسے کاموں سے عاجز ہے تو پس اس کی تقدیر اور حکمت یہ قرار پائی کہ انبیاء کو ان

جس نے غالب اور کبھی مغلوب بنا دیا، کبھی قاصر اور کبھی مقہور بنا دیا، کیونکہ اگر وہ تمام حالات میں قاہر اور غالب رہتا تو یہی ہوتا۔ اور دیگر یہ کہ ان کے صبر و تحمل کی تعداد تختیوں اور آرائشوں میں معلوم نہ ہو سکتی۔ لہذا خدا صبر سے لوگوں کی طرح قرار دیا تاکہ مصیبت کے وقت اپنے صبر کو ظاہر کریں۔ چنانچہ ان کو دوسرے انسانوں کی نسبت سستی کی نعمت سے بہرہ مند کیا اور دشمنوں پر غالب کیا تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کریں اور تمام حالات میں سستی نہ رہیں۔ نیز کبر اور بزرگی کا اظہار نہ کریں اور عوام کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان کا بھی خالق ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

میرزا نصاریٰ کی امامت سے ملاقات

حدیث میں مدینہ المعجزہ سے جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے نکلے تو حضرت ابی بن کثیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپؐ فرزند رسولؐ خدا ہیں اور سبطین میں سے ایک ہیں۔ میری نظر میں آپؐ میرے آپؐ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح خلیفہ سے صلح کر لیں۔ حضرت نے مجھے جواب دیا کہ اے جابر! میرے خدا و رسولؐ سے صلح کی اور میں بھی حکم خدا و رسولؐ سے قیام کر رہا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ رسولؐ خدا، علیؑ اور بھائی حسینؑ میں سے کسی ایک میں بھی گواہی دیں؟

جواب میں ابی بن کثیرؓ نے عرض کیا کہ میں نے رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حمزہؓ، جعفرؓ زمین پر اتر کے سامنے نہ دھڑکتے ہوئے ہو کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا:

جابر! میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ تو اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک اپنے امام کی امامت کو تسلیم نہ کرو۔ اب یہ عرض سے گریز نہ کرے گا۔ کیا تم معاویہ کا مقام اور امام حسینؑ کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟ آیا چاہتے ہو کہ یزید کا جوتہ حسینؑ کے جوتے میں ڈال دیا جائے؟

جواب میں ابی بن کثیرؓ نے عرض کیا کہ میں نے رسولؐ اللہ!

حضرت نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، زمین میں شکاف ہوا اور ایک دریا ظاہر ہوا۔ وہ ختم ہوا تو اس کے نیچے سے زمین سے پانی نکلا۔ وہ زمین پھٹ گئی اسی طرح سات طبقات زمین میں شکاف ہوا اور سات دریا نکلے۔ پھر زمین کے ساتویں طبق کے نیچے ایک طبق دیکھا اور اس میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، معاویہ، یزید اور شیطین کے دیگر ہر دیکھے اور یہ گروہ تمام اہل کفر سے بد مذہب اور بد حال تھا۔

پھر فرمایا: اے جابر! سر بلند کرو۔ جب میں نے سر بلند کیا تو آسمان کے دروازے کو کھلا دیکھا اور بہشت کو ان کے نور دیکھا۔ پھر رسول خدا اور ان کے ساتھ آنے والے سارے اُپر چلے گئے۔ جب وہ ہوا میں پہنچے تو رسول اکرمؐ نے بآواز بلند فرمایا: اے فرزند! جلدی مجھ سے ملتی ہو جاؤ۔ پس حضرت امام حسینؑ ان سے ملحق ہو گئے اور سب اُپر چلے گئے اور بہشتِ باطن میں داخل ہو گئے۔

پھر رسول خدا نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو وہاں تھے اور فرمایا: یہ میرے فرزند حسینؑ ہیں، یہ میرے ساتھ رہیں گے۔ پس ان کی بات کو تسلیم کرو اور ان کے کاموں میں شک نہ کرو تا کہ مومن بن جاؤ۔

امام کا اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ سے خروج اور اُن کی تعداد

قرآن میں ہے:

اِنَّ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝۱۰ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (سورہ حج، آیہ ۳۹-۴۰)

”یعنی اگر مومنین پر جنگ مسلط کی جائے تو ان کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ مومنین، دشمنوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہیں اور خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے اور مومنین وہ ہیں جو کفار کے ظلم کی وجہ سے ناحق اپنے گھروں سے در بدر ہو گئے ہیں۔ ان کا صرف یہی (جرم) تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں لاہجی نے لکھا ہے: ہدایت عام ہے اور مہاجرین سے مختص نہیں ہے بلکہ اس کے مصداق مہاجرین بھی ہیں اور ذریت طیبہ آنحضرتؐ بھی ہے اور اس کی مویہ حدیث امام باقر علیہ السلام ہے۔ مجمع البیان سے نقل ہوئی ہے کہ یہ آیت نازل تو مہاجرین کے لیے ہوئی لیکن آلِ محمدؐ کو بھی محیط ہے۔ جن کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا اور ان کو ڈرایا گیا۔ کافی میں روایت ہے کہ یہ آیت رسول خدا، امیر المومنین، حمزہ سید الشہداء کے بارے میں نازل ہوئی جو حسینؑ کے خروج کو بھی محیط ہے۔

صاحب بیت الاحزان کا مقالہ

مرحوم عبدالحق بن عبد الرحیم یزدی نے اپنی کتاب بیت الاحزان میں جو بہت عمدہ اور نورانی کتاب ہے، لکھا ہے کہ ہدایت ہر اُس حق پرست کے لیے جاری ہے جس کو ظلم سے شہر بدر کیا جائے۔ لیکن حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ کی

مکہ سے نکال دیا اور حضرت مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ گئے۔ پھر بھی آیت جاری ہے۔
 - - - - - منافقین کی اذیت کی وجہ سے مدینہ سے کوفہ کی طرف ہجرت کی۔ آہ آہ! اس کے بعد بھی جاری
 - - - - - حق میں اور اس کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ کتب معتبرہ میں احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ معاویہ
 - - - - - کا بیٹا یزید پلید خلافت پر غصب کر کے بیٹھ گیا تو اس نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو لکھا کہ خلافت
 - - - - - حسین سے بیعت لے لیکن چونکہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو ولید نے یزید کے نام

نہ - - - - - رحیم! یزید کے نام ولید بن عتبہ ابن ابوسفیان کی طرف سے!
 - - - - - حسین بن امیر المؤمنین عَلَی لَیْسَ یَرِیْ لَکَ خَلَافَۃً وَلَا بَیْعَۃً
 - - - - - حسینؑ نے تمہاری خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ بیعت کرتے ہیں۔

سب سے - - - - - نے پڑھا تو یہ جواب میں لکھا:

مَدَنَیِّ هَذَا فَعَجَلَ عَلَیْ بِجَوَابِهِ وَبَیِّنَ فِی کِتَابِکَ کُلَّ مَنْ فِی طَاعَتِی أَوْ
 - - - - - نَسَبَ وَنَکَبَ مَعَ الْجَوَابِ رَأْسُ الْحُسَیْنِ

حسینؑ سے ولید! جب میرا خط ملے تو جلدی جواب دینا اور اس میں بیان کرنا کہ کون میری اطاعت
 - - - - - کرے گا اور کون خارج ہو گیا لیکن جواب کے ساتھ امام حسینؑ کا سر قلم کر کے بھیجو۔ والسلام
 - - - - - حسینؑ علیہ السلام کو ہوئی تو زمینِ حجاز کو چھوڑ کر عراق کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔

سب سے - - - - - یہاں تک جو نقل کیا ہے ان سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا مدینہ سے خروج اپنی
 - - - - - حجت سے نہ تو بدعتی امیہ کے امام کے خلاف اس قدر ظلم بڑھ گئے کہ بقیۃ اللہ، حجۃ اللہ اور خلیفۃ اللہ نے وطن سے
 - - - - - بیت بھیجی اور جب مدینہ سے نکل رہے تھے تو آیت شریفہ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ..... کی تلاوت فرما
 - - - - - یہ تاریخ و مقتل نے لکھا ہے حضرت کے تمام اہل بیتؑ ایسے غم و اندوہ اور حزن و ملال میں تھے کہ بیان کی

حالت - - - - - تھی:

- - - - - مَنِ النَّبِیِّ أَشَدُّ خَوْفًا مِّنَّا جِئْنَا خَرَجْنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ

- - - - - مدینہ چھوڑ رہے تھے تو ہم اہل بیتؑ بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔

یعنی آسمان نے اہل بیتؑ سے زیادہ خوف زدہ اور وحشت زدہ نہیں دیکھا ہوگا جب ہم مدینہ کو چھوڑ رہے تھے اور جب قدر حضرت امامؑ کے اصحاب اور دوستوں نے درخواست کی کہ غیر معروف راستے سے نکلیں لیکن حضرتؑ نے صراحتاً مستقیم کو چھوڑا اور عام شاہراہ سے سفر جاری رکھا۔

مدینہ سے نکلنے والوں کی فہرست

صاحب معالی السطین نے امام علیہ السلام کے ساتھ نکلنے والے مردوں، بچوں اور خواتین کی یہ تفصیل لکھی ہے، حضرت کی بارہ بہنیں:

- ① حضرت زینب کبریٰ بنت امیر المومنین وفاطمہ الزہراء الملقبہ عقیلہ بنتی ہاشم
- ② حضرت زینب مغربی بنت امیر المومنین وفاطمہ الزہراء
- ③ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جن کی کنیت أم کلثوم ہے۔
- ④ حضرت خدیجہ جن کی ماں أم ولد تھیں۔ یہ عبدالرحمن بن عقیل کی زوجہ تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے: سعد اور عقیل کہ عقیل شویخی کے مطابق امامؑ کی شہادت کے بعد جب دشمنوں نے خیام پر ہجوم اور حملہ کیا تو دونوں بچے پیاس، وحشت و ہشت کی شدت کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کا باپ کربلا کے شہداء میں سے ہے اور خدیجہ کو فہم و فطانت پائیں۔
- ⑤ حضرت رقیہ کبریٰ، جو مسلم بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کے دو بیٹے عبداللہؑ اور محمدؑ تھے اور ایک بیٹی عاتکہ تھیں۔ یہ دونوں لڑکے کربلا میں شہید ہو گئے اور جناب عاتکہ سات سال کی تھیں جو امامؑ کی شہادت کے بعد تاراجی خیام کے وقت گھوڑوں کے سمنوں سے پامال ہو گئیں۔

- ⑥ حضرت أم ہانی، جن کی ماں أم ولد تھیں، یہ عبداللہ اکبر بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کا بیٹا نام عبداللہ تھا۔
- ⑦ حضرت رملہ کبریٰ، جن کی ماں أم مسعود بنت عروۃ انصاری تھیں۔ یہ عبدالرحمن اوسط بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کی بیٹی عقیل تھی۔

- ⑧ حضرت رقیہ مغربی، کہ ان کی ماں أم ولد تھی۔

- ⑨ حضرت فاطمہ الصغریٰ جن کی ماں أم ولد تھیں یہ ابوسعید بن عقیل کی بیوی تھیں۔ ان کی ایک دختر بنام حمیدہ اور ایک محمدؑ ہے۔ محمدؑ سات سال کے تھے جو اپنے ماموں امام حسینؑ کے خاک پر مرنے کے بعد ایک ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

تخریج مغربی کہ جن کی ماں اُم ولد تھیں اور یہ عبداللہ اوسط بن عقیل کی زوجہ تھیں، ان کی اولاد نہ تھی۔

13

二、

ج۔ نہ کے ساتھ مدینہ سے نکلیں۔

خبر مومنین

ۛ ممبر المومنین کی بیویاں امام حسینؑ کے ہمراہ تھیں جو درج ذیل ہے:

محبوبہ محبہ یہ جناب رقیہ کبریٰ زوجہ مسلم کی ماں تھیں۔

- سید بت مردہ ثقیفی رملہ کی ماں تھیں۔

۳۔ علی بن ابی طالبؑ، اپنے دو بیٹوں عبداللہؑ اور محمدؑ اصغرؑ کے ساتھ تھیں۔

۳۰۰ : ’منہ زنب صفرائی، ان کی بیٹی زنب تھیں۔

ح۔ مہدیؑ ان کی بیٹی خدیجہ تھیں۔

جذبہ رقیہ صغریٰ، ان کی بیٹی رقیہ ہے۔

۷۷۔ امہ فاطمہ ان کی بیٹی فاطمہ ہے۔

عن حماد بن عمار عن بنت ابوالعاص عيشمية

۲۔ وہ خواتین امام کے ساتھ مدینہ میں آئیں:

حضرت ام کلثوم مغربی بنت حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا، یہ جناب ام کلثوم اپنے شوہر قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی

• نٹ کے ساتھ دینہ سے آئیں اور کر بلا پہنچیں۔

حضرت خزانہ جو قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالب کی پھوپھی ہیں۔

فوسنیرن امام علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئیں۔ ان کینروں میں چار کینریں جناب زینب ہرن ں یں،

حضرت امام حسینؑ کی تھیں۔ چار کنیزیں حضرت امام حسینؑ کی زوجات کی تھیں۔ ان تمام کی تفصیل یہ ہے:

عمرت فضلہ نوبیہ جو جناب زینبؓ کی کنیز تھیں۔

② فقیرہ المعروف ملکہ بنت علقمہ، یہ کنیز پہلے جعفر بن ابی طالب کے پاس تھیں، انھوں نے مولانا علیؑ کو وہبہ کی تاکہ حضرت فاطمہؑ اور ان کی اولاد کی خدمت کرے۔ حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے بعد یہ جناب زینبؑ کی طرف منتقل ہو گئیں۔

③ جناب روضہ، یہ پہلے رسول اللہؐ کی کنیز تھیں، رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد جناب فاطمہؑ الزہراءؑ کے پاس آ گئیں۔ حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے بعد یہ امیر المومنینؑ کے گھر میں رہیں اور اولاد فاطمہؑ زہراءؑ کی خدمت میں مصروف رہیں۔ جب حضرت زینبؑ کبریٰ کی شادی جناب عبداللہ بن جعفر طیارؑ سے ہوئی تو یہ کنیز بھی ان کو دے دی گئی اور وہ اپنی بانو کے ساتھ کر بلا آئیں۔

④ اُم رافع، جو ابو رافع کی زوجہ ہیں۔ ابو رافع قبلی بنام سرمر رسول اللہؐ کے غلام تھے اور ان کی بیوی بھی حضرت کی کنیز تھیں۔ حضرت کے انتقال کے بعد جناب فاطمہؑ کی طرف منتقل ہو گئیں۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی کنیز بنیں اور ان کی شہادت کے بعد حضرت زینبؑ کی کنیزی میں چلی گئیں۔

امام حسین علیہ السلام کی کنیز

جو کنیزیں امام حسین علیہ السلام سے متعلق تھیں ان کا نام میمونہ تھا (ام عبداللہ بن مہظہر) یہ کنیز جب امیر المومنینؑ کے گھر میں تھیں تو امام حسینؑ کی خدمت کرتی تھیں۔ جب بی بی فاطمہؑ زہراءؑ کی شہادت ہوئی تو یہ امام حسینؑ کی کنیزی میں رہیں اور امام حسینؑ کے ساتھ کر بلا میں آئیں۔ اس سفر میں اس کنیز کے ساتھ اس کا بیٹا عبداللہ بن مہظہر تھا۔ جب قافلہ مدینہ سے نکلا تو امامؑ نے عبداللہ بن مہظہر کو کوفہ کی طرف پیغام دے کر بھیجا اور یہ مسلم کی ملاقات سے پہلے حصین بن نمیر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ لیکن ان کی ماں میمونہ امام حسینؑ کی کنیزی میں کر بلا آئیں۔

چار کنیزیں امام حسینؑ کی ازدواج کی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

① جناب فاکھہ، یہ بانو امام حسینؑ کی کنیز تھیں جو جناب رباب بنت امرہ انقیس کے گھر میں خدمت کرتی تھیں۔ اس کنیز کے شوہر عبداللہ تھے جن کا بیٹا قارب تھا جو امام حسینؑ کا غلام تھا۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ کر بلا آیا۔

② صدیہ، یہ کنیز امام حسین علیہ السلام نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خریدی تھی اور حضرت کے گھر میں تھیں۔ پھر حضرت علیؑ بن حسین زین العابدینؑ کے پاس رہیں اور کر بلا آئیں۔

③ جناب کبشہ، یہ امامؑ کی کنیز تھی اور یہ ام اسحاق کے گھر میں خدمت کرتی تھیں، اس کا بیٹا رزین امؑ کے غلاموں میں

ج۔ خ۔

سب جن کا شوہر عقبہ بن سمان تھا۔ یہ بی بی امام حسنؑ کے گھر خدمت کرتی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ مرنے لگے۔ مرنے لگے اور کبھی کبھی حضرت زینبؑ کے گھر بھی خدمت کرتی تھیں کیونکہ عقبہ حضرت ربابؑ کے گھر سے تھے۔ ربابؑ کے ساتھ کر بلا لائیں۔

یہ نہایت کے بعد اور اہل بیتؑ کے قیدی ہونے کے بعد عمر بن سعد ملعون نے اس کنیز کے شوہر عقبہ بن سمان کو قتل کر دیا۔ اس نے کہا: میں عبد و غلام و مملوک ہوں۔ تو عمر بن سعد نے اس کو رہا کر دیا۔ یہ نہایت حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے کر بلا آئیں۔

سینہ سے دس غلام

یہ دس حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے کر بلا آئے ان کی تعداد دس ہے جن میں سے آٹھ کر بلا میں شہید ہو گئے۔ ان آٹھ شہیدوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سید بن ابی زریں جو حضرت کا غلام تھا۔ یہ بصرہ میں شہید ہوا کیونکہ اس کو امامؑ نے اشراف بصرہ کی طرف سے قتل کر دیا۔

۲۔ سید بن عبد اللہ الدبلی حضرت کا غلام تھے۔

۳۔ سید بن ہبہم جو امامؑ کا غلام تھا۔

۴۔ سید بن الحرث الخزاعی جو پہلے امیر المؤمنینؑ کا غلام تھا۔ یہ عجم کے شہزادوں میں سے تھے۔ چھوٹے سے سن میں سے تھے۔

۵۔ سید بن عثمان جو حضرت حمزہؑ سید الشہداء کا غلام تھا۔

۶۔ سید بن حوی النوبلی کہ جو پہلے ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے۔ اس کو حضرت علیؑ نے ۱۵۰ دینار میں خریدا اور ابوذر کو

۷۔ یہ ابوذرؓ کی خدمت میں تھا لیکن جب عثمانؓ نے ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف شہر بدر کیا تو یہ ساتھ گیا اور وہاں

۸۔ ابوذرؓ کی وفات ہو گئی تو واپس مدینہ حضرت علیؑ کے پاس آ گیا۔ حضرت کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے پاس

۹۔ ان شہادت کے بعد امام حسینؑ کے پاس آ گیا۔ وہ امام زین العابدینؑ کے گھر خدمت میں رہتا تھا۔ ان کے

تو مر جاتا آیا اور ۹۷ سال کی عمر میں شہید ہو گیا۔

﴿۷﴾ جناب اسلم بن عمرو کے بارے میں اہل سیر نے کہا ہے کہ یہ امام حسینؑ کے غلاموں میں سے ہیں اور معروف ہے کہ ان کو امام حسینؑ نے خریدا اور اپنے بیٹے زین العابدینؑ کو ہبہ کر دیا۔ یہ امام سجادؑ کا کاتب تھا اور امامؑ کے ساتھ کربلا آیا اور امامؑ کے سامنے شہید ہو گیا۔

﴿۸﴾ جناب نصر بن ابی نضر، یہ امیر المومنینؑ کے غلاموں میں سے تھے اور ان کی طرف زکوٰۃ کی جمع آوری کے لیے مقرر تھے۔ یہ آٹھ غلام امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ کربلا آئے اور شہید ہوئے البتہ سلیمان بن ابی زریں بصرہ میں شہید ہوئے۔ دو غلام ابی امامؑ شہید نہ ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

- ① عقبہ بن سمان، یہ جناب رباب بنت امرہ القیس کے غلام تھے۔
- ② علی بن عثمان بن خطاب الحضرمی، یہ حضرت علیؑ کا غلام تھا۔ بعد میں امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آیا اور امامؑ کی شہادت کے بعد یہ کربلا سے بھاگ گیا۔

برادرانِ امام حسینؑ

امام علیہ السلام کے جو بھائی کربلا آئے ان کی تعداد دو ہے:

- ① حضرت ابوالفضل العباسؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ
 - ② حضرت عثمان بن علیؑ بن ابی طالبؑ
 - ③ حضرت جعفر بن علیؑ بن ابی طالبؑ
 - ④ حضرت عبداللہ بن علیؑ بن ابی طالبؑ
- یہ چار بھائی امام علیہ السلام کے پدری بھائی تھے۔ جن کی والدہ جناب فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر ہیں۔ اُن کی کنیت اُم البنینؑ ہے۔

- ⑤ جناب محمد اصغرؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ
 - ⑥ جناب بکر بن علیؑ بن ابی طالبؑ
- ان دو کی ماں جناب لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھیں اور وہ اپنے ان دو بیٹوں کے ساتھ کربلا آئیں۔
- ﴿۹﴾ جناب عمر بن علی بن ابی طالبؑ، لقب اطرف ہے، ان کی ماں صحبا ثعلبیہ تھیں جن کی کنیت اُم خنیبہ ہے اور اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا آئیں۔

میدہ ربطلائی

حضرت محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ ان کی ماں اُم ولدہ ہے جو اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا میں آئیں۔
 میرے تین عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ، ان کی ماں خوصاء۔
 میرے دو محبتیں اولاد جعفر طیار سے ہیں اور کربلا میں شہید ہو گئیں۔

نہج

۱۔ حبش امام حسین علیہ السلام کے دوسرے چچا ہیں، ان کی اولاد سے بارہ افراد کربلا آئے جن کی تفصیل یہ ہے:

۲۔ حبش بن عقیل بن ابی طالبؑ، ان کی ماں اُم الغنم حبش جو اپنے بیٹے کے ساتھ کربلا آئیں۔

۳۔ مہر بن عقیل بن ابی طالبؑ

۴۔ مہر بن مسلم بن عقیل

۵۔ محمد بن مسلم بن عقیل (ان دونوں کی ماں جناب رقیہ بنت علیؑ ہیں)

۶۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل

۷۔ مہر بن عقیل بن ابی طالبؑ

۸۔ سوہی بن عقیل بن ابی طالبؑ

۸) جناب علی بن عقیل بن ابی طالبؑ

۹) جناب احمد بن عقیل بن ابی طالبؑ

۱۰) جناب مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ

۱۱) جناب محمد اصغر بن مسلم بن عقیل یا محمد اصغر بن عقیل بن ابی طالبؑ

۱۲) جناب ابراہیم بن مسلم بن عقیل یا ابراہیم بن عقیل بن ابی طالبؑ

ان دونوں میں اختلاف ہے کہ جناب مسلمؑ کے بیٹے ہیں یا جناب مسلمؑ کے بھائی ہیں۔ ان بارہ افراد میں سے نو افراد روزِ عاشورہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ ان نو افراد کے ساتھ ۶ عدد ان کی والدات بھی تھیں۔ جناب مسلمؑ کوفہ میں شہید ہوئے اور دو بچے ان کے ساتھ تھے جو ان کی شہادت کے بعد قیدی ہو گئے اور بعد میں شہید کیے گئے۔

امام حسنؑ کے خانوادے سے افراد

امام حسن علیہ السلام کی پانچ ازواج اور امام حسنؑ کی اولاد میں ۱۶ افراد تھے، جو کربلا آئے۔ کچھ کربلا میں شہید ہوئے اور بعض بچے ابنِ سعد کے خیام کے حملہ اور ہجوم کے درمیان پامال ہو گئے اور بعض قیدی ہو گئے اور قیدیوں کے ہمراہ شام لے جائے گئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱) جناب حسنؑ کی جن کی ماں حضرت خولہ تھیں۔ یہ مدینہ میں رہ گئیں۔

۲) جناب عمرو بن الحسنؑ

۳) جناب قاسم بن الحسنؑ

۴) جناب عبداللہ بن الحسنؑ، ان تین شہزادوں کی ماں رملہ ام ولد تھیں۔

۵) جناب احمد بن الحسنؑ

۶) جناب ام الحسنؑ

۷) جناب ام الحسین، یہ دونوں بہنیں احمد بن الحسنؑ کی ہیں جو خیام پر ہجوم کے دوران میں پامال ہو گئیں۔ ان کی ماں ام بشر تھیں۔

۸) جناب محمد بن الحسنؑ

۹) جناب جعفر بن الحسنؑ، ان، انہوں شہزادوں کی ماں ام کلثوم بنت عباس بن عبدالمطلب تھیں۔

جۛ۔ مہر بن الحسنؑ، جن کی ماں اُم ولد تھیں، کر بلا آئیں۔

جۛ۔ حسین بن الحسنؑ، جن کا لقب اثرم تھا۔

جۛ۔ محمد بن الحسنؑ

جۛ۔ محمد بن الحسنؑ، یہ بی بی حسینؑ بن الحسنؑ اور طلحہ بن الحسنؑ کی بہن ہیں اور امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

جۛ۔ زینبہ حمزہ اور ان کے دو بھائیوں کی ماں اُم اسحاق بنت طلحہ ہیں۔

جۛ۔ زینبہ بن الحسنؑ

جۛ۔ مہر بن الحسنؑ

جۛ۔ بی بی اُم الحسینؑ، یہ جناب زید اور عبدالرحمنؑ کی بہن ہیں، ان کی ماں اُم ولد تھیں یہ سب کر بلا میں تھے۔

جۛ۔ خاتم حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور کر بلا میں آئے۔ ان سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

★ ★ ★

مدینہ سے مکہ کی طرف سفر

فرزیدِ حبیبؐ کا مدینے سے سفر ہے سادات کی بستی کے اُڑنے کی خبر ہے
 درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیرِ وزر ہے گل چاک گریباں ہیں مباحِ خاکِ بر ہے
 گلِ رومفت غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں سب ایک جگہ صورتِ گل دستہ کھڑے ہیں
 رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم ہر قلبِ حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے بزم
 ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم گل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
 خدام کھڑے پیٹتے تھے قبرِ نبیؐ کے روئے پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

تمام لوگوں کے آمادۂ سفر ہو جانے کے بعد امام علیہ السلام نے حکم دیا تو دو صد پچاس گھوڑوں یا دو صد پچاس اونٹوں کا بندوبست کریں۔ ان میں ستر اونٹ سامانِ سفر، خیمے اور غذا وغیرہ کے لیے مخصوص تھے اور چالیس اونٹ برتنوں، دیکوں، اغذیہ کے لیے مختص کیے گئے۔ تین اونٹ پانی کی مٹکیں اٹھانے کے لیے اور بارہ اونٹ درہم و دینار، زیور و آلات، لباس ہا وغیرہ کے لیے خاص تھے۔

پھر پچاس اونٹ جن پر کجاوے رکھے گئے تھے ان کو بٹھایا گیا تاکہ مخدرات عصمت، بچوں، غلاموں، خدمت گاروں اور کنیزوں کو سوار کیا جاسکے اور باقی اونٹوں پر دیگر سامان و اسبابِ لازم وغیرہ باندھا گیا۔ جب سامانِ باندھے گئے اور محملوں میں بیٹھنے والی سواریاں بیٹھ گئیں اور پورا کارواں روانگی کے لیے آمادہ ہو گیا تو امام حسین علیہ السلام آخری وداع کے لیے حیدرِ امجد کی قبر اور بھائی، دادی، ماں اور دیگر اقربا کی قبور پر گئے اور سب سے الوداع کیا۔

پھر رسولِ خدا کے گھوڑے مرتجز کو طلب کیا، اس پر سوار ہوئے اور اپنے پورے جلال سے ۲۸ رجب کو مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ نکلتے ہوئے یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

عَنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ (القصص: ۲۱)
 ”میرے خوف زدہ ہو کر نکلے کہ دشمن پیچھے لگا ہوا ہے اور کہا: اے میرے رب! مجھے قوم ظالمین
 سے بچتے رہے۔“

حضرت نبیؐ وغیرہ اور صحابہؓ مستقیم فراخ چہرے سے نکلے۔ کارواں میں سے کسی نے کہا: کیا اچھا ہوتا کہ ہم اس راستے
 پر نہ آتے۔ یہ سن کر یہاں سے گزرتے ہوئے لوگوں کو حضرت امام
 حسینؑ نے جواب فرمایا: خدا کی قسم! میں سیدھے راستے پر ہی جاؤں گا اور خدا کی قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم
 کرتا ہوں۔ یہ سب نے ہرے لیے مقدر کیا ہے وہ بہتر ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام شیخ مفیدؒ کی کتاب ارشاد کی روایت کے مطابق اپنے ہمراہوں کے ساتھ راستہ
 پر آئے۔ ”شعبان کو مکہ پہنچے۔ وہاں سکونت کی، جوں ہی مکہ کے لوگوں اور عمرہ پر آئے ہوئے لوگوں کو حضرت امام
 حسینؑ کی اطلاع ملی تو وہ فوج در فوج ملاقات کے لیے امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا شروع

ہوئے۔ یہ بھی مکہ میں تھا اور ہمیشہ بیت اللہ کے پاس رہتا اور نماز اور طواف میں وقت گزارتا تھا۔ نیز لوگوں کے ساتھ
 رہتا تھا۔ وہ کبھی دودن پے در پے اور کبھی دودن میں ایک مرتبہ ملاقات کے لیے آتا تھا۔ البتہ امام حسین
 نے یہاں سے گزرتے ہوئے لوگوں کو دعا دی کہ وہ جانتا تھا کہ جب تک مکہ میں امام حسین علیہ السلام موجود ہیں
 یہاں سے نہ گزریں گے البتہ اس ناپسندیدگی کو ظاہر نہ کرتا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے شعبان، رمضان، شوال اور ذی القعدہ میں مکہ میں رہائش رکھی اور بروز منگل ذی الحجہ کو
 مکہ سے مدینہ کی ادائیگی کی اور پھر عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔

کے خطوط برائے امام

حضرت امامؑ کے رہائش کے دوران میں عمدہ ترین واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ کوفیوں کے بہت سے خطوط آئے۔
 حضرت سیدہؑ کے مرنے کے بعد یزید کے تخت خلافت پر بیٹھے اور امام حسین علیہ السلام کے بیعت یزید سے انکار اور
 یزید کے جانے کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر اجتماع کیا اور معاویہ کی موت، یزید کی خلافت

اور امام کی مخالفت کی باتیں ہوئیں۔ سلیمان بن ضرخزاعی نے کہا: معاویہ ہلاک ہو گیا اور امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ میں تشریف لائے ہیں۔ تم ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ اگر ان کی نصرت کرنا چاہتے ہو اور جھوٹا چاہتے ہو تو ان کی طرف خط لکھو۔ اگر تمہیں خوف ہو جس کی وجہ سے تم سے سستی ہو جائے تو پھر ان کو دھوکا نہ دو اور خط نہ لکھو۔

لیکن سب نے جواب دیا: ہاں! ہم پورا جہاد کریں گے اور ان کی مدد کریں گے اور اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ پس انھوں نے اسی مضمون پر مشتمل خط لکھا اور عبداللہ بن مسیع اور عبداللہ بن وال کو خط دے کر امام کے پاس بھیجا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برائے امام حسینؑ بن علیؑ!

از طرف سلیمان بن ضرخزاعی، مصعب بن نجہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور دیگر شیعیان کوفہ

آپ پر درود ہو، ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حمد خدا کہ تمہارے سر سخت دشمن اور کینہ رکھنے والے پر موت آگئی اور اب اس کی جگہ یزید بیٹھ گیا۔ ہم یزید اور اس کے باپ کے افعال پر لعنت کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی کام موجود نہیں، آپ ہمارے پاس آئیں تاکہ ہم سب حق پر جمع ہو جائیں۔ نعمان بن بشیر حاکم ہے۔ ہم اس کی نماز جمعہ میں نہیں جاتے۔ عید پر باہر نہیں نکلتے۔ اگر ہمیں اطلاع ملے کہ آپ ہماری طرف آرہے ہیں کہ اس حاکم کو معزول کر کے نکال دیں گے۔ والسلام علیکم!

یہ خطوط ۱۰ رمضان کو امام کے پاس پہنچے۔

مؤلف کہتا ہے: اعظم کوئی نے لکھا ہے کہ خطوط لانے والے عبداللہ سلیم ہمدانی اور عبداللہ بن مسیع اسکری تھے۔ جب یہ خطوط امام کے پاس آئے تو امام خطوط کا مطالعہ کر کے خاموش ہو گئے اور جواب نہ لکھا اور قاصدوں کو واپس مطمئن کر کے بھیج دیا۔ جب وہ واپس کوفہ آئے تو قیس بن مسهر، عبدالرحمن بن شداد، عمارہ بن عبداللہ اور دیگر ایک سو پچاس خطوط لے کر امام کے پاس گئے۔ امام کو کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن امام خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ اسی طرح خطوط کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ آخری خط کا متن یہ تھا کہ کوئی آپ کے انتظار میں ہیں اور آپ کی خلافت پر متفق ہیں۔ جلدی آئیں۔ ابھی آنے کا وقت ہے۔ صحرا سرسبز ہیں، میوے پک چکے ہیں اور ہر طرف سبزہ ہے اور ہمارے لشکر موجود ہیں۔

امام علیہ السلام نے ہانی اور سعید سے پوچھا کہ کس جماعت نے یہ خطوط لکھے ہیں؟ انھوں نے کہا: فرزند رسولؐ! شیخ

عمر، یزید بن الحارث، عروہ بن قیس، یزید بن برم وغیرہ۔ امام علیہ السلام اُٹھے، وضو کی تجدید کی اور رکن و منبر پر بھی اور دعا کی۔

حجاب اور مسلم کی کوفہ روانگی

یہ مومنین نے یہ خط لکھا: حسین بن علی کی طرف سے گرد و مومنین کے لیے!

تجربہ کار سعید نے تمہارے خطوط پہنچائے اور حالات بتائے جس سے میں نے سمجھا ہے کہ تمہارا امام نہیں، میں تمہارے خیر نہیں کروں گا۔ لہذا اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو جو میری طرف سے مؤثق اور وکیل ہے، بھیج رہا ہوں، تم مجھے جس کے حالات لکھیں گے تو میں آ جاؤں گا۔ والسلام!

یہ جناب مسلم کو فرمایا: آپ کو کوفہ میں اپنا وکیل بنا کر بھیج رہا ہوں وہاں جا کر تصدیق یا تردید کا خط لکھنا۔ اگر تم لوگوں سے بیعت لو۔ دعا کرتا ہوں خدا تجھے اور مجھے شہادت پر فائز کرے۔ پھر مسلم بن عقیل کو سینے سے لگایا۔ بھائی بہت دیر تک روتے رہے۔

★...★...★

ساتویں فصل

احوال حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام

حضرت ابوطالبؑ کے جناب فاطمہ بنت اسد سے چار بیٹے تھے جن کا ایک دوسرے سے ۱۰ سال کا فاصلہ ہے جن کو تفصیل یہ ہے: ① جناب طالبؑ ② جناب عقیلؑ ③ جناب جعفر طیارؑ ④ حضرت علیؑ ایک حدیث جناب عقیلؑ کی فضیلت اور شرافت کے بارے میں امالی صدوق میں یوں ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: ایک مرتبہ مولا علیؑ نے رسول پاکؐ سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! إِنَّكَ لَتَحِبُّ عَقِيلًا؟

قال ای واللہ انی لاحبُّہ حُبَّیْنِ حُبًّا لَّہٗ وَحُبًّا لِحُبِّ ابی طالب لہٗ وَاِنَّ وَلَدَہٗ لَمَقْتُولٌ فِی مَحَبَّةٍ وَلِلَّیْکَ فَتَدَمَّعَ عَلَیْہِ عَیَوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَتَصَلَّی عَلَیْہِ الْمَلَائِکَةُ الْمُقَرَّبُونَ، ثُمَّ بَکَی رَسُوْلُ اللّٰہِ حَتّٰی جَرَتْ دَمْعُوْعَہُ عَلٰی صَدْرِہٖ ثُمَّ قَالَ اِلٰی اللّٰہِ اَشْکُو مَا تَلْقٰی عِترَتی مِنْ بَغْدٰی

”ہاں میں عقیل سے دُہری محبت رکھتا ہوں ایک محبت اس سے اور دوسری ابوطالبؑ کی عقیل سے محبت کی وجہ سے، اور ان کا ایک بیٹا آپ کے بیٹے کی محبت میں شہید ہوگا جس پر مومنین کی آنکھیں آنسو برسائیں گی اور ملائکہ مقربین درود و سلام پڑھیں گے۔ پھر رسول پاکؐ نے گریہ فرمایا حتیٰ کہ حضرت کے آنسو ان کے سینے تک جاری ہو گئے۔ میں اللہ سے شکوہ کروں گا جو میرے بعد میری عترت کو پہنچے گا۔“

حضرت مسلمؑ کی ماں نبطیہ قبیلہ کی اُم ولد تھیں اور حضرت وقت شہادت ۲۸ سال کے جوان تھے۔ حضرت مسلمؑ کی زوجہ جناب رقیہ بنت علیؑ ہیں اور مسلمؑ کے ان سے دو بیٹے علیؑ اور عبد اللہ اور ایک بیٹی عاتکہ ہیں۔ بعض نے نام عبد اللہ اور محمد لکھے ہیں، دو بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے اور عاتکہ بھی پامال ہو گئیں جو سات سال کی تھیں۔ بعض مؤرخین نے دو اور بیٹے بھی لکھے ہیں جن کے نام محمد اور ابراہیم ہیں جن کی ماں کا علم نہیں۔ بچے باپ کے ساتھ

نہایت سہولت کے بعد قیدی بنائے گئے اور پشت کوفہ میں جامع نہر کے کنارے شہید کر دیے گئے۔

محمد بن حنفیہ نے شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں: معاویہ نے ایک دن عقیل بن ابی طالب سے کہا: اگر تمہاری کوئی

حب حسین نے فرمایا: ایک چھوٹی کنیز کو چالیس ہزار درہم پر خریدنا چاہتا ہوں لیکن رقم نہیں اگر حاجت روائی کے لیے

بے حرج کے طور پر کہا: آپ تو نابینا ہیں ایسی کنیز کی کس لیے ضرورت ہے؟ آپ کے لیے تو وہی کنیز کافی ہے

حب حسین نے کہا: وہ کنیز اس لیے خریدنا چاہتا ہوں کہ اس سے ایسا بچہ پیدا ہوگا کہ اگر تم اُسے ناراض کرو تو وہ تمہاری

یہ کہہ کر میں نے مذاق کیا ہے پھر اس نے چالیس ہزار درہم شمار کر کے عقیل کو دیے اور عقیل نے وہ کنیز خریدی۔

حب حسین نے جب جناب مسلم نے ۱۸ سال کی عمر میں معاویہ سے کہا: مدینہ میں میری زرعی زمین ہے جس کی قیمت میں

تمہاری ہے، اب بیچنا چاہتا ہوں اور تجھے بیچنا چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر میں نے وہ تم سے خریدی اور قیمت ادا کر دی، پھر اپنے عہد کو لکھا کہ اس زمین پر تصرف کریں اور

مسلم بن حنفیہ نے یہ سنا تو معاویہ کو لکھا کہ بنی ہاشم کے ایک نوجوان نے تجھے بے وقوف بنایا

میں کا سودا کیا ہے، اب حل یہ ہے کہ زمین ہمارے حوالے کر دو اور اپنے پیسے لے جاؤ۔

یہ کہہ کر مسلم کو بلایا اور امام حسین کا خط ان کو دکھایا اور کہا: ہمارا مال واپس کرو اور زمین سنبھالو۔

مسلم بہت غصہ آیا اور کہا: میں پہلے تلوار سے تمہارا سر کاٹا ہوں پھر رقم شمار کرتا ہوں۔

یہ سن کر کہا: خدا کی قسم! یہ وہی بات ہے جو عقیل نے مجھے کہی تھی اور امام کی خدمت میں لکھا کہ میں نے زمین

کو جوئے مدوی ہے اور جو رقم مسلم سے لینی تھی اس سے درگزر کرتا ہوں۔

تو شمر ثوب کے مناقب میں ہے کہ جنگ صفین میں حضرت امام حسن اور امام حسین، عبد اللہ بن جعفر و مسلم بن عقیل

کے ساتھ طرف رکھا۔ یہ جنگ محرم سال ۳۷ ہجری میں واقع ہوئی اور مسلم کی عمر بوقت شہادت ۲۸ سال تھی۔ جنگ

کربلا ۱۰ سولہ سال کے تھے۔ چنانچہ سید الشہداء اس جنگ میں ۳۴ سال کے تھے۔

امام حسینؑ کا اہل بصرہ کو خط برائے نصرت

پہلے ذکر ہوا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کے بار بار خطوط آنے کی وجہ سے جناب مسلم کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کے ہاتھ خطوط بھی روانہ کیے اور امامؑ نے فرمایا: قیس بن مسهر صیداوی، نہ بن عبداللہ السلولی، عبدالرحمن بن عبداللہ الارحبی کو مسلم بن عقیل کے ہمراہ روانہ کیا۔

اسی طرح بصرہ کے اشراف اور بزرگان پر حجت تمام کرتے ہوئے خطوط لکھے جنہیں مالک بن مسیح البکری، منذر بن الجارود، مسعود بن عمرو، احنف بن قیس، قیس بن میثم، یزید بن مسعود ہمشلی اور عمرو بن عبداللہ بن جعفر کو دیا۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا کہ خدا نے میرے نانا کو تمام کائنات سے چن لیا اور رسالت عطا فرمائی تاکہ لوگوں کو نصیحت کریں اور ابلاغ رسالت یہ چونکہ وہ حق پاچے ہیں (رحلت فرما چکے ہیں) لہذا اپنی میراث ہم اہل بیت کے حوالے کر گئے ہیں۔

ایک قوم نے ہمارا حق غصب کیا اور ہمارے ہاتھ سے امور چھین لیے اور اس لیے خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں تاکہ قہر اٹھ نہ ہو جائے اور خون نہ بہنے لگے۔ اب تمہیں خط لکھا ہے اور تمہیں خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ اب شریعت سنت کو برباد کر دیا ہے اور بدعات زندہ کر دی ہیں۔ اگر میری دعوت قبول کرتے ہو اور میرے امر کی اطاعت کرتے ہو تو میں تمہیں گمراہی کے راستے سے نکال باہر کروں گا اور راہ راست کی طرف ہدایت کروں گا۔ پھر خط سلیمان جن کی کیت ابو زرین تھی کو دیا اور اُسے بصرہ روانہ کیا۔

یزید بن مسعود ہمشلی کا امامؑ کے خط پہنچنے کے بعد اشراف سے خطاب

جب امام علیہ السلام کے قاصد سلیمان نے خط یزید ابن مسعود کو دیا اور وہ اس کے مضمون سے مطلع ہوا تو بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کو طلب کیا اور ایک کمیٹی بنائی اور پھر خطاب کیا: اے مجھے اپنے درمیان کیسے پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! تم ہمیشہ ہمارے خیر خواہ اور تقویت دینے والے ہو۔ ہمارے لیے باعث عزت و افتخار ہو۔ ابن مسعود نے کہا: آج میں نے تمہیں ایک کمیٹی کے ذریعے جمع کیا ہے کہ تم سے مشورہ کر لوں اور تم سے مدد لوں۔ تمام لوگوں نے کہا: اپنا مطلب بیان کرو جو کچھ ہم کر سکیں گے کرتے رہیں گے اور نصرت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

ابن مسعود نے کہا: اے دوستو! معاویہ مر گیا ہے اور جہنم میں پہنچ گیا ہے لہذا عظم و تتم کے ارکان خراب تو ہوئے لیکن اب اس کی جگہ پر یزید جو شرابی، فاسق و فاجر، خلافت کا مدعی ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم! اس کمینے سے جہاد کرنا مشرکوں سے جہاد کرے۔

۱۔ - حرجہ: اے لوگو! رب شاہِ سرفراز اور ماہِ خطہٴ حجاز حضرت ابا عبد اللہ الحسین فرزندِ رسولؐ اور نسل ذریعہ اللہ و محلِ

۱۔ حق کے نورانی چاند سے قدم نہ کھینچنا اور باطل صحرا میں گم نہ ہو جانا اور گمراہی کو نیت میں بھی نہ لاؤ۔ جمل کے
۲۔ تہمیدی رسوائی کا باعث بنا تو آداب اس کو حیران کریں اور شرمندگی اور رسوائی کو عزت اور عظمت میں
۳۔ جیسے حیدر اور فاطمہؑ کے دل کے سرور کی مدد کرو اور اس کی رکاب میں جان قربان کرو۔

جگ پہنا ہے۔ زڑہ بہمن لی اور سر پر ڈھال رکھ لی۔ یہ تو میری نیت ہے جس کا میں نے اظہار کیا ہے۔
خوب کا خنجر ہوں، خدا آپ پر رحمت کرے۔ وافی اور شافی جواب دیں۔

یہ سچہ نے کلام کی ابتدا کی اور کہا: اسے ہمارے قوم کے بزرگ اور جماعت کے سردار اور اے حکومت کی پناہ! ہم نے یہ سچہ ہیں۔ اگر ہمیں کمان دے دو تو تیرے نشانے پر لگیں گے۔ اگر جنگ کا حکم کر دو تو آپ کی مکمل نصرت کریں گے۔ یہ سچہ تو واپس آئیں گے اور بلاؤں کا تم پر سیلاب آ جائے تو بھی رُوگردانی نہیں کریں گے بلکہ اپنی ساری زندگی آپ کے ساتھ رہیں گے اور اپنی جان اور تن کو تیری ڈھال بنادیں گے

-۔ جو نے کردی اور کہا ہمیں جس مقصد کے لیے بلاؤ گے حاضر یاؤ گے۔

ابھی نہیں نہیں گئے۔ صخر بن قیس نے ہمیں جنگ ترک کرنے پر مامور کیا اور ہمارا ہنر ہم میں مخفی ہے۔ اب درخواست دیں تاکہ ایک دوسرے سے مشورہ کریں، پھر ہم جواب دیں گے۔

۷۔ - مہربن حمیم نے کلام شروع کی اور انھوں نے کہا: ہم تیرے آبا کے فرزند ہیں، تیرے رشتہ دار اور تیرے ساتھ ہم

قسم ہیں، اس سے خوش نہیں جو چیز تجھے غضب میں لاتی ہے۔ ہم اس مقام پر اقامت نہیں کریں گے جہاں تیرا ارادہ سفر ہے۔
کا ہو۔ تیری دعوت قبول ہے اور آپ کے فرمان کی اطاعت ہوگی۔

ابو خالد نے کہا: اے بنو سعد! اگر تمہاری گفتار تمہارے کردار کے مطابق درست ہے تو خدا تمہیں ہمیشہ محفوظ رکھے گا
اس کی نصرت اس کو شامل ہوگی۔

یزید بن مسعود کا امام کو جواب

ابو خالد کو جب لوگوں کی نیتوں کا علم ہو گیا تو اپنی مدد کا یقین دلانے کے لیے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا:
بسم اللہ الرحمن الرحیم! آپ کا خط آیا، پڑھا۔ آپ نے ہمیں اپنی اطاعت کی طرف بلایا ہے، جہاں میں ہمیشہ ایک
رہتا ہے جس سے نظام کائنات چل رہا ہے۔ آپ مخلوق پر رحمت خدا اور روئے زمین پر امن و امانت ہیں۔ آپ محمد
زینبیہ کی شاخ ہیں، اس درخت کی اصل خود رسول اللہ اور اس کی فرع آپ ہیں۔ اب نیک فال سے ہماری دعوت قبول کریں
کہ میں نے بنی حیم کی گردنیں آپ کے لیے حاضر کر لی ہیں اور آپ کی اطاعت اور متابعت میں اس قدر شوق رکھتے ہیں کہ
طرح پیاسا اونٹ سراب گاہ کی طرف شائق ہوتا ہے اور آپ کی اطاعت میں بنی سعد کے گلے میں طاہرہ ذال دیا ہے اور
کی گردنیں بھی آپ کے لیے خاشع اور نرم کر دی ہیں۔ ہمارے تمام گروہ بنی سعد اور بنی حیم وغیرہ آپ کی ملاقات کے مشتاق
ہیں اور آپ کی زیارت کے طالب ہیں۔ والسلام!

یہ خط دنیا و آخرت کے سلطان حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اس کو دعائے خیر کی اور فرمایا: خدا
بروز وحشت امن دے اور پیاس کے دن سیراب کرے۔

صاحب روضۃ الصفا کہتے ہیں: جب حضرت خاسر آلِ عبا نے اہل بصرہ کو خط لکھا کہ میں مکہ سے کوفہ کی طرف
روانہ ہو چکا ہوں، لہذا تمام شیعہ اور ہماری جماعت کے افراد وہاں حاضر ہوں کہ جہاں لشکروں اور سپاہ کے جمع ہونے کا شائبہ
ہے۔

صاحب ریاض القدس کہتے ہیں کہ بصرہ والوں کو بادشاہ حجاز کی آمد کا انتظار تھا اور آنکھیں راہ نکلتی رہیں، ان کو محصور
ہو سکا کہ وہ تو کربلا میں محصور ہو گئے ہیں اور حضور سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان کو پتہ چلا کہ پانچ چھ روز ہو گئے۔
حسین علیہ السلام اپنے گھر کا سامان اور اہل بیت کے ساتھ کربلا پہنچ گئے ہیں اور کوفیوں نے ان کو محصور کر لیا ہے تو انھوں نے
سپاہ جمع کی، اہل قبائل اور طوائف و جنود و جیوش کو کھل کیا تو وہ ۱۲ ہزار سردار جمع ہو گئے اور زن و مرد حضرت کی نصرت کے۔

نہ کسی کی امید کو مایوسی سے نہ بدل۔ یہ جوان خضوع و خشوع سے کربلا کی طرف عازم ہوا اور ایک دیہاتی نے
 ۔۔۔ تے ہو، واپس آ جاؤ، پریشان نہ ہو، امام حسینؑ کا سرکٹ چکا ہے، جسد پاک ان کا مٹی پر پڑا ہے، ان پر پانی
 ۔۔۔ کا دل اولاد و برادران کی شہادت سے ٹوٹ چکا ہے۔

یہ مسعود نے بے اختیار کہا: خدا تیرے منہ کو توڑ دے یہ کیا خبر دے دی؟ خدا نہ کرے امامؑ کا ایک بال بھی بیکا ہوا
 ۔۔۔ نہ پھڑکے گا۔

یہ مسعود راہ پر آئے تو ایک اور دیہاتی آیا، اس سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا: امیر بس کیا بتاؤں
 ۔۔۔ یزید بن مسعود نے جب یہ سنا تو وہ سخت غمگین اور محزون ہوا اور ہمیشہ اپنی (نصرت امامؑ سے) محرومیت پر
 ۔۔۔ تہمت لگاتا تھا۔

سب بن قیس بھی بصرہ کے اشراف میں سے تھا، اس نے منافقانہ طور پر امامؑ کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:
 ۔۔۔ وصبر فان وعد الله حق ولا يستخفك الذين لا يؤقنون (سورہ روم، آیہ ۶۰) تمام بصرہ کے
 ۔۔۔ خط کے خطوط کو پہاں کر دیا اور ابن زیاد سے چھپا لیے۔ مگر منذر بن الجارود جس کی بیٹی بصرہ عبید اللہ کے گھر تھی
 ۔۔۔ سے سوچ بچار کرتا تھا۔ اس نے عبید اللہ کو مخبری کی جس پر سلیمان کو گرفتار کیا اور صبح کو فہ جا کر ان کو سولی پر
 ۔۔۔ لٹا دیا گیا۔ اس وقت ایک شیعہ عورت جس کا نام بنت سعد تھا اس کے گھر میں شیعان بصرہ نے اجتماع کیا۔ ان
 ۔۔۔ نے یزید بن مسعود کو مخاطب کیا کہ: تم نے امام حسینؑ علیہ السلام کو خد مت میں جانے کا مصمم ارادہ کر لیا
 ۔۔۔ ختم میں اپنے ارادے کا اعلان کیا۔

۔۔۔ نے کہا: عبید اللہ بن زیاد نے راستوں پر گماشتے لگا دیئے۔ ان کی وجہ سے تمہارے بارے خائف ہیں۔
 ۔۔۔ نے کہا: جب راہ پر روانہ ہو جاؤ تو ان موانع کو سمجھ نہیں سکتا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں عبید اللہ اور عبید اللہ کے
 ۔۔۔ سے امام حسینؑ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے تو یہ اپنے بیٹوں کے ساتھ شہید ہو گیا۔

آٹھویں فصل

حضرت مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی

جب غدار اور مکار کوفیوں نے متواتر خطوط بھیجے، کبھی ایک دن میں چھ صد خطوط بھیجے۔ تمام کا مضمون یہی تھا کہ ہم امام نہیں اور بنی امیہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ہم پر احسان کریں اور کوفہ آئیں تاکہ ہم سے بنی امیہ کا ظلم و ستم دور ہو جائے۔

حضرت ہمیشہ کوفہ روانگی کی تاخیر کرتے رہے حتیٰ کہ بقول بعض مؤرخین ۱۲ ہزار کے قریب تعداد پہنچ گئی۔ حضرت نے تمام خطوط کو تھیلے میں ڈالا اور محفوظ کر لیا تاکہ کوئی سوال کرے کہ کوفہ کیوں آئے ہو تو اس کو دکھا سکیں کہ یہ کوفہ میں میری آمد کے اسباب ہیں اور یہ خطوط مدعا کے ثبوت کے لیے ہیں۔

بہر صورت جب ان غداروں کا اصرار بڑھا اور حد سے تجاوز کرنے لگا تو اربابِ وفا کے قبلہ امام نے جنابِ مسلم کو بلایا اور فرمایا: اے چچا زاد کہ اس راہ میں اس قدر ہمت کو بلند رکھو کہ شہادت کو واضح دیکھو۔ چنانچہ آپ کے چہرے کی بشارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت تمہارا مقدر ہے۔ گریہ سے حضرت کا گلا بھر گیا، پھر مسلم کو آگے کیا اور گلے ملے۔ دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بانیں ڈال دیں اور وبکی وبکی یعنی امام حسینؑ اور مسلم بن عقیلؑ بہت روئے۔ دونوں ایسے روئے کہ جیسے بہار کے بادل کی برسات ہو۔ حضرت کے اصحاب اور دیگر لوگ اس رونے سے بہت متاثر ہوئے اور وہ سب رونے لگے اور ماحول بزدلکی اور غمگینی سا ہو گیا۔

امام حسینؑ اور مسلم بن عقیلؑ کی ملاقات

جب امام عالی مقامؑ نے جنابِ مسلم کو کوفہ جانے کا حکم دیا تو مسلم امامؑ کی خدمتِ اقدس سے نکل کر ایک طرف بیٹھ گئے اور بہار کے بادل کے برسنے کی طرح زار و قطار رونا شروع کیا اور بے قراری کا اظہار کیا گیا تو کہا گیا کہ اے آلِ عقیلؑ کی روشن پیشانی! کیونکر آنسو بہا رہے ہو؟

انھوں نے فرمایا: میں پیغمبرؐ کی آنکھوں کے نور اور فاطمہؑ زہراؑ کے دل کے سرور امام حسینؑ سے جدائی پر رو رہا ہوں کہ کافی عرصہ سے ان کے زیرِ تربیت ہوں اور آپؑ سے محبت کے راستے پر ہی جا رہا ہوں لیکن یہ خوف لاحق ہے کہ شاید پھر

..... تیرے سوسنوں بالآخر سفر کا سامان اکٹھا کیا اور وداع کے لیے آل عقیل اور اہل وعیال کے گھر آئے، تمام کو
..... دیکھ کر دوسری مرتبہ پھر وداع کے لیے گھر آئے اور خود کو امام حسین علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا
..... حضرت کے پاؤں چومے جس طرح جبریلؑ نے حضرت کے پاؤں پر بوسہ دیا اور ہاتھوں کو چومتے تھے۔
..... یہ عمر زہراؑ آپ کو بوسے دیتے تھے اسی طرح انھوں نے بوسہ دیا اور عرض کیا:

..... آپ کے فرمان کے مطابق وداع کرتا ہوں، مجھے معذور سمجھیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے جمال سے
.....

..... بسنہ سے بہت پیار کیا اور دعائے خیر فرمائی۔ مسلم محضر امامؑ سے رخصت ہوئے، آستانہ کا بوسہ دیا اور
..... مدینہ میں پاؤں رکھا۔ آپ مدینہ کی طرف اور وہاں سے کوفہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ آل عقیل کے
..... پھر مسلم نے ان کو نہ دیکھا اور نہ انھوں نے مسلم کو دیکھا۔

..... تھے وفہ روائگی

..... سنہ نے امام حسین علیہ السلام سے اجازت مانگی اور امام عالی مقام کی نیابت کے لیے عازم سفر ہوئے اور
..... تھے۔ انھوں نے عمارہ، عبدالرحمن اور قیس حکیم امامؑ سے ان کے ہمراہ روانہ ہوئے اور مسلمؑ اور ساتھیوں کو مدینہ سے
..... مدینہ پہنچے تو رسول اللہ کی مسجد میں نماز پڑھی اور قبر مطہر کی زیارت کی۔ پھر گھر آئے اور اپنے (اہل بیت)
..... کیا اور باہر آ گئے۔

..... مدینہ میں لکھتے ہیں: مسلم نے دو شخصوں کو رہنمائی و راستہ دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لگایا اور ان کو اجرت دی
..... شروع کیا۔ دو شخص جو راہنما تھے وہ راستہ سے بھٹک گئے اور غلط راہ پر جانکے اور چلتے رہے۔ جب بہت
..... میں پانی تھا نہ سایہ تو ان پر شدید تشنگی غالب ہوئی کہ وہ چلتے سے رک گئے بالآخر وہ شدید تشنگی کی وجہ سے
..... حضرت مسلم سلام اللہ علیہ نے اپنے آپ کو کسی طرح اصلی راہ پر پہنچایا اور کچھ مسافت طے کر کے مضیق نامی
..... یہ موجود تھا۔ حضرت مسلمؑ یہاں اترے اور توقف کیا اور اپنی پیاس بجھائی۔

..... یہ خط حضرت امام علیہ السلام کی طرف قیس بن مسھر صیداوی کے ذریعے بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا:
..... رہنماؤں کے ساتھ مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوا جو راستہ بھول گئے اور غلط راستے پر چل نکلے۔ وہ جس قدر
..... سے دور ہوتے گئے، پیاس کی شدت کی وجہ سے میرے دونوں راہنما فوت ہو گئے لیکن میں نے بمشکل مقام

مضیق پر اپنے آپ کو پہنچایا تاکہ یحیاس بجھاؤں۔

یہ خط اس مقام سے آپ کو لکھ رہا ہوں اور چونکہ دونوں راہنماؤں کی وفات کو بُری فال سمجھتا ہوں لہذا اگر آپ نے رائے میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو ارشاد فرمائیں تاکہ ہم اس سفر سے رُک جائیں بلکہ کسی اور کو کوفہ کی طرف روانہ کیا جائے۔

امام علیہ السلام نے جنابِ مسلم کے خط کا جواب ان الفاظ سے دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اما بعد!

اے میرے چچا زاد مسلم! آپ کی تحریر سے آپ کی کمزوری اور پریشانی نظر آتی ہے لیکن میری رائے یہی ہے کہ جو حکم

آپ کو دیا گیا ہے اس پر عمل کریں اور آپ وہاں پہنچیں۔ والسلام!

جب امام علیہ السلام کا خط جنابِ مسلم کے پاس پہنچا تو فرمایا: اے دوستو! میں اپنی جان کا خوف نہیں رکھتا بلکہ اس کو فال بد سمجھتے ہوئے، یہ استنباط کیا کہ شاید امام کی نظر بدل گئی ہو۔ اس لیے امام علیہ السلام کو واقعہ کی اطلاع دی۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں امام کے حکم سے سر تابی کروں۔ پس فوراً اس منزل سے آگے سفر شروع کیا۔

تاریخ الفتوح (ترجمہ تاریخِ اعظم کوئی) میں آیا ہے کہ مسلم بن عقیل نے سفر کے دوران میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہرن کا شکار کر رہا ہے۔ اُس نے ہرن کو گرایا اور اس کو ذبح کیا تو اس کو مسلم نے نیک فال سمجھا اور کہا: ان شاء اللہ میں دشمنوں کو قتل کروں گا اور ان کو ذلیل و خوار کروں گا۔

کوفہ میں مسلم بن عقیل کا ورود

چونکہ مسلم بن عقیل امام حسین علیہ السلام کے نائب بن کر کوفہ جا رہے تھے لہذا کسی کو اطلاع دیئے بغیر کوفہ پہنچ گئے۔ کامل ابن اثیر میں ہے کہ مسلم کوفہ میں وارد ہوتے ہی مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر آئے اور بعض نے کہا ہے کہ سلیمان بن مُردخزاعی کے گھر آئے اور صاحبِ حدائق الانس میں ہے کہ سابقہ دونوں اقوال میں تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے سلیمان بن مُردخزاعی کے گھر آئے ہوں اور پھر مختار کی دعوت پر ان کے گھر آئے ہوں۔

آہستہ آہستہ دوستوں اور شیعوں کو پتہ چلا تو زیارت کے لیے آئے گئے اور بیعت کرنے لگے۔ روزانہ تعداد کا اضافہ ہو رہا تھا حتیٰ کہ بہت تھوڑے عرصے میں بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۸ ہزار کے لگ بھگ ہو گئی۔ ان کے سردار سلیمان بن مُردخزاعی تھے جو اصحابِ رسول اور اصحابِ امیر المومنین تھے۔ ان میں مسیب بن نجیہ فزاری، عبداللہ بن سعید بن نفیل اُزدی، رفاعہ بن شداد بجلي، عبداللہ بن دال تمیمی، عابس بن شعیب شاکری، حبیب بن مظاہر اسدی، مسلم بن عویص، البتامة صیداوی،

حضور اشرف کوفہ کا کلام

میں نے یہ سنا ہے کہ چونکہ عابس بن ثعیب شاکری جنابِ مسلم بن عقیل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام
محمد پر نگاہ پڑی تو کھڑے ہو گئے اور خدا کی حمد و ثنا بجالائے اور رسولِ پاک پر درود بھیجا۔ پھر مسلم کی طرف

میں نے یہ سنا ہے کہ وہ کوفیوں کے دلوں کی خبر نہیں کہ وہ کس حد تک مخلص ہوں لیکن اپنے ضمیر کی خبر دے رہا ہوں کہ
جو زبان سے کہہ رہا ہوں دل میں بھی یہی ارادہ ہے کہ میں اپنی تلوار سے آپؐ کے اس قدر دشمن کو اس قدر
توسیع ہو جاؤں گا۔

یہ سن کر عابس کی طرف توجہ کر کے کہا: اے بھائی! تم نے حق ادا کیا ہے لہذا تم پر رحمت کرے۔
ذیلت اور میں بھی آپ کی بھرپور تائید کرتا ہوں اور یہی ارادہ رکھتا ہوں۔

یہ سن کر وہ درگروہ اور دستہ در دستہ آتے تھے اور جنابِ مسلم کی بیعت کرتے، اور اجتماع کا اظہار کرتے، اور
تو یہ شخص اپنی استطاعت کے مطابق ہدایا اور تحفے وغیرہ حضرت کے پاس بھجواتا تھا۔ لیکن آپ کسی کا تحفہ اور
تہنیت نہ لے اور کسی سے کھانا بھی نہ کھاتے تھے بلکہ اپنے مال سے اپنا کھانا کھاتے تھے۔

حضرت حنفیہ کی حریف میں مرحوم صدر الدین کا کلام (در کتاب ریاض القدس)

یہ بن قزوینی (خدا ان کی قبر کو معطر فرمائے) نے ریاض القدس (جو بہت نورانی کتاب ہے) میں حضرت
محمد حنفیہ و توصیف یوں فرمائی ہے۔ حکما لکھتے ہیں کہ رسولِ زبان بادشاہ کے بادشاہ ہیں کہ جو شخص کسی کے ضمیر
پر کلمہ کہتا ہے تو اس کی گفتار اور کردار سے معلوم کرے لہذا رسولؐ کے ارسال میں تاکید اور مبالغہ کیا ہے کہ رسولؐ
بن قزوینی ہر فصیح ترین ہو اور اطوار و افعال میں ممتاز ہو۔

حضرت سے حضرت مسلم بن عقیل کی قدر کی جلالت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت کے بادشاہ نے
اس کی خدمت میں نیابت، وکالت اور رسالت کے لیے اپنے بھائی مسلم کو بھیجا ہے کیونکہ مسلم دین داری میں مسلم
بن قزوینی میں ان کا ایک نام تھا۔ اور حضرت نے ان کو اپنا نائب بنا کر چند تعریفیں ان سے مختص کر دیں کہ وہ
بن قزوینی، برادر حسین، حسین کے چچا زاد، عالم، عادل، فاضل، عامل، داماد علی تھے اور جنابِ رقیہ خاتون ان کی

زوجہ تھیں۔ وہ بہت بڑے شجاع تھے۔ بہادری میں بے بدل اور جرأت میں ضرب المثل تھے۔ وہ کسی شخص کو ہاتھ سے پکڑ کر کمرے کی چھت پر پھینک دیتے تھے۔ کوفہ کے لوگ ایسی قد و قامت والی شخصیت کو دیکھتے تو ان کے جسم میں لرزہ پیدا ہوتا اور کہتے کہ واقعاً یہ شخص اپنی جلالت اور شانگلی کی وجہ سے نیابت کرنے کے اہل ہیں۔

پس ابی مخنف کی روایت کے مطابق ۱۸ ہزار افراد نے بیعت کی اور انھوں نے مسلم کے لیے حاجب اور دربان معین کرے تھا تا کہ بیگانوں کو آمد و رفت کرنے سے روکیں اور سوائے نیک لوگوں کے کسی کو نہ آنے دے۔ اس دربانی اور حفاظت کے لیے جناب مسلم بن عویص نے ذمہ داری لی۔ ابوشامہ صیداوی کو خزانچی بنایا گیا۔ اسی طرح ہر کام کا ایک مسئول بنایا اور ہر مصروفیت کو دین داری سے تبدیل کیا اور لشکر میں جو کچھ ضروریات ہوتی ہیں: اسلحہ، زربیں، ڈھالیں، تیر، نیزے وغیرہ جمع کر لیے گئے اور لشکر کا سالار اور سپاہ دار معین کر دیا گیا۔

مشہور شاہسوار اور برجستہ شیعہ جمع ہوئے تو ۱۸ ہزار سے ایک لاکھ تک لوگ جمع ہو گئے۔ انھوں نے امام علیہ السلام سے گزارش کی کہ ہم آپ پر قربان ہوں، تمام کام مکمل ہیں اور منظم ہیں۔ آپ کے نائب خاص کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا ہوا ہے۔ اتباع و اطاعت کے وجوب کا قلاوہ اپنی گردنوں میں ڈال لیا ہے۔ آج جب خط لکھ رہے ہیں تو ایک لاکھ تلوار چلانے والے مکمل اور مسلح سپاہی بیعت کر چکے ہیں۔

حاکم کوفہ (نعمان) کی مسجد میں تقریر

شیخ مفید نے ارشاد میں فرمایا ہے: جب نعمان بن بشیر حاکم کوفہ کو جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد اور ان کے نزدیک لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جانے کی خبر پہنچی، تو بہت براہم ہوا اور حکم دیا: اعلان کیا جائے اور لوگوں کو مسجد میں بلایا جائے۔ لوگوں کے اجتماع میں وہ منبر پر گیا اور حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد کہا:

اے لوگو! اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور تفرقہ اور فتنہ کی طرف جلدی نہ کرو کیونکہ ان فتنوں اور تفرقوں میں مرد مارے جاتے ہیں، خون بہتے ہیں اور اموال لوٹے جاتے ہیں۔ جو شخص ہم سے نہ لڑے گا میں اس سے نہ لڑوں گا، کوئی خلاف بغاوت نہ کرے تو میں اس پر کوئی تجاوز نہ کروں گا، میں تم میں سے کسی سونے والے کو نہیں جگاؤں گا اور تمہیں آپس میں لڑنے نہیں دوں گا۔ کسی کو تہمت اور بدگمانی کی بنیاد پر نہیں پکڑوں گا۔ لیکن اگر اس قدر جرأت ہوگئی کہ میری بیعت توڑتے اور اپنے امام کی مخالفت کرتے ہو تو خدا کی قسم! پھر میں تم پر اپنی تلوار اس قدر چلاؤں گا کہ جب تک اس تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں ہوگا تلوار چلاتا رہوں گا۔ اگر تمہارے درمیان میرا کوئی حامی نہیں تو ان لوگوں سے امیدوار ہوں جو حق و حقیقت کو پہچانتے ہیں

سے جس کی بددی سے ہلاک ہو گئے۔

حضرت اسم بن ربیعہ حضری جو بنی اُمیہ کا حامی تھا، اس نے نعمان سے کہا: یہ تیری تقریر بہت کمزور ہے۔ تمہیں یہ شخص پسند رہا ہے۔ ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ جس کے انگارے پھیل جائیں گے۔

حضرت عمرؓ اور اہل بیتؓ سے ہوں تو معصیت میں قوی اور غالب ہونے سے پسند کرتا ہوں، یہ مجھ سے برآیا اور لوگ چلے گئے۔

عبداللہ بن مسلم نے ایک خط یزید کو لکھا اور اس میں مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد، لوگوں کا ہزاروں کی تعداد میں ان کی سخت ترین اور نعمان کی سستی اور کمزوری کو درج کیا کہ اگر تمہیں کوفہ کی ضرورت ہے تو کسی کامل، سفاک حکمران کی ضرورت ہے جو دشمنوں کے گزند سے محفوظ کر سکے۔ اور اسی مضمون پر مشتمل دوسرا خط عمر بن سعد نے یزید کو لکھا اور اس طرح کئی لوگوں نے خط لکھے اور اسے کوفہ کے حالات بتائے۔

یزید کوفہ کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد اور مسلم کے کوفہ میں ورود کی اطلاع ملنے پر سخت پریشان تھا۔ معاویہ کا سرحدی یزید کو بہت محبوب تھا۔ اس سے مشورہ کیا کہ اب کیا کروں کہ کوفہ کے ان پھرے حالات میں حسین بن علیؓ کو کوفہ سے تین اور اپنے جانے سے پہلے مسلم نے اپنے نائب کو بھیجا ہے اور کافی تعداد میں لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور نہ بات یہ ہے کہ کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر دشمن کا قلع قمع کرنے میں ناکام ہے، تو اب ان حالات میں کیا کروں؟

سرحون کی عیید اللہ بن زیاد سے دوٹی تھی، اُس نے کہا: اگر آپ اپنے باپ کے عہد نامے کو دیکھیں تو آپ کو یقین آئے گا اور عیید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا دیں۔ وہ واحد شخص ہے جو ان مشکل حالات میں کارآمد ہو سکے اور کنٹرول کرے۔

یزید نے معاویہ والا عہد نامہ نکال کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ کوفہ اور بصرہ کو ابن زیاد کی حکومت اور تصرف میں رکھنا۔ اس کے علاوہ ان دو شہروں پر کنٹرول کر کے حکومت کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

قرآن کو پارہ پارہ کرنا۔

یزید نے فوراً مسلم بن عمرو باہلی کو بلایا اور ان دو شہروں کی حکومت کا کنٹرول ابن زیاد کے پاس ہونا لکھا اور اس میں یہ لکھا: یزیدؓ زیاد! مجھے اپنے دوستوں نے کوفہ سے خبر دی ہے کہ فرزند عقیلؓ کوفہ میں بیعت لے رہے ہیں، اس نے حزب بنائی ہے، مسلمانوں کے عصا کے ٹوٹنے سے پہلے بہت جلدی کوفہ پہنچو اور مسلم کو گرفتار کرو اور قتل کر دو یا شہید کر دو یا

ایسی مصیبت اس کے سر پر ڈالو کہ پھر کبھی کوفہ آنے کا نام تک نہ لے۔ والسلام!

جب یہ خط ابن زیاد نابکار کے ہاتھوں میں پہنچا تو اسی وقت کوفہ کی طرف روانگی اور کوفہ کو فوری کنٹرول کا نقشہ بنالیا۔ دوسرے دن بصرہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ یزید نے شام سے ایک لشکر ابن زیاد کی نصرت کے لیے کوفہ بھیجا اور لشکر بھیجتے وقت قرآن سے استخارہ کیا اور یہ آیت آئی: وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (سورہ ابراہیم، آیہ ۱۵) ”اس مبارزہ میں ہر ایک فتح چاہتا ہے لیکن رسوائی ظالم جابر کی ہوتی ہے۔“

دوسری مرتبہ استخارہ کیا، پھر وہی آیت نکلی اور تیسری مرتبہ استخارہ کیا تو بھی وہی آیت نکلی تو اس ولد الزنا نے قرآن سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا: اے قرآن! جب تو روزِ محشر آیا تو میری شکایت کرنا کہ مجھے یزید نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

ابن زیاد کا بصرہ سے کوفہ کی طرف سفر

جب یزید نے بصرہ و کوفہ کی حکومتیں ابن زیاد کے حوالے کر دیں اور مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم جاری کر دیا تو اس نے کوفہ جانے سے پہلے بصرہ کو نظم و نسق دیا۔ دوسری طرف اشراف بصرہ جو محبتِ اہل بیت تھے جن کے درمیان خط و کتابت جاری تھی۔ ان تمام خطوط کو انھوں نے چھپا لیا لیکن منذر بن جارد جس کی لڑکی بحریہ ابن زیاد کے گھر میں تھی، وہ ظالم خون بہانے کا سوچ رہا تھا کہ یہ بحریہ اس ڈر سے کہ خون خرابہ زیادہ نہ ہو، امام کا وہ خط لائی جو اس کے پاس تھا اور وہ سلیمان لایا تھا۔ اس ملعون نے سلیمان کو گرفتار کیا اور رات کو سولی پر لٹکا دیا اور صبح سویرے کوفہ کی طرف چلا گیا۔

بہر صورت جب مسلم بن عمرو باہلی قتیہ کا باپ بصرہ میں آیا تو کوفہ کی امارت کا عہدہ اور یزید کا ابن زیاد کے نام خط دیا اور سفر کا حکم دیا اور منبر پر گیا اور یہ خطبہ پڑھا: (یہ خطبہ تقامِ ذخار میں موجود ہے)

اما بعد! مجھے ان آوازوں سے نجات نہیں دے سکتے اور کوئی شخص میری دشمنی اور مقابلہ پر ثبات نہیں کر سکتا کہ میں اپنے دشمنوں کے ذوق پر زہر قاتل ہوں۔ یزید نے مجھے کوفہ کی حکومت دی ہے اور عثمان نے اپنے بھائی کو تمہارے اوپر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ صبح میں کوفہ جاؤں گا، خبردار ہماری مخالفت سے بچ کر رہنا جس نے مخالفت کی تو اسے اور اس کے سردار کو قتل کر دوں گا اور گناہوں میں تمہارے نزدیکوں کو پکڑوں گا اور زیاد کا طریقہ جاری کروں گا تاکہ نفاق اور افتراق ختم ہو جائے۔

دوسرے دن شریک بن اعور حارثی جو علی کا شیعہ تھا، مسلم بن عمرو باہلی نے عبد اللہ بن الحارث بن نوفل اور دیگر پانچ سو افراد کے ساتھ بصرہ سے روانگی اختیار کی۔ عبد اللہ نے بڑی تیزی سے سفر کیا کہ کچھ ساتھی پیچھے رہ گئے۔ پہلا شخص جس نے تیزی سے سفر کرنے کی مخالفت کی وہ شریک بن اعور حارثی تھے، اس امید سے کہ اس ملعون کا درود کوفہ میں دیر سے ہوا۔

پسے پہنچ جائیں۔ عبید اللہ نے اپنے ساتھیوں کے حال کی طرف بالکل توجہ نہ کی بلکہ بڑی تیزی سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کا غلام مہران بھی سفر کرنے سے تھک گیا تو ابن زیاد نے اس سے کہا: اے مہران! اگر کوفہ میں پہنچ کر دو تو تمہیں کوفہ کے محل میں پہنچ کر ایک لاکھ درہم انعام دوں گا۔

عبید اللہ نے اب آگے جانے کی طاقت نہیں میں بہت بڑھ چکا تھا۔ ایسے خچر پر سوار ہو کر اس راستہ سے کوفہ پہنچا جو صحرا اور صحرائے عرب تھا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب عبید اللہ شہر کے قریب پہنچا تو ذرا توقف کیا اور رات کو تنہا کوفہ میں داخل ہوئے۔

قبضہ اور

یہ کہ جس رات عبید اللہ کوفہ میں داخل ہوا وہ مہتابی رات تھی۔ اہل کوفہ سے سنا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ میں ہجرت کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے ایک گروہ کو رات کو آتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ امام حسین آ رہے ہیں اور استقبال کرتے رہے اور یہ کہہ رہے تھے:

”خوش آمدید اے فرزند رسول!“

پہلا شخص جو ابن زیاد کو کوفہ میں ملا وہ ایک عورت تھی۔ جب اس کی نظر اس گروہ پر پڑی تو باواز بلند کر کے کہنے لگی: یہ فرزند رسول آگئے اور ہمارے شہر میں قدم رنج فرمایا ہے۔ اس آواز نے پورے کوفہ میں ہجرت کی خبر سنائی۔ لوگ استقبال کے لیے آتے گئے اور ان کی تعداد زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ابن زیاد کے خچر کی دم کا خیل تھا یہ فرزند رسول ہے۔ وہ کسی سے بولتا نہ تھا اور چلتا رہا۔ جب قصر دارالامارہ پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ شہر کوفہ کا امیر تھا۔ وہ لوگوں کے ڈر سے دروازہ بند کر کے بیٹھا تھا کہ شاہ دین امام حسین علیہ السلام اس کا صدارت کھولیں لہذا چند نفر نگہبان کھڑے تھے۔ انہوں نے نعمان کو خبر دی کہ یہ حسین بن علی اپنے لشکر اور کوفہ کے امیر دارالامارہ پہنچ گئے ہیں۔ نعمان دارالامارہ کی چھت پر گیا اور ہجوم کو دیکھا تو وہ ڈر گیا اور کانپتے کانپتے کہا: کوفہ بے وارث نہیں خواہ فتنہ برپا نہ کریں، یزید آپ کو یہ شہر حوالے کرنے والا نہیں۔ کسی اور جگہ ٹھہریں، صبح کی بات ہے۔

نعمان کو گالیاں دے رہے تھے اور کہتے تھے: اے ملعون! دروازہ کھول اور فرزند رسول کو اندر آنے دے کہ وہ

خلافت کے اہل ہیں۔ لوگوں نے جس قدر اصرار کیا نعمان نے معذرت کی۔ اس وقت ابن زیاد نے دیکھا کہ یہ درویش کھولے گا لہذا اس نے مجبوراً اپنے چہرے سے نقاب اتاری اور کہا: افتتح لعنک اللہ ”دروازہ کھول خدا تم پر لعنت کرے۔ خدا تیرا چہرہ سیاہ کرے دروازہ کھول، تیرے اس طرح حکومت کرنے پر لعنت ہے۔

ادھر مسلم بن عمرو باہلی نے آواز دی: اے اہل کوفہ! یہ فرزندِ رسول نہیں یہ عبید اللہ بن زیاد ہے۔ جب عبید اللہ سے عمامہ اتارا تو لوگوں نے پہچانا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہے تو دارالامارہ کے دروازے سے واپس چلے گئے اور متفرق ہو گئے۔ پھر نعمان نے حکم دیا اور دارالامارہ کا دروازہ کھل گیا اور ابن زیاد اپنے گروہ کے ساتھ دارالامارہ میں داخل ہوا۔ اتنے میں جب مختلف حکومت پر بیٹھ گیا تو سخت غصے میں کہنے لگا: نعمان! تم پر لعنت ہو شہر میں یہ کیا حالات بنا دیے ہیں؟ جو لوگ قعر دارالامارہ میں موجود تھے، ابن زیاد کے زبانی حملوں سے ڈر کر جواب میں کہا: ہمیں خبر نہیں، یہ فتنہ کسی نے پیدا کر دیا ہے۔ ہم نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور کسی سے عہد نہیں کیا۔

ابن زیاد نے کہا: میرے ہاتھ پر جو یزید کا ہاتھ ہے بیعت کرو تو تمام رؤسائے کوفہ نے ڈر کے مارے اس کی بیعت کی۔

عبید اللہ کا کوفہ کے اجتماع سے خطاب

مرحوم شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ دوسرے دن صبح سویرے ابن زیاد نے اعلان کروایا کہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں تو لوگ دستہ دستہ مسجد میں آئے اور عبید اللہ بن زیاد کا انتظار کیا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ کچھ وقت کے بعد وہ ملعون کا فریاد منبر پر بیٹھا اور حمد و ثنا کے بعد کہا: مجھے یزید نے کوفہ کا امیر بنا دیا ہے اور یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ پھر اچھے لالچ اور خوشخبریاں دی گئیں اور پھر کہا:

اے لوگو! یزید نے مجھے والئی کوفہ بنایا ہے کہ رعیت سے انصاف کروں اور ظلم و جور نہ کروں، میں مطیع اور مخلص لوگوں سے ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوں اور مخالفوں اور باغیوں کو تلوار سے تیز اور تازیانہ سے زیادہ مارنے والا ہوں۔ میرا پیغام اس ہاشمی (مسلم بن عقیل) کو پہنچا دو اور اسے کہو کہ ابن زیاد کہہ رہا ہے کہ میرے غصب سے ڈرو ورنہ بہت جلد گرفتار ہو جاؤ گے بہتر ہے کہ کوفہ سے چلے جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ والسلام!

پھر محل میں چلا گیا اور کوفہ کے تمام رؤسا اور امراء کو بلایا اور ان پر سختی کرتے ہوئے کہا: ہر قوم کے فعال کارکنوں اور مخالفین خارجیوں کے نام لکھیں اور ان کو پکڑ کر میرے پاس لائیں تو وہ بری ہوگا اور اگر ان کے نام لکھ کر نہ دو گے تو پھر ضمانت دو۔

حضرت نہ کرے گا اور اگر تم نے ان کو چھاپا اور سختی کیا تو ان کو سولی پر لٹکاؤں گا اور اپنی عطا سے محروم کروں گا، ان کی سزا میں مجھ پر حلال ہوگا۔

مصل ابی جعفر میں ہے کہ ابن زیاد نے اعلان کروایا کہ یزید کی بیعت پر ثابت قدم رہو۔ عنقریب شام سے ایک لشکر آئے گا جو جانین کو قتل اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا لے گا۔

کوفہ کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں کیا کہ ہم مارے جائیں اور مخالفت یزید کرنا جس کے پاس خزانہ اور مال ہے اس کی بیعت کرنا جس کے پاس نہ مال ہو نہ خزانہ، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

مسلم بن عقیل کی احمد مختار کے گھر سے ہانی کے گھر منتقلی

چونکہ حضرت مسلم کو حالات کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی سکونت مختار کے گھر سے ہانی کے گھر میں منتقل کر دی۔ اس حوالہ سے ستر نے جناب ہانی سے کہا: کیا ان شرائط میں مجھے اپنا مہمان بنا سکتے ہو؟ ہانی نے کہا: آپ نے بہت سخت کام ذمے لگایا، مجھے نہ منزل میں وارد نہ ہو چکے ہوتے تو میں معذرت کرتا لیکن آپ جیسے بزرگوں کو مجھ جیسا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا ستر اور سلامتی سے میرے گھر رہے۔ پس مسلم ہانی کے گھر میں پوشیدہ ہو گئے۔ کوفہ کے شیعہ ان کے پاس آتے جاتے۔ وقت بچیں ہزار آدمی بیعت کر چکے تھے۔ مسلم نے قیام کا ارادہ کیا لیکن ہانی نے کہا: جلدی نہ کرو بہتر ہے۔

چند دنوں کے بعد غلام معقل کو ابن زیاد نے کہا: یہ تین ہزار درہم ہیں۔ کسی شیعہ کو تلاش کرو، اس کے سامنے اپنے آپ جیسے ظاہر کرو اور اس کو یہ رقم دو کہ یہ رقم لو اور دشمنان دین کی جنگ میں میری مدد قبول کرو۔ جب یوں کر دو گئے تو وہ تم سے نہ چھپائے گا اور بہت زیادہ کوشش کر کے مسلم کی تلاش کرو کہ وہ کہاں ہیں اور ان کے ساتھی کون ہیں؟

مصل مسجد میں آیا، مسلم بن عویجہ کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے وہ بیٹھ گیا اور لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ یہ شخص مسلم بن عویجہ کی طرف سے بیعت لیتا ہے۔ جب مسلم نماز سے فارغ ہوئے تو معقل نے کہا: میں شامی شخص ہوں اور اہل بیت کا دشمن ہوں ذوالکلاع حمیری کے مولیوں میں سے ہوں اور پھر کہا: میں مسافر ہوں اگر مجھے زیارت کروادیں اس شخص کی جو بیعت حسین کی بیعت لے رہا ہے کیوں کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کو ان سے آشنائی ہے۔ میں یہ مال دینا چاہتا ہوں اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ مال لے کر میری بیعت آپ لے لیں ورنہ مجھے ان کی زیارت کروادیں۔

مسلم بن عویجہ نے کہا: اس مسجد میں میرا انتخاب کیوں کیا ہے، مجھے اپنا ہم راز کیسے پایا ہے۔ مصل نے کہا: خیر کے آثار اور قلاع کے اظہار، اور رشد کے انوار آپ کے چہرے میں دیکھے تو میں نے خیال کیا کہ

آپ مجانب اہل بیتؑ میں سے ہیں۔

مسلم بن عویجہ چونکہ سادہ طبیعت کے تھے لہذا اس سے کہا تیرا گمان غلط نہ تھا میں محبت اہل بیتؑ ہوں، میرا نام مسلم بن عویجہ ہے، آؤ خدا سے عہد و پیمان کریں اور اس راز کو کسی کے سامنے فاش نہ کرنا تاکہ میں تجھے مقصود تک پہنچاؤں۔
معتل نے جھوٹی قسم اٹھائی کہ راز فاش نہ کروں گا۔

مسلم بن عویجہ نے کہا: آج جاؤ، کل میرے مکان پر آنا، میں تجھے مسلم بن عقیل کے پاس لے چلوں گا۔ دوسرے دن مسلم بن عویجہ معتل کو مسلم بن عقیل کے پاس لے گئے۔ معتل حضرت مسلم کے پاؤں پر گر پڑا اور آپؑ کے ہاتھوں کو چومنا شروع کیا۔

مسلم بن عقیل نے فرمایا: اس شخص سے مجھے رشد کے آثار تو نظر نہیں آرہے ہیں۔ میں خدا کی قضا پر راضی ہوں۔ قرآن لاؤ تاکہ اس کو قسم دلاؤں، قرآن لایا گیا۔ معتل نے قسم اٹھائی کہ آپؑ کا راز فاش نہ کروں گا اور اگر سر بھی کٹ جائے تو بھی بیعت نہ توڑوں گا۔ اس روز شام تک وہ ہانی کے گھر رہا اور تمام حالات سے باخبر ہو گیا۔ بوقت غروب مخص ہو گیا اور لحد زیادہ کو پوری تفصیل بتا دی۔ ابن زیاد نے غلام کو شاباش دی اور کہا: مسلمؑ کے حضور رہو ممکن ہے کہ وہ مکان تبدیل کریں اور ہم غافل رہیں۔

عبداللہ بن یحضر کلکی گرفتاری اور شہادت

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں لکھتے ہیں: ہانی ابن زیاد کی حکومت سے خائف تھے لہذا ابن زیاد کے پاس نہ جاتے تھے اور بیماری کا بہانہ بنایا ہوا تھا۔ ابن زیاد نے دربار میں کہا: مَالِی لا اِمرئِیْ ہَاثِیْئَا ”کیا ہوا کہ ہانی ہمارے پاس نہیں آئے؟“

کہا گیا اے امیر! وہ بیمار اور کمزور ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: کاش ہمیں ان کی بیماری کا علم پہلے ہوتا تو ان کی عیادت کرتے۔ جب عمرو بن حجاج زبیدی، ہانی کے سرسرنے کہا: وہ بیمار ہیں تو ابن زیاد نے کہا: مجھے ان کی صحت و سلامتی کی اطلاع ہے، وہ اپنے گھر پر صفہ میں بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ تم، محمد بن اشعث اور یحییٰ میری طرف سے ان کی عیادت پر جاؤ تاکہ اشراف کو فتنہ کی عظمت کا حق ادا ہو۔ اس وقت ابن زیاد کا دست جلدی سے آیا اور کہا: اے امیر! ایک تازہ خبر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا: کیا ہے؟ اس نے کہا: میں ابھی تفریح کے لیے صحرا میں گیا تھا کہ ایک تیزی سے جانے والے قاصد کو دیکھا، اس سے پوچھا

جس نے کہا: میں مدینہ کا ہوں۔ کچھ عرصہ وہاں کام تھا اب کوفہ میں واپس جا رہا ہوں۔
 کسی نے خط بھی تمہارے پاس ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں سواری سے اترا، اس کے لباس و سامان کی
 وہ خط اور اس شخص کو گرفتار کر کے لایا ہوں اور (مزید کارروائی کے لیے) تمہارے حکم کا انتظار ہے۔
 یہ خط پڑھا تو لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم! یہ مسلم کی طرف سے سلطان حجاز کے نام خط ہے!
 میں نے آپ کے دوستوں اور شیعوں کو آپ کا مطیع پایا ہے۔ سب آپ کے آنے کی انتظار میں
 ہیں۔ بیعت کر لی ہے اور ان کے نام لکھ لیے ہیں۔ آپ جلدی کوفہ آئیں۔ والسلام!
 یہ خط لکھا ہے کہ یہ قاصد عبداللہ بن مضر تھا۔ ابن زیاد نے قاصد کو طلب کیا اور پوچھا: تم کون ہو؟
 میں نے کہا: میں غلام ہوں۔

پوچھا:

میں کون ہوں؟

یہ خط کس نے لکھا اور کس نے دیا ہے؟

میں نے کہا: ایک بوڑھی نے مجھے کہا: چونکہ تم مدینہ جا رہے ہو تو یہ خط آقا کو پہنچا دینا۔

پوچھا: وہ کون ہے؟

میں نے کہا: وہ کاموں میں سے ایک کام کرو کہ یا خط لکھنے والے کی نشان دہی کرو تا کہ میری گرفت سے نجات پاؤ
 گے۔ یہ تیار ہو جاؤ۔

یہ خط حضرت نے کہا: خدا کی قسم! نہ میں اس بوڑھی سے کم ہوں جس نے مجھے خط دیا، مجھے قتل ہو جانا منظور ہے۔
 مجھ سے کہا: جلا دلو جلدی لاؤ اور اس مظلوم غریب کے قتل کا حکم دے دیا۔ جلا دیا اور داڑھی سے پکڑ
 کے ایک ٹکڑے پر بٹھایا۔ اس مظلوم نے حسرت بھری نگاہوں سے مکہ کی طرف دیکھا اور کہا: اگر مجھے پتہ ہوتا
 کہ یہ رات سے محروم ہو جاؤں گا تو کوفہ آنے سے پہلے میرا آپ کی زیارت کرتا۔ بہر صورت جلا دے
 گا۔ یہ حکم کا سر تن سے جدا کر دیا اور یہ واقعہ ۶ ذی الحجہ کو یعنی جناب مسلم کی شہادت سے تین دن پہلے رونما ہوا۔

ہانی بن عروہ کی گرفتاری

جب ابن زیاد حضرت مسلم کو گرفتار اور قتل کرنے کے لیے کوئٹہ آیا تو چند روز حضرت کو تلاش کیا۔ جب معتزل غلام کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ وہ ہانی کے گھر ہیں۔ ابن زیاد نے عمرو بن حجاج (ہانی کے سر) ، محمد بن اشعث اور اسامہ بن خابجہ کو بلایا اور انہیں ہانی کو بلانے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے۔

شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: تین شخص ہانی کے گھر آئے دیکھا کہ وہ لوگوں سے ملاقات کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا مَا يَمْنَعُكَ مِنَ الْقَاءِ الْاَمِيْر ”آپ دیدار امیر کو نہیں آئے“۔ ابن زیاد آپ کو بلا رہا ہے، ہر روز آپ کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ بیمار ہیں تو میں عیادت کے لیے جاتا ہوں۔

ہانی نے کہا: ہاں کئی دن سے بیمار رہا ہوں، اس لیے دربار میں نہیں آسکا۔

عمرو بن حجاج نے کہا: بعض نے ابن زیاد کو خبر دی ہے کہ تم بیمار نہیں ہو۔ ہر روز گھر میں ملے کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو کوسے رہتے ہیں۔ آپ امیر کی ناراضگی کے اسباب کیوں پیدا کر رہے ہیں۔ ہانی نے لباسِ حضوری پہنا اور ان منافقوں کے ساتھ دارالامارہ پہنچے۔ اچانک خیال آیا کہ شاید میرے حالات سے ابن زیاد باخبر ہے اور مواخذہ کے لیے مجھے طلب کیا ہے۔ چنانچہ نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے اور نہ اندر جانے کو دل مان رہا تھا لہذا اڑے رنگ اور کاٹتے بدن سے حسان بن اسامہ بن خابجہ سے کہا:

يا ابن الاخ اني والله ليهذا الرجل لَخَائِفٌ ”مجھے اس شخص سے ڈر ہے مجھے اجازت دو کہ میں واپس چلا جاؤں“

یا مجھے بتاؤ کہ وہ مجھے کیوں بلاتا ہے اور کیا پوچھنا چاہتا ہے؟

حسان بن اسامہ بن خابجہ نے کہا: چچا جان! مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا، دل سے ایسے خیالات نکال دیں، آپ کی جان اور عزت محفوظ ہے البتہ حسان کو تمام امور کی اطلاع نہ تھی اور معتزل کے ذریعے جو اطلاعات ابن زیاد کو پہنچ چکی تھیں وہ ان سے بے خبر تھا۔

ہانی نے ڈراسکون محسوس کیا اور تقدیر الہی کو قبول کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دربار میں پہنچے۔ مجلس ابن زیاد آراستہ تھی اور اکابرین و ارکان کوئٹہ سے پڑ تھی۔ جب ابن زیاد نے ہانی کو دیکھا تو کہا: تجھے اپنے دو پاؤں لے آئے ہیں۔ ہانی نے اس کلام سے بہت براگمان کیا۔

ابن زیاد نے قاضی شریع سے کہا میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔

ہانی نے کہا: اے امیر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کون سی خیانت کی ہے؟

لبن زیاد نے کہا: یہ جو فتنہ ہے جو تو نے اپنے گھر میں برپا کر رکھا ہے۔ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں مہمان بنایا ہے اور اسے رکھی ہے اور لوگوں سے حسین کی بیعت لے رہے ہو۔ اسلحہ اور لشکر جمع کر رہے ہو۔ کیا تم خیال کرتے ہو مجھے کچھ خبر

ہانی نے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ سمجھا اس لیے کہا: جو تو کہہ رہا ہے اس کی مجھے خبر نہیں۔ میں نے یہ کام کیے ہیں اور نہ میرے گھر میں ہیں۔

لبن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: معتقل غلام کو حاضر کرو۔ جب ہانی نے معتقل کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ تمام فتنہ برپا کرنے کا ہے۔

لبن زیاد نے کہا: تو کیا اسے جانتے ہو؟

ہانی نے سر پیچ کر لیا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگے۔ پھر سر بلند کیا اور کہا: اے امیر! میری بات کو غور سے سنو اور قبول مجھے آسان و زمین کے خدا کی قسم کہ میں نے مسلم کو خود گھر میں نہیں بلایا بلکہ وہ خود بخود میرے گھر آ گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے گئی تو مجھے اس سے حیا مانع ہوئی کہ ان کی درخواست کو رد کروں۔ اب امیر کو اختیار ہے اگر حکم کرو تو آج کے بعد میری سے کوئی فطی سرزد نہ ہوگی اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہاری مخالفت نہ کروں گا۔ اگر تم حکم دیتے ہو تو ابھی مسلم کو اپنے گھر سے نکل دیتا ہوں تاکہ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں اور میری ذمہ داری ختم ہو جائے۔

لبن زیاد نے کہا: خدا کی قسم! تم یہاں سے نہیں جاسکتے مگر اس طرح کہ مسلم کو میرے حوالے کر دو۔ ہانی نے کہا: میں تم سے کہتا ہوں کہ تمہارا اپنے مہمان کو اپنے ہاتھوں تمہارے حوالے کر دوں۔

لبن زیاد نے کہا: تمہیں حاضر کرنا پڑے گا۔

بنی نے کہا: اس کام کو بھول جاؤ۔ یہ شریعت، طریقت اور مروت سے بہت دور ہے کہ اپنی پناہ میں آئے ہوئے شخص کو ہاتھوں تمہارے حوالے کروں کہ تم ان کو قتل کر دو۔

لبن زیاد نے جس قدر اصرار کیا اور حاضرین نے مبالغہ کیا۔ ہانی نے انکار کر دیا۔ مسلم بن عمرو ہانہلی نے کہا: اے امیر! بیعت دیں تاکہ میں ان سے بات کر لوں۔ شاید میری بات ان کی سمجھ میں آ جائے، اس نے اجازت دی تو مسلم بن عمرو نے کہا: اے امیر! ایک طرف لے گیا، پھر کہا: اے ہمانی! آپ سے عاقل کے لیے حیف ہے کہ اس قدر شکوہ اور جلالت کے بعد جو ایک شخص کی وجہ سے اپنی ہلاکت کا فیصلہ کر لو اور اپنے اہل و عیال اور قوم و قبیلہ کو برباد کر دو۔ یہ شخص جسے تم نے مجھ سے لیا ہے، اس کی امیر کے ساتھ رشتہ داری ہے لہذا امیر کی طرف سے اسے نقصان نہ پہنچے گا اور تمہارے انصاف اور مروت

سے بھی کوئی چیز کم نہ ہوگی اور مقصر کو سلطان کے حوالے کرنا عار نہیں بلکہ عقلا کے نزدیک امیر کی مخالفت کرنا تنگ و عار ہے۔ ہانی نے کہا: یہ کیا خرافات ہیں جو تم بتا رہے ہو۔ سب سے بڑی تنگ و عار تو یہ ہے کہ کسی پناہ میں موجود شخص کو دشمن کے حوالے کیا جائے۔ اس تنگ و عار کو کہاں لے جاؤں کہ میں زندہ ہوں، دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں؟ قدرت، قوت، قبیلہ، جمعیت کی حمایت بھی رکھتا ہوں اور پھر بھی التجا کروں کہ خود کو دشمن کے حوالے کر دو۔ حاشاء و کلا، یہ کام میں نہیں کر سکتا۔ ابن زیاد جناب ہانی کی باتوں سے بہت غصے میں آ گیا اور آواز دی: اَذْنُوهُ مِنِّي، اسے میرے قریب لاؤ۔ جناب ہانی کو قریب لے جایا گیا تو اس نے کہا: مسلم بن عقیل کو میرے حوالے کر دیا قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہانی نے کہا: اگر تم یہ کام کرو گے تو ابھی تیرے دارالامارہ کے ارد گرد آگ لگ جائے گی، تلواریں نکلیں گئیں اور قتل و غارت ہوگی۔

یہ کلمات جناب ہانی نے اس لیے کہے تھے کہ اپنی قوم، قبیلہ کی حمایت سے پشت گرم تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے ابن زیاد اپنے بُرے ارادے سے درگزر کرے گا۔ جناب ہانی ایک بڑی شخصیت تھے، ضرورت کے وقت چار ہزار زرہ پوش اور آٹھ ہزار پیدل لوگ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ کندہ کے قبائل سے ان کو ۳۰ ہزار جوانوں کی حمایت حاصل تھی۔ ابن زیاد نے کہا: مجھے تلواروں سے ڈراتا ہے؟ پھر آواز دی: مہران اسے پکڑو۔ مہران نے ہانی کا عصا پھینک دیا اور انہیں بالوں سے پکڑ لیا۔ ابن زیاد نے ان کے ہاتھ والی چھڑی لے کر ہانی کے سر اور چہرے پر بڑے زور زور سے مارنا شروع کر دیا۔ جس سے اُن کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور خون جاری ہو گیا۔ سر و پیشانی کا خون اور گوشت ان کی داڑھی اور جسم پر گرنے لگا۔

جناب ہانی نے ایک شخص سے تلوار مانگی لیکن اس نے نہ دی تو ابن زیاد نے کہا: آج تیرا خون مباح ہے کیونکہ تو خارجیوں کی راہ پر چلا ہے لہذا ہانی کو کھنچا اور دارالامارہ کے ایک کمرے میں قید کر دیا اور چند محافظ اُن پر مقرر کر دیے۔

اسام بن خارجہ یا حسان بن اسام نے کہا: اے امیر! تمہارے اشارے پر ہم اسے تمہارے پاس لائے ہیں اور اسے کمال کی امید دلائی تھی نیز اس کے بارے تم سے بھی بہت اچھا سنا تھا۔ جب وہ تمہارے پاس آ گیا تو تم نے اسے اس قدر ذلیل و خوار کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ یہ کون سی بزرگی اور سرپرستی ہے جس پر عمل کر رہے ہو؟

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: تم کون ہو یہ باتیں کرنے والے کہ یہ فضول باتیں کرتے ہو۔ پھر آواز دی کہ اسے سزا دو، تازیانے مارو اور زندان میں ڈال دو۔ غلاموں نے اسے گھسیٹ گھسیٹ کر ایک کونے میں بٹھا دیا۔

ابو جحیف کہتے ہیں: جب چھڑی سے ابن زیاد نے ہانی کے سر اور چہرے پر مارا اور زخمی کیا تو اس شیر دل نے ایک غلام

سے توجہ جتنی اور ابن زیاد پر حملہ کر دیا۔ اس کے سر پر تلوار دے ماری، تلوار اس کے ریشمی عمامہ سے گزر کر اس کے سر میں جا گئی۔ سر زخمی ہو گیا۔ ابن زیاد نے نعرہ لگایا: پکڑو، پکڑو۔ معقل غلام دوڑا تو ہانی نے وہی تلوار معقل کو ماری تو اس کے سر اور گلے سے کھوے ہو گئے۔ جس طرح دوسرے غلاموں نے اس پر ہجوم کیا لیکن ہانی نے اپنی ایمانی قوت سے تمام پر حملہ کر دیا جس سے شہر بھڑوں کے گلے پر حملہ کر دیتا ہے۔ ایک حملہ دائیں اور ایک حملہ بائیں کر کے ۲۵ غلام اور ابن زیاد کے خوشامدیوں کو شہر سے بھج دیا۔ وہ لڑائی کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ہل شقاق! اگر خاندانِ رسول کا ایک بچہ میرے گھر میں آئے تو مجھ تک میری جان میں جان ہے اس کی حمایت کرتا رہوں گا۔ غرض قبیلِ جلیل حضرت مسلم بن عقیل خود بھی اپنا مقام رکھتے ہیں، جو وہ سلطانِ بروج، مالکِ جو دوسٹا، دانا کے خیر و بشر اور رسولؐ کے خاص الخاص امام حسینؑ کے نائب بن کر آئے ہیں، ان کی حمایت کر رہا ہوں۔ بہر صورت اس کے نوکروں، چاکروں اور غلاموں نے ابن زیاد کی حمایت میں ملک کر حملہ کیا اور قتل کے تک جانے اور زخمی ہو جانے کے بعد اسے قیدی بنا لیا اور ہاتھوں کو باندھ کر ایک کونے میں قید کر دیا۔

حسین کا شفی - روضۃ المشہداء

ملا حسین کا شفی ایک طویل مقالے کے آخر میں لکھتے ہیں: ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو پانچ سوتازیانے مارے۔ سوتازیانے مارے گئے تو وہ بے ہوش ہو گئے اور شہید ہو گئے، اور روایت میں ہے کہ انھیں بھرے بازار میں لے گئے۔ پھر سے جدا کر دیا اور جسم سولی پر لٹکا دیا اور سر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

ذکرِ شہادت پر ردِ عمل

مرحوم صدر الدین واعظ قزوینی ریاض القدس میں لکھتے ہیں: شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے: ہانی کے دربار میں حضرت زین العابدینؑ کی شہادت کے وقت عمرو بن حجاج (ہانی کے سرس) موجود نہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہانی شہید ہو گئے تو انھوں نے قبیلہ مذجج کو اسلحہ کے ساتھ جمع کیا اور دارالامارہ کا محاصرہ کیا۔ تماش بین لوگ چھتوں اور دیواروں پر چڑھ گئے، تو انھوں کی چمک ہی چمک نظر آتی تھی۔ عمرو آواز دیتا تھا کہ میں عمرو ہوں اور یہ قبیلہ مذجج ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ یہ قبیلہ کسی کی اطاعت کرتا ہے۔

ابن زیاد کو محاصرے کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوا اور قاضی شریح سے کہا: جاؤ اور اس قوم کے بزرگ سے کہو کہ تمہارا حق زندہ ہے قتل نہیں ہوا۔ بغاوت اور شورش ختم کرو اور ہانی کو انہیں دکھاؤ۔

شریح ہانی کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ تڑپ رہا ہے اور کہہ رہا تھا: الامان! کہاں ہیں اقوامِ اہلِ دین؟ اور امین کہاں

ہیں؟ کیا میرا قبیلہ غصے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ ہانی یہ بین کر رہا تھا جب کہ سر اور چہرے سے خون جاری تھا تو اس حالت میں جناب ہانی کو چھت پر نہ لے جاسکا بلکہ خود چھت پر گیا۔ کہنے لگا: اے لوگو! آشوب اور فتنہ برپا نہ کرو۔ ہانی زندہ ہے۔ ہم تمہارے غم کو سمجھ لیا ہے اور محاصرہ کا سن لیا ہے مجھے کہا ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ ہانی زندہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے وہ بالکل سالم ہے۔ جس نے تمہیں اس کے قتل کی خبر دی ہے وہ جھوٹا ہے۔

لوگوں نے قاضی شریح کی باتوں پر یقین کیا اور عمرو بن حجاج نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ ہے۔

حضرت مسلم بن عقیل نے دارالامارہ کا محاصرہ کیا

عبداللہ حازم کہتا ہے کہ جب ابن زیاد کے گماشتوں نے ہانی کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تو مسلم بن عقیل نے کہا: تم ساتھ جاؤ اور حالات کی مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ میں نے جناب ہانی کا زخمی ہونا اور قبیلہ مدح کا محاصرہ اور قاضی شریح کی تسلی سے ان کا واپس آ جانا وغیرہ سب حالات سے جناب مسلم کو آگاہ کیا۔ ادھر ہانی کے بچوں اور اہل و عیال کا گریہ جھڑپا ہوا۔ جب مسلم بن عقیل نے ہانی کے گھر سے یہ گریہ دیکھا تو دنیا ان پر تاریک ہو گئی اور مجھے کہا: جاؤ اور ہمارے بچوں کو بھٹ میں باہر گیا اور آواز دی تو جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ تھوڑے سے وقت میں کوئی چار ہزار شخص مسلح ہو کر آ گئے۔ کوچہ دہانہ افراد سے پُر تھے۔ منادی کو کہا: چھت پر جا کر کہو یا منصور اُمت! مسلم بن عقیل کے غلام نے نعرہ یا منصور اُمت بلند کیا۔ مگر وہ درگروہ، دستہ بہ دستہ اور علم کے علم، جنود و جیوش، جوش و خروش سے جمع ہو گئے۔ اسلحہ اور گھوڑوں کی لگاموں کی چھڑکانوں پر بوجھ بن رہی تھی۔ جناب مسلم چورستہ پر کھڑے ہو گئے۔ رکندہ کے قبائل، مدح، اسد، معز، قسیم اور ہمدان کے لوگ اپنا علم اٹھائے مسجد میں جمع ہوئے، لوگ آتے رہے، مسجد گلی کوچے، بازار افراد سے پُر ہو گئے۔ لوگ جوش و خروش کے نعرے لگاتے رہے تھے۔

یا اهل الدین یا اهل المصر یا اهل الغیرہ! اٹھو اور انتقام لو۔ یہ آوازیں اتنی اونچی ہو گئیں کہ ابن زیاد کے کانوں تک جا پہنچیں۔ اس ہاؤ ہونے ابن زیاد کو ایسا خوفزدہ کیا کہ وہ آوازیں دے رہا تھا، جلدی دارالامارہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ابن زیاد محل میں محفوظ مقام پر پہنچ گیا۔ اس کے چند گماشتے غلام تقریباً ۳۰ لوگ اور اشراف کوفہ میں سے ۲۰ افراد سب کانپ رہے تھے۔ دُور دُور تک لوگ تھے اور انھوں نے دارالامارہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ پتھر اور ٹھیکریاں دارالامارہ میں پیکر رہے تھے اور ابن زیاد کے ماں باپ کو گالیاں دے رہے تھے۔ ابن زیاد کے یاروں میں نہ کوئی دارالامارہ کے اندر جاسکتا تھا نہ اندر سے باہر کوئی فرار کرسکتا تھا۔

بہر صورت ابن زیاد پر بڑی پریشانی آپڑی تھی۔ کثیر بن شہاب کو کہا: باہر جاؤ اور قبیلہ مدح سے اپنے حامی لے کر آؤ۔
وہ رنے والوں کو ڈراؤ اور ان کو مسلم بن عقیل سے دُور کرو۔ کثیر بن شہاب قبیلہ مدح میں اختلاف ڈالنے کے لیے باب
مدح سے باہر نکلا اور قبیلہ مدح کو چالوسی اور نرمی کی زبان سے کہا: میں تمہارا خیر خواہ ہوں، کیا تمہیں گھر نہیں چاہئیں۔ زندگی
میں جو ہے۔ اہل و عیال سے محبت نہیں کہ اس طرح دیوانے بن گئے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ یزید کے مقابل آگئے ہو، اپنی
سید کیوں جاہ کرتے ہو، کل شام سے لشکر چھوڑنے کی طرح یہاں پہنچنے والا ہے جو تمہیں جن جن کرتاہ کر دے گا، لہذا واپس
وہ چلے جاؤ۔

دوسری طرف سے ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو باہر بھیجا کہ نرم زبان سے کندہ تباہی کو خاموش کرو اور ان کے جوش و
خوشیاں فروغ کرو۔ محمد بن اشعث باہر آیا۔ لوگوں کو نصیحت کی اور امان کا علم میدان میں نصب کیا اور کہا جو اس علم کے پاس
پہنچے گا اسے امن دیا جائے گا۔ پھر ابن زیاد نے شب بن ربیعہ جی کو بتویم کو الگ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد حجار بن
مضر بن ذی الجوشن کو بھیجا کہ ان کو ڈرائیں۔ یہ لوگ باہر آئے اور لوگوں میں پھیل گئے اور یہ آوازیں دیتے تھے:

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا شور شرابہ ہے، کیا فتنہ برپا کیا ہے، اپنے سروں پر کیوں خاک ڈالتے ہو، اپنے انجام
میں نہیں ڈرتے۔ ہم تمہارے بزرگ ہیں۔ بزرگوں کی بات مانو اور جہلا کے پیچھے نہ لگو۔ جب ان رؤسا نے نرم لہجوں
میں دیکھا تو کافی بزدل لوگ واپس چلے گئے اور کہا: ہم تو تماشا دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ہم کسی کی حمایت میں شور شرابہ
نہیں کرتے۔

رؤسا نے انہیں کہا: یہ تماشا دیکھنا تمہیں مہنگا پڑے گا۔ لہذا گھروں کو چلے جاؤ۔ لوگ فوج در فوج نکلنے لگے اور ایک
دوسرے سے کہنے لگے کہ کیوں کھڑے ہو؟ فلاں قبیلہ چلا گیا ہے تم بھی چلے جاؤ۔ فساد نہ کرو اور اپنے اہل و عیال کی جان بچاؤ۔ محمد
بن ابی عمارہ کے گھروں کے نزدیک علم نصب کیا اور کہا: جو اس علم کے پاس آئے گا اسے نجات ملے گی۔ ابھی شام
نہیں آئی ہے والا ہے اور امیر نے قسم کھائی ہے اگر ایک گھنٹہ تک محاصرہ ختم نہ کیا گیا تو پھر عذر قبول نہ ہوگا۔ پھر بے گناہ کو
بے گناہ کے بدلے اور حاضر کو قاصب کے بدلے سزا دی جائے گی۔

بہر صورت وہ بے وقاف پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ کنواریوں کو غلافوں میں بند کر لیا اور گھروں کو چلے گئے۔ وہ استغفار کرتے
پرہیز کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو پکڑ پکڑ کر واپس گھر لے جاتے تھے اور عورتیں آکر اپنے بیٹوں کو لے جاتی تھیں
تھیں۔ آنے والے لشکر کے خوف سے لوگ گھبرا گئے تھے کہ کل کیا ہوگا۔ یہ لشکر تو کوفہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔
بے گناہ لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی گھروں کو چلے گئے۔

مسلم بن عقیل کی نماز کے بعد تنہائی

جب کوفیوں نے کوفہ میں مسلم سے دعا کی جو عہد کیا، ایک نے اُس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے، نہ محمدؐ سے حیا کی مظلوم پہ، بے کس پر مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دم مرگب دیا تشنہ دہن کو
کس قلم سے کلڑے کیا آوارہ وطن کو

ہانی بن عروہ کی گرفتاری کے بعد مسلم بن عقیل ہانی کے گھر نہ رہ سکے لہذا انہوں نے قیام کیا اور تمام قبائل و طوائف مسز سے ملحق ہو گئے۔ یہ لوگ غروب آفتاب تک جوش و خروش سے رہتے۔ پھر رؤسائے کوفہ درمیان میں آئے اور لوگوں کو شام کے لشکر، امن زیاد کی طاقت سے ڈرایا دھمکایا تو بزدل اور بے وفا لوگ واپس چلے گئے۔ شام کی نماز کے وقت جب مسلمؓ نے نماز پڑھائی خصوصاً جب نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو پیچھے مڑ کر دیکھا کہ جو جہوم مسجد میں اس قدر تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، سب چلے گئے ہیں۔ صرف ۳۰ آدمی باقی رہ گئے۔ آپ اٹھے اور مسجد سے باہر نکلے۔ باب الکندہ پہنچے تو صرف دس نفر رہ گئے۔ جب باب الکندہ سے باہر نکلے تو ایک شخص بھی ساتھ نہ تھا کہ آپ کسی کے گھر چلے جائیں یا وہ مسلم بن عقیل کی رہنمائی کرے۔ مسلم مسافروں کی طرح دیوار سے پشت لگا کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بیٹھ گئے اور کہا:

اے میرے اللہ! یہ کیا ہو گیا ہے اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ اس قدر کثیر لوگ کہاں چلے گئے کیوں انہوں نے بے وفائی کی۔ کوفہ کی گلیوں اور کوچوں میں مسافروں اور غریبوں کی طرح چلتے رہے اور کوئی منزل یا مخصوص مقام ٹھکانے کے لیے نہ تھا۔

دوسری طرف امام حسینؑ سے دُوری بہت از روہ کر رہی تھی کیونکہ احکامات نہ تھے اور سلطان حجاز کو بھی خط لکھ چکے تھے اور کوفیوں کی بے وفائی ظاہر ہو گئی کہ جب وہ گلیوں میں بے مقصد پھر رہے تھے تو شیخ مفیدؒ کی روایت کے مطابق ایک عورت کے دروازے پر گئے۔ ابی جعفرؑ کہتا ہے کہ بہت اچھا گھر بجلیل بلذنگ، کھلا مچن تھا جس کے دروازے پر عورت کھڑی تھی جسے طوعہ کہتے ہیں۔

ابن شہر آشوب اپنی مناقب میں لکھتے ہیں: یہ عورت پہلے محمد بن اشعث کی اُم ولد (کنیز) تھی پھر اس نے اُسید حمزری سے شادی کی۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بلال تھا۔ یہ بلال شوروغل کے وقت لوگوں کے ساتھ تھا اور بطور تماشا اُن میں شامل تھا، اس کی ماں اسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ کیوں کہ اس کا گھر آنا دیر سے ہوا تھا لہذا ماں دروازے پر کھڑی منتظر تھی۔ جناب مسلمؓ جب اس گھر کے پاس آئے تو عورت نے دُور سے سپاہی دیکھے تو مسلمؓ اس کے قریب ہوئے اور کہا: اے

حَبِیبُہؑ پانی دے تو خدا تجھے قیامت کی پیاس سے بچالے گا۔

تو خن ہو کر ٹھنڈا پانی دیا۔ جنابِ مسلمؑ نے پانی پیا اور تھکان کی وجہ سے اس جگہ کو بُہ اسن سمجھتے ہوئے وہاں

تھے۔ اے عبداللہ! یہ رات کا وقت ہے، حالات خراب ہیں، اپنے گھر چلے جاؤ۔ جنابِ مسلمؑ خاموش رہے اور
 حَبِیبُہؑ جواب نہ دیا۔

تو حَبِیبُہؑ میاں میں نے آپ سے کہا ہے کہ اٹھو اور اپنے گھر چلے جاؤ کیونکہ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔

حَبِیبُہؑ نے یہ سنا تو بھر گیا اور جواب نہ دے سکے۔ ”روضۃ الواعظین“ میں ابن الفارسی کی نقل کے مطابق طوعہ نے
 حَبِیبُہؑ سے عرض کیا: اللہ تجھے خیر دے اپنے بچوں کے پاس جاؤ۔ میں تمہارا یہاں بیٹھنا جائز نہیں سمجھتی۔

حَبِیبُہؑ نے جبکہ سے اُٹھے اور روتے ہوئے فرمایا: اے بی بی! میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں اور نہ میرے اہل و
 عیال مجھے آج رات اپنے پاس بطور مہمان ٹھہرائے تو خدا تجھے جنت میں جگہ دے گا۔

تو عرض کیا: تمہارا کیا نام ہے اور کس خاندان سے ہو؟

حَبِیبُہؑ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا: میں مسلم بن عقیل ہوں۔

تو حَبِیبُہؑ نے جب آپ کو پہچانا تو گھر میں آنے کی دعوت دی اور کہا: یہ گھر آپ کا ہے اور میں آپ کی کنیز ہوں۔

حَبِیبُہؑ اس کے گھر گئے۔ اس مومنہ اور صالحہ نے ایک علیحدہ کمرے کھول دیا اور بہترین بستر بنا دیا اور کہا: آپ
 یہاں رہیں۔ میں آپ کے لیے کھانا لاؤں۔ جنابِ مسلمؑ کمرے میں لیٹ گئے اور بی بی کھانے پینے کی اشیاء لاتی رہیں اور
 حَبِیبُہؑ رات بھر دعا کرتی اور خدا کا شکر ادا کرتی رہیں۔

حَبِیبُہؑ کا ہے: حضرت مسلمؑ کے خروج کی کیفیت اور لوگوں کا آپ کو تنہا چھوڑ دینا نیز جنابِ مسلمؑ کا طوعہ کے گھر
 سے مہر میں مہمان ٹھہرنا جیسے واقعات بہت سی تاریخی کتب میں موجود ہیں لیکن ملا حسین کا شفی نے روضۃ الشہداء
 میں اس ایک اور کیفیت سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

جب ہانیؑ کی گرفتاری اور ہانیؑ کو ضرب و شتم کرنے کی باتیں جنابِ مسلمؑ نے سنیں تو غضبناک ہوئے، اپنے
 چہرے پر غمی شریح کے گھر پہنچایا اور ایک لشکر اکٹھا کیا۔ تمام مجاہدین اہل بیتؑ جمع ہو گئے اور دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔
 مے کوڈ کے ساتھ محل کے اندر محفوظ مقام پر چلا گیا۔ دونوں طرف سے جنگ و جدال ہوا۔ حالت یہاں تک پہنچی
 کہ قریب تھا لیکن ابن زیاد نے چال چلی اور اکابرین کو قذہ درمیان میں آگے جنہوں نے لوگوں کو لکھو، ام

سے ڈرایا دھمکایا جس سے لوگ بد دل ہو گئے۔ اور اپنی قدیم عادت کے تحت بے وفائی کی اور جناب مسلم کو تنہا چھوڑ دیا کہ غروب سے پہلے سب لوگ چلے گئے۔ نماز کے بعد کوئی بھی نہ تھا۔ مسلم حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ سب نے بے وفائی کی۔ مسلم سوار ہوئے کہ کوفہ سے باہر چلے جائیں۔ ادھر سعید بن احف آئے اور کہا: سردار کہاں جاتے ہو؟ فرمایا: کوفہ سے باہر جاتا ہوں تاکہ کسی جگہ رات گزار سکوں۔ شاید بیعت کرنے والوں میں سے مجھے کچھ لوگ مل جائیں۔

سعید ابن احف نے کہا: خبردار! تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور تلاش کرنے والے آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ جناب مسلم نے فرمایا: اب کیا کروں؟

اس نے کہا: آپ میرے ساتھ آئیں تاکہ آپ کو جائے پناہ مل جائے۔ پس وہ جناب مسلم کو لے کر محمد بن کثیر سرائے میں پہنچے اور اسے آواز دی کہ یہ ہیں مسلم بن عقیل۔ محمد بن کثیر باہر بندہ دوڑتا ہوا آیا اور جناب مسلم کے ہاتھ پاؤں بوسہ دیا اور کہا: یہ کتنی عظیم دولت ہے جو مجھے ملی ہے اور کتنی بڑی سعادت ہے جو میرے گھر میں خود چل کر آئی ہے۔ پس محمد بن کثیر جناب مسلم کو اپنے گھر لایا اور مناسب مقام پر بٹھایا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اپنے گھر کے تہ خانہ میں جگہ دی لیکن جاسوسوں کی طرف سے ابن زیاد کو پتہ چل گیا کہ جناب مسلم محمد بن کثیر کے گھر ہیں۔

ابن زیاد نے اپنے بیٹے خالد کو ایک گروہ کے ساتھ بھیجا کہ محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے لائیں اور جناب مسلم کو اس کے گھر میں تلاش کریں اور جوں ہی ملیں دارالامارہ لے آئیں۔ خالد آیا اور محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے ابن زیاد کی طرف بھیج دیا۔ پھر گھر میں جس قدر تلاش کیا جناب مسلم کو نہ پایا۔

محمد بن کثیر کی گرفتاری کی خبر سے اس کی قوم اکٹھی ہو گئی اور ابن زیاد نے محمد بن کثیر کو اجازت دی کہ تم باہر چلے جا جب کہ تمہارا بیٹا یہاں رہے اور باہر جا کر اپنی قوم کو مطمئن کرو۔ محمد بن کثیر باہر آئے، اپنی قوم کو مطمئن کیا اور ان کو واپس کر دیا۔ محمد بن کثیر واپس گھر آئے تو مسلم کی خبر لی۔ رات کو سلیمان بن صرد خزاعی، مختار ثقفی، رقاء بن عازب اور بزرگان قوم آئے اور کہا:

اے بھائی! صبح اپنے بیٹے کو واپس لاؤ تاکہ مسلم کو لے کر کوفہ سے باہر نکل جائیں اور عرب کے قبائل میں جائیں۔ عظیم لشکر جمع کر کے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں اور ان کے ساتھ مل کر دشمنوں کے حرب پر کمر بستہ ہو جائیں۔ یہی چاہتا تھا کہ اتفاقاً عامر بن طفیل شام سے دس ہزار کا لشکر لے آیا اور محمد بن کثیر کو بلایا تو محمد بن کثیر نے اپنی قوم، نوکرانہ اور غلاموں سے کہا: مسلح ہو کر قعر دارالامارہ آئیں۔ یوں تقریباً ۳۰/۴۰ ہزار اشخاص نے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔

جب محمد بن کثیر آیا تو ابن زیاد نے کہا: کیا تمہیں اپنی جان پیاری ہے یا مسلم بن عقیل؟

اس نے جواب دیا: اے فرزندِ زیاد! پھر وہی بات کرتا ہے۔ مسلم کی جان کا خدا محافظ ہے اور میری جان حاضر ہے یہ

ساتھ ۴۰ ہزار تلواریں چلانے والے تیرے دارالامارہ کے ارد گرد کھڑے ہیں۔

لبن زیاد نے کہا: مجھے یزید کی جان کی قسم کہ اگر مسلم کو نہ دو گے تو تمہارا سرتن سے جدا کر دوں گا۔

محمد بن کثیر نے کہا: اے گندی عورت کے بیٹے! تیری یہ جرأت؟ تو میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر ابن زیاد کو جھکا سا لگا اور دوات اٹھا کر محمد بن کثیر کی پیشانی پر دے ماری اور وہ ٹوٹ گئی۔ ابن کثیر نے تلوار لی

تو زیاد پر حملہ کرنے لگا۔ کوفہ کے بزرگان جو وہاں بیٹھے تھے وہ درمیان میں ہو گئے اور تلوار اس کے ہاتھوں سے لے لی

محمد بن کثیر کی پیشانی سے خون جاری تھا۔ محل جاسوس نے مسلم کا پتہ چلا لیا تھا۔ وہ بھی کھڑا تھا، تلوار اٹھائی اور اس

کے سر پر دے ماری۔

لبن زیاد تخت سے اٹھا اور گھر چلا گیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ غلاموں نے ارادہ قتل کیا لیکن محمد بن کثیر

چاہے تھے اور دس آدمیوں کو مار دیا۔ آخر کسی چیز سے انک کر گر پڑے تو دشمن ان پر ہل پڑے اور ہر شخص نے ظلم کیا

محمد بن کثیر شہید ہو گئے۔

جب محمد بن کثیر کے بیٹے نے دیکھا تو اس نے تلوار کھینچی اور ہر سامنے آنے والے کو قتل کرتا گیا اور ایسی شجاعت دکھائی

کہ حضرت دشمن نے اس کی دلیری کی تعریف کی۔ اچانک ایک غلام نے پیچھے سے پشت میں نیز مارا جو سینے سے باہر نکل

یوں گرا اور شہید ہو گیا تو قصر کے اندر جوش آیا اور لشکر کی شکل میں باہر نکلا اور محمد بن کثیر کی قوم پر حملہ کر دیا۔ یوں شدید

شروع ہو گئی۔ قوم ابن کثیر نے لشکرِ شام کو پریشان کر دیا۔

لبن زیاد نے حکم دیا کہ تم لوگوں کی جنگ محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے سے ہے ان دونوں کے سرتن سے جدا کر کے قوم

کے دل دیں تاکہ وہ دل شکستہ ہو جائیں۔ پس دوسرے قوم کے سامنے پھینکے گئے۔ جب انھوں نے سروں کو دیکھا تو دل شکستہ

ہوئے اور رات کی تاریکی میں پیچھے ہٹنے لگے۔ جب عتق ثقفی نے یہ حالت دیکھی تو بنی سعد کے پاس گیا۔ سلیمان بن صرد

بنی زید کے محلے میں پہنچے اور رقاء بن عازب نے محلہ قاضی شریح میں پناہ لی جو شیعوں کا اکثریتی محلہ تھا۔ جب مسلم نے

محمد بن کثیر اور اس کے بیٹے کی شہادت کا سنا تو بہت مغموم و محزون ہوئے اور غضبناک ہو کر ان کے گھر سے نکلے۔ پھر دروازہ

کھولا تاکہ کوفہ سے باہر چلے جائیں کہ اچانک دو ہزار کے لشکر نے جن کا سربراہ ابن زیاد کا بیٹا تھا، نے مسلم کو دیکھ لیا

تو تم کون ہو؟

مسلم نے کہا: میں فزارہ قبیلہ سے ہوں اور اپنے قبیلہ میں جانا ہے۔

لشکر نے کہا: واپس جاؤ اس طرف تمہارا راستہ نہیں۔

مسلم واپس آئے اور دارالریع پہنچے تو دیکھا پسر ابن زیاد دو ہزار کالشکر لے کر کھڑا تھا لہذا وہاں سے دوسری طرف گئے۔ وہاں حازم شامی کھڑا تھا تو وہاں سے دلیری سے گزرے۔ جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو باب کناسہ کے محافظ نے جناب مسلم کو دیکھا کہ گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے ہیں، زرہ پہنی ہوئی ہے، قیمتی تلوار حائل کی ہوئی ہے، شجاعت اور بہادری ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ محافظ کے دل میں خیال آیا: یہ شخص بنی عقیل ہوگا۔ وہ فوراً ابن زیاد کے پاس پہنچا۔ پسر ابن زیاد کے حاجب نعمان سے کہا: میں نے مسلم کو دیکھا کہ وہ بصرہ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ نعمان پچاس سواروں سے اس طرف حملہ آور ہو گیا۔ جناب مسلم نے ان لوگوں کو دیکھ لیا۔ آپ نے گھوڑے کو اپڑ لگائی تاکہ باہر نکل جائے لیکن ایسی گلی میں چلے گئے جو آگے سے بند تھی، اس کوچہ میں ایک دیران مسجد دیکھی تو مسجد میں آ کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ حاجب آگے نکل گیا اور مسلم کو تلاش نہ کر سکا۔ چنانچہ واپس ابن زیاد کے بیٹے کے پاس گیا اور واقعہ سنایا تو ابن زیاد کے بیٹے نے دروازہ کا چہرہ سخت کرنے کا حکم دیا اور شہر میں اعلان کروایا کہ جو کوئی مسلم کی خبر یا مسلم کا سر لائے گا تو اسے مال دنیا سے تو انکر کر دوں گا، لوگوں نے تلاش شروع کر دی۔ مسلم بن عقیل دیران مسجد میں بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب رات ہوئی تو مسجد سے باہر آئے جبکہ نہ جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔ اپنے آپ کو کہہ رہے تھے کہ دشمنوں میں گرفتار اور امام حسین علیہ السلام کی خدمت سے برکنار ہوں۔ کوئی ہم راز نہیں جس سے غم بانٹوں اور نہ کوئی ذریعہ ہے کہ امام حسین کو درد بھرے حالات کا خط لکھوں۔

جناب مسلم حیران و پریشان اس محلہ میں چل رہے تھے، اچانک دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر کے دروازے پر بیٹھی تسبیح ہاتھ میں ہلا رہی ہے اور ذکر الہی کا ورد زبان پر جاری ہے۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا۔ جناب مسلم نے کہا: اے اللہ کی کنیز! اگر ہو سکے تو پانی پلا دے تاکہ خدا تمہیں قیامت کے دن پیاس سے بچائے۔ میں شدید پیاسا ہوں۔

طوعہ نے خلوص سے جواب دیا: کیوں نہیں، وہ اسی وقت اندر گئی اور پانی کا جام بھرا لائی۔ مسلم نے پانی پیا اور وہاں ہی بیٹھ گئے۔ چونکہ تھکے ماندے تھے اور جانتے تھے کہ ہزاروں افراد انہیں تلاش کر رہے ہیں کہیں گرفتار ہو جائیں گے۔ طوعہ نے کہا: آج کل شہر کے حالات خراب ہیں لہذا یہاں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔

جناب مسلم نے کہا: اے میری ماں! میرا گھر اور خاندان یہاں نہیں۔ اگر مجھے آج کی رات مہمان بنا لے تو خدا تمہیں

دے گا۔

وعد نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے اور کس قبیلہ سے ہو؟

جناب مسلم نے فرمایا: مجھ ستم دیدہ، ظلم زدہ غریب سے کیا پوچھتی ہو؟

وعد نے پوچھنے میں اصرار کیا تو جناب مسلم نے کہا: میں مسلم بن عقیل، امام حسین کا چچا زاد ہوں۔ کوفیوں نے مجھ سے

سُنا ہے اور مجھے آزمائش میں ڈال دیا اور خود صحیح و سالم گھروں میں چلے گئے ہیں جب کہ میں اس عجلہ میں آ گیا ہوں،

میں نہیں کہ کہانی جاؤں، لیکن امام حسین کی یاد سے غافل نہیں ہوں کہ ان سے یہ لوگ کیا کریں گے؟

وعد کو جب علم ہوا کہ یہ مسلم بن عقیل ہیں تو اُس نے جناب مسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوما اور فوری طور پر گھر لے

آئے۔ میں پاک و پاکیزہ بستر لگا دیا اور کھانا کھلایا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر بجالائی۔

عقیل کی گرفتاری

جب جناب مسلم نے تنہا اور غریب ہو جانے کے بعد ایک مومنہ صالحہ عورت طوعہ کے گھر پناہ لی اور طوعہ نے مہمان کی

حد تو حضرت عبادت اور راز و نیاز میں مشغول ہو گئے۔

حضرت الواعظین کی روایت کے مطابق جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ لوگ جناب مسلم کو چھوڑ گئے ہیں تو اپنے

گھر سے کہا: جھٹ سے دیکھو کہ مسلم کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے؟ جب انھوں نے دیکھا تو کوئی شخص بھی نظر نہ آیا۔ وہ

خبر ہو اور حکم دیا کہ محل کے دروازے کھول دو اور مسجد کو شمعوں اور مشعلوں سے دن کی طرح روشن کر کے لوگوں کو نماز

پہنچاؤ۔ پھر ابن زیاد اپنی طاقت اور شکوہ کے ساتھ مسجد میں آیا، تمام اشراف اور رؤساء جمع ہوئے۔ ہر شخص اچھے

کپڑے پہنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے رہا تھا۔ دوسری طرف حصین بن تمیم شہر کی حفاظت اور نگہبانی میں مشغول تھا۔

حذیفہ بن یمان پر آیا۔ اس کے غلام جنگلی اسلحہ اور آمادہ نگواروں سے اس کے دائیں اور بائیں حفاظت کے لیے موجود تھے۔ ابن

زبیر بن جراح نے انداز میں تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ ابو الفتوح کی نقل کردہ روایت کے مطابق ابن زیاد نے دائیں بائیں نظر دوڑائی

مگر جو غور سے دیکھا کہ تمام رؤساء کو نہ موجود تھے۔ پھر اپنے غلاموں کو دیکھا کہ تمام نگواریں نکال کر کھڑے ہیں۔

حذیفہ بن یمان نے ارشاد میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص نماز عشاء مسجد کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔ لہذا

بیت زیادہ بجوم اور اژدحام ہو گیا۔ اس ملعون نے خطبہ کے بعد کہا:

اے نبی! تم نے دیکھا کہ مسلم بن عقیل نے اپنی ناسمجھی سے کس قدر فتنہ اور آشوب برپا کیا اور گمراہ ڈالا۔ الحمد للہ وہ

سب لوگ مسلم کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ لوگو! یہ سن لو کہ جس نے مسلم کو اپنے گھر بنا دیا وہ میری پناہ سے خارج ہے۔ جس نے اس کے متعلق کوئی معلومات دیں کہ کہاں اور کس مقام پر ہے، اسے بہت سزا انعام دیا جائے گا۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اے لوگو! خدا سے ڈرو، اپنی بیعت اور اطاعت پر قائم رہو اور اپنے آپ پر رحم کرو۔ پھر حصین بن حمیم کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا: تو نے کوچہ و بازار اور گھروں کی صحیح طرح تلاشی نہ لی تو تیری ماں کے بین بلند کراؤں گا۔ تجھ پر بڑا حیف ہوگا کہ اگر مسلم کہیں فرار کر گیا۔ پس مسلم کو گرفتار کرو اور میرے پاس لاؤ، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس گھر میں اس کے ہونے کا گمان ہو اس میں داخل ہو کر گرفتار کرو اور یہ کہہ کر منبر سے اتر گیا۔

حصین بن حمیم نے ایک گروہ کو شہر بھر کے گھلوں میں، چوراہوں میں، سر بازار مقرر کیا اور خود ایک جماعت کے ساتھ۔ گھر جس میں جناب مسلم کے ہونے کا امکان تھا، جا کر تفتیش شروع کر دی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ادھر حضرت مسلم بن عقیلؓ کے گھر راز و نیاز اور عبادت الہی میں مشغول رہے۔

صاحب روضۃ الواعظین نے کہا: ابن زیاد کی تقریر سن کر اس طوع کا بیٹا بلال اپنے گھر آیا، اس کے ذہن میں مسلمؓ کی تلاش تھی کہ جو خبر دے گا اس کو انعام ملے گا۔ اس نے رات کو ماں کو بہت خوش اور دوسرے کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو کہہ اے اماں! آج آپ کی حالت عجیب ہے، کمرے میں بار بار آمد و رفت ہے چہرے پر خوشی کے آثار ہیں۔ اماں خیریت تو ہے طوع نے کہا: ہاں خیریت ہے۔

بیٹے نے اصرار کیا کہ آپ اُس کمرے میں بار بار آ جا رہی ہیں، یہ کیوں؟ طوع حقیقی واقعہ بتانا نہیں چاہتی تھی لہذا وجہ بتانے سے انکاری تھی۔ بیٹے کی طرف سے اصرار اور ماں کی طرف سے انکار ہوتا رہا۔ بالآخر طوع نے سمجھا کہ بتائے بغیر چارہ نہیں لہذا کہا: اے میری آنکھوں کے نور! تمہیں بتاتی ہوں لیکن کسی کو خبر نہ دیا۔

اس نے کہا: بتاؤ اماں! میں کسی نہیں بتاؤں گا۔

طوع نے کہا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! یہ بزرگوار جناب مسلم بن عقیلؓ ہیں اور انھوں نے مجھ ضعیفہ کے گھر بنا دیا ہے۔ میں نے ان کو امان دی ہے اور ان کی خدمت کر رہی ہوں تاکہ خدا مجھے اجر عظیم عطا فرمائے۔

بیٹے نے یہ سنا تو خاموش رہا اور بستر پر لیٹ گیا۔ جناب مسلم بن عقیلؓ اپنی عبادت و اطاعت کے وظائف اور اذان کرنے کے بعد تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے بستر پر لیٹ گئے۔ سارے دن کی تھکان کی وجہ سے نیند آگئی۔ سوتے میں دُور پریشاں خواب دیکھے تو اٹھ بیٹھے اور اپنے امام حسینؓ سے دُوری، اہل و عیال سے دُوری، دلوں کی سختی اور زمانے کی

اور سر پر تاج رکھا جائے اور بلال عمدہ ترین گھوڑے پر سوار ہو کر تمام سپاہیوں کے آگے آگے طوعہ کے گھر کی طرف روانہ ہو۔ جب یہ لشکر طوعہ کے گھر کے قریب پہنچا تو طوعہ نے لوگوں کی صدائیں اور گھوڑوں کے جھینانے کی آوازیں سنیں تو دوڑ کر حضرت مسلم بن عقیل کے پاس آئی اور انہیں اس شور و غل اور گھوڑوں اور تلوار کی آوازوں کا بتایا۔

جناب مسلمؓ نے فرمایا: اے ضعیف! آپ پریشان نہ ہوں وہ سب میرے طالب ہیں، وہ میری گرفتاری کے لیے ہیں اور پھر اپنے آپ سے کہنے لگے:

يَا نَفْسِي تَهَيَّيْ لِلْمَوْتِ فَإِنَّهُ خَاتِمَةُ بَنِي آدَمَ

”اے مسلم! موت کے لیے تیار ہو جاؤ، ہر زندہ نے مرنا ہے اور بنی آدم کا ایک اختتام ہے۔“

پھر جناب مسلمؓ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا: مادر مجھے اپنا اسلحہ دو۔ طوعہ نے کانپتے ہوئے خود اٹھا کر دی اور وہ مسخر غریب و تنہا نے اسے اپنے سر پر سجایا، پھر زرہ پہنی، تلوار حائل کی اور ڈھال کو پشت پر رکھا اور پھر تلوار کو نیام سے نکال کر لہر لپٹے۔ طوعہ نے عرض کیا: سَيِّدُ أَمْرِكَ تَتَّاهَبُ لِلْمَوْتِ، کیا موت کے لیے تیار بیٹھے ہو۔

جناب مسلمؓ بن عقیل نے فرمایا: أَيْجَلُ لَدَيْدًا مِنَ الْعَرَبِ

پھر فرمایا: اے مادر! آپ نے مجھ پر احسان کیا اور تنگی کی، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایسی زیادہ کے سپاہیوں نے طوعہ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ مسلم سلام اللہ علیہ طوعہ سے خدا حافظی اور تشکر کے بعد مسلح ہو کر پھرے ہوئے شیر کی طرح اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور سپاہ ابن زیاد پر حملہ کر دیا۔ اس وقت لشکر کی محکم خانہ میں داخل ہو چکے تھے۔

مرحوم مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: جب جناب مسلمؓ نے آتشیں تلوار سے بے نسلوں کی زندگیوں کو تیغ بدر لغ سے جدۃ شروع کیا اور بھوکے شیر کی طرح بھیڑوں کے گلے میں حملہ آور ہوئے تو کشتوں کے پشے لگا دیے اور ایک حملہ میں ان تمام بے شرم سپاہیوں کو طوعہ کے گھر سے نکال دیا۔

ابو جحف نے لکھا ہے کہ جناب مسلمؓ نے طوعہ کی طرف توجہ کی اور فرمایا: اے اماں! اخشی یہ جموا علی انا فی داراک مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھ پر آپ کے گھر میں دوبارہ حملہ کریں گے اور آپ کے گھر کی چار دیواری کا تقدس پامال ہوگا لہذا اب میں گھر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرتا ہوں۔

طوعہ نے رو کر کہا: میں آپؓ پر قربان ہوں اگر آپؓ شہید ہو گئے تو میں بھی جان قربان کر دوں گی اور شہید ہو جاؤں گی۔ مؤلف کہتا ہے: شجاع اور دلیر لوگ کئے میدانوں اور مقامات پر جہاں دوڑنا، آگے بڑھنا اور ادھر ادھر جانا ممکن۔

جنگ کرتے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ وہ تنگ، بند اور چھوٹے مکانات میں شجاعت نہیں دے سکتے۔ اس لیے جنابِ مسلم طوعہ کے گھر سے نکلنا چاہتے تھے۔ وہ دروازے پر آئے اور اسے اکھاڑا۔ پھر اس دروازے کو ہاتھ پر اٹھالیا۔ پھر وہ جاتا ہے کہ مسلم بن عتیل کے بازو بہت وسیع اور کندھے مضبوط تھے۔ جو شخص ان کے مقابل اور سامنے جاتا تو غیرت سے اُن کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے اور نیزوں کی طرح کپڑوں سے باہر نکل آتے اور وہ اس کیفیت میں حملہ کرتے تھے۔

پسے دو حملوں میں پچاس سپاہی فی النار والسر ہو گئے اور باقی لومڑیوں کی طرح کہ (جب ان پر شیر حملہ کرتا ہے)۔

حرمہ مکان کی چھت پر چڑھ گئی اور مسلم کو شجاعت و دلیری کی ترغیب کرتی رہی۔

جب محمد بن اشعث نے جنابِ مسلم کی شجاعت اور جرات کو ملاحظہ کیا تو ابن زیاد سے قاصد کے ذریعے مزید کمک تن زیادنے پانچ صد سپاہی اور بھیج دیئے۔ جب تازہ سپاہ آئی تو ابن زیاد کا لشکر تازہ دم ہو گیا اور مسلم غریب پر حملہ کیا۔ جنابِ مسلم نے خدا پر توکل کرتے ہوئے شدید حملہ شروع کیا اور ان بے غیرتوں کو کثرت سے بے تیق کیا نیز متفرق ہوئے۔

ابن اشعث نے ابن زیاد کو پھر قاصد بھیجا کہ ادھر کنی بالخیل والرجال اے امیر! گھوڑے پر سوار اور سپاہی بھیجو۔ ستر نے کثرت سے سپاہی قتل کر دیئے ہیں۔ کیا کہوں اس کا ہاتھ بارش والے بادل، اس کی تلوار برق رفتار، اس کا نعرہ بلند، اس کا نیزہ و شہاب کو جلانے والا، اس کا حملہ مغلوں کا قاتل، اس کی جرأت دریائے نیل کی موجوں کی طرح اور اس کی جھون دیر کو کھا جانے والی ہے۔

تو ابن زیاد نے عمدہ ترین لشکر ترتیب دے کر بھیجا مگر ساتھ ہی محمد بن اشعث کو پیغام بھیجا کہ شکلتک املک قومک واحد یقتل منکم هذه المقتله۔ تیری ماں تیرے غم میں مرے اور تجھے قوم اپنے اندر نہ رکھے۔ یہ شخص اس قدر سپاہیوں کو قتل کر سکتا ہے؟

محمد بن اشعث نے جواب دیا کہ اے امیر! تمہارا خیال ہے کہ کوفہ کے کسی سبزی فروش یا قالین باف سے جنگ ہے۔ تمہیں خستہ اور دلیر و مظفر ہے، وہ صمد ہے جس کو جنگی تجربہ ہے اور وہ رسول اللہ کے خاندان کی تلواروں میں سے ایک ہے۔

”آؤ ابن زیاد (خو) دیکھو کہ وہ انتقام کی تیغ اس طرح ذلت کی خاک پر بہاتا ہے۔“

ابن زیاد نے پانچ صد نفر مزید بھیجے اور پیغام دیا کہ اگر اس شجاع پر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تو اسے امان دے۔ اس کے ساتھ عہد و پیمان کرو کہ اب تمہارا خون کوئی نہیں بہائے گا۔ اگر اس کو امان کا دھوکہ نہ دیا تو تمہاری ساری فوج۔۔۔ جائے گی اور تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

یہ بات محمد بن اشعث تک پہنچی تو اُس نے چارہ یہی دیکھا، لہذا فریاد کی: اے مسلم! اے شجاع! اپنے آپ کو وہ جگہ میں نہ ڈالو، جنگ بند کرو کیونکہ تم ایک آدمی ہو کر کیا کر سکتے ہو، جب کہ ہمارے جس قدر افراد کم ہوں گے اس سے دشمن آجائے گی اور بالآخر تم گرفتار ہو جاؤ گے۔ آؤ ابھی آپ کو امان دیتے ہیں اور ابن زیاد کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ دانستہ تقصیر کو معاف کر دے اور تمہارا سر بلند ہو جائے۔

مسلم بن عقیل نے فرمایا: اے ملعون! مجھے ابن زیاد کی امان کی ضرورت نہیں۔ یہ جھوٹ ہے اور میں تیرے فریب میں نہیں آ سکتا کیونکہ کوئی سے وفا کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ فرمایا اور ابن زیاد کی فوج پر حملہ کر دیا اور کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔

ابو حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں لکھا ہے: سپاہ ابن زیاد جناب مسلم سے جنگ میں تھک گئے لہذا بعض بچی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور چھتوں سے پتھر مارنے شروع کر دیے۔ انہوں نے جناب مسلم کے جسم پاک کو پتھروں سے اینٹوں سے مار مار کر زخمی کر دیا۔

جناب مسلم اپنے آپ سے کہنے لگے: اے جان! موت کے لیے تیلہ ہو جا کہ دشمنوں کے دفاع میں کوشش، موت، شہرت پینے اور شہادت کا لباس پہننا ہمیشہ کی دولت اور سعادت ہے۔

مسعودی اور ابوالفرج لکھتے ہیں: جب مسلم بن عقیل نے دیکھا کہ ان نااہلوں اور نامردوں نے چھتوں سے پتھر اینٹیں مارنی شروع کر دی ہیں اور کچھ لوگ چھتوں سے بدن مبارک مسلم پر آگ پھینک رہے ہیں تو فرمایا:

کیا یہ فرزند عقیل کا خون بہانا چاہتے ہیں؟ اے نفس! موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے پھر حملہ شروع کیا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آزاد مردوں کی طرح شہید ہوں گا۔ اگرچہ موت کو ایک ناپسندیدہ زہر سمجھا جاتا ہے۔ میں لڑوں، قتل کروں گا اور اپنے نقصان سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔

اس شیر صدر کی شجاعت و قوت اس حد تک تھی کہ بڑے بڑے بہادروں کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر چھتوں پر پھینک دیتے تھے۔ بہر حال اس روز دلاوری اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ آج تک کسی نے ایسی شجاعت نہ دیکھی تھی۔ ان سپاہیوں

تو ہر مسلمان اور باطن کافر تھے، خدا نے اس قدر ہمت چھین لی کہ کوئی شخص جناب مسلم کے قریب تک نہ جاتا تھا، فقط عازبے ہو کر نیزے اور تیر مارتے تھے اور چھتوں سے پتھر اور اینٹیں مارتے تھے جب کہ کچھ لوگ چھتوں سے آگ برساتے تھے اس قبیح اور بزدلانہ عمل کو جاری رکھا کہ تیروں کی کثرت اور سنگ باری کی شدت نے سفیر حسینؑ کے جسم کو نڈھال کر دیا۔ آپؑ نے تھک کر دیوار کی ٹیک لگائی اور فرمایا: اے بے حیا لعینو! پتھر ایسے مار رہے ہو جیسے کفار کو مارے جاتے ہیں۔ میں مسلمان ہوں اور تمہارے رسولؐ کی اہل بیتؑ سے ہوں۔ کیا اپنے پیغمبرؐ کا احترام اور اس کی عزت کے لیے سوک کر کے کرتے ہو۔

علاء حسین کا شفی نے روضۃ الشہداء میں لکھا ہے کہ اچانک ایک حرام زادے نے ایک پتھر مارا جو جناب مسلمؑ کی پیشانی پر خون جاری ہو گیا تو آپؑ نے مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا: یا بن رسول اللہ! کیا آپؑ کو خبر مل گئی ہے کہ آپؑ کے سر پر کیا گزری لیکن مجھے ان سے خوف نہیں۔ اچانک دوسرا پتھر جناب مسلمؑ کے لیوں اور دندان مبارک پر لگا اور خون جاری ہو گیا اور دامن خون سے آلودہ ہو گیا۔

نزد ہو اس شدہ کے ہر اول پہ لکا یک
تکوار سے کٹ کر گرے، لب ہائے مبارک
پہلو پہ لگیں، بر چھیاں اور چھاتی پہ ناوک
دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر چلے یاں تک
آلودہ تھی سب ریش مبارک جو لبو سے

چھاتی پہ ٹپکتا تھا لبو ہر بن مو سے

حضرت مسلمؑ بن عقیل بہت زیادہ زخموں کی وجہ سے بکر بن حران کے گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تاکہ خون دور کر سکیں لیکن وہ ایک سرائے سے لکلا اور جناب مسلمؑ کے سر پر تکوار ماری، جس سے اوپر والا ہونٹ کٹ گیا اور دو ہڈی شید ہو گئے۔ مسلمؑ نے فوراً بکر پر تکوار ماری اور اس کا سر دس قدم دور جا کر گرا۔ پھر دیوار سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔

اے اللہ! مجھے پانی کا ایک کھونٹ مل جائے۔

بہر صورت ابی حنف کے بقول کوفیوں نے ایک حیلہ کیا اور جناب مسلمؑ کے راستہ میں ایک گڑھا کھودا اور اسے خس و خاشاک سے ڈھانپ دیا۔ پھر جب جناب مسلمؑ پر حملہ کیا تو یہ حیلہ کرنے والے پیچھے ہٹے گئے اور مسلمؑ لڑتے لڑتے آگے بڑھے، اچانک آپؑ اس گڑھے میں گر گئے۔ دشمن کے تمام سپاہی اوپر سے حملہ آور ہو گئے اور جناب مسلمؑ کو گڑھے سے باہر نہ نکال سکے۔ محمد بن اشعث نے تکوار کا حملہ کیا جس سے جناب مسلمؑ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور لب کٹ گئے اور دندان خارج ہو گئے۔

گڑھے والی روایت بعض مؤرخین نے نہیں لکھی بلکہ ابن اشعث کے امان دینے کے وعدے پر مسلم چونکہ تھک چکے تھے اور جانتے تھے کہ ایک شخص پورے شہر سے کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ تو پوچھا کیا واقعی امان ہے، دھوکا تو نہیں؟ اس نے کہا: خدا اور رسول ضامن ہیں اور تمام سپاہیوں کو کہا: گواہ رہو میں نے مسلم کو امان دی ہے۔

سپاہیوں نے کہا: ہم گواہ ہیں اور ہمیں قبول ہے مگر عبد اللہ بن سلمیٰ نے کہا: نہ میرے پاس آؤٹ ہے اور نہ خنجر اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ پس خنجر لایا گیا اور زخمی اور تھکے ماندے مسلم کو سوار کیا۔ دشمن نے سب سے پہلے مسلم کی تلوار چھپائی اور بھاگ گئے۔ اس وقت جناب مسلم اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے کیونکہ نہ تلوار رہی اور نہ تلوار چلانے والے ہاتھوں میں طاقت رہی۔ حضرت روئے اور آنسو جاری ہو گئے تو فرمایا: یہ تمہارا پہلا دھوکا ہے کہ میری تلوار چھپائی۔

محمد بن اشعث نے کہا: مجھے امید ہے کہ آپ کو امان ملے گی۔

جناب مسلم نے فرمایا: میں خدا کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!
عبد اللہ سلمیٰ نے طعنہ دیتے ہوئے کہا: جو حکومت بنانے کا ارادہ رکھتا ہو اور حکومت کے لالچ میں اس شہر آیا ہو تو وہ روتا نہیں اور قتل ہونے سے ڈرتا نہیں، آپ کے رونے کا کیا فائدہ؟

جناب مسلم نے فرمایا: اے حرام زادے! میں اپنی جان کے لیے نہیں رو رہا، شہادت ہماری وراثت ہے۔ میں تو امام حسینؑ کے لیے رو رہا ہوں جو کوفہ کی طرف آرہے ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ پردے دار اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، جو چند دنوں میں کوفہ پہنچنے والے ہیں جنہیں میں نے آنے کا مشورہ دیا ہے۔

پھر حضرت مسلمؑ نے دل شکستہ ہو کر محمد بن اشعث سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! مجھے لگتا ہے کہ ابن زیاد تیری دی گئی امان کو قبول نہیں کرے گا اور تو میری نگرانی اور حفاظت سے عاجز ہوگا۔ اس لیے ایک ضروری کام اور ابھی کوئی قاصد بھیج کر امام حسینؑ تک میرا پیغام پہنچا دے اور میری حالت انہیں بتا دے تاکہ وہ اس شہر کی طرف نہ آئیں کیونکہ قاصدان کو اس حد تک بتائے کہ میں نے مسلم کو قیدی دیکھا ہے (وہو اسیر فی ایدی القوم)

محمد بن اشعث نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسا ضرور کروں گا اور تم دیکھو گے کہ ابن زیاد کے پاس کس طرح سفارش کرتا ہوں اور تمہیں ہرگز زند سے کیسے محفوظ رکھتا ہوں۔

مرحوم سید ابن طاووس اپنی کتاب لبوف میں لکھتے ہیں: حضرت مسلمؑ نے محمد ابن اشعث کی امان کو قبول نہ کیا اور شدید زخمی ہونے کے باوجود جنگ کرتے رہے اور اسی دوران کسی ملعون نے پشت پر ایسا سخت نیزہ مارا کہ منہ کے بل گر گئے تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت فخر مرزا نے اپنی کتاب مقام ذخائر میں لکھا ہے کہ محمد بن اشعث نے جناب مسلم کا پیغام ایاس بن عسل
سے نہ تک پہنچایا جس پر امام حسینؑ نے فرمایا:

قَتَلَهُ قَتِيلٌ نَحْنُ مِنَ اللَّهِ نَحْتَسِبُ أَنْفُسَنَا وَفَسَادُ أُمَّتِنَا

”میں نے قتل کر دیا ہے وہ تو ہوگا اور میں نے اپنی شہادت کو اُمت کی بغاوت کے باوجود اللہ پر چھوڑ
دیا ہے۔“

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں لکھتے ہیں: حضرت مسلم بن عقیل بھوک اور پیاس کی وجہ سے بڑھ چلا ہوئے اور غشی
ہو گئی۔ سامنے ایک پانی کا برتن پڑا جس سے ہر شخص پانی پی سکتا تھا۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا: اِسْقُونِي مِنْ هَذَا الْمَاءِ
مجھے بھی یہ پانی پلا دو۔ تو مسلم بن عمرو نے پکارا: اے مسلمؑ! یہ تو ٹھنڈا پانی ہے آپ کو زقوم پلانا چاہیے۔
جناب مسلمؑ نے فرمایا: لعنت ہو تم پر، تو کون ہو کہ حرمتِ پیغمبرؐ کو یہ جواب دے رہا ہے۔

اس شخص نے کہا: میں وہ شخص ہوں جو حق کو جانتا ہوں لیکن تم نہیں پہچانتے۔ میں اُمت کے سامنے واضح کر رہا ہوں اور
جو کچھ کر رہے ہو۔ میں اپنے اولی الامر کی اطاعت کر رہا ہوں اور تم مخالفت اور معصیت کر رہے ہو۔
حضرت مسلمؑ نے فرمایا: تم کس قدر سخت دل اور کس حد تک بے حیا ہو۔

جناب شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: چونکہ کسی شخص نے جناب مسلمؑ کو پانی نہ دیا تو عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو پانی
دیا وہ پورہ غلام پانی کا پیالہ بھر لایا۔ حضرت مسلمؑ نے جب پیالے کو منہ سے لگایا تو اِمْتَلَى الْقَدْحُ دَمًا ”پیالہ خون سے
پُر ہو گیا۔“ مسلمؑ نے اسے اٹھ لیا۔ دوسرا پانی کا پیالہ دیا گیا اور آپؑ پینے لگے لیکن زخموں سے خون پانی میں شامل ہو گیا جس
سبب سے وہ پانی بھی زمین پر بہا دیا۔ جب تیسری مرتبہ پانی پینے لگے تو دندانِ مبارک اس پانی میں گر گئے اور خون سے پیالہ
پُر ہو گیا۔ اب مسلمؑ نے پانی نہ پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بہر صورت اس شجاعتِ پیشہ شیر کو بعدِ طوق و زنجیر سے قیدی کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔
دلعوی کہتا ہے کہ وہ دلی قوت جو میں نے مسلمؑ کی دیکھی وہ یہ ہے کہ جب ابن زیاد کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا، کسی اور کی
جست و آج تک یوں نہیں دیکھی کیونکہ جب وہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچے تو اس کی ذرا بھی پروا نہ کی اور نہ اُسے سلام کیا۔

حضرت مسلمؑ بن عقیل اور ابن زیاد کی تلخ کلامی

طبری نے اپنی کتاب ”مختار تاریخ“ میں لکھا ہے کہ جب مسلمؑ بن عقیل کو اس ملعون ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا

تولانے والوں نے کہا: اے مسلم! سَلِّم الامیر ”کہ امیر کو سلام کرو“۔ حضرتؑ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ مِّنْ اَتْبَعَ الْهُدَىٰ وَخَشِيَ عَوَاقِبَ الرَّدِّی وَاطَاعَ الْمُلْکَ الْاَعْلٰی یعنی مرجانہ کا بیٹا ابن زیاد سلام کرنے کا اہل نہیں۔ سلام اس پر کیا جاتا ہے جو ہدایت کے تابع ہو اور عاقبت سے خائف ہو اور میں تمام بادشاہوں کے بادشاہ خدا کی اطاعت کرنے والا ہوں۔

ابن زیاد نے اس غریب کی حالت کو دیکھا ادھر اپنے جاہ و جلال، شان و شوکت کو دیکھا تو اس انداز سلام پر قہقہہ لگایا۔ حاجیوں کی طرف سے پیغام آیا کہ اے مسلم! ابن زیاد آپ سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے کہ قہقہہ لگا رہا ہے اسے کیوں ایسے۔ کا سلام نہیں کرتے؟

مسلم بن عقیل نے فرمایا: مَالِیْ اَمِیْر غَیْبِ الْخُسَیْنِ ”میرا حسینؑ کے علاوہ کوئی امیر نہیں۔“

ابن زیاد نے کہا: اے فرزند عقیل! تم اس لیے کوفہ آئے ہو کہ لوگوں میں اختلاف ڈال دو اور مسلمانوں کا خون بہا:

اور بعض کو ترجیح دو اور بعض کی تردید کرو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جناب مسلمؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے یہ کام اپنی صوابدید سے نہیں کیا بلکہ اس شہر کے لوگوں کا خیال ہے کہ تیرے

باپ زیاد نے کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں کا قتل عام کیا اور محض چند لوگ باقی بچے اور قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کی طرح حکومت کی اور ایک طرح شریعت اور آئین محمدیؐ کو اٹھایا۔ ان لوگوں نے ہمیں چاہا ہے اور اپنے عجز و انکساری کا اظہار یہ ہمیں خطوط لکھے۔ ان خطوط میں اپنی تکالیف اور دکھوں کی وضاحت کی ہے۔ ہم یہاں اس لیے آئے تاکہ لوگوں کو عدل و انصاف قائم رکھنے میں رہنمائی کریں اور کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر سب لوگوں کو عمل کرائیں۔

ابن زیاد ناپاک نے کہا: اے مسلم! تمہاری اس قدر اہمیت نہیں کہ اتنا بڑا کام (عدل و انصاف کا قیام، اور کتابِ خدا

سنتِ رسولؐ پر عمل) کر سکو۔ اے فاسق (نعوذ باللہ) کیوں لوگوں کو کتابِ خدا پر عمل نہ کرنے دیا حالانکہ تم مدینہ میں شراب پیتے تھے اور کوفہ میں امامت کرانے آ گئے ہو۔

حضرت مسلم سلام اللہ علیہ نے فرمایا: اے ظالم! کیا میں شراب پیتا ہوں؟ تو خود جانتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے اور اب

کام کو دوسروں کے ذمے لگا رہا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا رہا ہو اور نفوسِ محترمہ کو مسلسل قتل کرتا رہا ہو، اُسے والوں کو ٹکفیس پہنچاتا رہا ہو اور مسلمانوں کو لوٹتا رہا ہو اس شخص سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ جھوٹ یا بُرے گمان کو کسی مسلمان کے نام لگائے۔

ابن زیاد نے کہا: اے فاسق (نعوذ باللہ) تمہارا دل بڑا چاہتا تھا کہ کوفہ میں حکومت کروں اور تختِ حکومت پر بیٹھوں۔

لیکن خدا نے تجھے اس رتبہ سے محروم رکھا ہے۔

حضرت مسلمؓ نے فرمایا: اے بے دین! اگر ہم خلافت کے اہل نہیں تو پھر کوئی بھی خلافت کے لائق نہیں۔
 تن زیاد نے کہا: آج خلافت اور بادشاہی کی لیاقت یزید میں ہے۔ تم پر یزید کی اطاعت کرنا واجب ہے۔
 حضرت مسلمؓ نے فرمایا: میں صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے اور اللہ بہترین فیصلہ دے گا۔

تن زیاد نے کہا: اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے۔
 حضرت مسلمؓ نے فرمایا: تو اسلام میں بدعت ڈالنے کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ آج تک جو کچھ تم نے چاہا ہے وہ کیا ہیے کرتے رہو گے۔

تن زیاد نے دیکھا کہ مسلم بن عقیل کی زبان کو خاموش نہیں کیا جاسکتا تو ابن زیاد نے گالی دینا اور فحش کلام کرنا اور امام حسینؑ اور امیر المومنین علیؑ اور حضرت عقیلؑ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

جب مسلم بن عقیلؑ نے دلی دکھوں کی وجہ سے سر نیچے کر لیا اور ذہنی طور پر آمادہ ہو گئے کہ ابھی قتل ہو جائیں اور یہ سب گالیاں نہ سنیں، لہذا اس بے حیا اور بد زبان یزید کا اور کوئی جواب نہ دیا لیکن لہوف میں ہے کہ جناب مسلمؓ نے فرمایا:
 نہ کہ! تو اور تیرا باپ ان گالیوں کے مستحق ہیں اور ان بد زبانوں کے اصل ہیں۔ ہم رسول اللہ کا خانوادہ ہیں جو کچھ تو کہتے ہو وہ سب کر کے نہ کر۔

مسلم کی وصیت

قتل ابی جحف میں ہے کہ جب حضرت مسلمؓ بن عقیل کو دارالامارہ لایا گیا تو انھوں نے سلام نہ کیا تو ابن زیاد نے کہا:
 نہ کہ! نہ کہ! اور قتل ہو جاؤ۔

جب مسلمؓ کو موت کا یقین ہو گیا تو فرمایا: اے فرزند زیاد! تو مجھے خواہ مخواہ قتل کرنا چاہتا ہے تو ایک تیرے شخصی فحش زبیرؑ میرا
 سر کاٹ کر لاؤ تاکہ وصیت کر سکوں۔

اشاد میں مرحوم شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: ایک محافظ نے کہا: اے مسلم! کیوں امیر کو سلام نہیں کرتے۔
 جناب مسلمؓ نے فرمایا: جو شخص مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اسے سلام کیوں کروں۔ اگر اُس نے مجھے قتل نہ کیا تو مجھ سے بہت
 رخصت ہو گا۔

تن زیاد نے کہا: مجھے اپنی جان کی قسم کہ تجھے ضرور قتل کروں گا۔

جناب مسلمؓ نے فرمایا: ایسا ہی ہے، مجھے تو قتل کرے گا۔

ابن زیاد نے کہا: ہاں میں تجھے قتل کروں گا۔

جناب مسلمؓ نے فرمایا: پس ان باتوں کو چھوڑو، اپنے کسی رشتہ دار کو وصیت کرنے دو۔

ابن زیاد نے کہا: وصیت کر لو۔

جناب مسلمؓ نے درباریوں اور حغار پر نظر دوڑائی تو ان کی نظر عمر بن سعد پر پڑی اور فرمایا: یا عمر ابن بَیْنِی وَبَیْنِی

قَرَابَۃٌ وَلَیْکَ حَاجَۃٌ اے سعد کے بیٹے! میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے لہذا مجھے تمہاری ضرورت ہے تم مجھے ضرور یہ حاجت پوری کرو اور اسے مخفی رکھنا۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد کی خوشامد کے لیے حضرت مسلمؓ کی بات پر توجہ نہ دی بلکہ انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا۔

ابن زیاد نے اپنی شقاوت کے باوجود کہا: اے امّ! یہ تم سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے اور تم اپنے چچا زاد کی حاجت

پوری کرنے سے گریز کرتے ہو۔

ایک روایت کے مطابق ابن سعد نے کہا: اے امیر! میری اس سے کون سی رشتہ داری ہے اور کیا وہ سنی ہے؟ پھر چچا

سعد اپنی جگہ سے اٹھا اور دربار میں ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سب دیکھ رہے تھے۔

حضرت مسلمؓ سلام اللہ علیہ شکستہ مرد صورت اور زخمی جسم اور خون آلود چہرے سے ابن سعد کی طرف متوجہ ہوئے۔

فرمایا: جب سے میں اس شہر میں آیا ہوں میں نے نان و طعام اپنی جیب سے کھایا ہے اس وجہ سے میں مقروض ہوں اور مجھے

قرضہ سات سو درہم ہے لہذا میری زرہ بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میرے قتل ہونے کے بعد میرے جسم کو امین زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور تیسری وصیت یہ۔

کہ کسی شخص کو امام حسینؑ کے پاس بھیج کہ اگر مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو ان کو واپس پلٹایا جائے اور وہ کوفہ نہ آئیں کیونکہ انہیں

پہلے جلدی آنے کی تاکید لکھ چکا ہوں، اب وہ آئیں گے اور شریلوگوں میں مگر جائیں گے۔

ابن سعد نے ہنس کر کہا: اے امیر! کیا جانتے ہو اس نے کیا وصیت کی ہے؟ یہ تو یہ یہ کہتا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: اے سعد کے بیٹے! تم بڑے کمینے شخص ہو، تجھے اس نے امین بنایا ہے اور تو خیانت کر رہا ہے لیکن تم

تو خائن بھی امین ہو جاتا ہے، تم تو بہت بے مروت ہو کہ اس کے راز کو فاش کر رہے ہو، اس کے اپنے مال سے اس کا قرضہ

کرو۔ اس کے قتل کے بعد اس کے جسم سے جو کرنا ہے وہ میں نے کرنا ہے لیکن حسینؑ کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر

ہمارے لیے مباح نہ ہوں تو ہم ان کے حرام نہیں ہوں گے۔

حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بے کس و ناچار اعدا نے کیا مسلم بے کس کو گرفتار
اُس زخمی کے بازو میں رشتی باندھ کے یکبار کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفار
سو کلڑے محمدؐ کا ہو دل بھی جگر بھی مارا گیا مسلم بھی ہوئے قتل پر بھی

ابن زیاد نے جلاؤ کو بلایا کہ آؤ اب مسلم کی وصیت مکمل ہو گئی ہے۔ اسے دارالامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور قتل کر دو۔
سے تمام دوستوں اور دشمنوں کے جسموں میں لرزہ اور رعشہ پیدا ہو گیا۔

جناب مسلم بن عقیل نے فرمایا: اے ابن زیاد! اگر تیری میرے ساتھ کوئی رشتہ داری ہوتی تو قتل نہ کرتے۔
تبخ اُحتم کوئی میں ہے کہ جناب مسلم نے فرمایا: اے ابن زیاد! اگر اپنے باپ کا بیٹا ہوتا اور حرام زادہ نہ ہوتا تو مجھے
تین تو اس کا بیٹا ہے جس کا باپ معلوم نہیں، لہذا تو نے مجھ بے گناہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، میں جانتا ہوں کہ
اب کا باپ کون ہے؟ پس سندی فرزند سندی سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

ابن زیاد بہت غصے میں آیا اور کہا: اسے فوراً قتل کر دو۔

حضرت شہداء میں علاء حسین کا شفی نے لکھا ہے: ابن زیاد نے آواز دی کہ اس دربار میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس کو
چاہے جانے اور قتل کر دے؟

حمر بن حمران کے بیٹے نے کہا: اے امیر! یہ کام میں کرتا ہوں کیوں کہ اس نے آج ہی میرے باپ کو قتل کیا ہے۔
تبخ المفتوح میں مذکور ہے کہ ابن زیاد نے دربار سے ایک شامی جسے جناب مسلم نے زخمی کیا تھا، بلایا اور کہا: مسلم کو
چاہے جاؤ اور قتل کر دو اور اپنے نبض کی آگ کو بجھا دو۔

خمس اامال میں محدث قحی لکھتے ہیں: ابن زیاد نے مکر بن حمران سے جس کو مسلم نے ایک ضرب ماری تھی، کہا: مسلم کو
چاہے جانے اور قتل کر دے؟

برصیرت حضرت مسلم کا جو بھی ناپاک اور خبیث قاتل تھا، جب اسے ابن زیاد نے حضرت کے قتل کا حکم دیا تو حضرت
بے گیا۔ اس وقت مسلم تکبیر پڑھ رہے تھے، استغفار کر رہے تھے اور درود شریف کا ورد کر رہے تھے اور اہل کوفہ کا
شہادہ بھی کر رہے تھے کہ اے اللہ! میرے اور اس قوم کے درمیان تو فیصلہ فرما کہ ہمیں انہوں نے دھوکہ دیا اور ہمیں

اس سخت دل جلاد نے کہا: مجھے اجازت نہیں کہ تجھے نماز کی اجازت دوں تو مسلم رونا لگے۔

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا: اس طرح خائف کیوں ہو اور کانپ کیوں رہے ہو؟

مسعودی نے مروج الذهب میں لکھا ہے: جب بکر بن حران چھت سے اتر کر ابن زیاد کے پاس آیا تو ابن زیاد نے پوچھا: قتل کر دیا؟ اس نے کہا: ہاں۔ ابن زیاد نے پوچھا کہ جب تم چھت پر لے گئے تو مسلم کیا کہتا تھا؟ کیا اُس نے مسیحی نہیں مانگی؟

ہانی بن عروہ کی شہادت

جناب مسلم کو شہید کرنے کے بعد جسم کو گلی میں پھینک دیا گیا اور سر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد ملعونہ، ہانی بن عروہ کے متعلق سوچنے لگا اور اسے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔

مرحوم مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ محمد بن اشعث نے کہا: اے امیر! جناب ہانی کا مقام اور مرتبہ و منزلت اشراف اور عظیم کوفہ میں معروف اور مشہور ہے۔ وہ ایک بزرگوار اور بڑے قبیلہ و عشیرہ والے ہیں اور تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں انہیں آپ کے دربار میں لایا ہوں اور اس کو میں نے پناہ دی تھی۔ لہذا میری تمنا ہے کہ ہانی کو بخش دو اور اس کے قبیلہ کو میرا دشمن نہ

ابن زیاد نے وعدہ کیا کہ میں انہیں بخش دوں گا لیکن بعد میں اس نے وعدے کی خلاف ورزی کی اور حکم دیا کہ ہانی کو مار دیا جائے۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ ہانی کو بازار کے چوراہے پر لے جاؤ اور قتل کرو تا کہ وہ اور تمام اہل کوفہ جان لیں۔ مجھے ان کے قبیلہ اور عشیرہ سے کوئی ڈر نہیں۔ جب جلاد اس بوڑھے، نحیف اور روٹن ضمیر کو زندان سے باہر لایا اور کوفہ کی منڈی میں لے گیا تو ہانی نے جلاد سے پوچھا: مجھے کدھر لے جا رہے ہو اور کیا ارادہ ہے؟ اس وقت ہانی فریاد کرتے اور اہل شہر سے مدد مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے منہ جھنجھیلہ والو! کہاں ہو؟ کیا کوئی میری فریاد سننے سے بے نیام نہیں ہے؟ ہانی نے اس قدر فریادیں کر کے بنی منہ جھنجھیلہ کو پکارا لیکن ان کی فریادیں کسی نے نہ کی۔ ہانی اپنی حمیت اور خیمت سے اپنے بازو سے بند توڑتے ہوئے غصے سے کاپٹنے لگے اور آواز لگاتے تھے کہ اے بے غیرتو! خنجر یا تلوار یا عصا مجھے مرنے کا پلیدوں کا کام تمام کر دوں، ہانی کو چوک میں لانے والے اوباشوں اور بد معاشوں کے پاس اسلحہ تھا۔ انھوں نے ہانی پر سوار کے انہیں پھر گرفتار کر لیا اور بازوؤں کو باندھ کر بازار میں بٹھا دیا۔

ابن زیاد کے ایک بد صورت غلام رشید نے ہانی پر تلوار تانی اور ہانی کو کہا: اپنی گردن لمبی اور سیدھی کرو تا کہ تلوار سے

ہانی نے کہا: میں اس قدر سختی نہیں ہوں کہ اپنے قتل میں تعاون کروں۔ اس بد صورت غلام نے تلوار چلائی لیکن مقصد نہ ہو سکا۔ ہانی نے قاضی الحاجات کی درگاہ کی طرف توجہ کی اور عرض کیا:

إلّٰی اللّٰہ المَعَاد اللّٰہم الٰہی رَحِمْتَکَ وَاخَوَانِکَ

میں اس غلام نے دوسری ضرب لگائی اور انھیں مسلم بن عقیل کے ساتھ ملحق کر دیا اور سر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ پھر ہانی کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر اُن کی لاشوں و رتھوں میں گلیوں اور کوچوں میں گھسیٹا گیا۔

جندوں نے نرت مسلم و ہانی کو لوٹ لیا۔ مسلم کی تلوار اور زره محمد بن اشعثؒ نے لے گیا حالانکہ مسلم نے حیات کی تھی۔ زره تھ کر یہ قرضہ اتار جائے لیکن ابن اشعثؒ نے کہا: مقتول کا لباس اور اسلحہ قتل ہو جاتا ہے اور اگر میں مسلم کو نہ کرتا تو اور کئی شخص نہیں تھا جو مسلم کو گرفتار کر سکتا۔ میں نے آلِ محمدؐ کے شیر کو قتل کر دیا پھر اُس نے زره اتاری اور

لکوار اٹھائی۔

ابنی جھٹ نے لکھا ہے کہ جب لوگوں نے اس اہانت کو دیکھا تو ایک دوسرے کو ملامت کر رہے ہوئے اکٹھے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بازاروں میں آگئے اور ابن زیاد کے بد معاشوں، راد بائوں سے جھگڑا، اور مسلم وہابی کے جنازے جبراً اور قہراً ان سے لے جا کر انہیں غسل دیا، کفن دیا اور دفن کر دیا۔

مسلم بن عقیل کا خروج ۸ ذوالحجہ کو ہوا اور اسی دن امام عالی مقامؒ نے مکہ چھوڑا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۹ ذوالحجہ کو آپؐ کو شہید کیا گیا۔ مرحوم شاہزادہ فرہاد نے اپنی کتاب مقام میں لکھا ہے کہ جب مسلم اور ہانی دونو شہید ہو گئے تو ان دونوں کے سر یزید کی طرف بھیج دیے گئے اور مسلم کے لاشے کو دروازے پر لٹکایا گیا۔ یہ پہلا ہاشمی سر تھا جس کو یزید کے پاس لٹکایا گیا اور پہلا جسم تھا جس کو سولی پر لٹکایا گیا۔

مسلم ہانی کے سر یزید کو بھیجتا

تاریخ الفتوح میں ذکر ہے کہ جب مسلم اور ہانی کو شہید کیا گیا تو ان کے جسموں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور ان کے سروں کو شام بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ یزید کو ایک خط بھی ارسال کیا گیا جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

اس خدا کی حمد و ثناء ہے جس نے امیر شام کا حق دشمنوں سے وصول کر لیا اور دشمنوں کے لیے کافی ہوا۔ امیر کی خدمت میں عرض ہے کہ مسلم بن عقیل کوفہ آئے تھے اور ہانی نے ان کے میزانی کی، انھوں نے لوگوں سے امام حسینؑ کی بیعت لی، میں نے بڑی چالاک اور ہوشیاری سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مختلف حیلوں سے ان کی نشاندہی کروائی۔ پھر ان سے جنگ ہو، مقابلہ کر کے ان کو گرفتار کیا اور دونوں کے سر جدا کر کے ہانی بن الوارعی اور زبیر بن الارواح حمصی کے ساتھ (جو آپ کے قتل اور مطیع ہیں) آپ کی طرف بھیج دیے ہیں۔ والسلام!

جب یہ دونوں شخص خط اور سروں کے ساتھ یزید کے پاس پہنچے اور یزید نے خط پڑھا تو کہا: ان دونوں سروں کو دمشق کے دروازہ پر لٹکا دو۔ پھر درج ذیل خط ابن زیاد کی طرف بھیجا:

اما بعد! تمہارا خط اور مسلم وہابی کے سر پہنچ گئے ہیں، بہت خوشی ہوئی کہ تم نے وہ کام کیا جو میرے دل کی خواہش تھی۔ تم نے کیا بہت اچھا کیا اور میری مراد پوری کر دی جو سر لانے والے تھے ان کو تمہاری خواہش کے مطابق دو، دو ہزار درہم کر دیے ہیں۔ یہ خوش ہو کر آپ کی طرف آرہے ہیں۔

تھے۔ نہ ہے کہ حسین بن علیؑ کدہ سے نکل چکے ہیں اور عراق جارہے ہیں لہذا بہت احتیاط کرو، تمام راستوں پر
حکومت قتل و حرکت پر کڑی نظر رکھو اور جس شخص کو قتل کر سنبھالو قتل کر دو یا قید میں ڈال دو۔ نیز حسین بن علیؑ کے
ساتھ جو لوگ ہیں ان کو بھی قتل کر دو یا قید میں ڈال دو۔ مطلق رہو! والسلام!

مکمل

عجب قتل ہوا اچھی سید والا بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
تو نہ قیاموں کا رہا پوچھنے والا تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے نہ د والا
گیسو بھی پریشان تھے گرتے بھی پھٹے تھے
خوشید سے منہ گرد تیشی سے اٹے تھے

سید حسینؑ کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ تین بیٹوں کے نام عبداللہ، عبید اللہ اور محمد تھے۔ یہ تینوں زمانے
تھے مدینہ عاشورہ کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی شہادت کا تفصیلی حال بعد میں ذکر کیا جائے
گا۔ کے بارے میں صاحبان تاریخ و مقاتل میں اختلاف ہے۔

تھے کہ بے کہ دونوں بیٹے باپ کے ساتھ کوفہ آئے تھے اور باپ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے گرفتار کر کے
مکہ لے گئے۔ ایک سال کی قید کے بعد فرات کے کنارے حارث ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور یہ نظریہ جناب
محمدؐ کے نزدیک مشہور ہے۔

تھے کہ چھ صدق وغیرہ لکھتے ہیں: یہ دونوں شہزادے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے اور امام اور اصحاب کی
سیرت کے بعد کوفہ لائے گئے۔ ابن زیاد نے یہ خیال کیا کہ یہ مسلم کے بیٹے ہیں لہذا انہیں کوفہ کے
ساتھ ایک سال کے بعد انہیں نہر فرات کے کنارے قتل کروادیا۔

تھے کہ بعضی الآمال میں یہی قول اختیار کیا ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے۔

سید شہدائے مقدس

تھے کہ ابن و اعظم شیرازی اپنی کتاب ریاض القدس میں لکھتے ہیں: دو شہزادے جو نہر فرات پر قتل کیے گئے
تھے: ۱۔ جو شام غرباں لشکر یزید کے ہاتھ سے بھاگ نکلے تھے اور وہ کوفہ میں گرفتار ہو گئے
تھے۔ ۲۔ دو ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ اور یہ شہادت کا واقعہ گیارہ یا بارہ محرم کو ہوا۔ ان کو قیدی نہیں بنایا

گیا اور اس پر چند قرآن موجود ہیں۔

یہ واقعہ اس لیے درست اور قابل تصدیق ہے کہ ابن زیاد دس ماہ تک بصرہ میں حاکم رہا اور دس ماہ کوفہ میں حکومت کرتا رہا۔ اگر ابن زیاد دس ماہ نہ گیا ہو اور بصرہ میں ہو تو پھر ابن جزی یہ لکھتا ہے کہ ابن زیاد امام حسینؑ کی شہادت کے بعد شام چلا گیا اور یزید کے خواص، دوستوں اور ہم خیالہ، ہم نوالہ شریعوں میں شامل ہو گیا۔ اس کی آواز خوبصورت تھی لہذا یزید اور اس کے دوستوں کے لیے گانے گاتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ شام سے عظمت و کرامت کے ساتھ واپس آئیں اور کوفہ میں پہنچیں یا کوفہ سے گزریں اور ان دو شہزادوں کو زعمان سے آزاد کرائے بغیر مدینہ چلے جائیں۔ بہت عجیب ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ شہزادے فرماتے ہیں: نَحْنُ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيَّكَ ”اے عالم! ہم تیرے نبیؐ کی ذریت میں سے ہیں“ کیونکہ اولاد جعفر جناب ننب کی وجہ سے (جو عبد اللہ کی زوجہ تھیں) ذریت وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

ظفانِ مسلم کے بارے میں شیخ صدوق کا نظریہ

ظفانِ مسلم کا واقعہ دو طرح نقل ہوا ہے:

① شیخ صدوق کا بیان اپنی امالی میں ② ملا حسین کاشفی کا بیان اپنی کتاب ”روضۃ الشہداء“ میں جو مشہور ہے۔ ہم دونوں بیانیوں کو ذکر کرتے ہیں تاکہ زیادہ ثواب حاصل ہو۔

● نظریہ شیخ صدوق: جناب محدث فی نے خبی الامال میں شیخ صدوق کے بیان کو یوں نقل کیا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی سند سے روایت بیان کی ہے کہ اہل کوفہ نے ایک بزرگ سے کہا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو میدانِ کربلا سے مسلم کے دو شہزادوں کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ ان کو زیاد ملعون نے زعمان کے داروغہ کو بلایا اور کہا: ان دو بچے کو زعمان میں ڈال دو اور ان پر سختی کرو، ان کو اچھا کھانا اور ٹھنڈی پانی ہرگز نہ دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ مظلوم بچے زعمان کی بھٹی اور تاریکی میں رو رو کر زعمی بسر کرتے رہے۔ دن کو بڑھ رکھتے تھے اور رات کو بھوک کی ایک ایک روٹی اور گرم پد سے، جو حکومت کی طرف سے ملتے تھے، افطار کر لیتے تھے۔ یہ مدت یک سال ہو گئی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا:

ہماری زعمان کی مدت بہت لمبی ہو گئی ہے اس طرح تو ہم قید خانے میں مر جائیں گے اور ہمارے جسم اس قید خانے میں ختم ہو جائیں گے، لہذا اپنا تعارف کرائیں شاید داروغہ ہمارے مال پر رحم کرے۔ جب شام کے وقت داروغہ کھانا دیا

میں: تو چھوٹے شہزادے نے کہا: اے بزرگ! کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے ہیں؟

۳۔ نے ہنہاں پہچانتا ہوں وہ تو میرے نبی ہیں۔

۴۔ بچے نے کہا: کیا جعفر بن ابی طالب کو جانتے ہو؟

۵۔ نے کہا: ہاں! پہچانتا ہوں جعفر تو وہ شخصیت ہیں کہ خدا نے جنت میں ان کو دو گنا عطا کیے ہیں تاکہ ملائکہ کے ساتھ

۶۔ تے۔

بچے نے کہا: کیا حضرت علی بن ابی طالب کو جانتے ہو؟

۷۔ نے کہا: ہاں! ان کو کیسے نہ پہچانو وہ تو میرے امام ہیں۔

۸۔ بچے نے کہا: اے بزرگوار! ہم تمہارے پیغمبر کی عزت و ذریت ہیں۔ ہم مسلم بن عقیل کے بیٹے ہیں اور تمہارے

سے وعدہ ہیں۔ ہم پر اس قدر سختی نہ کر کہ نہ کچھ پیغمبر گرامی کی وجہ سے ہم پر مہربانی فرماؤ۔ جوں ہی اس شخص نے یہ بات سنی تو

سے میں پر گر پڑا اور پاؤں کو بوسہ دے کر کہنے لگا: اے ذریت پیغمبر محمد مصطفیٰ! میری جان تم پر قربان، ابھی زندان کا

کھنکھاتا ہوں جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ جب رات ہو گئی تو دار و فہ کھانا لایا، بچوں کو دیا اور ان کو زندان سے نکال کر ایک

مکان پر لے آیا اور کہا: میری آنکھوں کے نور! تمہارے دشمن بہت زیادہ ہیں، دشمنوں سے بچتے رہنا، رات کو ستر کرنا اور دن کو

۹۔ م کرنا۔ پس یہ دونوں شہزادے تاریک راہ پر چل نکلے اور چلتے چلتے ایک بوڑھی کے مکان پر پہنچے۔ وہ بوڑھی عورت

کے پر کھڑی تھی۔ چونکہ شہزادے چل چل کر بہت تھک گئے تھے لہذا انہوں نے اس مقام پر آرام کرنے کو قیمت جانا۔

۱۰۔ نے بوڑھی عورت سے کہا: اے مادر! ہم دو چھوٹے بچے اس شہر میں مسافر ہیں، کوئی منزل نہیں، ہم پر مہربانی فرما تاکہ

۱۱۔ ہمارے بارگاہ میں تمہارے پاس آرام کر سکیں جب صبح ہوگی تو ہم اپنے سفر پر چلے جائیں گے۔

۱۲۔ نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! آپ کون ہیں کہ مجھے آپ سے عطر کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور ایسی خوشبو میں

۱۳۔ ہر کچھ نہیں سونگھتی۔ شہزادوں نے کہا: ہم تمہارے نبی کی عزت ہیں اور ابن زیاد کے زندان سے بھاگ کر آئے ہیں۔

۱۴۔ میری عورت نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! میرا داماد ایک فاسق اور غیث شخص ہے جو کہ بلا کی جنگ میں موجود

۱۵۔ ہے خوف ہے کہ وہ میرے گھر آئے اور تمہیں میرے گھر دیکھے تو تمہیں کہیں تکلیف نہ پہنچائے۔

۱۶۔ شہزادوں نے کہا: رات تاریک ہے امید ہے کہ وہ شخص آج نہیں آئے گا اور ہم صبح سویرے تمہارے گھر سے چلے

۱۷۔ گئے۔ پس ضعیفان شہزادوں کو گھر لے آئی، کھانا دیا۔ کھانا کھا کر شہزادے بستروں پر سو گئے۔ البتہ دوسری روایت میں

۱۸۔ ہے۔ شہزادوں نے فرمایا: ہمیں کھانے کی طلب نہیں، ہمیں جائے نماز دو تاکہ نماز شب پڑھ سکیں، پھر نماز شب پڑھ کر سو

گئے۔

چھوٹے شہزادے نے بڑے شہزادے سے کہا: اے بھائی! آج ہماری اسن کی رات ہے اور سکون ہے۔ ہم بے دوسرے کے گلے میں بائیں ڈال کر ایک دوسرے کی خوشبو محسوس کرتے ہیں حتیٰ کہ موت ہمارے درمیان جدائی ڈال دے۔ پس ان شہزادوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بائیں ڈال دیں اور سو گئے۔

رات کا کچھ حصہ گزرا تو اس بوڑھی کا داماد گھر آن پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ بوڑھی نے پوچھا: کون؟ اس خبیث نے۔ میں ہوں۔ بوڑھی نے پوچھا: اس وقت تک کہاں تھے؟ اس نے کہا: جلدی دروازہ کھولو ورنہ تھکان سے میں مر جاؤں گا۔ مجھ نے پوچھا: یہ تھکان کیوں ہے؟ اس نے کہا: عبید اللہ کے زمان سے مسلم کے دو بچے نکل گئے ہیں۔ امیر کو فدیہ کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ جو شخص ان شہزادوں کے سر لائے گا اسے دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ میں اس انعام کے لالچ میں۔ دن انہیں ادھر ادھر تلاش کرتا رہا ہوں لیکن مجھے ان بچوں کا سراغ نہ مل سکا۔

عورت نے اسے نصیحت کی: اے شخص! اس خیال کو ذہن سے نکال دو اور پیغمبر کی دشمنی سے پرہیز کرو۔

اس نصیحت کا اس خبیث پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اُلٹا غصے سے کہنے لگا کہ عورت تو ان شہزادوں کی حمایت کیوں کر رہی۔ شاید تمہارے پاس اُن کی کوئی اطلاع ہے۔ اُٹھو ہم دونوں امیر عبید اللہ کے پاس چلتے ہیں، وہ تمہیں بلا رہا ہے۔ اس مسکینے بوڑھی نے کہا: امیر کو مجھ سے کیا کام، میں ایک بوڑھی عورت ہوں اور اس صحرا میں رہتی ہوں۔

اس خبیث نے کہا: دروازہ کھولو تاکہ میں اندر داخل ہوں اور کچھ وقت آرام کر کے دوبارہ ان کی تلاش میں نکل جاؤں۔ عورت نے دروازہ کھولا اور اسے کھانا دیا۔ وہ کھانا کھا کر بستر پر سو گیا۔ اس نے شہزادوں کی نیند کے دوران میں مرنے والوں کے چلتے محسوس کیا تو مشتعل اُونٹ کی طرح اُٹھا اور غصے سے آوازیں نکالنے لگا۔ رات کی تاریکی میں شہزادوں۔ مرنے والوں کی آواز کی طرف جانے کے لیے دیوہ اور زمین کے سہارے سے چلتا گیا حتیٰ کہ اس کا نجس ہاتھ چھوٹے بچے کے بالوں تک جا پہنچا۔ مظلوم شہزادے نے کہا: تو کون ہے؟ اُس نے کہا: میں تو صاحب مکان ہوں تم کون ہو؟

چھوٹے بچے نے بڑے بھائی کو اٹھایا جس کا ڈر تھا وہی ہوا ہے۔

بازو پہ چھوٹے کے پڑا دستہ جفاکار تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اک بار جھنجلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل نکار

جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے

کیا سوتے ہو اُٹھو کہ اجل سر پہ گھڑی ہے

پھر شہزادوں نے کہا: ہم سچ بتا دیں تو ہمیں تکلیف تو نہیں دے گا؟ اس نے کہا: ہاں، نہیں دوں گا۔ انھوں نے کہا: ہم سچ بتائیں تو خدا اور رسول کی امان میں ہوں گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: تو خدا اور رسول کو اس امان پر گواہ بناتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

جب اس خبیث سے امان کا اقرار کرا لیا تو بتایا کہ اے شیخ! ہم پیغمبر کی عترت ہیں اور ابن زیاد کے زندان سے بھاگے ہیں۔ اس نے کہا: تم موت سے بھاگتے رہے لیکن موت کے چنگل میں آ پھنسے۔ خدا کی حمد ہے کہ جس نے مجھے تمہارے پیغمبر کا مہمانی عطا فرمائی ہے۔ پھر اس ملعون نے اسی وقت ان کے بازوؤں کو مضبوطی سے باندھ دیا اور وہ شہزادے اسی حالت میں ساری رات بندھے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس ملعون نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان شہزادوں کو نہر فرات کے کنارے لے جا کر قتل کر دو۔ غلام اپنے باپ کے حکم کے مطابق شہزادوں کو نہر فرات کے کنارے لے گیا۔ لیکن جب اس کو پتہ چلا کہ یہ شہزادے عترت پیغمبر ہیں۔ اس نے انہیں قتل نہ کیا اور خود نہر فرات میں چھلانگ لگا دی اور دوسرے کنارے سے نکل گیا۔

حادثہ خبیث نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ ان شہزادوں کو قتل کر دو لیکن اس نے بھی باپ کے حکم کی مخالفت کی اور غلام کی نہر فرات کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ جب اس ملعون نے یہ دیکھا کہ ان مظلوم شہزادوں کو قتل کرنے کے لیے خود لے کر ان کے پاس آیا۔ جب طفلانِ مسلم نے اس ملعون کو تلوار لہراتے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا نہ بندھنے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور انھوں نے کہا: اے بزرگوار! ہمیں گرفتار کر کے بازار میں بیچ دو اور ہماری قیمت سے فائدہ نہ کر۔ ہمیں قتل نہ کرو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دشمن نہ بنناؤ۔

اس نے کہا: اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ میں تمہیں قتل کر دوں اور تمہارے سر اتار کر عبید اللہ ابن زیاد کے پاس لے جا دو ہزار درہم انعام لوں۔

شہزادوں نے کہا: اے شیخ! ہماری پیغمبرؐ سے قربت اور رشتہ داری کا خیال کرو۔ اس نے کہا: تم رسولؐ کے کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہو۔

انھوں نے کہا: ہمیں زعمہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ جو حکم دے اس پر عمل ہو۔

اس نے کہا: میں تمہارا خون بہا کر عبید اللہ ابن زیاد کا قرب حاصل کروں گا۔

شہزادوں نے فرمایا: ہمارے چھوٹے سن اور ہمارے بچپن پر ہی رحم کھاؤ۔

اس نے کہا: خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔ شہزادوں نے آخری فریاد کی کہ اے شخص! اگر تو نے ہمیں قتل

ہی کرتا ہے تو ہمیں اس قدر مہلت دے دے کہ ہم نماز پڑھ سکیں۔

اس نے کہا: اگر نماز جمہیں کوئی قاعدہ دیتی ہے تو پڑھ لو۔ پس مظانِ مسلم نے چار چار رکعت نماز پڑھی پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی: یا حییٰ یا قیوم یا حلیم یا احکم الحاکمین ہمارے اور اس کے درمیان جو فیصلہ فرما۔

اس وقت اس ملعون نے بڑے شہزادے پر تلوار کھینچی اور اس مظلوم شہزادے کا سرتن سے جدا کر دیا اور سر کو ایک توپ میں رکھ لیا۔ جب چھوٹے شہزادے نے یہ منظر دیکھا تو اپنے خون آلود بھائی کی گردن سے لپٹ گیا اور کہا: میں اپنے بھائی کے خون سے خطاب کرتا ہوں تاکہ اسی حالت میں جا کر رسولِ خدا سے ملوں۔

اس ملعون نے کہا: ابھی تجھے بھی اپنے بھائی سے ملحق کرتا ہوں۔ پھر اس نے چھوٹے شہزادے کی گردن پر تلوار مار دی۔ تن سے جدا کر دیا اور سر کو ٹوکری میں رکھ دیا، جب کہ دونوں کے پاک جسوں کو پانی میں ڈال دیا۔ پھر ان شہزادوں کے سر کو لے کر ابنِ زیاد کے پاس آیا، جب دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچا اور عبید اللہ بن زیاد کے سامنے سر رکھے تو عبید اللہ ملعون کو پیشا تھا اور ایک چٹری اس کے ہاتھ میں تھی جو نبی اس کی نظر ان دو شہزادوں کے پاک اور نورانی سروں پر پڑی تو تین دفعہ کرسی پر سے اٹھا اور پیشا۔ پھر ان شہزادوں کے قاتل سے خطاب کر کے کہا تو برباد ہو جائے ان کو کہاں سے تلاش کیا ہے؟ اُس نے کہا: یہ ہماری ایک بوڑھی عورت کے مہمان تھے۔ ابنِ زیاد کو یہ جواب ناگوار گزرا اور کہا: اے ملعون! تو نے مہمان ہونے کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔

اس نے کہا: میں نے مہمان کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا۔

ابنِ زیاد نے کہا: جب تو انہیں قتل کرنے والا تھا انہوں نے کوئی بات کی؟

اس ملعون نے شہزادوں کی ہر بات اس کو بتائی حتیٰ کہ اس نے کہا: ان شہزادوں کی آخری کلام یہ تھی کہ ہمیں مہلت ہم نماز پڑھ لیں اور انہوں نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد بارگاہِ الہی میں یہ فریاد کی کہ اے احکم الحاکمین! ہمارے سر کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما۔

عبید اللہ نے کہا: اے لوگو! احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ تم میں کون ایسا شخص ہے جو ابھی اٹھے اور اس فاسق و فاجر شخص کو کر دے۔ ایک شامی شخص اٹھا اور کہا: اے امیر! یہ کام میرے حوالے کر دو۔ عبید اللہ نے کہا: اے شامی! اس شخص کو وہاں۔ جاؤ جہاں اس نے ان شہزادوں کو قتل کیا ہے، اور وہیں قتل کر کے اس کے نجس خون کو ان کے پاک خون سے مخلوط نہ ہونے دے۔ اور سر جدا کر کے جلدی جلدی میرے پاس لے آنا۔

اس شامی نے ایسا ہی کیا اور اس کے سر کو نیزہ پر اٹھا کر ابن زیاد کی طرف آنے لگا۔ جب کوفہ کے بچوں نے اس ملعون کے سر کو لوک نیزہ پر دیکھا تو اسے پتھر اور تیر مارنے لگے اور یہی کہتے تھے کہ یہ منکر ہے ڈریت و خنجر کا۔

یہ قتل صدوق تاریخ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد ابن زیاد شام چلا گیا وہ جزیہ کے خصوصی دوستوں میں سے ہو گیا اور قطعاً ایک سال کوفہ میں نہ رہا۔ لہذا ہماری نظر میں شیخ صدوق والی روایت قابلِ مہملہ نہیں۔

قرنِ عمانِ مسلم کے بارے میں ملا حسین کا شفیق کی روایت

دو طفلِ حسین بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے کر لہجو گرفتار ، جو آنکلیں ادھر سے
خوشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے چھوٹے سے عمامے ہیں جو لپٹے ہوئے سر سے

گوندھی ہوئی زلفیں ہمبر دوش پڑی ہیں

آنکھیں کہیں آئو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

وہ لکھتے ہیں: بعض جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ مسلم کے دو بیٹے اس شہر میں چھپے ہوئے ہیں جن کے

چاہنے کی طرح چپکتے ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کے بیٹے، جس کے گھر میں پوشیدہ ہیں اور وہ مجھے نہ پکڑے تو میں اس گھر کو تباہ کر دوں گا اور جس نے ان کو اپنے گھر میں چھپایا اُسے ذلیل کر دوں گا۔

اس وقت مظانِ مسلم قاضی شریح کے گھر تھے کیونکہ مسلم نے جنگ کے دن ان کو قاضی کے گھر پہنچا دیا تھا اور ان کی

حفاظت اور نگرانی کی بہت تاکید کی تھی۔ شہادتِ مسلم کے بعد جب ابن زیاد کا یہ اعلان ہوا تو شریح نے ان بچوں کو اپنے پاس

لے لیا جس ہی بچوں پر نگاہ پڑی تو بے اختیار آؤ بچی آواز سے رونے لگا۔ چونکہ اس وقت تک دونوں شہزادے اپنے باپ کی

حفاظت سے آگاہ نہیں تھے، لہذا قاضی کے رونے سے ان کو شک ہوا اور پوچھا: اے قاضی! ہمیں دیکھ کر گریہ شروع کر دیا اور

کچھ ہو گیا ہے، ہمارے دلوں کو تمہارا گریہ مجروح کر رہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

شریح نے کہا: اے شہزادو! دنیا میں ہر خوشی کے ساتھ غم بھی ہوتا ہے۔ تہنیت کے ساتھ تعزیت ہوتی ہے، زعمی کے

شعور کا غم ضرور ہوتا ہے، آپ کے والد انتقال کر گئے ہیں، ان کی مقدس روح کا شہباز شہادت کے پردوں سے ریاض

حیات کی طرف پرواز کر گیا ہے۔ خدا تمہیں صبر جمیل اور اجرِ جلیل عطا فرمائے۔

جب مظانِ مسلم نے یہ سنا تو دونوں اچانک باپ کی شہادت کا سن کر بے ہوش ہو گئے، کافی دیر کے بعد ہوش میں

آئے تو اپنے عماموں کو سر سے اتار اور سروں میں مٹی ڈال کر، پریشان حال ہو کر قاضی شریع سے کہتے تھے کہ اے قاضی! یہ سی قیامت بھری خبر سنا دی ہے اور واغرتبہ، واغرتبہ کے بین کرتے تھے۔

قاضی نے کہا: اب رونے اور فریاد کرنے کا وقت نہیں کیونکہ عبید اللہ کے جاسوس تمہیں تلاش کر رہے ہیں اور اعلان رہے ہیں کہ جس گھر میں طفلانِ مسلم پائے گئے اس گھر کو تباہ اور گھر والوں کو ذلیل کر دیا جائے گا۔

میں اس شہر میں محبتِ اہلِ بیت میں منہم ہوں اور دشمن میرے حال احوال کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں، مجھے تمہارے جانوں اور اپنی جان کا بہت خطرہ ہے، لہذا میں نے سوچا ہے کہ میں تمہیں کسی کے حوالے کر دوں جو تمہیں مدینہ پہنچا دے۔ شہزادے ابن زیاد کے خوف کی وجہ سے باپ کی شہادت پر خاموش ہو گئے اور قاضی نے ہر ایک بچے کو پچاس دینار ز اور اور اپنے بیٹے اسد کے حوالے کرتے ہوئے کہا: میں نے سنا ہے کہ عراقین دروازے سے ایک کارواں آج مدینہ کو روانہ ہو۔ والا ہے، ان بچوں کو اس کارواں میں پہنچا دو اور کسی قابلِ اعتماد شخص کے حوالہ کر دو تاکہ یہ بچے مدینہ پہنچ جائیں۔

اسد نے رات کی تاریکی میں ان طفلانِ مسلم کو ساتھ لیا، عراقین دروازے سے باہر لایا لیکن انہوں نے صد افسوس کہ کارواں وہاں سے کوچ کر چکا تھا اور کارواں جاتا ہوا دور سے نظر آ رہا تھا۔ اسد نے بچوں سے کہا: وہ دیکھو قافلہ جا رہا ہے جلدی کرو دوڑتے جاؤ اس کارواں سے جا ملو۔ طفلانِ مسلم اس کارواں کے پیچھے بھاگتے گئے اور اسد واپس گھر چلا گیا۔

طفلانِ مسلم نے اس کارواں کے نقوش قدم پر کچھ دیر تو سفر جاری رکھا لیکن بہت جلدی وہ کارواں آنکھوں سے غائب ہو گیا اس لیے شہزادے چلتے چلتے راہِ گم کر بیٹھے کہ اچانک ابن زیاد کے جاسوسوں نے ان شہزادوں کو پالیا، جب انہوں پہنچا کہ طفلانِ مسلم ہیں تو ان کو گرفتار کر لیا اور انہیں ابن زیاد کے دربار میں لے آئے۔ ابن زیاد نے ان وزندان میں ڈال دیا۔ حکم دیا۔ پھر یزید کو خط لکھا کہ مسلم کے دو بیٹے جن کی عمریں سات اور آٹھ سال ہیں، کو گرفتار کر کے میں نے قید کیا ہوا ہے اب ان کے بارے تمہارے حکم نامے کا انتظار ہے کہ ان کو قتل کر دوں یا چھوڑ دوں یا پھر تمہاری طرف بھیج دوں۔ قاصد خط کر دمشق چلا گیا۔ ادھر مشکور نامی شخص زندان کا محافظ تھا جو محبتِ اہلِ بیت رکھتا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ حضرت مسلم کے فرزند ہیں تو ان کے پاؤں میں گر پڑا۔ انہیں اچھے مقام پر رکھا اور اچھی غذا دی اور تمام دن خدمت کرتا رہتا۔ رات کو زندان میں آیا جب تمام لوگ نیند میں خاموش ہو گئے تو ان کو زندان سے نکالا اور قادسیہ کے راستے پر لایا، اپنی ایک آنکھوں میں ان کو دی۔ کہا: یہ بڑا امن راستہ ہے اس پر چلے جاؤ، قادسیہ پہنچ کر میرے بھائی کے پاس چلے جانا، میری یہ آنکھیں اسے دکھانا تاکہ وہ تمہیں مدینہ پہنچانے کا بندوبست کر دے۔

فرزندِ انِ مسلم نے مشکور کو دعا دی اور راستے پر چل نکلے لیکن تقدیر ہر شے پر غالب ہے۔ تقدیر کے فیصلوں کو کوئی رو۔

تو پھر خدا کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ دو یتیم مسافر جلد از جلد باپ سے ملحق ہو جائیں اس لیے راستہ کم ہو گیا۔ ساری رات چلتے رہے۔ تب صبح کی روشنی ہوئی تو دیکھا ابھی وہی کوفہ کے درو دیوار ہیں۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا: بھائی ابھی ہم اسی شہر کے درو دیوار میں پھر رہے ہیں خدا نہ کرے کہ ہمیں پھر کوئی گرفتار کر لے۔ اس لیے ایک کمجوروں کے باغ میں چھپ گئے، چشمہ کے پاس ایک درخت پر چڑھ گئے اور چھپ کر بیٹھ گئے۔

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا، ایک حبشی کنیز اس چشمہ سے پانی بھرنے آئی۔ وہ پانی میں دو خوبصورت بچوں کے عکس نہر نہ ہو گئی۔ کنیز نے درخت پر دیکھا تو دو خوبصورت بچے نظر آئے۔ پانی کا برتن اُس کے ہاتھوں سے گر پڑا اور اسے مخاطب ہو کر کہا: آپ کون ہیں اور یہاں اس درخت پر کیوں چبھے ہوئے ہیں؟

نصوحوں نے بتایا کہ ہم یتیم ہیں اور یتیمی کا دکھ برداشت کرنے والے ہیں۔ ہم غزوہ، یتیم اور غربت کے دکھ کو جھیلنے والے ہیں۔ ہمارا باپ مارا گیا ہے، ہم راستہ گم کر بیٹھے اور اس جگہ کو پناہ گاہ سمجھ کر بیٹھے ہیں۔

سیر نے پوچھا: تمہارا باپ کون تھا؟ جب انہوں نے باپ کا سنا تو زار و قطار رونے لگے۔
سیر نے کہا: میرا خاں ہے کہ تم مسلم بن عقیل کے بیٹے ہو۔

نہوں نے روکے کہا: اے کثیر! تم انہیں جانتی ہو؟ تم ان سے محبت رکھتی ہو یا دشمنی؟

کتنے نے کہا: میں تمہارے خاندان کی محبت ہوں اور میری مالکہ بھی محبت اہل بیت ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ تاکہ تمہیں جس لے جاؤں، ڈرو نہیں اور نہ پریشان ہو، میں کوئی دھوکا نہیں کر رہی۔ پس شہزادے اس کے ساتھ چل پڑے اور کثیر

یہ گھر پر آئے، کثیر جلدی سے اندر گئی اور مالک کو بشارت دی کہ ہمارے دروازے پر مسلم کے دو بچے آئے ہیں۔
خوشی میں اس کثیر کو آزاد کر دیا اور نیکے پاؤں دوڑتی ہوئی فرزندِ انِ مسلم کے پاس آئی اور ان کے پاؤں پر گر پڑی۔

ہر پوس کو چما اور مسلم کی غربت اور شہزادوں کی مظلومیت پر خوب گریہ کیا۔ وہ شہزادوں کو بار بار چومتی تھی اور ایک حد تک طرح بیمار کرتی تھی۔ اے ماں کے مسافر اور مظلوم بیٹا! وہ شخص ہلاک ہو جائے جس نے تمہارے اور تمہارے

نصوح مہمان جدائی ڈال دی اور اہل بیتؑ سے بخشش اور کینہ کا اظہار کیا۔ پھر ان کو گھر لے آئی۔ کھانا کھلایا اور کتیز سے کہا: نصوحے شوہر یا کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کرنا کیونکہ میرا شوہر اہل وفا کے حرم میں میرا محرم نہیں۔

حیٰ کہتا ہے کہ مٹھور نے چونکہ خدا کی رضا مندی کے لیے ان دو یتیم اور غریب شہزادوں کو زندان سے نکالا تھا لہٰذا

مہمانوں کے لیے آزاد کر دیا ہے اور اپنے دین کے گھر کو اپنے اس عمل سے حرمین اور پسندیدہ کردار سے آباد کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: تجھے میرا خوف نہ تھا؟

مکھور نے کہا: جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا؟

ابن زیاد نے کہا: تمہیں کس چیز نے یہ کام کرنے پر آمادہ کیا ہے؟

مکھور نے کہا: اے ظالم و بدکردار! تم نے ان کے باپ کو قتل کر دیا، اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ تو نے میرے چھوٹے چھوٹے معصوم شہزادوں کو باپ کی شہادت کے دکھ سے دکھی کر کے پلیدہ سلاسل کر دیا اور زندان میں ڈال دیا اور میں نے سید کوئین، سردار ثقلین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی خاطر انہیں رہا کیا ہے اور اس رہائی پر رسول اللہ کی شفاعت کا طلبگار ہوں جبکہ تو اس عظمت اور دولت سے محروم ہے۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہا: ابھی تجھے اس کام کا مزہ چکھانا ہوں۔

مکھور نے کہا: اس عمل کے بدلے میں میری جان ہزار مرتبہ قربان ہونے کو تیار ہے۔

ابن زیاد نے جلاذ سے کہا: اسے قتل کر دو اور قتل سے پہلے پانچ صد تازیانے مارو پھر قتل کر دینا۔ جلاذ نے ابن زیاد سے حکم کی اتباع کی۔ جب پہلا تازیانہ مارا تو مکھور نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب دوسرا تازیانہ مارا تو مکھور نے کہا: الہی مجھے مبرق قتل عطا فرماتا۔ جب تیسرا تازیانہ مارا تو مکھور نے کہا: الہی! میرے گناہ معاف فرما دے۔ جب چوتھا تازیانہ مارا تو مکھور نے کہا: الہی! مجھے تیرے رسول کی اولاد کی محبت میں مارا جا رہا ہے۔ جب پانچواں تازیانہ مارا تو مکھور نے کہا: مجھے ہر بیت کے ساتھ مشور فرماتا اور پھر مکھور خاموش ہو گیا اور کوئی آواز نہ نکالی حتیٰ کہ پانچ سو تازیانے جب لگ چکے تو ایک مرتبہ آنکھیں کھولیں اور کہا: مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو۔

ابن زیاد نے کہا: اے جلاذ! اسے پانی دے دو اور گردن اڑا دو۔

عمر و بن حارث اٹھا، اس نے سفارش کی اور مکھور کو اپنے گھر اٹھا کر لے گیا اور اس کا علاج کرنے کا ارادہ کیا۔ مکھور نے آنکھیں کھولیں اور کہا: مجھے حوض کوثر کا پانی مل چکا ہے۔ یہ کہا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

راوی بیان کرتا ہے کہ مومنہ کنیز ان دونوں کم سن شہزادوں کو گھر لائی، صاف پاک بستر پر بٹھایا، کھانا کھلایا اور رات پیار سے بستر پر سلا دیا اور پھر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ کافی دیر بعد اس کا شوہر تھکا ماندہ گھر آیا۔ بیوی نے پوچھا: اب تک کبہ تھے؟ اس نے کہا: صبح میں کوفہ کے امیر کے دربار میں گیا تو منادی ندا دے رہا تھا: داروغہ نے مسلم کے بچوں کو قید سے آزاد کر دیا ہے لہذا جو شخص ان کی خبر لائے گا امیر کوفہ اسے گھوڑا، عمدہ لباس اور کافی مقدار میں مال بطور انعام دے گا۔ پھر ادھر ادھر تلاش کے لیے نکلے، میں بھی سارا دن انہیں تلاش کرتا رہا اور ان کی تلاش میں اس قدر گھوڑا دوڑایا کہ گھوڑا مر گیا۔

بیدل چل کر گھر پہنچا ہوں۔

عورت نے کہا: اے شخص! تجھے خوف خدا نہیں! تجھے رسول خدا کے گھرانے سے کیوں دشمنی ہو گئی ہے؟
اس شخص نے کہا: اے عورت! خاموش، ابن زیاد نے گھوڑے، لباس اور مالی انعام کا وعدہ کیا ہے کہ جو مسلم کے بچوں کو
مے پاس گرفتار کر کے لے جائے اُسے یہ سب کچھ دیا جائے گا۔

عورت نے کہا: تو کتنا بد بخت ہے کہ ان دو یتیموں کو گرفتار کر کے تلوار کے حوالے کر دے یہ تو دنیا کے بدلے دین بچ رہا

اس شخص نے کہا: تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ اگر کھانے کو کچھ ہے تو لے آتا کہ کھانا کھاؤں۔ عورت کھانا لائی تو اس
نے کھانا کھایا اور اپنے بستر پر بے ہوش سو گیا۔ رات کا کچھ حصہ گزر چکا کہ ان دو یتیموں میں سے بڑا بھائی محمد نیند سے اٹھا اور
بچہ چھوٹے بھائی ابراہیم سے کہا: اے برادر! اٹھو یہ ہمیں بھی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ابھی خواب میں ہلکا کو دیکھا کہ
میں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ الزہراء، امام حسن مجتبیٰ کے ساتھ سیر کر رہے
ہیں۔ ہمارے جناب رسالت مآب کی نظر مبارک مجھ پر اور تم پر پڑی تو حضرت نے ہمارے بابا مسلم سے یہی کہا: اے مسلم! تم
نے دو معصوم بچوں کو ظالموں کے درمیان کیوں چھوڑ دیا ہے؟ بابا نے ہماری طرف دیکھا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! وہ
میرے پاس کھینچے والے ہیں۔

جب چھوٹے شہزادے نے یہ خواب سنا تو کہا: بھائی! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ پس دونوں بھائیوں نے ایک
بے کی گردن میں بانٹیں ڈال کر رونا شروع کیا اور بابا بابا کرنا شروع کیا۔ اتنے دھکی بین کیے کہ ان کے رونے کی آواز نے
شہزادہ کا لم کو بیدار کر دیا، اس نے اپنی بیوی سے سخت لہجے میں پوچھا: یہ کس کے رونے کی آواز آ رہی ہے؟ ہمارے گھر میں
کس کے بچے رورہے ہیں؟

بے چاری عورت خاموش رہی۔ حارث نے پھر آواز دی اور کہا: اے عورت! اٹھو اور چراغ جلاؤ تاکہ رونے والوں کا

یہ سونہ بے چاری پریشان تھی کہ اب کیا کرے۔ ابھی خاموش تھی کہ حارث اپنے بستر سے خود اٹھا، چراغ جلا لیا اور اس
گھر میں آیا جہاں بچے رورہے تھے۔ دیکھا تو دونوں شہزادے ایک دوسرے کے گلے میں بانٹیں ڈال کر بابا بابا کر رہے ہیں۔
حارث نے غصہ لہجے میں پوچھا: تم کون ہو؟

بچوں نے سمجھا کہ شاید یہ ہمارے عموں میں سے ہے، لہذا فرمایا: ہم مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔

حادث نے کہا: عجیب بات ہے میں جنگلوں میں کل سارا دن خاک چھانتا رہا اور تم میرے گھر میں ہو۔ میں نے تو تمہاری تلاش میں تھکان برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ گھوڑا بھی ضائع کر دیا ہے۔ جب بچوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے اور اپنے سر جھکا لیے۔ یہ سنگ دل بے رحم ان یتیموں کے رخساروں پر طمانچے مارنے لگا۔ پھر دونوں کے سر کے بالوں کو باندھا اور باہر آ کر کمرے کو مقفل کر دیا۔ اس مومنہ عورت نے بہت منت سماجت کی اور شوہر کے پاؤں پر گر پڑی، بوسہ دیا، فریاد کی کہ یہ ظلم نہ کرو۔ وہ مسلم کے یتیم فرزند ہیں، میرے مہمان ہیں لیکن حادث نے سختی سے کہا: اے عورت! خاموش ہو جا اور اپنی زبان بند کر لے ورنہ ہر نقصان کی خود ذمہ دار ہوگی۔ عورت خاموش ہو گئی۔

جب صبح ہوئی تو وہ سنگ دل اور سیاہ باطن شخص اٹھا، تلوار اور ڈھال اٹھائی، ان دو یتیموں کو اپنے آگے لگایا اور نہر فرات کے کنارے پر لے گیا۔ اس کی مومنہ بیوی برہنہ پا پیچھے پیچھے دوڑتی آئی اور آہ و فریاد کرتی رہی لیکن اس ظالم نے کوئی فریاد نہ سنی۔ بیوی اس کی تلوار کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتی تھی اور پھر دوڑتی تھی۔ جب وہ فرات کے کنارے پہنچے تو ظالم نے تلوار نکالی اور اپنے غلام کو برہنہ تلوار دی اور کہا: ان دونوں (بچوں) کے سرتن سے جدا کر دو۔ غلام نے تلوار کو بند کیا اور کہا: کس کا دل ہے کہ ان بے گناہوں کو قتل کرے؟

حادث نے غلام کو گالی دی اور کہا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ غلام نے کہا: مجھے رسول پاک کی اوج سے شرم آتی ہے کہ ان کے خاندان کو قتل کروں، میں ان کو قتل نہیں کر سکتا۔

حادث نے کہا: اے غلام! اگر تو انہیں قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔

غلام نے کہا: اگر تو مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا تو میں تجھے تیرے ارادے سے پہلے قتل کر دوں گا۔

چونکہ حادث تجربہ کار تھا لہذا اس نے بڑی سرعت سے غلام کے سر کو بالوں سے پکڑ لیا۔ غلام نے اس کی ڈاڑھی میں مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیا اور اپنی طرف کھینچا، حادث گر پڑا۔ غلام نے ارادہ کیا کہ اس کے منہ کو زخمی کرے لیکن حادث زور لگا رہا تھا کہ غلام کے ہاتھ سے تلوار کھینچ لے۔ غلام نے تلوار کو نیام سے نکالا اور اپنے مالک حادث پر حملہ کر دیا۔ حادث نے ڈھال سے وار کو رد کیا اور اپنی تلوار سے غلام کے دائیں بازو پر ضرب لگائی، غلام نے بائیں ہاتھ سے حادث کے گریبان کو پکڑا اور اس سے ایسا الجھا کہ حادث دوسرا وار نہ کر سکا۔ یہ دونوں آپس میں لڑ رہے تھے کہ حادث کی مومنہ بیوی اور بیٹا پہنچ گئے۔ حادث کا بیٹا دوڑا اور غلام کو پکڑا اور پیچھے کھینچا اور کہا: بابا تمہیں شرم نہیں آتی کہ یہ غلام تو میرے بھائی کا مقام رکھتا ہے، ہم نے ایک ماں کا دودھ پیا ہے، اُس سے کیا چاہتے ہو؟

حادث نے کوئی جواب نہ دیا اور تلوار نکال کر غلام پر حملہ کر دیا اور وہ قتل ہو گیا۔

بیٹے نے کہا: سبحان اللہ! میں نے تجھ سے زیادہ سخت دل فحش نہیں دیکھا ہے تم بہت بڑے ظالم ہو۔

حارث نے کہا: بیٹا زبان درازی مت کرو، یہ تلوار لو اور ان دو بچوں کے سرتن سے جدا کر دو۔

بیٹے نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا اور تجھے بھی یہ کام نہ کرنے دوں گا۔ حارث کی بیوی بھی حارث کو

جس دے رہی تھی کہ یہ کام نہ کرو اور ان بے گناہوں کا خون نہ بہاؤ۔ نیز انہیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جاؤ اور اپنا انعام لے کر۔

حارث نے کہا: کوفہ کے اکثر لوگ اس خاندان کے محب ہیں، اگر ان کو کوفہ لے جاؤں تو وہ انہیں مجھ سے چھین لیں

میری محنت ضائع ہو جائے گی۔ پھر اس نے خود سے تلوار نکالی اور شہزادوں کے اوپر بلند کی۔ اس وقت شہزادے رو کر یہ کہتے تھے: اے ضعیف! ہماری قیمتی، غریبی اور بچپن پر رحم کر اور ہماری بے کسی اور وطن سے دوری کا احساس کر۔

حارث نے ان بچوں کی کوئی فریاد نہ سنی پھر آگے بڑھا تا کہ ایک کو پکڑے اور قتل کر دے۔ عورت حارث سے لپٹ گئی

نے بے رحم! خدا سے ڈر قیامت کے دن سے خوف کھا اور ان معصوموں کو قتل نہ کر۔

حارث غضبناک ہوا اور اپنی بیوی پر تلوار سے وار کیا، وہ زخمی ہو گئی۔ لیکن جب اس کے بیٹے نے دیکھا کہ اس کی ماں

پر حارث اس پر دوسری ضرب لگانا چاہتا ہے تو وہ دوڑا اور اپنے باپ کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا: بابا! ہوش کرو اور غصے کی گھڑی نہ کرو۔

حارث نے تلوار سے بیٹے پر وار کر دیا اور ایک ہی ضرب سے بیٹے کو قتل کر دیا۔ جب بیوی نے اپنے بیٹے کو تڑپتے دیکھا

ہوش ہو گئی البتہ زخمی ہونے کی وجہ سے کھڑی نہ ہو سکتی تھی۔ پھر بھی آہ و فریاد کر رہی تھی۔ پھر وہ سنگدل بچوں کے قریب گئیں نے فرمایا: اے شخص ہمیں ابن زیاد کے پاس زندہ لے چل اور ہمارے بارے جو وہ کہے اس پر عمل کرتا۔

اس ظالم نے کہا: تمہارا یہ بہانہ ہے تاکہ کوفہ کے لوگ تمہیں مجھ سے چھین لیں اور میں ابن زیاد کے انعام سے محروم

شہزادوں نے کہا: اگر تیری مراد مالی دنیا ہے تو پھر ہمارے سر کے بال اُتار لے اور ہمیں بچ دے۔ لیکن حارث ملعون

کی وجہ سے اندھا ہو گیا تھا، کہنے لگا نہیں بلکہ میں تمہیں ابھی قتل کرتا ہوں۔

شہزادوں نے کہا: تو ہمارے بچپن اور کمزوری اور غربت پر رحم نہیں کرتا۔

س ملعون نے کہا: میرے دل میں رحم ہے ہی نہیں۔

شہزادوں نے کہا: پھر ہمیں اس قدر اجازت دے کہ ہم وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر لیں۔

اس ملعون نے کہا: خدا کی قسم! اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

شہزادوں نے فرمایا: جس خدا کا نام لیا ہے اسی کا سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس نے کہا: اس سجدے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

شہزادوں نے فرمایا: یہ کون سی دشمنی ہے اور یہ کیسا بُھس ہے جو تو ہم پر ظاہر کر رہا ہے۔ اب جس طرح تو چاہے قتل ہمارا کوئی ناصر نہیں ہے۔

صورتِ احوال بربانِ شاعر:

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر

تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی بنا کر جا بیٹھا تہِ تنق دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی

پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

پس حارث جس شہزادے کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا دوسرا کہتا: پہلے مجھے قتل کر کیونکہ میں اپنے بھائی کو خون میں نہرہ برداشت نہیں کر سکتا۔ بہر صورت ملعون نے بڑے بھائی محمد کا سرتن سے جدا کیا اور بدن پاک کو دریائے فرات میں پھینک دیا، اور سر کو کنارے پر رکھ دیا۔ چھوٹا شہزادہ امیرِ انجیم دوڑا اور اپنے بھائی کے سر کو لیا، اس کے منہ پر منہ رکھ کر اور رو کر کہنے لگا: اب بھائی کی جان! جلدی نہ کرو میں ابھی آ رہا ہوں۔ حارث نے سرتھیلے میں ڈال دیا اور دوسرے بچے کا سر جدا کیا، بدن کو دریائے ڈالا، اس وقت زمین اور آسمان سے ہائے ہائے کی آواز آئی، آسمانی فرشتوں نے آہ و فریاد کی کہ دونو جوان بے جرم و خطہ حالتِ غربت میں ظلم سے شہید کیے جا رہے ہیں۔

حارث دونوں شہزادوں کے سر جدا کر کے اپنے توہرے میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی طرف چلا تا کہ انہیں زیاد سے انعام لے۔ ابن زیاد کا دربار ابھی لگا ہی تھا کہ اس حارث ملعون نے وہ سروں والا توہرہ ابن زیاد کے سامنے رکھا۔

ابن زیاد نے پوچھا کہ اس توہرے (تھیلے) میں کیا ہے؟

اس نے کہا: تمہارے دشمنوں کے سر ہیں کہ میں نے تیرے تلوار سے ان کے سرتن سے جدا کیے ہیں اور تمہارے انعام کے حصول کے لیے تمہارے پاس تحفہ لایا ہوں۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کو دھو کر ایک خوبصورت طشت میں پیش کیا جائے تاکہ پہچان سکوں کہ کس کے سر ہیں۔ جب سروں کو دھو کر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا اور اس نے ان شہزادوں کے چہروں کو دیکھا کہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے

تجھے؟ مجھے یہ کس کے سر ہیں؟

حادث نے کہا: مسلم بن عقیل کے فرزندوں کے۔

تو نبی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور اہل دربار بھی ان شہزادوں کی حالت پر رونے لگے۔ امین

تجھے: چھ حارث تو نے اُن کو کہاں سے گرفتار کیا؟

تجھے نے کہا: اے امیر! میں نے ان کو بہت تلاش کیا، دوڑتے دوڑتے میرا گھوڑا مر گیا مگر یہ خود بخود میرے گھر مہمان

جب مجھے ان کی گھر میں موجودگی کا علم ہوا تو میں نے ان کو باندھ دیا اور صبح سویرے فرات کے کنارے لے گیا۔

میں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو قتل کر کے ان کے ابدان کو فرات میں ڈال دیا اور سر

سے لے آیا ہوں۔

تو زیاد نے کہا: اے لعین! تجھے خوف خدا بھی لاحق نہیں ہوا اور خدا کے انتقام کا بھی نہیں سوچا۔ تجھے ان کے گلابی

مہر حرمین زلفوں پر رحم نہ آیا۔ میں نے یزید کو خط لکھا ہے کہ فرزندِ ان مسلم کو میں نے گرفتار کر لیا ہے، لہذا اگر تم حکم کرو تو

مجھے بھیج دو۔ اگر یزید مجھے حکم دے کہ ان کو شام بھیج دو تو میں کیا کروں گا؟ تو نے انہیں زندہ میرے حوالہ کیوں نہ کیا؟

تجھے نے کہا: میں ڈرتا تھا کہ کوفہ کے لوگ مجھ سے ان بچوں کو چھین لیں گے اور میں انعام سے محروم ہو جاؤں گا۔

تو زیاد نے کہا: ان کو کسی محفوظ مقام پر پابند کر کے مجھے اطلاع کر دیتا تاکہ میں اپنے آدمی بھیج کر ان کو مخفی طور پر اپنے

حادث خاموش ہو گیا اور امین زیاد نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا تو ایک محبت اہل بیت شخص مقابل پر نظر پڑی۔

تو نبی اس شخص کے عقیدہ کو جانتا تھا لہذا اسے بلایا اور کہا: اس حادث کو گرفتار کر کے اسی مقام پر لے جاؤ جہاں اس نے

میں کو قتل کیا ہے، اس حادث کو ذلت اور خواری سے قتل کرو اور ان شہزادوں کے سروں کو بھی لے جاؤ، جہاں ان کے

سے گئے وہاں ان سروں کو بھی ڈال دو۔

حادث بہت خوش ہوا اور حادث کو گرفتار کر کے باہر لایا جب کہ اپنے ہمراز دوستوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم! اگر

تو زیاد مجھے تمام بادشاہی بھی دے دیتا تو اس قدر خوشی نہ ہوتی جو اس شخص کے قتل کرنے کے حکم پر خوشی ہوئی ہے۔

میں مقابل نے حادث کے ہاتھ پس پشت باندھے، سر کو برہنہ کر کے بازار میں لایا اور شہزادوں کے سروں کو بھی ظاہر

کرنے لگا کہ یہ شخص ان بچوں کا قاتل ہے۔ لوگوں کا ایک جھوم اس پر لعنت کرنے لگا۔ کوڑا کرکٹ اس پر ڈانے لگا۔ لوگ

اس پر ڈنڈے اور پتھر برسانے لگے۔ پھر مقاتل اس حادثہ کو اس مقام پر لے گیا جہاں شہزادوں کو قتل کیا گیا تھا۔ وہاں نے دیکھا کہ ایک عورت زخمی حالت میں پڑی ہے اور ایک خوبصورت جوان کی لاش موجود ہے اور ایک غلام کی لاش بھی گدی میں پٹی پڑی ہے اور وہ زخمی عورت اس نو جوان مقتول اور ان دو شہزادوں کی مظلومیت بیان کر کے رورہی تھی۔

مقاتل نے پوچھا: اے عورت تو کون ہے؟

عورت نے کہا: میں اس بد بخت (حادثہ) کی بیوی ہوں، میں اسے ان شہزادوں کے قتل کرنے سے روکتی رہی، یہ جوان بیٹا اور غلام بھی میرے ساتھی تھے۔ لیکن اس ظالم نے میرے بیٹے اور غلام کو قتل کر دیا اور مجھے زخمی کر دیا۔ الحمد للہ! اب میں نے ان دو مظلوم شہزادوں کی فریادیں سن لی ہیں۔ پھر اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا: اے ملعون! دنیا کے لالچ میں مبتلا بن عقل کے فرزندوں کو بے گناہ قتل کیا اور اس ناحق خون سے دین بھی ضائع کر دیا۔ پس حادثہ نے مقاتل سے کہا: مجھے چھوڑ دے میں کہیں چھپ جاتا ہوں اور اس کے بدلے تجھے دس ہزار دینار نقدی دیتا ہوں۔

مقاتل نے کہا: اگر تمام عالم کا مال تیرا ہو اور تو مجھے یہ سارا مال دینا چاہے پھر بھی نہیں چھوڑوں گا۔ چونکہ تو شہزادوں پر رحم نہیں کیا اس لیے میں تجھ پر کوئی رحم نہیں کروں گا اور تجھے ابھی قتل کروں گا اور اس کے عوض خدا سے عقیقت حاصل کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔

پس مقاتل سواری سے اُترا۔ جوں ہی فرزندِ انِ مسلم کے خون پر نظر پڑی تو ان کی مظلومیت پر زار و قطار رونے لگا۔ شہزادوں کے پاک خون کو اپنے سر اور چہرے پر لگایا اور دعا کی:

خدایا! ان شہزادوں کے پاک خون کے صدقے میرے گناہ معاف فرما۔ پھر ان شہزادوں کے رخساروں پر بوسہ دیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سروں کو نہر فرات کے حوالے کیا۔

راوی کہتا ہے کہ شہزادہ کی کرامت ہے کہ ان شہزادوں کے بدن پاک سب آج پر ظاہر ہوئے اور ہر سر اپنے بدن متصل ہو گیا اور ایک دوسرے کے گلے میں بائیں ڈال کر پانی میں غائب ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ شہزادے دوبارہ پانی کی سطح پر ظاہر ہوئے اور ساحل پر ایک قبر بنائی گئی اور اس میں دفن کر دیا گیا اور آج تک ان کی قبریں زیارت گاہ بنی ہوئی ہیں۔

پھر مقاتل نے اپنے غلاموں سے کہا: پہلے حادثہ کے ہاتھ کاٹ دو، پھر پاؤں کاٹو، پھر دونوں کان کاٹو، پھر آنکھیں نکا دو اور پھر پیٹ کو پھاڑ دو۔ پس مقاتل کے غلاموں نے ایسا ہی کیا اور پھر کانٹے ہوئے تمام اعضاء کو اس میں رکھ کر اس کے اوپر پتھر باندھ دیا اور اسے دریائے فرات میں ڈال دیا جب اسے دریا میں ڈالا تو دریا کی موجیں۔

تھیں اور تین بار ایسا ہوا تو لوگوں نے کہا: پانی اسے قبول نہیں کرتا۔ لہذا ایک گڑھا کھودا اور اس گڑھے میں اسے
 ڈال دیا۔ پھر اور خس و خاشاک ڈال کر بھر دیا لیکن زمین کو زلزلہ آیا اور اس نے اس نجس لاشے کو باہر پھینک دیا اور
 یہ تب لوگوں نے کہا: زمین بھی اس ملعون کو قبول نہیں کرتی۔

مکہ مکہ کے باغ میں گئے اور وہاں سے خشک لکڑیاں اکٹھی کر لائے اور ان لکڑیوں کو آگ لگا دی اور اس
 سے اس ملعون کو ڈال دیا، یوں وہ جلتا جلتا راکھ ہو گیا اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ پھر دو تابوت بنائے گئے
 جسے بیٹے اور غلام کی لاشوں کو اوپر رکھا گیا اور شہر میں لے آئے اور باب بنی خزیمہ پر ان کے خون آلود کپڑوں سمیت
 محسن اہل بیتؑ کے دشمنوں کا ماتم تہہ خانوں میں (پوشیدہ ہو کر) کرتے رہے۔

★.....★.....★

حضرت امام حسینؑ کی مکہ معظمہ سے عراق روانگی

بچے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام کونے سے چلے آتے تھے آتے محرو شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایام کھولا پسر فاطمہؑ نے باندھ کے احرام

عازم طرف راہ الہی ہوئے حضرت

تھی ہشتم ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

مرحوم مفیدؒ اپنی کتاب ”ارشاد“ میں لکھتے ہیں: جناب مسلم بن عقیل نے بروز منگل ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو کوفہ سے تیر

اور ۹ ذی الحجہ کو شہید ہوئے اور امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی روز قیام مسلمؑ مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے ان

حضرت کا مکہ میں توقف چار ماہ اور چار دن بنتا ہے کیونکہ ۳ شعبان کو حضرت مکہ میں وارد ہوئے تھے اور ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے

نکلے اور مکہ میں توقف کیا اس طولانی مدت میں حجاز اور بصرہ کے لوگ آپ کے کارواں میں شامل ہو گئے۔

روایت میں ہے کہ روز ترویہ (۸ ذی الحجہ) مدینہ کا والی عمرو بن سعید بن عاص اموی مکہ میں اپنے لشکر کے ساتھ

ہوا۔ یزید کی طرف سے اسے حکم نامہ ملا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کو اسی حج کے دوران میں قتل کرادے، لہذا امام حسینؑ

خدا کے احترام میں کعبہ میں خونِ ناطق جاری نہ ہو، اسی دن مکہ کو چھوڑنا پسند فرمایا۔ خیال ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ چنانچہ

روایت آئندہ ذکر ہوگی۔

جن اشخاص نے حضرت امام حسینؑ کو مکہ سے نکلنے اور کوفہ جانے سے روکا

ہماری تحقیق کے مطابق ایسے دس اشخاص کے نام یہ ہیں:

۱) عبداللہ بن مطیع: تاریخ ابی جحف میں ہے کہ حضرت امام حسینؑ کوفہ کی طرف سفر کے دوران ایک چشمہ پر

تو آپؑ کی عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی جو پہلے وہاں پر موجود تھا، جوں ہی اس کی نظر امامؑ پر پڑی وہ امامؑ کے قہر

عرض کرنے لگا: اے فرزندِ رسولؐ خدا! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، آپؑ کیسے اس راستے پر آرہے ہیں؟

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: معاذیہ کی موت کے بعد اہل عراق نے مجھے خطوط لکھ کر اپنی طرف آنے کی غو

میر کی غاصب اور جابر حکومت کے خلاف قیام کیا جائے تو میں مدینہ سے مکہ اور اب مکہ سے کوفہ کی طرف۔ عازم۔

نہ نہ بن مطیع نے عرض کیا: فرزند رسول! میں آپ کو رسول خدا کی عظمت اور عرب کے احترام کی قسم دیتا ہوں کہ یہ سے ہٹ جائیں کیونکہ اگر بنی امیہ سے حکومت لینے کا ارادہ ہے تو بنی امیہ حتماً آپ کو قتل کر کے چھوڑیں گے اور اگر یہ سب ہو گیا تو آپ کے بعد کسی شخص کی اہمیت باقی نہ ہوگی۔ اسلام، قریش اور عربوں کی ہمیشہ تو بین ہوتی رہے گی، ابتدا سے ہے کہ آپ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں، کوفہ نہ جائیں اور بنی امیہ سے الجھاؤ پیدا نہ کریں۔

جابر بن عبد اللہ انصاری: جابر بزرگ صحابہ رسول سے ہیں اور ان کے خصائص میں سے کہ انھوں نے پانچ آئمہ زیارت کی اور ہر امام کے علم سے استفادہ کیا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جاتے تھے تو امام محمد جابر کے احترام میں کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس پر بٹھاتے تھے۔

دوبالہ الناقب میں حسین بن عصفور بحرانی لکھتے ہیں: حضرت جابر کو جو بنی امام کے سفر کرنے کا علم ہوا تو فوراً خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب و احترام سے عرض کیا: میں قربان جاؤں فرزند رسول پر، اس وقت آپ روئے زمین پر تھے۔ یوں ہیں اور دو سہلوں میں سے ایک سبط ہیں۔ میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ بنی امیہ سے مصالحت کر لیں جس طرح آپ کے بھائی امام حسن نے معاویہ سے صلح کر لی تھی۔

حضرت نے جواباً فرمایا: اے جابر! جو آپ سمجھ رہے ہیں وہ تو ظاہر ہے لیکن حقیقت حال کا آپ کو علم نہیں، جو صلح کرنے کی وہ حکم خدا سے تھی اور جو کچھ میں کر رہا ہوں تو وہ بھی حکم خدا سے کر رہا ہوں۔ اگر چاہتے ہو تو میرے جد، حضرت جابر کی زیارت کر لو اور ان سے پوچھ لو، تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہی حکم خدا ہے۔

امام حسین نے فاشاً تہاً اِلَی السَّمَاءِ قَدْ فُتِحَتْ آسمان کی طرف اشارہ کیا اور دروازہ فلک کھل گیا۔ سب سے پہلے نبیاء، پھر حضرت علی مرتضیٰ، پھر حضرت امام حسن، ان کے بعد حضرت جعفر اور حمزہ سید الشہداء سلام اللہ علیہم آسمان سے اترے۔

جہ کہتے ہیں) میں حیران ہوا اور چونک گیا۔ اس وقت رسول گرامی نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے جابر! تجھے کس ہمت تھا کہ میرے حسین کے معاملات میں مداخلت نہ ہونا کیونکہ جو کچھ یہ کرتے ہیں حکم خدا سے کرتے ہیں: اے معاویہ کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا یزید کا مقام اور میرے حسین کا مقام دیکھنا چاہتے ہو؟

جہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول گرامی نے زمین پر پاؤں مارا اور زمین پر بہت بڑا اشکاف ہو گیا جو

ایک دریا تک جا پہنچا، پھر اس دریا سے سات دریا اور نکلے، ان کے بعد جہنم تھا اور اس جہنم کے درمیان میں نے من دیکھا: ولید بن مغیرہ، ابو جہل، معاویہ، یزید، ان چاروں کو شیطانوں کی مدد کرنے والوں کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں بچہ ترین عذاب دیا جا رہا تھا۔

پھر رسول خداؐ نے فرمایا: جاؤ! اب اوپر دیکھو۔ جاؤ کہتا ہے کہ میں نے سر کو بلند کیا اور دیکھا کہ آسمان کے رستے کھلے ہیں، میں نے بہشت، حور و قصور، غلمان و دیکھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے امام حسینؑ سے فرمایا: وَلَدِی الْحَقِیْقِیْ ”بیٹا میرے۔“ پس دیکھا کہ امام حسینؑ رسول اللہ کے پاس آئے۔ پھر دونوں نے آسمان کی طرف عروج کیا اور جنت میں: اعلیٰ علیین کے مقام پر جلوہ افروز ہو گئے۔ پھر لختے کے بعد رسول گرامیؐ اور امام حسینؑ واپس آ گئے۔

رسول گرامیؐ کے ہاتھ میں امام حسینؑ کا ہاتھ تھا اور مجھے فرمایا: اے جاؤ! هَذَا وَلَدِیْ مَعِیْ هُوَ هَلْهٰنَا، یہ میرے ہیں اور میرے ساتھ ہی رہیں گے، لہذا جو کچھ یہ کرتے ہیں یا حکم دیتے ہیں اُسے بلا چون و چرا قبول کرو اور سر تسلیم خم رہو۔ جاؤ بیان کرتے ہیں: جب یہ معجزہ امامؑ نے دیا تو میں نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپ وہی کریں جو انصاف فرمایا ہے اور وہاں جائیں جہاں کانھوں نے حکم دیا ہے، میری کیا مجال ہے! پس حضرتؑ سے وداع کیا اور امام حسینؑ چالیسویں پر حاضر ہوئے۔

﴿۲﴾ عبد اللہ بن عمر: عبد اللہ نے کوفہ جانے سے روکنے کے لیے کئی دلائل بیان کیے لیکن امامؑ نے سب رد کر دیے۔ بالآخر عبد اللہ نے کہا: اگر آپؑ نے ضرور جانا ہے تو ذرا مجھے رسول اللہ کی بوسہ گاہ پر بوسہ دے لینے دیں: چلا جاؤں۔

امام حسینؑ نے گلے اور سینے سے اپنا پیرا ہن بٹایا اور فرمایا: اے عبد اللہ! پیغمبر میرے سینے کو بہت چومتے تھے۔ بن عمر آگے بڑھا اور اس نے امام حسینؑ کے دل اور سینے کا بوسہ لیا۔

﴿۳﴾ عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی مدنی: ابو جہف نے اس سے روایت بیان کی ہے کہ اہل عرب امام حسینؑ کو ایسے خطوط لکھے جن میں کوفہ آنے کی دعوت دی، میں بھی مکہ میں تھا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدد و حمد و ثنا کے بعد میں نے عرض کیا: ایک درخواست کرنے آیا ہوں اور یہی میری مخلصانہ نصیحت ہے، اگر آپ اجازت دے تو عرض کروں ورنہ زبان بند رکھوں۔

حضرت امامؑ نے اجازت دی کہ بتاؤ کیا نصیحت ہے، مجھے امید ہے کہ تمہاری رائے پسندیدہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ عراق جانا چاہتے ہیں تو میں آپ سے مخلصانہ طور پر گزارش کرتا ہوں۔

یہ شہر کی طرف جارہے ہیں جس کے لوگ درہم و دینار کے غلام ہیں اس لیے خطرہ ہے کہ درہم و دینار کے بدلے آپؐ
 آئیں۔ جو لوگ آپؐ کو اب دعوت دے رہے ہیں وہی لوگ آپؐ پر تلوار کھینچیں گے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بھائی! تمہارا شکر یہ! خدا تجھے جزائے خیر دے میں جانتا ہوں کہ تو صرف مجھے نصیحت
 کرتے ہو آیا ہے اور آپؐ کی باتیں معقول ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں نے جو کام کیا یا ترک کیا تو نتیجہ وہی نکلا جو تم
 سے۔ لیکن میں سب کچھ جانتے ہوئے وہی کروں گا جو میرے اللہ کی مشیت اور رسول اللہ کا حکم ہے۔

پیغمبر عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب: مقتل الحسین میں ابو جحیف بیان کرتے ہیں: امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ
 مجھ سے نکلنے لگے تو ایک خط عبد اللہ بن جعفر کا امام حسینؑ کے پاس آیا اور اپنے دو فرزند بھی امام حسینؑ کی خدمت میں
 سب خط کا مضمون یہ تھا کہ جوں ہی میرا یہ خط پڑھو عراق کی طرف ہرگز نہ جانا اور میرا مخلصانہ اور برادرانہ مشورہ ہے کہ
 جس محل بیت کے گھرانے کے اُبلنے کے آثار دیکھ رہا ہوں اور اگر خدا نخواستہ آپؐ شہید ہو گئے تو زمین پر تار کی چھا
 کے جس کے آپؐ پوری کائنات کے عہدوں کی امید اور پناہ گاہ ہیں۔ میں خود بھی جلدی آ رہا ہوں آپؐ مکہ جانے کی
 تہنیت۔

پیغمبر عبد اللہ ابن عباسؓ: مقتل الحسین میں ابو جحیف بیان کرتے ہیں اور انھوں نے ریاض القدس سے نقل کیا ہے کہ
 حسینؑ نے مکہ چھوڑنے اور کوفہ جانے کی تیاری کی تو عبد اللہ بن عباسؓ آئے اور کافی دلائل پیش کیے اور عرض کیا:
 مجھے بے بضاعت کو آپؐ جیسے عظیم امام کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن قربان جاؤں، مکہ کو نہ چھوڑیں یا پھر
 یہاں سے کیونکہ آپؐ کے باپؐ نے حرمین کو ترک کیا اور عراق کو دار الخلافہ بنایا جس کا نتیجہ آپؐ کے سامنے ہے اور اہل کوفہ
 ہیں۔ انہوں نے آپؐ کے بھائی حسنؓ سے کیا سلوک کیا، خیمے کو لوٹا، زخم لگائے، دشمن کے حوالے کیا، لہذا آپؐ ان
 سختی پر اعتماد نہ کریں وہ بڑے دھوکا باز ہیں اور ان کی کسی باعث پر اعتماد کرنا غلط ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے ابن عباسؓ کو خاموش کرنے کی خاطر فرمایا: اے میرے چچا زاد! مسلم بن عقیل نے مجھے خط لکھا
 کہ ہزار افراد سے بیعت لے چکے ہیں اور دیگر اہل کوفہ کے خطوط بھی آئے ہیں کہ میں جلدی وہاں پہنچوں تاکہ لوگوں کی
 مدد اور اگر ان کے پاس نہ پہنچا تو خدا کو کیا جواب دوں گا؟

ابن عباسؓ نے عرض کیا: میں ابھی کوفہ میں یزید کے والی کے پاس تھا اس کی حکومت مضبوط ہے اور وہ سب آپؐ کے

سرفروغ آپؐ کو بلانے میں سچے ہیں تو پہلے اپنے حاکم کو شہرت کالیں اور مسلم بن عقیل کے ہاتھ میں گورزی دیں۔ پھر

آپؐ کا وہاں جانا مناسب لگتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آپؐ کو ایک بڑے یزیدی لشکر سے جنگ کرنا ہوگی اور بڑے مددگار نہ ہوگا۔ پھر بے یار و مددگار مارے جائیں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس کے بارے میں کل جواب دوں گا۔

ابن عباسؓ حضرت امام حسینؑ سے رخصت ہو کر چلے گئے۔ حضرت امام حسینؑ نے جب اس معاملہ میں قرآن کے استعارہ کیا تو یہ آیت آئی: کُلُّ نَفْسٍ ذَا نَفْسَةٍ الْمَوْتِ وَ إِنَّمَا تَوْفِقُونَ أَجْمَعًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ میرے نانا نے جو خواب میں فرمایا ہے نیز یہ قرآنی حکم دونوں میری شہادت کی تائید کرتے ہیں، لہذا اس کے مددگار چارہ کار نہیں۔

جب دوسرے دن ابن عباسؓ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کوفہ کی طرف سفر کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے، تو امامؑ نے فرمایا: اے میرے چچا زاد! میرا عراق کی طرف سفر کرنے کا پختہ ارادہ ہے کیونکہ خداوند متعال کا فیصلہ ہے۔

ابن عباسؓ نے عرض کیا: قربان جاؤں، اگر سفر کا ارادہ پختہ ہے تو پھر مملکت یمن چلے جائیں، کیوں کہ وہ بڑی عریض مملکت ہے اور وہاں قبیلہ ہمدان آباد ہے جو آپؐ کے باپ کے شیعہ ہیں اور وہ آپؐ کے بھی محبت اور دوست ہوں گے۔ جب وہاں ساکن ہو جائیں تو مملکت کے اطراف میں اپنے وفود بھیج کر اپنی بیعت کے لیے لوگوں کو دعوت دیجیے گا۔ وہاں آپؐ کا ایک لشکر بن جائے گا اور پھر جہاں قیام کرنا چاہیں قیام کر لیا۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے ابن عباسؓ! مجھے آپؐ کی خالص محبت کا احساس ہے لیکن میں کوفہ کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں اور کسی صورت میں یہ ارادہ نہ ٹوٹے گا کیونکہ اس سفر عراق میں کچھ ایسے اسرار ہیں جنہیں ظاہر کرنا ضروری ہے اور میں وہ سب جانتا ہوں جو اس سفر میں مجھے درپیش ہے کیوں کہ اپنے جد بزرگوار اور بابا علیؑ سے سن چکا ہوں۔

نانا کے اس واضح فرمان کا کیا جواب دوں گا جب انھوں نے فرمایا: أَخْرِجْ إِلَى الْعِرَاقِ، اے میرے چچا زاد! مستقبل کے حالات سب معلوم ہیں، تمام کی عمریں ہمارے سامنے ہیں لہذا اس معاملے میں زیادہ گفتگو نہ کریں اور اس سفر سے روکنے کا اصرار نہ کریں کیونکہ یہ معاملہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں بلکہ الہی رضامندی اسی سفر میں ہے اور نانا کے دین کی بقا اسی میں ہے۔ جناب عبد اللہ بن عباسؓ نے عرض کیا: اگر یہی آپؐ کا ارادہ ہے اور اس میں تبدیلی ناممکن ہے تو خدا را عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ یہ آپؐ کے لیے پریشانی اور فرض نگرانی کا باعث بنیں گے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ابن عباسؓ! عورتوں کو کہاں چھوڑوں؟ ابن کو کس کے سپرد کروں؟ هُنَّ وَ ذَايِعٍ رَسُوْلُ اللَّهِ وَ

فُتِی ”یہ رسولؐ کی امانتیں ہیں، بہتر ہے کہ یہ میرے ساتھ رہیں اور یہ بھی مجھ سے جدا نہیں ہونے چاہئیں۔
 محمد واقدی اور ۸ زرارہ بن صالح: لہوف اور قرب الاسناد جیسی کتب میں معتبر روایت ہے: جب خامس آلِ عباس
 کو فوفہ جانے کا علم ہوا تو دو شخص جو محبِ اہل بیت تھے اور کوفی تھے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور
 حکایت کی کہ قبلہ عالم! کوفہ جانا مناسب نہیں۔

انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں کے اس قدر لشکر زمین پر آنا شروع
 ہوا کہ کائنات ہر ہوئی، ان کی تعداد صرف خدا ہی جانتا ہے، وہ تمام امام کے سامنے غلاموں کی طرح کھڑے ہو گئے اور
 سر تہے اور حکم کے منتظر تھے۔ جب ان دونوں نے امام کا یہ معجزہ دیکھا تو ان کے ہوش اُڑ گئے اور حضرت کی قدرت
 محسوس ہو گئی۔

حسین علیہ السلام نے فرمایا: لَوْلَا تَقَارُبُ الْأَشْيَاءِ هَبُوطَ الْأَجْرِ لَقَاتَلْتَهُمْ بِهَؤُلَاءِ ”اگر مجھے وقت مہلت دیتا
 ہوتا تو ذریعے اپنے دشمنوں سے جنگ کرتا اور مجھے کوفہ کے کسی شخص کی ضرورت ہی نہ ہوتی لیکن اب میری زندگی ختم
 ہے، ہذا خود قبرستان کی طرف جا رہا ہوں۔

وَيَكُنْ أَعْلَمَ عَلِمًا أَنَّ هُنَاكَ مَصْرِعِي وَمَصْرِعَ أَصْحَابِي لَا يَنْجُو مِنْهُمْ إِلَّا وَلَدِي عَلِي
 يَكُنْ سَبَّ أَجْمَعِي طَرَحَ جَانِبًا هَلْ كُنْتُ مَرَّةً وَاحِدَةً فِي قُلُوبِهِمْ هَلْ كُنْتُ مَرَّةً وَاحِدَةً فِي قُلُوبِهِمْ هَلْ كُنْتُ مَرَّةً وَاحِدَةً فِي قُلُوبِهِمْ
 صحاب اور ہاشمی جوان سوائے علی بن حسین کے مارے جائیں گے اور یہی میرے بعد امام ہوں
 گئے۔

ابو عمرو بن سعید: یہ مدینہ کا والی تھا۔ تاریخ اہم کوفی میں ہے کہ جب اسے امام حسین علیہ السلام کے مکہ معظمہ سے
 ہوا تو اس نے یزیدی حکومت کی خیر خواہی کے طور پر امام حسینؑ کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے
 آپؑ کوفہ کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ میں نے آپؑ کا اس طرف جانا آپؑ کے لیے مناسب نہیں سمجھا بلکہ اس
 لیے کہ میں مصلحت دیکھتا ہوں کیونکہ اس معاملے میں آپؑ کی جان کو بہت زیادہ خطرات ہیں۔ اس لیے اپنے
 لیے یہ خط دے کر آپؑ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ان کے ساتھ مدینہ آجائیں اور اپنے نانا کے پاس رہیں۔ اپنے
 ہر مقام سے زیادہ ہر امن اور ہر سکون رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں آنے پر آپؑ پر بہت زیادہ احسان بھی
 گئے اور اس بات پر اللہ گواہ، وکیل اور کفیل ہے۔ والسلام!

حضرت امام حسینؑ نے اس کے خط کا یوں جواب دیا: اما بعد! اے وہ شخص جو لوگوں کو ہدایت اور اعمالِ صالحہ کی طرف

دعوت دیتے ہیں، یہ ٹھیک ہے۔ تم نے خیر خواہی کی ہے اور غلغلہ نہ نصیحت کی ہے۔ امن و امان اور احسان کا وعدہ کیا ہے۔ بہترین شہر میں ساکن رہنے کا مشورہ دیا لیکن یہ جان لو کہ خدا کی امان ہر امان سے بہتر اور اچھی ہے۔ جو شخص خدا سے نہ تقویٰ نہ رکھتا ہو، اسے کوئی امان نہیں۔ میں تمہارے اور اپنے لیے رضائے خدا چاہتا ہوں کہ جزائے خیر عطا ہو۔

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ اور بعض دیگر مؤرخین نے یہ روایت کی ہے کہ عمرو نے اپنے بھائی یحییٰ کو ایک گروہ کی۔ میں اس لیے کہ بھیجا تا کہ امام حسینؑ کا راستہ روکیں اور امام کو فتنہ نہ جا سکیں اور حضرت مکہ میں ہی رُکے رہیں۔ یحییٰ لشکر امام حسینؑ کے پاس پہنچا اور امامؑ کا راستہ روک کر کہہ: **يَا حُسَيْنُ اِنْصَرِفْ اَيْنَ تَذْهَبُ** ”اے حسین! واپس چلے جا۔“

امیر کا حکم ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ کیا کوفہ کا کوئی مالک اور وارث نہیں؟ ہم آپ کو کبھی یہاں سے قدم نہیں اٹھا۔ گے۔ ابنِ نمنا تو یہاں تک بیان کرتے ہیں: اس بے حیائے امام کو بے شرمی سے کہا: اے حسین! کیا خدا سے نہیں ڈرتے۔ قدر جمیعت کے ساتھ حج نہیں کرتے۔ آپ خانہ خدا کو چھوڑ کر جا رہے ہو، لوگوں کے عقائد کو زور کر رہے ہو، آپ کو بیعت یہاں ہی کرنا تھا جو آپ خانہ خدا کو چھوڑ کر، کر رہے ہو۔ آپ اگر ایسا کریں گے تو دوسرے لوگ کیا کریں، کیوں اُمتِ محمدؐ اختلاف اور تفرقہ ڈال رہے ہو۔

حضرت امام حسینؑ نے پہلے تو بڑی نرمی سے فرمایا:

لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْئُونَ مِمَّا اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ

”کہ میرے لیے میرا اپنا عمل اور تمہارے لیے تمہارے اپنے کرتوت، تم میرے عمل سے بری ہو اور

میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔“

یعنی اے قوم! تمہارا خیال ہے کہ میں مکہ ہی میں رہوں تا کہ تمہارا مقصد پورا ہو اور میرا خون بہانے پر خانہ حرم ختم کر دو۔ میں نے ۲۵ حج کیے ہیں، حجۃ الاسلام کا قیام کیا ہے، لیکن اس مرتبہ ان ایام میں یہاں ٹھہرنا حرام سمجھتا ہوں۔ کسی کو میرے اس معاملے پر بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ فرمایا اور اپنے راستے پر چل پڑے۔

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: یحییٰ کے لشکر نے امامؑ کی سواری کو روکا تو بنی ہاشم کے جوان غضبناک ہو گئے اور تلوار نہ نيزے سیدھے کر لیے۔ نیز اس لشکر پر حملہ کر دیا، لڑائی ہوتی رہی، بہت شور و غل تھا اور عورتوں اور بچوں کے رونے کی سنائی دیتی تھیں۔

عنہ عظیم

۔ جب ریاض القدس نے منتخب شیخ فخر الدین سے نقل کیا ہے کہ جب سلطان العاقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کو خبر پائی کہ کوفہ جانے کا عزم کیا تو راستے میں طرمح امام کی خدمت میں آئے اور کہا: قبلہ کوفہ جانے کا ارادہ ہے؟
 قہ: ہاں! طرمح نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپ نہ جائیں آپ کوفہ والوں سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ اہل کوفہ کے باز ہیں۔ خدا کی قسم! اگر آپ ان کے پاس گئے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اور مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ کوفہ پہنچنے کے پہلے آپ کا کام تمام کر دیں اور دنیا ایک شفیق و مہربان امام سے محروم ہو جائے۔ میں آپ کی رعایا ہوں اور رعایا پر آپ بہت رحمت و مہربانی فرماتے ہیں لہذا میرے پاس اجاء نامی محکم پناہ گاہ میں آ جائیں اور اس پناہ گاہ کے آس پاس ہمارے قبائل ساکن

۱۔ فرزند رسول! اس پناہ گاہ میں آج تک دشمن کی طرف سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا اور ہم نے کبھی ذلت نہیں سہم اور طور کے لشکر بھی آ جائیں تو وہ ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں قربان جاؤں میرے قبائل آپ کے محافظ رہیں گے تمام آپ کی خدمت کو عبادت سمجھنے والے ہیں۔ آپ کا ہمارے پاس سکونت اختیار کرنا ہمارے لیے بہت عزیز ہوگی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حسرت بھری ٹھنڈی سانس لی اور طرمح کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے طرمح! تم کون سے ہو، میرے راستے ہر طرف سے بند ہیں، لہذا تمہاری پیش کش پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ تمہاری دعوت خلوص کی میں سے قدر کرتا ہوں لیکن اب اس قدر وقت نہیں رہا۔ البتہ اس قدر جان لو کہ:

لَنْ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ مَوَاعِدَةٌ اَكْزَانِ اَخْلَفَهَا

”میرے اور اس قوم (کوفیوں) کے درمیان ایک معاہدہ ہو چکا ہے، لہذا میں اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔“

مگر کوفہ جاتا ہوں اگر معاملہ میری مرضی کے مطابق ہو تو خدا کا شکر ادا کروں گا کیونکہ وہی کارساز ہے اور اگر معاملہ نہ ہو تو بخش کروں گا کہ درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں۔

۲۔ واقعہ کو شیخ فخر الدین طریقی نے مکہ اور مدینہ کے درمیان کسی منزل کا لکھا ہے حالانکہ اجاء اور سلمیٰ دو پہاڑ ایک ہی قبائل ہیں اور قبیلہ لُحی ان پر آباد ہیں۔ یہ پہاڑ کوفہ کے اس قدر قریب ہیں کہ ان لوگوں کی خوراک کوفہ سے آتی ہے۔ تاریخ طبری، معانی الاخبار وغیرہ میں امام سجاد علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی: جب شہد عاشور میرے بابا

نے اپنے اصحاب کو نصیحت و موعظہ فرمایا اور خیام کو ایک دوسرے سے متصل کرنے کا حکم دے دیا اور ایک تنہا کمرے میں حبشہ کے لیے جانے لگے تو ایک شخص جس کو طرمح کہتے تھے وہ آیا، اونٹ سے اُترا اور اونٹ کا زانو باندھ کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کو امن کے مقام پر لے جانے کی پیش کش کی۔

صاحب فتوح کا مقالہ (اعظم کوئی کا ترجمہ)

صاحب فتوح لکھتے ہیں: عمرو بن سعید انصاری نے مدینہ سے امام کو یہ خط لکھا:

اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جانا چاہتے ہیں اس ارادہ سے باز آ جائیں۔ یہ قرین مصلحت نہیں۔ بن عقیل کو کوفہ میں لوگوں نے قتل کر دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ آپ سے بھی ایسا سلوک نہ کیا جائے اس لیے صرف خط نہیں اپنے بھائی یحییٰ کو ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے ساتھ مدینہ آ جائیں تاکہ آپ اور انبی بیت امان میں رہیں اور ہم آپ کو اور احسان کر سکیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اس کے جواب میں لکھا:

اما بعد! جو شخص لوگوں کو عبادتِ خدا اور سنتِ محمد مصطفیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ مہربانی کہ امان و احسان کا وعدہ کیا۔ لیکن یہ جان لو کہ بہترین امان و احسان خدا کی امان و احسان ہے۔ جو شخص خوفِ خدا ہو تو وہ دنیا اور آخرت میں امان نہ پائے گا۔ میں تجھ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ایسا کام کرو جو رضائے خداوندی کا باعث تجھے جزا دے۔ والسلام!

اسی اثنا میں یزید کی طرف سے اہل مدینہ کو ایک منظوم خط آیا جس میں ہر قسم کی بات لکھی تھی، امام حسینؑ کا اچھے سے ذکر کیا گیا تھا اور اپنی رشتہ داری کا بھی اس میں اشارہ کیا تھا بلکہ خاص آلِ عباس کے فضائل، اخلاق اور صفات تذکرہ بھی تھا اور اس میں جنگ کی گرمی کو ٹھنڈا کرنے اور امام حسینؑ سے موافقت کی تاکید کی گئی تھی۔

جب اہل مدینہ نے یہ خط پڑھا تو یہ خط ایک معتد شخص کے ذریعے امام حسینؑ کو بھیجا۔ جس نے وہ خط امام حسینؑ سامنے آیا تو یزید کے اشعار کے جواب میں قرآن کی آیت مبارک لکھ کر بھیج دی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ! فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلٍ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بِرَبِّيْ مِمَّا تَعْمَلُونَ

”اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو ان کو کہہ دو کہ میرا عمل میرے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم

میرے عمل سے بری الذمہ اور میں تمہارے تمام اعمال سے بیزار ہوں۔“

۳۔ عرف آغاز

۱۔ حضرت مسلم بن عقیل آنحضرتؐ کو شہید ہوئے، اسی دن امام حسین علیہ السلام نے عمرہ مفردہ کے اعمال مکہ و عراق کے لیے چھوڑا البتہ مکہ چھوڑنے سے پہلے حضرت امام حسینؑ نے دو کام کیے:

۲۔ یہ دروازہ خطبہ دیا جس میں اپنی شہادت کی طرف اشارہ کیا۔

۳۔ نبی باشم کو ایک خط لکھا۔

۴۔ جو سید بن طاووس وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت مکہ کو چھوڑنا چاہتے تھے تو اپنے اصحاب اور محبوں اور اہل بیتؑ کو کہا:

حَمْدُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ اللَّهُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ

”حمد و تعریف خدا کے لیے، قوت کا مالک وہی ہے اللہ کا درود و سلام ہو اپنے رسولؐ پر۔“

حُطَّ الْمَوْتُ عَلَى وَلَدِ أَدَمَ مَخْطُ الْقَلَادَةِ عَلَى جَبَدِ الْفَتَاةِ

”سمی آدم پر موت ایسے حتیٰ ہے جیسے جوان لڑکیوں کے گلے میں ہار ہوتا ہے۔“

وَمَا أَوْلَهْنِي إِلَىٰ إِسْلَافِي إِسْتِثْنَاءَ يَعْقُوبَ إِلَىٰ يُوسُفَ

”مجھے شوق ہے کہ میں اپنے بزرگواروں یعقوبؑ و یوسفؑ سے جا ملوں۔“

وَحَبِيزٌ لِّي مَصْرُوعٌ أَنَا الْإِقْيَهُ كَأَنِّي بِأَوْصِلِي تَقَطُّعُهَا عَسَلَانَ الْفُلُوقِ بَيْنَ النَّوَاسِ

وَكُرْبَلَا

”میرے لیے اس زمین کا انتخاب کیا گیا ہے جہاں میرا پیکر گرے گا لہذا مجھے وہاں پہنچنا ہے اور میں

گویا دیکھ رہا ہوں کہ صحرائی بھیڑیے میرے جسم کے ایک ایک بند کو جدا کر رہے ہیں اور میرے جسم کو

فوج رہے ہیں جو سرزمین نواہس اور کربلا کے درمیان ہے۔“

لَا مَحِيصَ عَنْ يَوْمٍ حُطَّ بِالْقَلَمِ

”اس مقرر دن سے کوئی فراغت نہیں کر سکتا جو لوح محفوظ سے لکھا جا چکا ہے۔“

بِضَاءِ اللَّهِ وَرَضَانَا أَهْلَ الْبَيْتِ

”ہم اہل بیت اللہ کی رضا پر مکمل طور پر راضی ہیں۔“

رسولؐ کی قربت کا لحاظ رکھنے والے نہیں ہیں حالانکہ رسولؐ کی آنکھیں قریبوں سے ٹھنڈی ہوتی ہیں اور خدا ان سے وعدہ پورا کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ بِإِذِلَّا فِينَا مَهْجَتَهُ وَمَوْطِنًا عَلَى لِقَاءِ اللَّهِ نَفْسَهُ فَلْيَجِرْ لُ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ
مُصْبِحًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ

”جو شخص ہماری راہ میں جان قربان کرنا چاہتا ہے اور خود کو خدا کی ملاقات کے لیے آمادہ پاتا ہے تو وہ ہمارے ساتھ آئے۔ ہم صبح یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔“

ب: اپنے خاندان کی طرف خط لکھواتا:

وسائل الخیہ میں شیخ کلینیؒ سے روایت ہے: جب حجاز کے بادشاہ (حقیقی) نے مکہ سے عراق کی طرف سفر کرنے کا اعلان کیا تو فرمایا کہ کاغذ اور دوات لاؤ۔ تو کاغذ و دوات لانے کے بعد اپنے خاندان کی طرف یہ خط لکھوایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ، مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ بَنِي هَاشِمٍ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ مَنْ
لِحَقِّ اسْتَشْهَدَ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنِّي لَمْ يَبْلُغِ الْفَتْحَ - وَالسَّلَامُ

”آپ میں سے جو شخص مجھ سے ملحق ہو جائے وہ شہید ہو جائے گا۔ اور جو شخص مجھ سے ملحق ہونے سے باز رہا تو کبھی اس کو کامیابی نہ ہوگی۔“

اس خط کے لکھنے کے بعد فرمایا کہ سامانِ سفر تیار کریں اور وہ اشخاص جن کا نام صحیفہ آلِ محمدؐ میں ثبت ہے ساتھ مجھے اور حق کی راہ میں شہادت حاصل کریں۔

محمد بن جریر طبری کی تاریخ میں ہے کہ کثیر جمعیت حضرتؑ کے ساتھ سلطنت کے شوق میں روانہ ہونے پر تیار تھی۔ بعض لوگ عشق و ارادت سے امام حسینؑ کے ہم رکاب تھے۔ جو اشخاص بغیر کسی لالچ و ہوس کے بلکہ ہدفِ امامؑ سے عشق و ارادت کے ساتھ جا رہے تھے وہ درج ذیل ہیں:

① جناب جعفر بن علیؑ ② عثمان بن علیؑ ③ عمر بن علیؑ ④ ابو بکر بن علیؑ ⑤ عبداللہ بن علیؑ ⑥ محمد بن علیؑ ⑦ ابیہ

بن علیؑ

⑧ حضرت عباسؑ بن علیؑ ان درج بالا سات افراد کے ساتھ امامؑ کے سامنے پیش ہوئے:

۱۔ امام حسن علیہ السلام کے پانچ بیٹے، سفر کا لباس پہنے ساتھ جانے کو حاضر ہو گئے اور اُن پانچ کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حسن بن حسن ۲۔ قاسم بن حسن ۳۔ جناب احمد بن حسن ۴۔ عبداللہ بن حسن ۵۔ ابوبکر بن حسن

۶۔ مسلم کی اولاد ۷۔ جناب عقیل کی اولاد ۸۔ جناب جعفر کی اولاد ۹۔ جناب عبداللہ بن جعفر کی اولاد

یہ چند تازہ جوان تھے اور ایک دوسرے سے خوبصورت تھے۔

۱۰۔ امام حسین کے دو بیٹے جن دونوں کے نام علی تھے البتہ القاب مختلف تھے: ۱۱۔ امام زین العابدین ۱۲۔ جناب علی اکبر

جب عالیہ مکرمہ، ثانی زہراء، دختر بادشاہ عرب و عجم نے دلیز خانہ میں قدم رکھا تو جناب قبر بنی ہاشم نے تلوار نکالی اور

سے عداوی:

غَضُّواْ أَبْصَارَهُمْ وَطَلَّاءَ رُءُوسِهِمْ

”تلوار نکالیں بند کرلو اور سر نیچے کرلو، کیونکہ ثانی زہراء باہر آ رہی ہیں۔“

وہ نے اپنے چہرے دیواروں کی طرف کر لیے اور سروں کو نیچے جھکا لیا، ثانی زہراء باہر آئیں، جو نبی بی بی کی نظر

کی جوانوں پر پڑی، جو دونوں طرف سے قطار بنا کر کھڑے تھے، تو شاہ عرب و عجم کی بیٹی پر گریہ طاری ہو گیا۔ قاسم

میں پر کرسی رکھی، علی اکبر دوڑے اور پالان کا پردہ پکڑا۔ حضرت عباسؓ نے زانو خم کیا، امام حسینؓ نے بہن کو بغل

کی اور بڑی عزت و احترام سے سوار کیا۔

تب شمس البغی کے راقم نے لکھا ہے کہ مکہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو والی مکہ (امام حسینؓ) کے مکہ چھوڑنے پر محمود

ہو، بلکہ بیت اللہ امامؓ کی مفارقت پر رو رہا تھا اور خانہ کعبہ کیوں نہ روتا کیونکہ حسینؓ اس رات خانہ کعبہ کو چھوڑ کر

تھے، جب لوگ خانہ کعبہ کی طرف آ رہے تھے اور وہ شبِ عرفہ تھی حالانکہ حضرت امام حسینؓ اسی رات اور دن سے عشق

میں بیدل مرتبہ بیت اللہ آئے تھے اور اپنے قدم میننت نہروم سے کعبہ، رکن و مقام کو مشرف فرماتے تھے لیکن

اس سال وقفِ عرفہ اور مناسک حج مکمل کرنا ناممکن ہو گیا اور اس ڈر سے کہ ان کا خون ناحق بیت اللہ کی دیوار کے

جائے، حج اور بیت اللہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضرت تو فرزندِ مکہ تھے اور حضرت کے صدقے میں حطیم اور زمزم

مل کیا تھا۔

حج کا کاروان مقامِ معتمم پر

جب امام حسین علیہ السلام کا کارواں مکہ سے نکل کر وادیِ معتمم میں پہنچا تو یہاں دو واقعے مؤرخین نے نقل کیے ہیں:

① اس وادی میں پُر شکوہ کاروانِ حسینی پہنچا تو جناب عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹے عون اور جعفر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کا عریضہ پیش کیا، اور اس عریضہ میں جناب عبداللہ نے امام سے درخواست کی تھی کہ میں آرمہ میرے آنے تک یہاں توقف فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جناب عبداللہ بن جعفر والئی حرمین شریفین عمر بن سعید اس کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ امام کے پاس پہنچا۔ انھوں نے امان نامہ دیا اور حضرت سے واپس پلٹنے کو کہا۔ علیہ السلام نے ان کے امان نامے کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: مجھے پیغمبر اکرمؐ نے اس سفر پر مامور فرمایا ہے۔

انوار العلویہ میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر تو امام کے ساتھ عازم سفر ہو گئے، چونکہ عبداللہ کی نظر بہت کمزور ہو چکی تھی امام انھیں ساتھ لے جانے کو راضی نہ ہوئے۔ جب عبداللہ مایوس ہوئے تو اپنے دو بیٹے امام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ نیابت میں حضرت کے حکم سے جہاد کر کے جان قربان کر دیں۔

سید بن طاووس لکھتے ہیں: وادیِ معصیم میں ایک یمنی کاروان جو بہت سارے تھے تحائف اور ہدایہ یزید بن معاویہ کی خدمت میں لے جانا چاہتا تھا، موجود تھا۔

حضرت امام حسینؑ نے پوچھا: یہ ہدایا کس کے لیے ہیں؟ ساربان نے کہا: قربان جاؤں! یمن کے والی بحیر بن یسار نے اپنے زمانے کے امام یزید بن معاویہ کی طرف سے حضرت نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ ان ہدایا کو اس کاروان سے وصول کریں اور اپنے استعمال میں لے لیں۔ زمانے کا امام اور قطب عالم امکان تو حضرت خود تھے، مسلمانوں کے امور میں تصرف کا اختیار بھی حضرت کے پاس تھا۔ ہدایا عطیات اور قیمتی لباس تھے جو کئی اونٹوں پر لدے ہوئے تھے۔ پھر حضرت نے ان سے کہا کہ اگر ہمارے ساتھ چاہتے ہو تو ہم تمہارے تمام اونٹ کرایہ پر لے جائیں گے اور اگر عراق نہیں چلتے تو واپس ہو جائیں اور یہاں نہ رہو۔ تمہیں ادا کر دیتے ہیں۔ پس کچھ شربان تو امام کے ساتھ عراق کی طرف چلے گئے اور اونٹوں کو امام کے حوالے کر دیا۔ لوگ واپس چلے گئے۔

واوی صفاح میں فرزدق سے ملاقات

تاریخ کمال میں ہے کہ وادیِ معصیم سے سر کر کے جب امام علیہ السلام کا کاروان وادیِ صفاح میں پہنچا۔ اپنے خیمے میں آرام فرما تھے تو مشہور شاعر فرزدق بن غالب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرزدق سے منقول۔ ساتھ ہجری کو اپنی ماں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے گیا، جب مکہ پہنچا تو دیکھا حضرت امام حسینؑ مکہ سے آ رہے۔

میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، خدا آپ کو وہ سب کچھ عطا کرے جو ہو، یہ کیا وجہ ہے کہ مناسک حج ادا نہیں کیے اور مکہ کو چھوڑ دیا ہے؟

میں نے عرض کیا: مکہ کو نہ چھوڑتا تو مجھے گرفتار کر لیتے، پھر پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے عرض کیا: ایک عرب ہوں۔

میں نے زیادہ انھوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا، البتہ یہ پوچھا کہ کوفہ اور کوفہ والوں کی کوئی خبر ہے تو مجھے دو؟

میں نے عرض کیا: آپ نے ایک مطلع فحش سے سوال کیا ہے تو سنیں: کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی زبان کے خون کی پیاسی ہیں اور ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

میں نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے کہ تمام امور خدا کی قدرت میں ہیں اور ہر دن اس کی اپنی شان ہے: کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِی سَعَادَۃٍ۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: ہاں، خدا اس کا محافظ اور ناصر ہو۔ پھر میں نے مناسک حج کے متعلق چند مسائل پوچھے اور خدا حافظی فرمائی۔

ہوتا رہے۔ ظاہراً مسلمان ہیں لیکن امتحان ہو جائے تو پھر ناکام ہیں۔

عرض کیا: آپ کوفہ کیوں جاتے ہیں اگرچہ انہوں نے آپ کے سفیر مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: مسلم رحمہ اللہ حق سے پیوست ہو گئے، شہید ہو گئے جو مسلم کا فریضہ تھا اس نے حق ادا کر دیا۔

ابھی اپنا فریضہ ادا کرتا ہے۔

امام حسینؑ کا وادی ذات عرق میں قیام

دوسری منزل مطاح سے کوچ کر کے بہت جلدی سفر کرتے جا رہے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہ کرتے تھے حتیٰ

ذات عرق نامی وادی پہنچے۔ یہاں توقف کے دوران میں کچھ لوگ خدمت میں حاضر ہوئے، بعض نے کوفہ جانے سے

بعض نے تائید کی۔ ان روکنے والوں میں سے ایک بشر بن غالب تھا۔ یہ عراق سے مکہ آ رہا تھا۔ جب حضرت امامؑ کے

سنا کہ وہ عراق جا رہے ہیں تو خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے کوفیوں کے احوال پوچھے تو بشر بن غالب نے عرض

کو یہ بشارت دی اور عرض کیا: اے فرزند رسول! اہل کوفہ کو اس وقت میں نے چھوڑا ہے جب ان کے دل مکمل آپؑ کے

تھے لیکن ان کی تلواریں اہل باطل کے ساتھ ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: صَدِّیْ اَخُو اَسَد ”اسدی بھائی نے سچ کہا ہے“۔ خدا کرے کہ ایسا ہو لیکن اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا

وَّیَحْكُمُ مَا یُرِید، یعنی وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے: بشر بن غالب کی اس منزل پر ملاقات اہل تاریخ میں مشہور ہے لیکن شیخ صدوقؒ جیسی

نظریہ ہے کہ یہ ملاقات منزل ثعلبیہ پر ہوئی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا وادی ثعلبیہ میں خواب دیکھنا

صاحب معالی السطین لکھتے ہیں: وادی ذات عرق سے سفر کرتے ہوئے ظہر کے وقت منزل ثعلبیہ پر امامؑ

نے نزول اجلال فرمایا۔ حضرتؑ نے اپنے زانو پر سر رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سکون کیا اور حضرتؑ کو تھوڑی سی نیند

بیدار ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ہاتھ غیبی کو دیکھا جو کہہ رہا ہے کہ آپؑ سفر کر رہے ہیں اور موت آپؑ کو بہت

بہشت کی طرف لے جا رہی ہے۔ بروایت ابی جعفر: امامؑ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ جوں ہی یہ کلمہ

حضرت علی اکبرؑ جلدی سے آئے اور عرض کیا: اے بابا جان! کلمہ استرجاع کیوں پڑھا ہے، خدا کبھی آپؑ کو دکھ نہ پہنچے

ہمیشہ صحت و سالم رکھے۔

حضرت نے فرمایا: بیٹا! ابھی آنکھ لگی تھی کہ ایک سوار کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ گروہ سفر کر رہا ہے حالانکہ موت ان کو بہت قریب ہے۔

• علی اکبرؑ نے عرض کیا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں؟

حضرت نے فرمایا: کیوں نہیں بیٹا! خدا کی قسم! ہم حق پر ہیں۔

• علی اکبرؑ نے عرض کیا: تو پھر ہمیں موت سے کیا خوف ہے؟

• حضرت نے فرمایا: بیٹا! خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جب ابی جحیف لکھتے ہیں: امام علیہ السلام کے تعلیمی میں نزول کے بعد ایک نصرانی اپنی والدہ کے ساتھ امام علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور دونوں نے اسلام قبول کیا۔

• جب معالی السطین لکھتے ہیں: یہ نصرانی شخص وہب بن عبد اللہ بن حباب کلبی ہے۔

• عیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ساتھ رات گزاری۔ صبح سویرا ایک کوئی شخص ابوہرہ ازدی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت نے عرض کیا: اے فرزند رسول! کیا وجہ ہے کہ حرم خدا اور حرم خدا اظہر سے منہ موڑ لیا ہے؟

• علیہ السلام نے فرمایا: افسوس ہے تم پر اے ابوہری ازدی، بنی اُمیہ نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے، ضبط کر لیا اور میں

میری عزت و آبرو کو خطرے میں ڈالا، میں نے صبر کیا۔ اب وہ میرا خون بہانا چاہتا ہے تو میں نے حرم خدا اور حرم

خدا سے پامال نہ ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا: ابی اُمیہ کا یہ ظالم گروہ مجھے قتل کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ذلت کا لباس پہنائے گا اور ان پر ایک تیز دھار

آئے گا اور ایسے شخص کو ان پر مسلط کرے گا جو ان کو ذلیل و خوار کرے گا حتیٰ کہ یہ قوم سب سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا

کے استوں پر ابن زیاد کے گماشتوں کا پہرہ

جائے گا۔ جب ولید بن عتبہ کو امام حسین علیہ السلام کے مکہ سے کوفہ کی طرف سفر کرنے کا علم ہوا تو اس نے ابن

عتبہ کو اور اسے امام حسینؑ سے جنگ کرنے سے روکا نیز خبردار کیا کہ اگر تیرے ہاتھ امام حسینؑ کے خون سے آلودہ ہوئے

تو تیرے ہر خاص و عام کی نظر میں ملعون قرار پائے گا۔

تین زیاد نے اس خط کے مندرجات پر توجہ ہی نہ کی اور حصین بن نمیر حمیری جو اس کے خصوصی پہلے یوں کا سالار تھا، کو بلایا

اور اسے ایک لشکر دے کر قادیسہ کی طرف روانہ کیا اور اسے تاکید کی کہ تمام راستوں کو بند کر دو تاکہ کوئی شخص کوفہ میں نہ ہو سکے۔

حسین بن نمیر جو ابن زیاد کی دستگاہ کے رذیل افراد میں سے تھا، حکم نامہ ملتے ہی لشکر لے کر کوفہ سے باہر آیا اور حکم سے راستے بند کرنے کا منصوبہ بنایا، اور ہر راستہ پر سپاہیوں کے ایک گروہ کو مقرر کر دیا اور تاکید کی ان راستوں سے شخص کوفہ میں داخل نہ ہونے پائے۔

حضرت امام حسینؑ کا وادی حاجر میں پہنچ کر اہل کوفہ کو خط بھیجنا اور خط لے جانے والے شخص کی گرفتاری حضرت امام علیہ السلام تعلیہ کے بعد تیزی سے سفر کرتے ہوئے منزل حاجر پر وارد ہوئے۔ یہ وسیع و عریض علاقہ جو نجد کی زمینوں سے متعلق ہے، اس میں ٹیلے اور گہرائیاں ہیں، ایک طرف پہاڑی ہے، اس پہاڑی کے دامن میں صحرا خیمہ لگایا گیا۔

شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں: یہاں سے امام علیہ السلام نے کوفیوں کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور اپنی مہر لگا دی۔ قیس بن مسهر صیداوی یا عبد اللہ بن یقطر کو حکم دیا کہ یہ خط کوفہ پہنچائیں اور اہل کوفہ کی نظروں کے سامنے لائیں اور یہ تک حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر کا ردِ الحسینیٰ تک نہ پہنچی تھی۔

خط لکھنے کی وجہ اور مضمون خط

خط لکھنے کا سبب یہ تھا کہ ۲۷ روز پہلے جناب مسلم بن عقیل نے ایک خط حضرت امام علیہ السلام کو لکھا تھا اور ظاہر کیا کہ اہل کوفہ اطاعت اور بیعت کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اسی طرح کچھ دیگر کوفیوں نے خطوط لکھے جن میں یہ خط تھا کہ ایک لاکھ شمشیر زن کا لشکر آپؑ کی نصرت کے لیے موجود ہے لہذا آپؑ کوفہ کے شیعوں کے پاس جلدی پہنچیں۔ امام علیہ السلام نے کوفیوں کے نام تحریر فرمایا اس کا متن یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم..... من الحسین بن علی الی اخوانہ من المومنین والمسلمین سلام
میرے پاس مسلم بن عقیل کا خط آیا جس میں انھوں نے آپؑ کو لوگوں کے حسن نیت اور اسلام کی نصرت کے لیے دعا کی ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ اللہ آپؑ کو اس نظریہ پر قائم رکھے۔ میں ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے تمہاری طرف عازم ہوں اور جب میرا یہ قاصد پہنچے تو آپؑ میں مل بیٹھ کر اپنی رائے پختہ کر لو کیونکہ میں انہی چند دنوں میں تمہارے پاس پہنچوں، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہم قیسؑ یہ روایت عبد اللہ خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا، جب قادسیہ پہنچا تو حصین بن نمیر کے پاس لے کر آیا اور ابن نمیر کے پاس لائے۔ حصین نے پوچھا تم کون ہو اور اس طرف کیوں اور کیسے آئے ہو؟

نہا: اِنِّیْ رَاجُلٌ مِّنْ شِیْعَتِهِ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِی عَلَیْہِ السَّلَام ”میں امیر المومنین علیؑ کے شیعوں میں

ہم نے پوچھا: یہ خط کس کس کے نام پر ہے؟

ابن نمیر نے کمال شجاعت سے کہا کہ یہ خط ان لوگوں کے نام ہے کہ جن کے نام میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔

ہم نے اسے ابن زیاد کے دربار میں بھیج دیا۔ قیس کو خیال آیا کہ خط ممکن ہے ابن زیاد کو مل جائے لہذا کاغذ کے کے منہ میں ڈالا اور نگل گیا۔

سیدنا طاہرؑ لکھتے ہیں: اس پر ابن زیاد بہت غضب ناک ہوا کہ تم نے کاغذ کو کیوں پھاڑا ہے؟ پھر حکم دیا کہ اس کا بھین ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر بھی اس سنگدل نے کہا کہ خدا کی قسم! اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑتا جب تک تم ان لوگوں کے نام نہیں بتاؤ گے جن کے نام امام حسینؑ نے خط لکھا ہے یا اس کے بدلے سزا یہ ہوگی کہ

نہا: میں آ کر قاطعہ زہراؑ کے بیٹے اور شوہر پر تیرا کرو ورنہ میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

قیسؑ نے کہا کہ جہاں تک ناموں کا تعلق ہے وہ کبھی نہ بتاؤں گا۔ البتہ میز پر جا کر مجمع عام میں تقریر کرنا قبول کرتا ہوں۔ ابن زیاد نے حکم دیا تو لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ قیس کو منبر پر لایا گیا۔ اس نے پہلے حمد خدا اور تعریف مصطفیٰؐ کی،

نہا: اور اولاد علیؑ پر درود و صلوات پڑھنا شروع کر دیا اور یزید، ابن زیاد اور آلِ امیہ پر لعنت کرنے کے بعد فرمایا:

”میں حسینؑ کا تمہاری طرف قاصد ہوں، وہ فلاں مقام پر آچکے ہیں، آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں۔ اگر ان کی خدمت پہنچے ہو تو جلدی کرو اور ان کی خدمت میں پہنچو اور اطاعت کا حق ادا کر دو۔ جب یہ بات ابن زیاد کو پہنچی تو حکم دیا کہ تمہارے پاؤں باندھ کر دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرا دو۔ فَتَکْسَرُ عِظَامُہُ جس سے ان کے جسم کی تمام ہڈیاں

تکسریں۔ جب کہ قیسؑ امام حسینؑ کی غربت پر گریہ کر رہے تھے۔

یہ شخص عبد الملک بن عمر آگے بڑھا اور اسے آزاد و شجاع مرد کا سراپا دکھانے لگا۔ لوگ اس کی مدح میں طعن کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ملعون! یہ ابھی خود بخود موت کی آغوش میں جا رہا تھا کیوں اس کو قتل نہ کیا؟

نہا: کاخون اپنے ذمے لے لیا۔

قیسؑ نے کہا: میرا خیال تھا کہ اسے تکلف نہ ہو اور جلدی موت آجائے۔

مرحوم سید ابن طاووس نے لکھا ہے: جب ان کی شہادت کی خبر امام حسین علیہ السلام کو ملی تو حضرت بہت آنسو بہائے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلِشِيعَتِنَا مَنَزِلًا كَرِيْمًا وَّاجْتَمِعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فِي مُسْتَقَرٍّ رَحِمَتِكَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

”اے میرے اللہ! ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لیے ایک کریم منزل قرار دے اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے ٹھکانے میں جمع کر دے تو ہر شے پر قادر ہے۔“

حضرت امام حسینؑ کی اگلی منزل پر عبد اللہ بن مطیع سے ملاقات

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امام علیہ السلام حاجر سے سفر کر کے اعراب کے پانیوں کے پاس پہنچے، اس عبد اللہ بن مطیع حضرت امامؑ کی طرف متوجہ ہوا کہ حضرت امام حسینؑ تو عراق کی طرف عازم سفر ہیں اس لیے حاضر سلام کے بعد عرض کرنے لگا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا وجہ ہے کہ عراق کی طرف قدم رنجہ فرمایا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب سے معاویہ مرا ہے جب سے اہل کوفہ مجھے خطوط لکھ رہے ہیں، مسلسل و فوج بھیج رہے اور کوفہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں تاکہ ان کی ہدایت کروں، اس لیے کوفہ جا رہا ہوں۔

عبد اللہ بن مطیع نے عرض کیا: آپ کو خدا کی قسم! کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ آپ کا وہاں جانا ہر ایک حرمت کا باعث ہوگا۔ اگر آپ کے کوفہ جانے کا مقصد اپنے حق کا مطالبہ ہے تو خدا کی قسم! بنی امیہ آپ کو اپنا حق سے محروم کر دیں گے اور اگر آپ جیسی شخصیت قتل ہوگئی تو اسلام، عرب اور قریش کی حرمت پامال ہو جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ عبد اللہ بن مطیع نے عرض کیا: اے فرزند رسول! آپ کے غی میں تشریف رکھیں، قلعہ کے سردار ہیں۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: جو تو نے کہا یہ سچ اور حق ہے لیکن میں صوف سے فرار نہ کر آیا ہوں تاکہ بنی امیہ کے ہاتھ سے نہ رہوں اور نہ ہی ان کا مرجانا باطلان زندگی سے بہتر ہے اور انکو سبھاؤ کا موقع ملا تو یہ بتائے گا کہ ان کا حق ہے بلکہ شریعت کے مطابق ہے۔

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلٰی الْحَقِّ اَوَّلٰی عَمَلٍ الْخَبِیْثِ عَلٰی الْبَاطِلِ الْمَلُوْطِ فِی الْمَعْرِضِ خَیْرٌ مِّنْ اَخِیْثٍ لَا فِیْہِ

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلٰی الْحَقِّ اَوَّلٰی عَمَلٍ الْخَبِیْثِ عَلٰی الْبَاطِلِ الْمَلُوْطِ فِی الْمَعْرِضِ خَیْرٌ مِّنْ اَخِیْثٍ لَا فِیْہِ

”باطل پر زندہ رہنے سے حق پر موت آتا بہتر ہے اور عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔“

امت امام حسینؑ کی آئندہ منزل پر زہیر بن قین سے ملاقات

حضرت امامؑ حاجر کی منزل سے سفر کر کے اعراب کے پانیوں سے ہوتے ہوئے ذرود نامی منزل پر پہنچے تو یہاں نزول پایا۔

فتح مفید علیہ الرحمہ ارشاد میں فرماتے ہیں: قبیلہ فزارہ اور بجیلہ کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ ہم زہیر بن قین بجلی کے ساتھ (وقتِ صبح) کے ساتھ سفر مکہ کے لیے رواں تھے۔ مناسک حج ادا کر کے جلدی جلدی واپس سفر کر رہے تھے کہ ہم پر حضرت امام حسینؑ کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ ہماری ملاقات حضرت امام حسینؑ سے نہ ہونے لے۔ لیکن ہمیشہ ان کے کارواں سے آگے پیچھے اپنا پڑاؤ رکھتے تھے لیکن اس منزل ذرود پر مجبوراً ہمیں بھی خیمے لگانے پڑے۔ ہم اپنے خیمے میں بیٹھے تھے، دسترخوان لگایا اور کھانا کھانے لگے کہ اچانک امام حسینؑ علیہ السلام کا قاصد خیمہ کے آگے پر آیا اور سلام کے بعد کہنے لگا کہ حضرت امام حسینؑ ذرود و سلام کے بعد زہیر بن قین کو یاد کر رہے ہیں۔ ہم یہ سنتے ہی خاموش ہو گئے اور سر جھکا لیے۔ لقمے ہمارے ہاتھوں سے گرنے لگے۔ زہیر کی بیوی و بچہ جو پشت پردہ میں بیٹھی تھیں پیغام اور ہماری خاموشی کو سن اور دیکھ رہی تھی تو اسے غصہ آیا اور ٹنڈ لہجہ سے اپنے شوہر (زہیر) کو یوں مخاطب کیا:

سبحان اللہ! یہ کیا مطلب ہے، تمہیں شرم نہیں آتی اور پیغمبرؐ سے شرمندہ نہیں ہوتے کہ فرزندِ پیغمبرؐ کا قصد بھیج کر تمہیں قتل کر دے۔ تم سوچ رہے ہو کیوں ان کو ملنے نہیں جاتے؟ اٹھو اور جاؤ جو حکم وہ دیں اس کی تعمیل کرو اور کبھی کوتاہی نہ کرنا اور نہ ہی

سائیر دل خاتون کی بات کا زہیر پر بڑا اثر ہوا، وہ اٹھے اور امام حسینؑ کے خیام کی طرف روانہ ہو گئے۔ زہیر ایک حریف بہادر، جنگوں میں فاتح و غالب، صاحبِ قبیلہ اور صاحبِ شمشیر تھے۔ جب امامؑ کے خیمے کے قریب پہنچے تو حضرت ہاشمی شہامت اور فاطمی فطرت جوانوں جو گیارہ سال سے بیس سال تک کے تھے، نے زہیر کا استقبال کیا اور امامؑ کو پہنچایا۔ زہیر جب اندر داخل ہوئے تو ان کی نظر ملکوتی جہان اور ہر سکون دل کے مالک امامؑ کے چہرے پر پڑی جو مسندِ لگائے خدا سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔ زہیر نے سلام کیا، حضرتؑ نے جواب دیا۔ بیٹھنے کو فرمایا، احوال پرسی

حسبِ روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے زہیر سے فرمایا: اے زہیر! کیا تمہارا اب بھی ذوق ہے کہ

محبت الہی میں جہاد کرو اور اپنی تلوار کے پانی سے فساد کی آگ کو خاموش کرو، نیز ضعیف شہادت کے گرد پروانہ وار پرواز کرو۔ خوشنودی خدا کا ایک دروازہ اپنے لیے کھول دو؟ یعنی میری نصرت میں کمر ہمت باندھو اور ولایت کے دامن سے متمسک رہو تاکہ دنیا و آخرت میں میری ہمراہی نصیب ہو۔

زہیر نے امام حسین علیہ السلام کے کلام کو بغور سنا اور سوچنے لگا: اب عقل و نفس کے درمیان جنگ و جدل شروع ہو رہی ہے۔ عقل کہتی تھی کہ امام کی اطاعت کرو۔ نفس کہتا ہے: کیوں جان اور مقام ضائع کرتے ہو اور دنیاوی رنگینیوں سے ہوتے ہو؟

کافی سوچ بچار اور نفس و عقل کی جنگ کے بعد رحمانی جذبہ نے جنگ اور شیطانی وسوسوں سے نجات دی اور زہیر نے چہرے پر آہستہ آہستہ رونق آنا شروع ہو گئی۔ بالآخر اس کا چہرہ منور ہو گیا۔ اُس نے سر بلند کیا اور عرض کیا:

اے عزیز پیغمبر! اے فاطمہ کے نور چشم! میں آپ کی راہ میں جان، مال، عیال، فرزند سبھی کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں، البتہ شرط یہی ہے کہ جو خود آپ نے مقرر فرمائی ہے کہ آخرت میں آپ کی ہمراہی نصیب ہو۔ کافی عرصہ سے یہ توقع تھی آج دل کی آرزو پوری ہو رہی ہے۔ پھر زہیر اپنے خیمے میں گئے لیکن بہت خوش خوش اور سرور تھے۔ نوکروں کو کہ خیمے اکٹھا کرے جائیں اور سامان اکٹھا کیا جائے اور امام حسینؑ کے کارواں کے ساتھ ملحق ہو جائیں۔ اپنے دوستوں سے جو شخص بہشت کا شوق رکھتا ہے وہ میرے ساتھ آئے میں جا رہا ہوں اور جو شخص شہادت سے گھبراتا ہے وہ مجھ سے ہو جائے۔ زہیر کے اکثر دوست شہادت سے منہ موڑ کر کوفہ چلے گئے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ اس کا چچا زاد بھائی سلیمان بن مضارب ابن قیس اس کے ساتھ رہا اور وہ امامؑ میں شامل ہو گئے اور روزِ عاشورہ نمازِ ظہر کے بعد شہید ہوئے۔

شیخ مفید ارشاد میں بیان فرماتے ہیں: زہیر نے اپنی ہمسر کو طلاق دے کر آزاد کر دیا۔

صاحبِ روضۃ الشہداء کا بیان ہے کہ زہیر نے اپنی بیوی سے کہا: اے بیوی! اس مال و دولت سے جس قدر چاہے اٹھالے اور اپنے بھائی کے ساتھ کوفہ چلی جا، کیونکہ میں فرزندِ علیؑ کی غلامی میں جا رہا ہوں اور جب تک جان سے قدموں سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔

بیوی نے یہ سنا تو زار و قطار رونے لگی پھر عرض کیا: اے مرد! بے وفائی نہ کرو، اس راہ کو میں نے تمہارے لیے ہی چھوڑ دیا ہے اب فرزندِ علیؑ کی غلامی میں جا رہے ہو تو مجھے بھی ساتھ لے چلو، میں دخترِ علیؑ کی غلامی کرتی رہوں گی تو اس گھر کا دشمن اس گھر کی کنیز ہوں گی۔ پس دونوں نے اولادِ رسولؐ کی خدمت گزاری کے لیے کمر ہمت باندھی اور بتولؑ کی

محلہ: جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع

سفر کرتے ہوئے ثعلبیہ کے قریب امام حسین علیہ السلام کے کارواں سے آٹے۔ جب ہم نے چاہا کہ حضرتؑ کے ہمراہ تو اچانک ہم نے کوفہ کی جانب سے ایک سوار آتا ہوا دیکھ لیا، جب اس نے امام حسینؑ کے کارواں کو دیکھا تو اپنا سر اٹھا لیا۔

حضرت امام حسینؑ نے تھوڑا سا توقف کیا کہ شاید اس شخص سے ملاقات ہو جائے لیکن جب اس نے راستہ بدلا تو ہم سے دور ہو گیا کہ معلوم کریں کہ یہ شخص کون ہے اور کدھر جا رہا ہے؟ اس کے پاس ضرور کوفہ کی تازہ خبر ہوگی۔ پس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچے، سلام کیا اور پوچھا کہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: بنی اسد سے ہوں۔ ہم نے کہا: بنی اسدی ہیں، پھر اس سے نام پوچھا اور اپنا نام بتایا اور پھر اس سے کوفہ کی تازہ خبریں پوچھیں۔

س نے کہا کہ تازہ خبر یہ ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل ہوتے دیکھ آیا ہوں۔
شہادت کے بعد ان کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا پھر ہم اس شخص کو چھوڑ کر امام کے
ساتھ رات ہو گئی تھی۔ ہم ثعلبیہ پہنچ گئے تو حضرتؑ نے وہاں رات بھر نے کا حکم دے دیا تھا۔ نزولِ اجلال کے بعد
ہم نے کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام و جواب کے بعد ہم نے عرض کیا: مولاً! ہمارے پاس ایک تازہ خبر ہے، اگر
تو سب کے سامنے بتا دیں ورنہ آپ کو تباہی میں عرض کریں۔

حضرت نے ایک مرتبہ ہمارے اطراف اور پھر اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں اپنے اصحاب سے کوئی چیز **محمدرکما**، سب کے سامنے خبر دو۔ پھر ہم نے وہ دردناک خبر بتائی تو اس خبر سے امام بہت دکھی ہوئے اور دیر تک بار بار **يَا أَيُّهَا الرَّحْمَنُ ارْحَمْنَا إِنَّكَ رَاحِمٌ رَحِيمٌ** کہتے رہے۔

مجموعہ نے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! اگر اہلِ کوفہ آپ کے خلاف نہ بھی ہوں تو کبھی آپ کے حامی بھی نہیں ہو سکتے، حتیٰ کہ گزارش ہے کہ کوفہ کی طرف سفر کرنے کو ترک کر دیں اور وہاں چلے جائیں۔

حضرت امام علیہ السلام نے عقیل کی اولاد کی طرف توجہ کی اور پوچھا: مسلم تو شہید ہو گئے ہیں تم واپس چلے جاؤ۔ کوئی مصلحت دیکھتے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ مسلم کا بدلہ نہ لے لیں یا شہادت کا وہ ثبوت نہیں جو مسلم اور ہاشمی نے بپا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس وقت ظلم کے بعد دنیا کی زندگی میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے ہم سمجھ گئے کہ حضرت سقر کوفہ پر عازم ہیں۔ عرض کیا: جو خدا کی طرف سے بہتر ہو وہ آپ کو نصیب ہو۔

اصحاب نے عرض کیا: آپ کا کام اور نام مسلم بن عقیل سے جدا ہے، آپ جب کوفہ جائیں گے تو لوگ جلدی کی طرف رُخ کریں گے۔ حضرت چونکہ انجام سے واقف تھے لہذا خاموش رہے۔

مرحوم سید ابن طاووس نے لہوف میں بیان فرمایا ہے کہ جب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو امام علیہ السلام زار و قطار روئے اور فرمایا:

خدا رحمت کرے مسلم اور ہاشمی پر وہ جنت رضوان میں پہنچ گئے، جو ان کا فریضہ تھا ادا کر گئے۔ اب ہم نے اپنا فیض کرنا ہے۔ پھر دنیا کی بے وفائی اور شہادت کی فضیلت پر مشتمل چند اشعار پڑھے۔

شیخ عباس قمی صاحب ختمی الآمال میں بعض مؤرخین سے نقل کرتے ہیں: حضرت مسلم بن عقیل کی ایک حیرہ رہی۔ جو امام حسین کی بیٹیوں کے ساتھ زندگی گزارتی تھی اور دن رات ان کے ساتھ رہتی تھی۔ جب امام حسین کو جناب مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچی تو پردہ داروں کے پاس آئے، جناب مسلم کی بیٹی کو بلایا اور گود میں بٹھا کر بہت پیار اور نوازش کی۔ اس بچی نے معمول سے بڑھ کر نوازش محسوس کی تو دختر مسلم نے عرض کیا:

اے فرزند رسول! آج آپ میرے ساتھ ایسا پیار کر رہے ہیں جو یتیم اور بے سہارا بچوں سے کیا جاتا ہے۔ میرے خیر سے تو ہیں؟ کیا میرے بابا شہید ہو گئے؟

حضرت کے پاس جواب دینے کی طاقت نہ تھی مگر صبر نہ کر سکے اور باوازا بلند روتے ہوئے فرمایا: اے میری بیٹی پریشان نہ ہو اگر مسلم نہیں تو میں تمہارا باپ ہوں اور میری بہن تمہاری ماں ہیں، میری بیٹیاں تمہاری بہنیں اور میرے تمہارے بھائی ہیں۔

جناب مسلم کی بیٹی کی فریاد نکلی اور وہ زار و قطار رونے لگی۔ مسلم کے چھوٹے چھوٹے چچوں نے سڑوں سے ٹکڑے دیئے اور ہائے کرتے ہوئے بہن کے گلے لگ گئے۔ جب چھوٹے بچے روئیں تو کوئی بڑا کیسے صبر کر سکتا ہے

سرمہ شروع ہو گیا اور امام حسینؑ نے مسلم بن عقیل کی شہادت سے سب سے زیادہ دکھی ہوئے۔
جس نے:

انداز مجھے آج وہی ہے نظر آتا جس طرح قیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا
اس پیار پہ دل ہے مرا کھڑے ہوا جاتا کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکین نہیں پاتا
کوفے سے بڑی دور سفر کر گئے بابا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا

سرمہ کی شہادت کی اطلاع کہاں ملی؟

جب معالی السطین لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صاحب نفس مہبوم لکھتے ہیں: منزل زرود سے کوچ
بعد ایک اسدی شخص نے خبر دی کہ بچے، جناب مسلم اور ہاشمی کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹ رہے تھے تو امامؑ نے اِنَّا
نَبِیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا۔

سیدنا طاووس ابوہف میں لکھتے ہیں: منزل زبالہ پر امام علیہ السلام کو جناب مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اس خبر کے
دنیا کے لالچ کی خاطر آنے والے حضرات ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور حضرتؑ کے ساتھ آپؑ کے خالص صحابہ باقی رہ

سبح حبیب السیر میں ہے کہ جب امام علیہ السلام منزل زبالہ پر پہنچے تو کوفہ سے ایک قاصد عمر بن سعید بن ابی وقاص
حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا۔ اس خط میں عمر بن سعید نے مسلم بن عقیل اور ہاشمی بن عروہ کی شہادت کی اطلاع
میں بن سحر کی شہادت کی طرف اشارہ بھی تھا۔

جب ارشاد تحریر کرتے ہیں: جب امام علیہ السلام منزل تعلیہ سے نکلے اور زبالہ پہنچے تو وہاں عبداللہ بن قنطر کی شہادت
حضرت یہ سن کر بہت روئے اور فرمایا:

”لَنْهُمْ أَجْعَلَ لَنَا وَلِشِيعَتِنَا مَنْزِلًا كَرِيمًا وَاجْتَمَعَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فِي مُسْتَقَرٍّ رَاحَتِكَ إِنَّكَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

”اے میرے اللہ! ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لیے ایک کریم منزل بنا جہاں ہمیں اور ان کو اپنی
رحمت کے مستقر میں جمع کر دے۔“

پھر حضرت نے ایک تحریر پڑھی جس میں اپنے اصحاب سے خطاب تھا اور تحریر یہ تھی کہ ہمیں مسلم بن عقیل اور عبد اللہ بن مظہر کی دردناک شہادتوں کی اطلاع مل چکی ہے۔ تم میں سے جو بھی ہمیں چھوڑ کر کہیں جانا چاہے، جو سزا ہم اس سے ناراض نہیں ہیں۔

اس تقریر کے بعد کافی لوگ شمع ہدایت و امامت سے دور ہونے لگے اور دائیں بائیں جانے لگے حتیٰ کہ وہ اصحاب باقی بچے جو مدینہ سے چلے تھے اور کچھ لوگ ساتھ ملحق ہونے والے باقی رہے جب کہ صاحب عقد الفرید رہے کہ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر منزل شراف پر ملی تھی۔

منزل معلبیہ کے واقعات

اس منزل پر تین مشہور واقعات پیش آئے: حضرت مسلم بن عقیل سلام اللہ علیہ و ہانی بن عروہ کی دردناک خبر۔ صاحب حدائق الانس (واعظ قزوینی) شیخ مفید کی ارشاد سے نقل کرتے ہیں: بنی اسد کے دو شخص عبد اللہ بن منذر بن شمعل حج پر گئے۔ جب مناسک حج ادا کر لے تو ہمیں امام حسین علیہ السلام سے ملحق ہونے کا شوق تھا۔ انجام کیا ہوتا ہے؟ لہذا ہم جلدی واپس آئے، تیزی سے سفر کر رہے تھے کہ منزل زروود پر کاروان حسینی کے قریب پہنچے۔ ایک شخص کوفہ سے آتے دیکھا کہ جب اس نے امام حسینؑ کو دیکھا تو راستہ بدل لیا۔ امام حسینؑ چاہتے تھے کہ دو شخص قریب آئے اور کوفہ کی خبر سنائے (نیز اپنے امام زمانؑ سے کسی حال میں منہ نہیں موڑنا چاہیے)۔ ہم دونوں اس شخص جا پہنچے۔ پوچھا: کون سا قبیلہ ہے؟ کہا: اسدی۔ ہم نے کہا: بہت اچھا ہم بھی اسدی ہیں۔ تم اپنا نام بتاؤ۔ اس۔ فلاں۔ ہم نے بھی اپنا تعارف کروایا تو وہ ہمیں پہچان گیا۔ ہم نے پوچھا: اَخْبِرْنَا عَنْكَ وَرَأَيْكَ کوفہ کی تازہ خبر بتاؤ۔ اس نے کہا: کوفہ کے حالات بہت خراب ہیں، میں نے خود دیکھا ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل ہوئے۔ رَأَيْتُهُمَا يَجْزَانِ بَاسًا جُلِيهَما فِي السُّوقِ، اور دونوں کے پاؤں کو باندھ کر بازار میں پھرایا جا رہا تھا، یہ رہ گیا۔ ہم واپس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت کے صحابہ اور بنی ہاشم کے جوان سب حضرت کے پاس تھے، بعض کھڑے تھے اور بعض بیٹھ کر اقلیم امامت کی زیارت کر رہے تھے۔

ہم نے عرض کیا: عِنْدَنَا خَبَرٌ إِنَّ شَيْئًا حَدَّثَكَ عِلَانِيَةً أَوْ إِنَّ شَيْئًا سَرًّا ”ہمارے پاس ایسا ہے۔ اگر اجازت دے سب کے سامنے بتا دیں ورنہ تمہاری میں بتائیں۔“

حضرت نے اصحاب اور جاری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرے اور میری اس جماعت کے درمیان کوئی

حضر ہے۔ تنہائی اغیار سے ہوتی ہے اپنوں سے نہیں اور میں جانتا ہوں لہذا سب کے سامنے بتا دو۔

نے عرض کیا: مولاً! جو کل عصر کے وقت ایک سوار کوفہ سے آ رہا تھا اور اس نے راستہ تبدیل کر لیا تھا۔ ہم اس کے پاس سے کوفہ کے تازہ حالات پوچھے۔ وہ اسدی شخص ہمارا جاننا پہچانا اور سچا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ فرزندِ پیغمبرؐ سے ہیں کیا وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں کہ چلتے تیروں شمشیروں میں جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! مسلم بن عقیلؓ وہ شہید کر دیے گئے، اُن کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا گیا۔

حضرتؐ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رَاحِمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا آپؐ زار و قطار روتے تھے اور بار بار یہی کلمہ پڑھتے تھے۔

نے عرض کیا: جب یہ حالات ہیں تو بہتر ہے کہ آپؐ یہاں سے واپس جائیں اور اپنے اہل بیتؑ کو ساتھ لے کر کوفہ میں کوئی آپؐ کا حامی و ناصر نہیں بلکہ تمام لوگ آپؐ کے دشمن ہیں۔

محمدؐ اسلام کلینی نے منزلِ تعلیمیہ کا دوسرا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور حضرتؑ کو سے روکا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اگر مدینہ میرے پاس آتا تو اپنے گھر جبرئیلؑ کے آنے جانے کا مقام دکھاتا اور یہ کہ جبرئیل امینؑ کس طرح میرے نانا رسولؐ پر وحی لاتے تھے۔ حالانکہ وہ علم و معرفت کے چشمے جو ہمارے گھر سے بہتے ہیں تو کیا ہم نہیں جانتے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ہم اللہ کے قضا و قدر کو بھی جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ میری تقدیر بنائی ہے میں اُسے جانتا ہوں اور اُسی کے پیچھے جا رہا ہوں۔

تیسرا واقعہ وہب بن عبد اللہ کلبی کا ملحق ہونا ہے۔ وہب ایک عیسائی، شجاع اور بلند قامت شخص تھا، اس کا گھر اسی صحرا میں تھا۔ جب امام حسین علیہ السلام کا کارواں یہاں پہنچا تو اس وقت وہب صحرا کی طرف گیا ہوا تھا۔ امام حسینؑ کی برکت سے جیسے کے نزدیک پانی کا چشمہ نکلا جس کا پانی بہت صاف اور میٹھا تھا۔

جب صحرا سے واپس آیا اور اس چشمے کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنی ماں قمر سے پوچھا کہ یہ اس قدر صاف چشمہ کہاں سے آیا؟ ماں نے کہا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک عظیم شخص اس خیمہ سے گزرا، احوال پرسی کی، تمہارا پوچھا تو تمہارا نام و نسب بتایا۔ انھوں نے فرمایا: جب وہ واپس آئے تو اسے ہمارے پاس بھیجنا۔ اس عظیم شخصیت کے پاس نیزہ تھوڑے وزن پر مارا تو اس جگہ سے پانی کا چشمہ ظاہر ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

جب کے اندر اس شخصیت کو پانے کا وجدان پیدا ہوا۔ کہا: اماں! یہ خدا کا احسان ہے، ایسے شخص کی غلامی دونوں دنیا و آخرت میں ہے، اُنھو ہم اپنے آپ کو ان کے پاس حاضر کریں اور ان کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت کریں۔ پس اپنا خیمہ

اکھاڑا اور سامان سفر باندھ کر چل پڑے تاکہ امام حسینؑ کے کارواں سے ملتی ہو سکیں۔ جب وہب امامؑ کے پاس پہنچا تو اس کے پاؤں پر گر پڑا اور صدقِ خلوص سے مسلمان ہو گیا۔ نیز حضرتؑ کے مہر کاب ہو گیا حتیٰ کہ کربلا پہنچے، اس سرزمین شہید کاظمیہ سلام اللہ علیہا کے عزیز کی نصرت میں شہادت حاصل کی۔

منزل زبالہ کے واقعات

صاحب ارشاد فرماتے ہیں: جب امامؑ نے منزل ثعلبیہ سے روانگی کا حکم دیا تو جوانوں اور غلاموں سے فرمایا: "میں سے زیادہ سے زیادہ پانی بھرو۔ تمام کارواں نے اضافی پانی بھر لیا، خود بھی سیر ہو کر پیا۔ ظروف اور مشکوں کو پُر کر دیا۔" چلتے چلتے منزل زبالہ پر پہنچے، ابھی آرام نہیں کیا تھا کہ عبداللہ بن مظہر کی دردناک شہادت کی اطلاع امامؑ کو پہنچ گئی کہ جب عبداللہ گرفتار ہو گئے تو بڑی ذلت کے ساتھ ابن زیاد کے فوجیوں نے انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیے۔ ملعون نے پہلے حکم دیا کہ اس کا مثلہ کیا جائے پھر گردن کاٹی جائے۔ اس دردناک خبر کا اثر تھا کہ اس منزل پر مجلس سوگواری کی محفل برپا ہوئی اور جوانوں اور اصحاب نے دل کھول کر اس مظلوم پر گریہ کیا اور اسی منزل پر بروایت صاحب الصفاء وہ کاغذ اور خط عمر بن سعد کی طرف سے امامؑ کو پہنچا (جس میں جناب مسلمؑ نے عمر بن سعد کو وصیت کی تھی) اور ان میں حضرت مسلم بن عقیل، حضرت ہانی بن عروہ اور عبداللہ مظہرؑ کی شہادتوں کے ہولناک جزئیات بھی لکھی تھیں۔

امام حسین علیہ السلام نے خط پڑھنے کے بعد اصحاب میں یہ خطبہ بیان فرمایا۔ ابی جحیف کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابی بیان کی پھر رسول اللہ کی تعریف کی اور پھر فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنَا جَمَعْتُكُمْ عَلَى أَنَّ الْعَرَّاقِي لِي وَقَدْ جَآئَنِي بِخَبَرِ قَطِيعٍ مِنْ أَمْرِ مُسْلِمِ

بن عَقِيلٍ وَهَانِي بن عُرْوَةَ وَقَدْ خَذَلْنَا وَشِيعَتُنَا

میں نے تم لوگو! میں نے اس خیال سے تمہیں جمع کیا کہ عراق میرا ہے لیکن ابھی حضرات مسلمؑ اور ہانیؑ کی

شہادت کی وحشت ناک اور دردناک خبر آئی ہے، پس ہم اور ہمارے شیعہ کوفہ میں مخزول (رسوا)

ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا:

مَنْ كَانَ يَصْبِرُ عَلَى حَرِّ الْإِسْنَةِ وَحَدِّ السُّيُوفِ إِلَّا فَلْيَنْصِرْ فَلَيْسَ مِنْ أَمْرِ شَيْئًا

جو شخص تیر و تلواری کی حرارت اور تیزی کو برداشت کر سکتا ہے وہ ہمارے ساتھ چلتا

رہے اور جو یہ طاقت نہیں رکھتا جہاں جانا چاہے وہ چلا جائے۔ مجھے سوائے شہادت کے ادو کچھ نہ ملے گا۔

۴۔ تقریر کے بعد وہ لوگ جو دنیاوی مقام اور منصب کے لالچ میں حضرت کے ساتھ آ رہے تھے، اپنی آرزوؤں کے لئے سے واپس ہو گئے تو لہذا جعلوا یتفرقون یبینا ویشمالا فی الاودیۃ، ”کافی لوگ خیموں سے باہر نکلے اور شمال و جنوب میں متفرق ہو گئے“ باقی صرف مخلص لوگ بچ گئے جن کا ہدف صرف اور صرف واجب الطاعات امام کی اطاعت اور اس کی راہ میں قربانی ہے۔

پس اغیار کے چلے جانے اور اغیار کے باقی رہ جانے کے بعد جب اصحاب نے امام مظلوم کی عزت اور تہائی دیکھی تو ستم بن عقیل کی شہادت کا بہانہ بنا کر زار و قطار رونے لگے اور اس قدر زور سے گریہ کیا کہ ہر دھڑکتے دشمن سن کر روٹا۔ یہ ساروں میں اس قدر مگر یہ ہوا کہ آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

حضرت امام حسینؑ کا کارواں قصر بن مقاتلؒ پر اور عبید اللہ بن جریجؒ کی امام سے ملاقات

[illegible]

۱۔ امام علیہ السلام نے اسی کے قبیلہ کے حجاج بن مسروق کو اپنے ملائے کے لیے بھیجا۔ حجاج نے سلام کے بعد ہاتھ کا پیغام دیا۔

۱۔ عہدِ انبیاؑ میں کیا لڑنے کا حق تھا اور کتنا مجھے کہیں کے بلا جتے ہیں یہی مسئلہ اہل فہم و ادب کے لئے سچا سوال ہے۔

۲۔ اچھا بن کر کیا لڑنے کا حق ہے اور اگر دشمنوں سے دفاع میں کوشش کرو تو بہت بڑا ثواب ہے اور اگر کسی جہاد میں نہ شرکت نصیب ہو گئی تو یہ اور انعام الہی ہے۔

۲۔ عید الفطر نہ کہا، میں اہل کوفہ سے اب پرست ہے کھڑا ہوں کہ خدا نے کہہ دیا تھا کہ یہ اسی شہر میں آجائے اور قتل ہو جائے اور ان کے قاتلوں میں شمار ہو جاؤں۔

اے حجاج! یہ جان لو کہ اہل کوفہ دنیا کے لالچ میں خاندان نبوت کی محبت سے منحرف ہو گئے ہیں اور ابن زیاد کی عیت کر چکے ہیں اور فانی چیزوں کو باقی رہنے والی نعمتوں کے برعکس چن لیا ہے۔ میں نہ کوفیوں سے لڑنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ نہ ان کی حمایت کی استطاعت ہے، میں تو خاموش ہوں۔

حجاج واپس امام علیہ السلام کے پاس آئے اور حال بتایا۔ اس وقت امام حسینؑ خود بنفس نفیس اٹھے اور عبید اللہ بن جراح کے پاس چلے گئے۔ عبید اللہ نے تعظیم کی، حضرت کو اچھے مقام پر بٹھایا اور خود حضرت کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تیرے شہر کے معروف لوگوں نے مجھے خطوط لکھے، قاصد بھیجے کہ ہم تمام تمہارے مددگار، اعوان و انصار ہیں، ہماری طرف جلدی آؤ تاکہ ہم آپ کے قدموں پر جانیں قربان کر دیں۔ اب میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اور گمراہی کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔

آپ جانتے ہیں: اے عبید اللہ بن حُر! جو کچھ اچھا نہ کرے گا اس کی جزا اور سزا ضرور ملے گی۔ آج میں تجھے نہ نصرت کے لیے بلاتا ہوں، اگر قبول کرو گے تو قیامت کے دن تانا کے پاس تمہارا شکریہ ادا کروں گا۔ عبید اللہ نے عرض کیا: میں جانتا ہوں کہ جو شخص بھی آپ کی اتباع کرے گا تو آخرت میں کافی عمدہ اور عالی مقام فائز ہوگا لیکن چونکہ کوفیوں نے آپ سے دشمنی کی ٹھان لی ہے اور سوائے آپ کے چند اصحاب نے کوفہ میں آپ کا ہم مددگار کوئی نہیں۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ شکست کھائیں گے کیونکہ یزیدی لشکر بہت زیادہ تعداد میں ہے۔

میں ایک شخص ہوں مجھ ایک کی نصرت سے کیا ہوگا، مجھے معاف کریں میں آپ کی مالی نصرت کر سکتا ہوں، وہ نعمت کر لیں۔ خدا کی قسم! یہ وہ گھوڑا دے رہا ہوں کہ آج تک جس جانور کے پیچھے پڑا ہے اسے مغلوب کیا ہے اور جو شخص پیچھے رہے گا اس گھوڑے کی تیز رفتاری کی وجہ سے میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ یہ میری تلوار صارم ہے، بہت کم لوگوں کے ہتھیار میں امید ہے کہ آپ میرے یہ تحفے قبول فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں گے۔

ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ میں تیرے گھوڑے اور تلوار کی لالچ میں تیرے پاس نہیں آیا بلکہ تجھ سے مدد آجو تو نے قبول نہیں کی۔ مجھے کسی ایسے شخص کے مال کی ضرورت نہیں جو جان دینے سے دریغ کرے۔

عبید اللہ بن حُر بعضی اپنی تقریر پر بہت شرمندہ ہوا اور افسوس کیا اور اس دکھ کو اپنے غم میں مسطور ہیں۔

مرکز حضرت ابی عبد اللہ الحسینؑ منزل زبالہ سے روانہ ہو کر۔

میرا زبالہ سے روانگی کے وقت امامؑ نے تمام اصحاب کو تاکید کی کہ جس قدر برتن اور مشکیں ہیں، پانی سے بھر لو۔
میں پانی لے کر وادی عقبہ میں پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی عکرمہ کا ایک بوڑھا شخص عمرو بن لودان امامؑ کی خدمت میں
آئے۔ کیا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: کوفہ۔

میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! آپ کو خدا کی قسم! یہاں سے واپس چلے جائیں اور کوفہ میں نہ جائیں ورنہ
یہ آپ کا استقبال کریں گے۔

میرا سلام نے فرمایا: اے ضعیف! جو تم بتا رہے ہو اور خبر دے رہے ہو مجھ پر کوئی بات مخفی نہیں لیکن میرا الہی کی
سب سے الہی تقدیرات واقع ہونے والی ہیں اور میں جانتا ہوں۔ پھر فرمایا: خدا کی قسم! یہ شفاک اور ستم کار
مجھے بھی نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ میرے پُر خون دل کو اندر سے کھینچ لیں اور میری شہادت کے بعد حق تعالیٰ ان پر ایسا
نکالے گا کہ جب ذلیل ترین جماعت ہوں گے۔

کیہ ت میں ابن قولویہ قمی کی روایت

حسب کتاب کامل الزیادات میں ابن عبد ربہ کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:
میں نے فرمایا:

صَعَدَ الْحُسَيْنِ عَلَى عَقْبَةِ الْبَطْنِ قَالَ لِاصْحَابِهِ اِنِّیْ لَا اَرَانِیْ اِلَّا مَقْتُولًا ۚ قَالُوْا
وَمَا ذَاكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رُؤِیَا رَاٰیْتُهَا فِی الْمَنَامِ قَالُوْا وَمَا هِیْ؟ قَالَ رَاٰیْتُ كَلَابًا
تَنْهَشْنِیْ اَشْدَّهَا عَلٰی كَلْبِ اَبَقَمَ

جب امام حسینؑ وادی عقبہ کی بلندی پر پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: میں تو اپنے آپ کو مقتول
سمجھ رہا ہوں۔ صحابہ سے عرض کیا: وہ کیسے؟ فرمایا کہ میں نے خواب میں یہی دیکھا ہے۔ صحابہ نے
عرض کیا: خواب کس طرح دیکھا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ کچھ کتے کاٹ
رہے ہیں اور ان سے موذی ترین کتا اہلق اور مردوس ہے۔

حیثیت کو صاحب مقام و فخار نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں: منزل عقبہ کے بعد منزل شراف کو عبد مناف کے
بنو ہاشم نے اپنے سعادت مند قوتوں سے مشرف فرمایا۔ اور ابن عبد ربہ نے کتاب "العقد الفرید" میں رقمطراز
ہے: ستم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع منزل شراف پر آئی تھی۔

امام حسینؑ کی خُربن یزید ریاحی سے ملاقات

صاحبِ فتیٰ الآمال بیان کرتے ہیں: جب امام حسینؑ وادیِ عقبہ سے روانہ ہوئے تو پھر منزلِ شراف پر وہ جب سحری کا وقت ہوا تو حکم فرمایا کہ پانی زیادہ سے زیادہ اٹھا لو۔ منزلِ شراف کی طرف جا رہے تھے کہ ظہر کے نزدیک کے ایک صحابی نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

حضرتؑ نے بھی تکبیر بلند کی اور پوچھا کہ کیا دیکھا ہے؟

صحابی نے عرض کیا: مجھے بھجوروں کے درخت نظر آ رہے ہیں۔ کچھ صحابہ نے عرض کیا: خدا کی قسم! اس علاقہ میں درخت نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: غور سے دیکھو کیا دیکھتے ہو؟

صحابہ نے کہا: خدا کی قسم! ہمیں تو گھوڑوں کی گردنیں نظر آ رہی ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ جب معلوم ہو گیا کہ لشکر آ رہا ہے تو اپنی بانیں طرف واقعہ طرف امامؑ نے میلان فرمایا کیونکہ اگر جنگ کرنا پڑی تو ایک طرف پہاڑ کی پناہ ہوگی اور پہاڑ کی طرف پشت کر کے آسان ہو جائے گا۔ پس پہاڑ کے دامن میں خیمے لگا دیئے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خُربن ریاحی ایک ہزار کا لشکر پہنچ گیا۔ اس شدید گرمی میں فرزندِ رسولؐ نے اس کے لشکر کے سامنے اپنے جوانوں کی قطار کھڑی کر دی اور تمام صحابہ کرام صف بستہ ہو گئے لیکن جب منہجِ جود و کرم امام حسینؑ نے لشکرِ خُربن کے سپاہیوں کی تشنگی اور پیاس دیکھی تو اپنے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ ان تمام لشکریوں کو پانی پلایا جائے، ان کو پانی پلایا گیا، پھر ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا گیا۔ جانوروں کی عادت ہے کہ پانی پیتے وقت تین چار مرتبہ سر کو اٹھاتے ہیں اور سر نیچے کر کے پانی پیتے ہیں۔ سامنے رکھتے ہوئے جانوروں کو پانی سیر ہو کر پلایا گیا۔

خُربن کے لشکر کا ایک شخص علی بن طعان محاربی کہتا ہے: میں خُربن کے لشکر کا آخری سپاہی تھا جو سب سے آخر میں پہنچا۔ پیاس کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی پیاس کی وجہ سے زبوں حال دیکھا تو فرمایا: ”ایہ الراویۃ، میں امامؑ کے مطلب کو نہ سمجھ سکا، اس لیے پھر فرمایا: یا بنی الاخ انہم الجمل“ اے میرے دو تاکہ پانی پلایا جائے۔ اور مجھے فرمایا کہ تم بھی پانی پیو۔ جب میں نے پانی پینا چاہا تو پانی مٹک کے منہ سے نکلا۔

آپؑ نے فرمایا: مٹک کا منہ اپنے منہ میں رکھو (پیاس کا اس قدر غلبہ تھا کہ مٹک سے پانی پینا بھی مشکل

نہت کی وجہ سے کچھ بھی نہ سمجھا تو خود امام بنفس نفیس اٹھے اور مشک کا منہ میرے منہ میں ڈال کر مجھے سیراب کیا۔

۱۔ دوران میں خُ امام حسینؑ سے مذاکرات کرتا رہا۔ جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو امامؑ نے حجاج بن مسروق سے فرمایا: امام کربند، خطین اور عبا اوڑھے دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور ایک خطبہ بیان کیا، جس میں پہلے

۲۔ حمد و ثناء کی۔ پھر فرمایا: اے لوگو! میں خود بخود تمہاری طرف نہیں آیا بلکہ تمہارے بے درپے خطوط اور وفود کی دعوت پر

۳۔ نے خطوط میں لکھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آئیں ہماری امامت کرائیں شاید کہ خدا ہمیں آپ کے صدقے حق اور

۴۔ مدد دے۔ پس میں سامانِ سفر باندھ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر تم اپنے وعدے پر قائم رہو تو اپنے عہد کو پورا

۵۔ گئے مطمئن کرو۔ اور اگر تم وعدوں سے منحرف ہو گئے ہو اور میرے آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

۶۔ کے بے وفا کوفیوں نے خاموشی اختیار کی اور جواب نہ دیا۔ پس حضرتؑ نے مؤذن سے فرمایا کہ اقامتِ نماز

۷۔ سے کہا کہ تم بھی اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ خُ نے کہا کہ میں بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ پس

۸۔ یوں لشکروں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہر لشکر والا اپنے اپنے لشکر میں چلا گیا۔

۹۔ میں سُر می تھی، لشکر والے سپاہیوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی لگا میں پکڑیں اور ان کے سائے میں بیٹھے رہے۔ جب

۱۰۔ تو حضرتؑ نے حکم دیا کہ روانگی کے لیے تیاری کریں اور منادی نے نمازِ عصر کی ندا کی۔ نمازِ ظہر کی طرح عصر بھی

۱۱۔ عتداء میں دونوں لشکروں نے پڑھی۔ نماز کے بعد سلام کے بعد امامؑ نے لشکرِ حر کو یوں خطبہ دیا:

۱۲۔ دو! تمہارے اندر خوفِ خدا ہے اور اہل حق کے حق کو پہچانتے ہو تو خدا تم سے زیادہ راضی اور خوشنود ہوگا۔ اور ہم

۱۳۔ بیت ہیں اور ہم اس ناحق گروہ (غنی امیہ) سے زیادہ حکومت کرنے کے اہل ہیں۔ یہ لوگ تمہارے درمیان ظلم و

۱۴۔ کرتے ہیں۔ اگر گمراہی اور جہالت تمہارے اندر راسخ ہو چکی ہے اور تمہارا نظریہ جو خطوط میں لکھا تھا تبدیل ہو چکا

۱۵۔ نہ نہیں، میں واپس چلا جاتا ہوں۔

۱۶۔ نے جواباً عرض کیا: خدا کی قسم! مجھے ان خطوط اور وفودِ جنہوں نے آپؑ کو دعوت دی، کی کوئی خبر نہیں ہے۔

۱۷۔ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ وہ تھمیلایا خورجین لاؤ جس میں خطوط ہیں۔ وہ تھمیلایا اور خطوط کو زمین پر

۱۸۔ نے کہا: میں ان میں سے نہیں ہوں جنہوں نے آپؑ کو خط لکھے اور اب تو مجھے مامور کیا گیا ہے کہ آپؑ سے جدا نہ

۱۹۔ آپؑ وہ میں ابن زیاد کے پاس لے جاؤ۔

۲۰۔ نے کہے کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری موت تمہاری اس فکر سے زیادہ نزدیک ہے۔ پھر

اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں اور سامان سفر باندھ کر چلیں۔ پس عورتوں کو سوار کیا گیا اور سامان سفر باندھ کر ہونے لگے تو امامؑ نے فرمایا: ہم واپس جاتے ہیں۔ جب امامؑ کا لشکر واپس جانے لگا تو خُر اور اس کے لشکر نے واپس روک لیا اور واپس کے راستے کو بند کر دیا۔

حضرتؑ نے خُر سے فرمایا: فَكَلِّتَكَ اُمْلَكَ مَا تُرِيدُ ”تیری ماں تیرے غم میں روئے تو اب ہم سے کیا چاہتا ہے“ خُر نے کہا: اگر آپؑ کے علاوہ کوئی شخص میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا ضرور تذکرہ کرتا، لیکن آپؑ کی ماں کے بارے سوائے تعظیم و تکریم کے کوئی لفظ زبان پر نہیں لاسکتا۔

حضرتؑ نے فرمایا: اب تم چاہتے کیا ہو ہم تو واپس جاتے ہیں؟
خُر نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ آپؑ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤں۔
حضرتؑ نے فرمایا: میں تیری موافقت نہیں کرتا۔

خُر نے کہا: میں بھی آپؑ کو کسی صورت چھوڑنے کو تیار نہیں۔

اس موضوع پر کافی گفتگو ہوتی رہی، بالآخر خُر نے کہا کہ میں آپؑ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں بلکہ کہ آپؑ کو اکیلا نہ چھوڑوں اور آپؑ کے ساتھ رہوں اور آپؑ کو کوفہ لے جاؤں۔ اب آپؑ کو کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جائے اور نہ ہی مدینہ کو واپس جائے تاکہ میں ابن زیاد کو خط لکھ کر صورتِ حارہ کر سکوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اچھی صورت نکل آئے تاکہ میں آپؑ جیسی بزرگوار ہستی سے جنگ کرنے سے بچ جاؤں۔
امام حسینؑ قادیسیہ اور عذیب کے راستے سے مرکزِ ذربائیں طرف میلان کر کے روانہ ہو گئے اور خُر بھی لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ راستہ میں کوفہ سے آنے والے چار شخص آئے جو امامؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے؟ یہ لوگ: طرمح بن عدی اور یحییٰ بن عبد اللہ تھے اور ایک مزید شخص تھا۔

خُر نے کہا کہ یہ اہل کوفہ ہیں ان کو میں اپنی قید میں لاتا ہوں یا کوفہ بھیج دیتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہ میرے انصار ہیں، یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو مدینہ سے میرے ساتھ آرہے ہیں۔ اسی طرح حمایت کروں گا جس طرح اپنی جان کی حفاظت کروں گا۔ پس اگر منزلِ شراف والی قرارداد پر قائم رہیں تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پس خُر ان چار شخصوں کے معترض ہونے سے باز آ گیا۔

حضرت امام حسینؑ نے ان تازہ آنے والے جوانوں سے کوفہ کے حالات پوچھے تو مجمع میں عبد اللہ کے اشراف کو بہت بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور وہ انھوں نے خوش ہو کر لی ہیں اور اپنی تجوریاں بھرتی تھیں۔

یہ قلم کرنے پر متفق ہو گئے ہیں لیکن باقی عام لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت تو ہے لیکن تلواریں بنی اُمیہ کی حامی ہیں۔
حضرت امام نے پوچھا کہ میرے قاصد قیس بن مسهر کے بارے کوئی خبر معلوم ہے؟
خوب نے کہا کہ حصین بن نمیر نے انہیں گرفتار کیا اور ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ مجمع عام
ہجری ۳۰ پ آپ اور آپ کے باپ پر تمرا کریں اور بنی اُمیہ پر درود و سلام بھیجیں لیکن جب وہ منبر پر گئے تو آپ اور آپ کے
پہلو و سلام پڑھا اور بنی اُمیہ پر لعنت کی اور تمرا بھیجا۔ پھر لوگوں کو آپ کی نصرت کی طرف بلایا اور لوگوں کو آپ
کے لئے کی خوشخبری دی۔ اسی وجہ سے ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے دارالامارہ کی چھت سے گرایا جائے تاکہ ختم ہو جائے۔
یہ حال سن کر بہت روئے اور آپ کے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر بہتے آنسوؤں سے امام نے یہ آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَفَمِنْهُمْ مَّنْ قُضِیَ نَحْبُهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا
تَنْبِیْلاً

”مومن سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ نبھا دیا اور کچھ انتظار میں ہیں لیکن تبدیل نہیں
ہو سکتے۔“

سَهْمِ اجْعَلْ لَنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ نَزْلًا وَّاجَمَعَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ فِی مُسْتَقَرٍّ رَّحِمَتِكَ وَغَالِب
مَذْخُورِ ثَوَابِكَ

عہدِ حسین کی ملاقات کے بارے میں مختلف نظریات

یہ حسین اور حر کی ملاقات کے بارے مختلف آراء ہیں۔ اہل تاریخ نے گونا گوں اقوال نقل کیے ہیں لیکن اہل فن کے
حکم یہ ہے جو اہل منبر حضرات حر کے رویے کو نقل کرتے ہیں، البتہ دیگر نظریات بھی ہیں جن کو اہل تاریخ نے ذکر کیا
یہ نظریات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جنس نے کہا ہے کہ جب امام حسین نے منزلِ رھیمیہ پر نزولِ اجلال کیا اور خیمہ لگایا تو ابن زیاد کے مخفی مماشنتوں
نے جمع دی کہ اس وقت امام حسین کوفہ کے نزدیک منزلِ رھیمیہ میں خیمہ زن ہیں۔ ابن زیاد مکہ سے کوفہ کی طرف
سے آگاہ تھا لیکن رھیمیہ میں پہنچ جانے کو نہ جانتا تھا اس لیے تو اس نے پہلے حصین بن نمیر کو ایک لشکر دے کر مدینہ
سے راستوں پر حفاظت کے لیے بھیج دیا تاکہ اس سارے راستے کی حفاظت ہو۔ قادسیہ سے خان تک ارتطقات

سے قادیسہ تک لشکر کو پھیلا دیا تھا اور یہ گماشتے اس قدر سخت حفاظت کرتے رہے کہ کسی شخص کی کوفہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ بہر حال جب ابن زیاد کو امام حسینؑ کے منزلِ رحمہ پر پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو وہ بہت غضب ناک ہوا اور غصہ سے کہان میں ایک ہزار کا جزار لشکر دے کر امامؑ کے راستے پر بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ حضرتؑ سے جدا نہ ہونا اور ان کو کوئی بے اور ان کو کسی اور طرف نہ جانے دینا۔

خُریہ لشکر لے کر حضرت امام حسینؑ کی تلاش میں صحرا میں نکلا۔ ادھر امامؑ نے کوفہ کی طرف سفر شروع کیا ہوا تھا۔ میں بنی عکرہ کے شخص سے امامؑ نے کوفہ کے حالات پوچھے تو اس نے بتایا کہ ابن زیاد نے آپؑ کی تلاش میں کئی لشکر جمع کر کے پھیلا دیے ہیں اور آپؑ خود تیر و شمشیر کی طرف جا رہے ہیں۔ اپنی جان اور ان خوبصورت نوجوانوں کے حال پر منہ نہ بھرتا ہے کہ حرمِ خدا اور حرمِ رسولؐ کو لے کر لوٹ جائیں کیونکہ آپؑ قطعی طور پر جان لیں گے کہ کوفہ کے اقوال قابلِ احتجاج ہیں ان لوگوں نے پہلے آپؑ کے پیچازادِ مسلمؑ کی بیعت کی، پھر انہیں شہید کر دیا اور اب لشکرِ شام آپؑ کے ساتھ جنگ کرنے لیے نکلا ہوا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا آپؑ کو جزائے خیر دے، تم نے نصیحت کر دی۔ اس نے پھر بھی واپس لوٹ جانے پر مصراہے نہ کیا۔ امامؑ نے فرمایا: اے شیخ! میرے دکھوں کو نہ چھیڑ، میں جہاں بھی جاؤں تیر و شمشیر استقبال کریں گے تو ظاہر کو دیکھو، میں باطن کی خبر رکھتا ہوں۔ پس تو اس قدر جان لے کہ یہ قوم اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑے گی جب تک کہ میرا خون میرے پہلو کو چیر کر نہ نکال لیں۔

شیخ صدوق لکھتے ہیں: خُریہ کہتا ہے کہ جب میں قصر دارالامارہ سے باہر نکلا تو مجھے پیچھے سے آواز سنائی دیتی تھی: اِیْشَرُ بِالْخَیْرِ، اے خُریہ! تجھے بشارت ہو، نیکی اور اچھائی کی۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی: دائیں بائیں دیکھا کسی کو نہ دیکھ سکا۔ آپؑ سے کہا: میں فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں اور بہشت کی بشارت یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ خُریہ بن یزید ریاحی کو عبید اللہ ابن زیاد نے امامؑ کے راستے پر بھیجا تھا۔

[۲] دوسری رائے یہ ہے کہ جب امام حسینؑ کا کارواں قادیسہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا کہ عمر بن سعد ملعونؑ نے

بن یزید ریاحی کو جو مشہور شجاع تھا اور باطنِ شیعہ علی و محبتِ خاندانِ اہل بیتؑ تھا لیکن اپنی اس محبت کو مخفی رکھتا تھا۔ امامؑ کے راستے پر بھیجا۔ خُریہ نے لشکر کا ضروری سامان حاصل کر کے قادیسہ سے حرکت کی اور امامؑ کی طرف روانہ ہوا۔ جب امامؑ

خدمت میں پہنچا تو عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں کوفہ جا رہا ہوں۔

سولہ خدا کی آنکھوں کی ٹھنڈک! بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ آپ یہاں ہی سے واپس
آئیں۔ یہاں کیونکہ عمر بن سعد ابن زیاد کی طرف سے چار ہزار سوار کا لشکر آ رہا ہے جو آپ کو گرفتار کر لے
گیا۔ یہاں کا ہوا ہے وہی آپ کا ہوگا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس قدر جمعیت اور سامان کے ساتھ کس طرح واپس پلٹا جاسکتا ہے۔

کچھ قرین جاؤں یہاں ایک درمیانی راستہ جس قدر کوفہ کے قریب آ گئے ہیں، مصلحت یہی ہے اُسی
میں رہنا۔ راستہ سے واپس جائیں ورنہ میں مامور ہوں کہ آپ کو گرفتار کروں اور عمر بن سعد کے حوالے
کر دوں۔ (میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور اندھا ہو جاؤں) میں قربان جاؤں آپ
کو جانوں پر رحم کرتے ہوئے واپس چلے جائیں۔ اگر واپس جانا ہے تو راستوں کو چھوڑ کر بے راہ
چلے آؤ گے گا اور حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔

یہاں سے راستوں سے ہٹ کر بیابانوں میں سفر کرتا ہوں اور امامؑ نے اپنے کارواں کو صحرا میں بے راہ

تھک چکی سب میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ سے جدا ہو گیا اور اپنی دیگر مصروفیات

ہے جو بعض لوگوں نے سید مرتضیٰ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرمایا کہ
کے جمع ہو کر فتح ہدایت کے راستے کو روکا اور وہ مامور تھا کہ حضرت کو نہ مدینہ واپس جانے دے اور نہ
مدینہ حسینؑ نے ضرور کوفہ میں آنا ہو تو یزید کی بیعت کر کے داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ کہ مدینہ واپس لوٹنا ممکن نہیں اور کوفہ میں یہ جانے نہیں دیتے تو مجبوراً شام کی راہ لی تاکہ یزید کے
ہم جانتے تھے کہ یزید، شقاوت اور دعوائے حکومت کے باوجود مجھ پر ابن زیاد سے زیادہ مہربان ہوگا، اور
حکومت رولنڈ ہو گئے۔ شام کی راہ میں جاتے ہوئے عمر بن سعد ملعون سے ملاقات ہو گئی اور اس نے امامؑ پر
حجہ جو جگہ آج تاریخ میں (کربلا) مذکور ہے۔

بجائے ان رائے یہ ہے کہ ان تینوں آرا کا کوئی قابل اعتماد مدد رک نہیں اور دیگر شواہد سے بھی مناسب نہیں
ہوئے صرف معلومات کے لیے نقل کیے ہیں۔ ہم ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ (نظر یہ وہ صحیح ہے جو مشہور اور

منزل قططغانیہ پر پہنچ کر امام کا صحابہ سے بیعت اٹھالینا

روضۃ الشہداء میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام منزل ثعلبیہ سے کوچ کر کے جب منزل قططغانیہ پر پہنچے۔
اصحاب سے فرمایا: میں نے تم سے بیعت کا قلابہ اٹھا لیا ہے، تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ کیونکہ کوفیوں نے ہم سے
وفا کی ہے اور سمن بن عقیل کو شہید کر دیا ہے، پس میں راضی ہوں، جو جانا چاہے جاسکتا ہے۔

کچھ لوگ جو وفا کی راہ میں ثابت قدم نہ تھے تو انہوں نے حضرت کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام علیہ السلام اپنے
بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور چند قلعہ ساتھیوں کے ساتھ باقی رہ گئے۔

امام علیہ السلام نے پھر فرمایا: اے میرے قلعہ ساتھیو! میں تمہارے لیے کوئی مجبوری نہیں ہوں، تمہیں بھی جہاں
جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ اب موقع ہے کہ جہاں جانا چاہو جاسکتے ہو ورنہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ چھوڑ کر جانے نہ
ہوگی۔

جب ان لوگوں نے یہ جملے سنے تو ان حق کے وفاداروں، اہل بیت کے خدمت گزاروں نے اپنی خلوص
زبانوں کو حرکت دے کر عرض کیا: ہماری ایک جان نہیں ہزار جانیں بھی ہوں تو آپ کے قدموں کی خاک پر قربان ہو جائیں
آج جو شخص آپ کو چھوڑ کر جائے گا کل بروز قیامت خدا اور رسول کو کیا جواب دے گا؟ اور آپ کے پاس کیسے آئے گا
اے فرزند رسول! ہم کس کے اعتماد پر آپ کی ولایت کا دامن چھوڑیں اور آپ کی خدمت اور ملکیت میں
کی ہادشاہی ہے، وہ اور کہاں سے ملے گی بلکہ ہم تو اس ملک کے باشندے ہیں جس کے سلطان آپ ہیں اور ہمارے
آپ کی ہیں ہماری نہیں۔

اے فرزند رسول! ہم نے حقیقتاً آپ کو پہچان لیا ہے اور ہر میدان خلوص میں آپ کی حمایت کا علم لہرائیں گے
حق شناسی آپ کی اتباع میں پنہاں ہے۔ ہم نے بے وفائی اور وعدہ شکنی کی عادت کو (جو کسی آئین مروت میں
اپنے آپ سے دور بھگا دیا ہے۔ اگر آپ ہمیں چھوڑ دیں، اور ہماری ملازمت کو ٹھکرا دیں تو بھی ہم آپ سے جہ
گے۔ اگر آپ دروازے سے دور کر دیں گے تو ہم دیوار سے آجائیں گے۔ آپ کا وجود حق تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔
نے یہ نعمت دی ہے تو نعمت الہی کی شکرگزاری یہی ہے کہ جب تک زندہ ہیں، اس نعمت الہی کو اپنے ہاتھوں سے جانتے
اور اپنے سرارات اور عقیدت میں جھکائے رکھیں۔

قلعہ صحابہ ان حملات سے امام حسین علیہ السلام کو اپنی وفا کا یقین دلا رہے تھے اور زار و قطار رو بھی رہے تھے
کے چہرے سے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح بہہ رہے تھے۔

محمد کا روانہ حسینی کا تعاقب

محمدؐ ہجرت کوئی کے ترجمے میں بیان ہے کہ جب خُر کے لشکر سے امام حسینؑ کی ملاقات ہوئی تو امامؑ نے خُر سے پوچھا کہ نہ دھرت کے لیے آئے ہو یا ہم سے جنگ کرنے آئے ہو؟

محمدؐ نے کہا کہ مجھے عبید اللہ ابن زیاد نے آپؑ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

محمدؐ نے جب جنگ کا سنا تو بے ساختہ کہا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جب نہ ظہر کا وقت ہوا تو حضرتؐ نے حجاج بن مسروق سے اذان کا فرمایا، اذان ہوئی اور امام حسینؑ نے خُر سے فرمایا

اے محمدؐ کو نماز پڑھاؤ اور میں اپنے اصحاب کو یا تم بھی میری اقتداء میں نماز پڑھو گے؟

محمدؐ نے کہا: ہم آپؐ ہی کی اقتداء کریں گے۔

محمدؐ نے اقامت کہی اور امام حسینؑ نے دونوں لشکروں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اٹھے اور تلواریں

سجک کر اسے تکیہ بنایا اور ایک غلبہ دیا۔ پہلے محمدؐ خدا اور تعریف مطلق کی، پھر فرمایا:

اے محمدؐ! میں تم سے معذرت کرنے کے لیے کھڑا نہیں ہوا ہوں اور میں اس شہر کی طرف آیا ہوں تو اس لیے کہ

محمدؐ آئے تھے جن میں استدعا تھی کہ آپؐ جلدی آئیں اور ہمیں ہدایت کریں اور میرے پاس کوفہ کے معروف لوگ

خدا کی صورت میں آتے رہے اور یہی کہتے تھے کہ ہمارا امام نہیں، جلدی کوفہ آئیں۔ جب آپؐ آئیں گے تو خدا

سبیل ختم کر دے گا۔ اگر تم اس قول اور وعدے پر قائم ہو تو میں اس پر آیا ہوں۔ اگر تم اعتماد دلاؤ تو میں تمہارے شہر

سے ہر اگر اپنے قول اور عہد سے منحرف ہو گئے ہو اور آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں کوفہ نہیں آتا اور واپس مکہ چلا جاتا

محمدؐ کی اکثریت نے سر پیچے کر لیے اور خاموش ہو گئے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

محمدؐ نے کہا: مجھے خیمہ میں لے جاؤ، خیمہ میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ امام حسینؑ سامنے کھڑے تھے۔ دوسرے لوگ بھی

محمدؐ ہر شخص نے گھوڑے کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں ایک شخص کوفہ سے عبید اللہ ابن زیاد کا خط خُر کے نام

محمدؐ کے ہاتھ میں آیا تھا:

جب میرا یہ خط پڑھ لے تو حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے اصحاب کی یوں حفاظت کرنا کہ ان سے دُور نہ ہونا اور انہیں

محمدؐ نے آنا ہے۔ خط کے قاصد کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور جب تک تم میرے فرمان پر عمل

نہیں کرتے تم سے جدا نہیں ہوگا۔

جب یہ خط خر کو ملا تو اپنے اصحاب کو بلایا کہ یہ عبید اللہ ابن زیاد ملعون کا خط آیا ہے جس میں مجھے لکھا ہے کہ حسین کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ میں نے اسی معاملہ میں بہت سوچا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے حسین ناراض ہو جائیں۔ میں اس مسئلہ میں پریشان ہوں۔

خر کے اصحاب میں سے ایک شخص ابو الشعثاء نے عبید اللہ بن زیاد کے قاصد سے کہا کہ تیری ماں تیرے غم میں کام لائے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں نے تو اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اس کی بیعت کی وفا کی ہے اور اپنے امیر کا خدشہ نام لایا ہوں۔

ابو الشعثاء نے کہا: خدا کی قسم! اگر تو نے اس امام (عبید اللہ بن زیاد) کی اطاعت کی ہے تو خدا کی نافرمانی ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اپنی دنیا و آخرت میں فساد بھردیا ہے اور دوزخ کی آگ اپنے اوپر ڈال لی ہے۔ اس امام کی حیثیت اللہ نے قرآن میں یہ بیان کی ہے:

وَجَعَلْنَهُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ○ (سورہ قصص، آیہ ۴۱)

”وہ بھی امام ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“

ان کی یہ باتیں جاری تھیں کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ امام نے اپنے لشکر کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے پھر کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! ہم تمہارے پیغمبر محمد رسول اللہ کی اہل بیت ہیں۔ یہ (امیہ) جو تمہارے شہر میں امارت اور ولایت کر رہا ہے ہم اس سے کئی درجے بہتر ہیں۔

اگر تمہارے اندر خوف خدا ہو اور ہمارے حق کو پہچانو تو خدا تم سے راضی ہوگا اور اگر ہمارے کوفہ میں آکر رہو گے تو (یعنی خطوط اور دُود کے ذریعے آنے کا وعدہ سے وفا نہیں کرتے) تو کوئی حرج نہیں تمہیں میں اور کوئی عیب نہ دیتا صرف اتنا کہو اور واضح کہہ دو تو میں ابھی واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔

خر آگے آیا اور کہا: آپ نے دو مرتبہ خطوط اور دُود کا ذکر زبان مبارک سے کیا ہے تو عرض یہ ہے کہ مجھے اس میں شک نہیں کہ کس قوم نے خطوط لکھے اور کس قبیلہ کے دُود آتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے غلام عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ وہ خطوط کا تھیلہ لاؤ۔ وہ خطوط کا بھرا تھیلہ لایا۔ پر پلٹ دیا۔ لشکر خر کے معروف لوگ آئے، خطوط کے عنوان دیکھے اور خر نے بھی دیکھے، اس کے بعد خر نے کہا: ہم اس میں شک نہیں ہیں جنہوں نے خط لکھے ہیں اور عبید اللہ بن زیاد نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم آپ کو اس کے سامنے پیش کریں۔

۔۔۔ فرمایا کہ تمہیں ابھی تک مطلب ہی سمجھ نہیں آیا اور پھر فرمایا کہ اپنا کارواں تیار کر دو، ہم چلتے ہیں

۔۔۔ چوتھوں میں بٹھا دیا گیا اور باقی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنے لگے تو خر کے لشکر نے امام حسینؑ کا
۔۔۔ رہتے ہوئے فرمایا: اے خرابن بڑید! اس کارواں کو کیوں روکا ہے، جانے کیوں نہیں دیتا، تیری

۔۔۔ رسول! اگر کسی اور نے میری ماں کا نام لیا ہوتا تو اسے تلوار سے جواب دیتا لیکن آپؐ کی ماں
۔۔۔ کے سامنے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اب میں آپؐ کو ضرور ابن زیاد کے پاس لے کر جاؤں گا۔

۔۔۔ میں تمہاری بات کو نہ سوچتا ہوں اور نہ تمہارے ساتھ آتا ہوں پھر تم کیا کرو گے؟
۔۔۔ کام میں میری اور میرے اصحاب کی جان جاتی ہے تو آسان ہے لیکن آپؐ کو ابن زیاد کے پاس

۔۔۔ نے فرمایا: اے خر! اپنے لشکر سے اکیلا باہر آ جا اور میں بھی اپنے لشکر سے باہر آتا ہوں اور ایک
۔۔۔ تیرے۔۔۔ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر میں نے تمہیں قتل کر دیا تو لوگوں کو
۔۔۔ مل ہو جائے گی۔

۔۔۔ میرے لئے زیاد نے مجھے آپؐ کے ساتھ جنگ کرنے نہیں بھیجا بلکہ کہا ہے کہ آپؐ سے جدا نہ ہوں یہاں
۔۔۔ کے زیاد کے سامنے پیش کر دوں۔ خدا کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ایسی سخت بات کہوں یا ایسا کام
۔۔۔ میں نہ کر دوں، لیکن کیا کروں مامور ہوں اور مامور معذور ہوتا ہے۔

۔۔۔ عت (یعنی اُمیہ) کی بیعت کر چکا ہوں اور ان کے حکم سے آپؐ کے سامنے آ گیا ہوں۔ میں یہ جانتا
۔۔۔ کہ میں نے آپؐ کے جد امجد کی شفاعت کی احتیاج ہوگی۔ اگر نعوذ باللہ ایسی حرکت کروں جو آپؐ
۔۔۔ کے منہ سے تیرے تو دنیا اور آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گا۔ اگر آپؐ کو عبید اللہ کے پاس لے
۔۔۔ جائیں تو وہیں گا۔ دنیا وسیع ہے کسی اور مقام پر سکونت اختیار کر لوں گا اور یہ اس سے بہتر ہے کہ بروز قیامت
۔۔۔ عت سے محروم ہو جاؤں۔

۔۔۔ تے کے علاوہ کسی غیر معروف راستے سے صحراؤں میں سفر جاری رکھیں۔ میں ابن زیاد کو لکھوں گا کہ
۔۔۔ سے چلے گئے ہیں میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی تاکہ مجھے آپؐ کے جد امجد کی شفاعت کی امید باقی

رہے۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے اوپر رحم کریں اور کوفہ نہ جائیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے خُرنے جانے ہو کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اس لیے بار بار کوفہ جانے سے روکتا ہے؟
خُرنے کہا: ہاں، اے فرزندِ رسول! اس میں کوئی شک نہیں اور اس میں بھی ذرا بھر شبہ نہیں کہ مکہ جانے میں آپ کے لیے سعادت ہوگی۔

امام حسینؑ نے اپنے کارواں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ جو اس معروف شاہراہ (جو کوفہ کو جاتا ہے) کے علاوہ کوئی راستہ جانتا ہو؟

طراح بن عدی نے کہا: اے فرزندِ رسول! میں دوسرا راستہ جانتا ہوں۔
امام حسینؑ علیہ السلام نے فرمایا: تم آگے آگے چلے اور ہماری رہبری کرو تا کہ ہم تمہارے بتائے ہوئے راستے پہنچ سکیں۔

طراح آگے آگے روانہ ہوا، امام حسینؑ اور اہل بیتؑ و اصحاب اس کے پیچھے چلتے رہے۔ دوسرے دن طراحؑ نے کارواں کو منزلِ حدیب پر پہنچا دیا۔ وہاں کارواں نے پڑاؤ ڈالا تو اچانک دیکھا کہ خُرا اپنے لشکر کے ساتھ اس منزل پر آتا ہے۔

امام حسینؑ نے پوچھا کہ ہمارے پیچھے آنے کا کیا سبب ہے؟
خُرنے عرض کیا: کل جوں ہی اُس مقام سے آپؑ چلے تو عبید اللہ کا خط آ گیا جس میں اس نے مجھے بزدلی اور کترہ کے طعنے دیے اور سرزنش کی کہ امام حسینؑ کو کیوں چھوڑ دیا ہے اور ان کو میرے پاس کیوں نہیں لایا۔
اس وقت امام حسینؑ نے فرمایا: اب چھوڑو ہمیں نیوٹی جاتے ہیں۔

خُرنے کہا: میں نہیں جانے دوں گا، اب میرے سر سے پانی نکل گیا ہے۔ یہ عبید اللہ ابن زیاد کا جاسوس میرے ساتھ ہے جسے اس نے حکم دیا ہے کہ خُرنے کے ساتھ رہتا تا کہ جو کچھ میں (خُرنے) کہوں یا کروں تو ہر روز کی خبر ابن زیاد کو دیتا رہے۔
اصحابِ حسینؑ سے زہیر بن قین بکلی نے کہا: اے فرزندِ رسول! اس قوم سے بات نہ کریں، ان سے جنگ کرتے ہیں کیوں کہ ہمارے لیے ان لوگوں سے جنگ کرنا آسان ہے جب تک دوسرا لشکر نہیں آتا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے زہیر! آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا اگر یہ جنگ کریں تو پھر وہ میں ہم بھی لڑیں گے۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ کربلا جائیں کیونکہ فرات وہاں سے قریب ہے بلکہ کربلا سے نہر فرات منصر ہے۔ اگر انھوں نے ہم سے جنگ کی تو ہم ضرور جنگ کریں گے اور خدا سے مدد اور نصرت طلب کریں گے۔ اس کے بعد۔

مکے جو آپ اسی مقام پر بیٹھ گئے۔

وہ قہر لیا اور اشرافِ کوفہ کی ایک جماعت کو جن سے امام کو دوستی اور اتباع کی توقع تھی، اس

حسین بن علی بن ابی طالبؑ: ابی سلیمان بن مُرد، مستب بن نخبہ، رفاعہ بن شداد، عبداللہ بن وال
رسول خداؐ نے فرمایا: جو شخص ظالم حکمران دیکھے جو حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال سمجھتا ہو
و توڑنے والا ہو۔ سبغ بن بکر کے خلاف ہوں اور لوگوں پر ظلم کرتا ہو، گناہوں کی ترویج کرتا ہو،
مختار کو اچھا سمجھے اور اس کے کردار پر اعتراض نہ کرے تو وہ شخص اس کا مستحق ہے کہ جہنم کی
جہنم ہو اس گروہ نے ہمارے حق کو غصب کیا ہوا ہے اور یہ لوگ مقرر ہیں اور ابلیس کے تابع ہیں۔
حلال کو حرام سمجھا اور حرام کو حلال سمجھا ہے۔ میں اپنے جید امیر رسول اللہ کی جانشینی کا دوسروں سے
جو آپ نے خطوط لکھے، وفود بھیجے، پیغام بھیجے وہ تمام بھول گئے ہو۔ اگر اپنے قول کو وفا نہیں کرتے
سے جید نہیں ہے کیوں کہ میرے ہانا، بھائی اور چچا زاد مسلم سے یہی کہہ کیا ہے۔

حق وہی ہے جو تمہارے قول سے دھوکا کھا جائے اور تمہاری بات پر اعتماد کرے۔

فَبَشِّرْهُ بِمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَسَيُفْنِي اللَّهُ عَلَيْكُمْ - والسلام

کر قریب کر قین بن سحر صیداوی کو دیا کہ کوفہ کے معروف لوگوں کو جا کر پہنچا دو۔ ادھر قیس خط لے کر
بصرہ صید اللہ بن زیاد نے کوفہ کی طرف آنے والے تمام راستوں پر جاسوس مقرر کر رکھے تھے تاکہ
حرف نے پر انہیں یا ان کے قاصدوں کو گرفتار کیا جاسکے۔

صحبہ کہ حصین بن نمیر کے ساتھیوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ قیس حصین کے ڈر سے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
سند کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس سے تفتیش شروع ہوئی۔

مکے جو تم کون ہو؟

جو ابی طالب کے شیعوں میں سے ایک ہوں۔

مکے جو خط کو پھاڑ کر کھا کیوں کیا ہے؟

مکے جو کہ تجھے خط کے مضمون کا پتہ نہ چل سکے اور نہ ان لوگوں کا علم ہو جن کے نام وہ خط تھا۔

یہ کس نے لکھا تھا؟

قیس نے کہا: امام حسینؑ نے۔

ابن زیاد بولا: کن لوگوں کے نام خط لکھا تھا؟

قیس: اہل کوفہ کی ایک جماعت کے نام جنہیں میں نہیں جانتا۔

ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور قسم کھائی کہ میں تجھے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک یہ نہ بتائے کہ خط کن لوگوں کے نام تھا؟ ورنہ منبر پر جا کر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کو گالیاں دیتا ہوں گی۔ ان دو کاموں سے ایک ضرور کرنا ہوگا ورنہ تجھے کلڑے کلڑے کر دوں گا۔

قیس نے کہا: میں اس جماعت کو نہیں جانتا جس کے نام خط لکھا گیا البتہ لعن کرنا آسان ہے میں منبر پر جا کر گالے کے لیے تیار ہوں۔

ابن زیاد نے حکم دیا: اسے جامع مسجد میں لے جاؤ تاکہ منبر پر لوگوں کے سامنے علیؑ اور ان کی اولاد پر تہر آ۔ لوگ سنیں۔ قیس کو مسجد میں لایا گیا، لوگ جمع ہو گئے جب مسجد بھر گئی تو قیس کو منبر پر سوار کیا گیا۔ قیس نے اپنے خطبہ میں پھر کی حمد اور رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ پر درود و سلام بھیجا۔ پھر حضرت امیر المومنین علیؑ اور حسینؑ شریفینؑ اور تمام اہل بیتؑ لاکھوں درود و سلام بھیجے اور پھر عبید اللہؑ اس کے باپ زیاد پر اور بنی امیہ پر لعنت بھیجی شروع کی۔ جب سیر ہو کر بنی امیہ پر لعنت کر لی تو لوگوں کو امام حسینؑ کا پیغام دیا کہ وہ کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ مجھے انھوں نے تم تک اطلاع دینے سے بھیجا ہے۔ پھر امام حسینؑ کے فضائل پڑھے اور لوگوں کو امام حسینؑ کی بیعت پر ابھارا اور تحریص کی۔

جب قیس کی تقریر ابن زیاد کو بتائی گئی تو اس نے کہا کہ اسے فوراً میرے سامنے پیش کرو۔ قیس کے ہاتھ پاؤں۔ اسے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے دارالامارہ کی چھت سے نیچے بازار میں گرا دو۔

قیس بن مسهر صیداوی کو بندھے ہاتھوں چھت سے بازار میں گرایا گیا جس سے جسم کے اعضاء اور ہڈیاں پھیلنے لگیں اور قیس درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ جب یہ خبر امام حسینؑ کو پہنچی تو بے ساختہ روئے اور زبان مبارک پر بار بار یہ جاری ہوا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپؑ فرماتے تھے کہ خدا رحمت کرے قیس پر، اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

امام حسینؑ علیہ السلام کے صحابہ میں سے حلال بن نافع نے کہا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ کے جد امجد جناب محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کو اپنا دوست نہ بنا سکے، بعض اصحاب ان کے قصص اور محبت تھے جب کہ بعض منافق تھے۔ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرتے تھے اور دل میں دشمنی رکھتے تھے۔ آپؑ کے والد حضرت علیؑ سے ایسا ہوتا رہا، بعض لوگ نفرت کرتے تھے اور علیؑ کے موافق چلتے تھے اور بعض لوگ مخالف تھے لہذا جن لوگوں نے آپؑ سے دھوکا کیا، وعدہ

ہے۔

یہ زمین میں مشرق و مغرب میں جہاں بھی جائیں گے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور آپ سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور
ہم تیرے ہیں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو آپ کا دوست ہے اور ہمارا دشمن وہی ہے جو آپ کا دشمن ہے۔
ہم حسین علیہ السلام نے اُسے دعائے خیر دی۔ پھر اپنے بیٹوں، بھائیوں اور دیگر اہل بیت کو بلایا، سب کو اپنے
غضب و غم کے چہروں کو روتی آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا:

یہ تم! ہم تیرے پیغمبر کی عترت ہیں، ان لوگوں نے ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا ہے۔ ہمیں اپنے جدِ امجد کے
سے جدا کر دیا ہے اور بنی امیہ ہمیں قتل، ظلم اور قید کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے۔ میرے اللہ! ظالموں سے ہمارا انتقام
لیا۔ ابھی چلو اور کر بلا پہنچو، پس امام کے حکم سے بروز بدھ وہاں سے روانہ ہوئے اور بروز جمعرات ۲ محرم ۶۱ھ میں

ہم حسین نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کر بلا کی ہے؟

۔۔ نے کہا: یہی ارضِ کر بلا ہے۔

ہم حسین نے فرمایا: ہاں یہ زمینِ زمینِ کرب بھی ہے اور زمینِ بلا بھی ہے۔ یہی ہمارے جوانوں کے شہید ہونے،
خون خونی کی جگہ ہے۔ یہاں ہی ہمارے خون بہائے جائیں گے۔

تو فرات کے ایک کنارے پر سامان اُتارا اور خیمے لگائے۔ بھائیوں اور چچا زادوں نے ہر ایک نے اپنا خیمہ لگایا۔
مکہ کا خیمہ درمیان میں تھا اور اصحاب کے خیمے ارد گرد تھے۔ جب خیموں میں سستانے لگے اور امام حسینؑ اپنی تلوار صاف
کئے تھے تو ابوذر غفاریؓ کا غلام جواب امام حسینؑ کی خدمت میں تھا اور امام حسینؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يَا ذَهْوُ أَفِي لَكَ مِنْ خَلِيلٍ كَمْ لَكَ بِالْأَشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ

مِنْ طَالِبٍ وَصَاحِبِ قَتِيلٍ مَا اقْرَبَ الْوَعْدُ مِنَ الرَّحِيلِ

یہ اشعار جنابِ نسیب اور اُم کلثومؓ نے سنے تو پوچھا: اے بھائی! یہ کس کے دکھی شعر ہیں یعنی یہ کون پڑھ رہا ہے
شہادت کا یقین ہے۔

تو نے فرمایا: نہیں میں جہاں بھی چلا جاؤں گا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔

نسیب نسیب سلام اللہ علیہا نے رو کر فرمایا: اے کاش! میں فوت ہو گئی ہوتی اور آج کا دن نہ دیکھتی۔ میں نے نانا کی
دیکھا، بابا علیؑ کی زخمی پیشانی دیکھی، ماں زہراءؑ کا زخمی پہلو پر ہاتھ رکھا دیکھا، بھائی حسنؑ کے جنازے پر تیر بھی

دیکھ لیکن سب پر صبر کرتی رہی کیونکہ حسینؑ زندہ تھے لیکن آج وہ دن ہے کہ حسینؑ مجھے اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔
ہے اس دنیا فانی پر، بی بی دکھ بھرے بین کرتی تھیں اور تمام حسینیؑ کارواں کی عورتیں روتی تھیں۔

(مترجم: ۲۰ محرم کو حسینؑ کے سامنے جی بھر کر روری تھیں کیونکہ جانتی تھی کہ امام حسینؑ کے بعد ہمیں رونے بھی کسی نے نہیں
حضرت اُم کلثومؑ نے یوں بین کیا: وَاَمَحْمَدًا وَاَعْلِیَا بَعْدَكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ۔

امام حسینؑ علیہ السلام تمام بیبیوں کو حوصلہ اور تسلی دے رہے تھے کہ صبر کرو میری بہنو! قضائے الہی پر راضی رہو
زمین و آسمان میں ہر زندہ نے ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر چیز فانی ہے۔ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔
تمام چیزوں کو اپنی کمال قدرت سے پیدا کیا اور اپنی مشیت و ارادہ سے ختم کر دے گا۔

اے میری بہنو! نانہ، بابا، ماں، بھائی جو مجھ سے بہتر تھے سب چلے گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے۔ اے بہنو!
کلثومؑ! اے زینبؑ! جب مجھے قتل کیا جائے تو گریبان چاک نہ کرنا، اور ایسا کلمہ نہ کہنا جس میں اللہ کی رضا نہ ہو۔ اسی
بھی کر بلا پہنچ گیا۔ امامؑ کے خیام کے سامنے اپنے خیمے لگائے اور ابن زیاد کو امام حسینؑ کے کر بلا پہنچنے کی اطلاع دی۔
جواب میں عبید اللہ بن زیاد نے امام حسینؑ کے نام یہ خط لکھا:

اما بعد! اے حسینؑ! میں نے سنا ہے کہ کر بلا کے نزدیک پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ مجھے یزید کا حکم آیا ہے کہ
آرام سے نہ سوؤں اور نہ اچھا کھانا کھاؤں جب تک آپ کو خدا کے پاس نہ بھیج دوں یا آپؑ یزید کے حکم پر راضی
اس کی بیعت کر لو۔ والسلام!

جب یہ خط امام حسینؑ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی
ناراضگی پر مخلوق کی رضا کو مقدم سمجھے۔

عبید اللہ ابن زیاد کے قاصد نے اس خط کا جواب چاہا تو امام حسینؑ علیہ السلام نے فرمایا: یہ خط قابلِ جواب
وَقَدْ حَقَّقْتُ عَلَيْهِ كَلِمَةَ الْعَذَابِ، قاصد چلا گیا اور جو امام حسینؑ سے سنا تھا عبید اللہ بن زیاد کو جا کے بتایا۔ عبید
اس نے اپنے دوستوں کو بلایا اور کہا کہ ہر حال میں حسینؑ بن علیؑ کو قتل کرتا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس خدمت
کرے اور اس کو قتل کر دے، اس کے بدلے جس شہر کی ولایت اور حکمرانی چاہے، میں وہ دیتا ہوں۔

کسی نے جواب نہ دیا تو اُس نے عمر بن سعد کو دیکھا کہ تجھے زے اور اس کے مضامات کی تمام جائے
جلدی میرے پاس آ جاؤ۔ عمر سعد آیا، ابن زیاد نے کہا: کوئی شخص امام حسینؑ سے جنگ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ
ہوگا اور اگر ہمیں امام حسینؑ کی طرف سے فارغ کر دے تو زے کی حکومت تجھے مل جائے گی۔

سبب آیا اور کہنے لگا: اے امیر! اگر مجھے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے معاف کر دو تو تمہارا بڑا

بھائی مجھے اس کام سے اس شرط پر معافی مل سکتی ہے کہ ترے کی جاگیر کسی اور کو دے دو اور تم خانہ نشین
حکومت اس کے لیے ہے جو امام حسینؑ کو قتل کرے گا۔

تو جیسے جیسے ہر ہمت دے تاکہ میں سوچ کر فیصلہ کروں۔ ابن زیاد نے کہا: سوچ لو۔

پنے دوستوں اور قریبوں سے اس بارے میں مشورہ کیا لیکن کسی شخص نے امام حسینؑ کو قتل کر کے جاگیر
میں سب نے اس مسئلہ میں اسے خوف خدا اور رسول دلایا۔

اس کی بہن کا سوتیلا (بھائی) تھا، نے کہا کہ امام حسینؑ سے جنگ نہ کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ خدا کی
قسم۔ پس کچھ بھی نہ ہو تو اس سے بہتر ہے کہ خونِ حسینؑ اپنی گردن پر لے کر اس جہان سے جائے۔

تو تین دنوں میں ترے کی ولایت سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دوسرے دن صبح ابن زیاد کے پاس آیا تو ابن
عمر بن سعد! کیا سوچا ہے؟

نے کہا: اے امیر تو نے انعام کا اعلان کیا، امام حسینؑ کی بات کرنے سے پہلے، میں بہت خوش تھا اور
یہ کہ۔ بدی۔ اب اگر انعام واپس کر لے تو میں بہت شرمندہ ہوں گا۔ اے ابن زیاد! مجھ پر مہربانی فرما اور
میں سے معاف کر دے اور جاگیر ترے بھی مجھے دے دے۔

اسی بزرگ جماعت موجود ہے جیسے اسام بن خارجہ، محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب وغیرہ ان میں سے
حسینؑ کے قتل کا کام سونپ دے تو وہ خوشی خوشی قبول کریں گے بلکہ تیرا احسان سمجھیں گے اور مجھے امام حسینؑ

نے کہہ: کوئہ کے معروف مجھے گنوا تا ہے، میں خود ان سب کو دیکھ رہا ہوں، اگر میرا دل امام حسینؑ سے فارغ
نہیں ہوتا ہوں گا اور نہ ترے کی ولایت کو بھول جاؤں اور گھر میں خاموشی سے بیٹھ جاتا کہ تجھے نہیں بھی مجبور کر کے

تو یہ کہ، کیونکہ ابن زیاد کا غصہ زیادہ ہو چکا تھا۔ ابن زیاد نے کہا: اگر امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے نہیں
تو یہ کہ نہیں کرتے ہو تو پھر اس کے لیے تیار ہو جاؤ کہ ہم تیری گردن ازادیں اور تیرا گھر لوٹ لیں۔

۔ ۔ ۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے تو اب وہی کروں گا جو امیر کہے گا۔

ابن زیاد نے اس کی تعریف کی، انعام دیا اور چار ہزار کا لشکر دے کر رے کی ولایت دینے کا وعدہ کیا اور وہ بد بخت تھے رے کی ولایت کی محبت میں اس کام پر آمادہ ہو گیا اور لشکر لے کر امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے آ گیا جب کہ صحابہ آسمان نے تعجب کیا اور اس پر ہنس رہے تھے بلکہ لعنت کر رہے تھے کہ اس فانی دنیا کے لالچ میں نہ خوف خدا ہے اور نہ خدا سے شرم بلکہ بے باک طور پر اس عمل کو قبول کر لیا ہے حالانکہ یہ دنیا جب تک ہے ملائکہ مقررین اور انبیاء مرسلین کی حاکمیت جاری رہے گی۔ وہ ملعون یہ بھی نہ سوچتا تھا کہ کہاں اور کدھر جا رہا ہے۔

ابن زیاد نے کہا کہ حسین بن علیؑ اور اصحاب کو فرات سے دُور کر کے ایک گھونٹ پانی نہیں دیتا۔ عمر بن سعد نے کہا ایسا ہی کروں گا۔

کیا عمر بن سعد امام حسینؑ کا قاتل ہے؟

کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: میرے جدا امجدہ رسولؐ ہیں جن کو خدا نے غیب کا علم دینے کے لیے انہی ہی کو منتخب کیا ہے۔

خراج راوندی میں جناب امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے: حضرتؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا اللہ کے نزدیک منتخب ہیں اور ہم اسی کے اہل بیت ہیں جسے خدا نے اپنے غیب پر ان کو مطلع کرنے کے لیے چنا ہے، اس لیے اس نے ہمیں عمر بھر اور قیامت تک کے علم کی تعلیم دی۔

جیسے آیت کریمہ عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (سورہ جن: ۲۶-۲۷) اور عَلٰی مَن رَّسُوْلٌ ہیں۔ ایک مقام پر خود امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں مرتضیٰ ہوں اور میں مَن رَّسُوْلٌ ہوں۔

اس آیت کے موافق کافی احادیث ہیں جن کا مضمون یہی ہے کہ جو خدا نے چاہا اپنا علم غیب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت کو عطا فرمایا ہے اسی لیے تو زیارت جامعہ کے الفاظ یہی ہیں: وَارْتَضَاكُمْ لِغَيْبِهِ، یعنی خدا نے اپنے غیب کو اپنے غیب کے لیے چن لیا ہے۔

ایک روایت مجالس صدوق میں اصم بن نباتہ سے ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

سَلُّوْنِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُوْنِي قَوْلَ اللَّهِ لَا تَسْأَلُوْنِي عَنْ شَيْءٍ مَّضَىٰ وَلَا عَنْ شَيْءٍ يَكُوْنُ إِلَّا

تَبَاتَكُم بِهِ

”مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو میرے اٹھ جانے سے پہلے جو بھی پوچھو گے ماضی یا مستقبل

کے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں گا۔“

جب بھی جملہ حضرت علیؑ نے فرمایا تو سعد بن ابی وقاص اپنی جگہ سے اٹھا اور عرض کیا: امیر المومنین! مجھے بتاؤ کہ سعد اور داؤمی کے بال کتنے ہیں؟

صوم ربانی کے خزانہ دار جناب علیؑ نے یوں جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! تم نے مجھ سے وہ مسئلہ پوچھا ہے جس کی خبر مجھے خدا نے دی تھی کہ تو یہ سوال کرے گا اور جواب سن کہ تیری ڈاؤمی اور سر کے ہر بال کی ج (جز) میں شیطان بیٹھا ہے۔ خدا کی قسم! تیرے گھر میں ایک کتے کا بچہ ہے جو میرے بیٹے حسین بن علیؑ کا قاتل ہے (اس وقت عمر بن سعد اس قدر تھکا ہوا اپنے باپ کے دو ہاتھوں کے درمیان حرکت کرتا تھا۔ پھر وہ بچہ بڑا ہوا اور زمانے کا معروف کتابنا جسے دین نے دیکھا تھا اس پر لعنت جاری ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: عمر بن سعد لعنہ اللہ علیہ، حضرت علیؑ علیہ السلام کی خدمت میں آیا تو علوم الہی کے سنجینے نے جنایت کے مرکز کو فرمایا: اے عمر! اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب بہشت و دوزخ کے درمیان حیران کھڑا ہوگا اور یہ جہنم کی آگ کو اختیار کرے گا۔ اس ملعون نے عرض کیا: معاذ اللہ! میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔ امام علیؑ نے فرمایا: تو یہ کام کرے گا۔

تین مسود سے ایک روایت ہے: ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسول خدا کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اچانک چند آئے، ان میں عمر بن سعد بھی تھا۔ جوں ہی حضرت کی نظر ابن سعد لعین پر پڑی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور سرخ ہو گئیں۔

س نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ رنگ تبدیل ہو گیا ہے؟ فرمایا کہ ہم اہل بیت ہیں کہ خدا نے ہمیں دنیا کے بجائے آخرت پسند کی۔

وَإِنِّي ذَكَرْتُ مَا يُلْقَى أَهْلُ بَيْتِي مِنْ بَعْدِي وَضَرْبٍ وَشَتْمٍ وَسَبِّ
”مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جو میرے بعد میری اہل بیت پر آئے گا، میری اہل بیت قتل ہوگی، ضربیں کھائے گی، سب و شتم سنے گی۔“

ان کے حقوق چھین لیے جائیں گے، گھروں سے نکال دی جائے گی، شہر بدر ہوگی، اسلام میں سب سے پہلے جو سر بلند تھے۔ نیزہ پر میرے فرزند حسین کا سر ہوگا اور یہ اطلاع مجھے جبرئیل نے رب جلیل سے دی ہے۔

حدیث میں ہے: جب خاتم الانبیاءؐ یہ حملات بیان فرما رہے تھے تو سید مظلوم امام حسینؑ وہاں موجود تھے اور اپنے سر کا

نوک نیزہ پر بلند ہونا خود اپنے کالوں سے سن لیا اور فرمایا:

يَا جَدَّاهُ مَنْ يَقْتُلُنِي مِنْ أُمَّتِكَ ”جدا مجد! مجھے آپ کی اُمت سے کون محض قتل کرے گا۔“

رسول پاکؐ نے فرمایا: اے میرے فرزند تجھے بد بخت ترین غلط قتل کرے گا اور ہاتھ سے عمر بن سعد کی طرف سے فرمایا۔ اسی دن سے اصحاب کی یہ عادت تھی کہ یہ جب عمر بن سعد مسجد میں آتا اور اصحاب کی نظریں اس پر پڑتیں تو سب کہتے: هَذَا قَاتِلُ الْحُسَيْنِ اور جب بھی یہ شقی القلب امام حسینؑ کے پاس آتا تو عرض کرتا: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ لِي قَوْمًا أَنَا سَأُفْعَاهُ وَيَزْعَمُونَ إِنِّي قَتَلْتُكَ ”ہماری قوم میں کچھ ایسے کم عقل ہیں جو کہتے ہیں: میں آپ کو قتل کروں گا۔“

حضرتؑ جواب میں فرماتے:

وَاللَّهِ إِنَّهُمْ لَيَمْسُوا سُفَهَاؤَ وَلِكِنَّهُمْ أَنَاسٌ عَلِمَا

خدا کی قسم! یہ لوگ کم عقل اور جاہل نہیں بلکہ یہ تو عالم ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ تو میرا قاتل ہے۔“

نہ یزید کی وہ جفا رعی، نہ زیاد کا وہ ستم رہا

جو رہا تو نام حسینؑ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

آخرت میں عمر بن سعد پر عذاب

عبدالخالق یزدی مرحوم نے اپنی کتاب ”بیۃ الاحزان“ میں بحار الانوار سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابن زیاد نے قوم کو امام حسینؑ سے جنگ کے لیے جمع کر لیا، جو ۷ ہزار سوار تھے، تو انہیں کہا: أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ مِنْكُمْ يَتَوَلَّى قَتْلَ الْحُسَيْنِ وَلَهُ وَلَايَةٌ أَيْ بَلَدٍ شَاءَ ”لوگو! جو محض امام حسینؑ کو قتل کرے اُسے جس شہر کی حکومت چاہیے ہوگی مل جائے گی۔“

جب کسی شخص نے ابن زیاد کے سوال کا جواب نہ دیا تو عمر بن سعد کو بلایا اور کہا: تم اس لشکر کے سربراہ بن کر اہل کربلا کو قتل کر دو۔ عمر نے پہلے تو انکار کیا کہ مجھے اس کام سے معاف رکھو۔ لیکن جب ابن زیاد نے کہا: میں نے معاف کر دیا۔ خط واپس کر دے جس پر تجھے دے کی حکومت ملنا طے پائی ہے۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے آج رات مہلت دے دو تا کہ غور و فکر کر سکوں۔ ابن زیاد نے مہلت دی۔ عمر گھر آ گیا، قوم، بھائیوں اور دوستوں سے اس بارے میں مشورہ کیا جس کا کسی نے اس کام میں مصلحت نہ دیکھی۔

نے کہا ایک لشکر کا سربراہ بنا ہوں جس نے امام حسینؑ سے جنگ کرنی ہے۔ **وَأَنشَأَ قَتْلُهُ عِنْدِي كَامِلَةً أَكِلَ أَوْ**
مَمْلُوءَةً "مملوور تحقیقاً میرے نزدیک حسینؑ کا قتل روٹی کا ایک لقمہ کھانے یا پانی کے ایک گھونٹ کو آسانی سے پینے کی طرح
مملوور قتل کے بدلے مجھے آسے کے علاقہ کی بہت بڑی حکومت ملے گی۔"

ان نے کہا: ہائے افسوس تم پر اے عمر بن سعد! کہ جناب امام حسینؑ فرزند پیغمبر کو قتل کرنے پر تیار ہو؟ توف ہے تم پر
 دین پر کیا حق کو اس قدر پست سمجھ لیا ہے اور ہدایت کو باطل سمجھا ہے۔ کیا تو جانتا ہے کہ کس کے ساتھ جنگ کرے
 تَبِیْہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

۱۔ نے کہا: اے عمر! اگر تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کچھ مجھے دے دیا جائے کہ حضرت محمد علیہ وآلہ وسلم کی امت کے کسی اُمتی کو قتل کرو تو میں کبھی یہ دنیا و ما فیہا قبول نہ کروں گا اور تو امام حسینؑ فرزندِ محمدؐ مرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور تو بروزِ محشر رسولِ پاکؐ کو کیا جواب دے گا؟ جب وہ پوچھیں گے کہ تو نے میرے بیٹے کو سب میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے مہوے پر ظلم کیا۔

۷۔ عمر! آج ہمارے زمانے میں امام حسینؑ کا مقام اپنے جید امجد رسول اللہ کے مقام کی طرح ہے۔ ان کی اطاعت واجب ہے جس طرح ان کے باپؑ اور نانا کی اطاعت کرنا واجب تھی۔

سے عمر بن سعد! تو اس وقت بہشت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہے پس اپنے لیے وہ راستہ اختیار کر جو تیرے لیے صلاح کا باعث ہو۔ اے عمر! خدا کی قسم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل کر دو یا ان کے کسی کے قتل میں مدد کرو تو تم بھی بہت تھوڑے دن زندہ رہو گے۔

۴۔ جبرخت نے کہا: اَفْبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِي ”کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟“ میں جب امام حسینؑ کو قتل کر دوں گا تو
 ۵۔ کا مالک، سردار اور مختار کا رہنما بن جاؤں گا اور مجھے حکومت دے مل جائے گی۔

حب کمال علیہ الرحمن نے کہا: اے عمر! سنو! میں ایک صحیح حدیث تمہیں سناتا ہوں اگر اس حدیث کو غور سے سنو گے
 بہت سہل ہو جائے گی۔

ترجمہ حضرت نے کہا: وہ کون سی حدیث ہے؟

۴۔ علیہ الرحمہ نے کہا: میں تمہارے باپ کے ساتھ شام کی طرف سفر کر رہا تھا کہ میرا آؤٹ قافلے سے جدا ہو گیا اور

راستہ گم ہو گیا۔ میں صحراؤں میں پریشان پھرتا رہا اور پیاس سے غمگین ہو گیا کہ اچانک دیر راہب نظر آیا تو میں اس نے چل دیا اور اپنے اُونٹ سے اُتر آیا۔ میں دیر کے پاس پہنچ گیا کہ شاید یہاں کچھ پانی مل جائے۔ راہب نے اُوپر سے مجھ کو کر دیکھا اور کہا: کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: پیاسا ہوں۔

راہب نے کہا کہ تو اسی پیغمبر کی اُمت کا فرد ہے جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور دنیا کی محبت میں کوتاہی حاصل کر رہے ہو؟

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تو پیغمبر آخر الزماں کی اُمت مرحومؐ ہوں۔ راہب نے کہا: افسوس ہے تم پر بد روز قیامت تمام اُمتوں سے شریر اُمت تم ہو گے، کیونکہ تم نے پیغمبر کی عزت پر زیادتی اور ان کو قتل کیا ہو گا نیز ان کو گھروں سے نکال باہر کیا ہو گا، انہیں شہر بدر کیا ہو گا۔ میں نے اپنی کتب میں پڑھا ہے کہ اپنے پیغمبر کے بیٹے کو قتل کروں گے اور ان کی عورتوں کو اسیر کروں گے اور ان کے اموال لوٹ لوں گے۔ میں نے کہا: اے راہب! آیا ہم اس قدر قبیح (قتل حسینؑ) عمل بھی بجالائیں گے؟

راہب نے کہا: ہاں اور جان لو جب تم سے یہ شنیع اور بُرا کام صادر ہو گا تو تمام آسمان، زمین، دریا، پہاڑ، صحراء، صحرائی حیوانات، پرندوں اور ہر شے کی آواز آئے گی اور یہ تمام چیزیں قاتل فرزندِ رسولؐ پر لعنت کرتی ہوں گی۔ پس قاتل زمین پر بہت تھوڑا عرصہ زندہ رہے گا۔ پھر ایک شخص ظاہر ہو گا جو امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لے گا، وہ مجھ کو قتل کر دے گا جو امام حسینؑ کے قتل میں کسی لحاظ سے شریک ہو گا اور جس جس کو وہ قتل کرے گا اس کی روح بہت جہنم میں چلی جائے گی۔

پھر راہب نے مجھ سے کہا: میں تجھے امام حسینؑ کے قاتل کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میں اس وقت سے رہا تو اپنی جان اس مظلوم پر قربان کر دوں گا اور اس پر آنے والی مصیبتوں کے آگے اپنا سینہ حاضر کروں گا تاکہ تیرا تلوار کا خون مجھ پر ہو اور ان کے نازنین بدن پر زخم نہ لگے۔

میں نے کہا: اے راہب! میں تو خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے ان قاتلین میں سے نہ ہونے دے۔ راہب نے کہا: اگر تو قاتل نہیں تو تیری قوم کا کوئی شخص قاتل ہو گا اور اس ملعون کے لیے اللہ کی طرف سے تمام جہنم نصف عذاب ہے اس قاتل کا عذاب، فرعون، ہامان کے عذاب سے بہت زیادہ ہے۔ پھر راہب نے اپنے دیر کا دروازہ بند کیا اور خود اندر جا کر عبادتِ خدا میں مشغول ہو گیا اور مجھے پانی دینے پر رضامند نہ ہوا۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد مایوس ہو گیا کہ یہ راہب مجھے پانی نہیں دے گا لہذا اپنے اُونٹ پر سوار ہو کر اپنے قافلہ سے مل گیا۔

تمہارے باپ سعد نے مجھ سے پوچھا: اے کامل! اب تک کہاں تھے؟ اور دیر کیوں کر دی ہے؟
 میں نے دیر راہب میں اپنی تمام گفتگو اور راہب کے سلوک کا قصہ سنا دیا۔ تمہارے باپ نے کہا: مجھے بھی تجھ سے پہلے
 یہ گزرتا پڑا تو راہب نے یہی بات کی۔ پس اے عمر بن سعد! تمہارے باپ سعد کو بھی اس راہب نے خبر دی تھی کہ جو
 بجز رسول اللہ کے فرزند کا قاتل ہے وہ تم ہو۔ اس لیے ہمیشہ تمہارا باپ اس سے ڈرتا رہا کہ وہ ان بزرگوار کا قاتل ہو۔
 کامل نے کہا: اے عمر! تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور تمہیں اس خیال سے دُور بھاگ جانے کی وصیت کرتا ہوں جو تم اپنے
 سر سوچ رہے ہو ورنہ خیر الدنیا والآخرۃ۔

اے عمر! خبردار، امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کبھی گھر سے نہ نکلنا ورنہ اہل جہنم کا آدھا عذاب تم پر ہوگا۔
 بوی کہتا ہے کہ کامل کی عمر بن سعد کو اس قدر سختی سے نصیحت کرنے کی خبر ابن زیاد تک پہنچ گئی۔ اس ملعون نے کامل کو
 اس کی زبان کاٹ دی۔ پس وہ مظلوم ایک دن یا نصف دن زندہ رہا۔ پھر اس کی روح شریف قفسِ غصری سے پرواز
 کر۔ پس اس قسم کے اخبار سے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ امام حسینؑ کا قاتل عمر بن سعد ہے۔

اسی قسم کی ایک روایت کتاب منتخب اور قبر عذاب میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ کے سامنے عمر بن سعد آ گیا۔ عمر
 بن سعد نے اس سے فرمایا: یا بن سعد! کیف تَکون إذا قُمتَ مُقَامًا تُخَيَّرُ فِيهِ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ
 تَحْتَ بَرِّ نَفْسِكَ النَّارِ ”اے ابن سعد! اس دن کیا کرے گا کہ جب ایسے مقام پر کھڑا ہوگا جو جہنم اور جنت کے درمیان
 ہے۔ تجھے ایک طرف جانے کا اختیار ہوگا اور تو اپنے لیے جہنم کو چن لے گا۔“

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ یہ روایت اس وقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو
 یہ کہ یا امام حسینؑ کو قتل کر دے یا حکومت رے کا حکم نامہ واپس کر دے۔

حسینؑ کے لیے ابن زیاد کی محفل

جب ابن زیاد کو اطلاع ملی کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا کارواں کوفہ کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور کوفہ میں کسی وقت
 ہو سکتا ہے تو اس نے غضب ناک ہو کر اپنے مشیروں، فوجیوں اور وزیروں کو دربار میں بلایا تا کہ مشورہ کر سکے اور تمام
 یہاں کے سامنے یہ اعلان بھی کر دیا کہ مَنْ يَأْتِيَنِي بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ فَلَهُ الْجَايزَةُ الْعَظْمَى وَأُعْطِيَهُ وَلَايَةَ الرَّايِ
 سِنِينَ ”یعنی جو شخص حسینؑ کا سر لائے گا اسے عظیم انعام دیا جائے گا اور سات سال کے لیے رے کی حکومت بھی اسے
 عطا کر دی جائے گی۔“

تمام درباریوں میں سے ایک عمر بن سعد اٹھا اور اسے کہا: یہ کام میں کروں گا لیکن اے امیر! مجھے اس کام کی تیاری کے لیے ایک ماہ کی مہلت دے دے تاکہ اپنی پسند کا سامان جنگ تیار کر سکوں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر تو ایک ماہ جنگ تو فتح ڈالے گا تو دشمن ہم پر پہلے حملہ آور ہو جائے گا، لہذا دشمن کو مہلت دینا جائز نہیں بلکہ بجلی کی چمک کی لہر آنا فانا ہوتی ہے۔ عمر بن سعد نے کہا: ایک ماہ مہلت نہیں دیتا تو ایک رات مہلت دے۔

ابن زیاد خوش ہوا اور کہا: ایک رات مہلت میں کوئی حرج نہیں۔ محفل برخاست ہو گئی، ہر شخص کمر چلا گیا لیکن کمر کے دل اس کام سے پریشان اور مضطرب تھے کہ ابن سعد ظالم نے کس طرح فرزند رسولؐ سے جنگ کو جن لیا ہے۔ عمر بن سعد، اسلحہ اور دیگر سامان جنگ طلب کیا، تمام آلات حرب اکٹھے کیے، اپنے مختلف گھوڑے جمع کیے اور بڑی تیزی سے میں داخل ہوا تو دربان آیا اور کہا کہ کچھ لوگ دروازے پر جمع ہیں وہ اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں مہاجرین اور انصار کی اولاد سے ہیں۔

عمر سعد اپنی مخصوص مسند پر بیٹھ گیا اور اُن کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اجازت ملتے ہی ایک گروہ روتا ہوا آیا۔ عمر سعد نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے کہ اس طرح پریشان ہو اور رو رہے ہو؟ کیا تم پر کسی نے ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ تو نے امام حسینؑ کو قتل کرنے پر کمر باندھا ہے اور ان سے جنگ کا ارادہ ہے۔ وَأَبُوكَ سَادِسُ الْإِسْلَامِ جبکہ تیرا باپ تو اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھا۔ پاک کی خدمت میں ہمیشہ کمر بستہ رہتا تھا اور اسلام کی ترویج میں اس قدر کوشش کی کہ آج تک مذکور ہے۔ اور اس رسولؐ میں موت آئی اور تو رے کی حکومت کے لالچ میں فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ آج ہمارے زمانہ میں پیغمبرؐ کی ایک ہی تو نشانی ہے اور زہراءؑ کا ایک ہی تو بیٹا ہے اور تمام عالم کا وہ امیر ہے۔ اس قدر عظیم شخصیت کے۔ کس طرح قتل پر راضی ہو گیا۔ اس کام کے ارادے سے تو بہ کرو اور دنیا کی امید کو ختم نہ کرو اور ہمیشہ کے لیے یہ دامن میں باقی نہ رکھو۔

عمر بن سعد نے کہا: لَسْتُ أَفْعَلُ ذَلِكَ ”آپ روئیں نہیں مطمئن رہیں میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔“ آپ کو عاقل سمجھتا ہوں تو میں کیسے یہ کام کر سکتا ہوں اور اسلام میں میرے باپ سعد کی خدمات کسی سے کم نہیں۔ بہادری بھی کسی پر غنی نہیں۔ جنگوں میں کبھی کسی نے میری پشت نہیں دیکھی اور مجھے کبھی شکست نہیں ہوئی۔ مہاجرین و انصار نے کہا: تم جو کہہ رہے ہو صحیح ہیں لیکن یہ بھی بتا کہ یا فرزند رسولؐ سے جنگ کرے گا۔ نہ۔ سے لڑنے کا معمم ارادہ کر چکے ہو یا نہیں؟ اس قسم کی بہت باتیں کیں اور روتے رہے۔

میر نے اپنا سر جھکا لیا اور امام حسینؑ کے بارے میں سوچنے لگا کہ امام حسینؑ کو قتل کر کے حکومت زے لوں یا حکومت زے میں قتل نہ کروں۔ کافی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ ایمانی بھائی اور قتل دوستوں کی نصیحت کو نہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں نے آنکھوں سے تمہاری بات کو قبول کر لیا ہے۔

ابن عمر بن سعد نے مہاجرین و انصار کی اولادوں کی تسلی خاطر کے لیے کہا کہ میں نے تمہاری بات قبول کر لی ہے۔ میں نے اپنے اسی مہم ارادہ پر تھا جو وہ کر چکا تھا کہ زے کی حکومت لوں گا۔ یہ بھی غلطی نہ رہے کہ عمر سعد کی طرف سے قتل کو قبول کرنے کے یہ کیفیت مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ صاحبانِ تاریخ و مقتل نے لکھا ہے کہ قتلِ امامؑ کی عمر سعد خود پیشِ ظاہر کی۔

عمر سعد کا قتلِ امامؑ کے بارے میں مشہور نظریہ

جب امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہو چکے تھے تو ابن زیاد نے ابن سعد کو امام حسینؑ سے جنگ کے لیے بھیجا اور زے بدلے حکومت زے دینے کا وعدہ کیا۔ ابن سعد کوفہ سے باہر آیا اور خفیہ طور پر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور دربارِ ابن سعد میں۔ ابن زیاد نے بھرے دربار میں بڑے بڑے سرداروں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا لیکن کسی نے ہامی نہ بھری تو ابن زیاد نے عمر سعد کو بلایا اور کہا کہ پہلے کربلا جاؤ اور امام حسینؑ کا سر جدا کر کے لاؤ اور اپنے امیر کی اطاعت کرو۔

ابن سعد نے ابتداء میں انکار کیا لیکن جب ابن زیاد نے کہا کہ اگر امام حسینؑ کو قتل کرنے نہیں جاتے تو زے کی حکومت کا مہد نامہ واپس کر دو۔

عمر بن سعد جو ہر صورت میں حکومت زے کا متلاشی تھا اور اس مقصد کے لیے زے سے بڑا کام بھی کرنے کو آمادہ تھا، ابن زیاد کے جواب میں کہا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دو تا کہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکوں۔ ابن زیاد نے قبول کیا۔ یہ رات کی مہلت دے دی۔

عمر گھر آیا اپنے دوستوں اور برادری سے مشورہ کیا تو ہر ایک نے اسے روکا۔ اس رات وہ جاگتا رہا اور سوچتا رہا کہ زے بڑا ہمارا قتل کروں یا زے کی حکومت کے مزے لوں۔ اگر جگر گوشہ زہراؑ کو قتل کروں تو ہمیشہ کی سعادت سے محروم اور ہمیشہ کی سزا ہوگی، البتہ اس کے بدلے حکومت زے جو عرصہ دراز سے میری خواہش تھی مل جائے گی یا حکومت زے کی ریاست کو چھوڑ دوں اور یہ خیانت نہ کروں اور اپنے آپ کو جہنم کے شعلوں کے حوالے نہ کروں۔ وہ ساری رات حیران رہا۔ صبح ابن زیاد کے دربار میں آیا۔ اس نے پوچھا: کیا فیصلہ کیا ہے؟ ابن سعد نے کہا: اے امیر! تم نے پہلے مجھ

سے حکومت رے کا عہد کیا ہے، یہ بات لوگوں کو معلوم ہے کیونکہ انہوں نے مجھے مبارکباد دی ہے اور اب کہتے ہو کہ پتہ جاؤ اور بغیر کے فرزند کو قتل کرو ورنہ حکومت سے معزول ہو۔ اشراف کوفہ میں ایسے لوگ ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں۔ میں نے زیادہ بہادر نہیں ہوں لہذا مجھے کر بلا نہ بھیجو اور میرا جانا لازمی نہیں کسی اور کو بھیج کر امام حسینؑ کا کام تمام کروادو۔ پس میری سے گزارش ہے جیسے پہلے قول ہو چکا ہے کہ میں رے کی طرف جاؤں اور وہاں حکومت کے کاموں میں مشغول ہو جاؤں۔ کسی اور کو بھیج کر امام حسینؑ کو شہید کروادو۔

ابن زیاد نے کہا: اشراف کوفہ میں سے میں کسی کو کر بلا بھیجنے کے لیے مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔ بارے میں تجھ سے مصلحت نہیں پوچھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کر بلا نہیں جاتے تو حکومت رے قطعاً نہیں مل سکتی۔ ابن سعد حکومت رے کو دل سے نہیں نکال سکتا تھا، لہذا کہا: اے ابن زیاد جیسے تیرا حکم ہے میں وہی کروں گا مجھے حسینؑ کو قتل کروں گا۔

تاریخ ابن اعثم کوفی کے ترجمہ میں یہی لکھا ہے جو سابقہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔ مرحوم کا شفی روضۃ الشہداء میں رقمطراز ہیں کہ جب ابن زیاد کا قاصد امام حسینؑ کی خدمت سے واپس گیا اور اس نے بتایا کہ امامؑ نے تمہارے خط کو پڑھ کر پیکر اور فرمایا ہے کہ یہ خط اس قابل نہیں کہ جواب لکھا جائے۔

ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور حاضرین دربار سے کہا کہ تم میں سے کون حسینؑ سے جنگ کرنے جائے گا اور جو اسے کرے گا تو عراق کے جس شہر کی حکومت چاہیے میں دوں گا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ ابن زیاد نے پھر کہا مجھے نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی کسی نے جواب نہ دیا۔

ابن زیاد نے عربین سعد کو بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تجھے کافی عرصہ سے حکومت رے کی خواہش ہے وسیع ولایت ہے اور اموال بہت ہیں، میں چاہتا ہوں کہ حکومت رے اور طبرستان تیرے نام پر لکھ دوں، اور تیری آنکھیں پورا کر دوں۔

عربین سعد نے منت سماجت کی، ابن زیاد نے حکم دیا کہ حکومت رے اور ولایت طبرستان کا حکم نامہ لکھو اور دینے قیمتی لباس پہناؤ۔ اُسے حکومت رے کا حکم نامہ مل گیا۔ قیمتی لباس زیب تن کرایا گیا اور زرین گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ ۶ زیاد نے کہا: اے عمر سعد! میں تمہیں ایک بڑے لشکر کی سپہ سالاری دے رہا ہوں، تم حکومت رے کے والی ہو اور ۵۰۰۰ تمہیں دیتا ہوں۔ یہ سب کچھ اس شرط پر ہے کہ پہلے کر بلا جاؤ اور حسینؑ سے یا زید کی بیعت کرو الا و یا اس کا سر جدا کر دو۔ عمر ابن سعد نے کہا: اے امیر یہ کام بہت بڑا ہے، بغیر سوچے سمجھے نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت دے میں جا کر۔

جب لوہا اپنے رشتہ داروں سے مشورہ کرلوں تاکہ فیصلہ صحیح کر سکوں۔

لکن زیاد نے کہا: جاؤ اور مشورہ کر کے جلدی مجھے بتاؤ۔

مرسد قیتی لباس پہنے اور قیتی گھوڑے پر سوار، حکومت رے کا پروانہ ہاتھ میں لیے ہوئے گھر آیا۔ جب اولاد نے اس

میں دیکھا تو کہا: یہ گھوڑا اور شاہی لباس کہاں سے ملے ہیں؟ اور جو پروانہ ہاتھ میں ہے یہ کیا ہے؟

لکن سعد نے کہا کہ اے بیٹو! اب ہماری طرف ایسی دولت نے رخ کر لیا ہے جس کی انتہا نہیں، اب ہمارا بخت ابھرا

جس کو زوال نہیں ہوگا۔ جان لو کہ ابن زیاد نے اپنے ایک لشکر کی سالاری مجھے دی ہے اور طبرستان کی ولایت بھی دینے کا

میں وعدہ کیا ہے اور یہ سب کچھ اس شرط پر ہے کہ میں جا کر امام حسینؑ سے جنگ کروں۔

جب بڑے بیٹے نے یہ سنا تو کہا: ہیہات ہیہات ہیہات! ہائے افسوس! ہائے افسوس! یہ کون سی

جگہ ہے جو تم نے سوچا ہے یہ کیا بے سود معاملہ ہے؟ یہ جانتے ہو کہ کس سے جنگ کرنی ہے؟ اور کس خاندان کی دشمنی کے

معرکہ میں ہے۔ یہ حضرت امام حسینؑ جناب سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کے جگر گوشہ اور علی مرتضیٰؑ کی آنکھوں کا نور اور

سید ہر ام کے دل کا میوہ ہیں۔ تمہارا باپ سعد بن وقاصؓ تو ان کے جدا مجد پر جان قربان کرتا تھا اور تم ان کو قتل کرنے کا ارادہ

رکھتے ہو۔ یہ کام نہ کرنا، خوف خدا کرو اور روز قیامت کی شرمساری سے بچو، پیغمبر کو بروز قیامت کیا جواب دو گے؟

تم نے خود تین خط امام حسینؑ کو لکھے تھے اور ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے تمہاری دعوت قبول کی اور

آئے ہیں تو اب ان کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہو۔ لوگ تجھے غدار اور بے وفا کہیں گے اور عجائبِ اہل بیتؑ قیامت تک تجھ

پر کرتے رہیں گے ہرگز یہ کام نہ کرنا، ہرگز نہ کرنا۔

مر سعد نے بڑے بیٹے سے منہ پھیر لیا اور چھوٹے لڑکے سے پوچھا کہ تیری رائے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جو بڑے

نے کہا ہے وہ سچ ہے لیکن ہے ادھار اور جو ابن زیاد دے رہا ہے وہ نقد ہے اور کوئی عقل مند نقد کو ادھار پر نہیں چھوڑتا گا اور

جب پر اختیار کرنے کو نہیں چھوڑتا۔

مر سعد (یعنی) نے کہا: بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم نے ابھی دنیا اختیار کی ہے جب آخرت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔

مر سعد ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا کہ امام حسینؑ سے جنگ کرنا قبول ہے۔

تین زیاد اس بات پر بہت خوش ہوا اور اُسے پانچ ہزار کا لشکر دیا کہ کر بلا جاؤ۔ جب کوفہ سے باہر لشکر آیا تو ایک لشکر

تبعہ محمد بن سعدؑ! کیا تو فرزندِ رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کو جا رہا ہے؟

بن سعد نے کہا: ہاں! اگرچہ دنیا میں حسینؑ سے جنگ ذلت اور رسوائی کا اور آخرت میں جہنم جانے کا سبب ہے لیکن

رے کی حکومت بھی ذوق اور عیش و سرور کا سبب ہے۔

پھر روضۃ الشہداء میں ہے کہ حمزہ بن مغیرہ نے، جو عمر سعد کا بھانجا تھا، جب دیکھا کہ اس کا ماموں امام حسینؑ جنگ کا معمم عزم کیے ہوئے ہے تو اپنے ماموں کے پاس آ کر کہنے لگا: تم کیوں اس جنگ کی طرف جا رہے ہو جو بہت ہے۔ اور قطع رحم کو بھی مستلزم ہے۔ یہ دھوکا اور بے وفائی کی مشہوری کا سبب ہے۔ تم یہ کام کرنے کیوں جا رہے ہو؟ عمر سعد نے کہا: اے بیٹے! اگر یہ کام نہ کروں تو حکومت سے محروم رہوں گا۔

حمزہ نے کہا: خدا کی قسم کہ حکومت کو ترک کر کے دنیا چھوڑ دینا اس سے بہتر ہے کہ تمہاری گردن پر خون حسینؑ ابن سعد نے بہت لمبی فکر کی اور ارادہ کیا کہ جنگ کو چھوڑ دوں لیکن دنیا کی محبت نے اس کی بصیرت پر پردہ ڈال دیا۔ وہ گمراہی کے کنوئیں میں گر گیا اور پانچ ہزار کا لشکر لے کر کر بلا پہنچ گیا۔

مرحوم واعظ قزوینی نے ریاض القدس میں امالی کی روایت لکھی ہے کہ ابن زیاد نے ایک سخت حکم نامہ اپنے خط لکھا کہ میں نے تمام لشکروں کا امیر عمر بن سعد کو بتایا ہے اور کسی شخص کو اجازت نہیں کہ عمر بن سعد کی مخالفت کرے۔ سب اس کی بات کو سنو اور اطاعت کرو، یہی تمہارا سپہ سالار ہے۔

ابن زیاد کے لشکر کا امام حسینؑ کے کارواں کو مدینہ جانے سے روکنا

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسینؑ کا کارواں وادی عقبہ سے گزرا اور منزل شراف پر وارد ہوا تو رات گزارنے سحری کے وقت جب امام حسینؑ نے اپنے کارواں کا حکم دیا کہ یہاں سے پانی زیادہ بھر لیں اور پھر روانہ ہو جائیں تو سب طے کرتے ہوئے وقف زوال کسی نے اچانک تکبیر کہہ دی۔ جب اس کی آواز امامؑ نے سنی تو اللہ اکبر کہا اور پھر پوچھ کیوں کہی ہے؟

اس نے عرض کیا: قریان جاؤں کوفہ کے باغ نظر آ رہے ہیں، میں خوش ہوا ہوں کہ کوفہ پہنچ گئے ہیں، اس لیے تکبیر۔ دوسروں نے کہا: ہم کئی مرتبہ اس راستے سے گزرے ہیں یہاں پر باغ نہیں ہے۔

حضرتؑ نے پوچھا: پس تم کیا دیکھ رہے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! ہمیں تو گھوڑوں کی گردیں نظر آ رہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں، یہ باغ نہیں لشکر ابن زیاد آ رہا ہے۔ اگر یہ دشمن کا لشکر ہے۔

جنگ کرے گا تو ہمیں ایک پناہ گاہ کی ضرورت ہے۔

یہ سوجی نے عرض کیا: یہ دائیں جانب پہاڑ کے دامن میں پناہ گاہ ہے۔ یہ خر کا لشکر تھا۔ امامؑ نے نماز ظہر پڑھا کر وضو کی کہ اے کوفہ! تم نے خط لکھے تھے، وفد بھیجے تھے تو میں اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے بلائے پر اسلام کی تبلیغ و ترویج کرنے آیا ہوں۔ اور اب اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا کوفہ میں درود ناپسند کرتے ہو تو ہمارا راستہ چھوڑ دو، ہم اپنے سینہ چلے جاتے ہیں۔

گھر خر خاموش رہا اور کوئی بھی جملہ معترضہ زبان پر نہ لایا۔

پھر نماز عصر کے بعد امامؑ نے ایک خطبہ دیا کہ خدا سے ڈرو، حق اور اہل حق کو پہچانو۔ ہم پیغمبرؐ کے اہل بیت ہیں اور سے امامت اور خلافت کے زیادہ اہل ہیں۔ اگر تم اپنے وعدہ سے منحرف ہو چکے ہو تو میرا وعدہ پورا ہو گیا، اور اب میرا سینہ دو، میں واپس چلا جاتا ہوں۔

ترنے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! خدا کی قسم! میں ان غدار اور مکار کوفیوں سے نہیں ہوں جنہوں نے آپؐ کو دعوتِ نبیہ سے اور وفود بھیجے۔

ہم نے فرمایا: خر اگرچہ تم نے نہ خط لکھا ہے اور نہ کچھ بتا ہے لیکن جو باقی لوگ تمہارے ساتھ ہیں ان میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے خطوط لکھے۔ پھر خطوط والی خورجین زمین پر بکھیر دی۔ جب خر نے اس کثرت سے خطوط کو دیکھا تو کہا: کتنے بے ان پر جن لوگوں نے آپؐ کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا۔ میں قربان جاؤں، اس میں میری کوئی تعمیر نہیں ہے۔ تم زیادہ نے بھیجا ہے کہ آپؐ کے ساتھ رہوں تاکہ آپؐ کو لائنِ زیادہ کے پاس لے چلوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اَلْمَوْتُ اَدْنٰی اِلَیْكَ مِنْ ذٰلِكَ ”تمہارے اس ارادے سے پہلے موت قریب ہے۔“

یہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے، پھر آزرہ خاطر اور آخفتہ حال اپنے کارواں سے فرمایا: چلو، اس سے آگے جانا ہے۔ سب نے سامانِ باندھا اور عورتوں اور بچوں کو سوار کیا، سب سوار ہو گئے۔ امام حسینؑ نے حکم دیا: اِنْصَرِفُوْا اِلَی الْمَدِیْنَةِ یہ سن کر اپنے ارادہ سے منحرف ہو گئے اور ہمارا کوفہ میں آنا ان کو ناپسند ہے، تو واپس مدینہ چلو، ہم اپنے گھروں میں آباد رہیں گے۔

مَكَ ذَهَبُوا لِيَنْصَرِفُوا حَالَ الْقَوْمِ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْاِنْصِرَافِ

جب کارواںِ حسینیؑ پیچھے کو مڑنے لگا تو خر کے لشکر نے راستہ روک لیا۔ بنی ہاشم نے پاؤں بلند کیا: کارواں کو کس نے روکا ہے میں امام حسینؑ کی آواز بلند ہوئی: فَكَلَنْتَ اَمْلَكَ مَا تُرِيدُ ”تمہاری ماں تمہارے غم میں روئے، اب ہم سے کیا

ہوگا؟“ ہمیں وطن نہیں جانے دیتے۔ کیوں زہراءؑ کی اولاد کو زلاتے ہو؟“

خُراگے بڑھا اور عرض کیا: یا بن رسول اللہ! جو آپ مجھے دشنام دی، آپ کو اختیار ہے لیکن میں یہ دشنام نہیں سکتا۔ میری ایک عرض ہے۔

امامؑ نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟ کس لیے کارواں کو روکا ہے؟

خُرنے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہوں تاکہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے۔

خُرنے کہا: خدا کی قسم! پھر میں بھی آپ سے جدا نہیں ہوں گا کیونکہ میں جنگ پر مامور نہیں ہوں، آپ سے مجھ سے کرنا لیکن اگر آپ کو ابن زیاد کے پاس نہ لے جاؤں تو فرض کی ادائیگی میں مقصر ہوں گا اور آپ کو فہ کی طرف جاتے۔ میری گزارش ہے ایک اور راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ اُسی پر چلتے رہیں پھر دیکھیں۔ گا کہ ابن زیاد کا کیا حکم آتا ہے تاکہ میں آپ کے سامنے بھی شرمندہ نہ ہوں اور ابن زیاد کا مقصر بھی نہ ہوں۔

پھر خُرنے امامؑ کو ایک راستہ بتایا کہ اس پر روانہ ہو جائیں۔ یہ نہ کوفہ جائے گا اور نہ مدینہ جائے گا۔

حضرتؑ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ قادیسیہ کی بائیں جانب سے اور غدیب سے گزرے تو پوچھا کہ تم میں سے کوئی اس مشہور راستہ کے علاوہ غیر معروف صحرائی راستہ کو جانتا ہو؟

طراح آگے بڑھا اور عرض کیا: اے فرزند رسول! میں غیر معروف راستوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم آگے آگے چلو، ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔

طراح آگے چلتا رہا اور حسینیؑ کا رواں غم زدہ دلوں سے پیچھے چلتا رہا۔ اس مقام پر چار شخص امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے۔ ہلال بن نافع مرادی، عمرو الصیدادی، سعید بن ابی ذر غفاری، عبید اللہ مذحجی تھے۔ ان کے بعد کسی مقام پر حبیب مظاہر اسدی، مسلم بن عویجہ، عابس بن سہیب شاکری بھی امامؑ کے ناصرین میں شامل ہو گئے۔

جب چار شخص امامؑ کے ساتھ شامل ہونے لگے تو خُرنے روکا لیکن جب امامؑ نے ذرا شدد لہجے سے جھڑکا تو انہیں دیا۔ امامؑ نے ان سے کوفہ کے احوال پوچھے اور حضرت مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور قیس بن مسہر کی شہادت کا احوال جس پر امام حسینؑ زار و قطار رونے لگے اور تمام اصحاب بھی روتے رہے۔

جن اشخاص پر حجت تمام کی اور ان کو دعوتِ حق دی

① اپنی قوم اور اصحاب کو یوں دعوت دی جو اللہ کی ملاقات چاہتا ہے ہمارے ساتھ چلے، میں کل صبح جا رہا ہوں

فرماتے۔

میرتد بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر: ان تینوں نے کوئی عذر شرعی پیش کیا اور امام کے ساتھ نہ آئے۔
میرتد بن جعفر: ان کی نظر کمزور تھی، ان کو خود امام نے مکہ سے واپس بھیجا اور انہوں نے اپنے دو بیٹے محمد و عون ساتھ بھیجے۔
سیر بن قین: یہ پہلے عثمانی تھے جب دعوت ملی تو قول کی اور غلامی کا حق ادا کیا۔
حرث بن مسلم: اپنی بیٹی کا بھانہ بنا کر امام کی دعوت کی طرف نہ آیا بلکہ کوفہ چلا گیا۔

غیر خرمین یزید ریاحی: جن کو پانی پلانا، ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا، انہوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی، ان کو دعوت حق دئی، اس وقت ان سے کسی نے امام حسین کی طرف آنے کا دم نہ بھرا لیکن صبح عاشور خرمین اور اس کے ساتھ ۳۰ فوجیوں نے۔
حسین کے لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔

مر بن سعد: مجھے محرم کی رات سے دس محرم کی رات تک امام حسینؑ اُسے غلوت میں سمجھاتے رہے لیکن اس نے جہنم ہی حیر کی تھی۔

ثنا سعد: حبیب بن مظاہر امام کا پیغام لے کر نویں محرم کی رات تک ان کے پاس گئے۔ اُن میں سے کافی لوگ تیار ہوئے
تین امن سعد کے لشکر نے ان کو امام حسینؑ تک نہ آنے دیا۔

دعہ عاشور: میدان میں استغاثہ کرنا اور مدد طلب کرنا۔ جب سب شہید ہو چکے تھے: هل من ناصر ینصرنا هل من معین یمیننا

۔ استغاثہ کا جواب معنوی دنیا میں چار نفر اور ظاہری دنیا میں پانچ نفر نے دیا۔

صنوی عالم میں پہلا جواب گو خود خداوند قدوس نے فرمایا: لبیک یا حسین۔ دوسرا جواب: تمام آسمانوں کے فرشتے
میلہ کے کروہین (فرشتوں) نے لبیک کہا۔ تیسرا جواب: تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء اور صدیقین کی ارواح نے کیا۔ چوتھا
جنت، پریاں، تمام عالم کے ذرات، مجردات اور غیر مجردات، عالم علوی و اسفل کے سارے مکتوبات یعنی زبان سے
ہے تھے: لبیک لبیک یا حسین لبیک یا حسین۔

خا جری عالم میں پہلا جواب: امام سجاد علیہ السلام کہ باوجود بیماری اور تکلیف کے استغاثہ سننے پر فرمایا: پھوپھی اماں!
عوارو، بابا نصرت طلب فرما رہے ہیں۔

سرا جواب: حضرت شہزادہ علی اصغر جو چھ ماہ کے تھے، نے اپنے آپ کو گھوارے سے گرا دیا اور پھر اپنے بابا کی
جہ بابا کی فتح کا اعلان کر دیا۔

(مترجم: یہ لفظ اعلان میری طرف سے ہے، صاحبِ کتاب نے نہیں لکھا اور میں نے اس لیے لکھا ہے کہ جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گلے پر تیر کھا کر دشمنوں میں اپنے بابا کی فتح کا اعلان یوں کر دیا کہ اے یزید تو کتنا کمزور ہے کہ اتنی بڑی فوج، لشکر، نیزوں، تلواروں اور سب سے بڑھ کر گھوڑوں اور اُونٹوں کو مارے جانے والے سہ شعبہ آہنی تیر سے مجھ جیسے کی گردن نہیں جھکا سکا، تو میرے بابا کی گردن کیسے جھکا سکتا ہے)

تیسرا جواب: امام حسنؑ کے ایک صاحبزادے نام عبداللہ تھا، گیارہ سال کے تھے اور چچا کا استغاثہ سننے پر پیچھے کے پکڑنے کے باوجود میدان میں پہنچے اور شہید ہو کر نصرت کی۔

چوتھا جواب: جناب عبداللہ بن حسینؑ، ایک گھنٹہ پہلے پیدا ہونے والا بچہ بھی استغاثہ سن کر دانی کے ہاتھوں پر سونے میدان میں آ گیا اور اذان و اقامت سنتے سنتے بابا کی نصرت کی۔

پانچواں جواب: حضرت زینبؑ کبریٰ بھی استغاثہ کے وقت نصرتِ امامؑ کے لیے آئیں جبکہ امام حسینؑ کے بدنِ زخمی جگہ سالم نہ تھی۔ تفصیلی تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

ورود کر بلا اور شبِ عاشور تک کے واقعات

کارواں حسینیؑ غیر معروف راستہ سے کر بلا آ رہا تھا کہ عذیب الحبانات کے مقام پر خربن یزید کو ابن زیاد ملعونؑ پہنچا جس میں اُس نے خُرکی ملامت کی اور مذمت کی کہ تو حضرت امام حسینؑ سے کیوں نرمی کا برتاؤ کر رہا ہے، ان پر سختی نہیں کرتا۔ جب یہ خط ملا تو خورخزہ ہو گیا اور اس کے بعد ذرا سختی کرنا شروع کر دی۔ کبھی کارواں کو روک دیتا کبھی چٹائی اجازت دیتا، سواروں اور مخدراستِ عصمت اور بچوں کی سواریوں کو کبھی ادھر اور کبھی ادھر چلنے کا حکم دیتا تھا۔ اور اپنے اختیار سے ان کو چلنے نہیں دیتا تھا۔ اسی طرح پریشانی سے چلتے چلتے کارواں حسینیؑ ایک بنجر، بے آب و گیاہ زمین پر پہنچا تو چونکہ خورخزہ زیاد نے لکھا تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے کارواں کو بے آب و گیاہ بیابان میں روک لے، اس لیے خُر نے اس وادی میں روک لیا۔ اگرچہ امامؑ نے اصرار کیا کہ ہمیں آگے جانے دے تاکہ غیوایا عاصریہ میں پڑاؤ ڈالیں لیکن خُر نے اجازت نہ دی اور یہ ابن زیاد نے مجھ پر جاسوس مقرر کر رکھے ہیں جو میرے رویے اور اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اسی قسم کی زمین میں آپ کو روکنے کا مجھے حکم ہوا ہے لہذا آگے نہیں جانے دوں گا۔

اس زمین پر آتے ہی تمام کارواں حسینیؑ کے دلوں میں ہیبت طاری ہو گئی۔

امام حسینؑ نے پوچھا کہ ما اسمُ هذا الارضِ؟ ”اس سرزمین کا نام کیا ہے؟“

تو کہا گیا: کربلا۔

نام نے فرمایا: پس سواریاں بٹھا دو، نیچے اتر آؤ، یہی ہماری آخری منزل ہے۔ ہمارے مردوں کے گھوڑوں سے
کے نامی مقام ہے اور ہمارا خون اسی جگہ پر بہایا جائے گا۔ ہماری قبریں یہاں بنیں گی، یہ وہی خاک اور زمین ہے جس کا
نام فرمایا تھا۔

کاروانِ حسینی اپنی سواریوں سے اتر آیا اور خُرنے بھی مقابل میں ڈیرہ جمالیا۔

ح کے نزدیک اپنے مقتل میں ورودِ کربلا کا منظر

جب خاص آلِ عبا کا گھوڑا زمین کربلا پر پہنچ تو قدم آگے نہ بڑھایا، اگرچہ امام حسینؑ نے گھوڑے کو آگے چلنے کے
کا سین گھوڑے نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ امامؑ نے گھوڑا تبدیل کیا تو اس نے بھی قدم نہ بٹھایا۔ فَلَمْ يَزَلْ
يَكُنْ قَرْمًا قَرْمًا حَتَّى رَاكَ سَيِّئَةً أَفْرَاسٍ حَضْرَتُ نے مجھے گھوڑے تبدیل کیے جب کسی نے بھی قدم نہ بڑھایا تو
حضرت نے اصحاب سے پوچھا: اَيُّ مَوْضِعٍ هَٰذَا ”یہ زمین کون سی ہے؟“

صحاب نے عرض کیا: غاصریہ۔

حضرتؑ نے پوچھا: کوئی اور نام بھی ہے؟ صحابہ نے کہا: شطی الفرات۔ پھر فرمایا: کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کیا گیا:
جہ بھی کہتے ہیں۔

س وقت حضرتؑ نے فرمایا: اب مشکل آسان ہوگئی ہے۔

فَتَنَفَسَ الصُّعَدَاءُ وَبُكِيَ بُكَاءٌ شَدِيدًا قَالَ وَاللَّهِ اَرَهَضَ كَرْبُ وَ بَلَاءٌ وَاللَّهِ هُيْهَنَا
يُقْتَلُ الرِّجَالُ وَاللَّهِ تَرْمَلُ النِّسْوَانُ هُيْهَنَا وَاللَّهِ تُدْبِجُ الْاِطْفَالُ وَهُيْهَنَا وَاللَّهِ تَهْتِكُ
الْحَرِيمَ فَانْزِلُوا بَنِيَّ اِكْرَامِ فَهَيْهَنَا مَحَلُّ قُبُورِنَا

”پس امامؑ نے دل پر درد سے سرد آہ لی اور بلند آواز سے روئے، پھر فرمایا: خدا کی قسم! کرب و بلا
والی یہی زمین ہے جہاں دکھ اور مصیبتیں ہوں گی۔ خدا کی قسم! ہمارے جوان یہیں مارے جائیں
گے۔ خدا کی قسم! ہماری عورتیں یہیں بیوہ ہوں گی۔ خدا کی قسم! ہمارے چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہیں
ذبح کیا جائے گا۔ خدا کی قسم! ہماری حرمت اور تعظیم کا پردہ یہیں اترے گا۔ پس میرے جوان مردو!
اور شرفا کے وارثو! یہاں اتر آؤ کیونکہ یہی ہماری قبروں کا مقام ہے۔“

پھر امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے اترے، جون علی امام کے قدم اس زمین پر پڑے تو خاک بکربلا کا رنگ اور کچھ غبار اڑا جو حضرت کے چہرہ مبارک پر اور بالوں میں بیٹھ گیا۔ روایت مفید کے مطابق حضرت امام حسین کا ورود بروز جمعرات ۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری ہے۔

روز ورود کربلا، ۲ محرم کے واقعات

ہماری تحقیق کے مطابق ورود کربلا کے دن چھ درج ذیل واقعات ہوئے:

① کتاب مجمع میں شیخ طریقی نے لکھا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی قبر مطہر کے مقام کے ارد گرد جگہ کو اہل بنی۔ عاصریہ سے ۶۰ ہزار درہم میں خریدا اور خرید کر ان کو اس شرط پر عطیہ کردی کہ وہ ہماری شہادت کے بعد ہماری زیارت آنے والوں کی ہماری قبر مطہر کی طرف رہنمائی کریں گے اور ان کو تین دن مہمان رکھیں گے۔

سنگلول شیخ بھائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۲ محرم کا ہے اور کہا گیا ہے کہ اطراف قبر کو ۶۰ ہزار درہم میں اہل بنی۔ عاصریہ سے خریدا اور اس شرط پر ان کو زمین والہس کردی کہ میرے زائرین کی رہنمائی کرنا اور تین دن مہمان رکھنا۔

صاحب کتاب ہذا کا بیان ہے، جو جگہ اپنے حرم کے لیے امام نے خریدی وہ چار میل مربع ہے (مترجم: ساڑھے ۱۶ کلومیٹر) جو آپ کی اولاد اور آپ کے محبوں پر حلال اور دوسروں پر حرام ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ میل کی مسافت روئے زمین پر کی دیکھ کی انتہائی مقدار ہوتی تھی جسے چار ہزار ہاتھ معین کیا گیا ہے۔

② کتاب مجمع الاتزان میں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے تو حضرت سیدہ زینبؓ خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ برادر یہ وادی بہت وحشت ناک، دردناک اور ہولناک ہے، جس وقت سے ہم یہاں پہنچیں، میرے دل پر وحشت کا بوجھ زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہن! بابا کے زمانہ میں بابا اور بھائی کے ساتھ جب صفین جا رہے تھے اور ایسی زمین سے میرے ہم یہاں اترے اور آرام کرنا چاہا۔ میرے بابا کا سر بھائی حسن کی گود میں تھا۔ آپ کچھ دیر سوئے، میں بابا کے سر کے قریب بیٹھا تھا کہ وہ اچانک نیند سے جاگے اور سخت گریہ کرنے لگے۔ بھائی نے اس قدر شدید گریہ کی وجہ پوچھی۔ بابا نے فرمایا: سر۔ خواب میں دیکھا ہے کہ گویا اس وادی میں خون کا دریا ہے اور میرا بیٹا حسین اس خونی دریا میں غوطے کھا رہا ہے اور انھی غوطوں۔ دوران میں استغاثہ بھی کر رہا ہے اور کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آتا۔ پھر بابا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے ابا عبد اللہ ہولناک واقعہ کے وقت تمہاری کیا حالت ہوگی اور کیا کرو گے؟

تہ۔ عرض کیا: میں ممبر کروں گا اور اللہ کی رضا پر راضی رہوں گا۔

سے۔ متن طاؤس ابوہف میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ کا پُر شکوہ کارواں پُر بلا زمین کر بلا پر پہنچا اور اس زمین

سے۔ حسینؑ ایک طرف بیٹھ گئے۔ اصحاب اور غلاموں نے خیام لگانے شروع کر دیے۔ حضرت امامؑ اپنی تلوار صاف کر رہے

سے۔ سے اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے تھے۔ آپؑ زمانے کی بے وفائی کا شکوہ ان اشعار میں کر رہے تھے۔

یہ ہر اوفِ لک من خلیل کم لک بالاشراق والاصیل
من طالب وصاحب قتیل والدھر لا یقنم بالبدیل
ونما الامر الی الجلیل وکل حی سالت سبیل
یعنی اے زمانے! تجھ پر ٹھ ہے کہ تو میرا دوست ہے، صبح اور شام میں حق کے طالبوں اور اپنے
دوستوں کو قتل کر دیا ہے۔ زمانہ عوض قبول نہیں کرتا۔ پس تمام امور خدا کے حوالے ہیں اور ہر زندہ
میری طرح جانے والا ہے۔

تہ۔ کہتا ہے کہ حضرت زینب علیہا السلام نے جب یہ اشعار سنے تو بھائی کی خدمت میں عرض کیا: بھائی ایسی باتیں تو وہ
سے۔ سے قتل کا یقین ہو جائے۔

تہ۔ نے فرمایا: ہاں بہن! (مجھے یقین ہے)

سے۔ زینبؑ نے عرض کیا: ہائے! یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ حسینؑ اپنی موت کی خبر مجھے دے رہے ہیں۔

یہ سننے پر تمام مستورات میں گریہ شروع ہو گیا اور اپنے چہروں پر فرط غم سے طمانچے مارنے لگیں اور گریاں چاک

تہ۔ علیا خندہ ام کلثومؑ بار بار یہی بین کرتی تھی: واما محمداء واعلیاء واما نرہاء واحسناء واحسیناء!
میں ہماری غربت جو آپ کے بعد ہوگی اے اب عبد اللہ الحسین!

تہ۔ میں ہے کہ امام حسینؑ نے بہن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: میری بہنو! اللہ سے کیے گئے وعدے دل میں یاد رکھو
سے۔ کے ساکن بھی فانی ہیں، زمین کے ساکن بھی فانی ہیں، تمام مخلوقات فنا ہونے والی ہے۔

تہ۔ فرمایا: بہن ام کلثومؑ! بہن زینبؑ اور فاطمہؑ! اے رباب! یہ خیال کرنا کہ میرے دنیا سے جانے کے بعد گریبان
سے۔ ہو ایسی کوئی بات نہ کرنا جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہو۔

سے۔ نانا رسولؐ چلے گئے، اماں زہراءؑ زخمی پہلو سے رخصت ہوئیں، بابا علیؑ زخمی پیشانی سے دنیا سے گئے، بھائی حسنؑ

زہر سے شہید ہوئے جس طرح تم نے پہلے مہر کیا، اب بھی مہر کر لیتا۔

(۴) جلاء العیون میں علامہ مجلسی بیان فرماتے ہیں کہ جب خاں آلِ عمّار زمینِ کربلا میں وارد ہوئے تو اصحاب کو بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد فرمایا: اے میرے دوستو! قَدْ نَزَلَ مِیْنِ تَرَوْنَ وَاِنَّ اللّٰہَیْنَ قَدْ تَغَیَّرَتْ وَتَنَکَّرَتْ ”ہمارے یہ حالات ہو گئے جو تم دیکھ رہے ہو، دنیا ہم سے منہ پھیر چکی ہے۔ ہمیں پہچاننے سے بھی انکاری ہے۔“ ہماری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ لوگوں نے حق کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ہو گئے ہیں۔

پس جو شخص خدا، رسول اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو دنیا سے منہ موڑ لے اور پروردگار کی رحمت شوق پیدا کرے کیونکہ راہِ حق میں شہادتِ سعادتِ ابدی کی روایت ہے اور ظالموں کے ساتھ مومنین کا زندگیِ محنت اور مشقت کے اور کچھ نہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے ایک عاشق زہیر بن قین بجلی نے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! سَبْعَیْنَ مَقَاتَہِ الدُّنْیَا لَنَا بِآبِیْتِہِ وَکُنَّا فِیْہِ مُخْلِدِیْنَ لَا تَرَوْنَ النُّہُوضَ مَعَكَ عَلَی الْاِقَامَۃِ فِیْہَا ”ہم نے آپ کا دروازہ سنا ہے اگرچہ دنیا فانی ناچیز ہے اور اس میں زندگی بچ ہے لیکن اگر دنیا ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، مضبوط اور محکم نہ صورت میں ہم آپ کی نوکری سے جدا نہ ہوں گے اور آپ کی خدمت میں نوکری کو دو جہانوں کی حکومت دے دیں گے اور ہمیشہ اس دنیا میں باقی رہنے سے آپ کے قدموں میں شہادت کو ترجیح دیں گے۔

جب زہیر نے یہ کلام کیا تو ایک اور عاشق دل باختہ ہلال بن نافع اٹھا جو حضرت علیؑ کا تربیت یافتہ تھا۔ کہا: اے فرزندِ رسول! آپ کے جدِ امجد، بابا اور بھائی ہمیشہ انھی مشکلات اور مصائب میں مبتلا رہے اور رنج دیکھے، میں قربان جاؤں، مکاروں اور دھوکے بازوں نے ایسی بد عہدی کی ہے اور بیعت توڑی ہے جسے یہ رہے تو انہوں نے اپنا نقصان اٹھایا۔

خدا کی قسم! ہم پروردگار کے پاس جانے میں سست نہ رہیں بلکہ ہم تو خالص نیت اور راسخ عزم سے نوکر بنے ہیں لہذا آپ کے دوستوں کے دوست اور آپ کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔

اے فرزندِ رسول! خدا کی قسم! نَقْدَہِ مِنَ اللّٰہِ عَلَیْنَا اَنْ نَّقْتَلِ بَیْنَ یَدَیْکَ وَتَقْطَعَ فِیْکَ نَحْنُ جَدَّکَ شَفِیْعُہُ یَوْمَ الْمَعَادِ ”یہ خدا کا ہمارے اوپر احسان ہے کہ آپ کی راہ میں جان قربان کرنا نصیب قدموں میں گلے گلے ہو جائیں گے اور قیامت کے روز آپ کے نانا ہمارے شفیع ہوں گے۔“

ان جانثاروں نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور حضرت امام حسینؑ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔
شہر ابن آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے ثُمَّ نَظَرُوا إِلَيْهِمْ فَبَكَى سَاعَةً ”اپنے اصحاب کے جذبات سے تو
میں دیر تک روتے رہے۔“

اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کون سی چیز نے دل نازنین پر اثر کیا ہوا کہ ایک گھنٹہ روتے رہے اور بار بار روتے رہے اور
دن سے کوئی وقفہ نہ ہوا۔ پھر حضرتؑ نے آسمان کی طرف چہرہ بلند کیا اور حق سبحانہ سے مناجات شروع کیں اور یہ ایسے دہمی
حزہ میں مناجات تھی کہ محبوں کے دل کباب ہو گئے اور آنکھیں بے اختیار برسنے لگ گئیں۔

اللَّهُمَّ إِنَّا عِتْرَةُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدًا وَقَدْ أَخْرَجَنَا وَطَرَدَنَا وَأَمْرَعَجَنَا عَنْ حَوْزِ جَدِّينَا وَقَعَدَت
بَنُو أُمَيَّةَ عَلَيْنَا اللَّهُمَّ فَخُذْ لَنَا بِحَقِّقِنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

بارالہا! ہم تیرے پیغمبر کی عترت ہیں، ہمیں وطن سے نکال دیا گیا ہے اور ہم صحراؤں میں زندگی گزار
رہے ہیں جب کہ بنی اُمیہ کو ہمارے مقام پر بٹھا دیا ہے اور ہم پر طرح طرح کے ظلم و ستم روار کھے جا
رہے ہیں۔ اے خدایا! ہمارا حق ان سے چھین لے اور ہمیں ظالموں کے خلاف نصرت عطا فرما۔“

(۵) بحار الانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے امام باقر علیہ السلام کی روایت نقل کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا: جب میرے
برہلا میں وارد ہوئے تو اپنے بھائی محمد حنفیہ اور دیگر بنی ہاشم کو مدینہ میں خط لکھا اور اس میں اپنی گرفتاری کے بارے اشارہ
منیہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من الحسين بن علي الى محمد بن علي ومن قبله من بنى هاشم ، اما بعد! فكان
الدنيا لم تكن والآخره لم تزل والسلام

”ہم نے دنیا کو ایسا بنا دیا ہے کہ اس سے پہلے ایسی نہ تھی اور آخرت کو دائم اور باقی جاننے ہیں لہذا
ہم نے دنیا سے آنکھیں بند کر کے آخرت کو اختیار کر لیا ہے۔“

علامہ مجلسیؒ نے مناقب سے نقل کیا ہے کہ ورود کر بلا کے بعد خرنے ابن زیاد کو امامؑ کے ورود کی اطلاع دی تو ابن زیاد
نے یہ خط امام حسینؑ کے نام یوں لکھا:

”اے حسین! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم کر بلا پہنچ گئے ہو، مجھے یزید نے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک نرم بستر پر نہ سوؤں اور
نہ کی روٹی نہ کھاؤں جب تک تمہیں قتل نہ کر لوں یا پھر تم یزید کی بیعت کر لو۔ والسلام!“

تیز و تند سوار یہ خط کر بلا لایا اور محضر امام سے اجازت طلب کی مگنی کہ عبید اللہ کا قاصد خط لایا ہے؟ امام دی۔ قاصد نے خط خدمت امام میں پیش کیا۔ امام نے خط پڑھا تو اس کے مضمون میں موجود ریک جملات کی وجہ سے زمین پر پھینک دیا اور فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو مخلوق کی رضامندی کے لئے خدا کو ناراض کر دے۔ قاصد نے جواب نامہ کا مطالبہ کیا تو فرمایا: اس قسم کا خط جواب کے قابل نہیں البتہ لکھنے والا عذاب خدا کا مستحق ہے۔ قاصد ابن زیاد کے پاس آیا اور تمام حال سنایا۔ ابن زیاد کو بہت غصہ آیا اور فوری طور پر عمر بن سعد سے کہا کہ میں نے، فرزند فاطمہؓ نے میرے خط کی کیسے توہین کی ہے، لہذا تمہیں لشکر دیا ہے جاؤ اور اس سے جنگ کرو۔ پھر ہر روز لشکر جنگ کے لیے بھیجتا رہا۔ البتہ تمام لشکر ابن زیاد کی تعداد، کیفیت سپاہ کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

وقائع روز سوم محرم

ابن زیاد کا قاصد واپس پہنچا تو اس نے ابن زیاد کو اس کے خط کے بارے امام حسینؑ کا رویہ بتایا تو وہ بہت آگے ہو گیا۔ جامع مسجد کوفہ آیا، منبر پر تقریر کی اور لوگوں کو امام حسینؑ کے ساتھ جنگ پر براہیختہ کیا۔ لوگ فوج در فوج اکٹھے کرنے اور ابن زیاد سے دنیا حاصل کرنے کی خاطر جمع ہو گئے اور ایک جرات لشکر آمادہ ہو گیا۔ ابی جحف نے لکھا ہے کہ ابن زیاد ملعون نے دس علم دس سرداروں کے نام مرتب کیے اور ان کو کر بلا میں فرستے کے ساتھ جنگ کرنے بھیجتا رہا۔

- ① پہلا علم عمر بن سعد کا تھا کہ چار ہزار سوار دے کر کر بلا کی طرف روانہ کیا۔
- ② دوسرا علم عروہ بن قیس کا تھا جس کا لشکر دو ہزار سوار کا تھا۔
- ③ تیسرا علم شان بن انس کا تھا جس کا لشکر چار ہزار سوار پر مشتمل تھا۔
- ④ چوتھا علم قعقاع فہری کے بیٹے کے لیے مختص تھا جس کا لشکر چار ہزار سوار کا تھا۔
- ⑤ پانچواں علم خولی کو دیا گیا جس کے ساتھ تین ہزار مسلح افراد تھے۔
- ⑥ چھٹا علم قسعم کے لیے خاص تھا جس کے ساتھ تین ہزار مسلح افراد تھے۔
- ⑦ ساتواں علم حصین بن نمیر غدار کو دیا جس کے پاس آٹھ ہزار سوار تھے۔
- ⑧ آٹھواں علم ابو قدار بعلی کو دیا گیا جس کے ساتھ نو ہزار سوار تھے۔
- ⑨ نواں علم عامر بن صریمہ کو دیا گیا اسے چھ ہزار کے لشکر پر سرداری حاصل تھی۔

جسواں علم حبیب بن ربیعہ پلید کو دیا گیا اور اسے دس ہزار کے لشکر کا سردار بنایا گیا۔
یہ پندرہ سو سے کربلا میں آنا شروع ہوئے اور ۹ محرم کی عصر تک رہے۔ جب تمام لشکر وارد کربلا ہو گئے تو زمین کربلا
پر جگہ خالی نہ تھی اور لشکریوں نے تمام بیابان کو بکڑ کر دیا تھا۔ البتہ یہ لشکر باری باری کربلا آتے رہے۔ اس حوالے سے
میں نے کل تعداد ۵۳ ہزار تھی۔ اور خمر کے لشکر کو ساتھ شامل کیا جائے تو ۵۴ ہزار تعداد بن جاتی ہے۔

سعد کے کوفہ سے نکلنے کی ترتیب صاحب معالی السبطین کے نزدیک

بعض کتب میں ہے کہ ابن سعد کے کوفہ سے آنے کے بعد پہلا شخص جو کوفہ سے نکلا وہ شمر بن ذی الجوشن ہے جو کوفہ سے
پندرہ سو آدمیوں کا لشکر لے کر کربلا روانہ ہوا لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ ملعون ۹ محرم کو کربلا میں وارد ہوا۔ اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ
۱۰ محرم میں کربلا آیا، پھر واپس آ گیا اور پھر ۹ محرم کو لشکر لے کر کربلا وارد ہوا۔
پھر عروہ بن قیس چار ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے نکلا۔ اس کے بعد سنان ابن انس چار ہزار سپاہی لے کر نکلا۔ اس کے
بعد تین ہزار کا لشکر لے کر آیا۔ اس کے بعد یزید بن رکاب کلبی دو ہزار لشکری لے کر، اس کے بعد فلان مازنی تین
ہزار لے کر پھر خولی تین ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے نکلا۔

تعداد

۱۔ میں ابن سعد کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے:

۲۔ خوارزمی میں ہے کہ بقول سبط بن الجوزی چھ ہزار نفر تھی۔

۳۔ حمید سید ابن طاووس نے لہوف میں، اعظم کوئی اور علامہ مجلسی نے محمد بن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے کہ لشکر کی
تعداد ۲۰ ہزار نفر تھی۔

۴۔ ابن الجہان میں یافعی اور مطالب المسؤل میں محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد ۲۲ ہزار تھی۔

۵۔ شمر آشوب کہتے ہیں کہ ابن زیاد ملعون نے ۴۵ ہزار جنگجو تیار کر کے کربلا بھیجے۔

۶۔ زید کا شارح لکھتا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد ۵۰ ہزار تھی۔

۷۔ بعض لکھتے ہیں: سپاہ ابن زیاد کی تعداد جو کربلا میں موجود تھی وہ ۸۰ ہزار نفر تھے جو تمام کوئی تھے اور ان میں شامی،
عراقی، بصری کوئی بھی نہ تھا۔

۸۔ بعض تواریخ میں لشکر ابن زیاد کی تعداد ایک لاکھ، بعض میں دو لاکھ اور بعض میں آٹھ لاکھ تک لکھی گئی ہے۔

۸ پھر صاحبِ تاریخ اپنا نظریہ رکھتے ہیں کہ ابن زیاد ملعون کے لشکر کی تعداد ۵۱ یا ۵۳ ہزار تھی۔

۹ ان کے بعد حارِی مرحوم لکھتے ہیں کہ بعض اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد اس قدر تھی کہ اگر کوئی شخص ٹیلے یا بلند مقام پر کھڑا ہو کر دیکھتا تو جہاں تک نظر جاتی گھوڑے، افراد، تلواریں اور نیزے ہی نظر آتے تھے اور لشکر کی کثرت اس قدر تھی کہ اسے اگر انسانوں کا اُمڈنا ہوا سیلاب کہا جائے تو بعید نہیں۔ یا کہا جائے کہ افراد کی سیاحی رات کی سیاحی کی طرح تھی، یا پھر موسلا دھار بارش کے قطرات سے اس لشکر کی تعداد کو تشبیہ دی جاسکتی ہے جیسے خود امام حسینؑ نے ایک رجز میں یہی تشبیہ دی ہے۔

وابن سعد قد رہمانی عنوةً بجنود کو کوف الہاطلین بقول اقبال:

دشمنان او چون ریگ صحرا لاتند دوستان او بہ یزدان ہم عدد بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۳ محرم سے ۶ محرم تک کوفہ کے لوہے کے بازار میں اس قدر بھیڑ اور شور و غل اور غوغا تھا کہ جو شخص بازار آتا تلوار خرید رہا ہوتا تھا یا نیزہ یا تیر یا سر نیزہ خریدتا تھا۔ اور اگر یہ آلات پہلے موجود ہوتے تو ان کو تیز کروانا، مصل کروانا یا ان آلات کو زہر میں بچھایا جا رہا تھا۔ ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ ان تیز دھار آلات سے خوشبو رسولؐ و عزیزِ بتوں کا خون بہائیں۔

ہائے تعجب کہ ان تمام تیروں کو زہر میں مسموم کر لیے تھے اور تیر اندازوں کے ایک گروہ کے پاس ایک شعبہ (ایک بھالہ) تیرتے تھے تو دوسرے گروہ کے پاس دو شعبہ (دو بھالے) والے تیرتے تھے اور تیسرے گروہ کے پاس سہ شعبہ (تین بھالے) والے تیرتے تھے جو سب فرزندِ رسولؐ کے لیے بنائے جا رہے تھے۔

ورود عمر بن سعد رونی سوم محرم

ابن زیاد نے جو دس لشکر تیار کیے سب سے پہلا لشکر عمر بن سعد کا ۳ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا آیا جس کے ساتھ ۴ ہزار ۶۱ ہزار سپاہی تھے۔ اسی کا پہلا علم تھا اور فرات کے کنارے اپنا ڈیرہ جمایا۔ عمر بن سعد سے پہلے خُربن یزید ریاچی کربلا میں موجوں تھا اور اس نے ہی امام کو اس خشک اور بے آب و گیاہ صحرائیں اُترنے پر مجبور کیا تھا۔ خُرو عمر بن سعد کے کربلا آنے پر دل میں خیال آیا کہ یہ لشکر بھی حضرت خاسِ آلِ عباؑ سے جنگ کرنا آیا ہے اور حضرتؑ پر زندگی تنگ کر دے گا اور اس کا سبب مر بنا ہوں، لہذا اپنے کیے پر شرمندہ ہو گیا اور ہمیشہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت اور مذمت کرتا رہتا تھا کہ یہ میں نے امام

تھوڑے عرصے میں طوفان میں پھنسا دیا اور تمام اہل بیت کو دشمنوں کے چنگل میں پھنسا دیا ہے۔
یہ یہاں معلوم کرنے کے لیے کہ ابھی جو لشکر آیا ہے امام سے جنگ کرنا آیا ہے یا دیے آیا ہے۔ دیکھی دل اور
سرخ تھا اور ابن سعد کے پاس آیا، سلام کیا، عمر نے جواب دیا اور خر کو خوش آمدید کہا۔ پھر اپنے امیر ابن زیاد کا
نہایت غم کر کیا۔

نے جب عمر بن سعد کو جنگ کے لیے تیار دیکھا تو بہت پر ملال اور شکستہ دل ہو گئے اور پریشانی میں اضافہ
کرتے رہے اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ اس انتظار میں کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔
حضرت عبدالرحمن نے ارشاد میں لکھا ہے کہ جب ابن سعد ظالم کر بلا کی زمین میں ٹھہر گیا تو عروہ بن قیس احسی جو
سید بھدر تھا، کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اور امام حسین سے پوچھو کہ آپ اس طرف کیوں آئے ہیں؟
خو، فہم ہے جس نے امام کو خط لکھا تھا اور کوذہ آنے کی دعوت دی تھی لہذا ابن زیاد کا حکم سنتے ہی رنگ زرد
کا پینہ پیشانی پر نمودار ہو گیا۔ اس نے سر نیچے کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اُپر کیا اور کہا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتا۔
دیکھا کہ یہ عروہ امام حسین کے پاس جانے سے انکار کر رہا ہے تو لشکریوں کی طرف منہ کر کے کہا کہ تم میں
کے لئے اور امام حسین سے پوچھ کر آئے کہ اس طرف (عراق) کیوں آئے ہو؟

سب نے جواب نہ دیا کیونکہ ان میں سے اکثریت نے امام کی خدمت میں خط لکھے تھے اور دعوت دی تھی اس
لیئے کہ یہ کھڑے تھے۔ بالآخر کثیر بن عبداللہ غمی، جو بہادر، شجاع، بے باک، نیز بے حد بد اخلاق اور بے حیا تھا،
کہ جب وہی نہیں جاتا تو میں حسین کے پاس جاتا ہوں اور اگر تو حکم کرے تو اس کو قتل بھی کر دوں گا۔
وہ اس کی بے حیائی اور بے شرمی سے اپنی بے حیائی بھول گئی اور کہا کہ قتل نہیں چاہتا صرف یہ پوچھنا ہے کہ ان
کے لئے ہو؟

حضرت عبداللہ غمی سے اس حال میں نکلا کہ تلوار کمر سے لٹکائی ہوئی تھی اور وہ بڑے تکبر اور غرور سے امام کے خیام کی
طرف۔ جب امام حسین کے خیمے کے قریب پہنچا تو باواز بلند نعرہ لگایا: اے حسین! اے حسین!

حضرت نے یہ آواز سنی اور اپنے اصحاب سے پوچھ کہ یہ بے ادب کون ہے جو اس طریقے پر آواز دے رہا ہے۔
حضرت کے خیمے کا پہرے دار تھا، وہ آگے بڑھا اور اس کو پہچان کر واپس امام عالی مقام کی خدمت میں آ کر عرض
کیا کہ جاؤں، یہ روئے زمین کا بدترین شخص آپ کی طرف آیا ہے جو پاگل، بے باک، گستاخ اور بد زبان ہے۔
حضرت عبداللہ غمی ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ اس سے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے؟

ابو ثمامہ صاندی جلدی سے اس شخص کے پاس گئے اور کہا کہ کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں اس خیمے میں داخل ہوں (امامؑ کے خیمہ کی طرف اشارہ کیا)۔

ابو ثمامہ نے فرمایا: بہت اچھا لیکن تم اسلحہ کے ساتھ اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ اسلحہ اُتار کر باہر رکھ دو پھر اندر آؤ گے۔

کثیر نے کہا: یہ کام نہیں ہوگا اور نہ میں تمہاری بات سنتا ہوں بلکہ اسلحہ سمیت اندر جاؤں گا۔

ابو ثمامہ صاندی بولے: میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں اگر اندر آنا چاہتا ہے تو جب تک تو خیمہ سے نہ نکلے؟

تکوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا۔

کثیر بہت ہنسا اور کہنے لگا کہ تم میری تکوار کے قبضہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتے۔

ابو ثمامہ نے کہا: تو اپنا مطلب بتا کہ میں خود امامؑ سے پوچھ لوں اور تجھے جواب دوں ورنہ میں تمہیں خیمے

بھی نہ آنے دوں گا کیونکہ تو فاسق اور فاجر شخص ہے۔

کثیر نے کہا: تم مجھ ایک شخص سے اس قدر خائف کیوں ہو؟

ابو ثمامہ نے کہا: اے فاجر و فاسق و کافر! امامؑ کی بارگاہ کعبہ کی مثل ہے کہ احترام سے وہاں جانا چاہیے اور عجب

اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

کثیر کہنے لگا: پس میں واپس جاتا ہوں اور اپنا پیغام بھی تمہیں نہیں دیتا۔

ابو ثمامہ نے کہا: جاؤ جہنم میں۔

وہ ملعون تیر خور وہ ریچھ کی طرح مڑ گیا اور ابن سعد کو تمام واقعہ سنایا۔

(جنتی بن گیا)۔ مقتل ابی جحف میں ہے کہ ابن سعد نے خزیمہ نامی ایک اور شخص کو بلایا اور کہا: امامؑ کے

بڑے ادب سے یہ پوچھو کہ اس طرف کیوں آئے ہو؟

یہ خزیمہ اندر سے محبت اہل بیتؑ اور بہت نیک شخص تھا لیکن کسی کو دل کا راز نہ بتاتا تھا۔ چنانچہ بڑے سکان و

شانگسی سے امام حسینؑ کے خیام کی طرف گیا۔ جب خیام کے قریب پہنچا تو بڑے ادب اور احترام سے صدادوں:

علیکم یا بن بنت رسول اللہ۔

امام حسینؑ نے اصحاب سے پوچھا: یہ کون ہے؟

عرض کیا گیا: یہ شخص نیک کردار اور اچھا شخص ہے۔

حضرت نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟

سیر بن قین آگے بڑھے اور پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اور کیا کہہ رہے ہو؟

نزیہ نے کہا: میں دنیا اور آخرت کے بادشاہ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں اور ایک پیغام لایا ہوں۔

سیر نے کہا: بہت اچھا! اَلّٰی سَلاَحَکَ، اسلحہ رکھ دو پھر مشرف ہو۔

نزیہ نے کہا: ٹھیک ہے، تلواریں رکھ دی اور خیمہ امام کے اندر داخل ہو گیا۔ جوں ہی اس کی نظر امام حسینؑ پر پڑی، آپؑ سے جس میں گر پڑا اور امام کے پاؤں کے بوسے لینے کے بعد عرض کیا:

— مولّا! اے آقا! مجھے ابن سعد نے بھیجا ہے۔ وہ ملعون کہتا ہے کہ آپؑ اس طرف کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: تمہارے خطوط مجھے اپنے وطن سے دور کر کے تمہارے دیار میں لائے ہیں۔ اس سے کہہ دو کہ اے مجھے قمر نے اپنی مظلومیت کا لکھا کہ ہم عاجز ہیں، ہماری نصرت کرو اور اب جب مکہ مدینہ سے آگیا ہوں تو پوچھتے ہو یہ کیا ہیں؟ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

نزیہ نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، خدا ان پر لعنت کرے کہ جنہوں نے آپؑ جیسی محترم شخصیت کو اپنے وطن سے دور کر دیا۔ اور پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اب وہ ابن زیاد کے خواص میں سے ہو گئے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: تم جاؤ اور میرا یہ جواب اپنے سردار کو دو کہ تمہارے خطوط مجھے ان صحراؤں، بیابانوں میں لائے

سیر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں اور میرے قدم کٹ جائیں اگر آپؑ کی محبت کی گلی سے نکلیں کیونکہ آپؑ کے سر بہشت ہے اور وہاں جہنم۔

— اے علیؑ! مقام جناب خزیمہ کے پختہ عقیدے سے خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعا کی: وَصَلَّکَ اللّٰہُ کَمَا یَسْتَحِبُّ ”جہیں ہمیشہ خدا کی رحمت اور مغفرت نصیب ہو کیونکہ تم نے اپنی جان کو ہم سے پیوستہ کیا ہے۔“

نزیہ نے اس کو اطلاع ملی کہ خزیمہ امام کے کارواں سے ملحق ہو گیا ہے اور عاملین کے سلطان کی نوکری اختیار کر لی ہے تو حضرت غصہ آیا اور صاحب ارشاد کے مطابق اُس نے قرہ بن قیس حَظَلّٰی کو بلایا اور کہا کہ حسینؑ کے پاس جاؤ اور اس سے اس طرف آنے کا مقصد کیا ہے؟

بن قیس امام کے خیام کے قریب آیا تو حضرت نے اُسے دیکھا اور اصحاب سے پوچھا کہ اس آنے والے کو

حبیب بن مظاہر اسدی نے عرض کیا: میں جانتا ہوں یہ حظلہ ہے اور بنی حنیم کا شخص ہے۔ پہلے تو یہ شخص صالح، نیک و اچھا تھا، میرا گمان تک نہ تھا کہ یہ بھی ابن سعد کے ساتھ آئے گا۔ اتنے میں قرہ بن قیس امام کے پاس آیا، سلام کیا اور ابن سعد کا پیغام دیا۔

امام نے فرمایا کہ عمر سعد سے کہہ دو کہ تمہارے شہر کوفہ والوں نے مجھے خطوط لکھے، وفد بھیجے اور کوفہ آنے کی دعوت دے ہے، میں ان کی دعوت پر کوفہ آیا ہوں اور اگر تمہیں میرا اس طرف آنا پسند نہیں ہے تو میرا راستہ چھوڑ دو، میں واپس چرہ ہوں۔

قرہ نے جواب لے لیے اور واپس جانے لگا تو حبیب ابن مظاہر نے کہا: اے قرہ! ہائے افسوس تم پر، کیا پھر بھی ظالموں اور ستم کاروں کے پاس جا رہے ہو؟ اور امام مظلوم و غریب کی نصرت سے دور بھاگ رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ خداوند متعال نے ان کے آباء کا صدقہ ہمیں اور تمہیں دین عطا کیا اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی ہے۔ قرہ نے جواب میں کہا کہ امام حسینؑ کا پیغام ابن سعد تک پہنچا دوں پھر جو مصلحت ہوئی انجام دوں گا۔ قرہ نے جا کر ابن سعد کو امام حسینؑ کا جواب سنایا تو عمر بن سعد نے کہا: میں امیدوار ہوں کہ خدا مجھے امام کے ساتھ جنگ کرنے سے محفوظ رکھے گا۔

بہر صورت امام حسینؑ کے جواب سے عمر بن سعد خوش ہوا کیونکہ اس قسم کے جواب کی توقع نہ رکھتا تھا، بلکہ اسے یقین تھا کہ امام حکومت کے لالچ میں کوفہ آئے ہیں اور حضرتؑ کی شجاعت، جرأت، دلیری سے ڈرتا بھی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حضرتؑ خود جنگ کرنے نکل آئے اور تلوار چلانا شروع کی اور غیرت الہی حرکت میں آگئی تو اس لشکر کے دریا کو اٹھا کر پیہ دے گی۔

لیکن جب اس روپاہ صفت انسان کو یقین ہو گیا کہ امام حسینؑ طبعاً حکومت کی طرف مائل نہیں، اور نہ ہی سیاست چاہتے ہیں بلکہ ان کا مکمل ارادہ ہدایت اور تبلیغ کا ہے تو بہت خوش ہوا اور دنیا و آخرت کا خوف اس کے دل سے زائل ہو گیا۔ چنانچہ ابن زیاد کو خط لکھا۔

عمر بن سعد کا کر بلا سے ابن زیاد کو خط لکھنا

مرحوم شیخ مفید ارشاد میں فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے یہ خط لکھا:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ حَیْثُ نَزَلْتُ بِالْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ بَعَثْتُ اِلَیْهِ مِنْ رُسُلِیْ فَسَلَّطْتُهُ عَمَّا

هَلْ وَمَاذَا يَطْلُبُ؟ فَقَالَ كَتَبَ إِلَيَّ أَهْلُ هَذِهِ الْبَلَاءِ وَاتَّعَنِي رُسُلُهُمْ يَسْأَلُونَنِي

صُورَ فَنَا مُنْصَرَفٍ عَنْهُمْ

حضرت زکریاؑ کا کہنا ہے: میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ ابن سعد کا خط پہنچا جس کا مضمون یہ تھا: **مرحمن الرحیم**۔ اب بعد! بعد از محمدؐ خدا میں نے کر بلا پہنچے ہی کسی کو امام حسینؑ کے پاس بھیجا تا کہ ان کے ادھر سے بے وقت کروں۔ تو حضرتؑ نے فرمایا کہ کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر دعوت دی، پے در پے وفد بھیجے اور جوت کو قبول کیا اور کوفہ آ گیا۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ اگر کوفہ والوں کو میرا ادھر آنا ناپسند ہے اور وہ اپنے گھر پر رہنا چاہتے ہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ والسلام!

حضرتؑ نے کہ ابن زیاد نے خط پڑھا اور تہقہہ لگایا اور کہا کہ اب ہم نے اس کو (امام حسینؑ) گھیر لیا ہے تو وہ نکلنا چاہتا ہے۔ تم اسے قطعاً نہیں چھوڑیں گے۔

ابن سعد کے اس خط کا جواب یوں لکھا:

مرحمن الرحیم! میں نے تمہارا خط پڑھا تو حالات کا پتہ چل گیا۔ تم حسینؑ پر گرفت مضبوط اور تنگ کرو، یزید کی بیعت کرو اس کے تمام اصحاب یزید کی بیعت کر لیں تو پھر ہم سوجھیں گے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ والسلام!

امام حسینؑ سے ملاقات

حضرتؑ نے تہذیب و ادب میں لکھا کہ ابن سعد نے کسی کو امامؑ کی خدمت میں پیغام دے کر بھیجا کہ میں آپ سے رات کو تنہائی میں فرات کے کنارے ملاقات کرو۔ امام حسینؑ نے دو اصحاب اپنے ساتھ لیے اور تعین فرات پر رات کی تاریکی میں تشریف لے گئے۔ جوں ہی فرات کے کنارے پہنچے، عمر بن سعد دوڑ کر آیا اور امامؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور کافی دیر تک حضرتؑ کا سرو سینہ چومتا رہا اور خوشبو لیتا رہا۔ پھر حضرتؑ کو ایک درمی پر بٹھایا اور دوزانو ہو کر سامنے بیٹھ گیا۔

حضرتؑ کے بعد عرض کیا: سبط رسولؐ کی جوشان ہے وہ برقرار ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدا تو فیق دے۔

حضرتؑ مسکرایا اور کہا کہ اگر قابلیت ہو تو۔

حضرتؑ نے فرمایا: بالآخر ابن سعد نے عرض کیا: میں قربان ہو جاؤں، آپ کیسے اس طرف تشریف لائے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: اس شہر کوفہ کے لوگوں کے خطوط نے مجھے اپنے وطن اور حرم سے دور کیا ہے۔ انہوں نے ان کو لکھے اور وہ دودھ بھیجے کہ میرا مکہ میں رہنا حرام کر دیا تھا، لہذا پہلے میں نے اپنے چچا زاد مسلم بن عقیل سلام اللہ علیہ کو بھیجا، وہ ان کے شہر میں چلا آیا اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ کوفیوں نے مسلمؑ سے کیا سلوک کیا۔

ابن سعد نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، کوفیوں کی بات پر اعتماد کیوں کیا؟ آپؑ کے باپ اور بھائی سے جو کچھ کیا وہ آپؑ کو معلوم نہیں تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: تم نے کہا تو ٹھیک ہے لیکن جو شخص راہِ خدا میں دھوکا اور فریب کرے ہم جانتے اور سمجھتے ہیں۔ خدا میں آنے والی ہر مصیبت کو خدا کے لیے برداشت کرتے ہیں۔

عمر سعدؓ نے کہا: آپؑ درست فرما رہے ہیں کہ اب کوفیوں کے نفاق نے آپؑ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ نے بھی جان بوجھ کر ان مصیبتوں کو گلے سے لگایا ہے، لہذا اب اپنی اس مشکل و پریشانی کا حل سوچیں۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ میری پریشانیوں کا حل یہ ہے: دَعَوْنِي اَذْهَبْ اِلَى الْمَدِيْنَةِ اَوْ اِلَى حِمَاةٍ اَوْ بَعْضِ اَقْرَبِيٍّ بِهٖ كَتَبْتُ اَهْلَهَا ”مجھے مدینہ یا مکہ یا کسی سرحدی علاقہ میں جانے دو وہاں کے لوگوں کی طرح کا ایک فرد ہو اور وہاں ہی زندگی گزار دوں گا۔“

عمر متاثر ہوا اور کہا کہ میں آپؑ کی یہ خواہش ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر وہ قبول کر لے تو میرے دین اور اس کی بھلائی اسی میں ہے۔

چار محرم کے واقعات

عمر سعدؓ کی امام سے ملاقات

صاحب ریاض القدسؒ نے لکھا ہے کہ جب چار محرم کی رات عمر بن سعد امام حسینؑ کے پاس فرات کے کنارے تھا، تو حضرتؑ نے اس سے تین تیناؤں کا اظہار کیا۔ عمر نے کہا کہ میں ابن زیاد کو لکھوں گا، مجھے امید ہے کہ ان تینوں میں سے ایک وہ ضرور قبول کر لے گا، بات یہاں ختم ہو گئی۔

امام حسینؑ اپنے خیمے میں تشریف لائے اور عمر سعدؓ اپنے خیمہ کی طرف چلا گیا۔ ۴ محرم کی صبح عمر سعدؓ نے اپنے شاہزعماء کو بلایا اور ان سے امام حسینؑ اور ابن زیاد کے بارے میں مشورہ لیا، باتیں ہو رہی تھیں اور عمر سعدؓ امام حسینؑ کے ہونے کی بات کر رہا تھا کہ اچانک اسی وقت کوفہ سے ابن زیاد کا قاصد آ پہنچا اور عمر سعدؓ کے خط کا جواب لایا۔

نعم بن ابی اسحق نے ابن زیاد کے خط کا مضمون پڑھا تو بہت پریشان ہو گیا اور اپنی گفتگو جو لشکر کے بڑوں سے کر رہا تھا، میں شرمندہ ہونے لگا اور خاموش ہو کر سوچنے لگا کہ فرزند رسولؐ کسی صورت میں پسر مر جانہ کی اطاعت نہ کریں گے اور خود رسولؐ سے لڑنا بھی نہیں چاہتا اور دوسری طرف رے کی حکومت کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ یہی باتیں دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ بڑا صدمہ آپہنچا اور ابن زیاد کا دوسرا خط دیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

ابن اسحق! میں نے اتنا بڑا لشکر تمہیں بلا وجہ نہیں دیا اور اس قدر گھڑ سواروں اور تیر اندازوں کو تمہاری اطاعت میں جمع کیا ہے۔ خبردار رہو کہ مجھے صبح و شام تمہارے دن رات کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔

جون مناقب: یہ بھی لکھا کہ حسینؑ پر حالات کو تنگ کرو تا کہ وہ جنگ کریں یا یزید کی بیعت کر لے، مہلت نہیں دینا اور جتنی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پانی بند کر دو تا کہ اس کو تکلیف ہو اور وہ بیعت کرے یا جنگ کرے۔ والسلام! ثمن کے الفاظ صاف ظاہر ہے تلخ ہی ہوں گے، لہذا بے ادبی کی صحیح عکاسی کرنا ناگزیر تھا۔

ابن اسحق یہ خط پڑھ کر بہت حیران اور پریشان ہوا اور ابن زیاد پر لعنت بھی کی اور سارا دن اس کی حالت متغیر رہی۔ یہ سب تو موثق روایت کے مطابق امام حسینؑ دیکھی دل اور پریشان کیفیت میں خیمہ کے در سے چودھویں کے چاند کے نیچے بیخبر کا عمامہ سر پر تھا، ان کی زرہ پہنی ہوئی تھی کہ ایک صحابی سے فرمایا: جاؤ ابن اسحق سے کہو کہ میں دونوں کے سامنے تم سے ملنا چاہتا ہوں البتہ گفتگو تمہارے ساتھ خلوت میں ہوگی۔

ابن اسحق کو یہ پیغام پہنچا تو وہ لشکر سے باہر نکلا اور امامؑ بھی روانہ ہوئے، ایک جگہ پر بیٹھے۔ حفص اور درید عمر کے محافظ تھے اور حضرت عباسؑ و حضرت علی اکبرؑ امام حسینؑ کے محافظ بن کر کھڑے تھے کہ عمر بن اسحق نے کہا: ابن زیاد نے آج کے خطوط میں تاکید کی ہے کہ آپؑ ہر صورت میں یزید کی بیعت کریں، اگر بیعت نہیں کریں تو پہلے آپؑ اور پانی بند کر دوں، پھر آپؑ سے جنگ کروں جس طرح عثمان کو پیاسا قتل کیا گیا اسی طرح آپؑ کو پیاسا شہید کریں۔

علیہ السلام نے ابن اسحق کی باتیں سنیں اور بطور نصیحت فرمایا: ”ہائے افسوس تجھ پر اے ابن اسحق! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ یہ تمہیں قیامت کا یقین نہیں، پسر مر جانہ کی اطاعت کرتے ہو اور میرے قتل پر کمر بستہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں ہوں؟ اگر تمہارے ہاتھ میرے خون میں رنگیں ہوئے تو قیامت کے دن تمہاری نجات ہرگز نہ ہوگی۔“

ابن اسحق نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میں آپؑ کو اچھی طرح جانتا ہوں، آپؑ کے حسب اور نسب کو تمام سمجھتا ہوں۔ آپؑ سبط پیغمبرؐ، فرزند حیدرؑ اور جناب فاطمہؑ زہراءؑ کے دل کا میوہ ہیں لیکن آپؑ دو کاموں میں سے ایک۔

ضرور کریں ورنہ ابن زیاد کے قلم کی آگ کا شعلہ آپ کو اور مجھے بھی جلا ڈالے گا۔ کوئی چارہ کریں تاکہ ہم آپ سے بچ سکیں۔ آپ قتل ہوں اور نہ میں قتل ہوں۔

امام نے فرمایا کہ اس کا حل یہ ہے کہ ان تین کاموں میں سے ایک کام کرو:

① مجھے راستہ دو تاکہ میں مکہ یا مدینہ کی طرف لوٹ جاؤں۔

② مسلمانوں کے کسی شہر میں چلے جانے کی اجازت دو تاکہ وہاں ایک عام مسلمان کی طرح زندگی گزار سکوں۔

③ مجھے اجازت دو کہ میں خود یزید کے پاس شام چلا جاؤں۔

اے عمر سعد! اگر ان تین راستوں سے ایک پر جانے کی اجازت دے دو تو تجھے بھی نقصان نہ ہوگا اور نہ پوری ہو جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں امام حسینؑ اور عمر سعد کی گفتگو سن رہا تھا کہ ان تین راستوں کے علاوہ امام نے نہ کی اور یہاں تک کہ امام نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، میں بیابانوں میں غریب و نادار اور خانہ بدوشوں میں گزراؤں گا۔ اپنے رشتہ داروں اور وطن سے جدائی پر صبر کرتا رہوں گا۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے تو ہر بات قبول ہے، لیکن وہ پُرکینہ کافران باتوں میں سے کسی ایک کو بھی تسلیم نہ کرے گا۔ میں اس کو قائل کرنے کی لاکھ کوشش کروں۔ میں اپنی طرف سے بہت کچھ سفارش لکھوں گا شاید ان راستوں سے دے اور بادشاہ حجاز سے شرمندگی سے بچ جاؤں۔

پانچویں محرم کے واقعات

پانچویں محرم کی صبح عمر بن سعد سے قلم، دانت اور کاغذ مانگا اور ایک تفصیلی خط ابن زیاد ملعون کو اس مضمون پر لکھا (ارشاد شیخ مفید)

اما بعد! بعد از حمد خدا و تعریف مصطفیٰ! امیر کو معلوم ہو کہ خداوند کریم اور واجب التحظیم احد نے ہماری مرتبت سے ہے اور ہمارے دلی مقصد کو پورا کر دیا اور وہ آگ جو بھڑک رہی تھی کہ جس سے گھریک جل جاتے اور جو آگ تھی۔ تک شعلہ و رقی تو اسے خدا نے بجھا دیا ہے۔ وہ باتیں جو دونوں جانب سے مختلف تھیں اور ان پر تشویش تھی تو خدا کر دیا ہے اور امر خلافت جو امت کے درمیان اولویت کے باب میں تھا، اس کی بھی خدا نے اصلاح کر دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتنہ کی آگ ٹھنڈی ہو گئی ہے، تجاوز کرنے والے ہاتھ پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ فساد، اصلاح ہو۔

تھو میں بدل گیا ہے۔

حضرت حسینؑ بن علیؑ نے زمین گر بلا میں میرے ساتھ عہد ویمان کیا ہے۔ اس کے بعد کسی کی دعوت پر اپنی سکونت سے نہیں آئیں گے اور کسی کی باتوں میں آ کر حکومت کے خلاف باتیں نہیں کریں گے۔ جہاں سے وہ آئے ہیں وہ وہاں سے ۔۔۔ وٹ جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ یا دُور دراز کے کسی اسلامی شہر میں جانا چاہتے ہیں جہاں وہ عام مسلمان کی طرح زندگی نہ کریں گے اور کسی بات میں دخل نہ دیں گے اور کسی سے اپنی بیعت نہ لیں گے۔ یا خود وہ شام میں یزید کے پاس جانے کے لیے تیار ہیں اور یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ یزید کرے گا وہ منظور ہوگا (یہ جملہ امام حسینؑ نے نہیں فرمایا تھا بلکہ ابن سعد کا جملہ تھا)۔ ان تین خواہشوں میں دین کی اصلاح اور حکومت اور رعیت کی بھلائی ہے اور خدا کی مدد بھی اسی میں ہے۔ اب آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ والسلام!

یہ خط ایک سوار کو دیا تاکہ وہ جلدی جلدی ابن زیاد تک پہنچ جائے۔

چھ مہر مہر کے واقعات

ابو جحف کے قتل میں ہے کہ رات کو عمر سعد اپنے خیام سے نکل کر ایک خلوت کے مقام پر قالین نما فرش ڈال کر امام حسینؑ سے ملاقات کرتا رہا، آپس میں باتیں ہوتیں رہیں پھر دونوں اپنے اپنے خیام کی طرف چلے گئے۔

خولی بن یزید اصبحی جو اہل بیتؑ کا سخت دشمن اور آل علیؑ سے ذرا بھی محبت نہ رکھنے والا بلکہ بغض سے بھرا ہوا شخص تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ عمر سعد امام حسینؑ سے رات کو ملاقاتیں کرتا ہے تو اس نے خفیہ خط ابن زیاد کو لکھا اور ملاقاتوں کے سسے کا لکھا اور عمر بن سعد کی بہت شکایت کی اور لکھا کہ اے ابن زیاد! تم نے اس بے غرضہ بے قیمت شخص کو ہمارا سالار بنا کر مجھے بے۔ یہ تو صرف کھانے پینے اور آرام سے سو جانے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں کرتا اور رات کو امام حسینؑ سے تنہائی میں طوقہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آتا ہے۔ اس نے تمام لشکر کو خواہ مخواہ صحرا میں بے کار معطل کر رکھا ہے۔ نہ قہر جاری نہ روتا کہ عمر بن سعد سپہ سالاری سے معزول ہو جائے کیونکہ وہ اس قابل نہیں اور مجھے سپہ سالار بنانا تو نہ ایک آن نہ تیرے حکم کو اجرا کرو اور حسینؑ کی زندگی کا چراغ بجھا کر تجھے سکون پہنچاؤں۔

یہ خط ایک تیز رفتار سوار کو دیا اور کوفہ روانہ کر دیا۔ جب ابن زیاد نے خط پڑھا تو بہت غصے ہوا اور اسی وقت قہر انگیز خطبہ پر مشتمل ایک خط ابن سعد کو لکھا:

صاحب کتاب ہذا کا بیان ہے کہ ابن سعد نے خط ابن زیاد کو لکھا، ابھی قاصد کو کوفہ کی طرف بھیجا ہی تھا کہ ایک قاصد

کوفہ سے پہنچ گیا جس کے پاس ابن زیاد کا خط تھا۔ ابن سعد نے خط لیا اور کھولا تو پہلی سطر یہی تھی:

”ابن سعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ رات کو خلوت میں امام حسین سے ملاقاتیں کرتا ہے اور دیگر تمام کاموں کا مجھے علم۔ جو تو کربلا میں کر رہا ہے۔ پس جوں ہی میرا یہ خط پڑھے تو فوراً حسینؑ اور اس کے اصحاب سے یزید کے لیے بیعت نہ۔“

بھیڑت سے انکار کریں تو اس پر پانی بند کر دو تا کہ پیاس سے غمگین ہو جائے۔ پھر اس سے جنگ کرو اور حسینؑ اور اس کے اصحاب کے سر میری طرف کوفہ بھیج دو۔ (دشمن لعنتی کا ہر خط قہر آلود ہوتا تھا، لہذا بے ادبانہ انداز یقینی ہے۔ صحیح)

ابن سعد نے جب خط پڑھا تو اس کا بدن کانپنے لگا اور چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

ساتویں محرم کے واقعات

پانی کا بند ہونا

کتب مقام و غار میں ہے کہ حبیب بن ربیع ملعون کو ابن زیاد نے ابن سعد کی نصرت میں کربلا بھیجا، چاہتا تھا وہ نہیں جانا چاہتا تھا اس لیے حبیب بن ربیع نے اپنے آپ کو بیمار ظاہر کیا اور کئی دن ابن زیاد کے دربار میں نہ گیا، تاکہ کربہ جانے سے جان چھوٹ جائے۔

ابن زیاد کو حقیقت حال کا علم ہوا تو اسے یہ پیغام بھیجا کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جن کے بارے میں خدا فرمے:

”وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ“۔

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے خلوت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم مستقیم میری اطاعت پر نہ ہو تو میرے پاس چلے آؤ۔“ (سورہ بقرہ، آیہ ۱۳)

حبیب رات کو ابن زیاد کے پاس آیا تاکہ اس کے چہرے کے رنگ کو صحیح طور پر تمیز نہ دے سکے۔ ابن زیاد نے اُسے مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تجھے ہر صورت کربلا برانا ہے۔ حبیب نے قبول کیا۔ ساتویں محرم کی صبح ہزار سپاہی کربلا روانہ ہو گیا۔ پھر ابن زیاد نے ایک خط ابن سعد کے نام لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

”حسینؑ اور اس کے اصحاب کا پانی بند کر دو اور ایک قطرہ بھی پانی نہ پائے۔ جس طرح عثمان بن عفان کو پانی مارا گیا تھا اسی طرح پیا سا مارا جائے۔“ (صاف ظاہر ہے ابن زیاد کا لہجہ بے ادبی پر رچا ہوا تھا۔ صحیح)

یہ خط بے محرم کو ابن سعد کے پاس پہنچا تو اس نے فوری طور پر عمر بن حجاج زبیدی کو بلایا اور اسے پانچ سو نفر کا مسلح دستہ دے کہ فرات کے کنارے پر پہرے دار بنادیا اور اس کو حکم دیا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی امامؑ تک نہ جانے پائے۔ پھر حجاج

کہا کہ چار ہزار کا لشکر لے جاؤ اور عمرو بن حجاج زبیدی کی نصرت کرو۔ وہ چار ہزار کا لشکر لے کر نہر فرات کے کنارے پہنچے۔ لشکر نے پورے کنارہ فرات پر ایسا قبضہ کیا کہ تل بھر جگہ نہ تھی۔

بحر امن سعد نے حبش کو بلا کر کہا کہ امن زیاد مجھ سے ناراض ہے اور خط میں میری سرزنش اور ملامت کی ہے، لہذا تم میرے اور نام و نشان کمانے کے لیے تین ہزار کا لشکر اور فرات کے کنارے کو ایسا محفوظ کرو کہ پانی کا قطرہ خیام بیت میں نہ جانے پائے۔

حبش بن ربیع تین ہزار سفاک خون ریز نوجوانوں کو لے گیا، اور وہ طبل بجاتے ہوئے نہر فرات پر پہنچے اور ہر طرف محفوظ کیا کہ پرندہ بھی وہاں سے پرواز نہ کر سکتا تھا۔

ان روایتوں کے مطابق کنارہ فرات پر پہرے دار سات ہزار پانچ سو نفر تھے اور اس ترتیب کے لحاظ سے ساتویں محرم ۶۱۰ھ میں اور اہل بیت پر پانی بند ہوا۔

یہ واضح ہے کہ پانی زندگی کا سرمایہ ہے اور بغیر پانی کے حیات ممکن نہیں خصوصاً جب گرم موسم اور جلا دینے والی ٹوہل بھرے آب و گیاہ زمین میں، اس پر متزاد ایسے کارواں کے لیے جس میں عورتیں، بچے اور شیر خوار موجود ہوں بغیر زندہ رہنا کس قدر مشکل ہے۔

بند ہونے کے بعد حضرت امام اور باقی کارواں کے لیے زندہ رہنا بڑا مشکل ہو گیا۔ اصحاب پانی کی طلب میں خود ہاتھ واپس آئے۔ اس لیے شکستہ سن، دہی دل اور حال ست ہو گئے۔ آہستہ آہستہ دن چڑھا تو ہوا بھی مزید گرم ہوئی گئی حتیٰ کہ جب زوال کا وقت ہوا اور سورج سر پر تھا تو گرمی کی انتہا ہو گئی۔ حالت یہ ہو گئی کہ تمام اصحاب کی فرات کے کنارے پر لگی ہوئی تھیں اور کنارہ فرات کے موکلین کی بے حیائی بھی اس قدر تھی کہ اپنے جام اور ظرف پانی سے پور ہوا میں انڈیل دیتے جبکہ پانی کے گرنے اور شرشر کی آواز کاروانِ حسینی سن رہا تھا اور وہ ملعون صدائیں دیتے تھے جیسا کہ پانی ہے اور کس قدر صاف پانی ہے۔ اس قسم کی آوازوں سے وہ کاروانِ حسینی سے مذاق کرتے تھے اور ان میں پانی کی توثیق بڑھاتے تھے، نیز سرزنش کرتے حتیٰ کہ کئی بد بخت تو امام حسینؑ کی توہین کرتے اور آپؑ کے قلب میں آگ بکھیرتے تھے۔

حسب ارشاد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن حصین ازادی نے اونچی آواز سے کہا: اے حسینؑ! یہ دیکھو پانی ہے، اس کی طرح صاف پانی ہے۔ خدا کی قسم! اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں دیں گے حتیٰ کہ پیاسے مارے۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشًا وَلَا تَغْفِرْ لَهُ اَبَدًا ”میرے اللہ اس کو پیاسا قتل کر دے اور اس کو معاف نہ کرنا۔“

امام علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی کیونکہ حمید بن مسلم (راوی) کا کہنا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد یہ ولد الزنا ایسے میں مبتلا ہوا کہ سکرات موت کے وقت سخت پیاسا تھا۔ میں اس کی عیادت کرنے گیا تو وہ بار بار پانی پی رہا تھا۔ لیکن مجھے بھیتمی۔ وہ اس قدر پانی پیتا کہ اس کا پیٹ شک کی طرح پڑ ہو جاتا، پھر اسی پانی کی قے آ جاتی اور یہی حال اس بد نصیب آخری وقت میں تھا، حتیٰ کہ اس کیفیت میں وہ فی النار والسر ہو گیا اور اسل السالین میں جاگرا۔

بہر صورت جب خیام امامؑ میں پیاس کی شدت محسوس کی گئی اور بچوں اور عورتوں نے غم حال ہونا شروع کیا تو ایک ایک ہتھوڑا اٹھایا اور خیام اہل بیتؑ سے انیس قدم قبلہ کی طرف جا کر ہتھوڑا زمین پر مارا، وہاں سے صاف اور ٹھیکے اور خوش پانی کا چشمہ بھوٹ پڑا۔ امامؑ، اصحاب، اہل بیتؑ سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور ٹھیکیں اور برتن بھی پانی سے بھر لیے۔ چشمہ غائب ہو گیا۔

جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ امامؑ نے چشمہ نکالا ہے تو اس نے ابن سعد کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے۔۔۔ نے چشمہ پانی کا کھودا ہے اور وہ اس کا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ میرا خط پہنچنے ہی وہ چشمہ بند کر دو اور ان پر اس قدر سختی۔۔۔ کسی قسم کے پانی کا قطرہ بھی وہ نہ پی سکیں۔

خط ملتے ہی ابن سعد نے کاروان حسینی پر سختی اور بڑھادی اور اپنے لشکریوں کو تاکید کی کہ کاروان حسینی کے کسی ایک قطرہ پانی نہ پینے دو۔ آخر کار پانی خیامؑ میں ختم ہو گیا اور پیاس بڑھنے لگی حتیٰ کہ بچوں کی العطش العطش کی دھمی آ رہنے والے صاحبِ دل کو متاثر کرتی تھیں۔ اسی وقت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ کو بلایا اور۔۔۔ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادہ سپاہی دیے اور ۲۰ ٹھیکیں دے کر فرمایا: جاؤ اور ان پیاسوں کے لیے فرات سے پانی لاؤ۔

آٹھ محرم کے واقعات

حضرت عباسؑ کا پانی لینے جانا

ابھی رات تھی کہ امامؑ نے حضرت عباسؑ کو ۳۰ سواروں اور ۲۰ پیادوں کے ساتھ ۲۰ ٹھیکیں دے کر روانہ کیا۔ لاؤ۔ اصحاب کے آگے آگے نافع بن ہلال بکلی تھا جس نے علم اٹھایا ہوا تھا۔ جب وہ فرات کے قریب پہنچے تو عمرو بن زبیدی نے آواز دی: مَنْ اَنْتُمْ ”تم کون ہو؟“

جناب نافع نے فرمایا: میں نافع بن ہلال بکلی ہوں۔

عمر بن ابی حمزہ: کس لیے آئے ہو؟

نافع بولے: اس لیے آیا ہوں کہ پانی پیوں۔

عمر بن حجاج کہنے لگا: پیو جس قدر جی چاہے اور نصیب ہو۔

نافع کہنے لگا: کیف تاملنی ان اشرب والحسین ومن معہ یبوتون عطشاً ”تو مجھے تو کہتا ہے کہ پانی میرے لیے حرام ہے اور ان کے ساتھ پیاس سے بڑھ چکا ہوں (اس حال میں) میں ایک قطرہ بھی نہیں پیتا اور نہ ہی مجھے

عمر بن حجاج نے غور سے دیکھا تو اصحاب بھی تھے اور ان کے پاس مشکیں بھی تھیں تو کہا کہ نافع تو نے کہا تو ٹھیک ہے بھی فرات کے کنارے اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ ایک قطرہ پانی امام حسینؑ اور اہل بیتؑ تک نہ پہنچے پائے۔

نافع نے جب یہ سنا تو غصے میں آ گئے اور عمرو بن حجاج کی بات کے باوجود ۲۰ پیادہ صحابیوں سے کہا کہ فرات میں داخل ہو کر پانی بھر لو، اور خود اور دیگر گھڑسواروں نے عمرو بن حجاج کی فوج کا مقابلہ شروع کر دیا۔ ۲۰ پیادہ صحابیوں نے مشکیں فرات سے نکل آئے تو عمرو بن حجاج کے لشکر نے ان ۲۰ پیادہ صحابیوں پر حملہ کر دیا۔

عمر بن حجاج نے دفاعی حملہ کیا، ایک طرف حضرت عباسؑ تھے تو دوسری طرف نافع تھا۔ اس لڑائی میں نافع کے زخمی ہو گیا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔ حضرت عباسؑ کے ساتھ جانے والے تمام صحابہ سے واپس آ گئے اور ۲۰ پیادہ بھی مشکیں لے کر صبح و سالم خیام تک پہنچ گئے۔

حضرت بنی حنف میں ہے کہ حضرت عباسؑ نے یہاں بہت جنگ کی اور دشمن کے کافی سپاہی قتل کر دیے اور اصحاب حسینؑ کی قربانی یا زخمی نہ ہوا۔ پس پانی خیام میں آیا اور خود امام حسینؑ، اصحاب، اطفال اور بیبیوں نے پیا اور اس وجہ سے جنت سقا کہلائے۔

حضرت ابو الفضل العباسؑ علمدار شدید جنگ کر کے ۸ محرم کی صبح پانی لائے تھے اور تمام کاروانِ حسینیؑ نے سیر ہو کر پانی پیا۔ حضرت کو سقا کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

حسب کتاب عمدة الطالب نے لکھا ہے کہ حضرت ابو الفضل العباسؑ کے لقب ”سقائے تشنگان“ کی وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ مدینہ سے کربلا تک جب بچوں اور مستورات کو پیاس لگتی تو جناب قمر بنی ہاشم سے پانی مانگتے تھے۔ کربلا میں جب پانچ گھنٹے ہو گیا اور جب فرات سے دشمن سے لڑائی کر کے پانی لائے اور پانی تقسیم ہوا تو اپنا حصہ حضرت عباسؓ نے محفوظ کر کے رکھا۔ خود نہ پیا۔ جب امام حسینؑ کے بچے اپنے چچا عباسؓ سے پانی مانگتے تو اپنے حصے کا پانی ان کو دے دیتے۔ جس کی وجہ سے سقائے اہل بیت معروف ہو گئے۔

حضرت عباسؓ کے القاب سے ایک ابو القریہ بھی ہے۔ قریہ بھی مشک کے لیے چونکہ قمر بنی ہاشم مشک کے ساتھ میدان میں گئے اور ابن سعد کے لشکر کے کچھ لوگ حضرت کو نہیں پہچانتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ وہ دیکھو ابو القریہ! آگیا ہے اور ہم پر ابو القریہ نے حملہ کر دیا ہے۔

جناب مُریر بن خثیر ہمدانی کی ابن سعد کو نصیحت

کتاب منتخب التواریخ میں ہے کہ جناب مُریر بن خثیر جو عابد، زاہد اور صالح شخص تھے، امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے غلوں دل سے اجازت لی کہ آقا! مجھے اجازت دیں کہ میں اس فاجر (عمر بن سعد) کے پاس جاؤں اور اسے نصیحت کروں شاید اسے شرم آجائے اور گمراہی اس سے دُور ہو جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو چاہتے ہو کرو اور جو اسے کہنا چاہتے ہو، کہو۔

مُریر ہمدانی اللہ پر توکل کر کے ابن سعد کے خیمے کی طرف چلے گئے اور پہرہ داروں سے اجازت لیے بغیر ابن سعد کے خیمے میں پہنچ گئے لیکن اسے سلام نہ کیا۔ عمر بن سعد ناراض ہوا اور کہا: اے ہمدانی! تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ کیا مجھے مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں خدا اور رسولؐ کی معرفت نہیں رکھتا؟

مُریر ہمدانی نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہوتے اور خدا اور رسولؐ کی معرفت ہوتی تو فرزندِ پیغمبرؐ کے قتل کرنے پر کمر بستہ ہوتے اور اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کر کے ان کے خاندان کو قید کرنے کا منصوبہ نہ بنایا ہوتا۔ تم اس سب کچھ کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہو!

پھر یہ نہر فرات جس کا پانی چمک رہا ہے اور اس پانی کو کتے اور خنزیر پی رہے ہیں لیکن فاطمہؑ کے جگر گوشہ اور پیغمبرؐ بل اور ان کے اہل و عیال پر پانی بند ہے جس کی وجہ سے وہ شدتِ پیاس سے موت کے قریب ہیں۔ تم اس حال میں میرے ایک قطرہ پانی دینے کو حاضر نہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو۔

کچھ دیر تو ابن سعد نے سر کو نیچے کر لیا اور زمین کو دیکھتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا: اے مُریر! اُس خدا کی قسم جو وحش اور

ختر نبیؐ والا ہے، مجھے یقین ہے کہ جو شخص آلِ محمدؐ کا قتل کرے، ان پر ظلم کرے، ان کا پانی بند کرے تو وہ جہنمی ہے۔
 حضرت نے فرمایا: لا یتاکل من بئرہا الا قلیلاً ”وہ رے کی گندم نہیں کھا سکے گا اور جلد ہی مر جائے گا اور بستر پر
 سے کاٹ لیا جائے گا جیسے گوسفند ذبح کیا جاتا ہے۔“

حضرت نے فرمایا: لا یتاکل من بئرہا الا قلیلاً ”وہ رے کی گندم نہیں کھا سکے گا اور جلد ہی مر جائے گا اور بستر پر
 سے کاٹ لیا جائے گا جیسے گوسفند ذبح کیا جاتا ہے۔“

بنی اسد سے مدد طلب کرنا

یہ بیان ہو چکا ہے کہ ۳ محرم سے کوفہ سے لشکر آنے شروع ہو گئے اور ۹ محرم تک امام حسین علیہ السلام کے دشمن اکٹھے
 ہوئے۔ جوں ہی کوئی لشکر کربلا میں وارد ہوتا تو طبل و دھل بجانے سے اپنے وجود کا اعلان کرتا تھا۔ اس کیفیت سے امام
 نے بچے اور مستورات گھبرا جاتے تھے۔

ساتویں محرم کو پانی بند ہو گیا اور لکھنؤ بہ لکھنؤ حالات سخت تر ہوتے گئے۔ اصحاب میں حبیب ابن مظاہر نے سوچا کہ ادھر
 سے مدد کے قائل آباد ہیں، ان کے پاس جاؤں، انہیں حالات بتاؤں اور فرزندِ پیغمبرؐ کے لیے ان سے نصرت طلب کروں۔
 حبیب اسی نیت سے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دل شکستہ و پریشان حال میں امامؑ سے عرض کیا:
 اے قریب بنی اسد کے قائل آباد ہیں، ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو آپؐ کے محبت اور خیر خواہ ہیں اگر آپؐ
 سے مدد مانگوں تو آپؐ کی نصرت کی دعوت دوں؟

• مدد علیہ السلام نے فرمایا: اجازت ہے۔

• وہ روشن دل ضعیف آدمی رات کو لباس تبدیل کر کے کربلا سے نکلا اور بنی اسد کے قائل کے پاس پہنچا۔ اہل قبلہ
 نے حیرت بہت خوش ہوئے اور سب اُن کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے: اے حبیب! اس وقت کہاں سے آئے ہو؟
 پاس آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی ہم سے کیا چاہتے ہو؟

جب حبیب نے فرمایا: اے بنی اسد! میرا اس وقت تمہارے پاس آنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری دنیا اور آخرت میں
 کا موجب بن سکوں اور تمہیں دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند کے پاس لے چلوں کیونکہ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے

چند نیک اور صالح ساتھیوں کے ساتھ کربلا میں نزول اِجلا ل فرمایا ہے اور ابنِ سعد نے ایک بہت بڑے لشکر میں اسے قتل کیا ہوا ہے۔ نیز امام سے یزید قاسق و قاجر کے لیے بیعت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم میری قوم اور قبیلہ ہو، میری نعمت سنو اور سمجھو، خدا کی قسم! تم میں سے جو بھی حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا تو گویا اعلیٰ علیین میں حضرت محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کا ہمایہ ہوگا۔

جب حبیبؑ نے یہ بات کی تو شیر دل نوجوان عبداللہ بن بشر اٹھا اور عرض کیا: میں پہلا شخص ہوں جو یہ دعوت قبول ہوں۔ پھر بنی اسد کا ایک اور شخص اٹھا اور کہا: میں اس دعوت کو قبول کرتا ہوں حتیٰ کہ ۹۰ افراد مرنے کے لیے اور ۱۰۰ نصرت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اسی دوران میں اسی قبیلہ سے ایک شخص نے ابنِ سعد کو بخبری کردی اور کہا: قبیلہ بنی اسد افراد امام حسینؑ کی نصرت کے لیے آرہے ہیں لہذا اگر چارہ ہے تو ان کے آنے سے پہلے کوئی منصوبہ بناؤ۔ جب یہ خبر ابنِ سعد نے سنی تو ارزق کو بلایا اور اسے چار صد جنگی سپہی دیے اور ان کو اس راستے پر متعین کر دیا، سے بنی اسد کے جوانوں نے آنا تھا۔ ابنِ سعد نے تاکید کی تھی کہ بنی اسد کا ایک شخص بھی امام حسینؑ کے کارواں میں شامل ہونے پائے۔

پس ابنِ سعد کے ان چار سو سپاہیوں نے بنی اسد کا مقابلہ کیا اور ان کو امام حسینؑ کے کارواں سے ملحق نہ ہونے کی شدید جنگ ہوئی۔ پھر حبیبؑ نے ارزق کو مخاطب کر کے کہا: ہائے افسوس تم پر تو ہمیں کیوں نہیں جانے دیتا لیکن ارزق نے جماعت پر حملہ کر کے ان کو متفرق کر دیا۔ جب بنی اسد کے لوگوں نے دیکھا کہ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو وہ واپس چلے گئے۔ پھر عمر ابنِ سعد کے ڈر سے کہ کل لشکر بھیج کر ہمیں قتل نہ کر دے، رات کو ہی انہوں نے اپنے خیمے اکھاڑ دیے۔ ضروری سامان لے کر کسی غیر معروف مقام پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

عمر بن سعد کی امام حسینؑ سے ملاقات

شہر کے درمیان امام حسینؑ کا نصیحت کرنا

جب کوفہ کے لشکر صحرائے کربلا میں جمع ہو گئے اور امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے تو حضرت امام حسینؑ کو حضرت عتبہ بن قرظہ انصاری کو ابن سعد کے پاس بھیجا کہ اُسے کہو، دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے ملاقات کرے۔
 ہوئی تو عمر بن سعد بیس سپاہیوں کے ساتھ نکلا اور حضرت امامؑ بھی بیس جوانوں کے ساتھ خیام سے برآمد ہوئے۔
 نے سامنے آئے تو امام حسینؑ نے فرمایا: یہ تیری بازگشت خدا کی طرف ہے لیکن تجھے خوف خدا نہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ سستی کا فرزند ہوں پھر بھی میرے ساتھ جنگ کرنے لگا ہے۔ اے ابن سعد! ان کافروں کو چھوڑو اور میری طرف آئیے میری اطاعت میں قرب خداوندی ہوگا۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے خوف ہے کہ میرا گھر برباد کر دیں گے۔

نے فرمایا: میں تجھے اس سے اچھا گھر بنا دوں گا۔

مرنے کہا: مجھے ڈر ہے کہ میری جائیداد اور اموال ابن زیاد ضبط کر لے گا۔

نے فرمایا: جائیداد و اموال کے بدلے تجھے حجاز میں بہتر عوض دوں گا۔

مرنے کہا: مجھے اپنے بیوی بچوں کا ڈر ہے؟

نے خاموش ہو گئے اور واپس آ گئے اور فرمایا: اے ابن سعد! تو عراق کی گندم نہیں کھا سکے گا اور تجھے بستر پر ایسے ذبح

کئے گا جس طرح کو سفند ذبح کیا جاتا ہے اور خدا تجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔

مرنے کہا: اگر گندم نصیب نہ ہوئی تو ہو پر کفایت کروں گا۔

نے فرمایا: مجھے اجازت دو، میں واپس چلا جاتا ہوں یا خود یزید کے پاس جاتا ہوں یا پھر ایک عام مسلمان کی طرح

شہر کے اسلامی شہر میں زندگی گزار دوں گا۔

تین اشیر، سبط ابن جوزی اور دیگر مؤرخین نے اس روایت کو لکھنے کے بعد عقبہ بن سمان کی روایت نقل کی ہے کہ وہ

کہتا ہے: مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا میں حضرت کی خدمت میں ہمیشہ رہا ہوں اور حضرت کے تمام خطبات سے نہ شہادت تک ہر جملہ سنا اور سمجھا ہے لیکن کسی موقع پر امام نے یہ نہیں فرمایا کہ یزید کے پاس جاتا ہوں، یا کسی مسلمان شہید ہوں بلکہ حضرت کی کلام یہ ہوتی تھی کہ اگر مجھے آزاد کردو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں چلا جاتا ہوں یا خود اور بیت کو لے کر ان بیابانوں میں زندگی گزار دوں گا۔

ابن جوزی کا نظریہ

تذکرہ میں سبط ابن جوزی نے لکھا ہے: چونکہ عمر بن سعد امام حسین سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے... سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک ملاقات میں وہ امام سے اس قدر متاثر ہوا کہ ابن زیاد کو خط لکھا جس کی پہلی سطر تھی کہ خدا نے جنگ کو خاموش کر دیا ہے (اس خط کا تشریحاً پہلے ذکر ہو چکا ہے)۔

ابن زیاد نے خط پڑھ کر لکھا: یہ خط ابن سعد نے اپنی قوم پر شفقت کرتے ہوئے اور اپنے امیر کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے لہذا مجھے قبول ہے۔ اسی محفل میں شمر بن ذی الجوشن بیٹھا تھا۔ اس نے ابن زیاد کی بات سنی تو آگ بگولا ہو کر کہہ نہ سکا کہ ابن سعد کی بات قبول کر لی ہے؟ اب حسین بن علی تیری حکومت کے علاقہ میں آئے ہیں چاہتے ہو کہ وہ یہاں سے جائیں؟ خدا کی قسم! اگر حسین بیعت نہ کرے اور یہاں سے چلا جائے تو اس کی ندرت اور قوت میں مسلسل اضافہ ہوگا جب نہ ہماری کمزوری اور عاجزی میں اضافہ ہوگا۔ خبردار ابن سعد کی بات کو قبول نہ کرنا جو سستی اور غلط تدبیر پر مبنی ہے۔ آج ذمہ ہے کہ تم اسے کہو کہ حسین اور اس کے ساتھی حیرے حکم کے تابع ہو جائیں تو پھر دل چاہے تو سزا دینا اور دل چاہے تو معاف رو دینا، تجھے اس وقت اختیار ہوگا۔ ابن زیاد نے شمر کا نظریہ پسند کیا اور عمر بن سعد کو یہ خط لکھا:

اما بعد! تجھے میں نے کربلا اس لیے نہیں بھیجا کہ تو حسین سے نرمی کرتا رہے اور اس مہم کو طول دیتا رہے اور بہانہ بناتا رہے اور اسے سلامتی کی نوید سناتا رہے اور اس کی میرے پاس شفاعت کرتا رہے۔ اگر حسین اور ان کے اصحاب میرے حکم کے تابع ہو جائیں تو سب کو میرے پاس بھیج دو اور اگر میری اتباع نہ کریں تو ان سے جنگ کرو۔ جب ان کو قتل کر دو۔ ان لاشوں کو پامال کر دو اور اس طرح ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دو کہ سینہ و پشت ریزہ ریزہ ہو جائے۔

ہاں میں جانتا ہوں کہ ان کے قتل ہونے کے بعد ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑنے سے ان کو تکلیف تو نہ ہوگی لیکن پند کہ پہلے میں یہ کہہ چکا ہوں لہذا یہ ضرور انجام دینا ہے۔ ہاں جو کچھ میں نے لکھا ہے اگر اسی طرح اس پر عمل کرو، مطیع اور سرکش کی طرح اپنا کام انجام دو تو انعام کے مستحق قرار پاؤ گے اور اگر اس پر عمل نہ کیا تو اس عہدہ و مقام پر جو تمہیں دیا گیا

ہو جاؤ گے اور لشکر کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کر دو کیونکہ تیرے یہ کام نہ کرنے کی صورت میں ہم نے شمر کو اس لشکر کا

چھ مہینے زیادہ شمر سے کہا: یہ خط کر بلا لے جاؤ اور اس خط پر اس سے عمل کراؤ۔ اگر عمل کرے تو تم اس کے تابع رہنا نہ کرے اور انکار کرے تو اس کا سر جدا کر کے مجھے بھیج دینا اور لشکر کے امیر تم ہو گے۔ اسی دوران میں عبد اللہ بن ابی جہش نکالی (جناب ام البنینؓ کا بھانجا تھا) اٹھا اور ام البنین کی اولاد حضرت ابوالفضل العباسؓ، عبد اللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ مدینہ مانگا۔

تین زیادہ نے کہا: بہت اچھا امان نامہ لکھا گیا اور عبد اللہ بن ابی محل نے یہ امان نامہ اپنے غلام کے ذریعے کر بلا بھیج دیا۔ جب یہ امان نامہ حضرت عباسؓ اور ان کے بھائیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ہمیں اس امان نامے کی جس کیونکہ اللہ کی امان سمیہ کے زنا زادے کی امان سے بہتر ہے۔

محرم کے واقعات

نویں محرم کو رونوہ تاسوعا بھی کہتے ہیں۔ اس دن بہت سے واقعات پیش آئے، جن میں سے چند واقعات ہم ذکر کرتے

ہے۔ مرحوم تنکا بنی نے اپنی کتاب اکلیل المعاصی میں لکھا ہے: کتاب مشیر الاحزان میں جناب سیکندہ سے روایت نقل کی ہے۔ بنی بی فرماتی ہیں: نویں محرم کے دن ہمارے پاس پانی نہیں تھا، سخت پیاس تھی، مشکوں اور برتنوں سے پانی خشک تھا۔ میں اور چند دیگر بچے شدید تشنگی کی حالت میں اپنی پھوپھی زینبؓ کے پاس گئے تاکہ انھیں اپنی تشنگی کا حال بتا دے۔ پانی کا بندوبست ہو جائے۔ میں نے دیکھا کہ پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا خیمے کے دروازے پر بیٹھی ہیں اور شہر خوار بھائی کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ وہ شیر خوار کبھی اٹھتا ہے کبھی بیٹھتا ہے جس طرح پھلی پانی میں متحرک رہتی ہے گویا اسے یہ فریاد کر رہا ہے۔

پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا کہہ رہی تھیں: اے میرے بھائی کے فرزند صبر کرو، تمہارا صبر کہاں گیا، تمہاری یہ حالت اور تمہاری پھوپھی کے لیے بہت ناقابل برداشت ہے۔ بنی بی سیکندہ کا بیان ہے کہ جوں ہی میں نے یہ جملے سنے تو بے وقوفی آواز سے رونے لگی۔ پھوپھی نے پوچھا: سیکندہ جان کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: اپنے بھائی کی پیاس پر رو رہی ہوں۔ میں نے اپنی پیاس کا ذکر بھی نہ کیا تاکہ پھوپھی کو اور زیادہ دکھ نہ ہو۔ پس پھوپھی زینبؓ اٹھیں اور میرے شرخا،

بھائی کو اٹھا کر میرے چچاؤں کے خیمہ میں لے گئیں کہ شاید وہاں سے پانی مل جائے۔ ہمارے کچھ بچے پھوپھی سے۔ پیچھے چل پڑے۔ پس اپنے عم زادوں کے خیمے میں گئیں، پھر اصحاب کے خیموں سے معلوم کروایا کہ پانی ہے یا نہیں۔ پھر پانی سے تا امید ہو گئیں تو اپنے خیمہ میں آ گئیں۔ پھوپھی کے ساتھ تقریباً بیس بچے تھے۔ پس بی بی نے فریاد کرنا شروع کیا۔ یہ بھی فریاد کرنے لگے۔ اسی دوران میں میرے بابا کے صحابی بربر جنہیں سید القراء کہا جاتا تھا، ہمارے خیمے کے قریب سے گزرے اور جب ہمارے رونے کی آواز سنی تو زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے سر اور بالوں میں خاک ملائی اور اپنے دوستوں سے کہا: تمہیں یہ پسند ہے کہ فاطمہ زہراء کی اولاد پیاسی فوت ہو جائے حالانکہ تلواریں ہمارے ہاتھ میں ہیں؟ خدا کی قسم! اتنے بعد دنیا میں خیر اور نیکی نہیں۔ بہتر ہے کہ ان سے پہلے ہم موت کے حوض میں وارد ہو جائیں۔ اے اصحاب! ہم میں سے۔۔۔ ایک ایک بچے کا ہاتھ پکڑ لے اور پانی پر لے جائے ورنہ پیاس سے فوت ہو جائیں گے۔ اگر نہ فرات پر جنگ کرنا پڑے۔۔۔ جنگ کریں گے۔

بچی مازنی نے کہا: پانی پر موکل سپاہی ضرور ہم سے جنگ کریں گے اگر ان بچوں کو ساتھ لے کر جائیں گے تو خدا نخواستہ کوئی تیر یا نیزہ ان کو نہ لگ جائے اور ہم اس کا سبب بنیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ منکلیں اٹھا کر لے جائیں اور وہ پانی سے مر لائیں۔ اس دوران میں اگر جنگ ہوئی تو ہم نے بھی تلواریں اٹھا رکھی ہیں اور اگر ہم میں سے کوئی قتل ہو گیا تو اولاد قاصر، ندیہ بن جائے گا۔

نمریر نے کہا: یہ بالکل ٹھیک ہے! پس ایک منک اٹھائی اور پانی کی طرف گئے۔ یہ چار شخص تھے۔ جب فرات پر تھیں ابن سعد کے لشکر نے ان کو دیکھا تو پوچھا: تم کون ہو کہ ہم اپنے سردار کو اطلاع دیں؟ نمریر اور اس سردار کے درمیان رشتہ نہ تھی۔ جب سردار کو اطلاع ملی تو اس نے کہا: ان کو راستہ دے دو کہ پانی پی لیں۔ جب یہ پانی میں داخل ہوئے اور پانی نہ ٹھنڈک محسوس کی تو نمریر اور ساتھیوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور کہا: خدا لعنت کرے ابن سعد پر! یہ جاری ہے اور فرزند پیغمبر تک ایک قطرہ بھی نہیں جاسکتا۔

پھر نمریر نے کہا: اپنے پیچھے دیکھو اور جلدی جلدی منک بھڑکتا کہ اولاد حسینؑ کے دل ٹھنڈے ہو سکیں۔ خود پانی نہ پوچھو۔ اولاد فاطمہؑ کو سیراب کرو۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم پانی نہیں پیتے تاکہ اہل بیت سیراب ہو سکیں۔ موکلین میں سے کسی۔۔۔ یہ گفتگو سنی تو کہا کہ تم خود پانی میں داخل ہو گئے ہو تو کیا یہ کافی نہیں کہ اس خارجی کے لیے پانی لے جاتے ہو۔ خدا کی قسم! میرا بھی اسحاق کو خبردار کرتا ہوں۔

نمریر نے کہا: اے شخص! اس بات کو صیغہ راز میں رکھ اود پھر اس شخص کے قریب گئے تاکہ اسحاق کے پاس نہ جاسکے

یہ سین وہ بُریر کے ہاتھ سے نکل گیا اور جا کر اسحاق کو اطلاع کر دی۔ اسحاق نے کہا: ان کا راستہ روک لو اور ان کو پکڑ۔ پاس لے آؤ اور اگر میرے پاس نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو۔ پس انہوں نے بُریر اور اس کے ساتھیوں کا راستہ حِمْزِہ بن ابی امیہ کے درمیان جنگ ہوئی۔ پھر بُریر نے نصیحت کرنا شروع کر دی اور اس کے وعظ کی آواز امام کے کانوں تک پہنچی۔ حضرت امامؑ نے چند صحابی بھیجے تاکہ بُریر کی مدد کریں۔ پس امامؑ کے صحابی پہنچے تو موکلین نہر فرات سے فرار کر چکے تھے، تمام بچے ایک مرتبہ اس پانی کی مشک پر جمع ہو گئے۔ بچوں نے سینے اور شکم کو مشک پر رکھنا شروع کر دیا کہ

حک کا سرہ نکل گیا اور تمام کا تمام پانی زمین پر بہہ گیا۔ بچوں کی آواز آئی: ہائے ہماری قسمت!

یہ بچے منہ پر طمانچہ مارتے تھے اور کہتے: تھے: ہائے افسوس! فاطمہؑ کی بیٹیوں کے جگر پیاس سے کباب ہو گئے۔

حب ابن زیاد نے ابن سعد کے امام حسینؑ سے نرم رویہ اور معاملہ جلدی ختم نہ کرنے پر پریشان ہوا تو جویریہ بن بدر

کو روانہ کیا اور کہا کہ اگر ابن سعد جنگ کرنے میں سُستی کر رہا ہو تو اسے قید کر دو، میں لشکر کا امیر کسی اور شخص کو بنا کر

مقرر کروں گا۔ جب جویریہ روانہ ہو گیا تو ابن زیاد کو خیال آیا کہ اگر ابن سعد کو قید کیا جائے تو لشکر ضائع ہو جائے گا لہذا فوراً شمر کو

روانہ کیا۔

ابن سعد بن عبیدہ کہتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے ہم ابن سعد کے ساتھ فرات میں نہا رہے تھے کہ ایک شخص نے ابن سعد

کو شہداء ابن زیاد نے جویریہ بن بدر کو بھیجا ہے کہ اگر ابن سعد اپنے کام میں سُستی کر رہا ہے تو اسے قتل کر دو۔ جوں ہی

یہ سنا تو چونچا اور فوراً اسلحہ لگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف آیا۔

چند جمعرات کے روز شمر بھی ابن زیاد کا خط لے کر پہنچ گیا۔ ابن زیاد کا خط دیا اور ابن سعد نے اس خط کے مضمون کو

ملاحظہ فرمایا اور جواب دیا: خدا تجھے مجھ سے دُور اور بد صورت کر دے، اے ابرص! تو جو چیز میرے لیے لایا ہے،

میں نے ابن زیاد کو خط لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کی اصلاح کی کوشش کی اور اسے مطمئن کر لیا تھا اور تو نے اس کے اطمینان

کو دوبارہ امام حسینؑ سے جنگ پر براہِینتہ کیا اور وہ کام جو صلح و آشتی سے ختم ہو رہا اسے دوبارہ کر دیا۔ خدا کی قسم!

میں بھی ابن زیاد کے تابع نہیں ہوں گے کیوں کہ جو خون علیؑ کی رگوں میں تھا وہی حسینؑ کی رگوں میں ہے۔

شمر نے کہا: ان باتوں کو چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ اگر امیر ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہو تو ابھی جنگ کا

موقعہ لشکر میرے حوالے کر دو اور خود ایک طرف ہو جاؤ۔

ابن سعد نے کہا: نہیں، تجھے لشکر کا امیر نہیں بنانا بلکہ خود میں یہ کام کروں گا تو صرف پیادہ فوج کے ساتھ شامل ہو جاؤ

یہ سنن زیاد کے اس خط کو امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا۔

حضرت امام حسینؑ نے پھر فرمایا: خدا کی قسم! میں کبھی ابن زیاد فرزندِ مرجانہ کی اطاعت نہیں کروں گا۔

❖ کتبِ مقاتل میں ہے کہ روزِ تاسوعا (نو محرم) کربلا میں تمام لشکر ایسے جمع ہوئے جیسے بارش کے قطرے زمین پر آتے ہیں۔ امام حسینؑ اپنے اصحابِ باوفا کے خیم میں بیٹھے تھے۔ جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں نے خیمہ شگاف سے بھائی کو دیکھا کہ اچانک کوفہ کی جانب سے طبل اور نقارے بجنے لگے اور گردوغبار سے آسمان کا چہرہ دھندلا شور و غل اور مارو مارو کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس وقت میں نے بھائی کے چہرے کو دیکھا تو سرخ زعفرانی رنگ میں چل گیا تھا۔ میرا رنگ اڑنے لگا۔ میں یہ حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور بھائی کو اپنے خیمے میں بلایا اور عرض کیا: بھائی! بات وجہ ہے کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ بھائی نے آہستہ سے فرمایا کہ اب کربلا میں میرے بچوں کو قہم کرنے ملعون پہنچ گیا ہے اور عورتوں کو بیوہ کرنے والا شمر مردود وارد ہو گیا ہے۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

تَأْسُوْعَا يَوْمَ حَوْصَرٍ فِيهِ الْحُسَيْنُ وَاصْحَابُهُ سَلَامَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ بِكَرْبَلَا وَاجْتَمَعَ عَلَيْهِ خَيْلُ أَهْلِ الشَّامِ وَأَنَا خَوَا عَلَيْهِ وَقَرِخَ ابْنُ مَرْجَانَةَ وَعَمْرُ سَعْدٍ بَتَوَافِرِ الْخَيْلِ وَكَثْرَتِهَا وَاسْتَضَعَفُوا فِيهِ الْحُسَيْنُ وَاصْحَابَهُ وَآيَقُنُوا أَنَّهُ لَا يَأْتِي الْحُسَيْنُ نَاصِرٌ وَلَا يَمْلَأُ أَهْلَ الْعِرَاقِ الْمُسْتَضْعَفَ الْغَرِيبَ

”روزِ تاسوعا وہ دن ہے جس میں میرے جدِ حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کیا گیا، اطراف کو بند کر دیا گیا۔ ابن زیاد کی تمام فوج جو میدانِ کربلا میں بکھری ہوئی تھی، نے اکٹھے ہو کر امام کا احاطہ کر لیا۔ اس حرکت سے ابن زیاد اور ابن سعد دونوں خوش تھے لیکن امام حسینؑ اور اصحابِ دُکھی اور پریشان تھے اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ایک شخص بھی عراق سے ہماری مدد کو نہیں آ سکے گا۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام جب یہاں تک پہنچا تو حسرت سے فرمایا: اے جدِ بزرگوار! میرے ماں باپؑ کی غربت اور ضعیفی پر قربان ہو جائیں۔

کتابِ روضۃ الصفا میں بیان ہے کہ چونکہ ابن سعد تین محرم کو اپنے لشکر کے پاس کربلا پہنچا تو بعض لشکریوں نے امام مظلومؑ کی غربت اور بے گناہی دیکھی تو بعض خفیہ طور پر اور بعض ظاہری طور پر لشکر سے نکل کر واپس کوفہ چلے گئے۔ ابن زیاد کو یہ خبر ملی تو بہت براہم ہوا اور سعد بن عبد الرحمن کو بلا کر کہا کہ ایک لشکر لے جاؤ اور تمام کوفہ کے محلوں میں چکر لگاؤ۔ شخصِ ابن سعد کے لشکر سے نکل کر آیا ہے اسے گرفتار کر کے میرے حوالے کر دو۔

مورین جن لوگوں کو پکڑ کر لاتے یہ اُن پر سخت عتاب کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک شامی جو بنی اُمیہ کا سخت حامی تھا وہ اپنے کسی بھائی کی فوج کی وجہ سے واپس آیا تھا تا کہ اپنا وراثتی حصہ پالے تو ما مورین نے اسے بھی گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے سامنے لے گئے۔ اس نے اپنا عذر بتایا لیکن اس کا عذر قبول نہ ہوا اور سزا سخت ملی اور اس کی گردن اڑادی گئی۔ یہ خبر بہت جلدی جنگل کی طرح پھیلی اور لوگوں میں رعب و وحشت اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ چنانچہ پھر کسی کو کوفہ پلٹ کر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

تین محرم سے نو محرم تک لشکر بنی لشکر آتے رہے اور نویں محرم کو ہر طرف انسانوں کا سیلاب تھا اور کسی کو پیچھے ہٹنے اور نہ رکنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ کچھ جاسوس مقرر کیے گئے کہ کوئی شخص لشکر سے نہ بھاگے یا امام حسینؑ کے لشکر میں شامل نہ ہوئے کیونکہ لشکر کے مختلف شہروں سے تھے مثلاً کندہ، ساباط، مدائن، عبادہ، ربیعہ، سکون، حمیر، دارم، عطفان، مدحج، ربوع، حب، بیل، یسرہ، بکریت، عسقلان، گردوغیرہ۔

پورے لشکر کا امیر ابن سعد تھا جس کا بیٹا حفص اس کا مشیر اور وزیر تھا اور دُرید جو ان کا غلام اور بے باک و سفاک شخص تھا اسے لشکر کا علمدار بنایا ہوا تھا۔ ابن ابی جوبہ جاسوس، ابوالیوب بیلداروں کا سربراہ، عمرو بن حجاج دائیں طرف کے لشکر میں سربراہ اور شمر بائیں طرف کے لشکر (یسرہ) کا سردار اور سنان ابن انس نیزہ داروں کا سردار تھا۔

مہم فن نے یہاں تک لکھا ہے کہ لشکر اس قدر بڑا تھا کہ کربلا سے کوفہ کے بیرونی دروازے تک لشکر ایک دوسرے کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے۔

نامہ برائے حضرت ابوالفضل العباسؑ و برادران

ۛ حیدر عذۃ المطالب فی نسبت آل ابی طالبؑ اور شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ جناب محمد بن علی بن ابی طالبؑ کی زوجہ تھیں، جن کے بطن سے چار بیٹے تھے۔ ابوالفضل العباس سلام اللہ علیہ، جعفرؑ، عبد اللہؑ اور جعفرؑ۔ جب اُم البنینؑ کے والد حزام بن عبد اللہ بن ربیعہ بن خالد بن عامر بن صعصعہ الکلابی تھے۔ اس بی بی پاک کے بھائی جعفرؑ کا نام جریر بن عبد اللہ تھا یعنی یہ اُم البنینؑ کا بھتیجا تھا اور اُم البنینؑ جریر کی چھوٹی بہن تھیں جب کہ شمر بھی کلابی تھا۔

یہ شمرؑ کی کربلا روآوری کی اطلاع ملی تو پریشان ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شمر بہت ظالم ہے اور کسی پر بھی رحم نہیں کرتا۔ امام حسینؑ کے ساتھ حضرت اُم البنینؑ کے چار بیٹے ہیں وہ ان کو بھی قتل کر دے گا۔ اس لیے جلدی سے شمر کے پاس آیا اور کہا کہ

ۛ کہتا ہوں کہ میں اپنی چھوٹی بہن کے بیٹوں کے لیے امان نامہ لکھواؤں۔

شمر نے کہا: کوئی مسئلہ نہیں، اُم البنین صرف تمہاری رشتہ دار نہیں بلکہ قبیلہ کلاب میری بھی قوم ہے، مجھے میرے قبیلے کے افراد کے لیے امان ہو۔ جریر نے بہت درد غم سے ابن زیاد کے سامنے عاجزی کے ساتھ درخواست کی۔ میری اپیل قبول ہو تو عرض کروں۔ ابن زیاد نے کہا: بیان کرو۔ اس نے کہا: اے امیر! مجھ پر احسان کرو اور میرے زادوں کے لیے امان نامہ لکھ دو تاکہ وہ قتل ہونے سے بچ جائیں۔ میری پھوپھی اُم البنین کے دل پر داغ مفارقت ہے۔ لگے، یہ آپ کی اچھائی نوازش اور بخشش ہوگی۔

ابن زیاد نے شمر کو بلند آواز سے بلایا اور کہا کہ جریر کے رشتہ دار چھوٹے، بڑے سب ہماری پناہ میں ہیں۔۔۔ تم عباس (مع برادران) اپنے بھائی حسین کو چھوڑ دے تو اس پر تلوار کھینچنا حرام ہے۔

شمر جب کربلا میں وارد ہوا تو اس نے امام حسینؑ کے قیام کے قریب جا کر آواز بلند کہا: اَیْنَ بُنُو اُحْتَنَہ (رشتہ کے) بھانجے کہاں ہیں؟“ حضرت ابو الفضل العباس سلام اللہ علیہ اپنے بھائیوں جعفر، عثمان اور عبد اللہ کے ساتھ آئے تو شمر نے حضرت عباسؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے عباس! اگر حسینؑ کو چھوڑ دو تو آپ کو یزید کی طرف سے نفع ہے۔

حضرت عباسؑ وفادار نے شمر سے امان کا سنا تو فرمایا: خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیرے امیر پر اور تیری امان پر۔ شمر امان دیتا ہے اور فرزند پیغمبرؐ کے لیے امان نہیں۔ اے جد بخت و سنگ دل! میری ماں کا حیا کر رہے ہو لیکن تمہیں قاطر کے حیا نہیں ہے۔ جب شمر نے یہ جواب سنا تو بڑا بد حال ہوا اور مالوس و محروم ہو کر عمر بن سعد کے لشکر میں آیا۔ جب ابن سعد اس کے غضب و غصہ کو دیکھا تو کہا کہ تجھے کیا ہوا کہ بجلی کی طرح تیزی سے گیا اور دھوئیں کی طرح واپس آ گیا ہے؟ شمر نے کہا کہ ایک شکار کرنے گیا تھا لیکن نا امید آیا ہوں، اب فریضہ یہ ہے کہ تو لشکر کو حکم دے تاکہ امام حسینؑ خیام پر حملہ کرے اور کام کو ابھی ختم کر دے۔

لشکر کا حملہ کرنا اور امامؑ کا مہلت مانگنا

جب شمر نے ابن سعد کو حملہ کرنے پر براہِ رنجیت کیا تو ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا: یا خَیْلَ اللہِ اِسْکَبِی۔ (بیشری اے لشکرِ خدا! سوار ہو جاؤ اور جنت میں جاؤ (اتقوا اللہ)۔ تمام لشکری سوار ہو گئے۔ نماز عصر کے بعد خیام اہل بیت کی طرف حملہ آور ہو گیا۔

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ اس وقت امامؑ اپنے خیمہ کے آگے بیٹھے تھے۔ سرزائونے غم پر رکھا ہوا تھا، جب

یہ ہوا تھا اور حضرت کی آنکھ لگ گئی تھی کہ اسی دوران میں طہلی جنگ پہنچے شروع ہو گئے اور لشکر کی آوازیں آسمان تک پہنچ گئیں۔ وہ کافر لشکر، خدا سے بے خبر، خیام اہل بیت کی طرف حملہ آور ہوا۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جب یہ شور و غل سنا تو عماروں کی لشکر، نیزوں کی جھنکار سنی تو جلدی جلدی بھائی کے خیمہ میں آئیں اور بھائی کو دیکھا کہ سر مبارک تلوار پر تھمے بیٹھے ہیں، گویا خیمہ میں ہیں، آواز دی اور حضرت کو بیدار کر کے عرض کیا: اے بھائی! یہ شور و غل، طہلی اور شادیاؤں کی جھنجھٹ سن رہے؟

امام نے سر بلند کیا اور بہن کو پریشان دیکھا تو ٹھنڈی آہ کھینچ کر فرمایا: بہن! ابھی میں نے خواب میں جد اور بابا کی صحبت کی ہے، رسول خدا نے فرمایا ہے: اے میرے نور نظر! کل تم ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے۔

جب بی بی نے یہ سنا تو ماتم کیا اور ہائے جدا ہائے اباہ کہا۔ امام نے فرمایا: بہن خاموش رہو اور ہائے وائے کی بلند نہ کرو۔ امام نے بہن کو خاموش کر دیا۔ اس دوران میں لشکر خیام کے قریب آ گیا کہ اچانک آسمان شجاعت کے کچے صحن، شیر پودہ شہامت امیر المومنین کے فرزند اطہر حضرت قمر بنی ہاشم سلام اللہ علیہ مثل ہلال خیمے سے باہر نکلے اور باوازِ جبرہ حیدری لگایا اور فرمایا: کہاں ہو پودہ شجاعت کے شیر و! آؤ اور لشکر یزید کی حرکت کو روک دو۔

یہ کہنا تھا کہ ہاشمی جوان اپنی خون میں بجھانے والی تلواروں سے مسلح ہو کر نکلے اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے، نیزے سے کیے اور حضرت عباس کے گرد، چاند کے گرد ہالہ کی طرح جمع ہو گئے اور سب مل کر امام حسین کے پاس آئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ سے اترے اور ادب سے بارگاہِ امامت کو بوسہ دیا اور عرض کیا: آقا! دشمن کا لشکر قریب ہے، اب کیا حکم ہے؟

قال الامام يا عباس اسك بِنَفْسِكَ يَا اَخِي حَتَّى تَلْقَاهُمْ وَتَقُولَ لَهُمْ مَا لَكُمْ مَا
بَدَالَكُمْ وَتَسْتَلْهُمْ عَمَّا جَآلِهِمْ

”امام نے فرمایا: بھائی! عباس! تم سوار ہو جاؤ اور امیر لشکر سے ملاقات کرو اور پوچھو کہ کیوں ہجوم کرتے ہو؟“

حضرت عباس لشکر کے پاس آئے اور پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے اور کیا چاہتے ہو؟
انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے امیر کا حکم ہے کہ یزید کی بیعت پیش کر دو، تم بیعت کر لو تو محفوظ ہو ورنہ ابھی تم سے جنگ سے متحمل کر لیں گے۔

حضرت عباس نے فرمایا: جلدی نہ کرو۔ میں اپنے مولاً سے پوچھ لوں کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت عباس امام کی خدمت میں آئے اور باقی میں اصحاب حسین نے لشکر ابن سعد کو وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دی کہ اے لشکر والو! فرزندِ پیغمبرؐ

کے خون میں آلودہ نہ ہو۔ حضرت عباسؓ نے جب لشکر کی بات بتائی تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا:

إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُؤَخِّرَهُمْ إِلَى غَدَوَةٍ وَتُدْفَعَهُمْ عَنْ الْعَشِيَّةِ لَعَلَّنَا نُصَلِّيَ لِرَبِّنَا اللَّيْلَةَ وَنَدْعُوهُ وَنَسْتَغْفِرَهُ فَهُوَ يَعْلَمُ إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَحَبَّ الصَّلَاةِ لَهُ وَتِلَاوَةِ كِتَابِهِ وَكَثْرَةِ الدُّعَاءِ وَالِاسْتِغْفَاءِ

”اے بھائی عباسؓ! ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر کل صبح تک جنگ روک سکتے ہو تو روک لو، یعنی ان سے ایک رات کی مہلت مانگو تا کہ نماز، دعا اور استغفار کر لیں کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، دعا، قرآن پڑھنا اور استغفار کرنا کس قدر عزیز ہے۔“

حضرت عباسؓ لشکر کے پاس آئے اور امامؓ کے حکم کے مطابق مہلت مانگی۔

لہوف میں ہے کہ ابن سعدؒ نے امامؓ کی پیش کش قبول کرنے میں توقف کیا اور شمرؓ سے کہا کہ مہلت کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟

شمرؓ نے کہا: تم دو دل نہ ہو، اگر میں تمہاری جگہ سردار ہوتا تو اس فرمائش پر توجہ ہی نہ کرتا اور اسی وقت جنگ کر دیتا۔

عمرو بن جراحؓ زبیدی نے کہا: خدا کی قسم! اگر یہ ترک اور دہلیز کے غلام بھی ہوتے اور ہم سے اس قسم کی فرمائش کرتے تو ہم ان کی بات قبول کرتے جب کہ یہ تو اولادِ پیغمبرؐ ہیں۔

عمرو بن جراحؓ زبیدی کی بات جنگ کی آگ کی طرح لشکر میں پھیل گئی اور سب نے عمروؓ کی رائے کو پسند کیا اور کہنے لگے عرب ہیں اور یہ ہمارے لیے بہت ننگ و عار ہے کہ اولادِ پیغمبرؐ ہم سے مہلت مانگے، امان طلب کرے اور ہم مہلت نہ دیں۔ عمرو بن سعدؒ نے جب یہ حالات دیکھے تو کہا: عمرو بن جراحؓ زبیدی کی رائے ٹھیک ہے۔ ہم حسینؓ کو آج رات مہلت دیتے ہیں۔

عصرِ تاسوعا امام حسینؓ کا خواب دیکھنا

سید علیہ الرحمہ نے لہوف میں لکھا ہے کہ جب حضرت قمر بنی ہاشمؓ سلام اللہ علیہ نے عمرو بن سعدؒ سے شبِ عاشور کی مہلت مانگی تو امامؓ نے اپنے بستر پر سر رکھا اور سو گئے اور عالمِ خواب میں روشن فضا اور صاف ہوا کو محسوس کیا۔ اسی وقت حضرت نبیؐ سلام اللہ علیہا امامؓ کے پاس بیٹھی تھیں اور شمع کی طرح بھائی کے غم اور دکھ میں پکھلتی جا رہی تھیں اور اپنی آستینوں سے بھائیؐ کو دھو رہی تھیں۔

بی بی تھیں، نیز بھائی کی شہادت کی فکر میں آنسو مر وارید کے دانوں کی طرح آنکھوں سے جاری تھے۔ انہی آنسوؤں کا ایک قطرہ امامؑ کے چہرے سے مس ہوا تو امامؑ خواب سے اٹھ بیٹھے، آنکھیں کھولیں اور بہن کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

بہن زینب!

بی بی نے عرض کیا: لیلیک یا اخی، جی میرے بھائی!

حضرتؑ نے فرمایا: بہن میری زندگی کا سورج زوال پذیر ہے اور میری روح کی پرواز کا دن میرے سر پر آ پہنچا ہے۔ آپؑ کی مصیبتوں کا ہلال طلوع ہو چکا ہے کیونکہ ابھی میں نے خواب دیکھا ہے اور رسول پاکؐ کی زیارت کی ہے، جدا مجھ، بابا، اماں اور بھائی سب اکٹھے آئے تھے اور مجھے فرمایا:

يَا حُسَيْنَ اِنَّكَ رَاَيْتَ اِلَيْنَا عَنْقَرِيْبٌ ”اے حسین! آپؑ بہت جلدی ہمارے پاس آنے والے ہو“۔
فَلَطَمْتَ زَيْنَبَ وَجْهَهَا وَصَاحَتْ وَبَكَتْ ”امام حسینؑ کا خواب سنتے ہی بی بی نے چہرے پر ماتم کیا، نوحہ پڑھا
مست کر یہ فرمایا۔“

امام حسین علیہ السلام نے بہن کو تسلی دی کہ بہن صبر کرو کیونکہ دشمن ہمارے صبر اور حوصلے کا امتحان لے رہا ہے۔ رونا
تو ہے، یہ فطری عمل ہے، لیکن بچوں اور عورتوں کے سامنے نہ روؤ، ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔
اے میری بہن! تیرے بھائی حسینؑ نے اس دنیا سے دل اٹھالیا ہے اور اس دنیا سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہے، یہ دنیا
میں ساری عمر درد، رنج اور مصائب کو دیکھا، کس کام کی ہے؟ کیا فائدہ اس زندگی کا؟ پس یہی بہتر ہے کہ اس دنیا
سے تمہ بند کر لوں۔ پھر امامؑ نے اپنی بہن کے سر و صورت پر ہاتھ پھیرا جس کی برکت سے بی بی پاکؑ کے دکھی دل کو تسلی اور
عمل ہوا۔

شب عاشور کے واقعات

اس تاریک اور ظلماتی رات میں کربلا کی زمین پر بہت سے واقعات ہوئے جن میں سے چند ایک ذکر کیے جائیں گے۔

بیعت کا اصحاب سے اٹھا لیتا اور اصحاب کا اظہار وفاداری

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں مروج الذهب سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے تو امام نے دو ہزار ایک سو شخص تھے۔ صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ تا سوعا کے وقت غروب آفتاب کے وقت امامؑ نے عمرہ میری کرسی کھلے آسمان تلے میدان میں رکھیں۔ پھر اصحاب اور اہل بیتؑ کے جوانوں کو بلایا اور جب سب جمع ہوئے تو حضرت ارشاد فرمایا:

”میں خدا کی تعریف و ستائش کرتا ہوں اور اس کی مخفی و ظاہر دونوں صورت میں حمد کرتا ہوں اور خدا کا احسان سے پہلے دن سے ہمیں عزت دی اور پیغمبری ہم میں عنایت فرمائی، قرآن کی تعلیم ہمیں دی اور دین میں فقیہ بنایا اور سننے کا، دیکھنے والی آنکھیں اور وسیع قلب عطا فرمائے۔ اے میرے اللہ! ہمیں اپنے شاگردوں میں سے قرار دے۔

أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَصْحَابًا أَوْفَى وَلَا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِي وَلَا أَهْلَ بَيْتِ ابْنِ وَرَاقَةَ
أَوْصَلَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكُمُ اللَّهُ عَنِّي خَيْرًا . أَلَا وَإِنِّي لَا أَظُنُّ يَوْمًا لَنَا مِنْ هَؤُلَاءِ
أَلَا وَإِنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَكُمْ فَاَنْطَلِقُوا جَمِيعًا فِي حِلٍّ لَيْسَ عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِمَامٌ

”میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر کوئی اصحاب نہیں دیکھے۔ میں نے اپنے اہل بیتؑ سے زیادہ نیک اور اصل کوئی اہل بیتؑ نہیں دیکھے۔ پس خدا میری طرف سے تم سب کو اچھا اجر اور انعام عطا فرمائے۔

اے میرے صحابہ! کل ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ یہ قوم ہمیں اور دن نہیں دے گی لہذا جان لو کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور اپنی بیعت تمہارے کندھوں سے اٹھا لیتا ہوں، پس جدھر جی چاہے چلے جاؤ۔“

هَذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخَذُوهُ جَمَلًا ثُمَّ لِيَاخُذَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ
أَهْلِ بَيْتِي ثُمَّ تَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُمْ وَمَدَايِنِكُمْ حَتَّى يَفْرَجَ اللَّهُ

”ابھی رات کی تاریکی تمہیں چھپالے گی لہذا اس تاریکی کو اپنا مرکب اور سواری بنا لو اور تم میں سے
ہر ایک شخص میرے اہل بیت کے ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر کل کے ظلم و تشدد سے دور لے
جائے۔ تم اپنے شہروں میں چلے جاؤ، خدا تمہارے لیے مشکلات کو آسان کر دے گا اور مجھے اس لشکر
کے پاس چھوڑ دو، یہ صرف میرے دشمن ہیں۔“

فَإِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يَطْلُبُونِي وَلَوْ قَدْ أَصَابُونِي فِي الْهَوَاءِ عَنْ طَلَبِ غَيْرِي
”یہ قوم میرے علاوہ کسی کی طالب نہیں ہے، یہ مجھے کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔ اگر میں ہوا میں
چلا جاؤں تو بھی میرا خون بہائیں گے۔“

حضرت عباسؓ کا اظہارِ وفاداری

جب امام حسینؓ کا کلام یہاں تک پہنچا تو حضرتؓ کے اصحاب نے زار و قطار گریہ کیا اور سب سے پہلے جو شخصیت اٹھ
کھڑی ہوئی وہ حضرت عباسؓ تھے۔ حضرت عباسؓ اپنے بھائیوں، بھتیجیوں، چچا زاد بھائیوں کے ساتھ امام کے غربت کے لہجے
پر متاثر ہوئے اور تمام شہزادوں کی طرف سے یوں بیان فرمایا: اے ہمارے مولا اور سردار، خدا کی قسم! ہم یہ کام نہیں
کرتے۔ آپؓ کو دشمن کے حوالے کر کے خود یہاں سے چلے جائیں خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہوں اور آپؓ نہ
ہوئے وہ قدم چل جائیں اگر آپؓ کے آستانہ عالیہ سے دور ہوں۔ ہماری آنکھیں اندھی ہو جائیں اگر آپؓ کے جمال
کی نور کو دیکھیں۔

حضرت عباسؓ کے بعد باری باری تمام بھائی، بھتیجیوں اور بھانجیوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہم دل و جان سے آپؓ
کی یہ جس طرح حضرت ابوالفضلؓ نے ہمارے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

میرے سب کے جذبات دیکھے اور سنے اور ان کے حق میں دعا کی۔ پھر اپنا رُخ انور اور اولادِ عقیل کی طرف کر کے فرمایا:

يَا بَنِي عَقِيلٍ حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ فَادْهَبُوا أَنْتُمْ فَقَدْ أَذِنْتُ لَكُمْ

”اے بنی عقیل کی اولاد! تمہارے مسلم کا شہید ہو جانا اور ان کی شہادت کا مظلومانہ غم ہی کافی ہے۔
تمہیں اجازت ہے کہ اپنے وطن جاسکتے ہو۔“

عبداللہ بن مسلم کا اظہار وفاداری

جناب عبداللہ حضرت مسلم بن عقیل کے بڑے فرزند آگے بڑھے اور عرض کیا:

سُبْحَانَ اللَّهِ فَمَا يَقُولُ النَّاسُ ، يَقُولُونَ أَنَا تَرَكَنَا شَيْخَنَا وَسَيِّدَنَا وَبَنِي عِمُومَتَنَا خَيْرِ
الْأَعْيَامِ وَلَمْ نَرَمْ مَعَهُمْ بِسَهْمٍ وَلَمْ نَطْعَنْ مَعَهُمْ بِرُمْحٍ وَلَمْ نَضْرِبْ مَعَهُمْ بِسَيْفٍ وَلَا
نَدْرِي مَا صَنَعُوا لَا وَاللَّهِ فَانْقَعَلْ وَلَكِنْ نُفْدِيكَ بِأَنْفُسِنَا وَأَمْوَالِنَا وَأَهْلِينَا وَنُقَاتِلُ
مَعَكَ حَتَّى نَرِدَّ مَوْرِدَكَ فَقَبَّحَ اللَّهُ وَالْعَيْشَ بَعْدَكَ

”اے رسالت کے نور! معاذ اللہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے کہ آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ خدا کے
علاوہ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے چچا اور چچا زاد بھائی سے آنکھیں بند کر لیں، نہ
اُن کے ساتھ مل کر تیر چلائیں، نہ نیزے اور نہ میدان میں گھوڑے دوڑائیں اور نہ ہی دشمن پر تلوار
کے وار کریں، ہم آپ کو چھوڑ دیں یہ ممکن نہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہمارے آقا و سردار پر کیا
ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں یہ کام ہم نہیں کریں گے بلکہ اپنے اموال، اپنے خاندان اور اپنے نفوس کو آپ پر
قربان کر دیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ کریں گے حتیٰ کہ جس راہ پر آپ
جائیں گے ہم بھی اسی راستہ پر چلیں گے۔ بد بخت ہے وہ زندگی جو آپ کے شہید ہونے کے بعد
ہو۔“

جناب مسلم بن عوجہؓ کا اظہار وفاداری

اہل بیت کے بعد اصحاب میں سے پہلے شخص مسلم بن عوجہؓ اُٹھے اور سینہ پر ادب کا ہاتھ رکھ کر عرض کیا: رسول!
إِنَّا نَحْنُ نُخْلِي عَنْكَ وَقَدْ أَحَاطُوا بِكَ فَبِمَا تَعَذَّرُ إِلَى اللَّهِ فِي آدَاءِ حَقِّكَ ”کیا ہم جاننا آپ کے
چھوڑ کر چلے جائیں اور آپ کو ان اشرار کے درمیان چھوڑ دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا عذر اور بہانہ تلاش کریں گے
خدا کی قسم! آپ کے دامن کو کبھی نہ چھوڑیں گے جب تک نیزوں سے دشمنوں کے سینوں کو چھلنی نہ کر دیں اور تو
دشمنوں کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیں، ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ ان بد بخت لوگوں سے جنگ کریں گے، اور اگر ہمارے
ختم ہو جائیں گے، تلواریں، تیر، نیزے ٹوٹ جائیں گے تو خدا کی قسم ہم ان دشمنوں سے پتھروں کے ذریعے لڑتے رہیں گے۔
خدا کی قسم! ہم آپ کی غلامی سے سرنہیں اٹھائیں گے حتیٰ کہ ہم ثابت کر دیں گے کہ پیغمبر کی غیبت میں ان

خدمت کیسے کی جاتی ہے۔

خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی راہ میں قتل ہوں گا، پھر زندہ ہوں گا اور پھر قتل کیا جاؤں گا اور میرے جسم کو تباہ کر دیا جائے گا اور پھر خاکستر کو ہوا میں اُڑا دیا جائے گا اور اس طرح ستر مرتبہ کیا جائے تو بھی آپ سے میری محبت ستر مرتبہ آپ کے قدموں میں شہادت پانا سعادت سمجھوں گا۔

— میرے مولا! میں کیوں ایسا نہ کروں حالانکہ جان دینا ایک سانس لینے سے زیادہ نہیں اور پھر آپ کی خدمت میں ستر نور سکون ہوگا۔

سید مرتضیٰ قین کا اظہارِ وفاداری

میں نے بعد زہیر بن قین اٹھے اور عرض کیا:

وَاللّٰهُ لَوَدِدْتُ اِنِّیْ قُتِلْتُ ثُمَّ نُشِرْتُ ثُمَّ قُتِلْتُ حَتّٰی اُقْتَلَ هَكَذَا اَلْفَ مَرَّةٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَدْفَعُ بِذٰلِكَ الْقَتْلِ عَنْ نَفْسِیْ وَعَنْ اَنْفُسِ هٰؤُلَاءِ الْفِتَیّانِ مِنْ اَهْلِ بَیْتِکَ
”خدا کی قسم اگر آپ کی محبت میں قتل ہو جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر قتل ہو جاؤں اور اسی طرح ہزار مرتبہ بھی قتل ہونا پڑے تو قتل ہونا رہوں گا لیکن آپ کی غلامی سے سرتہ اٹھاؤں گا۔ اے خدایا! اے
یا الہا! ان فاطمی جوانوں اور علوی نوجوانوں کو صحیح و سالم محفوظ رکھ۔“

سید مرتضیٰ بن عبد اللہ الحنفی کی اظہارِ وفاداری

میرے سید نے لبوف میں لکھا ہے کہ پھر سید مرتضیٰ بن عبد اللہ الحنفی اٹھے اور عرض کیا: اے فرزندِ رسول! خدا کی قسم! ہم کبھی مجبور نہ کریں گے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے پیغمبر کی اولاد کے بارے میں اُن کی نصیحت پر عمل کیا ہے۔
یہ بھی معلوم ہو کہ میں آپ کی محبت میں قتل ہوں گا، پھر زندہ ہوں گا، پھر مجھے جلایا جائے گا اور میرے جسم کی خاکستر کو بجائے گا اور اس طرح ستر بار بھی کیا جائے تو پھر بھی آپ سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپ کی رکاب میں شہید ہو جاؤں گا۔ یہاں تک کہ جب کہ جانتے ہیں کہ ایک دفعہ قتل ہونا ہے پھر تو ہمیشہ کی زندگی ہے۔

شیر بن عمرو خضریٰ کا اظہارِ وفاداری

۴۔ علیہ السلام کے خاص صحابیوں میں سے شیر بن عمرو اٹھے اور عرض کیا:

اَكَلْتَنِي السَّبَاعُ حَيًّا اِنْ فَاَرَقْتُكَ وَاَسْتَلُّ عَنْكَ وَاَخَذْتُكَ مَعَ قَلَّةِ الْاَعْوَانِ لَا يَكُوْنُ هَذَا اَبَدًا

”صحرائی درندے مجھے نوح نوح کر کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں اور تجھے رسوا کروں، جب کہ نہ آپ کے دیوانے تھوڑے ہیں، دشمنوں کے چنگل میں نہیں چھوڑ سکتا۔“

بشیر کے اظہار وفاداری کے بعد دیگر اصحاب میں برداشت ہی ختم ہو گئی اور ایک دم سب کھڑے ہو گئے اور۔۔۔

مرحوم سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ اسی دوران میں بشیر بن عمرو خضریٰ کو اطلاع ملی کہ آپ کے فرزند زید (خضریٰ) کوڑے کی سرحد پر گرفتار کر لیا گیا ہے اور زنجیر اور طوق پہنا کر قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ بشیر اس اطلاع سے۔۔۔ ہوئے لیکن فرمایا کہ اس کی اور اپنی گرفتاری کو خدا کی راہ میں قبول کرتا ہوں، اگرچہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں زندہ۔۔۔ گرفتار اور قیدی ہو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مَرَجَمَكَ اللّٰهُ اَنْتَ فِیْ حِلِّ مِنْ بَیْعَتِیْ فَاَعْمَلْ فِیْ فَکَاکَ اِیْنُکَ ”تم پر رحم ہو، میں تم سے بیعت اٹھا لیتا ہوں تم آزاد ہو اور اپنے بیٹے کو آزاد کرانے کی کوشش کرو۔“

بشیر نے عرض کیا: اگر میں آپ کو چھوڑوں تو صحرائی درندے مجھے زندہ نوح نوح لیں گے۔

امام نے اُسے دعا کی اور حکم دیا کہ پانچ قیمتی لباس لائے جائیں۔ ان لباسوں میں سے ایک ایک لباس کی قیمت ہزار اشرفی تھی۔ حضرت نے یہ لباس بشیر کو دیے کہ اپنے دوسرے بیٹے کو یہ لباس دو تاکہ تمہارے اسیر بیٹے کی رہبان کرے۔

بے وفا صحابہ کا چھوڑ جانا

شبہ عاشور امام علیہ السلام نے اپنے یار و انصار کو جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد امتحان اور آزمائش فرمایا: ہم اہل بیت رسالت دھوکا اور منکر کرنے والے نہیں ہیں۔ سب جان لو کہ کل میں قتل ہو جاؤں گا اور جو فتنہ۔۔۔ ساتھ رہا وہ بھی قتل ہو جائے گا۔ ابھی فرصت اور وقت ہے کہ جو فتنہ جانا چاہے وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا۔۔۔ جائے۔ چند لوگ جو وفادار نہ تھے انھوں نے اپنا سامان اٹھایا اور کاروان حسینیٰ کو شب کی تاریکی میں چھوڑ دیا اور بھاگ۔۔۔ باقی رہ گئے۔

مہربان کتاب نور الحق نے اس واقعہ کو جناب سیدہ سکینہؓ خاتون کی زبان سے یوں لکھا ہے کہ بی بی نے فرمایا:
 نہ عاشورا ہوئی تو چاند کی چاندنی تھی، میں اپنے خیمہ میں بیٹھی تھی کہ مجھے پیچھے سے رونے کی آواز آئی۔ اس رونے کی
 آواز نے مجھے بہت متاثر کیا اور بے اختیار میرے آنسو جاری ہو گئے اور دل غم سے بھر گیا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت قابو
 رکھا۔ باز بلند گریہ نہ کروں پس میں نے آنسو صاف کیے تاکہ میری بہنیں اور دیگر خواتین مطلع نہ ہوں۔ حیران دل اور
 حیرت خیز چہرے سے خیمہ سے باہر نکلی اور گریہ کی صدا کی طرف چلی تو ایک مقام پر دیکھا کہ میرے بابا کے ارد گرد ان کے تمام
 بھائی بیٹے ہیں اور وہ گریہ کی آواز جو مجھے سنائی دی تھی میرے بابا کی تھی کہ رو بھی رہے تھے اور فرماتے تھے: اے میرے
 بھائی یہ جان لو کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے اس سفر میں میرے ہمراہی بنے ہو۔ اور تم جانتے تھے کہ میں ایسی قوم کی
 رہا ہوں کہ جنہوں نے دل و زبان سے میری بیعت کی اور مجھے اپنا امیر بنایا اور دعوت دی لیکن کچھ وقت کے بعد
 ہم میں یہ بات بھی آگئی کہ اسی قوم کی محبت میرے ساتھ دشمنی میں بدل گئی اور شیطان نے ان کے سینوں کو چیر کر
 دھو دھو دیا اور ان کے عہد ٹوٹ گئے۔

اے یارو انصار! جان لو! اس غدار اور مکار قوم کا مقصد سوائے میرے قتل کے اور کچھ نہیں ہے اور جو شخص میری حمایت
 کرے وہ بھی ضرور قتل ہوگا۔ میرے قتل کے بعد ان کا ارادہ ہمارے خیام کو لوٹنے اور ہرے اہل بیت کو قید کرنے کا ہے۔
 چہتہ ہوں کہ کوئی چیز تم سے مخفی نہ ہو بلکہ ہر بات کا تمہیں پہلے سے علم ہو اور اگر سب کچھ جانتے ہو تو پھر ممکن ہے کہ حیا اور
 شرم سے چلے جانے سے مانع ہو۔ ہم اہل بیت کے پاس مکر اور دھوکا نہیں ہے لہذا تمہیں باقاعدہ طور پر آگاہ کرتا ہوں کہ
 دشمنانہ جان کی کمین لگا کر بیٹھا ہے۔ جو شخص جانا چاہتا ہے تو رات کے آخری حصے کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن
 کے سے نکل جائے اور خطرے سے باہر ہو جائے، ابھی وقت ہے اور رات سے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں سے اپنی راہ لیں
 جے جے جائیں۔

اور جو شخص دل و جان سے ہماری مدد کرنا چاہتا ہے اور ہم سے مصیبتوں کو دور کرنا چاہتا ہے تو وہ کل بہشت میں ہمارے
 ساتھ ہو گا اور غضب خدا سے محفوظ ہوگا کیونکہ مجھے اپنے نانا نے خبر دی ہے کہ میرا حسینؓ غربت، تنہائی اور پیاس کی حالت میں
 نہ زمین پر بے گناہ مارا جائے گا، جو شخص اس کی مدد کرے گا ہماری مدد کرنے والا ہے اور ہمارے بیٹے قائم آل محمدؑ
 کے والد ہے اور جو شخص محض زبان سے ہماری مدد کرتا ہے تو بھی ہمارے ساتھ مشور ہوگا۔

جناب سکینہؓ خاتون سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میرے بابا کا ابھی کلام ختم نہ ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بے وفا لوگ دس
 گروہوں میں میرے بابا کو چھوڑ کر جانے لگے اور صحرا میں بکھر گئے حتیٰ کہ بہتر سے زیادہ باقی نہ بچے۔ بے

وفا صحابیوں کے چھوڑ جانے کے بعد میں نے اپنے مظلوم بابا کو دیکھا کہ سر زانو پر رکھا ہے کہ شاید لوگ جانے میں شرم محسوس نہ کریں۔ پس ان لوگوں کی بے وفائی، بے حیائی اور بابا کی غربت پر بے اختیار میرا گریہ گلوگیر ہو گیا اور دل میں ایسا درد حسرت ہوا کہ میری روح پرواز کرنے والی تھی۔ میں نے اپنے دکھ کا اظہار یوں کیا: خدا یا! یہ لوگ جنہوں نے ہم سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اپنے امام کے نازک دل کو توڑا، زمین پر قرار نہ پائیں اور انھیں ہمارے جذب کی شفاعت سے محروم فرما۔

پھر میں اپنے خیمے میں آئی لیکن سکون نہ آتا تھا، آنسو بے اختیار جاری تھے۔ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ اسی دوران میں پھوپھی ام کلثوم کی نظر مجھ پر پڑی تو جلدی سے میرے پاس آئیں اور فرمایا: بیٹا! کیوں بے اختیار آنسو بہہ رہے ہیں۔ پھوپھی کے پوچھنے سے میرے مہر کے بندھن ٹوٹ گئے اور تمام باتیں جو سنی اور دیکھی تھیں ان کو بتا دیں۔ یہ سنتے ہی ان کے دل سے آہ نکل اور بین کیا: **وَأَجَدَّاهُ وَأَعْلِيَّاهُ وَاحْسَنَاهُ وَاحْسِينَاهُ وَأَقَلَّه نَاصِرَاهُ أَيْنَ الْخَلَاضِ بْنِ الْأَعْدَاءِ**۔ **حید بزرگوار! اے علی ابن ابی طالب! اے حسن و حسین! ہائے ہمارے ناصر بہت کم ہیں اور کب ان دشمنوں سے ہماری جانتی**۔

ہائے کاش کہ یہ قوم ہمارے سے حسینؑ کے بدلے فدیہ اور قربانی قبول کر لیتی! یہ قوم عورتوں اور بچوں کے سرگوشی طرح کاٹ دیتی اور ہمارے مظلوم اور غریب تنہا امامؑ کو چھوڑ دیتے۔ ان بیٹوں پر تمام مستورات حرم کا نالہ و فغاں بلند ہو۔ ماتم شروع ہو گیا۔ جب اس ماتم کی صدا امام علیہ السلام کے سماع مبارک میں پہنچی تو خیمہ میں آئے لیکن شدت اضطراب و فزع اندوہ کی وجہ سے حضرتؑ کی عبا زمین پر خط کھینچ رہی تھی۔ آپؑ نے درخیمہ پر پہنچ کر فرمایا: فَمَا هَذَا الْبُكَاءُ ”یہ ماتم اور گھسٹ کیا؟“

پھوپھی اماں نے دامنِ امام کو پکڑ کر فرمایا: يَا اَخِي رُدُّنَا اِلَى حَرَمِ جَدِّنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ”اے بھائی! ہمیں ::: حرم میں پہنچا اور اس غم و اندوہ سے نجات دلاؤ“۔

امامؑ نے فرمایا: لَيْسَ لِي ذَلِك سَبِيل ”اس کام کے لیے میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔“
 پھر بھی نے عرض کیا: اے بھائی! ان لوگوں کی یہ بے حیائی اور بے وفائی شاید اس لیے ہے کہ تمہارے باپؑ اور میں
 نہیں پہچانتے لہذا آپؑ اپنا حسب و نسب بتائیں۔ جد، باپ، ماں، بھائی غرض اپنے خاندان کا تعارف کرائیں۔

امامؑ نے فرمایا: خواہر جان! میں نے اپنے حسب و نسب سے آگاہ کیا ہے لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ لوگ صرف جو صرف میرا قتل چاہتے ہیں۔ وَلَا بُدَّ أَنْ تَرَائِي عَلَى الثَّرَى طَرِيحًا جَدِيدًا ”اے بہن! آپؑ نے ضرور دیکھنا ہے۔۔۔ بدن خاک و خون میں غلطاں ہوگا اور تیروں و نیزوں اور تلواروں کے زخموں سے جسم ہڈ ہوگا۔“

اے بہن! یہ خبر مجھے نانا اور بابا نے دی تھی اور کبھی پیغمبرِ و علیؑ کی خبر کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر مصیبت پر صبر کرنا۔ اَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ رَبِّ الْبَرِيَّةِ وَالصَّبْرِ عَلَى الْبَلِيَّةِ وَكَضْمِ نَزْوِلِ الرِّبَايَةِ مَعَ تَقْوَى، مصیبت پر صبر اور امتحان کے مقام پر حلم کی وصیت ہے۔“

صحابیوں کو جنت کا نظارہ کرانا

جب امام حسین علیہ السلام نے اصحاب سے بیعت اٹھائی اور فرمایا کہ ابھی وقت ہے اور رات کی تاریکی سے فائدہ ہے۔ چلے جاؤ اور اپنی جانیں محفوظ کرلو، یہ ظالم تو میرے دشمن ہیں۔ امامؑ کی اس اجازت پر کچھ بے وفا نے امام حسینؑ کے کارواں کو چھوڑ دیا اور باقی اصحاب باوفا صاحبِ مقدس امامؑ میں آخری دم تک ثابت قدم رہے اور جن باتوں پر ثبات قدمی پر خود امام حسینؑ نے فخر کیا ہے کہ ایسے صحابی کسی کو نہیں ملے جیسے وفادار مجھے ملے ہیں۔ ان اصحاب کو شہید کر دیا۔ جب امام حسینؑ نے یہ فرمایا کہ کل میں شہید ہو جاؤں گا اور جو بھی میرے ساتھ ہوں گے وہ سب بھی شہید کر دیئے جائیں گے۔ سب اصحاب باوفا نے عرض کیا: الْحَمْدُ لِلَّهِ شَرَّفَنَا بِالْقَتْلِ مَعَكَ ”خدا کی حمد ہے کہ ہمیں آپؑ کے ساتھ شرفِ شہادت سے مشرف فرمایا ہے۔“

امام علیہ السلام نے جب ان انصار اور اہل بیتؑ کے ثباتِ قدمی کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: اب تم اپنے سر بلند کرو اور جنت میں اپنے مقام و منزل کو دیکھو۔ سب نے سر آسمان کی طرف بلند کیا، تو منازل، محل اور حوروں کو دیکھا۔ اس وقت سے کہ شہادت تک اصحاب منوں کو شمار کرتے تھے کہ جلدی اس فانی دنیا سے نکل کر باقی رہنے والی بہشت میں جائیں۔ اس وقت رات اصحاب نے بہشت کے شوق میں آرام نہ کیا بلکہ ہر گھنٹے کو سال سمجھ رہے تھے۔ (ہر ایک کو جلدی تھی کہ صبح ہو تو جنت ملے اور بہشت میں پہنچیں) بلکہ ان اصحاب کو اپنے محلات اور حوروں کے پاس جانے کا اس قدر شوق تھا کہ ہر شخص جنگ بڑے بڑے بہادوروں کے سامنے ذرا بھر خوف نہ کھاتا تھا بلکہ شمشیر، نیزہ اور تیر کے زخموں کو محسوس بھی نہ کرتے تھے۔

امام حسینؑ خیام کی نئی ترتیب

شبِ عاشور کے پہلے حصہ میں امامؑ نے اپنے اصحاب میں خطبہ پڑھا اور ان کو وعظ و نصیحت کی۔ کچھ بے وفا چلے گئے۔ ثابت قدم رہے۔ جو ثابت قدم رہے ان کو جنت دکھائی۔ اس کے بعد امامؑ نے انہی ثابت قدم وفادار اصحاب کو حکم دیا کہ من بکھریے خیام کو ایک دوسرے کے نزدیک کر دو۔ اصحاب نے خیام کو اکٹھا کر دیا اور دوبارہ نزدیک نزدیک لگایا البتہ اب

حکمِ امامِ خیام کو ایک قلعہ کی شکل میں لگایا کہ درمیان میں خالی جگہ تھی اور خیام کی تین دیواریں تھیں یعنی تین قطاریں تھیں۔ ایک دیوار انہی دائیں ہاتھ والے خیمے کی تھی۔ دوسری دیوار بائیں ہاتھ والے خیام تھے اور تیسری دیوار پشت والے خیمے کے سامنے والے حصہ کو کھلا رکھا تاکہ لشکر کی طرف رخ ہو۔

امام حسین علیہ السلام اور خواص اہل بیتؑ کے خیام کے پیچھے حضرتؑ کے بھائیوں، بھتیجوں اور چچا زادوں کے خیمے تھے اور تمام خیام کا دروازہ اسی قلعہ نما میدان میں کھلتا تھا۔

خیام کے ارد گرد خندق کھودنا

اس نئی ترتیب سے خیام نصب کرانے کے بعد امامؑ نے حکم دیا کہ خیام کے تین طرف خندق کھودی جائے اور نہ لکڑیاں وغیرہ ڈال دی جائیں تاکہ بوقتِ ضرورت ان لکڑیوں اور حمیم کو آگ لگائی جاسکے جو دشمن کے خیام کی طرف کرنے سے مانع ہو۔ اس واقعہ کو شیخ صدوق نے امالی میں لکھا ہے۔

چند دشمنوں کا امامؑ سے ملحق ہو جانا

روایت میں ہے کہ عمر بن سعد نے شبہ عاشورا ایک گروہ کو خیام اہل بیتؑ کی طرف بھیجا تاکہ امامؑ اور ان اصحابؑ سے معلوم کریں۔ اس گروہ میں ایک عبداللہ بن عمر کوئی بڑا شجاع، لا پروا اور بے حیا شخص تھا۔ امامؑ اس رات یہ آیتِ حمد و ثناء پڑھ رہے تھے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِتْمَانًا نُّمَلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ إِنَّا نُمَلِي لَهُمْ لِيَزِدُوا إِتْمَانًا
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُنْذِرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ
الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اس بے حیا عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم وہ پاک لوگ ہم ہیں کہ جن کو تم سے امتیاز حاصل ہے۔

نذیر بن خضیر نے کہا: اے فاسق! کیا خدا نے تجھے نیک لوگوں سے بنایا ہے؟

اس ملعون نے نذیر کا نام پوچھا اور ایک دوسرے کو گالیاں دیں اور وہ واپس ہو گیا۔ اس گروہ سے ۳۲ اشخاص۔

حسینؑ کی اس آیت کی تلاوت کو سنا اور سمجھ کر اذلی سعادت حاصل کی اور امامؑ کے لشکر سے ملحق ہو گئے اور دیگر اصحابؑ کے ساتھ روزِ عاشورا شہید ہو گئے۔

نہ پانی طلب کرنا اور جنگ ہو جانا

صدر قزوینی نے شب عاشورا کے واقعات میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ جناب سیکنہ خاتون فرماتی ہیں: ہمارے پانی نہیں تھا اور ایک گھونٹ کے لیے بھی روح پرواز کرنا چاہتی تھی، تمام خیام میں پکڑ لگایا کہیں پانی نہ ملا تو مایوس و محروم تھی۔ میں نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس کی جب مڑ کر دیکھا تو بیس بچے میرے پیچھے آ رہے ہیں شاید انہیں سے چرن۔ بچے لیکن سب بچے پابہ نہ ننگے پاؤں، آنسو جاری، پیاس سے خشک ہونٹ، پریشان چہرے اور دشمن کے خوف سے رہے تھے۔ اسی دوران میں نمیر بن خضیر ہمدانی خیمہ کے قریب سے گزرے تو ان کی ننگے پاؤں بچوں پر نظر پڑی جو سر باس کی وجہ سے موت کے قریب تھے، تو ان کی حالت غیر ہو گئی، زمین پر گرے اور مٹی اٹھا کر سر میں ڈالی۔ عمامہ زمین میں جھینٹ دیا اور دل کی گہرائیوں سے اصحاب کو صدا کی کہ اے میدان شجاعت کے شیر و خیموں میں کیوں بیٹھے ہو، باہر نکل آؤ۔

اصحاب اور انصار ایک مرتبہ خیام سے باہر نکلے اور نمیر کے پاس دوڑ کر آئے اور عرض کیا: کیا حکم ہے؟ نمیر نے فرمایا: اے انصار! ہم زندہ ہوں اور ملتی و فاصمہ کی اولاد پیاس سے مرجائے تو کل خدا کو کیا جواب دیں گے؟ اصحاب نے نمیر کی گفتگو سنی تو ان کے دل کباب ہو گئے اور پوچھا کہ اب کیا کریں؟

نمیر نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص ایک ایک۔ بچ کا ہاتھ پکڑ کر فرات کے کنارے لے جائے اور پانی سے سیراب کرے۔ اگر اس دوران جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرو اور شہید ہو جاؤ۔

یحییٰ بن سلیم نے کہا: اے نمیر! یہ آپ کی رائے مناسب نہیں کیونکہ فرات کے کنارے فوج حفاظت پر مبنی ہوئی ہے اور نہ تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر یہ بچے ہمارے ساتھ ہوتے تو جنگ کی صورت میں یہ ضائع ہو جائیں گے ممکن ہے ان کو نیزہ لگ جائے تو پھر ساتی کوثر علیٰ اور فاطمہؑ کو کیا جواب دیں گے؟ بہتر یہ ہے کہ خود مرد مشکلیں لے کر نہر فرات پر جائیں، اگر پانی لے آئے تو ٹھیک اگر قتل ہو گئے تو وہ مطلوب ہے۔ اور ہم جناب فاطمہؑ کی اولاد کا فدیہ بن جائیں گے۔

نمیر نے کہا: یہ ٹھیک ہے، پس چار شجاع اور قوی ہمت جوان نکلے، مشکلیں اٹھائیں اور نہر فرات پر آئے۔ ابن سعد کے نے قدموں کی آواز سن کر پوچھا: کون ہو؟ اور کس کی تلاش میں آئے ہو؟ کس گروہ سے ہو اور کون سے لشکر سے آئے ہو؟ نمیر نے فرمایا: میں عربی ہوں، نام نمیر ہے، یہ میرے ساتھی پیاسے ہیں، ہم پانی پینے کے لیے آئے ہیں۔

حافظوں نے اسحاق ہمدانی رئیس لشکر کو اطلاع دی کہ نمیر ہمدانی پانی پینے آیا ہے؟ اسحاق نے کہا: وہ میرا رشتہ دار ہے پینے دو کوئی حرج نہیں۔ جب اجازت ملی تو نمیر اور ساتھی کامل اطمینان سے نہر فرات میں داخل ہوئے۔ جب فرات کے پانی کی نسیم اصحاب کے مشام میں پہنچی تو نمیر اور ساتھیوں کو اولاد فاطمہؑ کی تشنگی یاد آگئی اور وہ زار و قطار رونے لگے۔

نُمر نے کہا: مٹکیں بھرو اور جلدی خیاک کو چلیں۔

ایک موکل سپاہی نے نُمر کا یہ کلام سن لیا تو اس نے آواز دی: کیا تمہارا اپنا سیراب ہو جانا کافی نہیں کہ اس نے (نعوذ باللہ) کے لیے پانی لے جاتے ہو۔ ابھی میں اسحاق کو خبردار کرتا ہوں، اگر اس نے اجازت دی تو ٹھیک ورنہ جگہ ہوگی۔

نُمر نے التماس کی: اے شخص! میرے پاس آؤ میں تمہیں ایک قیمتی لباس دیتا ہوں، تم اسحاق کو نہ بتاؤ اور ہمیں رسولؐ کے لیے پانی لے جانے دو۔ اس شخص نے سمجھا کہ نُمر مجھے دھوکا دے کر قتل کرنا چاہتا ہے لہذا وہ بھاگا اور اسحاق کو نہ دی کہ نُمر پانی خیاں اہل بیتؑ میں لے جانا چاہتا ہے؟

اسحاق نے فوری ایک گروہ روانہ کیا کہ نُمر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ اگر نہ آئیں تو تلوار سے سب کو قتل کر دو۔ جب یہ گروہ پہنچا تو نُمر نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے کہا کہ مشکوں سے پانی اٹھیل دویا ہم تمہارا خون بہاتے ہیں۔

نُمر نے فرمایا: اِرَاقَةُ الدِّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ اِرَاقَةِ الْمَاءِ ”ہمارے خون بہانا ہمیں پسند ہے پانی بہانے سے۔“ ہائے افسوس! تم پر اسے بے غیر تو! ہم نے ابھی تمہارے فرات کا پانی چکھا بھی نہیں صرف دیکھا اور ہمیں آل محمدؐ پر یاس یاد آگئی تو ہم نے پانی پینا وفا کے خلاف سمجھا، اب پانی ان کے لیے لے جا رہے ہیں اگر تم نہیں لے جانے دو گے! مجبور ہیں کہ قتل کریں گے یا قتل ہو جائیں گے۔

بعض کو رحم آیا اور کہا: پانی نہ روکو ان کو پانی پینے دو اور لے جانے دو۔ ایک دو مشک کا پانی ان کو کیا فائدہ دے سکتا۔ یہ قوم پھر پانی کی وجہ سے تمنائے موت کرے گی۔ بعض نے کہا: یہ بات ٹھیک ہے لیکن امیر کے حکم کی مخالفت گناہ کبیرہ ہے۔ ان کو پکڑو اور پانی کو زمین پر اٹھیل دو۔

نُمر اور ساتھیوں نے ابھی ایک ہی مشک بھری تھی کہ فرات سے باہر آگئے کیونکہ وہ گروہ ان پر حملہ آور ہو گیا۔ بربر ساتھیوں نے مشک کو زمین پر رکھ دیا اور اس کے گرد حلقہ بنا لیا اور زانو زمین پر لگا کر مشک کے لیے ڈھال بن گئے۔ پھر نے مشک کو اپنی بغل میں لیا اور اظہارِ افسوس کیا کہ اولادِ پیغمبرؐ پیاسی ہے۔ اللہ ان لوگوں سے اپنی رحمت دُور کر دے جنہوں نے پانی کو اولادِ فاطمہؑ سے روک لیا۔ نُمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے لشکر کو روک لیا ہے تم مجھے اپنے گھیرے میں رکھ جنگ کرتے آؤ اور کسی کو مجھ تک اور مشک تک نہ پہنچنے دو۔ پس اس مقدس شخص نے مشک کو لیے ہوئے ساتھیوں کے چمچ میں اس مشک کی حفاظت کی۔ یزیدی ملعون بھی حملہ کرتے اور کبھی فرار کر جاتے تھے اور پتھر مارتے تھے اور تیر مارتے تھے۔

یہ قدم مشک خیاں کے قریب ہوتی گئی۔ اسی دوران میں ایک تیر مشک کے بند میں آ لگا اور یہ مشک بُر کی گردن میں تھی جسے اس تیر نے مشک کے بند کی بُر کے گلے میں سلائی کر دی اور خون دامن بُر سے گرنے لگا اور قدموں پر پڑنے لگا۔ بُر نے کہا کہ کیا کہ مشک میں تیر لگا ہے اور مشک چھو چکی ہے اور یہ مشک کا پانی ہے جو پاؤں تک گر رہا ہے بہت افسوس ہوا۔ پھر غور سے مدحہ کیا تو مشک سالم ہے اور یہ خون اس کے گلے کے حلقوم سے جاری ہے تو خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَرَقَتْ بَیْتِیْ فِدَاءً لِّقُرْآنِیْ ”اللہ کی حمد ہے کہ میری گردن کو اس مشک کا فدیہ بنا دیا تاکہ ساقی کوثر کے بیٹیوں کے سامنے حُسن نہ ہو۔“

پھر نعرہ لگایا: اے عثمانو! ہماری جانوں سے کیا چاہتے ہو، ایک مشک کی خاطر اس قدر فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ اے عثمان! اپنی تلواریں غلاف میں بند کر دو۔ جب بُر نے یہ نعرہ لگایا تو امام حسینؑ کے اصحاب نے سنا، فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر بُر کی حمایت میں پہنچے۔ ابن سعد کے گروہ پر حملہ کیا اور بُر اور ان کے ساتھیوں کو نجات دلائی اور ان کو خیاں کی طرف لے کر کمال وجد اور خوشی سے اس مشک کو در خیاں پر لائے گویا تاریکیوں سے سکندر کو نکال لائے ہوں یا خضر نے زم زم کی کاغذ لے دیا ہو۔ بُر نے فرماد کی: اے شہزادو! آؤ بُر تمہارے لیے پانی لایا ہے۔ بچوں نے آواز سنی تو ایک دوسرے کو بتایا کہ بچے لائے ہیں۔ تمام بچے تین چار سالہ ہرن کے بچوں کی طرح سر و پا رہنے بُر کی طرف دوڑے۔ بُر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ یہ کہتا: تجھے خدا کی قسم! میں بہت پیاسا ہوں مجھے پانی دینا۔ دوسرا کہتا: کہ پہلے مجھے دینا میں بہت پیاسا ہوں۔ بُر نے نہ سنیغت دیکھ کر حیران کھڑا تھا کہ کیسے پانی تقسیم کرے اور کس کو پہلے دے اور کس کو بعد میں؟ یہ خیال کیا کہ خیمہ کے آگے پر مشک رکھ دیتا ہوں کوئی مستور آئے گی اور بچوں میں پانی تقسیم کر دے گی۔ اسی غرض سے مشک کو دروازہ پر رکھ دیا۔ دور ہٹ گئے۔ جوں ہی بُر مشک سے دُور ہوئے تو بچوں پر پیاس کی اس قدر شدت تھی کہ بچے مشک کے اوپر گر گئے۔ بچے بہت سبز مشک پر رکھتا کہ ذرا ٹھنڈا ہو جائے، کوئی زبان رکھتا، کوئی ہاتھ رکھتا تو کوئی رخسار رکھتا۔ یہاں روایت کے لفظ یہ

وَرَمَیْنِ بِأَنْفُسِهِنَّ عَلَى الْقَرِیَةِ مِنْهُنَّ مَنْ تَلَصَّقَ فَوَادَهَا عَلَیْهَا فَلَمَّا كَثُرَ انْزِدَّ حَامِهِنَّ
وَحَرَكَتِهِنَّ عَلَیْهِ انْفَلَكَ الْعُرْكَاءُ وَأَمْرَیْقَ الْمَاءِ

”بچوں نے اس قدر مشک پر از دحام کیا اور مشک کو بلایا اور اس پر سوار ہو گئے کہ اچانک مشک کا تہہ کھل گیا اور پانی زمین پر بہہ گیا۔ پیاسے بچوں کے سامنے جب پانی زمین پر بہہ نکلا تو بچوں کی چیخیں نکل گئیں۔“

ہائے افسوس! نہیر آپ نے محنت بھی کی لیکن پانی زمین پر بہہ گیا۔ ہائے پیاس! ہائے جگر کی گرمی! ہائے گرمی! بہت خون۔ اعطش! اعطش!..... نہیر بہت دکھی ہوئے اور سر و صورت پر ماتم کرتے اور کہتے تھے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

نجات کی کشتی کے ۳۲ سوار

مرحوم صدر قزوینی نے لکھا ہے کہ اصحابِ حسینؑ کے نالہ و زاری اور مناجات اور تلاوتِ قرآن کی وحشی آوازوں۔ ابنِ سعد کے بعض لشکریوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور جو لوگ مجبوراً ابنِ سعد کے لشکر میں آئے تھے ان کے دلوں میں محبت۔ بیتِ جوئنی تھے کیونکہ کسی زمانہ میں وہ آلِ محمدؐ کے شیعہ تھے کیونکہ ان کی خلقت فاضل طینت سے تھی، نے ایسا اثر کیا۔ جوان کے دل کباب ہو گئے اور وہ ابنِ سعد کے لشکر سے نکلنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے کہ اصحاب کی مناجات نے ان۔ حسینؑ کی حالتِ غربت پر رُلا دیا اور کوفہ والوں کی بے رحمی پر تعجب کیا کہ کیا رسول کا اسلام منسوخ ہو گیا ہے، مسلمانوں کا خلیفہ بھانا کیسے حلال ہو گیا ہے کہ اب اولادِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے پر اُمت آمادہ نظر آتی ہے۔ یہ لوگ پیغمبرؐ کو کیا جواب دیں گے۔ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو اس مصیبت اور جہنم سے نکالیں اور نجات کی کشتی پر سوار ہو جائیں اور دین کو ذلیل و خوار نہ کریں۔ غم بھی سوچ رہے تھے اور تلاوتِ کلامِ پاک سن رہے تھے کہ اچانک تشیعِ باطنی نے روحانی طور پر ان کو گرم کیا اور ان کے خونِ حمیت نے جوش مارا اور ابنِ سعد کے لشکر کو چھوڑ کر امامؑ کے لشکر سے ملحق ہو گئے۔

امام علیہ السلام کے اصحاب نے اپنے تازہ مہمانوں کی خدمت کی اور وہ ۳۲ جوان خوش دل اور مطمئن ہو کر اس جنت سے آزاد ہوئے اور مرحبہ شہادت کی بزم میں بیٹھ گئے اور کل کا انتظار کرنے لگے۔

ہلال کی خیامِ امامؑ کی پہرہ داری

اس واقعہ کو علامہ قزوینی نے ریاض الاضرار میں صاحبِ ریاض المومنین سے یوں نقل کیا ہے کہ جب سے خاص۔ عبا کا ورود زمین کر بلا پر ہوا تو تمام غلاموں، انصاروں اور نوکروں سے سب سے زیادہ خدمت اور خلوص کی نوکری ہلال بنتِ جبلی کی تھی کیونکہ ہر وقت پروانوں کی طرح شمعِ جمالِ حسینؑ کے ارد گرد چکر لگاتا رہتا تھا اور سیدِ لولاک کے فرزند کی پاس بند تھا۔ وَكَانَ خَاتِمًا بَصِيرًا بِالنِّيَاسَةِ یہ حضرت جنگ کے آداب، طعن و ضرب کے رسومات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ صاحبِ مقتل ابی جھف کے بقول یہ ذوالِ احوال کے مشیر اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالبؑ کے پروردہ تھے۔ تیر اندازی میں۔ مثل اور جنگ کرنے میں بے مثال تھے۔ وہ اپنا اور اپنے باپ کا نام تیر کی نوک پر لکھتے تھے اور پھر تیر چلاتے تھے۔ اس۔ عاشور جب تمام اصحاب اپنی اپنی عبادت و مناجات میں مشغول ہو گئے تو ہلال بھی اپنے خیمہ میں اپنے اسلحہ کو صاف کر رہے۔

نے جالی تلوار کو نیام سے نکال کر تیز کر رہے تھے اور اپنے آپ سے یوں کہہ رہے تھے کہ اس رات سے زیادہ ہیبت والی سیر نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔

کر بلا کے تمام صحرا کو ابن زیاد کے لشکر نے بڑھ کر دیا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے خیم کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ہلال نے سہرا کہ ممکن ہے کہ رات کی تاریکی میں دشمن امام حسینؑ کے خیمہ پر شب خون مارے لہذا بہتر ہے کہ وہاں کھڑے ہو کر خیر کی حفاظت کریں اور پاسبانی کریں۔

ہن ہلال نے اپنی تلوار حماں کی اور امام حسینؑ علیہ السلام کے خیمہ کے دروازہ پر آیا تو دیکھا امامؑ نے چراغ جلایا ہوا ہے عبادت پر عبادت میں مشغول ہیں اور امامؑ کی حالت یہ تھی کہ کبھی تکیہ کا سہارا لیتے اور زنانے غم کو بغلوں میں دے دیتے و شہوہ کرتے ہیں اور خدا سے مناجات کرتے ہیں۔

م کہتے ہیں کہ کافی دیر حضرتؑ کو راز و نیاز، تضرع اور تلاوت قرآن میں مشغول دیکھا۔ پھر حضرتؑ نے تلوار اٹھائی سے بہر تشریف لے آئے اور لشکر مخالف کی طرف چل پڑے۔ میں نے بڑا تعجب کیا کہ ابن زیاد کے لشکر کی طرف سے ہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ میں ان کو تنہا چھوڑوں، چنانچہ میں سایہ کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے پرر کے اور کمین گاہ کو دیکھتے رہے، اسی اثنا میں ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ فرمایا: تم ہلال ہو؟

س نے عرض کیا: ہاں! خدا ہلال کو آپؑ پر قربان کرے، میں آپؑ کے پیچھے پیچھے چلا آیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ آپؑ نہ جا رہے ہیں، مولاً آپؑ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟

یہ السلام نے فرمایا: یہاں سے کمین گاہ کو دیکھا ہے کہ شاید دشمن یہاں نہ چھپا ہو اور ہمارے خیموں پر یہاں سے

ہ۔ جتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ وہاں سے واپس آئے اور میدان جنگ کو دیکھتے رہے جب کہ اپنی ریش اطہر سے چرا ہوا تھا اور زمین کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے: خدا کی قسم! یہ وہی زمین ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ ہے کہ میرے نوجوانوں کا خون اسی خاک پر بہہ جائے گا۔ پس امامؑ نے مجھے دیکھا اور فرمایا: اے ہلال! تم اس مقام پر جاؤ؟ اور ایک گھنٹہ مجھے تنہا چھوڑتے تاکہ اپنے آپؑ کی غربت اور اپنے جوانوں کی مظلومیت پر جی کھول سکو۔ کیونکہ کل رونے کا وقت اور طاقت نہ ہوگی۔

ہ۔ کہ ہے کہ میں نے خود کو امام حسینؑ علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری ماں سے بڑے، آپؑ کو کس طرح تنہا چھوڑوں حالانکہ میں نے تدار لگائی ہوئی ہے اور گھوڑے پر سوار ہوں۔ مولاً! میں

آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔

اس کے بعد ہلال کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ کچھ دیر اپنے مقتل کی گود میں آہ و بکاہ کرتے رہے اور پھر طرف توجہ فرمائی، میں نے خیال کیا کہ اب دیکھوں امامؑ کہاں جاتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ خیام سے گزرتے ہوئے سیدھے بہنِ زہنبؑ کے خیمہ میں چلے گئے۔ جنابِ زہنبؑ خاتون نے جب بھائی کو دیکھا تو استقبال کے لیے کھڑی ہوئی۔ مسند بچھائی اور امامؑ کو مسند پر بٹھایا۔ امامؑ نے بہن کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور وصیتیں کرنا شروع کر دیں اور کل کے مصائب و واقعات بیان فرمانے لگے۔

ہلال کہتا ہے: اچانک میرے کانوں پر جنابِ زہنبؑ کے رونے کی آواز آئی اور دھکی لہجہ میں فرمایا: **يَا آخِذْ مَصْرَعَكَ وَابْتَغِ بِرِعَايَةِ هَذِهِ الْمَدَائِعِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْقَوْمِ كَمَا تَعْلَمُ** ”حسینؑ جان! میں کیسے طاقت رکھتی ہوں گی کہ آپؑ کے ناز پر درجسم کو خاک پر پڑا دیکھوں گی اور ان بے مظلوم عورتوں کی حفاظت کیسے کروں گی حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہمارا نبض ہے۔ اے بھائی! میں کیسے پاک و پاکیزہ جوانوں کی لاشیں خاک پر دیکھوں گی، کاش مجھے ماں نے پیدا نہ کیا ہوتا۔ حضرتؑ نے بہن کو تسلی دی اور صبر کی تلقین کی۔ پھر حضرت زہنبؑ نے عرض کیا: اے بھائی! کیا اب اپنے اصحاب مطمئن ہو؟ ان کا امتحان کر لیا ہے؟ آپؑ کو معلوم ہے کہ ان کا آپؑ کے بارے کیا خیال ہے؟ مجھے خوف ہے کہ کل جب آپؑ کی آگ بھڑکے، نیزے بلند ہوں، تلواریں چلنے لگیں تو ایسا نہ ہو کہ اصحاب آپؑ کو دشمن کے حوالے کر دیں اور خود سلاطین بن جائیں۔

امام علیہ السلام بہن کی یہ دھکی بات سن کر روئے اور پھر فرمایا: میں نے اپنے اصحاب کا امتحان کر لیا ہے۔ **لَيْسَ إِلَّا الْأَفْسَرُ الْأَشْرَسُ يَتَنَافِسُونَ بِالْمُنْيَةِ كَأَسْتَيْنَاسِ الْوُفْلِ بَلْبَنِ أُمِّهِ** ”میرے سب اصحاب بہادر اور ہیں۔ یہ اصحاب اپنی جانوں سے بیزار ہیں اور موت کے اس قدر طالب ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کے دودھ سے مانوس ہوتا۔ ہلال کہتا ہے: جب میں نے بی بی زہنبؑ سلام اللہ علیہا کی کلام سنی تو صبر نہ کر سکتا تھا، مجھ پر غربتِ اولادِ علیؑ کی گریہ طاری ہو گیا۔ میں اصحاب کے پاس آیا تاکہ ان سے جنابِ زہنبؑ کی بے چینی کا ذکر کروں۔ خیام اصحاب دروازے پر حبیب ابن مظاہر سے ملاقات ہوئی کہ یہ ضعیف روشن ضمیر خیمہ میں چراغ جلائے ہوئے ہیں اور برہنہ ہو کر خطاب کر کے کہہ رہے ہیں: **إِيهَا الصَّامِرُ اسْتَعِدَّ جَوَابًا** ”اے تلوار! اب اپنی مار دکھانے کے لیے تیار ہو جاؤ، میں جیسے دن کے لیے تجھے سنبھال کے رکھا تھا۔“

بذل کہتا ہے: میں حبیب کے پاس گیا، سلام اور جواب سلام ہوا۔ حبیب نے پوچھا: اے بھائی! اس وقت کیوں اپنا جھینڈ کر میرے پاس آئے ہو؟ ہلال نے تمام تفصیلات بتائیں اور یہاں تک کہا: اے حبیب! ابھی حسین جب بہن کے سر گئے تو زینب سلام اللہ علیہا نے خوف اور وہم کا اظہار کیا گویا ابھی تک ہم سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ فرما رہی تھیں: مجھے اتنے کھل یہ اصحاب آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے خود سلامتی سے نکل جائیں اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں۔

ع حبیب! جب جناب زینب کو ہمارے بارے یہ گمان ہے تو پھر تمام مستورات کے ذہنوں میں یہی خیالات آتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انھیں، اصحاب کو جمع کریں اور امام علیہ السلام کی بہن کے خیمے میں موجودگی میں درخیام اہل بیت پر چلے۔ ہر تمام مستورات اور دختران زہراء کے سامنے اپنی نوکری اور وفاداری کا ثبوت دیں تو شاید ان رسول زادوں کے دلوں سے متعلق گمان مٹ جائے کیونکہ جو حالت بی بی زینب کی میں دیکھ کر آ رہا ہوں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حبیب نے کہا: یہ بالکل ٹھیک ہے اور فوری طور پر اٹھے، اصحاب کو آواز دی: یَا أَبِطَالُ الصَّفَا! اے شجاعو اور بہادرو! خیمے سے نکلو۔ جوں ہی حبیب کی آواز آئی تو جوانان ہاشمی بہت جلدی خیام سے باہر نکلے اور کہا: حبیب کیوں بلا رہے

حبیب نے عرض کیا: اے ہمارے سردارو! میں نے تمہیں نہیں بلایا، آپ نے زحمت کی، آپ لوگ واپس چلے۔ میں نے اصحاب کو بلایا ہے۔ پس حبیب نے دوسری مرتبہ آواز دی: یَا أَصْحَابَ الْحَبِیَّةِ وَلِیُّوْثَ الْکَرِیْمَةِ! اے دوستو اور جنگی شیرو! آؤ۔ تو اصحاب اپنے خیام سے دوڑ کر نکلے اور حبیب کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا: کیوں

حبیب نے فرمایا: اے دوستو! ہمارے آقا کی بہن، حرم کبریا کی ناموس اور دیگر مخدرات عصمت کو خوف ہے کہ کل تم دشمنوں میں اکیلا چھوڑ دو گے اور خود سلامتی سے چلے جاؤ گے۔ وہ اس دکھ میں رو رہی ہیں، اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ در کیا کل ہمارا یہی حال ہوگا جو ان پاک بیبیوں کے خیال و گمان میں ہے؟

جوں ہی باغیرت اصحاب نے حبیب سے یہ بات سنی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور خلوص کا پسینہ آ گیا۔ فَجَرُّوْهُ مِنْهُمْ وَرَمَوْهُمَا بَيْنَهُمْ ”تو اوروں کو غلافوں سے نکال لیا اور عمامے اتار کر زمین پر پھینک دیئے۔“ اور کہا: اے حبیب! تمہیں پاک کی قسم جس نے ہم پر احسان کیا کہ اس صحرا میں امتحان میں مبتلا کر دیا ہے اور سید الشہداء کی غلامی کا شرف بخشا ہے۔ تم سے ہر گز بے وفائی نہ ہوگی۔

خدا کی قسم! تم دیکھو گے کہ ہم ان آگ نکالنے والی تلواروں سے دشمنوں کی موٹی گردنیں اڑا دیں گے اور ان کو ان کے

بزرگوں سے جہنم میں ملحق کریں گے اور جب تک ہماری جانوں میں جان رہے گی، رسول پاکؐ کی اولاد کے بارے میں کھلم کھلا کریں گے۔

حبیبؑ نے فرمایا: اگر تمہاری یہ کیفیت ہے تو میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں جنابِ نسبؑ کے خیمے کے پاس لے جاؤں گا تاکہ تمہاری ثابت قدمی کو ان تک پہنچاؤں شاید خوف اور پریشانی جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں کے دل سے نکل جائے۔

اصحاب نے کہا: ہم حاضر ہیں تو حبیبؑ ان کمر بستہ اصحاب کو آہستہ آہستہ اہل حرم کے خیمے کے دروازے پر لے گئے۔ اصحاب نے عرض کیا: ”يَا اَهْلَنَا وَيَا سَادَتَنَا“ اے ہماری سردار بیویو! اور محترم مستورات اور حرمِ ولایت کی پردہ دارو! تمہارے کے نوکر، غلام ہیں، ہمارے ہاتھوں میں یہ تلواریں ہیں اور یہ تلواریں اب غلافوں میں نہیں جائیں گی بلکہ آپؑ کے دشمنوں کے جسموں میں جائیں گی اور یہ ہمارے نیزے سوائے آپؑ کے دشمنوں کے سینوں کے اور کہیں نہیں جائیں گے۔

حضرتؑ نے جب اپنے اصحاب کی آواز سنی تو فرمایا: اے میری بہن! سنا ہے میرے صحابہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے نہیں کہا تھا کہ اصحاب کو مجھ سے محبت اور وابستگی ہے، یہ مجھ سے جدا نہ ہوں گے جب تک مجھ پر اپنی جانیں قربان نہ کریں۔ اب دیکھو! یہ آئے ہیں تاکہ آپؑ کے دل سے خوف اور ڈر ختم ہو جائے۔ تمام بیبیوں نے اصحاب کا شکریہ ادا کیا اور تہنیت سے ہر بی بی بھی فرما رہی تھی: اے عالم کے نیک اصحاب! آدمؑ کی پاک اولاد ہم پیغمبرؐ کی ناموس اور فاطمہؑ کی عصمت ہماری حمایت کرو اور دشمنوں میں چھوڑ کر نہ جانا، اگر چھوڑ گئے اور نامحرموں نے ہماری چادروں کو ہاتھ لگایا تو اس کا جواب خدا کو کیا دو گے؟

حبیبؑ اور اصحاب نے جب یہ حالت دیکھی اور بیبیوں کی آہ و فرياد سنی تو اپنے سر نیچے کر لیے اور دل میں اس نغمہ کو گایا کہ زمین ان کے نالہ و فغاں سے کانپ اٹھی۔

صبحِ عاشور اور امامؑ کی نمازِ باجماعت

یہ نہ درد اور قیامت خیز رات بالآخر ختم ہوئی اور روزِ عاشور کی صبح صادق کی سفیدی ظاہر ہونے لگی۔ ادھر امامؑ کو نہ مہلت کی رات کی مدت بھی ختم ہو گئی۔ اس دوران میں غزدہ، پریشان اور مضطرب، دکھی دل اور چہرے سے اُفتخِ صبح پر نہایت کلمہ استرجاع پڑھا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اچانک اپنے شہزاد علی اکبرؑ کی اذان کی آواز کان میں گونجی۔ حضرتؑ نے خود کو نمازِ صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لیے توجہ کیا اور خیمہ سے باہر نکلے۔ جوں ہی دین کے آفتاب، سلطانِ حجاز نے نماز کے لیے اُفتخِ خیمہ سے طلوع کیا تو تمام اصحاب۔

مشرکوں کا جلدی جلدی اپنے خیام سے نکلے اور سب امام کے پیچھے صف بستہ ہو گئے تاکہ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھا کر سکیں۔

اس پڑ بلا دشت اور پڑ آشوب بیابان میں ایسے خالص نمازی تھے کہ فرشتوں نے ان کی نماز دیکھ کر آسمانوں پر گریہ کیا۔ اس جماعت میں شریک ہر شخص جانتا تھا کہ یہ میری آخری نماز اور حق سے وداع ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص اپنی نماز پڑھ رہا ہو وہ کس قدر خلوص سے نماز پڑھ رہے ہوں گے۔

کمال الزیارات میں مرحوم ابن قولیہ قمی نے طبری سے اور اس سے امام جعفر صادق علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ نے فرمایا: إِنَّ الْحُسَيْنَ صَلَّي بِأَصْحَابِهِ صَلَوةَ الْغَدَاةِ ثُمَّ التَفَّتْ إِلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ فِي صَلَاتِكُمْ بِالصَّبِيرِ "جب امام حسینؑ نے اپنے باوقاف صحابہ کو نماز جمع پڑھا لی تو ان باوقاف صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا نے تمہیں جنگ کی اجازت دے دی ہے، اٹھو اور جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ ادھر جبرائیلؑ نے آسمان وزمین کے سحرے ہو کر فریاد کی: يَا خَيْلَ اللَّهِ إِرْكَبِي "اے لشکرِ خدا اور انصاریں! سوار ہو جاؤ۔"

مرحوم صدر قزوینی اپنی کتاب حدائق الانس میں فرماتے ہیں کہ روز عاشورہ جبرائیلؑ نے دو دفعہ یہ صدادی: ﴿مَجِّعْ كَيْدَ جَبَّارِ جَاهِلِيَّةٍ﴾

﴿جَبَّارِ عَاشُورَةَ عَزِيزِ ذُرِّهِ﴾ دوڑتے گھوڑے سے زمین پر آئے تو اس وقت بھی جبرائیلؑ نے یہ صدادی:

إِلَا يَا أَهْلَ الْعَالَمِ قَدْ قُتِلَ الْأَمَامُ وَابْنُ الْأَمَامِ أَخُو الْأَمَامِ أَبُو الْأَمَامِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ

بن ابی طالب

"اے اہل عالم، خبردار! امام قتل ہو گئے، جو خود امام، فرزند امام، امام کے بھائی، امام کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔"

﴿حَمْدُ خَلْقِ حَقٍّ وَشُكْرُ بَاطِلٍ﴾ کی صف آرائی

﴿شَادِ الْغَيْدِ﴾

وَأَصْبَحَ الْحُسَيْنُ فَعَبَّاءَ أَصْحَابِهِ بَعْدَ صَلَوةِ الْغَدَاةِ وَكَانَ مَعَهُ اثْنَانِ وَثَلَاثُونَ فَارِشًا وَتَرْبَعُونَ رَجُلًا فَجَعَلَ نُرْهِيرَ بَنِ الْقَيْنِ فِي مَيْمَنَةِ أَصْحَابِهِ وَحَبِيبِ بْنِ مَظَاهِرِ فِي مِيسَرَةِ أَصْحَابِهِ وَأَعْطَى رَأْيَتَهُ الْعَبَّاسَ أَخَاهُ وَجَعَلُوا الْبُيُوتَ فِي ظُهُورِهِمْ وَأَمَرَ

يَحْطَبُ وَقَصَبَ كَانَ مِنْ وَرَاءِ الْبُيُوتِ أَنْ يَتْرَكَ إِنْ فِي خَنْدَقٍ كَانَ قَدْ حَفَرَ هُنَاكَ
وَأَنْ يُجَرِّقَ بِالنَّارِ مَخَافَةَ أَنْ يَأْتُوهُمْ مِنْ وَرَائِهِمْ..... الخ

”صبح عاشور ہوئی تو نماز صبح کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں کی صف بندی کی جب کہ آپ کے لشکر کی تعداد ۳۲ گھڑسوار اور چالیس پیادہ تھے۔ حضرت نے زہیر جو بہت بڑے دلیر، شجاع اور شیردل تھے کو بلایا اور ایک علم ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: تم دائیں طرف لشکر کے سردار ہو۔ پھر حبیب بن مظاہر جو بہت بڑے عابد، زاہد، حافظ قرآن، شجاع اہل بیت کے قلعہ دوست تھے، کو بلایا اور ایک علم دیا اور فرمایا: تم بائیں طرف لشکر کے سردار ہو۔ پھر اپنے بھائی عباس علمدار کو بلایا اور علم دیا اور فرمایا: تم قلب لشکر کے سردار ہو۔ امام نے اپنے خیام کو اپنے لشکر کی پشت پر رکھا، پھر حکم دیا لکڑیوں اور خس و خاشاک وہیں خندق میں ڈال کر اس کو آگ لگا دو تاکہ دشمن لشکر کے پیچھے سے حملہ آور نہ ہو جائے۔“

امام کے لشکر کی تعداد

مرحوم سید یوسف میں لکھتے ہیں: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ لشکر امام کی تعداد بیست چالیس ہے۔ ایک صد پیادہ نفر تھے لیکن تاریخ کے مشہور مدارک میں ہے کہ تعداد تیس سوار اور چالیس پیادہ نفر تھی۔ بعض دیگر حضرات یہ لکھتے ہیں کہ حضرت کے لشکر کی مجموعی تعداد بہتر افراد تھی۔ بعض نے یہ تعداد چوراسی افراد لکھی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق تعداد بالوے سوار اور بیاسی پیادہ افراد تھی۔

نظر یہ صدر قزوینی در حدائق الانس لکھتے ہیں: زہیر اور حبیب کے علموں کے نیچے اصحاب و انصار نے منہیں تھیں۔

هُم ثَلَاثَ مِائَةِ رَاجِلٍ وَفَارِسٍ كُلُّهُمْ لِيُوثُ عَوَاسِ عَلَهِمُ الدَّرُوعُ الدَّوْدِيَّةُ
مُتَقَلِّدِينَ بِالسُّيُوفِ الْهِنْدِيَّةِ مُتَعَلِّقِينَ بِالرَّمَاكِ الْخَطِيَّةِ رَاكِبِينَ عَلَى الْخَيُْولِ
الْعَرَبِيَّةِ وَهُمْ خِيَارُ أُمَّةِ الْمَحْمَدِيَّةِ

”یعنی لشکر کی تعداد تین صد پیادہ اور سوار تھی اور سب کے سب بہادر اور ہیر شیر داؤدی زرع پہنے، ہندی تواریں حائل کیے ہوئے، خط کھینچنے والے نیزے، عربی گھوڑوں پر سوار یہ امت محمد کے نیک

اور صالح لوگ تھے کیونکہ یہ زہد اور عابد لوگ لوہے اور فولاد کے پہاڑ سے ٹکرائے، تیروں، تلواروں کو اپنے سینوں، صورتوں اور گلیوں پر لینے کے لیے خرید لیا تھا۔

بہر صورت جب زہیر کے وجود سے لشکر کی دائیں جانب جج دہج گئی اور لشکر کی بائیں جانب کو جناب حبیب نے زینت اور قلب لشکر کو عباس علیہ السلام کے وجود سے چار چاند لگ گئے اور قلب لشکر کے اس علم کو علم سلطانی، علامت اور لوائے اعظم کہتے ہیں اور لشکر پر اس علم کا نقش بڑا حساس اور اہم ہوتا ہے کیونکہ اگر لشکر میں ہزار علم بھی ہوں تو تمام علم داروں کی نظر ہر پر ہوتی ہے جو قلب لشکر میں ہوتا ہے۔ اگر قلب لشکر والا علم بلند رہے تو لشکر آمادہ پیکار اور تازہ دم رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر لشکر میں ایک ہزار علم ہوں اور تمام صحیح اور سر بلند ہوں لیکن لوائے اعظم (قلب لشکر والا علم) سر ہو تو تمام لشکر فرار ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس علم کو ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو دیا جاتا ہے جو صفت شجاعت و شہادت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو، کزار ہو، فزار نہ ہو۔ اسی بنا پر خاص آل عباس نے لوائے اعظم کو اپنے ہاتھ سے تمام لوگوں کو محروم و شجاع، ثابت قدم، ہر دل شیریں، بھائی حضرت ابو الفضل العباس کے حوالے کیا۔

جوں ہی اس علم پاک کو اپنے بھائی کے سپرد کیا اور انھیں قلب لشکر پر معین فرمایا تو فتح و کامیابی کے دریائے لکڑا اور عباس علیہ السلام کے پیچھے علی مرتضیٰ کے چھ شیریں بیٹے روانہ ہو گئے۔ اپنا تمام اسلحہ بجائے لشکر حسینی کی زینت بنے۔ اسی نتیجے، چچا زاد بھائی، اولاد عقیل، اولاد جعفر طیار اور دیگر عزیزان جو تقریباً تیس افراد تھے جن میں سے اٹھارہ فرسان الصبیحان پر فائز تھے۔ یہ سب حضرت عباس علیہ السلام کے ارد گرد صف بستہ ہو گئے۔

کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی

ساتھیوں میں دو گروہ تھے:

- ① بنی ہاشم..... جو امام کی طرف سے منسوب تھے۔
- ② غیر بنی ہاشم اصحاب اور دوست کہ ان کی امام سے کوئی رشتہ داری نہ تھی۔

بنی ہاشم

● نو اشخاص جو امام حسین کے بھائی تھے:

- ① حضرت عباس بن علی بن ابی طالب المعروف حضرت ابو الفضل العباس قمر بنی ہاشم ② حضرت عثمان بن علی بن
- ③ جناب جعفر بن علی بن ابی طالب ④ جناب عبداللہ بن علی بن ابی طالب ⑤ جناب محمد اصغر بن علی بن ابی

طالبؑ ① جناب عمر بن علیؑ بن ابی طالبؑ الملقب بہ اطرف ④ جناب عون بن علیؑ بن ابی طالبؑ ⑤ جناب ابوبکر بن علیؑ بن ابی طالبؑ ⑥ جناب محمد اوسط بن علیؑ بن ابی طالبؑ

● چار اشخاص جو امام حسینؑ کی اپنی اولاد پاک ہیں:

① حضرت علی بن الحسینؑ، زین العابدینؑ اور امام سجادؑ ② حضرت علی اکبرؑ بن الحسینؑ ③ جناب علی اصغرؑ بن الحسینؑ ④ جناب عبداللہ بن الحسینؑ

● بارہ اشخاص فرزند ان امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام:

① جناب حسن بن الحسنؑ المعروف حسن مثنیٰ ② جناب عمرو بن الحسنؑ ③ جناب قاسم بن الحسنؑ ④ جناب محمد بن الحسنؑ ⑤ جناب احمد بن الحسنؑ ⑥ جناب محمد بن الحسنؑ ⑦ جناب جعفر بن الحسنؑ ⑧ جناب ابوبکر بن الحسنؑ ⑨ جناب حسینؑ بن الحسنؑ الملقب بہ اثرم ⑩ جناب طلحہ بن الحسنؑ ⑪ جناب زید بن الحسنؑ ⑫ جناب عبدالرحمن بن الحسنؑ

● چودہ اشخاص جو امام حسینؑ کے چچا زاد اور اُن کی اولاد:

① جناب عون اکبر بن عبداللہ بن جعفر طیار ابی طالبؑ ② جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ ③ جناب عون بن جعفر بن ابی طالبؑ ④ جناب قاسم بن محمد بن جعفر بن ابی طالبؑ ⑤ جناب عبید اللہ بن عبداللہؑ ⑥ جناب جعفر بن عقیل بن ابی طالبؑ ⑦ جناب عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالبؑ ⑧ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ⑨ جناب محمد بن عقیلؑ ⑩ جناب محمد بن ابی سعید بن عقیلؑ ⑪ جناب عبداللہ اصغر بن عقیلؑ ⑫ جناب موسیٰ بن عقیل بن ابی طالبؑ ⑬ علی بن عقیل بن ابی طالبؑ ⑭ جناب احمد بن عقیل بن ابی طالبؑ

اس مذکورہ اسماء کی فہرست کے مطابق بنی ہاشم کی تعداد کربلا میں اتالیس نفر تھی جو تمام کے تمام روز عاشورہ شہید ہوئے۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے کل ۳۸ شہدائے بنی ہاشم ہیں۔

● اسمائے اصحاب (غیر بنی ہاشم):

اہل تحقیق کے قول کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے اصحاب و انصار کی تعداد پچانوے ہے جن کے اسمائے درج ذیل ہیں: ① جناب نعیم بن الحکم ان ② جناب عمران بن کعب بن مالک اشجعی ③ جناب حظلہ بن عمرو شیبانی ④ قاسط بن زہیر ⑤ جناب سواد بن ابی عمیر ⑥ جناب کنانہ بن قتیق ⑦ جناب صرقامہ بن مالک ⑧ جناب مجمع بن محمد الحانزی ⑨ جناب جملہ بن علی شیبانی ⑩ جناب عبدالرحمن بن عبداللہ ⑪ جناب عمرو بن عبداللہ ⑫ جناب کرش بن علی العلوی ⑬ جناب عمرو بن کعب انصاری ⑭ جناب عبداللہ الثقفاری ⑮ جناب عبدالرحمن بن عروہ الثقفاری ⑯ جناب ...

حسان طائی (۱۷) جناب زاہد مولیٰ عمرو الخزامی (۱۸) جناب اسلم بن کثیر الازدی (۱۹) جناب عبداللہ بن حمیف (۲۰) جناب عبید اللہ بن
 حمیف (۲۱) جناب عمرو بن ضعیفہ (۲۲) جناب قیس بن مہبہ (۲۳) جناب مسعود بن حجاج (۲۴) جناب عمار بن ابی سلامۃ الہمدانی
 (۲۵) جناب عامر بن مسلم (۲۶) جناب سیف بن مالک (۲۷) جناب زہیر بن بشیر الکعمی (۲۸) جناب حیان بن الحرث (۲۹) جناب زہیر
 بن سمر (۳۰) جناب ضحاک بن عبداللہ (۳۱) جناب خزیمہ بن عمرو الکوفی (۳۲) جناب عقبہ بن سمان (۳۳) جناب عبدالرحمن
 بن حسان (۳۴) جناب حلاسی بن عمرو الراسی (۳۵) جناب بریر بن خنیر الہمدانی (۳۶) جناب زہیر بن حسان الاسدی (۳۷) جناب وہب
 بن عبد اللہ الکعمی (۳۸) جناب وقاص بن عئید (۳۹) جناب شریح بن عبید (۴۰) جناب عبداللہ بن زید المصری (۴۱) جناب عبید اللہ بن
 مصری (۴۲) جناب عمرو بن خالد الازدی (۴۳) جناب سعد بن حظلہ تمیمی (۴۴) جناب عمرو بن عبداللہ مدحی (۴۵) جناب نافع بن
 عیاض (۴۶) جناب ہلال بن نافع (۴۷) جناب مسلم بن عوجہ اسدی (۴۸) جناب عمر بن قرطہ انصاری (۴۹) جناب انیس بن معقل
 بن حیان (۵۰) جناب علی بن مظاہر اسدی (۵۱) جناب حبیب بن مظاہر اسدی (۵۲) جناب یحییٰ بن کثیر انصاری (۵۳) جناب طرماح بن
 حیان (۵۴) جناب مالک بن دودان (۵۵) جناب ہند بن ابی ہند (۵۶) جناب ابو ثمامہ صیداوی (۵۷) جناب سعید بن عبداللہ حنفی (۵۸)
 سعید بن عبداللہ ربیع (۵۹) جناب عمرو بن خالد صیداوی (۶۰) جناب حظلہ بن سعد شامی (۶۱) جناب سدید بن عمرو بن ابی
 ہریرہ (۶۲) جناب حجاج بن مسروق (۶۳) جناب یحییٰ بن سلیم مازنی (۶۴) جناب قرۃ بن ابی قرۃ الغفاری (۶۵) جناب مالک
 بن نساکی (۶۶) جناب ابراہیم بن حصین اسدی (۶۷) جناب جنادہ بن حارث انصاری (۶۸) جناب عمرو بن جنادہ (۶۹) جناب
 بنی مغل (۷۰) جناب معقل بن حظلہ الغفاری (۷۱) جناب عبدالرحمن بن عروہ (۷۲) جناب عابس بن شیبہ شاکری (۷۳) جناب
 بنی حاتم عابس (۷۴) جناب یزید بن فضالہ (۷۵) جناب ابو عمرو نفعلی (۷۶) جناب یزید مہاجر (۷۷) جناب خربن یزید ریاحی (۷۸)
 حبیب بن یزید ریاحی (۷۹) جناب احمد بن محمد ہاشمی (۸۰) جناب زہیر بن قین کللی (۸۱) جناب علی بن خرب (۸۲) جناب غلام خرب
 مرد صاحب کنگول آب (۸۳) جناب نصرانی جوان

محبوب کتاب ہذا کا بیان ہے کہ جناب خرب اور ان کے بھائی مصعب اور خرب کا بیٹا علی اور ان کا غلام یہ چار شخص روز
 ہفتہ کے لشکر سے ملحق ہوئے ہیں اور دیگر دو شخص سپاہ مرد صاحب کنگول اور نصرانی جوان علیہ عاشرہ کے بعد شہداء میں
 ہوئے ہیں، اور انفر و دیگر جو سب غلام امیر المؤمنین علی علیہ السلام تھے اور حضرت نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ ان کے
 خبری یہ ہیں:

۱۔ جناب غلام بنام سعد (۸۴) جناب غلام بنام نصر (۸۵) جناب غلام بنام غارب (۸۶) جناب غلام بنام نیک (۸۷) جناب غلام
 بنام مقداد (۸۸) جناب عبدالرحمن بن ابی دجاہ (۸۹) جناب قیس بن ربیع (۹۰) جناب اشعث بن سعد (۹۱) جناب غلام بنام

عظیمہ (۹۳) جناب غلام ترکی (۹۵) جناب جون

ایک شخص اور بھی شہداء کی صف میں تھا اور وہ ابوذر کے غلام ”جون“ ہیں۔ پس مجموعاً اصحاب و شہداء پچانوے تھے۔

عمر بن سعد کے لشکر کی صف آرائی

مرحوم مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: روز عاشورہ روز جمعہ یا ایک قول کے مطابق ہفتہ تھا۔ صبح سویرے ابن سعد نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا۔ عمرو بن حجاج کو لشکر کے دائیں طرف کا امیر، شمر کو لشکر کے بائیں طرف کا امیر، عروہ بن قیس کو سواروں کا امیر، ہبث بن ربیع کو پیادوں کا امیر اور لوائے اعظم کے لیے یعنی قلب لشکر میں اپنے غلام ذرید کو معین کیا۔

ابن سعد کا لشکر مختلف قبائل اور مختلف بلاد سے اکٹھا ہوا تھا۔ قبائل جیسے خوارج، حمیر، کندہ، آل مطعون، جشم، عبادہ، معمر، ربیعہ، مذحج، خزاعہ، یربوع، حلب، بطن، شاکریہ، خزیمہ، مسجد بنی زہرہ، وغیرہ سے سوار اور پیادہ کافی لوگ تھے۔ کوفہ اور شام کے تمام رؤساء اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ موجود تھے۔ اس قدر لشکر کی تعداد تھی کہ اس وقت نہ تھے۔ اس کی نظیر نہ دیکھی اور نہ سنی تھی۔ دریا کی موجوں کی طرح لشکر کی موجیں تھیں۔ علم اس قدر لہرا رہے تھے گویا: نہ کشتیوں کے بادبان نظر آتے تھے۔ تمام قبائل اور لشکر کے سردار ابن سعد کے خیمہ کے ساتھ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ مرتبہ تمام سامان جنگ لیے ہوئے امام حسینؑ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ بہت جلدی فیصلہ ہو جائے۔ آخری فرصت میں حکومت رے کو سنبا ل سکوں۔

ابن سعد نے خولی کو عمر بن حجاج کی مدد کے لیے متعین کیا اور حرمہ کو شمر کی نصرت کے لیے متعین کیا اور خود قبضہ میں کھڑا ہو گیا اور علم غلام کے سپرد کیا۔ اپنے تیرکمان کو اپنے بیٹے حفص کے حوالے کیا اور اسے اپنے ساتھ رکھا، حصین بن سیرک تیرکمان والوں کا امیر بنا دیا اور محمد بن اشعث کو پتھر مارنے والوں کا امیر مقرر کیا۔ ابوایوب غنوی کو بیلداروں کا امیر مقرر کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لیے ایک سردار مقرر کر دیا اور اس طرح لشکر کی صفیں آراستہ اور منظم کیں۔ بعد از اس سعد کے حکم سے طبلی جنگ بجتنے شروع ہو گئے۔ گھنٹیاں اور طبل بجتنے لگے۔ گھوڑوں نے ہنہانا شروع کیا۔ لشکریوں نے ہنہانا بجائیں۔ شور و غل مچاتے تھے، زمین پر پاؤں مارتے تھے اور زمین و زمان کو ہلا کر رکھ دیا۔

مرحوم علامہ قزوینی اپنی کتاب ریاض میں لکھتے ہیں: جناب امامؑ کے خیمے میں مستورات، بچوں اور خندرات و صحت عجیب حالت تھی۔ ان تمام خندرات، بچوں، مستورات کے آنسو سیلاب کی طرح جاری تھے اور دشمن کے خوف سے ہنس رہی تھیں اور پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ خیام میں ماتم برپا تھا۔ کوئی زانو پر، کوئی سر پر اور کوئی صورت پر پیٹ رہا تھا اور سینہ کو بٹی ہوئی

سہیل کے بچے ہر ایک کو ماتم کرتا دیکھتے اور باہر سے طہلی جنگ اور شور و غل سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ان کی رو میں
ترنے والی تھیں، تمام بچوں نے بلند صدا سے گریہ کرنا شروع کر دیا۔

علامہ امام کے خیام میں اس قدر زاری اور ماتم تھا کہ حضرت مجبور ہوئے اور شکستہ دل، غربت کے عالم میں خیام میں
ستورات اور بچوں کی یہ حالت زار اور رقت بار بار دیکھی تو بے اختیار زار و قطار روئے۔ پھر اپنی سفید ڈاڑھی پر اپنا
سہر فرمایا: اے بانو! اے میری بیٹیو! تمہیں اپنی جان کا واسطہ، خاموش ہو جاؤ۔ تم نے میرے بعد بہت رونا ہے ابھی تو
تھیں۔ ابھی تو میرے سب جوان زندہ و سلامت ہیں اور دشمنوں کو آگے کرنے سے روکا ہوا ہے۔ تم خوف نہ کھاؤ جب
میرے اصحاب زندہ ہیں تو کسی کی جرأت نہیں کہ وہ ان خیام میں داخل ہو سکے۔ امام نے اس طریقے سے اہل حرم کو
مر دیا۔

سعد کو مدد کی نصیحت

بچوں طرف سے لشکروں کی مصیبت جنگ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑی تھیں کہ امام نے نذیر بن ظہیر ہمدانی کو فرمایا:
شہروں کے درمیان کھڑے ہو جاؤ اور ان اندھے دلوں اور خدا سے بے خبر گمراہوں کو وعظ و نصیحت کرو۔ یہ شیر دل حکم
نہ روزہ کے دامن کو کمر میں ڈال کر جیسے حیرت کمان سے نکلتا ہے لشکرِ حسینی سے نکلا اور لشکر ابن سعد کے قریب آ کر فرمایا:
بے ترس اور بے خوف قوم! تمہیں خوف خدا نہیں ہے؟ اور تمہیں کیوں خوف خدا نہیں آتا حالانکہ پیغمبر کی آل اور
ہمدند دلوں سے اور اس صحرا میں رات گزار رہی ہے۔ اگر تم پیغمبر کو مانتے ہو اور رسالت کا کلمہ پڑھتے ہو تو یہ اسی رسول
ت ہے۔ اس لشکر کشی اور صف آرائی کا کیا مقصود ہے؟ اور کس دلیل اور حجت کے ذریعے اولادِ رسول کا خون بہانے اور
نے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟

ابن سعد کے لشکریوں نے جواب دیا: ہمارا ارادہ ہے کہ حجاز کا بادشاہ ابن زیاد کی بیعت کر لے۔ اگر بیعت نہیں کرتا تو
نے کے لیے تیار ہو جائے۔

نذیر نے فرمایا: کیا تمہیں یہ قبول نہیں کہ بادشاہ حجاز جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں؟

انہوں نے کہا: بہانے نہ بناؤ سوائے بیعت کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

نذیر نے دل کی گہرائیوں اور پورے جذبات سے فرمایا: اے بے حیا لوگو! افسوس ہے تم پر! وہ تمہارے خطوط اور دعوت
مہدیان کہاں گئے؟ تم نے لکھا تھا کہ فرزندِ فاطمہ آئیں اور ہمیں ہدایت کریں اور جب وہ تمہاری ہدایت کے لیے

آئے ہیں تو اب ان کو قتل کرنا چاہتے ہو یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالے کرنا چاہتے ہو۔

اہل لشکر نے کہا: زیادہ مت بولو اور فضول گفتگو بند کرو۔ یہ صحرا اور بیابان کا رزار جنگ کا مقام ہے، وعظ و نصیحت مقام نہیں ہے۔

نمیر نے فرمایا: تمہاری یہ گفتگو خدا کی لعنت کی مستحق ہے۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا: میرے اللہ! تو جانتے ہو کہ میں اس قوم کے بدکرداروں سے نمیری ہوں تو خود اس قوم سے انتقام لے اور اپنی رحمت ان سے دُور کر دے۔ جب لشکر ابن سعد نے نمیر کی نفرین (لعنت ملامت) کو سنا تو ان کی دشمنی اور بغض میں اور اضافہ ہوا اور غصہ سرور سے نمیر کو تیروں کا نشانہ بنانے لگے۔

لشکرِ حسینیؑ کا محاصرہ

ابن سعد نے اپنے لشکر کے میمنہ و میسرہ کو آراستہ کرنے کے بعد حکم دیا۔ اب ثابت قدمی سے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا ایسا محاصرہ کرو جیسے گھینہ انگٹھی میں ہوتا ہے۔ جوں ہی لشکرِ فساد نے اس فسادِ جراثیم کا حکم سنا تو آوازیں بلند کیں۔ اب سالار کا حکم ہے کہ ثابت قدم رہ کر امام حسینؑ کا محاصرہ کرنا ہے۔ خبردار ان کا ایک جوان بھی صحیح سالم بھاگنے نہ پے۔ اس گروہ نے عمر بن سعد کے حکم کے مطابق گھوڑوں کو دوڑایا اور امامؑ کے قلعہ نما خیام اور امامؑ کے لشکر کو اپنے حلقہ میں محاصرہ کر لیا اور گالیاں بکنا اور مسخرہ بازیاں شروع کر دیں اور کسی وقت اطراف سے خیام کی طرف تیر بھی چلا دیتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کا وعظ و نصیحت کرنا

جب امام حسین علیہ السلام نے لشکر کی اس جسارت کو دیکھا تو خود میدان میں آئے اور لشکر ابن سعد کے سامنے ہو کر ایک نظر لشکر کی صفوں پر دوڑائی تو لشکر میں امام حسینؑ کی نظر ابن سعد پر پڑی کہ وہ مسکراہٹ، خوشی اور سرور سے ارکانِ بدن سے مشغول گفتگو ہے۔ امامؑ کو بہت دکھ ہوا، غصہ بڑھ گیا اور پھر دنیا کی مذمت میں یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الدُّنْیَا فَجَعَلَهَا دَارَ فَنَاءٍ وَہُوَ اِلٰہٌ مُّتَصَرِّفٌ بِاَہْلِہَا حَالًا بَعْدَ حَالٍ..... الخ

”بے حد اور بے قیاس حمد خدا ہے جس نے دنیا پیدا کی لیکن اسے فانی اور زائل ہو جانے کے لیے بنایا۔ یہ دنیا بڑھی مکار ہے جو اپنے اہل پر ضرور تعریف کرتی ہے۔ پس مغرور ہے وہ جو اس دنیا کا فریب کھائے اور شقی ہے جو اس دنیا میں وہ جو اس فتنہ گرد دنیا کے فتنہ کے جال میں پھنس جائے۔

اے قوم! دنیا کے دھوکے میں نہ آؤ کیونکہ اس دنیا نے بہت اُمیدواروں کو نا اُمید کیا ہے اور اکثر طمع کرنے والوں کو مایوس کیا ہے۔

اے لوگو! میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے ایک ایسی بات پر اجماع کیا ہے جس بات سے تم خدا کی ناراضگی و غضب کا باعث بنے ہو اور خدا نے تم سے اپنی رحمت دُور کر دی ہے اور اپنے عذاب کو تمہارے قریب کر دیا ہے۔ کس قدر بہترین رب ہے ہمارا رب اور کس قدر بُرے بندے ہو تم کیونکہ تم نے پہلے پروردگار کی اطاعت کا اقرار کیا اور میرے جدِ امجد محمد مصطفیٰ پر ایمان لائے۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا اور مجھ سے کیا دیکھا کہ اب تم نے میرے خلاف لشکر جمع اور آراستہ کیا ہے اور میرے اور دُریت پیغمبرؐ پر پانی بند کر کے ہمارا محاصرہ کر لیا ہے اور ہمارے قتل کا ارادہ کیے ہوئے ہو۔

یہ شیطانی باتیں ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ذکرِ خدا کو تم سے شیطان سے بھلا دیا ہے۔ حق کو بھول گئے اور باطل کو پسند کر لیا ہے۔ ہائے افسوس تم پر اور تمہارے ارادہ پر، کہ بدکرداری کر رہے ہو اور فرزندِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے آئے ہو۔

ہاں ہم اولادِ پیغمبرؐ پہلے ہی رحمت رب العالمین کے ساتھ ہیں اور پھر بھی اُسی رحمتِ خدا میں جائیں گے۔

اے گروہ! تم وہ لوگ ہو کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔ پس یہ قوم ظالم اور ستم کار ہے اور رحمتِ خدا سے دُور ہے۔“

جب یہاں تک امام حسین علیہ السلام کی تقریر پہنچی تو ابنِ سعد نے اپنے لشکر کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم میں سے کوئی ہے جو یہ باتوں کا جواب دے اور اسے خاموش کرا دے اور اس کو زیادہ نہ بولنے دے کیونکہ یہ شخص اسی کا بیٹا ہے کہ جس نے فصاحت و بلاغت فاضل و خاشع ہوتی تھیں۔ خدا کی قسم! اگر حسینؑ ایک دن اور بھی میدان میں تقریر کرتا رہا تو بھی تم ختم نہ ہوں گی اور کلامِ بندہ نہ ہوگی۔ پس بہت جلدی اسے جواب دو کیونکہ موسمِ گرم ہو رہا ہے اور کام مشکل ہو جائے

شرِ ظلم سے نکلا اور کہا: اے حسینؑ! یہ کیا باتیں کر رہے ہو کہ ہمیں سمجھ تک نہیں آئیں، وہ بات کرو جس کی ہمیں سمجھ ہے۔ ہم تمہاری باتوں کا جواب دے سکیں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اَقُولُ اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَقْتُلُونِي فَإِنَّهُ لَا يَجِلُّ لَكُمْ قَتْلِي وَلَا اتَّهَكَ حُرْمَتِي

”خدا سے ڈرو، مجھے قتل نہ کرو کیونکہ مجھ جیسے شخص کا خون بہانا جائز نہیں اور میری ہتک حرمت کرنا حلال نہیں ہے۔ تمہارے پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ میری نانی خدیجہ الکبریٰ اُم المؤمنین ہیں اور ہمارے نانا کے فرمان کے مطابق سر۔۔۔ بھائی حسنؓ جو انانہ جنت کے سردار ہیں اور جنتی کو قتل کرنا جائز نہیں۔

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے کہ عباراتِ مقتل سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت امامؑ بار بار وعظ و نصیحت میدان میں آتے، اتمامِ حجت فرماتے اور ہر دفعہ نبوت کی میراث سے کوئی نشانی ساتھ لے جاتے اور حضرت تفریح۔۔۔ میدان میں آئے اور نصیحت کی۔ کبھی رسول اللہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر تو کبھی رسول اللہ کی ناقہ پر آئے۔ کبھی پیغمبرؐ کا باندھ کر آئے اور کبھی قرآن لے کر آئے اور نصیحت کی۔

مناجاتِ امامؑ

صاحبِ بیت الاحزان نے لکھا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خطبہ دینے کے بعد میرے پایاں۔۔۔ کی طرف اٹھائے اور عرض کیا: خدایا! ہر غم میں تو ہی میرا مقامِ اعتماد ہے۔ ہر سختی کے وقت تو ہی میرا مقامِ امید۔۔۔ ہر مشکل کے وقت تو ہی میری پناہ گاہ، لجا اور ماویٰ ہے۔ کس قدر مجھ پر دکھ آئے، مصیبتیں آئیں، جس پر عقلیں ضعیف۔۔۔ ہیں۔ راستے بند ہو جاتے ہیں، دوست عاجز آ جاتے ہیں۔ دشمن اور زیادہ زبان درازی کرتے ہیں۔ ان تمام مصائب۔۔۔ نے تیرے سوا کسی کے سامنے شکوہ نہیں کیا۔ تجھ سے اپنے دکھ اور شکوے کیے اور تو نے اپنے لطف سے مجھے کشا۔۔۔ اور مجھے مصائب برداشت کرنے کی ہمت دی، مجھے حلم عطا فرمایا، تو ہی ہر نعمت کا ولی اور ہر اچھائی کا مالک ہے۔

خدا لعنت کرے دنیا اور اہل دنیا پر خصوصاً کوفیوں اور شامیوں پر کیونکہ انہوں نے حجتِ خدا کا ذرا بھرنے نہ۔۔۔ اپنے رب سے مکمل مناجات کی بھی فرصت نہ دی۔ اس دوران میں ہر طرف سے ابنِ سعد کا لشکر خیمہ کی طرف۔۔۔ انہوں نے دیکھا کہ خیم کی پشت والی جانب تو خندق ہے جس میں آگ جل رہی ہے۔ شمر نے کہا: (خدا اس کی۔۔۔ جہنم سے بھر دے) اے حسین! قیامت سے پہلے اپنے لیے آگ پسند کر لی ہے۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: یہ کون بھوک رہا ہے؟

اصحاب نے عرض کیا: مولاً! یہ شمر ملعون ہے۔

امامؑ نے فرمایا: یَابْنَ رَاعِيَةِ الْمَعْرِزِ أَنْتَ أَدْلَى بِهَا صَلَیْنَا ”اے ولدِ الزنا اور اے بکریاں چرانے والے۔۔۔ جہنم میں جانے کا مستحق ہے۔“

۳۔ سن عجب آگے بڑھے اور عرض کیا: اے فرزندِ رسول! مجھے اجازت دیں میں اس گستاخِ شمر کو تیرا کر ہلاک نہ کر دیتا۔ خدا کا سق ہے، جابر لوگوں کا سردار ہے اور خدا نے اس کی ہلاکت ابھی ہمارے لیے آسان کر دی ہے۔
۴۔ جنت نہ دی اور فرمایا: اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اُبْدِیْہُمْ بِقَتْلِ ”یعنی میں پسند نہیں کرتا کہ جنگ کی ابتدا میری طرف

۵۔ مرتبہ وعظ و نصیحت اور اتمامِ حجت

۵۔ اے علیہ السلام دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے تقریر شروع کی جسے دونوں لشکروں نے دوا میرے نسب کو یاد کرو، میں کون ہوں؟ اپنے آپ میں آؤ اور شیطان کے دھوکے میں نہ آؤ؟ کیا تمہارے لئے میری جنگ حرمت کرنا کسی حوالے سے جائز لگتا ہے؟

۶۔ جماعت! یہ سوچ لو کیا میرے قتل میں تمہاری اصلاح ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبر، ان کے وحی، چچا زاد علی بن ابی طالب سے سب سے پہلے رسول اللہ کی تائید کی، کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا جنابِ حمزہؓ سید الشہداء میرے بزرگوار نہیں؟ کیا محمدؐ کے ساتھ بہشت میں پرواز کرتے ہیں میرے چچا نہیں؟ کیا تمہارے سامنے میرے نانا کی یہ حدیث نہیں آئی کہ میں نے میرے اور میرے بھائی حسنؓ کے حق میں فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَہْلِ الْجَنَّةِ۔

۷۔ قوم! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر تصدیق کرتے ہو جب کہ میں بالکل سچ بول رہا ہوں اور ایک ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خداوند متعال نے جھوٹے بندے کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے۔ تو پھر میرے ساتھ یہ رویہ اور سے ہے؟ اور میرے قتل کے تمہارے ارادے ہیں۔ اور اگر میری باتوں کو جھوٹ سمجھتے ہو تو اس تمہارے لشکر میں ضرور کچھ ہیں کہ اگر ان سے پوچھو تو وہ بھی میری ان باتوں کی تصدیق کریں گے۔

۸۔ جنتِ عبد اللہ انصاریؓ، ابوسعید خدریؓ، سمیل بن سعد ساعدیؓ، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ وغیرہ جو کوفہ میں ہیں، ان سے کہو: وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے خود میرے اور بھائی حسنؓ کے بارے رسول اللہ سے خود سنا ہے: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَہْلِ الْجَنَّةِ۔

۹۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا: یَا قَوْمُ اَمَا فِیْ ہٰذَا حَاجِزٌ لَّکُمْ عَنْ سَفٰیكِ دَمِیْ ”اے قوم! کیا میری کسی بات کا حائل ہے کہ تم میرا خون بہانے سے رُک جاؤ۔“

۱۰۔ دوران میں شمر نے پھر جسارت کی اور یہ کہو اس کی کہ اے لوگو! حسینؓ دینِ خدا سے نکل گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ

اپنی بات منوائیں لہذا ہم نہیں سمجھتے وہ کیا کہہ رہے ہیں؟

پس حبیبؑ نے شمر کا جواب دیا: اے ملعون! خدا کے دین سے تم خارج ہو چکے ہو، امن زیاد کے تابع ہو گئے۔ مذہب ہو تو تم دین کی خاطر ہر مذہب پر عمل کرتے رہو گے، یہ تو ٹھیک کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے کلام کو نہیں سمجھتے کفر اور انکار کی وجہ سے خدا نے تیرے دل کو سرنگوں کر دیا ہے اور اس پر مہر لگا دی ہے۔ حبیبؑ کے اس جواب پر شمر غصہ ہو گیا۔

پھر امام حسینؑ نے بلند آواز سے فرمایا: اے قوم! اگر تجھے میری باتوں پر شک ہے تو معلوم ہوتا ہے تمہیں رسول اللہؐ ہونے پر شک ہے۔ فَوَاللّٰہِ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِبْنُ بَنْتِ نَسِیْ ؕ غَیْرِیْ فِیْکُمْ وَلَا فِیْ حَیْیِیْ خُدا کی قسم! مشرق و مغرب کے درمیان میرے علاوہ کوئی نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہے۔

کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے تمہارا کوئی قتل کیا ہے کہ بدلہ لیتے ہو یا میں نے کسی کا مال تلف کر دیا ہے؟ کوڑھی کیا؟ اس کا قصاص لیتے ہو حالانکہ ان میں سے کچھ بھی میں نے نہیں کیا تو پھر کیوں مجھے قتل کرتے ہو؟

جب یہ کلام انہوں نے جھٹلایا تو خدا سے سنا تو تمام لشکر خاموش ہو گیا اور کسی نے جواب نہ دیا اور حیران و پریشان ہو گیا جواب دیں۔ جب حضرتؑ نے یکسا کہ سب خاموش ہیں اور جواب نہیں ہے تو امامؑ نے ان کے چند رؤساء اور بزرگوں کو پکارا اور فرمایا:

اے شہب بن ربعی! اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن الحرث! کیا تم لوگوں نے خط نہ لکھا ہے تمام پھل اور میوے ہمارے درختوں پر تیار ہو چکے ہیں اور ہماری تمام زراعت سرسبز ہے اور آپؑ کی نصرت کے لیے تیار ہے تو آپؑ لوگوں کے عہد و پیمان کہاں گئے؟

راوی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں کوئی ایسی فصیح و بلیغ تقریر نہ سنی گئی تھی۔ مرحوم مجلسی نے حدیث میں روایت بیان کی ہے کہ جب حضرتؑ کی تقریر یہاں تک پہنچی تو ابن سعد ملعون نے آواز لگائی: اے میرے دوست! کو اس قدر مہلت نہ دو، ان کو جواب دو ورنہ سارا دن ان کی تقریر شتم نہ ہوگی۔ وہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں۔

پھر شمر حرام زادے نے جسارت کی اور بکواس کی: اے حسینؑ! اس قدر لمبی تقریر کرتے ہو، کیا کہتے ہو، ایسی بات ہم سمجھ سکیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور میرے قتل سے بچ جاؤ اور میری ہنگ حرمت نہ کرو کیونکہ میں تمہارے پیغمبر نہ ہوں، میری نانی خدیجہؑ الکبریٰ جو پیغمبرؐ کی زوجہ ہیں اور تم نے یہ حدیث بھی سنی ہوگی: الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا

لَحْنَةُ۔

پھر حضرت بن قیس ملعون آگے بڑھا اور کہا کہ ہم ان باتوں کو نہیں جانتے اور نہ سننا چاہتے ہیں لیکن ہماری بات یہ ہے کہ بزرگی کو بھول جاؤ، ابن زیاد کے تابع ہو جاؤ اور اسے چھوٹا ہونے کے باوجود بڑا سمجھو تا کہ وہ اور اس کے اصحاب رستہ وہ رویہ اور سلوک رکھیں جو تم چاہتے ہو۔

ہاں زمین و آسمان کے خالق کے نمائندے اور حجت امام حسینؑ نے یہ جواب دیا: لَا أُعْطِيكُمْ بَيْدَىٰ اَعْطَاءَ وَلَا اُقْرَأُ اقْرَأَ الْعَبْدِ ”خدا کی قسم! میں ذلیل ہو کر تمہاری بیعت نہ کروں گا اور غلاموں کے اقرار کی طرح تمہارا بھیجی نہ کروں گا۔ پھر حضرتؑ نے بلند آواز سے فرمایا: اے اللہ کے بندو! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں یہ تمہے پر سنگ باری کرو اور ہر اس منکبر سے میں پناہ مانگتا ہوں جو روز قیامت پر ایمان بھی نہیں رکھتا۔ آگاہ رہو کہ میں اُسے اُپر جست الہی پوری کر دی ہے اور اچھی بُری راہوں کا بتا دیا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ میں اپنے اس تھوڑے سے گروہ کو تم سے خوب جہاد کروں گا۔ پھر چند شعر پڑھے جن کا مفہوم دنیائے پست سے اعراض تھا۔ پھر آسمان کی طرف چہرہ مٹا کر عرض کیا:

”اے خدا! ان لوگوں سے اپنی رحمت کا نزول روک دے اور ان پر ایسا قحط نازل فرما جیسے حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں نازل ہوا تھا اور ان پر بنی ٹھف کا جو ان مسلط فرما جو ان کی زندگیوں کو ان پر تنگ کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی اور زندہ نہ چھوڑے اور سب کو ہمارے قتل کے عوض قتل کر دے۔

”میرے خدا! ان لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہم سے جھوٹ بولا، ہمیں انہوں نے ذلیل و خوار کر دیا ہے، تو ہمارا رب ہے اور تو قحط و اعتداتھ پر ہے اور شکوہ بھی تیری طرف ہے اور ہماری بازگشت بھی تیری جانب ہوگی۔“

ان مناجات کے بعد پھر قوم اشقیاء کو مخاطب کر کے فرمایا: کہاں ہے عمر بن سعد کہ مجھے اس سے کام ہے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ مجھے بلا رہے ہیں تو امامؑ سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن عمر بن سعد نزدیک آیا تو امام حسینؑ نے

عمر بن سعد! تو مجھے اس لیے قتل کرنا چاہتا ہے کہ حرامی بن حرامی تجھے رے کی حکومت دے گا اور تجھے جبر جان کے

کا جلی بنائے گا؟

اے عمر! خدا کی قسم! تو اپنی آرزو کو نہیں پائے گا اور یہ بات تیرے اور میرے درمیان وعدہ رہا کہ تجھے رے نہ جلائیے گی۔ اب تو جو چاہے کر لے لیکن میری شہادت کے بعد کبھی خوشحالی نہ دیکھے گا، دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ گویا ستر تیرے سر کو دیکھ رہا ہوں کہ کوفہ میں نیزے پراٹھایا ہوا ہے اور کوفہ کے بچے اُسے پتھر مار رہے ہیں۔

عمر بن سعد ان باتوں سے غضب ناک ہوا اور اپنا نجس منہ دوسری طرف موڑ لیا اور اپنے لشکر میں چلا گیا۔ لشکروالوں سے کہا: مَا تَنْظُرُونَ اِحْمِلُوا بِاَجْمَعِكُمْ اِنَّمَا هِيَ اَكْلَةٌ وَاَحَدَةٌ ”کہ کس کی انتظار ہے یکبارگی حملہ کرو۔“

اس ملعون کے حکم سے تمام لشکر نے دائرہ ایمان کے مرکز اور محل جہاں کے مقتدی پر حملہ کر دیا اور تیروں، نیزوں، آلات جنگ سے حضرت اور اصحاب زخمی ہونے لگے۔

نصرتِ امامؑ کے لیے فرشتوں کا آنا اور امامؑ کا مدد لینے سے انکار

ابوطاہر مرحوم نے اپنی کتاب ”معالم الدین“ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

لَمَّا اتَقَى الْحُسَيْنَ وَعُمَرُ بْنُ سَعْدٍ لَعْنَةُ اللَّهِ وَقَامَتِ الْحُرُوبُ أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى النَّصْرَ حَتَّى رَفَرَفَتْ عَلَى رَأْسِ الْحُسَيْنِ ثُمَّ خَيَّرَ بَيْنَ النَّصْرِ عَلَى اِعْدَائِهِ وَبَيْنَ لِقَاءِ اللَّهِ فَاخْتَارَ لِقَاءَ اللَّهِ

یعنی روز عاشور جب دونوں آمنے سامنے آئے اور اسباب جنگ آمادہ ہو گئے اور صلح کے تمام دروازے بند ہو گئے تو اسی اثناء میں نصر ملک فرشتوں کی فوج کے ساتھ حکم خدا سے حضرت امام حسینؑ کے پاس آیا اور ملک نصر نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں مبارک ہو کہ خدا نے آپؑ کو دو کاموں سے ایک کو چن لینے کا اختیار دیا ہے:

1) اپنے تھوڑے سے لشکر کو حکم دیں کہ ان ملعونوں پر حملہ کریں، ہم ان کی مدد کریں اور تمہیں ان دشمنوں پر فتح و کامیابی حاصل ہوگی۔

ب: جان اللہ کے سپرد کرو، اس عالم فانی کو ترک کر دو اور ہمیشہ باقی رہنے والے جہان کی طرف کوچ کر جاؤ۔ اور اگر فتح و کامیابی چاہتے ہو تو بھی آپ کے مقام اور اجر سے ذرا بھر کم نہ ہوگا بلکہ وہی تو اب اور وہی شفاعت کا رتبہ خدا کے نزدیک ہوگا۔ تیرا مختار خدا کا مختار ہے اور تیری رضا خدا کی رضا ہے۔

خبر جگر فرزند پیغمبرؐ نے فرمایا: اے لہر! اگر فیاض کریم اور محبوب قدیم نے اختیار مجھے دیا تو پھر جان لے کہ میں
میں قربان کر دینے کو پسند کرتا ہوں اور میری رضا قربانی دینے میں ہے۔

سے استغاثہ نے خُرقہ کی تقدیر بدل دی

بیعت نے لکھا ہے کہ جب میدان میں امامؑ نے استغاثہ بلند کیا: قُلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا وَهَلْ مِنْ مُجِيبٍ
تو اس استغاثے کی آواز تمام صحرا اور بیابان کر بلا میں گونجی اور یحییٰ صدائے بن یزید ریاچی کے کانوں میں پہنچی تو اس کا
محبوب، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ حیرت کے دریا میں ڈوب گیا۔ فکر کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا اس کے اندر غیرت
نے اگڑائی لی، اندرونی تشیع کے خون نے جوش مارا اور اس کے دل پر نور ہدایت کی چمک آئی تو اس کا چہرہ چاند کی
سکھنے لگا اور قدرت نے اُسے جنگ کے شیطانی دوسوں سے نجات دی اور خدا نے شیطان سے کہا: إِنَّ عِبَادِي
فِي غَسِيَمٍ سُلْطَان ”جو میرے بندے ہیں ان پر تیری کوئی چال کار گر نہیں ہو سکتی۔“

خُرقہ نے اپنے گھوڑے کو جولان دی اور ابن سعد کے پاس آیا اور فرمایا: اَتَقَاتِلُ اَنْتَ مَعَ هَذَا الرَّجُلِ ”کیا اس
— یہ رومدار سے تم ضرور جنگ کرو گے یا یہ اسباب جنگ صرف بیعت لینے کا بہانہ ہیں؟“

تین سحر نے کہا: خدا کی قسم! سخت ترین جنگ کروں گا اور اس جنگ کا آسان ترین کام یہ ہے کہ بدن سے سراور ہاتھ
—

نے فرمایا: جو چیز ہر فاطمہؑ نے تم سے خواہش کی تھی اس پر عمل نہ کرو گے؟

تین سحر نے کہا: اگر میرے پاس جنگ کا اختیار ہوتا تو ضرور حسینؑ کی خواہش کو پورا کرتا لیکن کیا کروں ابن زیاد امیر کا
— حسینؑ بیعت کریں ورنہ ان سے جنگ کرو۔

جب خُرقہ کا چہرہ زرد ہو گیا اور سر نیچے کر لیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور اپنے مقام پر آ گیا۔ خُرقہ نے اپنے چچا زاد قرقہ
سے کہا کہ کیا تو نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں پلایا۔

نے کہا: کیوں کوتاہی کی اب جاؤ اور پانی پلاؤ۔

نے کہا: میں اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلاؤں گا۔

نے کہا: میں جاتا ہوں اپنے گھوڑے کو پانی پلاتا ہوں۔ خُرقہ اسی خیال میں تھا کہ دوبارہ امامؑ کے استغاثے کی آواز خُرقہ

میں گونجی: اَمَّا مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا ، اَمَّا مِنْ مُعِينٍ يُعِينُنَا جوں ہی خُرقہ نے دوبارہ یہ استغاثہ سنا تو اپنے چچا زاد

قرہ بن قیس کی طرف منہ کر کے کہا: اے چھاڑو! کیا تم امام ابراہیم اور سلطان بن ہارک غریب کا استغاثہ نہیں کر رہے ہو؟
 قُلْ لَنْتَ اَنْ تَسِيْرَ بِنَا اِلَيْهِ وَنُقَاتِلَ بَيْنَ يَدَيْهِ ”کیا تم ہمارے ساتھ آ سکتے ہو۔ اُس لشکر کو چھوڑ دو۔
 کو چھوڑ کر اگلے مصطفیٰ کے جگر گوشہ کے پاس آ گئے جائیں اور اگر جنگ ہو تو ہم ان کی مدد اور نصرت کریں۔“

قُلْنَا النَّاسُ عَنْ هَذِهِ الدُّنْيَا رَاجِعَةٌ وَكُنَّا اَمَامَ الدُّنْيَا نَمْلِكُهَا كَمَا نَمْلِكُهَا بِالْقَهْرِ شَكُّونَ السُّعَادَةِ ”اے میرے چھاڑو! دنیا رہنے کی جگہ نہیں، دنیا کی نعمتیں کسی پر بھی نہیں رہیں، شاید اس غریب امام کی ہمیں شہادت کی دولت مل جائے اور ہم اہل سعادت سے شمار ہو جائیں اور روئے قیامت فرزندِ علیہ السلام کے ساتھ مشہور ہوں گے
 ہمیشہ کی نعمتوں سے سرور ہوں۔“

قرہ بن قیس نے سعادت نے کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ قرہ بن قیس نے ہمارے منہ چماتے ہوئے
 بیٹے کے پاس آیا اور کہا: يَا بُنَيَّ لَا تَصْبِرْ لِي عَلَى النَّارِ وَلَا عَلَى خَطْبِ الْجَبَّارِ وَلَا اَنْ يَكُونُ خَدَا خَصْمَتِي قُلْنَا
 السُّعَادَةِ ”اے فرزند! میں جہنم کی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جبار اللہ کا غضب برداشت کر سکتا ہوں
 اس کی طاقت رکھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن علیہ السلام سے میری دشمنی ہو۔“

تم نے جگر گوشہ بنو فرزدیہ رسول کا غریب کا استغاثہ سنا ہے۔ جس قدر مدد مانگ رہے ہیں کوئی ان کا حامی وہ
 نہیں۔ تم آؤ میرے ساتھ تاکہ حسین کی خدمت میں جائیں۔ خُر کے فرزند ارجمند نے کہا: ہاں! آپ کا حکم میری آنکھوں
 ہے۔

فَجَعَلَا يَدْنُو مِنَ الْحُسَيْنِ قَلِيلًا قَلِيلًا ”پس دونوں سلطان العالین کے حضور میں شرفیابی کے قصد سے آہستہ
 آہستہ آ رہے تھے۔“ ابن سعد کے لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے اوس مہاجر کے پاس سے عبور کیا۔

اوس مہاجر نے پوچھا: اے بہادر! کیا خیال ہے؟ کیا میدان میں تم پہلے شجاعت اور بہادری دکھانا چاہتے ہو؟
 جناب خُر نے مہاجر کا جواب نہ دیا جبکہ زمین پر خُر کا بدن بید کی طرح اس قدر کانپ رہا تھا کہ بدن کی ہڈیوں کی آواز
 سنائی دیتی تھی۔

مہاجر نے کہا: اے خُر! خدا کی قسم! میں تمہاری حالت دگرگوں دیکھ رہا ہوں، میں نے تجھے بڑے میدانوں میں دیکھا
 ہے، تیری بہادری اور شجاعت کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اگر کوفہ کے شجاعوں کے متعلق مجھ سے کوئی سوال کرتا تھا تو تیرا نام
 تھا اور آج یہ آپ کی حالت ہے۔ کیوں پریشان اور خوف زدہ ہو؟

جناب خُر نے کہا: اے مہاجر! خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو جنت و جہنم کے درمیان پاتا ہوں لیکن میں نے جنت احرا

کہا اور گھوڑے کو ایسا تازیانہ لگا دیا کہ گھوڑا ہوا میں اڑنے لگا۔

مرحوم سید لہول میں لکھتے ہیں: وَبَيْنَا عَلَى رَأْسِهِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَلْبِسْ اَدْبُكَ ثَوْبًا عَلِيًّا فَكَفَدَ اَمْرًا عَظِيمًا نَحْنُ بِلَدِّهِ وَاولادہ بنیہ نبیہ "جناب غرے سر پر ہاتھ رکھے اور حالت زار و گریہ میں غزوہ ہند سے کہہ رہے تھے: جس میری طرف لوٹ آ جا ہوں، میری توبہ قبول کر۔ میرے نگاہ معاف کر دیکہ میں نے میرے پیاروں کو ذرا پایا ہے اور میری نوا کو پریشان کیا ہے۔"

ان کی یہ حالت دیکھ کر میں شرمندہ ہوں اسی طرح زمرہ کرتا ہوا، روتا ہوا حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کی صف میں۔ اصحاب نے راستہ دیا، اس مردِ دین دار کی نظر جوں ہی بھال پڑے طالعِ مصیبت پر پڑی تو دل سے فریاد کی اور غرہ کو سے کر دیا، چہرے پر خاک لگائی اور امامؑ کے قدموں پر گر پڑا۔ قدموں کو بوسے دیے اور زار و قطار روتے ہوئے کہیں مَسْئُولُ اللّٰهِ التَّوْبَةُ التَّوْبَةُ "میری غلطی معاف کر دیں۔" ثُمَّ بَكَى بِنَاءً اَشَدَّ بَيْتًا وَقَالَ الْاِحَامُ اِرْكُم بِحَبِيم اور پھر بہت بلند بلند آواز سے روبا۔

حضرت السلامؑ نے فرمایا: اے بزرگوار! اپنا سر بلند کر بلکہ روایت میں ہے کہ حضرت امامؑ غرہ جگے اور غرہ کا سر غرہ خاک سے چنے پاک ہاتھوں سے غرہ کے چہرے پر لگی خاک کو صاف کیا۔

حسین کی جنگ کا آغاز

مذہب شریعت دووں لشکر آئے سارے تھے اور کئی بار امام علیہ السلام نے اس خدار اور مکار قوم کو وعظ و نصیحت کی جس نے ہر قسم کے سعادت سے جناب خیرین ریاحی، اس کے بیٹے اور غلام پر اثر ہوا اور وہ تابع ہوئے اور امامؑ کے ساتھ ملحق

مہر تہ سحر کو اس بات کا علم ہوا تو سخت غصہ آیا اور جنگ کا ارادہ پختہ کر لیا اور نعرہ لگایا: یَا ذُرَیَّةَ اَدْنِ مَرَأَيْتَنَ "اے حبیبِ لاؤ، پس وہ قریب لایا اور پہلی صف میں کھڑا ہو گیا۔" ابنِ سعد بھی ساتھ کھڑا تھا۔ پھر لشکر سے باہر آیا اور اپنے سے تیر کمان لے کر تیر کو کمان میں رکھا اور بلند آواز سے کہا: اے کوفہ والو! بوڑھے اور جوان سب ابنِ زیاد کے ساتھ دینا کہ میں نے جنگ کا آغاز کیا تھا اور سب سے پہلا تیر امام حسینؑ کی طرف میں مار رہا ہوں اور پھر تیر کو امامؑ کی طرف دینا۔

جب روضۃ الصفاء نے لکھا ہے کہ امامؑ کے اصحاب نے بلند آواز سے کہا: ہاں ابنِ سعد! ہم کو ایسی دیتے ہیں کہ اس

لشکر میں سے سب سے پہلے جہنم جانے والا تو ہے۔

ابن سعد کو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ جس جس شخص کے پاس تیر کمان ہے تیروں کی بارش کر دے۔ **وَاقْبَتِ مِنَ الْقَوْمِ كَأَنَّهَا الْقَطَرُ** حضرت نے حسرت سے اصحاب باوقا سے فرمایا: **قَوْمُوا رَاجِعْكُمْ اللَّهُ إِلَى الْمَوْتِ نَبْرًا مِنْهُ** ”اے انصار! اللہ تم پر رحمت نازل کرے۔ جہاد میں ثابت قدم رہو کیونکہ موت سے چھٹکارا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ تیر آ رہے ہیں یہ موت کا پیغام لانے والے ہیں۔“

پس امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جہاد کی اجازت دی تو انہوں نے بھی اپنے تیر کمانوں میں ڈال کر انہیں لشکر پر بارش برسا دی۔

محمد بن ابی طالب سے منقول ہے کہ لشکر ابن سعد کے تیر اندازوں کی تعداد آٹھ ہزار نفر تھی جبکہ امام حسینؑ کے تیر اندازوں کی تعداد صرف پچاس نفر تھی۔ اس لیے جب ابن سعد کے لشکر نے تیر چلائے تو زمین و آسمان کربلا کی تیر چلی ہوئی تھی اور دشمنوں کے تیروں سے امامؑ کے کئی صحابی زخمی و مجروح ہوئے۔

جب لشکر حسینیؑ کے سالار قمر بنی ہاشم سلام اللہ علیہ نے یہ حالت دیکھی تو علم آگے لائے اور لشکر کفر کی طرف نہ روئے اور اپنے آپ کو دشمن کے قلب میں ڈال دیا اور دوسری طرف شجاعت کے شیر شہزادگان امامؑ جناب قمر بنی ہاشمؑ پیچھے ایسے چلے کر رہے تھے جیسے بھوک شیر بھیروں کے ریوڑ پر حملہ کرتے ہیں۔ ان بد بختوں کے وسط میں داخل ہو کر شہید ہو گئے۔

زہیرؑ نے لشکر کے میمنہ اور حبیبؑ نے میسرہ کو حرکت دی تو دو لشکروں نے دو فولادی پہاڑوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ وہ سر ہوا میں اڑ رہے تھے اور خون کی ندیاں پانی کی طرح بہہ رہی تھیں۔ سردار لشکر ایمان، مرتضیٰؑ و وارث حضرت عباسؑ اپنی شجاعت کے صبح عاشور جو ہر دکھا رہے تھے کہ لوگوں کو ایک مرتبہ پھر علیؑ کی شجاعت اور جنگ یاد دلائے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نفس نفیس حضرت امیر المومنینؑ اسد اللہ الغالب ہیں کہ اس لشکر کے دریا میں گھس کر بغیر کسی زخم کے ان بدکاروں کی زندگیاں کو تلوار کی آگ سے جلا رہے ہیں۔

دوسری طرف سے شہزادہ علی اکبر سلام اللہ علیہ اس لشکر کثیر سے نجم یاقب اور کوکب طارق کی طرح چمک رہے تھے۔ تلوار کی خون بہانے والی بجلی تھی۔ کبھی اوپر سے، کبھی نیچے سے، کبھی مشرق سے، کبھی مغرب سے اس کی چمک نظر آتی تھی۔ مسلسل سپاہ کفر کو جہنم میں بھیج رہے تھے۔

تیسری طرف سے حضرت قاسم بن حسن سلام اللہ علیہ بدو منیر کی طرح اس تاریک اور غبار آلود ماحول میں چمک

بشمولوں سے امان ختم کر دی تھی اور ہر حرکت کی مجال چھین لی تھی۔ وہ ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے، سر تھے کہ سر ہوتے نظر آتے تھے اور جس کو کمر میں تلوار مرتے تھے اس کے تازہ کھیرے کی طرح دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور جسے سر تھوڑے کرتے، تو تلوار کی بجلی اور برق سے ناک کی سیدھ میں دو حصے کر دیتے۔ دوسرے شہزادوں نے سخت لڑائی کی لیکن یہ تمام شہزادے بھوکے اور پیاسے تھے۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: روزِ عاشورہ دن کے نکلنے کے بعد ایک گھنٹہ تک جنگ مغلوبہ برپا تھی اور پے در پے حملے کر رہے ایک دوسرے پر کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں لشکرِ کفر کے کافی سپاہی واصل جہنم ہوئے اور امام حسینؑ کے پاک سے بھی کچھ صحابہ منزلِ شہادت پر فائز ہوئے۔

صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: لشکرِ حسینیؑ کے اصحاب اور غلاموں سے شہداء کی تعداد ۵۳ تھی اور باقی اصحاب زخمی تھے لیکن حضرت علی اکبرؑ کو ایک زخم بھی نہ لگا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دس نفر غلاموں نے حضرتؑ کے ارد گرد حلقہ ڈالا ہوا تھا جو جرات نہ ہوئی کہ حضرت علی اکبرؑ کے جسم پر زخم لگا سکے۔

صاحبِ کتاب ہذا رقم کرتے ہیں کہ اس پہلے حملہ میں ۵۲ یا ۵۳ اصحاب اور غلام درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ بعض لکھتے ہیں۔

حضرت کے شہداء کے اسمائے گرامی

صاحبِ ختمی الآمال نے یہ نام ۵۶ لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں:

جناب نعیم بن عجلان یہ نعمان بن عجلان کے بھائی ہیں جو امیر المومنینؑ کے صحابی تھے اور بحرین و عمان میں حضرتؑ کی طرف سے عامل بھی تھے۔

جناب عمران بن کعب بن حارث الاشجعی

جناب حظلہ بن عمرو شیبانی

جناب قاسط بن زہیر

جناب مقسط بن زہیر جو قاسط کے بھائی تھے، البتہ شیخ مفیدؒ نے اپنے رجال میں اس مقسط کے بابا کا نام عبد اللہ لکھا ہے نہ کہ زہیر۔

جناب کنانہ بن عقیق تھامی۔ جو کوفہ کے بہادروں، قاریوں اور عابدوں میں شمار ہوتے تھے۔

جناب عمرو بن ضبیحہ بن قیس۔ یہ بہادر شجاع شہسوار تھے۔

۸) جناب فرغانہ بن مالک ثقفی۔ بعض نے لکھا ہے کہ لہذا ظہر کے بعد ہار دت طلبی میں لٹکے اور شہید ہو گئے۔

۹) جناب مامر بن مسلم العدنی

۱۰) جناب سالم۔ جو مامر بن مسلم کے غلام تھے اور یہ دونوں ہمرہ کے شہید تھے۔

۱۱) جناب سہب بن مالک العدنی

۱۲) جناب اوسم بن امیہ

۱۳) جناب یزید بن عقیل (۱۵) ۱۴) یہ چار لوگ امام کی مدد کے لیے آئے تھے، جو پہلے حملے میں شہید ہو گئے۔

۱۴) جناب عبدالرحمن بن عبداللہ الاربعی المہدائی۔ یہ وہ شخص ہے جسے اہل کولہ نے قیس بن مسمر کے ساتھ مکہ میں

کے پاس خطوط دے کر بھیجا تھا۔ یہ ۱۲ رمضان کو مکہ میں حضرت امامؑ کے پاس پہنچے تھے۔

۱۵) جناب جناب بن عامر الجعفی۔ یہ کولہ کے شیعوں میں سے ہیں جنہوں نے جناب مسلم بن عقیل کی بیعت کی

جب کوفیوں نے جناب مسلم پر ظلم کیا تو یہ امام حسینؑ کی خدمت کے قصد سے کولہ سے لٹکے اور راستے میں کسی

امام حسینؑ سے ملحق ہو گئے۔

۱۶) جناب عمرو الجعفی۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ذی قبیض پڑے تھے۔ ان کی قوم میدان جنگ سے انہیں باہر لائی اور

تک مرہض رہے اور پھر گمر میں ہی وفات پائی۔

۱۷) جناب غلاس بن عمرو الازدی

۱۸) جناب نعمان بن عمرو۔ یہ غلاس کے بھائی تھے۔ یہ دونوں کوئی تھے اور حضرت علیؑ کے صحابی تھے بلکہ غلاس تو صحابہ

ظفر کے گمان داروں میں سے ایک تھے۔

۱۹) جناب سوار بن ابی عمیر، یہ پہلے حملہ میں عمرو بن ہریرہ اور شہداء میں پڑے تھے، ان کو قید کیا گیا اور انہیں

لے گئے۔ عمرو بن ہریرہ نے حکم دیا اسے قتل کر دو لیکن ان کی قوم نے ان کی سفارش کی، اس طریقہ پر ان کی جان بچ گئی

میں عمرو بن ہریرہ تھے اور بیسے ماہ کے بعد وفات پا گئے۔

۲۰) جناب مویق بن ثامہ۔ یہ بھی ذی قبیض ہو کر عتقلین میں گر گئے تھے، ان کی قوم انہیں کولہ لائی اور چھپا دیا لیکن

اطلاع مل گئی۔ اس نے قتل کا حکم دیا لیکن ان کی قوم بنی اسد نے سفارش کی تو وہ قتل سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ

بلکہ دارہ نامی مقام جو عمان میں تھا، پر جلاوطن کر دیا اور شہید ذہنوں کی وجہ سے مرہض ہو گئے اور ایک سال

عالم غربت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

جانب ہمار بنی سلامۃ الدلائل المہدی - یہ اصحاب امیر المومنین بلکہ حضرت کے حامدین میں سے تھے
جانب زاہر جو عمرو بن الحسن کے غلام تھے۔ یہ محمد بن عثمان کے ہمدان تھے اور ۶۰ ہجری میں حج سے مشرف ہوئے اور
میں سے امام حسین کی صحابیت میں آگئے اور حملہ اولی کے شہداء میں شامل ہو گئے۔

جانب جہلم بن علی البغہالی جو کولہ کے بہادروں میں سے تھے۔

جانب مسعود بن الحجاج القسری

جانب عبدالرحمن بن مسعود بن حجاج - یہ اور ان کے باپ فہار اور چالے بچالے تھے۔ یہ دونوں کربلا میں ابی سعد کے
ساتھ آئے تھے۔ دونوں ابی سعد سے اجازت لے کر امام حسین کو سلام کرنے آئے لیکن ان کا سلام گستاخانہ لے لے
سناوت مند ثابت ہوا اور یہ امام حسین کی خدمت میں ہی رہے اور پہلے حملے کے شہداء میں شامل ہو گئے۔

جانب زبیر بن بکر النخعی

جانب ہمار بنی حسان بن خریج الطائی جو قلعہ شہید تھے اور امام حسین کے ساتھ مکہ سے کربلا تک رہے۔ حسان اصحاب علی
سے تھے اور صفین میں شہید ہوئے اور یہ عمار حملہ اولی میں شہید ہو گئے۔

جانب مسلم بن کثیر ازوی کوئی تابعی - کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی کے اصحاب میں سے تھے اور کسی جنگ میں ان کے
ہوش پر فخر آ گیا تھا۔ یہ کولہ سے آئے اور کربلا میں امام حسین سے ملحق ہوئے اور روئے عاشور پہلے حملہ کے شہیدوں میں
شامل ہو گئے۔

جانب زبیر بن سلیم ازوی، یہ وہ بزرگ ہیں جو شب عاشور امام عالی مقام سے ملحق ہوئے ہیں۔

جانب عبداللہ بن یزید عقیلی

جانب شہید اللہ بن یزید عقیلی

جانب محبوب بن جبر گندی خولائی - یہ حضرت امیر المومنین کے صحابی تھے۔

جانب ہمدان بن کعب انصاری - یہ مکہ سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ امام کے ساتھ شامل ہوئے۔

جانب سالم بن عمرو۔

جانب اسم بن حبیب ازوی

جانب گر بن جی القسری

جانب جوین بن ابی مالک القسری

- ۳۸ جناب اُمیہ بن سعد الطائی
- ۳۹ جناب عبداللہ بن بشر، جو مشہور بہادروں میں سے تھے۔
- ۴۰ جناب بشر بن عمرو
- ۴۱ جناب حجاج بن بدر بھری۔ یہ مسعود بن عمر کا خط بصرہ سے لائے تھے۔
- ۴۲ جناب قحط بن عمرو غمری بھری
- ۴۳ جناب عائد بن جمح بن عبداللہ عائدی۔ ان کے علاوہ امام حسینؑ کے دس غلاموں نے شہادت نوش کی اور دو غلام -
- امیر المومنینؑ بھی اسی حملہ میں شہید ہوئے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
- ۴۴ جناب اسلم بن عمرو۔ یہ امامؑ کے کاتب تھے۔
- ۴۵ جناب قلوب بن عبداللہ دہلی۔ ان کی ماں امامؑ کی کنیز تھیں۔
- ۴۶ جناب مخ بن سہم جو امام حسنؑ کے غلام تھے اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کر بلا آئے۔
- ۴۷ جناب سعد بن الحرث، یہ حضرت علیؑ کے غلام تھے۔
- ۴۸ جناب نصر بن ابی نضر۔ یہ بھی حضرت علیؑ کے غلام تھے اور ان کے والد مولا امیر المومنینؑ کے باغ میں کام کرتے تھے۔
- ۴۹ جناب حرب بن بھان۔ یہ حضرت حمزہ سید الشہداء کے غلام تھے۔
- ۵۰ جناب اعصف بن سعد
- ۵۱ جناب قیس بن ربیع
- ۵۲ جناب سعد بن ربیع
- ۵۳ جناب عبداللہ بن ربیع دجانه
- ۵۴ جناب محمد بن مقداد
- ۵۵ جناب سلیمان
- ۵۶ جناب کرش بن زہیر

لشکرِ اسلام پر لشکرِ کفر کا دوسرا حملہ

محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں: فَمَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَحَدٌ إِلَّا أَصَابَهُ مِنْ

سے سر کی یلغار کی وجہ سے اصحابِ حسینؑ سے کوئی ایسا نہیں تھا جسے لشکرِ کفر کا کوئی تیر نہ لگا ہو اور وہ زخمی نہ ہوا ہو۔ چونکہ امامؑ کے بڑے تعداد کم تھے لہذا شہدا کی شہادت بہت نمایاں تھی لیکن لشکرِ کوفہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے ان کے کثیر تعداد میں سے کچھ کے باوجود ان مقتولین کی کمی نمایاں نہ تھی۔

جو اصحابِ امامؑ باقی بچ گئے تمام زخمی، تھکے ماندے، پیاسے تھے لیکن اس کے باوجود کمالِ قوت سے خیام کے آگے من مرتبہ صف بستہ ہو گئے۔ اپنے سینہ اور میسرہ کو آراستہ کیا۔ اُس طرف لشکرِ ابنِ سعد نے پہلے حملے کے بعد صرف گھوڑوں پر چڑھ کر اپنی زرہ اور اسلحہ کو صاف کیا اور تھوڑی سی دیر کے بعد پانی وغیرہ پی کر انھوں نے بھی دوبارہ اپنی صفیں مرتب کیں۔ ان کی طرف کسی پہاڑ سے آنے والے سیلابی ریلے کی طرح یہ لشکرِ کفر بڑھنے لگا اور تیر اندازی شروع کر دی۔

مرحوم شیخ صدوق اپنی امالی میں لکھتے ہیں: اس دن امام حسینؑ کا سن مبارک ستاون سال سے زیادہ تھا۔ حضرتؑ نے نہایت بہ حالت میں اپنی ریش مبارک کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور بدعا کی جس میں بتایا کہ چند مرتبہ خدا کا غضب مخلوق پر بہت

غَضَبَ اللّٰهُ عَلَی الْیَہُودِ حِیْنَ قَالَ عَزِیْزُ ابْنُ اللّٰهِ غَضَبَ اللّٰهُ عَلَی النَّصَارَی حِیْنَ قَالُوا الْمَسِیْحُ بْنُ اللّٰهِ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ عَلَی هَذِهِ الْعَصَابَةِ الَّتِیْنَ یُرِیدُہُ قَتْلَ ابْنِ نَبِیِّہُمْ
 ”ایک مرتبہ اس وقت اللہ غضب ناک ہوا جب یہود نے عزیر کو ابنِ اللہ کہا۔ پھر اس وقت غضبناک ہوا جب نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے اور آج تو اللہ کا غضب شدید ہے کہ یہ قوم اپنے پیغمبرؑ کے بیٹے کو قتل کر رہی ہے۔“

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں لکھا ہے کہ اس دوران میں بنی تمیم کا ایک ناپاک شخص عبداللہ بن خوزہ ابن سعد کے لشکر سے نکلا۔ یہ حسینؑ کے خیام کی طرف روانہ ہوا۔ پیچھے سے ابن سعد کے لشکر نے اسے آوازیں دیں اور کہا: عبداللہ موت کی طرف جا رہے ہو؟ کیا اپنی شجاعت پر ناز ہے کہ اس طرح بے پروا جا رہے ہو؟

اس نے جواب دیا: اِنِّیْ اَقْدَمُ عَلَی رَبِّ رَحِیْمٍ وَشَفِیْعٍ مُّطَاعٍ
 امامؑ نے پوچھا: یہ شخص کون آ رہا ہے؟
 عرض کیا گیا: یہ عبداللہ بن خوزہ ہے۔

حضرتؑ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور بارگاہِ الہی میں بدعا کی: اَللّٰهُمَّ جَعَلْہَا جَزَاءً لِّی النَّارِ۔ ”میرے اللہ! اس سرکش کو جہنم میں ڈال دے۔“ ابھی امامؑ کی بدعا مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس کا گھوڑا کودا اور چھلانگ لگائی تو یہ ناپاک خشک نہر میں سرخوں

ہو گیا لیکن اس کیفیت سے کہ اس کا پایاں پاؤں رکاب میں پھنسا ہوا تھا اور دایاں پاؤں ہوا میں قابض کہ اس کا چھوٹا تھا۔ اس کا گھوڑا کودنے ہوئے اس کے سر، چہرے اور جسم میں اس قدر پاؤں مار رہا تھا کہ اس کے سر، چہرے اور جسم پر لوث گئیں۔ اسی اثنا میں جناب مسلم بن عسید نے اس کی کمر پر تلواریں سے ضرب ماری اور اسے جہنم میں پھینکا دیا۔

لنکر کو لے امام کی بدعا کے ذریعے پھر اس وقت کوئی جہازت اور بے غرضی نہ کی اور کسی کو میدان میں نہ بڑھانے کی طاقت نہ رہی۔

عمر بن سعد نے جب لنکر کی یہ حالت دیکھی تو غصہ ناک ہو کر لنکر کو کالی پٹنے کا اور کہا: امام سے جنگ کرنے کی بات نہیں بڑھتے اور میدان میں کیوں نہیں لڑتے؟ کیا اس قبل لنکر سے جو تمام دشمن، گھوڑے اور پیادے ہیں، سے لڑنے کے لئے لنکر کفر ابھی صد کی قریب اور غریبوں سے حرکت میں آیا اور امام کے لنکر پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن قحافہ سرحد پر اپنے سواروں کو حکم دیا کہ امام کے لنکر کے پیچھے پر حملہ کر دو۔ امام کے لنکر کے پیچھے کے سردار زبیر بن عقیل بھی دیکھا کہ اگر اسی طرح لنکر کفر نے ہمارے اوپر حملہ کر دیا تو ایک لیلے میں ہمارا لنکر شہید ہو جائے گا، تو پھر سمجھا کہ تمام ساتھی گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو کر آگے بڑھیں اور اس لنکر کو روکیں۔

پس اس فرمان پر سب سوار اترے اور نیزے لے کر دشمنوں کے آگے گھوڑوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ گھوڑے نڈھک آئے تو گھوڑوں کی آنکھوں میں نیزے مارے جس کی وجہ سے گھوڑے ڈک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ قریب سے دونوں لشکر جہازان ہوئے کہ یہ کیسی تدبیر ہے کہ اس قبل تعداد نے لاکھوں کے لنکر کو روک لیا ہے۔ علامہ قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ یہ تدبیر جنگوں کی تاریخ میں عجیب و غریب ہے جو زبیر نے آج تک ایسی تدبیر نہ کس نے سن لی اور نہ دیکھی۔

اس روئے سے عمرو بن قحافہ کسی مالزیہ کی طرح اچھا اور بلند آواز سے لنکر کو آواز دی: اے بے ہمتو! مجھے زلیل و خوار کر دیا ہے، یہ بہت قبل جماعت ہے ایک ہی حملہ سے ان کو گھوڑوں کے سموں میں روو بیٹھے ہو، کیوں ڈکے حملہ کرو۔

اس لنکر کفر نے دوبارہ اپنے گھوڑوں کو پیچھا لگا کر گھوڑے آگے بڑھیں لیکن گھوڑے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے اور اسی حالت وحشت میں آرام سے کھڑے تھے۔ عمرو بن قحافہ دوسری مرتبہ پھر فرمودہ ہوا اور اس کے دماغ سے گھبراہٹ گیا اور کمال ذلت سے میدان جنگ سے واپس چلا گیا اور اپنے لنکر کو بھی واپس روانہ کیا۔

مرحوم ملیح لکھتے ہیں کہ جوں ہی لنکر کفر نے امام کے لنکر کی طرف ہتھیار کی اور عقب نشینی کی تو اصحاب حسین

مذمت سے فائدہ اٹھایا اور یزید کو زمین پر پھینک دیا اور کمانوں میں میر لگائے اور واپس جاتے ہوئے لشکر کفر پر تیروں کی بارش کی اور کافی لشکریوں کو جہنم میں پہنچا دیا، جب کہ ہائی لشکری اپنے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ادھر اسباب حسین اپنے منصب پر سوار ہوئے اور قار و عزت سے اپنی صف کو دوبارہ منظم کر لیا۔

جب فرما کر قوم کو وعظ و نصیحت کرتا اور بھائی پر اثر

جب دوسرے حملے کے بعد میدان میں سکون اور آرام ہوا اور دونوں لشکروں نے اپنی صفوں کو پھر مرتب کیا تو فرما اپنے منصب سے اترے اور مرکب کا لنگ گھینچا اور پھر قسم آلود شیر کی طرح سوار ہوئے اور جلدی سے دنیا و آخرت کے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”میں قربان جاؤں، میں ایک شرمندہ اور رو سیاہ بندہ ہوں کہ سب سے پہلے آپ کا راستہ میں سے نکلا تھا اور یہاں میں غیر معروف راستوں پر آپ کو چلنے پر مجبور کیا اور مقام پر پختی کی کہ یہاں رہیں۔ اب میں اپنے اس منصب پر شرمندہ ہوں۔“

اے لرزدہ و شہید! خدا کی قسم! میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا، مجھے معاف کر دیں اور اجازت دیجئے کہ سر کو آپ کے قدموں میں رکھ دوں کہ شاید میری لغوائی ہوئی عزت واپس آ جائے۔ یہ کہہ رہے تھے اور آنسو بہا رہے تھے اور اپنے زانوؤں پر رو رہے تھے جیسے سادوں کے بادل کی بارش کے قطرات ہوتے ہیں۔

امام نے فرمایا: اے خرا تم ہمارے مہمان ہو، ابھی تمہاری تھکان بھی زور نہیں ہوئی ہوگی۔ گھوڑے سے اتر آؤ اور آرام

فرمائیے عرض کیا: میں قربان جاؤں، مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔ کاش میرا نام و نشان اس صفیٰ ہستی سے صاف جاتا اور یہ مجھ سے سرزد نہ ہوا ہوتا۔ مجھے اب اجازت دیں کہ ابھی میدان میں جاؤں۔

ناہر روایت یہ ہے کہ عرض کیا: اے لرزدہ و رسول! میں پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے خلاف غرور کیا لہذا حق فراموش اور التماس ہے کہ مجھے میدان چالنے کی اجازت دیں تاکہ میں پہلا شخص شمار ہوں جو آپ کے قدموں میں شہید

غلام مجلس فرماتے ہیں: جناب خرا کا اس مقصد سے کہ میں پہلا شہید شمار ہوں، مراد یہ تھا کہ مبارزہ طلبی کرنے والوں سے پہلے ہوں اور شہید ہو جاؤں ورنہ حملہ اولیٰ میں امام کے چہن چہن ساتھی شہید ہو چکے تھے اور جناب خرا کو جاننے سے جناب خرا کے بار بار التماس اور غواہی ملنے کے بعد حضرت امام حسین نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور روئی آنکھوں سے

خُر کو اجازت دی۔ جب اذن جہاد ملا تو یہ شجاع، دلیر اور بہادر شخص اپنی خوش قسمتی اور خوشحالی کو سنجال نہ سکتا تھا۔ یہ میدان میں آئے اور اپنے مرکب کو جولان دی۔ دونوں لشکر خُر کو دیکھنے میں مشغول تھے کہ اس رشید دلاور نے دلیرانہ سے ایک گرج دار نعرہ لگایا اور اپنا نام و نسب بیان کیا اور باوازا بلند بار بار یہ جملہ دہراتا رہا کہ میرا امیر ہے تو صرف حسین۔

امیرِی حُسنِ وِ نعمِ الامیر - لَهُ لُمَعَةٌ کَالْمِیْرَاجِ الْمُنیرِ

پھر فرمایا: اے اہل کوفہ تمہاری مائیں تمہارا غم منائیں اور ان کے آنسو ہمیشہ جاری رہیں۔ اے ملائین! کیرتہ نیک، صالح، شائستہ بزرگوار کو پہلے دعوت دی۔ جب وہ تمہارے علاقہ میں آئے تو ان کو تنہا چھوڑ دیا۔ حالانکہ تمہارے یہ تھے کہ ہم اپنی جائیں آپ پر قربان کر دیں گے۔ اب یہ کیسا انصاف ہے کہ لشکر لے کر آگئے ہو اور ان کو قتل کرنا چاہتے ہو ان کے اطراف میں چلے جانے کے راستے بند کر رکھے ہیں؟؟ انہیں اپنے وطن کی طرف اور نہ کسی اور طرف جانے دیتے۔ اے بے وفا لوگو! اس سے بڑا ظلم کون سا ہو سکتا ہے کہ جس پانی سے حیوان اور یہود و مجوس سیراب ہو رہے تھے۔ ساقی کوڑ اور ان کی آل پر پانی بند کر دیا ہے اور اولاد رسول کا خون بہانے جا رہے ہو۔ تم بہت غلط راستے پر چل چکے۔ تمہیں روز قیامت سیراب نہ کرے اور ابنِ سعد برباد ہو کہ اولاد رسول کا خون بہانا چاہتا ہے۔

جب جناب خُر کا کلام یہاں تک پہنچا تو فَحْمَلْ عَلَیْہِ رَجَالٌ یُّؤْمِنُوْنَ بِالنَّبَیَّةِ تو ابنِ سعد کے لشکریوں نے بارش برسا دی۔ جناب خُر نے امام اور اصحاب باوفا کی تقبلی پر بہت اُدغجی آواز سے گریہ کیا۔ اپنے خطی نیزے کو، خونہ سنجال کر گھوڑے کو ایسا تازیانہ لگایا کہ گھوڑا قلبِ لشکر میں جالگا۔

اسی دوران میں جناب خُر کے بھائی مصعب بن یزید بھی وہ لشکرِ کفر سے نکلا اور گھوڑا دوڑا کر جناب خُر کے پاس پہنچا۔ لشکرِ کفر نے بھی سمجھا کہ مصعب جناب خُر سے جنگ کرنے جا رہے ہیں لہذا تمام گردنیں لمبی کر کے غور سے دیکھنے لگے۔ جناب خُر اپنے سگے بھائی کے قریب آنے سے پریشان ہوئے اور چہرے کا رنگ زرد ہو گیا کیونکہ اسے کبھی یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ بھائی مجھ سے لڑے گا لیکن جوں ہی مصعب جناب خُر کے سامنے آئے تو اپنے گھوڑے سے اترے اور بھائی کے پاؤں سے رکھ کر رکابوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا:

اے بھائی جان! تم دونوں جہانوں میں سرفراز ہو کہ میری ہدایت کا باعث بن گئے اور مجھے راہِ راست پر لانے میں مدد دی۔ نیز مجھے لشکرِ خدا میں شامل کر دیا تاکہ بھائی سے بھائی جدا نہ ہو سکے! خدا کی قسم! اگر زمین اور آسمان سے مجھ پر تیرا نعرہ کے وار ہوتے رہیں تو بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔

جناب خُر نے خوش ہو کر بھائی کو گلے لگایا اور گھوڑے پر بیٹھے ہوئے بھائی کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا: اب تم

جو جو اور ہم مل کر اس بے حیا لشکر سے جہاد کریں کیونکہ ان کافروں سے جہاد اور اس راہ میں قتل ہو جانا موجب سعادت ہے۔

مصعب نے عرض کیا: آپ جو فرمائیں گے میں اطاعت کروں گا البتہ میرا دل چاہتا ہے کہ شہادت سے پہلے بے مثال مسکن کی زیارت کر لوں۔ مجھے ان کی خدمت اقدس میں لے جاؤ تاکہ ان کی قدم بوسی کر لوں اور اپنی تفصیروں کی معافی حاصل کروں۔ جناب خُرنے قبول کیا اور بھائی مصعب کو کائنات کے سلطان کی خدمت میں لے آئے۔ جب حضرت کی خدمت پہنچے تو فوراً مصعب نے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور پھر دوڑ کر حضرت کے قدموں پر بوسے دیئے۔ جناب خُرا امام نے حاضر ہوئے اور اپنے بھائی مصعب کی تفصیروں کی معافی مانگی۔

حضرت امام نے خُرنے کی تحسین و آفرین کی اور مصعب کی تفصیریں معاف کر دیں اور دونوں بھائیوں کے حق کی طرف توجہ بخشنے کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر جناب خُرنے کے میدان کارزار میں وعظ و نصیحت کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک اور شخص یعنی خُرا کا بھائی بھی حق پر آگئے۔

یہ خُرا اپنے بیٹے کو میدان میں بھیجنا اور بیٹے کی شہادت

مقتضیٰ ابوجحیف میں ہے کہ جب جناب خُرنے جہاد کی اجازت مانگی اور حضرت نے اجازت دی تو جناب خُرنے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! ان ظالموں پر حملہ کرو اور اپنی جان امام حسینؑ پر قربان کر دو۔

میں نے قبول کیا اور خطی نیزہ ہاتھ میں لیے مرکب پر سوار ہو کر لشکر کفر کی طرف روانہ ہو گیا۔ خُرا اپنے بیٹے کی جنگ دیکھتا تھا کہ کاپٹا شیر خُرا کی طرح ان لومڑی صفت انسانوں پر حملے کر رہا تھا۔ کبھی ان کے میمنہ پر اور کبھی ان کے میسرہ پر، خون بھی رُخ کرتے تھے ان پست فطرت لوگوں کی لاشیں ایسے گرتی تھیں جیسے خزاں کے موسم میں ہوا سے درختوں کے پتے گرنے ہیں۔ اس لڑائی میں علی نے اپنے نیزہ سے ۲۳ لوگوں کو جہنم کے حوالے کر دیا۔ پھر کسی کو ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ وہ شجاع اور دلیر میدان میں گھوڑے کو جولان دے رہا تھا اور مبارزہ طلبی کر رہا تھا۔ جو شخص بھی ان کا پاک سے اس کے مقابل نکلتا تو فوراً بے دھڑک ہو کر نوک نیزہ سے اسے زمین پر پچھاڑ دیتا تھا اور بعض اوقات ایسا زمین پر سے لے کر آسمان تک ہڈیاں تک ٹوٹ جاتیں۔

پھر جحیف کے مقتل کے مطابق اس میدان شجاعت کے شیر جوان نے ستر نفر ابن سعد کے قتل کیے اور باقی کوئی شخص اس سے لیے نہ نکلا۔ یہ جوان واپس محضر مبارک امامؑ میں آیا اور عرض کیا: مولانا! اب ہم سے راضی ہیں؟

امام نے فرمایا: خدام سے راضی ہے۔ پھر حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
 قَاطِبِیْ عَلَیْهِمَا لَکَانَ تَرَاهِیْ عَلَیْهِمَا ”خدا یا! ان باپ بیٹے پر راضی ہو جا، میں تو ان پر راضی ہوں۔“
 پھر غر نے بیٹے کو حملہ کرنے کا کہا اور خود بھی ساتھ گیا۔ دونوں نے اپنے آپ کو قلب لشکر میں ڈال دیا اور قہر
 دونوں باپ بیٹے نے تیز ہر گروا اور میدان میں گھلی مہادی۔ پھر پھر پر حملہ کیا تو اس میں المرائی جا گروی۔ مختصر یہ۔ غر
 سہ کو آگ لگا دی اور قہوڑے سے وقت میں دو سو لاکھ کو جہنم میں پہنچا دیا۔
 جناب خ کے فرزند حملہ کرتے وقت یہ جز پڑھ رہے تھے:

اَنَا عَلِیٌّ وَاَنَا بَنُ الْحُوَالدِیْ حُسَیْنًا مِنْ بَحْمِیْمِ الْعُزْرِ

اَمْهُوَ بِذَاكَ الْفُؤَادِ یَوْمَ الْعَشْرِ - مَعَ النَّبِیِّ وَالْاَقَامِیْرِ الطَّهْرِ

”میں علی ہوں اور فرزند خ ہوں۔ ہر مشکل اور ہر تکلیف کے ہاد جہد حسین پر جان قربان کروں گا۔“

اس کے بدلے قیامت کو کامیابی ملے گی اور نبی و امام کا ساتھ ہوگا۔“

پھر غر کے بیٹے نے حملہ کیا اور لشکر میں ٹھس کر ایسا حملہ کیا کہ پچاس ہزاروں کو جہنم واصل کر دیا۔ لشکر اس کے آٹے
 قرار کر رہا تھا۔ یہ وہاں آئے لگا کہ غر سے ملاقات ہوگی۔

غر نے کہا: کہاں جاتے ہو وہاں آؤ حملہ کرو اور سعادت ابدی حاصل کرو۔

علی نے دوسرا سخت حملہ کیا اور حملہ کرتے کرتے تھک گیا، پیاس اور بھوک نے اسے مزید جگ کرنے سے روک دیا۔
 اب لشکر کفر نے دیکھا کہ وہ تھک چکا ہے اور بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے حال ہے کہ اچانک سب نے یکبارگی اس پر حملہ
 کر دیا۔ ہر شخص نے وار کیا۔ کسی نے نوک نیزہ سے، کسی نے تلوار سے، کسی نے گرز اور عمود سے غرض علی پر اس قدر ضربیں
 گئیں کہ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔

علی نے کوشش کی کہ اپنے آپ کو باپ تک پہنچائے لیکن دشمنوں میں گھر چکا تھا، اس لیے آواز بلند کہا: یَا اَبَتِیْ اَدْرِیْ
 ”بابا میری مدد کرو۔“ میں دشمنوں میں پھنس چکا ہوں۔ جب علی کی آواز جناب خ کے کانوں میں پہنچی تو خ اور اصحاب علی نے
 کو جانے لگے لیکن ان کے پیچھے سے پہلے علی کے بدن کو تلواروں اور نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا اور سر کاٹ کر نیزہ پر سوار کر دیا۔
 جب خ نے بیٹے کا سر نیزہ پر دیکھا تو کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ تَمُتْ بِجَاهِلًا وَاَسْتَشْهَدُ بِبَیْنِ یَدَیْ الْحُسَیْنِ
 کا شکر ہے کہ تم دنیا سے بے دین اور جاہل نہیں گئے بلکہ امام حسین کے سامنے شہادت کی منزل پر فائز ہوئے۔“

آوازیں بلند ہوئیں۔

صفوان کے تین بھائی تھے، اس کے قتل ہونے کے بعد ان تینوں نے جنابِ خُر پر حملہ کر دیا تو جنابِ خُر نے گرجا میں پناہ لی۔ اب دوسرے کے سر پر ایسی تلوار کی ضرب لگائی کہ سینہ تک چیر کر رکھ دیا۔ تیسرا بھائی بھاگا تو جنابِ خُر نے اب بھی بھاگنے میں کامیاب نہ ہونے دیا اور شکاری کی طرح اس کی پشت میں ایسا زور سے نیزہ مارا کہ نیزے کی نوک سینہ پر سے نکل آئی۔ وہ بھی جہنم واصل ہوا۔ پھر خُر نے امام حسینؑ کی طرف رخ کیا اور بلند آواز سے عرض کیا: میرے آقا! اب مجھے قتل دیا ہے، اب مجھ پر راضی ہو؟

امامؑ نے فرمایا: نَعَمْ اَنْتَ خَيْرٌ كَمَا سَمِعْتَكَ اَمْلُکَ ”ہاں میں راضی ہوں تو ویسے ہی خُر جیسے تیری ماں نے یہ کہہ دیا ہے۔“ تم جہنم کے عذاب سے آزاد ہو۔

جب جنابِ خُر نے امام حسینؑ کی طرف سے یہ بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے اور جنگ کی تھکان دُور ہو گئی اور: ۱۔ ہو کر پھر حملہ آور ہوئے۔ آپ جس طرف حملہ کرتے کشتوں کے پٹھے لگاتے جاتے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے۔ ۲۔ سواری کے زمین پر گر جاتے تھے۔ اسی دوران میں ایک پیادہ فُضْص آیا اور اس نے خُر کے گھوڑے کو زخمی کر دیا تو خُر۔ ۳۔ جنگ شروع کر دی اور ہر طرف برابر حملہ کر رہے تھے۔

جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ خُر پیدل لڑ رہے ہیں تو تازہ گھوڑا بھیجا جس پر سوار ہو کر پھر خُر نے جولان دی۔ ۴۔ آپ پر اُٹھ آیا تھا اُسے دُور کیا اور متفرق کر دیا۔ ابھی خُر چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کی زیارت کو آئیں تو اُسی وقت ہاتھ میں۔ ۵۔ آواز آئی: اے خُر! آگے آؤ، حوریں تیرے جنت میں آنے کی منتظر ہیں اور جلدی شہادت حاصل کرو۔ پس خُر نے: ۶۔ اسکو کی طرف رخ کیا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسول! آپ کی جد کے قریب جا رہا ہوں اگر کوئی پیغام ہو تو میں پہنچا دوں گا۔ امام حسینؑ نے رو کر فرمایا: اے خُر! خوش رہو ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔

جوں ہی امامؑ نے یہ جملہ فرمایا تو اصحاب کی آہ و زاری بلند ہوئی۔ خُر نے اپنے آپ کو لشکرِ کفر میں ڈالا اور اس قدر۔ ۱۔ کی کہ نیزہ ٹوٹ گیا، پھر جنابِ خُر نے تلوار چلائی جس کے سر پر تلوار ماری اسے سینے تک چیر دیا اور جس کو کمر میں تلوار۔ ۲۔ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کبھی میمنہ پر اور کبھی میسرہ پر حملہ کرتے ہیں۔ پورے لشکر کو متفرق کر دیا اور لڑتے لڑتے ابنِ سعد۔ ۳۔ لشکر کے قریب پہنچ گئے تاکہ اس پر چم دار کفر کے دو ٹکڑے کر دیں کہ اچانک شمر نے آواز دی کہ اے سپاہیو! ہمت کرو، خُر۔ ۴۔ اور ان کو یہاں سے نکلنے نہ دو۔ پس لشکر نے یکبارگی حملہ کیا اور غلبہ کیا اور جنابِ خُر کو کافی زخم لگائے۔ خُر ان کے درمیان۔ ۵۔

۱۰۔ حسین گھوڑے پر سوار ہوئے اور رخ کو لشکرِ کفر سے نکال کر اپنے لشکر کے سامنے لے آئے اور گھوڑے سے اترے

مخ نے فرمایا: میں راضی ہوں اور خدا بھی راضی ہے۔

جذبہ خُراس بشارت سے خوش ہوئے اور اسی خوشی میں روح پرواز کر گئی۔ امام حسینؑ نے حرکی شہادت پر آنسو بہائے۔ اب بھی روتے رہے۔ امامؑ نے یہ مرثیہ پڑھا: لِنِعْمِ الْحُرِّ خُر بن مِیاح، صَبْرًا عِنْدَ مُخْتَلَفِ الرِّیاح ”یعنی خُر کی طرح کی طرح کہ جو ہر مصیبت پر صابر تھا۔“

خدا کی قسم! تیری ماں نے تیرا نام صحیح رکھا ہے تو دنیا و آخرت میں آزاد ہے۔ جناب خُرخس قدر اچھے جوان
ہے۔ ہندو جناب خُرخورِ رضوان جنت میں مقام عطا فرما اور حوروں کو ان کا خدمت گزار بنا دے۔

مرحوم سید جزائری نے لکھا ہے: جب امام حسینؑ کی نظر پاک جناب خُر کی شکافۃ پیشانی پر پڑی کہ چاند کے قرص کی
 مانند ہوئے تو حضرت کو بہت دکھ ہوا اور اپنی جیب سے رومال نکالا اور خُر کے سر پر باندھ دیا۔

۱۔ جب معالی السطین نے لکھا ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے خُرکی قبر کو دینے کا حکم دیا تاکہ جو رومال امام حسینؑ نے وہ بطور تبرک اور تمین کھول لیا جائے اور خزانہ میں محفوظ رکھا جائے اور غزوات اور جنگوں میں کامیابی کے لیے اس کوئی جائے لیکن جوں ہی وہ رومال جناب خُر کے ماتھے سے کھولا گیا تو تازہ خون جاری ہو گیا۔ شاہ اسماعیل نے حکم دیا کہ رومال باندھا جائے تاکہ خون رُک جائے لیکن خون بند نہ ہوا۔ کافی رومال بدل بدل کر باندھے گئے لیکن خون بند نہ ہو سکا۔ مجبوراً وہی رومال جناب خُر کی پیشانی پر باندھا دیا گیا۔ خون فوراً بند ہو گیا۔

مرحوم حائری نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب خُرکا مریدن سے جدا نہیں کیا گیا تھا۔

شہادتِ مصعب بن یزید ریاحی

جب مصعب نے بھائی کی شہادت دیکھی تو امام سے اجازت لی اور میدان میں گئے۔ لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا۔ شہداء پر لڑتے رہے اور کثیر دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی شربتِ شہادت نوش فرمایا اور اپنے بھائی سے جا ملے۔

جنابِ خُر کے غلام عروہ کی شہادت

جنابِ خُر، ان کے بیٹے، اور بھائی کی شہادت کے بعد جنابِ خُر کا غلام عروہ جذباتی ہو کر میدان میں پہنچا اور بجستہ۔ ملعونوں کو فی النار کیا اور اپنے سرداروں کی شہادت کا بدلہ لیا۔ پھر میدان سے واپس آیا اور امام کے سامنے آیا اور قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا: مولاً! مجھے معاف کر دیں، میں آپ سے اجازت لیے بغیر میدانِ جہاد میں چلا گیا تھا۔ سرداروں کی زخمی لاشوں نے مجھے بے اختیار کر دیا، میں جذباتی ہو گیا تھا۔ اب میں معافی مانگتا ہوں اور آپ سے اجازت مانگتے آیا ہوں۔

امام نے اجازت دی، اذن ملنے کے بعد اس نے گھوڑے کو جولان دی اور اپنے آپ کو لشکرِ کفر میں ڈال دیا۔ ابنِ سعد نے حکم دیا کہ اس کا محاصرہ کرو، محاصرہ کر کے لشکرِ کفر نے ہر طرف سے دار کیا اور اس کے بدن کے ٹکڑے کر دیے اور وہ منزلِ شہادت پر پہنچا۔

امام کا تیسری مرتبہ اتمامِ حجت اور تین امور سے ایک کا اختیار دینا

جنابِ خُر، ان کے بھائی، غلام اور جنابِ خُر کے بیٹے کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ دو لشکروں کے آئے اور وعظ و نصیحت کی۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے قوم! خدا سے ڈرو، رسول اللہؐ کا حیا کرو، بے قصور میرا خون نہ بہاؤ، باقی اصحاب کو قتل نہ کرو۔

اے قوم! میں نے جنگ کا آغاز نہیں کیا بلکہ تم نے پہلا تیر میری طرف پھینکا ہے، اور میرا ایک گروہ قتل کر دیا ہے۔ میرے صحابہ کو زخمی کر دیا ہے، جنابِ خُر، ان کے بھائی، بیٹے اور غلام کو جو تمہارے لشکر سے نکل کر میرے ساتھ ملحق ہوئے۔ شہید کر دیا گیا ہے لیکن ابھی وقت ہے، فرصت ختم نہیں ہوئی۔ میں تین راستے بتاتا ہوں ایک کو اختیار کر لو۔

[۱] مجھے راستہ دو میں خود یزید کے پاس جا کر اس سے بات کر لوں گا۔

[۲] یا مجھے راستہ دو اور میں حرمِ خدا یا حرمِ رسولؐ کی طرف پلٹ جاتا ہوں۔

یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو پانی دے دو۔

سب بے حیا اور بے شرم لشکر نے جواب دیا: جہاں تک پہلا راستہ ہے کہ یزید کے پاس جانے دو تو اس کا بالکل امکان ہے۔ سحر آپ کی شیریں اور سحر آمیز ہیں، ممکن ہے کہ یزید کو اپنا گرویدہ بنا لیں اور اس کے ہاتھ سے نکل جائیں اور دوبارہ سحر متہ ڈال دیں اور جہاں تک دوسرا راستہ ہے کہ مدینہ یا مکہ پلٹ جاؤں تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اگر واپس گئے تو کئی قسم سے پاس جمع ہو جائیں گے اور تم دوبارہ خلافت کا دعویٰ کرو گے اور پھر قتل کھڑا ہو جائے گا۔

۱۰۔ جہاں تک تیسرا راستہ ہے کہ پانی دے دو تو ہمارا وہی سابقہ ہے کہ جب تک یزید کی بیعت نہیں کرو گے آپ اور ہم بیت کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیں گے۔

۱۱۔ علیہ السلام نے ان کے جواب میں ان کی انتہا درجے کی شقاوت دیکھی تو فرمایا: جب ان تینوں راستوں سے ایک حیدر جس تو جنگ و قتال میں ایک ایک میدان میں نکلے اور مقابلہ کرے۔

۱۲۔ کفر نے کہا: ہاں! آپ کی یہ بات ہمیں قبول ہے۔

۱۳۔ نے اپنے لشکر کی صف کو دیکھا اور فرمایا: اے میرے صحابیو! اب مبارزہ طلبی کرو اور شجاعت کے جوہر دکھاؤ۔

حضرت کا زہیر بن حسان اسدی سے قتل ہوتا اور جناب زہیر بن حسان کی شہادت

۱۴۔ حضرت الشہداء اور اس کے بعد ریاض القدس میں ہے کہ پہلا مبارز جو لشکر کفر سے نکلا اور ہل من مہلک کا نعرہ دیا: فی فحش تھا اور لشکر حسینی سے جناب حر، ان کے بیٹے، بھائی اور غلام کے بعد میدان میں نکلنے والے زہیر بن حسان تھے۔ سامر نامی غدار مبارز ابن سعد نے بھیجا۔ تیز رو گھوڑے پر سوار، شاہانہ اسلحہ لگائے، گھوڑے کو جولان دی اور اپنا ہتھ بھرتے ہوئے اپنا نام بتایا اور ہل من مہلک کا نعرہ لگایا۔ جب کہ لشکر حسینی سے زہیر بن حسان نکلے۔ یہ عرب کے مشہور بڑے شاہسواروں میں سے شمار ہوتے تھے اور انتہائی تجربہ کار تھے اور بہت سی جنگوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔

۱۵۔ علیہ السلام کی قدم پوسی کر کے انھوں نے عرض کیا: مولاً! جو شخص میدان میں آیا ہے میں اس کو جانتا ہوں بہت بڑا سپہ سالار اور سفاک ہے۔ اس لیے مجھے اجازت دیں کہ میں غدار کے لاف گراف کو اپنی تلوار کی تیزی سے ختم کر دوں۔

۱۶۔ اجازت عطا کی اور یہ میدان میں آئے۔ آتے ہی سامر کا راستہ روک لیا۔

۱۷۔ محمدی سامر نے زہیر بن حسان کو اپنے مد مقابل دیکھا تو کانپ گیا کیونکہ زہیر کی شجاعت کو جانتا تھا اس لیے اُس نے غدار سے شہسوار نامدار! آپ کیوں میدان میں آ گئے؟ کیوں اپنے مال، منال، اہل و عیال کو ضائع کرتے ہو اور بے

یار و مددگار حسینؑ کی حمایت کرتے ہو کہ عاقبت قتل ہونا ہی ہے۔

زُہیر نے فرمایا: اے بے حیا! تجھے شرم نہیں آتی کہ فرزندِ پیغمبرؐ پر تلوار چلانے آ گیا اور اہل بیتؑ رسالت کے واسطے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کی آپس میں تلخ کلامی ہوئی اور ایک دوسرے کو سب و شتم کرتے رہے۔ پس زُہیر نے نہ دی اور اس کے منہ میں ایسا نیزہ مارا کہ اس بے ایمان کی گردن سے نکل آیا۔ ثَقَبَ الرُّمَحُ فَاهَ وَخَرَجَ السِّنُّ فَاتَرَ الدَّمُ مِنْ فَمِهِ وَقَعَدَتِ أُمُّهُ فِي مَاتِهِ ”یعنی نیزے نے اس کے منہ میں سوراخ کر دیا اور نیزہ گردن کی طرف نکل آیا۔ اس کے منہ سے خون جاری ہوا اور اس کی ماں اس کے ماتم میں مصروف ہو گئی اور وہ جہنم پہنچ گیا۔“

پھر زُہیر نے لشکرِ کفر کے سامنے آواز دی: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ يَا أَهْلَ الْغَدَسِ وَالنَّقَاقِ يَا أَرْبَابَ الْمَكْرِ ”اے اہل عراق! اے منافقو! اے مکارو! اے شقیو! اگر مجھے نہیں جانتے تو پیچانو میں زُہیر ابن حسان ہوں اور جنت جا رہا ہوں۔“

ایک کوئی رئیس اور مشہور عرب نصر بن کعب میدان میں نکلا اور اس نے نصیحت کرنا شروع کر دی کہ اے بہادر نوجوانو! کیوں عبید اللہ ابن زیاد جو تمام نعمتوں کا والی ہے، سے دُور ہو؟ میں جانتا ہوں کہ تجھے ابن زیاد کے پاس شرم آنے دے رہی تو آؤ میں تمہیں اپنے امیر کے پاس لے جاتا ہوں جو تمہارا فقر دُور کر دے گا۔

دلیر و شجاع نے غضبناک شیر کی طرح جگر کی گہرائیوں سے نعرہ لگاتے ہوئے کہا: اے ولد الزنا! میں نے آخرت کی خدمت میں معرفت کے پھول پنے ہیں اور تجھے یہ معلوم تک نہیں۔ یہ کہتے ہی آگ برسانے والی تلوار اس پر ماری اور سر کو شگافہ کر دیا اور اس کے دو حصے ہو گئے۔

پھر نصر کا بھائی صالح بن کعب اپنے بھائی کا خون بہا لینے کے لیے میدان میں نکلا اور زُہیر کو گالیاں بکسیں۔ فرصت نہ دی اور آتے ہی خنکی نیزہ اس کی طرف مارا تو صالح گھوڑے سے ایک طرف گرا تا کہ زُہیر کے نیزے سے اس کا گھوڑا زک گیا اور اسے گرا دیا لیکن اس کا پاؤں زکاب میں پھنس گیا اور وہ پیادہ نہ ہو سکا۔ پھر گھوڑے نے چھوٹے شروع کر دیں اور گھوڑے کے سُنوں میں روندنا جا رہا تھا اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

صالح کے بعد اس کا بیٹا طالع میدان میں آیا اور اپنے باپ اور چچا کا انتقام لینے کے لیے گفتگو کر رہا تھا کہ نصیر اس کی ناف پر زوردار نیزہ مارا جس کی نوک پشت سے نکل آئی اور وہ جہنم میں پہنچ گیا۔ اسی طرح کافی دشمن آتے رہے زُہیر ان کو جہنم بھیجتے رہے۔ پھر ابن سعد نے حجر بن جبار سے کہا کہ کیا تم اس زُہیر کی دلیری اور بہادری کو نہیں دیکھتے کہ مبارزت کر رہا ہے اس کی کوئی فکر کرو؟

نے کہا کہ تین سو سوار تین مقامات پر کمین لگائیں، اور میں میدان میں اس کے مقابل جاتا ہوں جب وہ مجھ پر حملہ کرے۔ میں فرار کر جاؤں گا اور ان کمین گاہوں کے قریب سے گزروں گا۔ جب ڈھیر میرے پیچھے دوڑے گا تو کمین گاہوں کے قریب پہنچ کر اس پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیں۔ پس تین صد نفر کمین گاہوں میں بیٹھ گئے اور حجر بن جابر میدان میں آیا۔ فریاد کی: اے ڈھیر! میں تم سے لڑنے نہیں آیا بلکہ تجھے نصیحت کرنے آیا ہوں تاکہ تجھے ابن زیاد کے پاس لے

جائے۔ ڈھیر نے ایک گرج دار فرغہ لگایا کہ اے بے دین! کیا کہتے ہو؟ یہ کہا اور اس ملعون پر حملہ کر دیا۔ ابن جابر دوڑا اور میرے پیچھے حملہ کرنے کے لیے دوڑے۔ جب ان کمین گاہوں کے پاس پہنچے تو ان تین سو سپاہیوں نے کمین گاہوں سے میرے و قیر لیا اور دھوکے سے اس گروہ میں پھنس گئے۔ یہ بھوکے شیر کی طرح، بھوکے اور پیاسے لڑتے رہے اور ان تینوں سے کافی ملعونوں کو زمین پر گرادیا۔ ان کے اسلحہ کے آلات گرم تھے اور بدن چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ ان کے ہاتھ پتھر لگا دیئے۔ لہذا لشکرِ کفر نے فیصلہ کیا کہ دُور کھڑے تیروں کی بارش برسانیں۔ پس تیروں کی بارش شروع ہوئی۔ تھوڑے ہی وقت میں ان کے بدن پر اس قدر تیر تھے جیسے خارِ پشت پڑ ہوتا ہے۔ ان زخموں سے خون بہنا شروع ہو گیا، تیروں کے نوے زخم تھے جو سب مہلک تھے، اس وجہ سے ڈھیر پر ضعف غالب آ گیا اور وہ زمین پر کبھی داکیں مارنے لگا۔ میں جھک جاتے تھے۔

صحابِ امام حسینؑ نے جب ڈھیر کو لشکرِ کفر میں پھنسا دیکھا تو ان کی مدد کے لیے آئے اور ان کو لشکرِ کفر سے نکال کر کے پاس لے آئے۔ اس وقت ڈھیر میں جان باقی تھی، انہیں زمین پر لیٹا دیا، سانس تیز چل رہی تھی۔ امامؑ نے اس سے بھری آنکھوں سے ڈھیر کو دیکھا اور ان کے سر کو اپنی گود میں رکھا۔ اصحابِ ارد گرد کھڑے تھے اور امامؑ کے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھ رہے تھے۔ ایک مرتبہ ڈھیر کی آنکھ کھلی اور حضرتؑ کو اپنے سر ہانے بیٹھا دیکھا تو مسکرائے۔

میں نے دیکھا کہ ڈھیر اپنے لبوں کو حرکت دے رہے ہیں تو فرمایا: اے میرے بہادر جوان! کوئی حاجت ہے تو بتاؤ؟ عرض کیا: میں قربان جاؤں، ابھی میرے لیے جنت سے پانی آ گیا ہے۔ پانی پی لوں۔ آپ تھوڑا توقف کریں تاکہ میں اپنی حاجت بتاؤں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے میرے اصحاب! ڈھیر کو جنت دکھائی گئی ہے اور وہ بہشت کی شراب ہے جو اسے پلائی جا رہی ہے۔ ڈھیر نے منہ کو ایسے بند کیا جیسے کوئی شے پی رہا ہو۔ پھر ایک لمبی سانس لی اور ان کی روح کا طوطی (یَدْرُ قُوتَہ) پرواز کر گیا۔

امام حسینؑ نے بہت گریہ کیا اور فرمایا: خوش قسمت ہے زہیر کہ جنت میں میرا مہسایہ ہوگا۔

جناب عبداللہ بن عمیر کی شہادت

جناب زہیر بن حسان اسدی کی شہادت کے بعد دونوں لشکروں کی نظریں میدان پر لگی ہوئی تھیں۔۔۔ میں نکلتا ہے۔ اسی دوران میں لشکرِ کفر سے دو سوار نکلے، ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام سالم تھا۔ دونوں پ سے مسلح ہو کر میدان میں اترے۔ یسار نے اپنا تعارف کرایا۔ میں یسار، زیاد بن اربیعہ کا غلام ہوں اور سالم نے زہیر ابن زیاد کا غلام ہوں۔ کون ہے جو اپنی زندگی پوری کر چکا ہو، آئے میدان میں۔

لشکرِ امامؑ سے زہیر اور حبیب نے میدان میں اترنے کی غرض سے امامؑ کے پاس اذن لینے آئے۔ حضرت ذرا صبر کرو۔ اسی دوران میں عبداللہ عمیر کلبی خدمتِ امامؑ میں آئے اور عرض کیا: فرزندِ رسول! مجھے اجازت دیں۔۔۔ بے دینوں کو جہنم میں پہنچا دوں۔ حضرتؑ نے ایک مرتبہ عبداللہ کو دیکھا کہ بلند قامت، گندمی رنگ، قوی بازو، کشیدہ ہے۔ فرمایا کہ تم ہی ان دونوں غلاموں کو قتل کرنے والے ہو، جاؤ اجازت ہے۔ میدان میں آئے اور اپنا حسبِ ان دو غلاموں نے کہا کہ ہم تمہیں نہیں جانتے میدان سے واپس چلے جاؤ اور زہیر بن قین، زہیر یا حبیب کو بھیجو۔

عبداللہ نے ان کو لکارا کہ اے بد بخت غلامو! تم اس قدر بے عزت ہو چکے ہو کہ شجاع و دلاور اور سرکش و مقابلہ بلاتے ہو؟ یہ کہا اور ان پر حملہ کیا۔ پہلے یسار کو ایک ایسی کاری ضرب لگائی وہ خاک پر گر آیا لیکن چالاکی سے۔۔۔ پہنچا۔ سالم نے پیچھے سے آ کر تلوار کھینچی۔ اصحابِ امامؑ نے عبداللہ کو خبردار کیا کہ دشمن پشت سے حملہ آور ہے، لیکن توجہ نہ کی اور تلوار یسار کے سینے پر رکھی اور قوت لگائی کہ تلوار پشت کی طرف سے نکل آئے۔ یسار تو اصل جہنم ہو رہا۔ دوران میں سالم نے پشت سے عبداللہ کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ عبداللہ کو فرصت نہ ملی کہ ڈھال سے اپنی پشت کا دھڑ ہاتھ تلوار کے آگے کیے جس کی وجہ سے انگلیاں کٹ گئیں۔ عبداللہ اس زخم سے نہ گھبرائے بلکہ اسی شدت اور گرمی سے کہ سینے سے نکالی اور سالم کے پیچھے آئے اور اسے ایک ہی ضربت سے فی النار کر دیا۔

جب ابن زیاد کے غلاموں نے دیکھا تو سب میدان میں آئے اور عبداللہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس شیر خوار غلاموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر قسطنطینی، بھوک اور خون ریزی نے ان کو کمزور کر دیا۔ ان کے بدن پر زیادہ زخم کھوڑے سے گرے اور مرتبہ شہادت نوش فرمایا۔

جب امامؑ کو اطلاع ملی تو حضرتؑ نے روتے ہوئے فرمایا: میں اپنا اور اصحاب کا حساب اپنے رب کے پاس

محمد نے مجھے کیا کیا تکلیفیں پہنچائیں۔

ب۔ یر بن خنیر ہمدانی کی شہادت

• شورہ کا سورج چڑھ آیا۔ گرمی بڑھ گئی۔ پیاس نے اصحاب، اہل بیت اور بچوں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ ان کی حالت یہ ہوئی کہ بے اختیار العطش العطش کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جب بچوں اور مستورات کی یہ آواز اصحاب اور صحابہ کے کانوں تک پہنچی تو تمام زندگی سے تنگ اور موت کے لیے جلدی کرنے لگے۔ البتہ تمام اصحاب اور جوانوں نے اس سے انکسار نہ کیا۔ انہیں بند کر لی گئیں اور آخرت پر نظر نہیں تھا، لہذا ہر ایک دوسرے سے پہلے میدان میں جانے کے لیے تیار تھے۔ حضرت امامؑ میں آتے اور عرض کرتے: السلام علیک یا بنی رسول اللہ! ”فرزندِ رسول! آپؐ پر سلامتی ہو، ہم جا رہے ہیں۔“

حضرت ان کے جواب میں یہی فرماتے: علیکم السلام وَنَحْنُ خَلْفُکُمْ کہ میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ تم جاؤ۔ پھر آیت پڑھتے: وَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ”یعنی بعض چلے گئے اور بعض جانے کے لیے تیار ہیں۔“

دورِ خلافت میں ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر کی شہادت کے بعد جناب مُریر میدانِ کارزار میں آئے۔ مُریر بن عمرؓ بہت بڑے زاہد، غابد اور قاری قرآن تھے اور یہ بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور کوفہ کے لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ پس یہ بزرگوار مُریرؓ دل اور دھمکی وجدان سے امامؑ کی خدمت میں آئے۔ میدان میں آئے تو ان کا چاہا کہ مولاً! میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کے جید امجد کی خدمت میں جاؤں اور اس قوم کی شکایت کروں، کیا اجازت ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے۔

ان بزرگوار کے کسی مقتل کی کتاب میں وضاحت نہیں کہ سوار ہو کر میدان میں آئے یا پیادہ تھے؟ بہر حال جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھا: ”اے لوگو! میں مُریرؓ فرزندِ خنیر ہوں اور خنیر کو اہل خیر ہی جانتے ہیں۔ میں تم پر تلوار چلاؤں گا اور کوئی نہ بچے گا اور مُریرؓ کا یہی کارِ خیر ہے۔“ پھر اس مکارِ لہر منکرِ خدا قوم پر حملہ کر دیا۔ جس طرف رُبخ انور کرتے سر جدا ہوتے، آپؑ ایسے حملے کر رہے تھے کہ بہرامِ فلک کو حیران اور مریخ کو پریشان کر دیا۔ لشکرِ کفر کے سپاہی ان سے دُور دُور گئے جب کہ مُریرؓ پورے جوش اور جذبہ سے حملہ بھی کر رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

”اے مومنین کے قاتلو! میرے قریب کیوں نہیں آتے؟ اور اے بدر کے مقتولین کی اولادو! آؤ بھاگتے آؤ۔“
دوران میں لشکرِ کوفہ سے ایک بد بخت ان کے سامنے آیا اور کہا: میں گواہ ہوں کہ تم گمراہوں سے ہو۔

نُزیر نے فرمایا: تو فاسق و فاجر ہے اور فاسق و فاجر کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اگر تو گواہی میں سچا ہے تو یہ نہ کرتے ہیں تاکہ حق و باطل کی تمیز ہو سکے اور باطل حق کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے۔ یہ فاسق فاجر یزید بن مہزیار رضی ہو گیا۔ دونوں آپس میں ٹکرا گئے۔ ابنِ معطل نے نُزیر پر تلوار کا حملہ کیا لیکن وہ کارگر ثابت نہ ہوا، اب نُزیر نے تلوار اٹھائی اور اس کے سر پر ماری جس نے اس کے سر کو شکافہ کر دیا اور سر سے آگے تلوار چلتی رہی۔ دونوں شہید۔
حالت دیکھی کہ تلوار نے اس حرام زادے کے سینہ پر کینہ تک شکاف کر دیا ہے اور وہ جہنم میں پہنچ چکا ہے۔ نُزیر اس نعمت سے خوشحال ہوئے کہ جنگ کا معیار یہ ہے کہ ہر شخص پر حق و باطل کی تمیز روشن اور ظاہر ہوگی۔

اس فاسق کے قتل کرنے کے بعد نُزیر بن ہفیر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ایک مرتبہ جمالِ الہی نہ کر لیں اور زیارت کو آخرت کا توشہ قرار دیں۔ حضرت نے نُزیر کو بہشت کی بشارت دی۔ پھر دوبارہ جنابِ نُزیر یہ آئے اور غضبناک شیر کی طرح اس لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا اور بغیر گھوڑے کے لشکر میں گھس گئے اور پوری قوت اور ہمت سے اور بھوک کو برداشت کرتے ہوئے پیاسے حسین کی نصرت کرتے رہے اور کافی خون ریزی اور بھوک اور پیاس نہ کمزوری غالب آگئی۔ جب ان بزدل لشکریوں نے نُزیر کی کمزوری اور ضعف کو دیکھا تو ارد گرد آگئے اور اسی دوران میں انہوں نے پیچھے سے سر پر تلوار کا وار کیا اور نُزیر شہید ہو گئے۔

کتاب نور الائمہ میں ہے کہ بحیر بن اوس کے چچا زاد عبداللہ بن جابر بحیر کے پاس آیا اور اس کی ملامت کی۔ بد بخت! کیا تو نے اچھا کیا ہے کہ جس پر فخر بھی کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! نُزیر قہرمان اور خاصانِ خدا سے تھے اور تو قرآن تھے۔ بہت بڑے صائم، قائم، عابد اور تہجد گزار تھے اور تجھ ناپاک کے علاوہ کوئی ان کے خونِ ناحق کو نہ بہاتا۔
بحیر اپنے اس کام سے شرمندہ ہوا اور نادم و پریشان میدانِ جنگ سے نکل گیا اور افسوس کرتا رہا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب نُزیر کی ضرب سے یزید بن معطل مارا گیا تو ایک ناپاک شخص رضی بن مقداد نُزیر پر حملہ کیا اور نُزیر نے اس پر حملہ کیا۔ ایک گھنٹہ ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے بالآخر نُزیر نے اُسے زمین پر دو۔ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ رضی نے اپنے لشکر کی طرف دیکھ کر استغاثہ کیا تاکہ نجات ملے تو کعب بن جابر نے بزدل نُزیر پر حملہ کر دیا اور اپنا نیزہ جنابِ نُزیر کی پشت میں مارا۔ جب نُزیر نے نیزہ لگنے کا احساس کیا تو اپنے آپ کو رضی پر اس کے چہرے کو دانتوں میں لیا اور ناک کو کاٹ دیا۔

دوسری طرف کعب بن جابر نے زور سے نیزہ مارا جو بُریر کی پشت میں چلا گیا اور وہ رضی کے جسم سے گر پڑے اور کعب نے بُریر کو مارا۔ کعب بن جابر نے زور سے نیزہ مارا جو بُریر کی پشت میں چلا گیا اور وہ رضی کے جسم سے گر پڑے اور کعب نے بُریر کو مارا۔ کعب بن جابر نے زور سے نیزہ مارا جو بُریر کی پشت میں چلا گیا اور وہ رضی کے جسم سے گر پڑے اور کعب نے بُریر کو مارا۔

بن عبد اللہ بن حباب کلبی کی شہادت

جناب بُریر بن خضیر ہمدانی کے بعد وہب بن عبد اللہ بن حباب کلبی کی مبارزت طلبی ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت خوش سیرت، سرخ رخسار، چہرہ مثل چاند، بال مثل مشک سیاہ، موزوں قد رشید تھے۔ وہب پہلے نصرانی تھے لیکن جب حبشہ میں سے امام حسینؑ کا گزر اس کے خیبر کے پاس سے ہوا اور پانی کا بیٹھا چشمہ ظاہر کیا تو پھر وہب نے چشمہ دیکھا۔ نے پورا واقعہ سنایا تو اس کے دل میں نور ایمان نے روشنی پیدا کر دی اور اپنا خیمہ اکھاڑ کر ماں اور غنی دہن (بیوی) کو ساتھ لے کر وہب کے پاس آیا، مسلمان ہوا۔ اس کی ماں کا نام قمر تھا۔ جب روز عاشور امامؑ کی غربت دیکھی تو اپنے بیٹے عبد اللہ سے کہا: میری جان! تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے اس قدر محبت ہے کہ تمہارے بغیر ایک گھنٹہ گزارنا بھی مشکل ہے لیکن اس کو بلا کر میں عزیز زہراءؑ کی تنہائی اور غربت قابل برداشت نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی جان قربان کر دوں تاکہ میں مادری حق کو ادا کر سکوں اور قیامت تک راضی ہوں۔

وہب نے عرض کیا: اے مادر مہرباں! آپ مطمئن رہیں میں اطاعت کروں گا اور اپنی یہ جان شاہِ دو عالم پر قربان کر دوں گی۔ اماں اس نوبیا ہوتا بیوی کا کیا بنے گا کہ جس نے غربت میں ہمارے ساتھ موافقت کی اور ابھی تک اس نے ہمارے ساتھ سے کوئی میوہ بھی حاصل نہیں کیا۔ اماں اگر اجازت دیں تو اپنی بیوی کو اپنی شہادت پر راضی کر لوں اور اپنی شہادت پر اس سے راضی کر لوں۔

ماں نے کہا: اے میری آنکھوں کے نور! بے شک جاؤ لیکن یہ یاد رکھو کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، تجھے کسی افسانہ سے زیادہ سنا ہوگا۔ عورتیں مردوں کو لوثتی ہیں، خبردار! بیوی کی باتوں میں آ کر سعادتِ ابدی اور ہمیشہ کی دولت سے محروم نہ ہو۔

وہب نے کہا: مادر! آپ مطمئن رہیں میں نے محبتِ حسینؑ پر ایسی کربانہ دی ہے کہ کوئی فریب کی انگلی اسے نہیں کھول سکتی۔ بہن وہب اپنی بیوی (جس کی ابھی شادی ہوئی تھی) کے پاس آیا، دیکھا کہ وہ خیمہ کے کونے میں زانو پر سر رکھے ہوئے

غنماک اور پریشان ہے اور دریائے غم میں ڈوبی ہوئی ہے اور رخساروں پر آنسو موتیوں کی طرح گر رہے ہیں۔ جو نہ نظر وہب پر پڑی تو کھڑی ہوگئی اور استقبال کیا۔ وہب نے زوجہ کا ہاتھ پکڑا کھلے چہرے اور نرم زبان سے کہا: - نواز اور ہمدرد مونس! اے میری جان! تجھے معلوم ہے کہ فرزند رسولؐ کا اس بیابانِ کربلا میں لٹکر کفر نے محاصرہ کیا ہو حضرتؐ کی غربت کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا، لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی جان اُن پر قربان کر دوں اور شہادت کی منہ ہو جاؤں تاکہ بروز قیامت خدا کی رضا اور رسولؐ اللہ کی شفاعت، بتولِ عذرا کی خوشنودی اور مولا علیؑ کی عنایت سے میرے اور ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

زوجہ نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے عرض کیا: اے میرے غم گسار! اے میرے وفادار انیس! میری ہزار چن۔ کے غلاموں پر قربان! کاش کہ اگر شریعت میں عورت کو جنگ کی اجازت ہوتی تو میں بھی اپنی جان آقا و مولا حسینؑ پر قربان کر دیتی کیونکہ یہ ایسے بزرگوار ہیں کہ نہ تو ان سے جان پیاری کی جاسکتی ہے اور نہ ان کو غربت میں چھوڑا جاسکتا ہے۔ جو حالت میں کیسے تجھے ردک سکتی ہوں۔ البتہ میں جانتی ہوں کہ جو شخص آج اس گرم صحرا میں اپنی جان اس مظلوم پر قربان کرے گا تو حوریں، نشاط اور سرور سے استقبال کریں گی اور ان کی تمنا ہوگی کہ ہم جنت میں ایسی جنتی کے ساتھ رہیں۔ مجھے یہ سمجھا کہ جیسے دنیا میں آپ سے محروم ہو رہی ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں بھی آپ کے جمال سے محروم رہوں اور آپ کے جمال کی وجہ سے مجھے بھول جائیں۔ لہذا میری خواہش ہے کہ دونوں فرزند رسولؐ کی خدمت میں جاتے ہیں، ان کے حضور میں میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھو گے جب تک مجھے ساتھ نہ لے جاؤ۔

وہب نے قبول کیا اور دونوں فرزندِ زہراءؑ کی خدمتِ اقدس میں آئے۔ زوجہ نے گریہ و زاری، تضرع سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں نے سنا ہے کہ جو شہید بھی گھوڑے سے زمین پر آتا ہے، جنتی حوریں اس کے پاس پہنچ جاتی ہیں۔ قیامت تک اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ میرے شوہر آپؐ پر اپنی جان قربان کرنا چاہتے ہیں، میری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ میں تک میں نے اس سے کوئی استفادہ نہیں کیا اور اس صحرا میں غریب اور لاچار ہوں۔ یہاں نہ میرے ماں باپ، نہ بھائی خاندان، نہ مونس نہ ناصر، کوئی بھی نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ بروز قیامت میرے شوہر میرے بغیر جنت میں قدم نہ رکھیں۔ میری دوسری گزارش ہے کہ مجھے آپؐ کے سپرد کر دے اور آپؐ مجھے اپنے خاندان کے سردار جنابِ زینبؑ کے سپرد کریں تاکہ جب تک زندہ رہوں میں جنابِ زینبؑ کی بکری اور آپؐ کی بیٹیوں کی نوکری کرتی رہوں۔

امام حسین علیہ السلام اور اصحاب اس نئی دہن کی اس تمنا پر بہت روئے۔ وہب نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! مجھے شرط قبول ہے کہ بروز قیامت اپنی زوجہ کو طلب کروں گا اور جب آپؐ کے حیدرِ امجد رسولؐ گرامی کی شفاعت سے جنت میں

جوزت ملی تو اپنی اس زوجہ کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گا، پس میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں اور آپ نے نواہد کی مندرات عصمت کے سپرد کر دیں۔ یہ کہا اور اجازت جہاد طلب کی۔

جوزت ملی تو اپنے خیمہ میں آ کر جنگی اسلحہ اٹھایا اور داؤدی زرہ پہنی۔ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے چہرے سے خود تیز، نیزہ ہاتھ میں لیا اور مٹی ڈھال اٹھائی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اچانک میدان میں نکل آیا۔ پہلے امام حسینؑ میں ایک قصیدہ پڑھا پھر گھوڑے کو اس دشت کربلا میں جولان دی اور ایسے کرتب دکھائے کہ ہر واقف و ناواقف اور ہر جن نے آفرین کہی۔ پھر مبارزہ طلبی کی اور جو بھی مقابل میں آیا تو نیزہ سے گھوڑے کی پشت سے زمین پر پھینکنا جاتا تھا جو اسے دو گھڑے کر دیتا تھا جب بہت سے دشمنوں کو جہنم پہنچایا اور کشتوں کے پٹھے لگا دیئے تو ایک مرتبہ میدان سے گئے پس آیا اور عرض کیا: اماں! اب مجھ پر راضی ہو یا نہیں؟

میں نے کہا: ہاں راضی ہوں، بڑی جوانمردگی سے جنگ کی ہے تم نے لیکن میری خواہش ہے کہ جب تک تمہاری جان بچ رہے ہے جنگ میں سستی نہ کرنا۔

بیٹے نے عرض کیا: اماں! آپ کے حکم پر عمل کروں گا لیکن اگر اجازت ہو تو ایک مرتبہ اپنی بیوی کو الوداع کہہ دوں؟ ماں نے جوزت دی، وہب خیمہ میں آیا تو دیکھا زوجہ نظر نہیں آئی لیکن دھکی بین کی آواز آرہی ہے۔ تڑپ کر کہا: کون ہے اس قدر غمزہ سے رونے والا، تو ایک کونے سے آواز آئی: میں اُبڑی اپنے سہاگ کے شئے پر گر رہی کنان ہوں کہ چند لمحوں کے بعد یہ دنیا تاریک ہو جائے گی۔

وہب نے زوجہ کو تسلی دی اور الوداع کہہ کر خیمہ سے نکلے اور دوبارہ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔ لوگوں کو میرا امیر سمجھا ہے اور وہ وہی بہترین امیر ہے۔ پھر مبارزہ طلبی کی تو حکیم بن طفیل میدان میں آیا۔ جوں ہی وہ آیا۔ آتے ہی وہب نے اس پر حملہ کیا۔ نیزہ سے اسے زمین پر پھینکا اور اس قدر زور سے زمین پر مارا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور ہڈیوں سے ہائے ہائے کی آواز آئی۔ پھر کوئی میدان میں نہ نکلا تو وہب نے گھوڑے کو ہمیز لگائی اور لشکر کفر پر حملہ کر دیا۔ دائیں بائیں دونوں طرف لڑتا رہا، گھوڑوں کو نیزے مار کر زمین پر گر دیتا تھا حتیٰ کہ وہب کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ پھر تلوار سے نبرد آور ہو گیا۔ اس قدر جنگ کی کہ فرشتوں نے ہزار زبان سے تلوار کی رفتار پر آفرین کہی۔

لشکر کفر اس جوان سے بہت خوفزدہ ہوا تو عمر بن سعد نے فریاد کی: اے مردِ نما عورتو! کیا ہو گیا ہے ایک تازہ جوان کی ہمت سے اس قدر دُور بھاگ رہے ہو، یہ لوہے کا بنا ہوا تو نہیں کہ اس پر کوئی تلوار اور تیر کا رگ ثابت نہیں ہوتا۔ عمر بن سعد کی یہ لکار سن کر لشکر کفر نے وہب کو گھیر لیا اور تلواریں، تیر، نیزے اور پتھر مار کر ان کے جسم کو چھلنی کر دیا۔

فَوَقَّعَتْ بِهِ سَبْعُونَ حَضْبَةً وَنَبْلَةً وَجَعَلُوهُ وَجَّادًا كَالْقَنْفَرِ مِنْ كَثْرَةِ النَّبْلِ وَالسَّهَامِ ”یعنی توارے ہاتھ سے، نیزوں اور تیروں کے زخم اس کے علاوہ تھے اور وہب اور ان کا گھوڑا کثرتِ تیروں کی وجہ سے خارِ پشت ہو گیا تھا۔“ اسی دوران میں ایک بد بخت نے کمین لگا کر تیز تلوار سے گھوڑے کی چاروں ٹانگیں کاٹ دیں اور گھوڑے کو مارنے سے وہب بھی زمین پر گرے اور دونوں خاک و خون میں غلٹاں ہو گئے۔

جناب مرحوم مجلسیؒ نے بحار اور سید نے لہوف میں لکھا ہے: أَخَذَتْ إِمْرَأَتُهُ عُمُودًا وَأَقْبَلَتْ نَحْوَهُ کہ وہب نے اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھی تو ایک عمود اٹھایا اور خون میں غلٹاں اپنے شوہر کے پاس پہنچی اور پروانوں کی طرح اس کے ارد گرد بھاگتی تھی اور لوگوں کو وہب سے دُور کرتی تھی۔ اب وہب میں اٹھنے کی سکت نہ رہی تو بیوی کو آستین سے نیچے میں جانے کی تاکید کی لیکن وہ کسی صورت اس حال میں اپنے شوہر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس لیے عرض کیا: میرے مونٹس اور غم خوار! مجھ پر افسوس کہ تجھے اس حالت میں چھوڑ کر چلی جاؤں۔

امام حسینؑ نے جب ان دونوں کی گفتگو سنی کہ وہب اپنی زوجہ کو خیمہ میں بھیجنا چاہتا ہے اور وہ جدا ہونے کو تیار نہیں ہے امامؑ نے آواز دی: اِذَا جِئْتِیْ رَاحِمَکَ اللّٰہُ ”اے زوجہ وہب! خدا تجھ پر رحمت کرے ان عورتوں کے لیے جو اپنے شوہر کے ساتھ آ جاؤ۔“

زوجہ وہب امامؑ کا حکم سن کر وہب سے مایوس ہو کر خیمہ کی طرف واپس آئی اور وہب کی ماں کے پاس پہنچی۔ شوہر کے فراق میں زمین پر گر پڑی اور سر میں خاک ملائی۔

مرحوم شیخ صدوقؒ نے امالی میں یہ روایت بیان کی ہے کہ زوجہ وہب عمود لے کر لشکرِ کفر پر حملہ آور ہو گئی اور جب وہب نے وہب کے دائیں طرف ضرب لگائی اور دایاں بازو جدا ہو گیا تو وہب نے وہی عمود بائیں ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔ دائیں ہاتھ سے خون کا فوارہ بہہ رہا تھا تو جس ملعون نے ضرب لگا کر وہب کا دایاں بازو شہید کیا تھا، اسی پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے جناب وہب کا بایاں بازو جدا کر دیا۔ وہب زمین پر گر گئے اور لشکرِ کفر نے اس کے ارد گرد بھٹکنا ڈالا اور ان کو قیدی کیا۔ ابھی جان باقی تھی، ان کو عمر بن سعد کے پاس لائے۔ اس ملعون نے چند گایاں کے بعد حکم دیا کہ ان کا سر جدا کر کے اس کی ماں کے قدموں میں پھینک دو۔ انہوں نے ایسا کیا، تو وہب کے سر کو زوجہ سے کراپنے زانو پر رکھا اور میل سرمد سے اپنے شوہر کے خون سے اپنی آنکھوں کو خونی سُرمہ لگایا اور پھر خود اپنے شوہر کے بدن کے پاس آئی اور لاش پر گر پڑی اور اس قدر عین کیے کہ ہر دوست دشمن کو زلا دیا۔ شرم ملعون نے اپنے غلام کو بھیجا کہ اس کی زوجہ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے۔ یہ بد بخت غلام آیا تو جیسے ہی وہ شوہر کی لاش پر گرے یہ کنناں تھی تو عمود سے اس نے

جب کی ماں میدان میں آئی، اپنے بے سر بیٹے کی لاش کو دیکھا تو ایک لمحہ کو ماتم کیا، پھر اٹھ کر ملعونوں کو خطاب کر کے فرمایا: میرے لیے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اے ملعونو! میں گواہی دیتی ہوں کہ یہودی اور نصرانی تم سے بہتر ہیں، تم اپنے جہنم کے بیٹے کو قتل کرنے کا پختہ عزم کیا ہوا ہے۔

یہ جھٹ کی روایت کے مطابق اپنے بیٹے کا سر اٹھا کر لشکرِ کفر کی طرف اس قدر زور سے مارا کہ ایک ملعون کو فی النار بھیج دیا۔ اے بے حیا کوگو! ہمارے نزدیک جو سرقربان کیا جاتا ہے وہ اس لینا و فاکے خلاف ہے۔ پھر یہ ماں اپنے بیٹے کے سر آئی تو خالی خیمہ کو اکھڑ دیا اور خیمہ کی چوب کو اٹھایا اور میدان میں آگئی اور ان ملعونوں پر حملہ کر دیا اور دو ملعونوں کو فی

۱۔ حسینؑ نے جب یہ دیکھا تو آواز دی: اے مستورِ مدینہ! واپس آ جاؤ، عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے، میں ضامنِ کدہٗ عورتہارا بیٹا دونوں میرے نانا کے پاس ہوں گے۔

حدید وہب واپس آئی اور روتی ہوئی لوٹی۔ امّؑ نے اپنی مستورات کو فرمایا کہ مادر وہب کو تسلی دیں۔ کبھی کبھی جب مادر کے جین بلند ہوتے تھے تو خود امام حسینؑ اسے تسلیاں دیتے تھے۔

جب کے بعد عمرو بن خالد شہید ہوئے۔ ان کے بعد خالد بن عمرو بن خالد شہید ہوئے۔ ان کے بعد سعد بن حظلہ تمیمی ہوئے۔ ان کے بعد جناب عمیر بن عبد اللہ بن جحش شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب حماد بن انس شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب بن عبید شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب شریح بن عبید شہید ہوئے۔

بہاول بن نافع کی شہادت

بقول ابی جحف یہ بزرگوار حضرت علیؑ کے پروردہ ہیں اور تیر اندازی میں اس قدر مشہور زمانہ تھے کہ ہر تیر پر اپنا اور اپنے
 سے کھینچتے تھے تاکہ جہاں تیر لگے معلوم ہو جائے کہ کس کا تیر ہے۔ ان کا تیر کبھی خطا نہیں ہوا بلکہ رات کی تاریکی میں بھی
 کھوکھو نشانہ بنا سکتے تھے۔ چند صحابہ کی شہادتوں کے بعد ان کی رگوں میں جوش آیا اور امام کی خدمت میں حاضر ہوئے،
 مہربان علیؑ اور یہ کامیاب دلیر اور شجاع، غنغر میدان میں آئے۔ لشکر کفر پر نگاہ کی تو لشکر کفر گھبرا گیا۔ انہوں نے تیر کمان
 سے پھینکا اور ابو جحف کے مطابق ستر ملعون کو تیروں کا نشانہ بنایا اور ان کو جہنم کے سپرد کر دیا۔ اور یہ رجز پڑھ رہے تھے: ”اے
 میرا بھائی بھائی جو ان ہوں۔ میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔ آج میری جنگ میری آرزو ہے اور میری اس رائے پر میرا

عمل دیکھ رہے ہو۔

جناب قزوینی نے ریاض الاحزان میں لکھا ہے کہ جب ترکمان کے سارے تیر اپنے نشانے پر مار دیئے تو تیر نہ۔ حتیٰ دیا اور افسوس سے لیوں کو کاٹتے ہوئے تلوار اٹھائی اور غلاف سے نکالی اور اس برق رفتاری، شرر بار سے حملہ شروع کیا۔ جس پر زور دیا اور لگام ڈھیلی کر دی اور قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ کی تلوار کے شعلے دشمن کے دلوں کو جلا رہے تھے۔ کثیر تعداد۔۔۔ جنہم کیا لیکن ہائے افسوس کہ یہ شاہسوار پیاس کی آگ میں جل رہا تھا۔ نوک زبان سے ناف تک خشکی خشکی تھی۔۔۔ گرمی نے ان کے بدن کی چاندی کو زردی مائل کر دیا تھا۔ اگرچہ یہ شیر دل بہت بہادر، چالاک اور دلیر تھے لیکن دشمن کی اس قدر زیادہ تھی کہ جس قدر ان کو قتل کرتے ان کی تعداد میں فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح لڑتے لڑتے ان کے جسم پر خون ریزی ہوتی رہی جس سے وہ کمزور ہو گئے۔ اسی دوران میں ایک ظالم نے چھپ کر گرز سے وار کیا اور آپ کا دایاں۔۔۔ بے کار کر دیا۔ جناب ہلال نے پختی سے تلوار بائیں ہاتھ میں لی اور اس ملعون کو مارنا چاہا تا کہ اس سے انتقام لیں لیکن یہ اور ملعون نے چھپ کر بائیں بازو پر وار کر دیا اور وہ بازو کٹ گیا۔ جب دونوں بازو کٹ گئے تو ان کو گرفتار کر لیا۔ جناب۔۔۔ کے نزدیک روز روشن تاریک ہو گیا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتے اور جس طرف دیکھتے اور جہاں تک نظر جاسکتی تھی دشمن۔۔۔ دشمن ہے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا۔

ان ملعونوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے دونوں بازو کٹ گئے اور اب یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو ان پر بھوم کر دی۔۔۔ کر گھمٹ گھمٹ کر ابن سعد کے پاس لے گئے۔ ابن سعد نے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ اسی اثنا میں شمر نے اس مقصود۔۔۔ گردن پر تلوار ماری اور سرتن سے جدا کر دیا۔

شہادت جناب نافع بن ہلال بجلی

زیارت شہداء میں ہے: السلام علی نافع بن ہلال البجلی المرادی تو یہی مراد ہیں کہ اپنے بابا۔۔۔ شہادت کے بعد میدان میں آئے۔ مرحوم واعظ قزوینی نے حدائق الانس میں شہادت کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ: نافع۔۔۔ ہلال کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، زوجہ بھی کربلا میں ساتھ تھی۔ یہ اپنے بابا کے بعد امام کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔۔۔ زوجہ نے ہاتھ پکڑ لیا اور میدان میں جانے سے روکا۔ نافع اپنے باپ کی شہادت اور شہنشاہ کربلا کی پیاس و غربت کو برداشت۔۔۔ کر سکتا تھا، اس لیے اس نے کہا: لَئِكَ الشَّكْلُ وَالْوَيْلَ اَمَّا تَرَى الْخُسَيْنَ وَعِيَالَهُ وَ اَوْلَادَهُ ”اے زوجہ! کیا تم امام۔۔۔ اور ان کی اہل بیت کی غربت کی حالت نہیں دیکھتی؟ کہ کس طرح دشمنوں کے چنگل میں گھر چکے ہیں۔“

مگر آج میں ان کی نصرت نہ کروں تو پھر میری غلامی بے کار ہے۔ امام کے سبب مبارک تک ان کی آپس کی گفتگو پہنچی تو یحییٰ بن ہلال لَا تَنْكَبُ عَيْشَ الْعِيَالِ ”اے ہلال! آپ نے تازہ شادی کی ہے، آپ کی زوجہ آپ کی وجہ سے بہت خوش ہو رہی تھی لہذا اس کی زندگی کو دکھی اور پریشان نہ کرو“۔

نفع نے عرض کیا: میں قربان جاؤں اگر آج آپ کو اس حالت میں دیکھ کر خاموش رہوں تو کل آپ کی جید امجد رسولؐ میرے خوب دوں گا؟ آپ کو پیغمبرؐ کی روح کا صدقہ مجھے اذن جہاد عطا فرمائیں تاکہ اس حقیر جان کو آپ کے اُپر قربان کر دوں۔

حضرتؑ نے اجازت دی اور داغ دار دل کے ساتھ یہ نوجوان خیمے سے نکلا۔ صاحب ریاض الاحزان لکھتے ہیں: فَكَبَّرَ نَحْبَ إِذْنِ الْأَمَامِ مِنْ حِصَاةِ الْخِيَامِ كَالضَّرْغَامِ الْعَبُوسِ مِنَ الْأَجَامِ مَعَ الرُّمَحِ وَالْجِسَامِ وَالْقَوْسِ حَيْسَ السَّهَامِ ”یعنی جوں ہی امامؑ نے اجازت دی تو خیمہ سے ایک بہادر جوان، غضبناک شیر کی طرح باہر نکلے جبکہ تیرکان اٹھائے ہوئے تھے۔ جب میدان میں آئے تو لشکر ابن سعد کی طرف دیکھا اور یہ رجز پڑھا: ”میں یحییٰ بن جلی حسیب، میرا دین حسینؑ اور علیؑ کا دین ہے۔ میں تمہیں بہادر جوان کی طرح ماروں گا اور خدا مجھے شہادت دے گا“۔

ابن سعد کے لشکر سے مزاحم بن حریش نے جواب دیا کہ میں تو عثمان کے دین پر ہوں۔ نفع نے فرمایا: تم شیطان کے دین پر ہو، ابھی تمہاری گردن جدا کرتا ہوں اور ایک کاری ضرب سے اس عثمانی ملعون کا بطن بے نیل اور تلوار کو آفریں کہا۔ پھر جب میدان میں کوئی نہ نکلا تو انہوں نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ جوان پیاسا تھا اور تھکے ہوئے تھے گھبراہٹ میں ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہر طرف سے ان پر حملہ شروع کر دیے۔ کسی نے تیر نے تلوار ماری، کسی نے نیزہ مارا اور شت میں سو رخ کر دیے۔ کثیر خون ریزی کی وجہ سے کمزور ہو گئے اور ہاتھ غیبی ہو گئے۔ آجی آجی کہ اے جوان! اِسْجَعِي اِسْجَعِي ”آ جاؤ، آ جاؤ“ اور جان پرواز کر گئی۔ نفع کی روح اپنے باپ ہلال کی روح کے ساتھ در دونوں جنت کے ساکن ہو گئے۔

یہ مسلم بن عوسجہ کی شہادت

حسب ارشاد نے لکھا ہے کہ جب اصحاب حسینؑ کی شجاعت اور دلیری اور جوانمردی سے لشکر ابن سعد کے بہت ترس ہو گئے تو عرب کے جنگ کے دستور کے مطابق اور امام حسینؑ سے طریقہ جنگ (مبارزہ ظلی) کو توڑ دیا گیا اور عمر بن عبد العاص نے لشکر کفر کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

اے احمق! نادانو! کیا تم جانتے ہو کہ کن لوگوں سے جنگ کر رہے ہو۔ کب تک ان شیروں سے لڑتے رہو گے۔ موت کو شہادت کی سعادت سمجھتے ہیں اگر اسی طرح مبارزہ طلبہ کا طریقہ جاری رہا تو یہ ہمارے سارے لشکر کو ختم کر دیں گے۔ اب کوئی بھی ان کی مبارزہ طلبی کے جواب میں میدان نہ جائے بلکہ جنگ مغلوبہ (غلبہ کر دینے والی) کی جائے یعنی ہار جائے۔ لشکرِ اصحابِ حسینؑ سے آئے اس پر یکبارگی حملہ کر کے قتل کر دو۔

عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج کی اس تجویز پر آفرین کہا اور یہی اعلان میدان میں ہوا۔ اس وقت اصحابِ حسینؑ غالب تھے اور ہر شخص زندگی سے اکتا چکا تھا بلکہ ایک مرتبہ تو امام حسینؑ نے تلوار کھینچ لی کہ میدان میں جاؤں اور اس نہ کروں کہ شہید ہو جاؤں۔

اصحابِ حسینؑ سامنے آئے اور عرض کیا: آپؑ اپنی مسند پر تشریف رکھیں جب تک ہم زندہ ہیں آپؑ کو کون پہنچے دیں گے۔ ابھی ہم زندہ ہیں، آپؑ آرام فرمائیں۔

امامؑ نے اصحاب کے جذبات دیکھے تو گریہ فرمایا اور دعا فرمائی: ابنِ سعد نے مبارزت طلبی کے طریقے کو اختیار کر دیا کیونکہ اصحابِ حسینؑ میں سے ہر صحابی جب تک پانچ سو، ہزار کو فیوں کو قتل نہ کر دیتا شہید نہیں ہوتا تھا۔ حجاجؑ لشکرِ کفر سے ذرا دور ہو کر لشکرِ حسینؑ کے قریب آیا اور آواز دی: اے اہلِ کوفہ! ذرا خاموش ہو جاؤ اور میری بات سنو۔ امامِ یزید (لعین) کی اطاعت پر ثابت قدم رہو اور جو اس سے پیچھے ہٹا وہ دین سے خارج ہو جائے گا۔ پس یہ حسینؑ کی بیعت نہیں کی۔ یہ اور ان کے ساتھی دین سے خارج ہیں، لہذا ان کا قتل کرنا واجب ہے، سستی نہ کرو اور ان کے قتل جلدی کرو۔

جب امامؑ نے عمرو بن حجاج کی یہ تقریر سنی تو فرمایا: اے فرزندِ حجاج! لوگوں کو میرے خون بہانے اور قتل کرنے نہ دے رہے ہو؟ اے ظالم! کیا ہم دین سے خارج اور تم دین پر ثابت قدم ہو؟ خدا جانتا ہے اور تم بھی سارے اچھی طرح جانتے ہو کہ کون دین پر اور کون دین سے خارج ہے۔ اے بے مردت! میرا خون بہا کر تمہیں کچھ نہ ملے گا۔

عمرو بن حجاج نے امامؑ کے یہ جملے سنے تو غضبناک ہوا اور اپنے لشکرِ کفر کو یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ تاریخِ طبری میں ہے کہ ابنِ سعد کے تیر اندازوں نے امامؑ کے اصحاب پر تیر برسانے شروع کر دیے اور خیمہ پر تیر شروع ہو گئی۔ امامؑ کے اصحاب نے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر لشکرِ کفر کے سامنے آگئے اور دشمنوں نے تیر و شیشے حملوں کو اپنے چہروں اور جسموں پر لیا تاکہ کوئی تیر حسینؑ کی طرف نہ جائے۔

مسلم بن عوجہ اسدی نے پیچھے سے اس لشکرِ کفر پر حملہ کر دیا اور ان کے ساتھ باقی اصحاب نے لشکرِ کفر پر شہ

تہ حصہ میں مسلم کے کچھ ساتھی شہید ہو گئے۔ جب مسلم نے دیکھا تو اپنے باقی ساتھیوں کو لٹکارا کہ میری جان تم پر
موجود ہے کہ ثابت قدمی سے ان رو بہ صفت لوگوں پر شدید حملہ کروں۔

غیر فخر نے مسلم کا محاصرہ کر لیا لیکن مسلم نے شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمن حیران ہو گیا اور ان کے برابر
مست پانچ بج کیا کیونکہ لشکر پر حملہ کرتے اور کبھی پیچھے ہٹ کر دشمنوں کے تیر و تلوار کے حلوں کو سینے میں لیتے۔ مسلم بن عویض
تھے، بڑے تھے لیکن جوانوں کی طرح ہر طرف حملہ کر رہے تھے اور جس طرح جنگ آذر با نجان میں دشمن کو مجبور کر دیا
میں کربلا میں کشتوں کے پتے لگا دیئے۔

نہ زہد، عابد، شب زندہ دار نے روز عاشور وہ شجاعت دکھائی کہ آج تک کسی شجاع نے ایسی شجاعت نہیں دکھائی۔
میں۔ اپنے نیزے سے واصل جنم کیا، سات ملعونوں کو تلوار سے قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ سیکڑوں کو زخمی اور پامال کیا۔
میں۔ وہ ایک شخص تھا اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مسلم کو لڑتے لڑتے بہت زخم آئے، تیروں کے کثرت سے لگنے
میں۔ سخت کی طرح ہو گئے تھے۔

جب خالموں نے مسلم کو کمزور اور ناتواں دیکھا تو اطراف سے حملے تیز کر دیئے۔ اس قدر تلواروں اور نیزوں کے وار
میں۔ مت اور سخت جان مسلم کو گھوڑے سے گرا دیا۔ جب زمین پر گرے تو ان ملعونوں نے اس قدر زخم لگائے کہ ان کو
میں۔ وہ شہید ہو گئے ہیں اور پھر چھوڑ دیا۔

جب امام کو اس کیفیت کی خبر ملی تو امام کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور ٹوٹے دل سے حبیب بن
میں۔ نکلے کر مسلم کے سر ہانے پہنچے۔ ابھی مسلم کی جان باقی تھی۔ جب امام کی نظر مسلم ابن عویض کے زخمی جسم پر پڑی
میں۔ آلود ہے تو ان کے سر کو اپنی گود میں لیا اور فرمایا: وَمِنْهُمْ مَنْ قَتَلَنِي نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ "یعنی اے
میں۔ حسن! ہم تجہرے پیچھے آ رہے ہیں اور اسٹھے خدمت رسولؐ میں جاؤ گے۔"

جب مسلم نے یہ آواز دلواسنی تو آنکھیں کھولیں اور حضرت کو دیکھ کر بہت روئے حبیب آگے بڑھے اور کہا: اے
میں۔ حسن! میرے لیے آپ کو اس حالت میں دیکھنا بہت مشکل ہے لیکن تمہیں جنت کی بشارت ہو۔
میں۔ مسلم! اگر میں نے تیرے بعد زندہ رہنا ہوتا تو تجھے ضرور کہتا کہ مجھے وصیت کرو تا کہ اس پر عمل کروں، لیکن مجھے
میں۔ میں پیچھے آ رہا ہوں۔

اس نے کہا: برادر حبیب! میری ایک وصیت یاد رکھنا۔ حبیب نے کہا: بتائیں کیا وصیت ہے؟

اس نے کہا: وَصِيَّتِي عَلَيْكَ أَنْ لَا تَدْعَ هَذَا الْغَرِيبَ وَأَسْأَلُ إِلَى الْحُسَيْنِ "میری یہی وصیت ہے کہ اس

غریب کو اکیلا نہ چھوڑنا اور اشارہ امام کی طرف کیا۔“

حبیب نے کہا: اے برادر! مطمئن رہو کہ خدا نے مجھے آج کے دن کے لیے پیدا کیا ہے، اسی اثنا میں میں نے پرفتح بدن سے پرواز کر گئی اور طوبیٰ پر پہنچ گئی۔ حضرت امامؑ کچھ وقت مسلم کی لاش پر ماتم کر کے پھر حبیب سے مل گئے۔

جناب مسلم بن عویجہ کے فرزند کی شہادت

جناب مسلم بن عویجہ کو تین ملعونوں نے مل کر شہید کیا۔ یہ ملعون عبداللہ ضہانی، عبداللہ بن خشکارہ اسدزی۔ عبداللہ ضہانی تھے جو ہمیشہ میدان جنگ میں فخر و مباہات کیا کرتے تھے کہ ہم نے مسلم بن عویجہ جیسے بہادر کو شہید کیا ہے۔ حبیب بن ربیع جو اگرچہ خود بھی بڑا ملعون اور شقی تھا، ان تینوں کو گالیاں دیتے ہوئے کہتا تھا کہ اے خالمو! تم تمہارے غم میں ماتم کریں تم نے تو اپنی عزت کو قطع کر دیا اور اس پر فخر کرتے ہو؟ تم نے اس شخص کو قتل کیا ہے جس میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

جناب محمد بن ابی طالبؑ کی روایت کے مطابق جب مسلم عویجہؑ کی شہادت کا علم ان کی زوجہ کو ہوا تو اس نے نوحہ کرتے ہوئے کہا: واسیتہا واعوسجاء جب مسلم عویجہ کے خیمہ سے گریہ و ماتم کا شور بلند ہوا تو تمام مختدرات عصمت بھی ضبط نہ کر سکیں اور ہر طرف ماتم ہی ماتم برپا ہو گیا۔

نورالائمہ میں خوارزمی نے روایت نقل کی ہے کہ جناب مسلم عویجہؑ کے بیٹے بالکل نوجوان تھے۔ جوں ہی انہیں خبر ہوئی کہ وہ یتیم ہو گئے ہیں تو نالہ و زاری کی پھر فرط غم میں نڈھال تلوار اٹھائی اور باپ کا بدلہ لینے میدان میں نکلے۔ حسینؑ نے جب اس تازہ غم دیدہ جوان کو میدان میں جاتے دیکھا تو فرمایا: بیٹے! کہاں جاتے ہو؟ تمہارے باپ شہید ہیں۔ اگر تم بھی آگے بڑھے تو شہید ہو جاؤ گے، تمہاری ماں تمہارے باپ کے غم میں نڈھال ہے، بے مونس ہے، اپنڈ۔ پاس واپس آ جاؤ۔

وہ نوجوان فرمان امامؑ پر واپس آ رہے تھے کہ ماں پہنچ گئی اور پوچھا: بیٹا! کیا ارادہ ہے؟ اگر تم نے جہاد سے باز نہیں آؤ گے تو میں تم پر راضی نہ ہوں گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! واپس آؤ ممکن ہے کہ تمہاری ماں جہاد کرنے پر راضی نہ ہو۔ اس تازہ جوان نے عرض کیا: مولّا! میری ماں تو جہاد کا حکم دے رہی ہے۔ امامؑ اور اصحاب امامؑ کے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے کہ بچے مجھ سے۔

شرشید ہونا چاہتے ہیں۔

ہیں یہ نوجوان بچہ میدان میں آیا اور یہ رجز پڑھ کر دشمن کو لکارا: ”میرے امیر حسین ہیں اور وہ بہترین امیر ہیں جو محمدؐ کے دل کا سرور ہیں، جو علیؑ اور فاطمہؑ کے فرزند ہیں۔ کیا دنیا میں ان کی مثل کوئی ہے؟ یہ رجز پڑھ کر لشکر کفر پر حملہ آور ہوئے۔ پہلے حملے میں بیس افراد کو واصل جہنم کیا۔ لڑتے لڑتے پیاس نے نڈھال کر دیا اور دشمنوں نے ہجوم کر دیا اور زخمی کر دیا۔ مٹ زمین پر گر گئے اور ان کا سر جدا کر لیا گیا۔ دشمنوں نے ان کا سر امام حسینؑ کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔

نوجوان کی ماں دوڑی اور سر کو اٹھا کر بوسہ دیا اور کہا: اے میری آنکھوں کے نور! آفرین ہے تم پر کہ تو نے مجھے زہراءؑ کے سامنے سر خرودے کر دیا ہے۔ پھر اپنے بیٹے کے سر کو لشکر ابن سعد کی طرف پھینکا اور ایک کو قتل کر دیا۔ پھر خود خیمہ کا دروازہ کھولا کہ اب شوہر اور بیٹے کے بعد زندگی بے کار ہے اور پھر ان ملعونوں پر حملہ کر دیا اور یہ رجز بھی پڑھا: ”میں بوڑھی ہوں، کمزور ہوں لیکن ایسے حملہ کروں گی کہ آخر دم تک بنی فاطمہؑ زہراءؑ کا دفاع کرتی رہوں گی۔“ یہ رجز پڑھا اور دشمنوں کو قتل کر دیا۔

بن شہر آشوب کی روایت کے مطابق اس ضعیفہ داغ دیدہ کو لشکر نے محاصرہ کر کے اپنے بیٹے اور شوہر سے ملحق کر دیا۔

• شورہ سے پہلے لشکر ابن سعد کے حملے

کسی معتبرہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب سے دونوں لشکروں کی ایک دوسرے کے مد مقابل صف آرائی تھی۔ عمر کے نزدیک لشکر ابن سعد نے اپنا زور لگا کر چار حملے کیے کہ جلدی سے امام حسینؑ کو قتل کیا جائے، ان کی تفصیل یوں

• پہلا حملہ: جب عمرو بن زبیدی حجاج اور ابن سعد نے ایک ایک کی مبارزہ طلبی کے معاہدے کو توڑنے کا حکم دیا تو لشکر

سب جس جوش و خروش پیدا ہوا، سوار اور پیدل دونوں حرکت میں آ گئے۔ پیادوں کا امیر شمر تھا اور سواروں کا امیر عمرو بن حجاج تھا۔ کبھی میسرہ سے شمر اپنے پیادہ لشکر کو ولولہ دیتا تھا اور کبھی عمرو بن حجاج میمنہ کو جولان دیتا تھا۔ کبھی شمر میسرہ سے امام حسینؑ کے میمنہ پر حملہ کرتا اور کبھی عمرو بن حجاج اپنی فوج سے امامؑ کے لشکر پر حملہ کرتا ہے لیکن حملہ کار گر ثابت نہیں ہوا کیونکہ صحابہ گھوڑوں سے آتر کر زانو زمین پر ٹیک لگا کر اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے نیزے پکڑتے اور آتے گھوڑوں کی سانسوں میں مارتے تھے جس سے گھوڑے رک جاتے اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھتے تھے لہذا لشکر کفر ذلت اور خفت سے پسپا ہو گیا۔ مجبور ہوا اور شکست کھائی اور پیچھے بھاگنے لگا تو اصحاب نے نیزے زمین پر رکھ دیئے اور تیر چلانے شروع کیے جس سے

کافی یزیدی قتل ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔

● دوسرا حملہ: پہلے حملے کے ناکام ہونے پر شرع نے عمرو بن حجاج کی سرزنش اور ملامت کی اور خود امام علیہ السلام پر حملہ آور ہو گیا۔ شرع نے اپنے پیادہ لشکر کو لکارا، سواروں کو پیادہ کی مدد کے لیے بلایا اور دونوں کو جنگ پر برا بھلا کہنے کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ جبکہ میسرہ کے سردار جناب حبیب بن مظاہر اسدی جیسے شجاع تھے، انہوں نے ایسا مقابلہ کیا کہ لشکر کے مقدمے کو روکا اور بلند نیزوں سے لشکر کے تکبر کو توڑ دیا حالانکہ امام کے لشکر میں صرف ۷۲ سوار تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہڈی دل لشکر ایک دوسرے کے اوپر گر رہا تھا اور شرع کے حملے کو ناکام بنایا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر پاپ ہو گیا۔

● تیسرا حملہ: جب ان دو حملوں سے پسپائی عروہ بن قیس نے دیکھی تو عمر سعد کو پیغام بھیجا کہ امام کے لشکر کا آسان نہیں لہذا اور سوار اور پیادہ دستہ مجھے دو تو میں حملہ کرتا ہوں۔

علامہ قزوینی نے ریاض الاثران میں لکھا ہے کہ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس میں امام علیہ السلام کے لشکر کا شہید ہو گئے اور باقی جو بچے سب زخمی ہوئے اور تھک گئے تھے۔ جب یہ کیفیت علیؑ کے غضب حضرت عباسؑ نے دیکھی بن قیس تازہ لشکر لے کر شرع کی حمایت سے ہمارے لشکر کو تار و بار کر رہا ہے تو اللہ کے شیر کی غیرت نے جوش مارا اور بھٹی کو حکم دیا کہ ڈھال، تلواریں لے کر نکلیں اور حبیب بن مظاہر کی نصرت کریں۔

جب عروہ نے دیکھا کہ اب حضرت عباسؑ بھی اصحاب امام کی نصرت کے لیے آ رہے ہیں تو ابن سعد کے لشکر دن کی روشنی رات کی تاریکی بن گئی اور مجبوراً لشکر کفر نے قرار کرنے میں اپنی نجات سمجھی۔ ابن سعد کو جا کر کہا کہ امام حسینؑ یہ تھوڑی سی جماعت کس قدر شجاع ہے کہ ہمیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، اس قلیل جماعت کی فکر کرو۔

● چوتھا حملہ: ابن سعد نے عروہ اور شرع کی درخواست پر تیرا اندازوں کا تازہ لشکر حصین بن حمیم کی سرداری میں منہ سے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ جاتے ہی اصحاب حصینؑ پر اس قدر تیروں کی بارش برساؤ کہ ان کا لشکر صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ اب چوتھے حملے میں لشکر کفر نے ایک طرف سے تلواروں کا حملہ کیا تو دوسری طرف سے تیرا اندازوں نے تیرا بارش کر دی۔ ایک طرف سے پتھر مارنے والوں نے ہجوم کر کے لشکر حق کا محاصرہ کر لیا اور پیادہ فوج گھوڑوں کو گرانے کین گاہوں میں بندھ گئی۔

مرحوم مفید فرماتے ہیں: اس ترکیب سے لشکر حق کے گھڑسوار زمین پر گرتے گئے اور وہ ملعون ایک ایک کا محاصرہ شہید کرتے رہے۔ لشکر حق کے پیادوں پر تیر برسائے گئے، جس سے ان کے خون بہتے رہے۔ یہ اصحاب پھر بھی یوں

تے بے اور جو امر دی دکھاتے رہے۔ جب کچھ اصحاب شہید ہو گئے تو اصحاب کا گریہ وزاری بلند ہوا۔ امام حسینؑ نے یہ سہم کی آوازیں سنیں تو خود اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے اصحاب کی نصرت کے لیے میدان میں آئے تو نے سدا اللہ الغالب کی طرح جنگ کرتے امام حسینؑ کو دیکھا کہ لشکر کفر کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح مار رہے ہیں تو سرور زیادہ طاقت اور جرأت پیدا ہوئی اور بھوکے شیروں کی طرح لشکر کفر پر حملہ کر دیا، اس طرح کوفہ و شام کے لشکر کو صدمہ کر دیا۔

یہ اصحاب امامؑ پر دانوں کی طرح امام علیہ السلام کے ارد گرد چکر لگاتے رہے۔ اگر کوئی شخص امامؑ پر حملہ کرنے کا ارادہ سمجھ سانسے آجاتے اور اس کے حملے کو اپنے اوپر لیتے اور تیروں کو اپنے سینوں پر لیتے تھے۔
عمر بن قریطہ انصاری حضرتؑ کے ارد گرد پروانہ وار چکر لگاتے کہ ہر آنے والے تیر کو اپنے ہاتھوں پر لیتے اور اگر تلوار کا یہ جوان اپنے سینہ میں لیتا۔

عمر بن قریطہ کا یہ حملہ شدید تر تھا بلکہ کربلا کی جنگ سے پہلے اور بعد میں اس قسم کا شدید حملہ نہیں دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔ اس نے عمر بن قریطہ اور حبیب بن مظاہر نے اس قدر ثابت قدمی اور بہادری سے جنگ لڑی کہ آج تک اس قسم کی شجاعت صدمہ نہیں دیکھی گئی۔

امامؑ نے عمرو بن حجاج پر جنگ اس قدر تنگ اور شدید کر دی اور شر پر اس قدر سختی آئی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں تھا۔ حسین بن حمیم پتھر مارنے والوں کے سردار تھے اور تیر اندازوں کے سردار عمرو بن قریطہ نے جس قدر تیروں اور بھوکے شہداء سے امامؑ کو خیام سے دور کرنے کی کوشش کی وہ ناکام رہے اور اصحاب نے خیام امامؑ کی حفاظت کو نہ

بے چارے دو پہر تک ہوتی رہی۔ اصحاب حسینؑ کے گھوڑے مارے گئے اور اصحاب پیادہ ہو گئے۔ عمر سعد نے دیکھا کہ یہ سمت اصحاب اور انصار سے خالی ہے تو شمر سے کہا کہ پیادہ فوج لے جاؤ اور خیام کے قریب جا کر امام حسینؑ کے حقوق کو ڈرا کر ان کے گریہ کی آوازوں کو بلند کرو تا کہ امام حسینؑ اور اصحاب پریشان ہو کر جنگ سے پیچھے ہٹ

ہیں لشکر ابن سعد کے دو حصے کیے گئے، ایک گروہ امام حسینؑ اور اصحاب سے لڑتا رہا اور دوسرا گروہ خیام کی طرف آیا اور آگے والی طنائیں کاٹ دی اور خیموں کو اندر کی طرف گرا دیا۔ جب خیمے گرے تو بچے اور عورتیں جو خیموں میں تھے، سے بہر نکلے اور ایک دوسرے سے دوسرے خیمے میں پناہ لینا چاہتی لیکن جس خیمے میں جاتے وہ خیمہ گر جاتا تھا۔ بالآخر

بچوں کا گریہ و زاری بلند ہوا اور بچوں اور عورتوں نے سید الشہداءؑ کے خیمے میں پناہ لی اور سب ماتم کر رہے تھے۔
وامحمدؑ و اعلیاءؑ کے یمن بلند کر رہی تھی۔ جب یہ نوحہ و ماتم کی آواز امامؑ اور اصحاب کے کالوں میں گونجی تو
ہو گیا کہ دشمن خیام کے پاس پہنچ گیا ہے لہذا چاہئے تھے کہ واپس آ کر خیام کی حفاظت کریں لیکن دشمنوں نے راستے
ہوئے تھے۔ ان اصحاب سے دو یا تین نفر بہت غربت اور حمیت سے دشمن کی مفوں کو چیر کر خیام کی طرف آتے تھے
ان پر تیر برسائی اور وہ شہید ہو جاتے۔

جب امام علیہ السلام نے اہل بیتؑ کے رونے کی آواز سنی اور اپنے اصحاب کا حال بھی دیکھا کہ اہل بیتؑ
وجہ سے نہ تو اصحاب جنگ کر سکتے ہیں اور نہ خیام کی طرف جاسکتے ہیں کیونکہ ایک گروہ لشکر خیام اور اصحاب کے درمیان
تھا، اگر ایک گھنٹہ اور اسی حالت میں رہے تو تمام اصحاب گرفتار ہو جائیں گے اور تمام مظلومانہ شہید ہو جائیں گے لہذا
ان اصحاب کو حکم دیا کہ تم خیام کی فکر نہ کرو، خدا کے سپرد کرو، ان کا خدا محافظ ہے تم جنگ میں مشغول رہو اور دشمنوں
ایسا حملہ کرو کہ خیام کے سامنے سے یہ لشکر ہٹ جائے اور تم پھر خیام کی طرف آنا۔

امام علیہ السلام کے حکم کے مطابق، اصحاب ایک جگہ جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے پشت لگا کر اور غربت
سے شدید جنگ شروع کر دی۔ ادھر شمر نے اعلان کیا کہ خیام کو آگ لگا دو۔ حضرت امامؑ نے جب یہ سنا تو ٹھنڈی سا
آسمان کی طرف رخ انور کر کے بدعا کی: اَللّٰهُمَّ لَا تُعْجِزَنَّ الشُّمْرَ اِنْ تَحْرَقَ جَسَدُهُ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اے اللہ! تو شمر کو اپنے غضب کی آگ میں جلا دے، تیری راہ میں سب مصیبتیں برداشت کر رہا ہوں لیکن میں
بیت تیرے حوالے ہیں۔ امام میدان میں جنگ بھی کر رہے تھے اور مناجات بھی کر رہے تھے جب کہ بچے اور عورتیں
گریہ و زاری کر رہے تھے۔ جوں ہی خیمہ کے ارد گرد آگ کے شعلے بلند ہوئے تو ہاشمی جوان بھرے، ہر بیٹے کو ماں
بہن، باپ کو بچوں کی فکر ہوئی تو حملہ شدید کر دیا اور ہزاروں کو قتل کر کے خیام کی طرف آنے کا راستہ بنایا۔ ان جوانوں
آگے آگے ڈھیر بن قین بجلی راہ کھولتے آ رہے تھے اور باقی ان کے پیچھے دائیں بائیں حملہ کرتے آ رہے تھے۔ اسی دور
جناب خزیمہ اور انس بن ابی نجم شہید ہو گئے۔

اس لڑائی کے دوران میں ابو نعمرہ نے ڈھیر کو کہا کہ ہم نے خیام کو آگ لگا دی ہے تو ڈھیر نے ایک ہی وار سے
کام تمام کر دیا۔ پھر جب شمر نے ان اصحاب کو اس قدر شدید لڑائی کر کے خیام کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو فرار ہو گیا۔
کے ساتھ دس اصحاب نے شمر کے بھاگتے ہوئے گروہ پر حملہ کر دیا۔ بہت سارے ملعونوں کو قتل کر دیا۔ باقی زخمی ہو کر دوڑ
تھے کہ کچھ اصحاب امامؑ نے ان کوئی التار کر دیا۔

مخدرات عصمت کو جب معلوم ہوا کہ زہیر چند اصحاب کے ساتھ خیام کے پاس آگئے ہیں اور شمر کا گروہ فرار کر گیا ہے یہ زہری سے افاقہ کیا لیکن جو انہی بنی ہاشم کے لیے فکر مند تھیں۔ اسی دوران میں علم عباسؑ نظر آنے لگا اور بنی ہاشم کے بے غروں کی آوازیں مخدرات عصمت کے کانوں میں پہنچیں۔ تمام بیبیوں کی نظریں خیام کے دروازے کی طرف تھیں۔ امام حسینؑ، حضرت علی اکبرؑ، شہزادہ قاسمؑ، جناب عونؑ، جناب جعفرؑ، جناب عبداللہؑ اور دیگر ہاشمی جوان سب خیام کے آئے۔

جرہٹ بن ربیع نے شمر کی سرزنش کی اور کہا کہ اسے بد بخت! ان بچوں اور عورتوں کا کیا قصور ہے، تو نے ان کو اس لیے کہ ہمارے جگر بھی کباب ہو گئے ہیں؟
 عبت کی مذمت سے شمر زسوا ہوا اور کہا گیا کہ اب عورتوں اور بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دیں گے صرف مردوں سے لگے۔

شہداء کے واقعات

• نماز ظہر کی مہلت: جب زوالِ عاشورہ ہوئی تو ابو تمامہ صائدی یا ابو تمامہ صیداوی کہ جن کا نام عمرو بن عبداللہ تھا، سے نام کے پاس آئے اور قحطی، خشکی اور مجروح حالت کے باوجود عرض کیا: مولاً! ہمارے قتل ہو جانے میں کوئی شک نہایت مجلسی کہا کہ جب تک ہم ان دشمنوں کو قتل نہ کر دیں ہم شہید نہیں ہوں گے البتہ ہماری دلی خواہش ہے کہ جب حدیث کو جائیں تو نماز ظہر آپؐ کی اقتدا میں پڑھی ہوئی ہو کیونکہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔
 فَقَرَعَ الْحُسَيْنُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ ذَكَرَتِ الصَّلَاةُ جَعَلَكَ مِنَ الْمُصَلِّينَ
 ”امامؑ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: تو نے اس وقت نماز کو یاد کیا، خدا تجھے نمازیوں میں سے ٹھائے۔“

• بقت امام علیہ السلام نے اصحاب سے فرمایا: ان ظالموں سے اس قدر مہلت مانگو کہ تیرا حملہ روک دیں تاکہ ہم ہمت نہ ہاریں۔ مروایت ابو جعفر امامؑ نے ابو تمامہ صیداوی سے فرمایا کہ اذان کہو اور بعض روایات کے مطابق حضرتؑ نے خود پھر امام علیہ السلام نے ابن سعد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تَحِيَّتُ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الْكَتِفُ غَنَّا الْحَرْبَ حَتَّى نُصَلِّيَ وَنَعُوذَ إِلَى الْحَرْبِ

”ابن سعد! کیا تو نے شریعت اسلام کو بالکل ترک کر دیا ہے؟ ہمیں اتنی بھی جھوٹ نہیں کہ ہم کم از کم نماز کا فریضہ ادا کر لیں پھر جنگ کریں گے۔“

ابن سعد نے جواب نہ دیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

شہادت جناب حبیب بن مظاہر اسدی

جب امام علیہ السلام کی فرمائش پر ابن سعد نے کوئی جواب نہ دیا تو حمین بن نمیر نے بلند آواز سے دہرایا: يَا حُسَيْنُ صَلِّ فَإِنَّ صَلَوتَكَ لَا تُقْبَلُ ”اے حسین! نماز پڑھ لو لیکن آپ کی نماز قبول تو نہ ہوگی۔“
اصحاب حسین نے یہ سنا تو سب تڑپ کر رہ گئے خصوصاً حبیب بن مظاہر اسدی جو امام کے ساتھ کھڑے تھے۔
ملعون کے جواب میں کہا: وَيَلَكَ لَا تُقْبَلُ صَلَوةُ الْحُسَيْنِ وَتُقْبَلُ صَلَوتُكَ يَا بَنَ الْحَسَاةِ ”اے بد بخت! تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی اور تمہاری نماز قبول ہوگی۔“

حمین کو حبیب کا کلام سن کر غصہ آیا اور خنزیر کی طرح غضبناک ہو کر حبیب سے کہا: اے حبیب! آؤ تم میرے ساتھ جنگ کرو۔ جناب حبیب نے امام سے اجازت لیتے ہوئے عرض کیا: اے میرے مولا و آقا! میں نماز بہشت میں اور وہاں آپ کے سلام آپ کے جذبہ احمد، والد گرامی اور بھائی کو پہنچاؤں گا۔

اگرچہ بحار میں مجلسی نے حبیب کی شہادت نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد لکھی ہے لیکن ابونعنف اور ابن شہر آشوب نے نماز ظہر سے پہلے شہادت لکھی ہے کیونکہ ان کو نماز ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جناب حبیب نے حمین بن نمیر سے کہا: اور تلوار اس کے سر پر اس قدر زور سے ماری کہ اس ملعون نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اپنے سر کو پیچھے کر لیا جس سے گھوڑے کے سر پر لگی اور گھوڑے کا دماغ پھٹ گیا۔ گھوڑے نے بدک کر ملعون حمین کو زمین پر گرا دیا۔ حبیب نے بدک کے سر کو جدا کرنے کی کوشش کی کہ حمین کے ساتھیوں نے حمین کو حبیب کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اس وقت حبیب نے یہ دعا پڑھی:

”میں حبیب بن مظاہر ہوں، میدان کا شجاع اور شیر غضنفر ہوں۔ تم تعداد میں بہت زیادہ ہو اور ہم قلیل ہیں لیکن تم سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم تم پر جنت تمام کرتے ہیں اور حق کو ظاہر کرتے ہیں اور تم سے زیادہ متقی ہیں۔“ پھر حملہ کیا اور دھڑک دھڑک کر ایک ہی حملہ میں فی النار واسغر کر دیا۔ بلکہ عمر بن ابی طالب کی روایت کے مطابق ۶۲ ملعونوں کو اصل جہنم کیا۔ حبیب سخت جنگ کی، بیکڑوں کو قتل کیا اور لڑتے لڑتے کثیر تلواروں، تیروں، نیزوں کے زخم لگ گئے اور خون جاری رہا جس کی وجہ سے کمزوری اور ضعف غالب آ گیا۔

سی وقت بنی تمیم کے ہدیل بن مریم نے ان پر حملہ کیا اور تلوار سے حبیبؑ کے سر پر ضرب لگائی اور ایک ملعون نے نیزہ سے حبیبؑ زمین سے زمین پر آئے۔ حبیبؑ اٹھنا چاہتے تھے مگر زخموں اور پیاس نے غر حال کر دیا تھا۔ آپؑ کی حالت اٹھاتے ہوئے حصین بن نمیر جو پہلے بچوں اور عورتوں کی طرح میدان سے بھاگ گیا تھا، نے آپؑ کے سر پر تلوار کی پھنکائی اور جس ملعون نے نیزہ مارا تھا اپنے گھوڑے سے اتر اور حبیبؑ کا سر مبارک جدا کر دیا۔

حصین نے اس تمیمی سے کہا کہ میں حبیبؑ کے قتل میں شریک ہوں لہذا ان کا سر مجھے دو تا کہ گھوڑے کی گردن میں دھک گھوڑے کو دوڑاؤں اور لوگ دیکھیں کہ میں نے اس قتل میں شرکت کی ہے۔ پس گھوڑے کی گردن میں حبیبؑ کا سر اپنے لنگر کو دکھایا اور پھر اس تمیمی کو سر واپس کر دیا۔

جب یہ لنگر کفر کوفہ آیا تو اسی تمیمی شخص نے حبیبؑ کا سر اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اور ابن زیاد کے دربار کی طرف بے رحم کہ جناب حبیبؑ کے بیٹے قاسم (جو تازہ جوان تھے) نے بابا کے سر کو دیکھا تو اس گھڑسوار کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور سے جدا نہ ہوئے۔ جب وہ ملعون ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوا تو قاسم بھی دربار میں چلے گئے۔ جب وہ ملعون باہر آیا سر بھی باہر آ گئے۔ اس ملعون کو شک ہوا اور کہا کہ اے بچے! تمہیں کیا ہے کہ میرے پیچھے پیچھے آتے ہو اور مجھ سے جدا ہو جاتے۔

قاسم نے کہا: کچھ بھی نہیں۔

ملعون تمیمی کہنے لگا: یہ بلا وجہ نہیں، بتاؤ کہ تم میرے تعاقب میں کیوں ہو؟ قاسم نے کہا: یہ سرجو تیرے گھوڑے کی گردن میں ہے یہ میرے بابا کا سر ہے؟ کیا مجھے یہ سر دیتے ہو کہ اس کو دفن کروں؟

ملعون تمیمی نے کہا: ابن زیاد راضی نہیں ہوگا کہ اسے دفن کیا جائے اور میں ابھی اس قتل پر انعام لیتا چاہتا ہوں قاسم نے کہا: خدا تجھے بُری سزا دے گا، خدا کی قسم! تو نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو غلط سے تم سے بہتر تھا۔ یہ کہا اور بے ادبی کی اور دل میں تمنا کی کہ کاش انتقام لے سکتا۔ پس خدا نے اس کی تہذیب پوری کر دی، مصعب بن زبیر کی کوہ کی گورنری کے عین میں اس ملعون کو خود قاسم نے قتل کر کے اپنے بابا کا انتقام لے لیا۔

زہیر بن قین بکلی کی شہادت

جناب حبیبؑ کی شہادت کے بعد جمال امامت پر تمھکان اور دل شکستگی کی کیفیت دیکھی تو زہیر بن قین نے عرض کیا: میں

جب زہیر زین سے زمین پر گرے تو امام علیہ السلام کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور حضرت بنی نہ تھے: لَا یَبْعَدُكَ اللَّهُ يَا زُهَيْر، لعن الله قاتلك لعن الله الذین مَسَحُوا قِرْدَةً وَخَنَانِير "اللہ سے ان پر جنہوں نے تمہیں قتل کیا، اللہ ان کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دے۔"

زہیر! تو نے میری نصرت کی اور نصرت کا حق ادا کر دیا اور ہمیشہ میرا پشت پناہ رہا ہے۔ تم میرے لشکرِ مینہ کے تھے جیسا آپ میری دائیں آنکھ تھے۔ آپ اور حبیب کے چلے جانے سے میرے دوپٹے ٹوٹ گئے اور میری طاقت ختم

تسویں ادا نیکی اور جناب سعید بن عبد اللہ کی شہادت

تین شہر آشوب نے لکھا ہے کہ جناب حبیب بن مظاہر کی شہادت کے بعد اس وقت آشوب میں نماز خوف ادا کی گئی۔ جب وہ نماز ہے جو دشمنوں کی کثرت اور ان کے متوقع حملہ کی صورت میں پڑھی جاتی ہے۔ نماز پڑھنے والوں کے دو گروہ ہوتے ہیں، ایک گروہ امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور دوسرا امام کے آگے کھڑا ہو کر امام اور نمازیوں کی حفاظت کرتا

(از مترجم: امام نے بھی اپنے نمازیوں کی دو صفیں بنائیں ایک صف امام کے آگے اور ایک امام کے پیچھے تھی اور نماز صحیح ہے۔)

جب عمر بن سعد حرا مزادے نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو حکم دیا کہ یہ زین پر تیروں کی بارش برسا دیں۔ امام نے جب ان بے شرموں کی بے شرمی دیکھی تو نمازیوں میں سے دو شخصوں کو بلا کر ایک جناب سعید بن عبد اللہ اٹھائی اور دوسرے زہیر بن قین۔ حضرت نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم آگے کھڑے ہو۔ ہر آنے والے حملہ کا دفاع کرو تا کہ ہم نماز ادا کر لیں۔

پس دونوں اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر دائیں بائیں امام کے آگے کھڑے ہو گئے۔ جدھر سے نیزہ یا تیر آتا، آگے بڑھ کر تھوڑے اور سینوں سے استقبال کرتے اور امام سے ہر حملہ کو روکتے رہے۔ جناب سعید کو تیرہ تیر لگے، البتہ نیزوں اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے اور اس جوان مرد نے حضرت امام حسینؑ کا اس قدر دفاع کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے بلکہ یہ استقامت سے غضب ناک ہوئے اور قریب آئے اور تلواروں کے کئی وار ان پر کیے حالانکہ تیرہ تیر تو پہلے ان کو لگ چکے تھے۔ تلواروں اور نیزوں کے زخم الگ تھے۔ ان تلواروں کی ضربوں، تیروں اور نیزوں کے زخموں اور تیرہ تیر سینے میں لگنے

کے باوجود سعید نے استقامت دکھائی اور امام کے آگے کھڑے ہو کر سلسلہ سکندری کی طرح مقاومت کی۔ پھر دشمنوں آ کر نیزوں سے زخمی کرنا شروع کر دیا لیکن پھر بھی وہ کھڑے رہے اور جناب سعید کی استقامت اور کھڑے رہنا اسے رہا جب تک امام نماز پڑھتے رہے تاکہ کوئی تیر مولاً کو نہ لگے۔ جوں ہی نماز ختم ہوئی اور امام نے السلام عیبکم اللہ پڑھا تو جناب سعید بن عبد اللہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گرے۔ آپ مناجات میں مشغول تھے اور دشمنوں لعنت کر رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ الْعَنَّهُمْ لَعْنَ عَادٍ وَشَمُوذٍ اٰیَلَتُہٗ نَبِیْکَ عَنِی السَّلَامُ وَاَبْلِغْہٗ مَا لَقِیْتَ مِنْ اَلَمِ الْبِجْرَاحِ فَاِنِّیْ اُہْدَتُ بِذٰلِکَ نَصْرَۃَ ذُرِیَّۃِ نَبِیْکَ

”اے خدایا! اس قوم پر لعنت کر بھیجی لعنت عاد و شمود پر کی ہے۔ خدایا! اسی حال میں میرے سلام نبی پاک کو پہنچا دے اور انھیں میرے حال سے مطلع فرما دے کہ اب یہ حالت ہو گئی ہے اور جگر سوز زخموں کو اپنی جان پر لیا ہے۔ خدایا! یہ تمام مصیبتیں ذریت پیغمبر کی راہ میں برداشت کی ہیں اور ان تمام کا مقصد رسول اللہ کے مظلوم اور غریب فرزند کی نصرت ہے۔“

بعض مقاتل کی کتب میں ہے کہ سعید زخمی ہو کر زمین پر گرے تو خان اور خاک میں غلطاپ اپنے آپ کو ہم قدموں تک کھینچ لائے اور سر امام کے قدموں پر رکھ دیا اور اسی حال میں ان کی روح پرواز کر گئی۔

دو بھائیوں جناب عبد اللہ غفاری اور عبد الرحمن غفاری کی شہادت

امام علیہ السلام کی غربت کی حالت دیکھ کر یہ دونوں بھائی روتے ہوئے آئے۔ امام نے پوچھا: یا نبینی انھیں یُبَیْکِیْکُمَا فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ اُرْجُو اَنْ تَکُوْنَا بَعْدَ سَاعَۃٍ قَرِیْبِی الْعِیْنِ ”اے میرے بیٹو! روتے کیوں ہو، خدا کی قسم تم گھنٹہ کے بعد تم بہت خوش اور مسرور ہو گئے اور تمہاری آنکھوں کا نظارہ جمال مصطفیٰ ہو گا۔“

دونوں بھائیوں نے عرض کیا: یا ابن فاطمۃ البتول جَعَلْنَا وَاللّٰہُ فَدَاکَ ”اے فرزند فاطمہ! خدا ہماری جانوں کو آپ کا فدیہ بنائے۔“

خدا کی قسم! ہم اپنے اوپر نہیں روتے، ہماری تو ہزار جانیں آپ کے ایک بال پر قربان ہیں، ہم روتے ہیں تو آپ کے حالات کہ آپ اس قدر مشکلات میں گھر چکے ہیں اور ہم آپ کو اس مشکل وقت میں فائدہ نہیں دے سکتے۔ ہماری تعداد کم ہے اور لشکر کفر کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہمارے دل آپ کی مظلومیت اور غربت پر کباب ہو رہے ہیں۔ ایک گھنٹے

پ کی حالت زار کیا ہوگی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے وفادار و داعی ہوگا جو خدا کو منحور ہوگا۔ بھائیوں نے ہاتھ جوڑ کر جہاد کی اجازت طلب کی۔ امام نے اجازت دے دی اور فرمایا: بیڑا تم چلو ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ پس دونوں بھائیوں نے امام سے الوداع کیا۔ میدان کی طرف نکلے۔ میدان کی حالت، دشمن کی کثرت دیکھ کر آپس میں یہ بات طے کی کہ ایک دوسرے سے پشت ملا کر کھینچے جگ کرتے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ پس دو شیروں کی طرح فوج پران دو بھائیوں نے حملہ کیا، اور ہر مردوں کو دھمکی دینا شروع کیا۔ لڑتے لڑتے پیاس کی شدت زخموں کی کثرت اور میدان کی حدت سے ضعف کا غلبہ ہوا اور بازو سست ہو گئے اور لڑتے لڑتے زمین پر گرے اور ان کی روئیں پرواز کر گئیں۔

حضرت طرماح بن عدی

دوسرا دروں جناب حبیب اور جناب زہیر کی شہادت کے بعد لشکرِ امامؑ پر تھکان اور گھبراہٹ مکمل طور پر چھا گئی تھی۔ باقی ماندہ اصحاب تمام زخمی حالت میں تھے اور اتنی کمزوری پیدا ہو چکی تھی کہ حرکت کرنے کی ہمت و طاقت بھی ختم ہو رہی تھی۔

دوسری طرف پیاس اور بھوک کی شدت نے اہل بیتؑ میں صبر اور برداشت کی طاقت ختم کر دی تھی کیونکہ آہ و زاری، رنج و غصہ کی آوازیں آرہی تھیں۔ غم و اندوہ کا غبار، امامؑ کے لشکر اور خیم کا احاطہ کیے ہوئے تھا کہ ہر دیکھنے والا خود بخود حسرت اور غربت حسینؑ پر رہ رہا تھا۔ اسی دوران حاتم طائیؑ کے قبیلے کے چشم و چراغ یعنی طرماح بن عدی سے برداشت نہ رہی۔ جن قربان کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ یہ طرماح زمانے کے مشہور شجاعوں سے تھے اور حضرت علیؑ کے شاگردوں میں سے تھے۔ یہ بلند قامت، جسیم، فصیح و بلیغ اور بہت طاقتور تھے۔ شبہ عاشور اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر امام حسینؑ کے پاس آئے تھے اور بہت سے درخواست کی تھی کہ مولیٰ میں آپؑ کو محفوظ مقام پر لے جاتا ہوں۔ لیکن امامؑ نے کسی محفوظ مقام پر جانا قبول نہ کیا۔ طرماح نے دیکھا کہ امامؑ کسی طور اس مشن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو یہ خود امامؑ کے اصحاب وادفا میں شامل ہوئے اور حضرت علیؑ کے ساتھ زخمی بھی ہوئے اور اصحاب کے ساتھ ہر دکھ میں شامل رہے۔ روزِ عاشور بعد از نمازِ ظہر اسٹھ بجے حیرت انگیز کمان بازو میں لٹکائی، تیروں کا تھیلہ اٹھایا اور شیربہر کی طرح میدان میں وارد ہوئے۔ آپؑ یہ رجز پڑھ رہے تھے کہ طرماح ہوں جس کی ضرب کی شدت معروف ہے، میں تمہارے سر ہوا میں اڑانے آ گیا ہوں۔“

لشکرِ کفر نے جب طرماح کا نام سنا تو کانپنے لگے اور دُور بھاگنے لگے۔ ابن سعد نے لشکر کو لاکار کا اے قوم! اس میں

اس کا مقابلہ نہ کر سکو گے لہذا ایک بارگی سب حملہ کر دوں کہ شاید کامیاب ہو جاؤ۔ پس لشکرِ کفر نے بھڑوں اور ٹھیکوں پر حملہ کر دیا لیکن اس شیرخوار کو ذرا بھر خوف لاحق نہ ہوا، تلوار لہرائی اور چیتے کی طرح دشمن پر لپکے، پھر کیا تھا؟ سر ہوئے تھے، ہاتھ کٹ کٹ کے زمین پر گر رہے تھے جس کمر میں ضرب لگاتے دو ٹکڑے کر دیتے اور جس سر میں ضرب لگاتے چیر دیتے۔ کربلا کے میدان میں محشر کا سماں تھا۔ جو شخص ان کی جنگ کو دیکھتا اس کے طوطے اڑ جاتے تھے۔ اس پے سے ستر یزیدیوں کو جہنم پہنچایا اور بادل کی طرح گر جتے، اور جوش کھاتے آگے بڑھتے جاتے تھے کہ پیدل فوج کے شہید رسید کر دیا۔ طرمح گھوڑے کو بار بار جولان دے رہے تھے کہ اتفاقاً گھوڑے کو ایسا نیزہ لگا کہ گھوڑا زمین پر بلند قدم و قامت طرمح خاک میں غلطاں ہو گئے۔ تھکے ماندے، پیاس، بھوکے اور زخمی تھے اور خون بہہ جانے کی وجہ سے غلبہ کر لیا تھا۔ اس لیے اب وہ اٹھنے کے قابل نہ رہے۔ جسے غنیمت سمجھتے ہوئے لشکرِ کفر نے احاطہ کر لیا اور ہر طرف کیے اور سر بدن سے جدا کر دیا اور ابنِ سعد کے پاس سر لے گئے۔

بعض مقاتل میں ہے کہ جب طرمح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گرے تو بے ہوش ہو گئے۔ موت کا یقین کر کے چھوڑ دیا اور ان کو گیارہ محرم کی رات کو ہوش آیا۔

پھر ان کے بعد عبدالرحمن بن عبداللہ یزنی شہید ہوئے، پھر یحییٰ بن سلیم مازی، ان کے بعد مالک بن مالک، ان کے بعد جناب عمرو بن مطاع، ان کے بعد جناب قیس بن منبہ، ان کے بعد جناب عمرو بن قُرظہ انہوں نے ہوئے۔

شہادتِ حنظلہ بن سعد شیبانی

نمازِ ظہر کے بعد اصحاب کافی تعداد میں شہید ہو چکے تھے، جو تھوڑے بہت باقی تھے وہ بھی زخمی، پیاسے، بھوکے کی حالت بیان کرنے کی قلم میں جرأت نہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے کریم دوستو! اے اولادِ آدم کے نخبو! تم نے مال و منال، فرزند و جان و جلال سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ چند لمحات اور اس مصیبت پر صبر و استقامت دکھاؤ۔ شربتِ شہادت تمہیں جائے گا اور موت ایک پل ہے جس سے گزر کے وادیِ رحمت میں پہنچ جاؤ گے اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں مقیم ہو۔ ابھی اس زندان سے دارالجلال میں نخل ہو جاؤ گے۔

اسی دوران میں ابنِ سعد نے آواز دی: اے میرے لشکر! جلدی کرو کہ دن گزرنے والا ہے۔ اس تھوڑی سی جماعت

تہذیب کے چراغ بجھا دو، ان کا اور کوئی ناصر نہیں ہے۔ بس یہی کچھ ہیں، حملہ کرو اور تلواروں کا ایک لقمہ بنا دو۔ پس لشکرِ کفر نے سرزد کیا۔ حیر، پھر اور نیزے مارنے لگے۔ اس وقت حظلہ بن سعد شیبانی امام کے آگے آگے اور اپنے سینے کو آنے والے حیر اور نیزوں کے لیے پیش کر دیا تاکہ کوئی وار امام حسینؑ تک نہ پہنچے۔ جناب حظلہ نے حفاظتِ امامؑ کی بہت کوشش کی مگر لشکرِ کفر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

اے بد بختو! اے ظالمو! اس کام سے باز آ جاؤ۔ بروز قیامت تمہارا وہی حال ہوگا جو جنگِ احزاب کے وقت رسول اللہ ﷺ کا ہوا تھا، یا جو حال قومِ ثمود اور عاد کا ہوا تھا۔ اے قوم! خدا سے ڈرو اور اس مظلوم پر اس قدر ظلم نہ کرو۔

ابنِ شہر آشوب نے لکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے حظلہ سے فرمایا: خدائے مہربان پر رحمت کرے، تم نے نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے یہ قوم اب خدا کے سخت عذاب اور ناراضگی کی مستحق ہو چکی ہے، ان پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہوگا؟ بلکہ ان کی شقاوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حظلہ نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، آپ کو کیا انتظار ہے؟ کیا آپ خدا کے حضور نہیں جانا چاہتے اور اپنے روحانی سرور سے ہم بھی جا کر ملیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: کیوں نہیں، پس تم جاؤ ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔

اجازت ملتے ہی حظلہ شیر کی طرح میدان میں آئے اور ایک کثیر تعداد کو جہنم میں بھیجا۔ پھر لڑتے لڑتے گر گئے۔ تو خدا سے مناجات کی اور ظالموں پر لعنت کی۔ اسی دوران میں ایک ظالم آیا اور مناجات والی زبان کو کاٹ دیا اور کہا کہ میں یہی زبان ہمیں نصیحت کرتی تھی اور ان کی روح پر دواز گئی۔

شہادتِ حجاج بن مسروق

حجاج امام حسین علیہ السلام کے مؤذن بھی تھے اور امامؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑنے والے بھی تھے۔ یہ بہت زیادہ محنت، روزہ دار، قاری قرآن اور حافظِ فرقان تھے۔ حجاج بن مسروق نے جب امام حسینؑ کی یہ حالتِ غربت دیکھی تو دنیا کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور اپنی جان کے اب تک سالم ہونے پر شرمندہ ہوئے، لہذا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری قربانی کا ابھی وقت نہیں آیا، مجھے بھی اجازت دیں۔

حضرتؑ نے روتے ہوئے اُسے اجازت دی۔ حجاج دکھی دل اور پریشان حالت سے میدان میں آئے اور یہ جہز پڑھا:

سید حسینؑ کی طرف آیا ہوں جو ہادی بھی ہیں اور مہدی بھی ہیں۔ میں ابھی حسینؑ کے نانائے پاک کی ملاقات کو جا رہا

ہوں۔“ پھر حملہ کر دیا اور پہلے ہی حملے میں پندرہ بہادروں کو جہنم میں پہنچا دیا اور پھر کثیر پیادہ فوج کو زندگی سے محروم کر دیا۔

محدث قتی نے ختمی الامال میں لکھا ہے کہ حجاج نے دشمن کے ۲۵ نفر ہلاک کر دیئے، دشمن ان کی تلوار کی ضرب سے آگے اور دُور و نزدیک سے تیر بارانی کر رہے تھے۔ لڑتے لڑتے آپ زخمی ہو گئے۔ غسکی اور پیاس نے غلبہ کیا، نہ کھانا کھا اور نہ پانی پیا۔ لگے تو دشمنوں نے محاصرہ کر لیا اور نیزوں اور تلواروں نے بدن کے سوراخ اور ٹکڑے کر دیئے۔

شہادتِ ہاشم بن عقبہ بن وقاص

صاحبِ روضۃ الشہداء نے اس جوان کی شہادت کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ جب نمازِ ظہیر کے بعد امام حسینؑ صاحبِ شہید ہو گئے اور لٹکے لٹکے تخت ہوتا گیا تو اچانک بیابانِ کربلا سے ایک سوار آیا اور بڑے رعب سے میدان میں آگیا۔ گھوڑے کو خوبصورت جولان دے رہا تھا، جبکہ سوار زہرہ اور مرغ کی طرح چمک رہا تھا۔ سر پر خوبصورت خود لگا۔ قیدیوں کو لہذا بے ہمتی سے دیکھ رہا تھا اور بڑی خوبصورت کمان اور تیروں سے ہمراہ ترش کا ندھے پر لٹکا رکھا تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور میدان میں غرائے سوئے حملہ آور ہوئے اور کہا کہ جو مجھے جانتا ہے تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ یہ۔ میں ہاشم بن عقبہ بن وقاص ہوں، سعد بن ابی وقاص کا بھتیجا ہوں اور عمر بن سعد منافق کا چچا زاد ہوں۔

پھر شکرِ نام کی طرف مخاطب ہوا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بَنَی رَسُولِ اللّٰہِ

اگرچہ میرا چچا زاد دشمن کے ساتھ ہے لیکن میں تمہارا محبت اور وفادار ہوں۔ اس ہاشم نے صفین میں جنگ کی۔ ساتھ جنگ میں اپنے چچا کے ساتھ شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ تاریخِ صحابہ میں معلوم ہے۔ پھر لشکرِ ابنِ سعد کی طرف سے کہا: مجھے اس لشکر میں سے کسی سے غرض نہیں مجھے صرف میرے چچا زاد سے کام ہے وہی میرے مقابل آئے۔

عمر بن سعد نے یہ بات سنی اور ہاشم کا خنجر سنا تو وہ کاہنے لگا کیونکہ وہ ہاشم کی شجاعت اور لڑائی کے انداز کو جانتا تھا۔ نیے لشکر کو لگا کر کہا: اے بہادرو! یہ سوار میرے چچا زاد ہے، میرا اس کے مقابل جانا مصلحت کے خلاف ہے، تم میں کون سے اس کے مقابل جا کر میرے دوستوں کو شہاد دے۔

میر حطب سمعان بن معاذ میدان میں آیا۔ یہ دمشق کے قریبی علاقہ سے ہزار سواروں کے ساتھ اہلنِ زیاد کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہ سوار تاجر، کاروان اور اس نے دنیا کی سرودی گرمی دیکھی ہوئی تھی۔ جب یہ میدان میں آیا تو ہاشم کو لگا کہ اے بزرگِ غرب! تیرے چچا زاد کو ان زیاد سے کیا برائی پہنچی ہے؟ اب تو تیرے اور طبرستان کی ولایت اسی کے لیے ہے اور یہ عمر بن سعد ہے۔ لشکر کا سردار ہے۔ اس چچا زاد کو چھوڑ دیا اور حسینؑ سے جاملتا جس کے پاس نہ حکومت، نہ متاع

نہ تو کر چا کر ہیں۔ پس دولت اور دنیا سے منہ نہ پھیر اور اپنے بخت پر لات مت مار۔

ہاشم نے کہا: اے بد بخت! تو اس چند روزہ زندگی کو دولت سمجھتا ہے اور اس بے اعتبار دنیاوی وقار کو بخت کا نام دیتا ہے۔ مگر نہ دولت قابل اعتبار ہے اور نہ اس کے بخت و اقبال کو دوام ہے۔

اے سمعان! ذرا انصاف کرو اور بہشت کی بیشکلی کی نعمتوں کو اس مُردار دنیا سے ترجیح دو یہ دنیا کتوں کی غذا ہے، اے اے فرزندِ مصطفیٰ کی خدمت میں آ جاؤ اور رضائے الہی اور سعادتِ سرمدی کی دولت حاصل کرو۔

سمعان کو یہ باتیں سن کر غصہ آیا اور کہا: اے ہاشم! تمہیں نہ اپنے چچا زاد کی شرم ہے، نہ ابنِ زیاد کو خاطر میں لاتے ہو، تم ضرور ہو چکے ہو، تمہیں غرور نے عقل سے دُور کر دیا ہے۔

ہاشم نے کہا: میں ابنِ زیاد پر لعنت کرتا ہوں جس نے میرے چچا زاد کو دھوکا دیا ہے جس کی وجہ سے عمر بن سعد نے دینِ نبی کے بدلے بیچ دیا ہے۔ میں بلند ہمت ہوں، دنیا کو آخرت کے بدلے قربان کرتا ہوں، فانی کو ضائع اور باقی کو محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ فانی دنیا جس پر تم فخر کرتے ہو، جلدی ختم ہو جائے گی اور تم عذابِ عظیم میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

سمعان پھر بات کرتا چاہتا تھا کہ ہاشم غضب ناک ہو گئے اور اُسے لکارا کہ تم مجادلہ کرنے آئے ہو یا مقابلہ کرنے ہو؟ پھر سمعان پر حملہ کر دیا اور دونوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے وار کیا۔ پھر ہاشم نے نیزہ پھینک دیا اور تلوار اٹھائی۔ سعد بن کے سر پر مارنا چاہی تو سمعان نے ہاشم کے سینہ کی طرف نیزہ سیدھا کیا۔ ہاشم نے تلوار کی پشت نیزہ پر ماری، نیزہ سعد بن کے ہاتھ سے گر پڑا، وہ تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ہاشم نے مہلت نہ دی اور برق رفتار تلوار اس کے سر پر ماری اور وہ زمین پر پڑ گیا۔

اس وقت لشکرِ حسینؑ نے نعرہٴ تکبیر بلند کیا اور ہاشم نے لشکرِ کفر کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: اے چچا زاد عمر بن سعد! یہ باپ سعد بن وقاص نے جنگِ احد میں رسول اللہ کے دفاع میں دشمنوں کو تیر مارے اور دشمنوں کے شر سے دفاع کیا اور تم نے انہیں دعا دی تھی اور میرے باپ عتبہ بن ابی وقاص نے رسول پاکؐ کے دندانِ مبارک کو پتھر مارا تھا اور دشمنوں کی مدد میں شہرت کرتا رہا۔ آج عجیب حالت ہے تو ایسے باپ کا بیٹا ہو کر دشمن کا ناصر ہے اور فرزندِ مصطفیٰؐ پر تلوار کھینچ رکھی ہے۔ میں اپنے قبیلہ جیسے باپ کے باوجود اہل بیتؑ کی حمایت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اہلِ نبض و نفاق کو بنیادوں سے ختم کر دوں اور یہ یُخْرِجُ الْحَی مِنَ الْمِیْتِ وَيُخْرِجُ الْمِیْتِ مِنَ الْحَی کا راز صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اُس دن سید کائنات رسولِ خداؐ کی زبان تیرے باپ کو دعا دے رہی تھی اور آج تجھ پر زبانِ رسولِ لعنت کر رہی ہے۔ اُس دن زبانِ رسولِ میرے باپ کی رحمت کر رہی تھی اور آج مجھ پر آفرین کر رہی ہے۔

عمر ابن سعد نے یہ کلام سنا تو ٹھنڈی آہ کھینچی اور اپنا سر جھکا لیا اور بے شرم آنکھوں سے ندامت کا پتہ نہ چھپا ہو گیا۔ سمران کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی نعمان بن مقاتل اپنے ہزار جوانوں سے ہاشم پر حملہ آور ہوئے۔ شہر ذرا بھر خوف محسوس نہ کیا اور ان کے حملہ کے جواب میں اپنے ہاتھ اور بازوؤں کو کام میں لائے اور ایسے جو ہر دھبے سے انصاف حیران ہو گئی۔

شہادتِ فضل ابن علیؑ

جب امام علیہ السلام نے دیکھا کہ ہاشم پر ہزاروں سپاہیوں نے ایک بارگی حملہ کر دیا ہے تو اپنے باقی ماندہ اصحاب کے ساتھ دیا کہ جاؤ اور ہاشم کی مدد کو پہنچو تو جناب فضل بن علیؑ امام حسینؑ کے بھائی ۹ اصحاب کے ساتھ ہاشم کی مدد کو نکلے لیکن مدد کرنے والوں نے فوراً دو ہزار سپاہی آگے روانہ کیے کہ اصحاب حسینؑ جناب ہاشم کی نصرت کو نہ پہنچ سکیں۔

عمر بن سعد کے دو ہزار گھڑسواروں نے جناب فضل بن علیؑ کا راستہ روکا اور ان سے جنگ شروع ہوئی، جنگ شور و غل، تلواروں کی مار کی آوازیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ جنگ شدید ہوئی، لشکرِ کفر نے اصحاب حسینؑ کے ۹ افراد کو شہید کر دیا۔

جناب فضل بن علیؑ چونکہ اپنے باپ علیؑ کی طرح ذوالفقارِ حیدری میں مصروفِ کار تھے اور کبھی کبھی نیزہ و عزمِ محکم استعمال کرتے اور دشمنوں کے سینوں کو چیر رہے تھے اور کبھی اپنی تلوار سے سر اڑا رہے تھے۔ اور اس قدر شجاعت و دھن سے ہزار کا لشکر پیچھے ہٹنے لگا اور اعلان ہوا کہ دور سے تیروں کی بارش کر دو، تو تیروں کی بارش میں اُن کا گھوڑا شدید زخمی ہو گیا۔ وجہ سے گر گیا۔ حضرت فضل بن علیؑ نے پیدل لڑنا شروع کر دیا، لڑتے لڑتے زخمی ہو گئے تو دشمنوں نے گھیرا ڈال لیا اور وہ سر سے قلم سے شہید کر دیا۔ اور امام حسینؑ کے بھائیوں سے سب سے پہلے شہید ہیں جو تشنہ لب اور سوختہ جگر سے ساقی کو کڑوا پ سے جا ملے۔

جب ابن سعد کے لشکر نے دس اصحاب کو شہید کر لیا تو پھر نعمان بن مقاتل کی مدد کے لیے آیا جو اپنے ہزار سپاہیوں کے ساتھ جناب ہاشم کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور تنہا ہاشم ان سے لڑ رہے تھے اور سواروں اور پیادہ کو ترہق کر رہے تھے۔ جس میں گھوڑے کو جولان دیتے تو ہر طرف مُردار کی بو آتی تھی اور جس طرح حملہ کرتے تو مخالفوں کا خون ہی خون نظر آتا تھا۔ نعمان بن مقاتل نے اپنی سپاہ کو لکڑا کر آگے بڑھا اور میرے بھائی کا بدلہ لو، اس وقت ہاشم نے ہاتھ لمبا کیا اور اسے کمر بند سے پتھر اور زین سے زمین پر گرادیا جس سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور وہ فی النار ہوا اور اس کے علم دار کو نعمان بن مقاتل نے

کریا اور علم گر گیا۔ جب نعمان بن مقاتل کی فوج نے اسے متحول اور اس کے علم کو سرنگوں دیکھا تو پیچھے دوڑے اور بچو کی آوازیں دیتے جا رہے تھے۔ اب اس مقام پر ابن سعد کا لشکر پہنچ گیا اور ان دوڑتے ہوئے فوجیوں کو واپس کیا اور شمر کا محاصرہ تین ہزار کے لشکر نے کر لیا۔ اس وقت ہاشم کثرت زخم، شدت پیاس اور حدت میدان کی وجہ سے بدن پر زخم آ گیا۔ نہ بھاگنے کی طاقت تھی، نہ جنگ کرنے کی صلاحیت۔ اس کے باوجود جوش میں تھے اور شوق رکھتے تھے کہ یہیں لیکن کمزوری نے غم حال کر دیا اور اسی حالت میں شربت شہادت نوش کیا اور عارضی دنیا سے بے تعلقی کی طرف چلے

..... شہادت جناب جنادہ بن الحارث الانصاریؓ

..... شہادت جناب عمرو بن جنادہؓ

..... شہادت جناب معلیٰ بن المعلیٰؓ

..... شہادت جناب معلیٰ بن حنظلہ الغفاریؓ

..... شہادت جناب جابر بن عروہ انصاریؓ

..... شہادت جناب انس بن معقلؓ

..... شہادت جناب علی بن مظاہر اسدیؓ

..... شہادت داؤد بن مالکؓ

..... شہادت جناب یزید بن شعاعؓ

..... شہادت ابو عمرو النہشلیؓ

..... شہادت جناب شاذب غلام عابس بن شعیب شاکریؓ

..... شہادت جناب عباس بن شعیب شاکریؓ

ادھر کافی اصحاب حسینؑ کی شہادت کے بعد چند اصحاب باقی رہ گئے تھے، جو تھکے ماندے، زخمی، گھبرائے ہوئے،

ہوئے بھوکے پیاسے تھے۔ ادھر لشکر کفر کے درندے انتظار میں تھے کہ اب کون شجاع میدان میں آتا ہے تاکہ جنگی

سبب نا طرح اسے چیر پھاڑ کھائیں۔ اس وقت زمانے کے شجاع اور نامور جناب عابس بن شعیبؓ میدان میں جانے کے

تیار ہوئے۔ آپؓ حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور جھک کر سلام کیا اور کہا: خدا کی قسم! زمین پر کوئی شخص آپ سے

مجھے کوئی عزیز نہیں، اگر میرے پاس یہ طاقت ہوتی کہ ظلم و ستم کو آپ سے دور کر سکوں تو ضرور کرتا۔

میں قربان جاؤں اور آپ گواہ رہیں کہ میں آپ اور آپ کے بابا کے دین اور آئین پر ہوں اور میں مجاہد جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔ پس اجازت لینے کے بعد تلوار لے کر میدان میں اترے۔ جب میدان کے وسط لشکر کفر کے ریح بن قیم کی روایت ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب عابس بہر شیر کی طرح تلوار سے قلب لشکر پر حملہ آپ کو میں نے غزوات اور جنگوں میں بہت دیکھا تھا اور ان کے حملوں کو بہت پسند کیا تھا۔ وہ بہادروں کے سردار تھے۔ میں نے آواز دی: اَیْکَہَا النَّاسُ هَٰذَا اَسَدُ الْاَسْوَدِ هَٰذَا ابْنُ شَدِیْبٍ لَا یُخْرِجَنَّ اِلَیْہِ اَحَدٌ "اے لوگو! یہ شیروں کا شیر ہے، یہ ابن شعیب ہیں، ان کے مقابل جو بھی نکلا وہ مارا جائے گا"۔ جوں ہی میدان میں آئے تو بادل کی طرح گرے اور مبارز طلب کی لیکن کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عمر بن سعد نے لکار کر کہا: اے لشکر یو! جب ان سے جنگ نہیں کر سکتے تو دور و نزدیک سے تیر اور پتھر پھینک دینا۔ موسم برسات کی بارش کی طرح پتھر اور تیر برسائے۔ جب عابس نے یہ حالت دیکھی تو خود اور زرہ کو بدن سے ہٹا کر پتھروں اور تیروں کی بارش کی پروا کیے بغیر لشکر پر حملہ کر دیا۔ کبھی عمود سے کام لیتے، کبھی تلوار چلاتے اور کبھی نیزے کرتے۔ لشکر بن سعد کے سپاہی آپ کی دلیری، جانثاری پر حیران تھے اور بعض ان کی شجاعت اور جرأت پر تعجب کرتے تھے۔ ریح بن قیم راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں نے عابس کو دیکھا کہ دو سو سپاہیوں کو آگے لگا کر بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک رہے تھے۔ میں نے آواز دی: اے عابس! اس قدر کثیر لشکر میں بغیر خود اور زرہ کے لڑ رہے ہو، کیا آپ کو موت نہیں؟

عابس نے کہا: میں جگر کے سمندر میں ہوں، مجھے خوزیری کا کوئی خوف نہیں۔ جس کے سر سے تلواریں گزرتی تھیں وہ تیروں کی بارش سے کیا خوف کھائے گا۔ یہ کہا اور مجھ سے گزر گئے اور خود کو تلواروں، نیزوں اور تیروں میں ڈال دیے۔ بھوکے شیر کی طرح غراتے تھے۔ مغلوب لشکر کو چیرتے جا رہے تھے لیکن لشکر کفار بھی اذیت دینے سے باز نہ آ رہا تھا۔ ان کے بعد میں نے دیکھا کہ سر سے پاؤں تک خون میں غلطاں ہیں، سر میں کئی ضربیں لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا جسم شہد کے پچھوے طرح سوراخ سوراخ ہے۔ آپ کثرت پیکال کی وجہ سے خار پشت کی طرح ہو گئے تھے اور زمین پر ریحان کی شاخ کی طرح کبھی دائیں جھک جاتے اور کبھی سیدھے ہو جاتے۔

خون ریزی کی وجہ سے ضعف کا غلبہ ہو گیا۔ آپ کی روح اڑنے والی ہو گئی، اشتیاء نے یہ حالت دیکھی کہ آپ زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے تو غنیمت سمجھتے ہوئے نزدیک آئے اور اس تھکے ماندے شیر کا محاصرہ کر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ چند سپاہیوں نے عابس کا سر بدن سے جدا کیا اور پھر آپس میں جھگڑا کیا۔ آپ

قاتل میں ہوں اور دوسرا کہتا کہ قاتل میں ہوں۔

یہ اطلاع عمر بن سعد کو ملی تو اُس نے کہا کہ تم بے وقت جھگڑا کرتے ہو۔ اسے ایک شخص تنہا قتل کر بھی نہیں سکتا تھا۔

جناب جون غلام ابی ذر غفاریؓ

(از مترجم: یہ جناب ابی ذر غفاری کے غلام تھے جسے انہوں نے رسول پاکؐ کو بخشا تھا، رسول پاکؐ نے علیؑ کو ہدیہ

حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو تحفہ دیا۔ حضرت امام حسنؑ نے اسے حضرت امام حسینؑ کو بخشا اور روز عاشور حضرت امام حسینؑ

حضرت امام سجادؑ کو بخش دیا)۔

جب جناب جونؓ نے دیکھا کہ اصحاب یکے بعد دیگرے شہادت کے بستر پر سوتے جا رہے ہیں اور دشمنوں نے ان

سینہ چروں کو سرخ کر دیا ہے اور ادھر یہ لشکر امام حسینؑ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہے اور حضرت امام حسینؑ کی ہیکل

مٹ گئی اور یہ لوگ فرزند رسولؐ کو گالیاں اور طعنے دے رہے ہیں تو آپؐ کی غیرت میں جوش آیا۔ رگوں میں خون تیزی

سننے لگا، گویا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ صبر کا بند ٹوٹنے کو تھا کہ امام حسینؑ کی نظر ان کے چہرے پر پڑی۔ آپؐ کے

پر خطر اب دیکھا تو فرمایا: اے جونؓ! کیا سوچ رہے ہو، کیا خیال آیا ہے، آپ کا اختیار میرے پاس ہے بتاؤ کیا چاہتے

جناب جونؓ نے دست بستہ عرض کیا: قربان جاؤں، میرا خیال ہے کہ میں اپنا سر آپؐ کے قدموں میں رکھ دوں کیونکہ

مجھ میں طاقت نہیں رہی کہ آپؐ کا یہ حال دیکھتا رہوں، آپؐ کی غربت پر خاموشی سے نظر جمائے رکھوں اور دشمن کی

سنت کو ستار ہوں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اِنَّمَا تَبِعْتَنَا طَلَبًا لِلْعَافِيَةِ فَلَا تَبْتَئِلِي بِطَرِيقَتِنَا ”آپؐ اس سفر میں ہمارے ہمراہ

نے۔ عافیت اور سلامتی حاصل رہے لیکن یہ زمین بلا ہے۔ اپنے آپ کو ہماری وجہ سے مصیبت اور بلا میں نہ ڈالو۔“

جب غلام نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ مہربانی اور کرم کی وجہ سے مجھے معذور فرما رہے ہیں تو اپنے آپ کو مولّا کے

سور پر گرا دیا اور عرض کیا: مولّا! میں جان دینے سے گھبرانے کی وجہ سے اب تک خاموش نہیں ہوں بلکہ دیکھ رہا ہوں کہ

میں نے زمانہ میں آپؐ کے دروازے کا لوکر رہوں اور آج مشکل وقت اور آپؐ غربت کے وقت میں آپؐ کو تنہا چھوڑ

دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

میں قربان جاؤں، جانتا ہوں کہ مجھے جان قربان کرنے سے کیوں معذور فرمایا ہے اور مجھے اجازت نہیں دے رہے ہیں

کیونکہ میں سیاہ ہوں، میرے خون سے بدبو آتی ہوگی۔ میں پست نسب ہوں۔ اِنْ مَرَّ بِحِجِّي لَمْ يَنْتِنْ وَرَنٌ
وَلَوْ بِنِي الْأَسْوَدِ ”میرے خون میں بدبو ہے، چہرہ سیاہ ہے، اے مولاً! میری ان صفات کی وجہ سے مجھے بہشت سے محروم
فرماتے ہیں حالانکہ بہشت میں میرا چہرہ سفید، میری بو معطر اور حسب اعلیٰ ہو جائے گا۔“

اے مولاً! میں آپ کے قدموں سے سراسر اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک اپنا یہ سیاہ خون آپ کے تحت
نہ کر دوں۔ حَتَّىٰ اخْتَلَطَ هَذَا الدَّمُ الْأَسْوَدُ مَعَ دِمَائِكُمْ یہ کہتا رہا اور قدموں پر سر رکھ کر زار و قطار روتا رہا۔ حجت
رویاء کہ حضرت امام حسینؑ اس کی محبت کے جذبہ پر گریہ کناں ہو گئے اور فرمایا:

اے نیک انجام غلام جون! اجازت ہے جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ پھر جونؑ نے ایک مرتبہ
عظام کے خیم پر حیا کی نظر دوڑائی اور درد انگیز ٹھنڈی آہ لی اور کہا: اے اہل بیت! جون غلام کو اجازت مل گئی ہے
حافظ کہتا ہوں اور میری عرض ہے کہ میری نوکری میں اگر کمی یا کوئی نقص آیا ہو تو مجھے امام حسینؑ کے صدقے میں
جناب جونؑ کی آواز سننے ہی خیم سے بچوں اور مخدرات کے گریہ کی آواز بلند ہوئی کیونکہ بچوں کو جناب جونؑ سے
تھی، اس لیے بچے باہر نکل آئے اور جونؑ کے ارد گرد حلقہ ڈالا اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت جونؑ ایک ایک
قدموں پر بوسہ دیتے اور تسلی و دلدادگی کرتے تھے اور ایک ایک کا ماتھا چوم کر ان کو خیمہ میں روانہ کرتے تھے۔

پھر امام حسین علیہ السلام کی قدم بوسی کر کے غضب ناک شیر کی طرح میدان میں نکلے اور یہ رجز پڑھا: ”اَبَیْ
سیاہ کی تلوار کی حیرت فاری کا مزہ چکھیں گے۔ میں سبط نبی کا دفاع کرتا ہوں اور زبان اور ہاتھ سے دفاع کرنے آیا ہوں۔
دفاع کے صدقے قیامت کو نجات ملے گی۔“

یہ رجز پڑھ کر تیزی سے دشمن پر حملہ کر دیا اور جنگ کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے اور دشمنوں کو جہنم پہنچانا شروع
اور لڑتے لڑتے بہت زخم آئے اور خون بہہ جانے اور پیاس کی شدت سے کمزوری آ گئی۔ دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ آپ
زین سے زمین پر آئے تو ہر شہید کی طرح امام پاکؑ کو فریاد کی جس طرح ہر شہید آخری وقت امام حسینؑ کو پکارتا تھا اور نہ
شہید کے سر ہانے جاتے، سر گود میں لیتے، مہربانی فرماتے۔ لہذا جونؑ کو بھی یہ خواہش ہوئی کہ میں بھی آخری وقت میں
زیارت کروں لہذا زین سے گرتے ہوئے ایک دفعہ خیم کی طرف نگاہ کی اور عرض کیا: السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا مَوْلَايَ
عَبْدَ اللَّهِ اَدْرَکْنِی

”آقا جان! میرا سلام ہو، حضرت امام حسینؑ خون بار آنکھوں سے جونؑ کے سر ہانے پہنچے اور جونؑ کا سر اپنی گود میں
اور بلند آواز میں گریہ کیا اور اپنا معصوم ہاتھ جناب جونؑ کے سر اور چہرے پر بھیرا اور یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهَهُ وَجِبْ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا سے جناب جون کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی ہو گیا۔ آپؑ کے خونِ شہید کی خوشبو آئے گی۔ (از معراج: کربلا کی خاک سے جو خوشبو آتی ہے وہ اسی جون کے متعلق دعا کا اثر ہے)

جناب امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: بابا بزرگوار کی شہادت کے بعد جب غاضریہ کے لوگ شہدا کے
 ودفن کرنے آئے تو جناب جون کی لاش دس دن کے بعد نظر آئی اور اس وقت ان کا چہرہ نورانی و سفید اور عطر کی خوشبو
 تھیں۔

..... شہادت تحریرہ غلام

..... شہادت جناب یزید مہاجر مہدی

..... شہادت سیف بن عارث

..... شہادت جناب مالک بن عبدسریع

..... شہادت جناب سونید بن عمرو بن ابی المطاع

..... شہادت جناب احمد بن محمد ہاشمی

حضرت امام حسینؑ کے نو غلاموں کی شہادت

صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام کے گھر کے تین غلام جناب محمد بن مقداد، جناب ابودوانہ اجازت لے کر تینوں اکٹھے میدان میں آئے اور کفار سے سخت جنگ کی۔ جب دوسرے غلاموں نے میدانِ اعداء میں گھرا ہوا دیکھا تو چھ غلام جناب قیس بن ربیع، جناب اشعث بن سعد، جناب عمر بن قرطبہ، جناب عظیمہ، جناب سعد میدان میں ان کی مدد کے لیے پہنچے، ان سب نے اکٹھی جنگ کی، جنگ بہت گرم ہو گئی۔ لڑتے لڑتے زخمی ہو گئے اور تلواروں، نیزوں کی ضربوں کی کثرت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بسترِ شہادت پر ہمیشہ کے لیے رہنے پہنچ گئے۔

نور غلام کی شہادت

جب تمام اصحاب اور غلام شہید ہو گئے تو ایک غلام ترک جو قاری قرآن اور حافظ فرقان تھا، امام حسین علیہ السلام کے

دروازے کا غلام تھا، بچے ان سے بہت مانوس تھے۔ صاحبِ روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ جب اس غلام نے حضرت حسینؑ کی غربت اور تنہائی دیکھی تو برداشت نہ کر سکا اور درختوں کے شاخوں پر چڑھ کر سے شہنشاہِ ولایت کی خدمت میں اور ادب و احترام کے بعد عرض کیا: میری جان آپ پر فدا ہو، ہمارے لشکر میں سے کوئی بھی میرے علاوہ نہیں رہا گویا اب نبیؐ کے جانوں کی باری آگئی ہے اور مجھ میں طاقت نہیں کہ اپنے خادم اور خادم زادوں کو خدا نہ کرے زخمی دیکھوں مجھے اجازت دیں تاکہ اپنی جان کو قربان کروں۔ حضرت نے ان پر ننگ و کرم کی اور فرمایا: اے غلام! میں نے تجھے اپنے پیارے بخش دیا ہے اور آپ کا اختیار ان کے پاس ہے لہذا بیمار امامؑ سے اجازت لیں۔ غلام امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کے بستر کے گرد طواف کیا اور حضرت کے قدموں پر بوسہ دیا۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے چشم مبارک کھولی تو ترکی غلام کو دیکھا اور فرمایا: کیوں رو رہے ہو؟ غلام نے عرض کیا: میں نے آپ کے والد سے جنگ کی اجازت مانگی تو انہوں نے فرمایا: تم میرے فرزند۔ العابدینؑ کے اختیار میں ہو، ان سے اجازت لو۔ پس میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ مجھے محروم نہیں کریں گے اور مجھے جنگ لڑنے کی بات دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا ہے، لہذا اپنی مرضی کے خود مالک ہو۔ اس نیک صفات غلام نے حضرت امام زین العابدینؑ سے خدا حافظ کی اور خیمہ سے باہر آیا۔ جب خیامِ اہل بیتؑ سامنے سے گزرا تو دھکی آواز میں فریاد کی: اے خداوندِ صمد! مجھ پر راضی رہنا، اگر کوئی نادانستہ کوتاہی ہوئی ہو تو صحت کر دینا اور قیامت کے دن مجھ کو کر اور خدمت گزار کو یاد رکھنا خدا تمہارا محافظ ہو۔ اہل حرم کا شور و غل بلند ہوا۔ چھوٹے چھوٹے بچے خیام سے باہر آ گئے اور اس غلام کے ارد گرد حلقہ بنا لیا اور غلام نے بچوں کو تسلیاں دیں اور ان کو خیام میں واپس بھیجا۔ پھر روتی ہوئی آنکھوں سے میدان میں آیا اور یہ رونا سنا کہ ”مسمد میرے تیروں اور تلواروں کی ضرب توں سے موزن ہوتا ہے اور فضا میرے تیروں اور بحالوں سے پُر ہو جاتی ہے۔“ اس رجز سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے پاس تیر، کمان، تلوار اور نیزہ وغیرہ تھا اور انہی ہتھیاروں سے دشمنوں کو مار کر دیا۔ جو شخص بھی مقابلے میں نکلتا اُسے قتل کر دیتا جن کی تعداد کافی ہوگئی، پھر کھسان کی لڑائی میں لڑے لڑے قتل کر کے غلبہ نے کمزور کر دیا۔

ایک مرتبہ اپنے امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آیا اور امامؑ نے اسے آفرین کہا۔ اس کے مبارزہ طلبی کو پسند

حریف کی اور شہر کوثر کی بشارت دی۔ پس غلام نے امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا اور دوبارہ
 حضرت عصمت کو خدا حافظ کہا اور ان کی خدمت سے دُوری پر بہت گریہ کیا اور پھر میدان میں آیا اور لشکر پر ایسا حملہ کیا کہ
 جس کی کثیر تعداد کو تیغ کر دیا اور لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا۔ پھر زخموں کی کثرت، پیاس کی شدت اور میدان جنگ کی حدت
 نے اس کو کمزور کر دیا اور اسی کمزوری کی وجہ سے زمین پر گرا اور گرتے ہوئے خیام کی طرف نظر دوڑائی تو امام حسینؑ
 کے پاس موجود تھے۔

حضرت امام حسینؑ اسے امام سجادؑ کے خیمے میں لائے، اس کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھا، امام سجادؑ اس کے پاس تھے۔
 نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سر کو امام حسینؑ کی جھولی میں پایا اور امام زین العابدینؑ کو اپنے سر ہانے دیکھا تو مسکراتے
 باپ بیٹے پر سلام کیا اور اسی حالت میں اس کی روح پرواز کر گئی۔

حق باشم کے جوانوں کا آپس میں الوداع کرنا

جب تمام اصحاب اور محبت، غلام درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت خاتم آلِ عباسؑ اپنے جوانوں کے ساتھ تھارہ
 گئے۔ ان جوانوں کے مشام میں جدائی اور فراق کی لمبی چٹائی تو ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر یعنی گلے لگا کر ایک
 دوسرے کو اُدغی آواز سے روتے ہوئے الوداع کیا۔

جناب مرحوم واعظ قزوینی لکھتے ہیں: ان جوانوں کے ایک دوسرے سے وداع کرنے، خدا حافظی کہنے کا راز یہ تھا کہ
 جو بھائی کو فراق اور جدائی کا یقین تھا لیکن وصال کا محض احتمال تھا اور احتمال یہ تھا کہ ان جوانوں میں کوئی ایک زندہ رہ
 جائے گا تو اس کی شہادت میں بدا حاصل ہو جائے گی۔

حق باشم سے پہلا شہید کون؟

صاحبانِ مقاتل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک اصحاب اور غلام زندہ تھے اس وقت تک بنی ہاشم سے کوئی شہید
 نہیں ہوا لیکن اصحاب اور غلاموں کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی قربانیاں دینے کا وقت آیا اور ایک ایک کر کے میدان جاتے
 گئے اور شہادت پاتے رہے۔ البتہ جس چیز پر تاریخ میں شدید اختلاف ہے وہ بنی ہاشم کے پہلے شہید پر ہے کہ پہلے میدان
 سے کون گیا اور شہید ہوا؟

اس مسئلے میں دو نظریے ہیں:

① پہلے شہید جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ہیں۔ اور یہ قول ابنِ شہر آشوب کا مناقب میں ہے۔ علامہ مجلسی کا

بحار الانوار اور جلاء العیون میں، حبیب السیر، ابوالفتوح رازی، ہروی اور ابی جحیف کے مقتل میں بھی یہی ہے۔

② پہلے شہید جناب حضرت علیؑ بن الحسینؑ علی اکبرؑ ہیں۔ اور یہ قول مختار جناب محمد بن ادریس، صاحب

الطالین، صاحب لہوف سید بن طاووس، صاحب ارشاد شیخ مفید، صاحب تاریخ طبری اور صاحب روضۃ الصفا کا ہے۔

ہمارے خیال میں دوسرے نظریے کا موید زیارت ناحیہ کا وہ پاک جملہ ہے جو جناب علی اکبرؑ کی زیارت میں ہے۔

میں ہے: اَنْسَلَامُ عَلَیْكَ يَا اَوَّلَ قَتِیْلٍ مِّنْ نَّسْلِ خَیْرِ سَلِیْلِ مِّنْ سُلَالَةِ اِبْرَاهِیْمَ الْخَلِیْلِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ”سلام ہو تجھ پر اے ابراہیمؑ خلیلؑ کی پاک نسل کے پہلے شہید۔“

★.....★.....★

بنی ہاشم کی قربانیاں

حضرت علی اکبرؑ کی تفصیلی شہادت

تمام اصحاب اور انصار باوفا کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی باری آئی کہ ان ہاشمی جوانوں کی تعداد ۳۲ نفر تھی، ان کے سینہ میں جانے سے پہلے خود حضرت امام حسینؑ میدان میں جانے کے لیے آمادہ ہو گئے تو ان جوانوں نے امام عالی مقامؑ سے ”رد گھبراؤ الا اور حضرت کے پاؤں پر اپنے آپ کو گرا دیا اور عرض کیا: آپ کے قدموں کی خاک پر قربان ہو جائیں جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہوگا آپ کو میدان میں نہیں جانے دیں گے۔

ان تمام جوانوں میں سب سے زیادہ جو دمکی دل تھے اور امامؑ کی غربت پر ٹرپ رہے تھے وہ آپ کے رشید جوان، یہ نذر زندہ لہند حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ تھے۔ پس انہوں نے اپنا سر بابا کے قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا:

يَا أَبَتِ لَا أَبْقَانِي اللَّهُ بَعْدَكَ طَرَفَةَ عَيْنٍ ”اے میرے مظلوم بابا! اللہ مجھے ایک لمحہ بھی آپ کے بعد زندہ نہ کرے۔ آپ ایک گھنٹہ صبر کریں اپنی جنگ کو مؤخر کریں تاکہ میں آپ پر جان قربان کر لوں۔ پھر آپ کی جو مرضی ہو دیے۔“

جب امام حسینؑ نے اس انداز میں بیٹے کی بات سنی تو رنگ تبدیل ہو گیا اور طبیعت مرجھانے لگی۔ حضرت علی اکبرؑ کے یہ قدموں سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگایا اور پاک خوبصورت چہرے پر بوسے دیئے اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا: علی! بیٹے یہ سوچ رہے ہو، کیا چاہتے ہو؟

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے عرض کیا: بابا! اب زندہ رہنا میرے لیے حرام ہو گیا ہے، ابھی خیمہ میں گیا تو بچوں کو تسلیاں دیں اور خدراستہ صحت کو گریہ زاری کو بڑی مشکل سے روکا ہے۔ یہ جملہ کہا اور علی اکبرؑ بلند آواز سے زار و قطار رونے لگے۔

امام حسینؑ نے بیٹے کو پھر سینے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ پھر جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے عجز و انکسار اور شدید اصرار کے ساتھ جہاد کرنے کا اذان چاہا۔

فَلَمَّا كَثُرَتْ مُبَالَغَتُهُ فِي الْإِسْتِيزَانِ وَأَشَدَّ جَزَعُهُ وَهُوَ عَطْشَانٌ أَذِنَ لَهُ الْحُسَيْنُ وَهُوَ وَلَهُانَ

”یعنی جب اذن جہاد لینے میں بہت مبالغہ کیا اور شدید جزع کی جب کہ وہ پیاسے بھی تھے تو امام حسینؑ نے انھیں اجازت دی لیکن امامؑ اس وقت حیرت زدہ تھے۔“

جب اجازت ملی تو جناب اکبر سلام اللہ علیہ بہت خوش اور مطمئن ہوئے اور میدان جانے کی تیاری کی۔ جب وہ بیٹے کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا تو اپنے عزیز کو پاس بلایا اور خود اپنے ہاتھوں سے جنگ کا لباس پہنایا۔

وَرَتَّبَ عَلَى قَامَتِهِ أَسْلِحَةَ الْحَرْبِ وَالْبَسْتَهُ الدِّبَاعَ وَشَدَّ فِي وَسْطِهِ مِنْطَقَةً لَهُ مِنَ الْأَدِيمِ فَوَضَعَ عَلَى مَفْرَقِهِ مَغْفِرًا فُولَادِيًّا وَقَلَدًا سَيْفًا مَصْرِيًّا وَأَرَكَبَهُ الْعَقَابَ بُرَاقًا مَأْوِيًّا

”یعنی امام پاکؑ نے اپنے فرزند دلہند کے جسم مطہر پر جنگ کا اسلحہ پہنایا، زرہ پہنائی، چمڑے کا کمر بند جو رسول اللہ کا تھا، کمر پر باندھا، سر پر ایک فولادی خود رکھا، مصری تلوار حماں کی اور برق رفتار عقاب پر سوار کیا۔“

اب فرمایا کہ بیٹا جاؤ اور اہل حرم سے الوداع کر کے آؤ۔ حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ روتی آنکھوں اور سسکیں خیاں میں آئے اور آواز دی: السلام علیکن یا بنات رسول اللہ۔ اہل بیتؑ نے جو ہی حضرت علی اکبرؑ کی آواز کو سنا اور ستاروں کی طرح اپنے خیاں کے پردے سے نکلے اور جناب اکبرؑ کے رخساروں کی شمع کے گرد پروانوں کی طرح ہونے لگے۔ پھر علی اکبرؑ کی جنگ کی تیاری دیکھ کر خیاں سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ پھوپھیاں، بہنیں، سب چھوٹے زیارت اکبرؑ کے لیے اکٹھے ہو گئے اور جناب علی اکبرؑ کے گھوڑے کے ارد گرد حلقہ بنایا۔

فَلَخَذَتْ عَمَاتُهُ وَأَخَوَاتُهُ بِرُكْبِهِ وَعَنَابِهِ وَقَوَائِمِ مَرْكَبِهِ وَامْطَرْنَ عَلَيْهِ سَحَابَ الْغَيْوَنِ إِلَهَاطِلَه

”پھوپھیوں نے گھوڑے کی رکابوں اور لگام کو پکڑا اور چھوٹے بچوں اور بہنوں نے گھوڑے کے پاؤں کو پکڑا اور ساون کے بادلوں کی طرح آنسو بہانا شروع کیے۔“

اسی وقت بڑے دل گردے اور جگر کی مالک جناب لیلیٰ سلام اللہ آگے آئیں اور اپنے بیٹے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر زبان حال سے فرمایا: اے اکبرؑ! مجھے قیامت تک پریشان اور دکھی نہ کر، یہ وادی بلا ہے۔ تیرے بابا کے ناصر چلے گئے تھے۔

سجی دیکھ کر میری آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی ہے۔

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ نے ماں کے جواب میں زبانِ حال سے فرمایا: اماں! میرے بابا اکیلے ہو گئے ہیں، میں بابا کی بات اور آپ کی بے کسی نہیں دیکھ سکتا۔

دوے کی میدان میں آمد

شہزادہ علی اکبر علیہ السلام نے اہل بیت کو تسلیاں دے کر الوداع کہا اور میدان کی طرف آئے۔ صاحبِ روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: حضرت علی اکبر سلام اللہ علیہ اٹھارہ سال کے کڑیل جوان تھے۔ چہرہ آفتابی، خُلق اور خُلق میں شبیہ پیغمبر تھے۔ جب چاند میدان میں آگئے تو ان کے رخساروں کی شعاع سے میدانِ جنگ منور ہو گیا اور ابنِ سعد کا لشکر جمالی اکبر دیکھ کر اس قدر ہراساں ہوا کہ ابنِ سعد ملعون سے سپاہی پوچھتے تھے کہ اے ظالم! تو ہمیں ایسے خوبصورت جوان سے جنگ کے لیے لایا ہے؟

جب عمر سعد نے دیکھا کہ شہزادہ عقاب گھوڑے پر سوار ہے تو کہا کہ یہ امام حسین کا بیٹا ہے جو شکل و صورت میں شبیہ پیغمبر ہے۔ روایت میں ہے کہ جب اہل مدینہ کو جناب رسول اکرم کی زیارت کا شوق غالب آ جاتا تو آپ جناب علی اکبر کے مکان کی زیارت کرتے اور جب رسول پاک کے اندازِ کلام کو سننے کا شوق مجبور کرتا تو شہزادے کے کلام اور گفتگو کو سنتے تھے۔ پھر شہزادے نے میدان میں گھوڑے کو جولان دی اور یہ رجز پڑھا: ”میں علی بن الحسین بن علی ہوں اور ہم نبی کے اقرب

ابوالموید خوارزمی لکھتا ہے کہ حضرت اکبر سلام اللہ علیہ بڑی شان سے میدان میں آئے، اور مبارزہ طلبی کی لیکن کوئی بھی اس سے باہر نہ نکلا، بار بار مبارز طلب کرنے کے باوجود کوئی نہ آیا۔ پس شہزادے نے خود لشکر پر حملہ کر دیا اور مینہ و میسرہ سے لشکر کو ایسا درہم برہم کیا کہ دشمن کے سپاہی آگے سے بھاگ رہے تھے اور الامان الامان کی آوازیں آرہی تھیں۔ پس وہ بھی اکبر واپس بابا کے پاس آئے اور عرض کیا: بابا جان! مجھے پیاس نے مار دیا ہے اور لوہے کے ان ہتھیاروں نے مجھے کھنکھار کر دیا ہے۔ پس فہل لی شربۃ من سبیل ”کیا پانی کا ایک گھونٹ مل سکتا ہے۔ اگر ایک گھونٹ مل جائے تو میدان سے ہٹا دے صاف کر دوں گا۔“

امام حسین نے فرمایا: بیٹا! میرے قریب آؤ۔ جناب علی اکبر قریب آئے تو امام نے بیٹے کے لبوں اور منہ سے خاک کو صاف کیا اور حضرت رسول پاک کی انگلی بیٹے کے منہ میں رکھ دی تاکہ چوستے رہیں اور تشنگی سے تسکین مل جائے۔ علی اکبر میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا۔ ابنِ سعد نے طارق بن شہب کو بھیجا کہ جاؤ اور حسین کے بیٹے کا کام تمام کر دو

تاکہ امن زیادہ سے جہیں رقبہ اور موصل کی حکومت لے کر دوں۔

طارق نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ میں فرزند رسولؐ کو بھی قتل کر دوں اور تو اپنا وعدہ بھی پورا نہ کرے۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ وعدہ وفا کی کروں گا اور یہ میری انگوٹھی لے لو اور ضمانت کے طور پر رکھ لے۔ طارق نے عرسعد کی انگوٹھی سے رقبہ و موصل کی حکومت کے لالچ میں جناب اکبرؓ سے جنگ کرنے آگیا۔ یہ مکمل اسلحہ سے مسلح تھا، اُس نے پہلے نہایت عمدہ علی اکبرؓ پر وار کیا۔ شہزادے نے اُس کے وار کو رد کرتے ہوئے اپنا نیزہ اس کے سینے میں ایسا مارا کہ دو بالشت چھ مہر نکل آیا۔ طارق گھوڑے سے زمین پر گرا تو شہزادے نے اپنے عقاب نامی گھوڑے سے اُسے روند دیا جس سے طارق کے اعضا ٹوٹ گئے۔ پھر اس کا بیٹا عمر بن طارق آیا تو وہ بھی اسی انداز سے باپ سے ملحق ہوا۔ پھر طارق کا دوسرا بیٹا طارق اپنے باپ اور بھائی کے غم میں آگ کے شعلے کی طرح جوش مارنا ہوا لپکا اور شہزادے کا گریبان پکڑ کر اپنے منہ سے کہہ آپ گھوڑے سے گر پڑیں لیکن اسد اللہ کے فرزند کا ہاتھ طعون کی گردن میں ایسے آیا کہ اس کی گردن نہایت ہڈیوں کو توڑ دیا اور زمین سے زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر لشکر میں ہائے کی آوازیں بلند ہوئیں اور شہزادے نے بیعت اور شوکت کے پیش نظر لشکر کفر کے قدم اکھڑ گئے۔ عرسعد خوفزدہ ہو گیا اور مصرع ابن غالب سے کہا کہ تم جو جوان کو شکست دو۔

مصرع مقابلے میں آیا تو شہزادے نے نیزہ سے حملہ کیا اور دادا علیؓ کی طرح نعرہ بلند کیا جس سے تمام لشکر جھجھک گیا کیونکہ اکبرؓ کو اپنے بابا اور دادا سے شجاعت ورثے میں ملی تھی۔ مصرع جان کے خوف سے اور شہزادے کی بیعت سے قہر سے تھا۔ شہزادے نے اپنی تلوار سے اس کے نیزے کو کاٹ دیا جب مصرع نے تلوار اٹھائی اور حملہ کرنا چاہا تو شہزادے نے رسولؐ کا نام لے کر اس کے سر پر تلوار سے ایسے وار کیا کہ زمین تک چیر دیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جب دونوں زمین پر گرے تو دشمن کے لشکر سے ہائے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

عمر بن سعد نے محکم بن طفیل اور ابن نوفل کو بلایا اور ہر ایک کو ہزار ہزار سپاہی دے کر شہزادے کے مقابلے پر روانہ کیا۔ یہ دونوں سردار دو ہزار کا لشکر لے کر آگئے اور حملہ آور ہو گئے۔ شہزادے نے ان کا حملہ بھی روکیا اور پھر ان پر اور ایسا شدید حملہ کیا کہ یہ دو ہزار کا لشکر فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ شہزادہ علی اکبرؓ نے ان کا تعاقب کرتے کرتے لشکر پہنچے۔ آپؐ بھوکے شیر کی طرح ان کو قتل کرتے جا رہے تھے۔ اس قدر قتل کیا کہ لشکر میں شور بلند ہوا اور پورے لشکر نے نہ کر دیا۔ ہر طرف سے مارو مارو کی آوازیں آرہی تھیں۔ اسی شور و غل میں جناب علی اکبرؓ سلام اللہ علیہ کی آواز امام حسینؓ کا لوں تک پہنچی۔ اس وقت امامؑ کبھی اٹھتے تھے اور کبھی بیٹھتے تھے اور فرما: اے اکبرؓ! تیرا بابا تیرے زور بازو پر قربان۔

لشکر نے ہر طرف سے حملہ کر دیا تھا لیکن شہزادے کے سامنے جو آتا وہ بچ کر نہ جاتا تھا۔ اس حملہ میں شہزادے نے اپنی لمحوں واصل جہنم کیے۔ لیکن زخم زیادہ لگ چکے تھے اور پورا جسم زخمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ زخموں کی کثرت، پیاس کی شدت اور جنگ کی حدت سے اس شیر خدا کے ہاتھوں کی حرکت میں ضعف اور کمزوری آنے لگی۔ ایک مرتبہ پھر لشکر سے نکل کر پلے پاس آئے اور یہی عرض کیا: **يَا اَبَتَا الْعَطَشِ قَدْ قَتَلْتَنِي فَقُلْ اِلَى شَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِيلٌ** ”بابا! پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے کیا کچھ پانی ملنے کی امید ہے کہ پانی پی کر کچھ طاقت حاصل کروں اور دشمنوں سے پھر جنگ کروں؟“

امام نے اپنے جوان بیٹے کو کوئی جواب نہ دیا البتہ فرمایا: بیٹا! میں شرمندہ ہوں کہ تجھے اس حال میں پانی نہیں دے سکے۔ بیٹے کو سینے سے لگایا، عرق آلود چہرے کو بوسہ دیا اور فرمایا: **حَبِيبِي اَصْبِرْ قَلِيْلًا حَتَّى يُسْقِيكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ**

”میرے جگر گوشے اور میرے میوہ دل! میرے دل کی ٹھنڈک اور سکون! تھوڑا صبر کرو آپ کو رسول پاک اپنے جام سے پیر کر دیں گے۔ اس بشارت پر شہزادے کے دل کو خوشی محسوس ہوئی اور سکون ملا۔ آپ تازہ دم ہو کر پھر میدان میں گئے اور واپس ہوئے۔“

لشکر اعدا نے یمن و یسار سے شہزادے پر یکبارگی حملہ کر دیا جس سے حضرت کو بہت زیادہ زخم آئے۔ اس کے باوجود شہزادہ کو واصل جہنم کیا۔ جب پیاس کی شدت نے حملہ کیا تو پھر بابا کے پاس آئے اور پانی مانگا۔ حضرت امام حسینؑ نے تسلیاں دیں۔ شہزادہ علی اکبرؑ نے مدینہ کی طرف رخ انور کر کے فریاد کی: **يَا جَدَّاهُ الْعَطَشُ** پھر نجف کی طرف رخ کر کے فریاد کی: **يَا عَلِيُّ الْعَطَشُ** امام حسینؑ نے جب بیٹے پر شدت پیاس کے اثر کو دیکھا تو فرمایا: **يَا بُنَيَّ يَبْعُ عَلِيُّ مُحَمَّدٍ مُّصْطَفًّى وَعَلَى عَلِيٍّ اَنْ تَدْعُوهُمْ فَلَا يُحْبِبُوْكَ وَتَسْتَغِيْثُ بِهِمْ فَلَا يُغِيْثُوْنَ** ”میرے بیٹے! سب پر یہ بات کس قدر گراں ہے کہ آپ اُسے بلائیں اور وہ جواب نہ دیں۔ آپ ان سے فریاد کرتے ہیں اور فریاد ہی کرتے۔ بیٹا! اپنی زبان باہر نکالو، جناب اکبرؑ نے اپنی خشک زبان غم سوختہ کباب کی طرح نکالی تو امام حسینؑ نے اکبرؑ کی منہ میں رکھ لیا کہ شاید پیاس کی کمی ہو جائے لیکن پیاس کی کمی نہ ہوئی۔ پھر حضرت نے انگوٹھی جناب علی اکبرؑ کے منہ میں رکھ لی کہ نہ ہوئی۔ آخر کار فرمایا: بیٹا! تمہارے لیے اب دنیا کا پانی ختم ہو چکا ہے، اب جاؤ اور شام سے پہلے سے کوثر پر سیراب ہو جاؤ۔“

جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ مایوس ہوئے اور میدان کی طرف لوٹے۔ شہزادہ علی اکبرؑ جنگی قواعد کے مطابق گرج مگر پھر سے تھے اور کشتوں کے پٹھے لگا رہے تھے۔ حضرت کے چہرے پر پسینہ تھا اور رخسار تحمل کے پھول کی طرح سرخ

ہو گئے تھے۔ اسی دوران میں ایسی جگہ حملہ کرتے ہوئے گزرے جہاں مرۃ بن مہد کین گاہ میں کھڑا تھا، اسی لمحہ۔۔۔
 زہر آلود تلواریں زور سے سر پر ماری کہ آبدینک زخم ہو گیا۔ ابھی اس زخم سے آسودہ نہیں ہوئے تھے کہ اسی مرۃ نے۔۔۔
 آتش فشاں نیزہ شہزادے کے پہلو میں مارا جس سے آسمان ولایت کا یہ چاند زین پر سنبھل نہ سکا۔ شہزادے نے۔۔۔
 گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ جب لشکر نے علی اکبر سلام اللہ علیہ کی یہ حالت دیکھی تو بھاگتے ہوئے قریب آ گئے۔۔۔
 محاصرہ کر لیا۔ فَقَطَّعُوْهُ بِاَسِيَاْهُمْ ”اور تلواروں سے آپ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔“
 مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: ایک ملعون نے زہر آلود تیر شہزادے کے حلق میں مارا جس سے شہزادے۔۔۔
 ہو گئیں، ایک ہاتھ سے ڈھال اور دوسرے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ شہزادے نے گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔۔۔
 خیام کی طرف لے جائے لیکن ہر طرف سے لشکر کی کثرت تھی اور گھوڑا خیام کا راستہ کھو بیٹھا تھا اور بجائے خیام کی۔۔۔
 کے دشمنوں کے لشکر میں چلا گیا۔ جہاں سے گھوڑا گزرتا ہر ملعون تلوار کا وار کرتا تھا بلکہ جس ملعون کے ہاتھ میں جوہر نہ۔۔۔
 تھا۔ لشکر اعدا نے اس قدر مارا کہ علامہ مجلسی لکھتے ہیں: فَقَطَّعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبَابًا اِرْبَابًا ”انہوں نے شہزادے کے کھو۔۔۔
 کر دیئے۔“

جناب علی اکبر کی لاش کا خیام میں پہنچنا

جونہی جناب علی اکبر سلام اللہ علیہ زین سے زمین پر آئے تو بابا کو پکارا: يَا اَبَتَہٗ هٰذَا جَدِيْ قَدْ سَقَانِيْ۔۔۔
 سلام، مجھے نانا نے سیراب کر دیا ہے۔“ امام حسین بیٹے کے پاس پہنچے، جب لاش پر نظر پڑی تو دیکھا کہ خون میں۔۔۔
 ہے۔ جسد اطہر کو سیدھا کیا اور سر اپنی گود میں رکھا۔ پداری محبت نے جوش مارا تو کافی دیر تک بیٹے کے جسم پر لگے زخموں۔۔۔
 رہے۔

علامہ قزوینی ریاض الاحزان میں رقم طراز ہیں: كَانَ الْحُسَيْنُ عَلٰی تِلْكَ الْحَالَةِ جَالِسًا عَلٰی التُّرَابِ۔۔۔
 الشَّارِکِلِ الْمُلْتَهَبِ قَوَادِہٖ

”حضرت امام حسینؑ اپنے جوان کے پاس ایسے بیٹھے تھے جیسے وہ باپ بیٹھا ہو جس کا جوان بیٹا فوت ہو گیا۔۔۔
 دکھی ہوتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ سینے میں غم کا خزینہ ہے۔ آنکھوں کی نظر کمزور ہو گئی تھی۔ اعضاء مثل ہوتے۔۔۔
 ہڈیاں کانپ رہی تھیں۔ دنیا سے منہ موڑ لیا تھا۔ روشن دن امامؑ کی نظروں میں تاریک رات ہو گئی ہے۔ زندگی سے کد۔۔۔
 کبھی بیٹے کو آوازیں دیتے تھے اور جواب نہیں ملتا تھا۔ پوچھتے تھے، تم کہاں ہو تو وہ بولتے نہ تھے، کبھی دشمنوں پر لعنت۔۔۔

میں اور منہ سے خون صاف کرتے ہیں۔ کبھی اپنے چہرے کو بیٹے کے زخموں پر رکھتے ہیں اور کبھی فرماتے: بیٹا! اب تو ستر ہو۔ کبھی فرماتے: بیٹا تم باپ کو تنہا چھوڑ گئے ہو۔ کبھی فرماتے: الدنیا بعدک العفا، تمہارے بعد دنیا تارک ہے، تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔

ان تمام بیٹوں اور نوجوانوں کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا سترہ جوان ایک ایک کر کے آرہے ہیں اور سب نے جناب اکبرؑ کے سرہانے حلقہ ماتم برپا کر دیا ہے۔ سینہ زنی کرتے ہیں اور زار و قطار رو رہے تھے اور ایسا ماتم کر رہے تھے کہ یہ میا ماتم نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کے مروارید کی طرح کے آنسو مسلسل جاری تھے۔ آہ و گریہ زاری آسمان تک پہنچ رہی تھی۔ میان میں خون پسینہ بہا رہے تھے اور اپنے سروں میں خاک ڈال رہے تھے۔

حضرتؑ نے فرمایا: آؤ میرے جوان کا جنازہ اٹھاؤ اور خیام میں لے جاؤ تاکہ سب بیٹیاں ماتم کریں۔ جوانوں نے کھڑے کھڑے کھڑے سترہ جسم کو خیام کی طرف لے گئے، جب لاش اٹھائی تو ان جوانوں کا گریہ اس قدر بلند ہوا کہ خیام کے تحت نے سن کر ماتم شروع کر دیا۔ اہل حرم کا گریہ بہت بلند ہوا اور اس قدر ماتم ہوا کہ ملائکہ ملائے اعلیٰ میں رونے

۔ حسینؑ کبھی جنازے سے آگے اور کبھی جنازے سے پیچھے چلتے تھے۔ کمر بنیدہ تھی، رنگ اڑا ہوا تھا۔ عمامہ ڈھلا ہوا تھا۔ مبارک میں خاک ملائی ہوئی تھی اور ولیدی ولیدی کے بین کرتے آرہے تھے۔ ایک طرف سے جناب عباسؑ دوسری طرف سے جعفر بن علیؑ نے امام حسینؑ کو بغلوں سے سہارا دیا ہوا تھا، حضرت کبھی اکبرؑ کے جنازہ پر نظر کرتے ستر جھکا کر گریہ کرتے۔

ہر مذہب و مذہبی لکھتے ہیں: خیام کے دروازے تک جناب علی اکبرؑ کے جسم میں جان کی رمت تھی اور کسی کسی وقت بولتے بھی تھے جس ہی خیام کے دروازے پر پہنچے تو اکبرؑ کی گفتگو بند ہو گئی، غور سے دیکھا گیا تو روح بھی پرواز کر گئی تھی۔ اسی اثناء میں خیام سے نکلا۔ حیرت زدہ کبھی دائیں دیکھتا، کبھی بائیں دیکھتا کہ اچانک جب علی اکبرؑ کی لاش پر نظر پڑی تو بچوں نے ہوئے اپنے آپ کو لاش پر گر دیا۔ ایسی گریہ زاری کی کہ ہر سننے والا رو پڑا۔

عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ کی شہادت

تمام اصحاب کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کے جوانوں نے ایک دوسرے سے الوداع کرنا شروع کر دیا اور الوداع سے نفراق الفراق کی صدائیں بلند ہوئیں تو آل عقیل سے جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ سامنے آئے۔ یہ بہت

خوبصورت جوان تھے۔ عبداللہ اپنے ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام کے قدموں پر سر رکھ کر بے پروائی سے اے مسعد ولایت و امامت کے مالک! مجھے اجازت دیں تاکہ اپنی ہمت کے گھوڑے کو آخرت کی طرف جوڑ دوں۔ مسلم بن عقیل کو آپ کا سلام پہنچاؤں۔

حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ شہزادہ میدان میں جانے کے لیے تڑپ رہا ہے تو فرمایا: بیٹا! ابھی کے فراق کا غم بھی تازہ ہے۔ تم بھی مجھے اپنے فراق میں تڑپانا چاہتے ہو۔ تم مسلمؑ کی یادگار ہو۔ تمہارے بچے کافی ہے، اگر کر سکتے ہو تو یہ کرو کہ اپنی ماں رقیہ خاتون کو اس دھبہ کر بلا سے دور لے جاؤ کیونکہ اس لشکر کا دشمن ہوں۔

جناب عبداللہ بن مسلمؑ نے دل شکستہ امام کو قسم دی اور عرض کیا کہ میں قربان جاؤں۔ آپ کے مشن پہلے قربانی میرے والد مسلمؑ تھے، اس لیے آپ کے اقربا میں سب سے پہلے میں جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: بیٹا! میری آنکھیں تمہیں دیکھ کر ٹھنڈی اور دل خوش ہوتا ہے۔ میں آپ کا فراق یہی ہوں، تمہارے بغیر میری زندگی تاریک ہے۔ اگر ضرور اجازت لینا چاہتے ہو تو بسم اللہ جاؤ ہم بھی تمہارے پیچھے۔ جناب عبداللہ بہت خوش ہوئے، اور ماں اور بہنوں سے الوداع کر کے میدان میں آئے۔

ابو جحیف نے لکھا ہے کہ شہزادہ ہلائی تلوار لیے دشمن کے سامنے آیا اور اپنے گھوڑے کو جولان دی اور میرے سامنے آیا اسے اپنی تیغ کی ضربیت سے خاک و خون میں ملا دیا، کبھی تلوار چلاتے اور کبھی شہاب ثاقب جیسے نیزے لاتے اور اپنے بابا کے خون کا انتقام لینے کے لیے لشکر کو زیر و زبر کرتے۔ یوں کشتوں کے پٹے لگا دیئے۔

جناب عبداللہ کے سامنے ایک شجاع قدامہ بن اسد فزاری آیا۔ یہ بڑا جنگجو، تجربہ کار، نیزہ زنی میں شہزادے پر حملہ کرتا اور کبھی فرار کر جاتا، کبھی عبداللہ کو لاکارتا اور کبھی دور ہو جاتا اور مسکراتا تھا اور جنگ سے گریز طریقے سے جنگ کرنے کا مقصد جناب عبداللہ کو تھکا دیتا تھا۔ حالانکہ عبداللہ پہلے ہی بھوک اور پیاس کی شدت سے تھکے ہوئے تھے۔ پس حملہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور ایک جگہ پر رُک گئے۔ جوں ہی قدامہ آگے آیا تو غربت، زمین پر دے مارا اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوئے۔ شہزادے نے تین حملوں میں اٹھانوے دشمن جہنم کیا۔ جب ابن سعد نے جناب عبداللہ کی شجاعت کو دیکھا تو کہا: اے لشکر والو! اس شہزادے کے مقابل نکلو۔ نہ آیا۔ عبداللہ ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ کوئی مبارز کو سامنے نہ آیا لیکن پیاس کی شدت کے باوجود میمنہ لشکر پر نہ

مینہ کو میسرہ پر پلٹ دیا اور کافی سواروں کو ہلاک کیا۔ ان ہلاک شدگان میں حمیر بن حمیر بھی تھا جو نہروان کے خارجیوں سے ایک قہر کے ہمراہ اُس کا بیٹا کامل بن حمیر بھی ہلاک ہو گیا۔ اب شہزادہ اپنے مرکز کی طرف آنا چاہتے تھا کہ سواروں اور پیادوں نے حمیر لیا اور محاصرہ تنگ کر دیا۔

اسی دوران میں خداع دمشق نے کمین گاہ سے نکل کر اپنے سواروں کے ساتھ عبداللہ پر حملہ کر دیا اور شہزادے کے ٹھکانے کے پاؤں کاٹ دیئے جس سے شہزادہ زین سے زمین پر آئے اور لشکر میں تباہی مچ گئی۔ صاحب ارشاد شیخ مفید لکھتے ہیں: اسی وقت عمرو بن مہج نے جناب عبداللہ کی نورانی پیشانی پر تیر مارنا چاہا تو عبداللہ نے اپنے ہاتھوں کو چہرے پر رکھ لیا۔ تیر ہاتھوں کی پشت پر لگا جس نے ہاتھ کو پیشانی سے متصل کر دیا۔ عبداللہ نے کوشش کی کہ ہاتھ و پیشانی سے ہٹائیں لیکن ممکن نہ ہوا کیونکہ ہاتھ کو تیر نے پیشانی سے پر دیا تھا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے شہزادے کے سینے میں نیزہ مارا اور جناب عبداللہ کی شہادت واقع ہوئی۔

جناب جعفر بن عقیل کی شہادت

جعفر بن عقیل نے جناب عبداللہ بن مسلم کی شہادت کو دیکھا تو اپنے عم زاد کی مظلومانہ شہادت پر بہت روئے اور امام حسین سے اجازت مانگی کہ میدان میں جانا چاہتا ہوں۔ امام نے اجازت دی اور یہ تشنہ لب اور خستہ جسم شیر زمین میں آئے وہ یہ رجز پڑھے: ”میں اہل طاعی و طالبی جوان ہوں، اور ہاشم کی اولاد سے ہوں۔ ہم تمہارے سردار ہیں اور یہ حسین تمہارے کائنات کے امیر ہیں۔“ تلواریں اور گرج دار آواز سے للکارا کہ کوئی مبارز ہے تو آئے پس جو بھی مقابلے میں آیا فوراً جہنم پہنچا۔ جناب جعفر نے پندرہ ملائین کو ہلاک کر دیا جبکہ ابو مخنف نے اپنے مقتل میں پینتالیس ملائین کی ہلاکت لکھی ہے۔ شہزادے نے تشنہ جگر اور خستہ جسم کے باوجود شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لڑتے لڑتے تھک گئے تو ایک شخص بشر بن سوط سہمہ بنی کمین گاہ سے نکلا اور تلوار کی ضرب سے جناب جعفر کا ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر ایک اور ملعون نے عمود جناب جعفر کے سر پر ہرجاس سے شہادت واقع ہوئی۔

ان کے بعد جناب عبدالرحمن بن عقیل، ان کے بعد محمد بن ابی سعید بن عقیل اور ان کے بعد جناب موسیٰ بن عقیل شہید ہوئے۔

شہادتِ اولادِ جعفر بن ابی طالبؑ

جناب عقیل کی اولاد کی شہادتوں کے بعد جناب جعفر بن ابی طالب کی اولاد کی شہادتیں شروع ہوئیں۔ اہل تاریخ

نے لکھا ہے کہ جناب جعفرؑ کے دو بیٹے تھے جناب محمد بن جعفرؑ اور جناب عون بن جعفرؑ۔ لیکن صاحب عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ جناب جعفر طیارؑ کے آٹھ بیٹے تھے: ① جناب عبداللہ بن جعفر طیار ② جناب عون بن جعفر ③ جناب محمد اکبر ④ جناب محمد اصغر بن جعفر ⑤ جناب حمید بن جعفر ⑥ جناب حسین بن جعفر ⑦ جناب عبداللہ الاصغر بن جعفر ⑧ جناب میسرور بن جعفر

ان آٹھ فرزندوں کی والدہ جناب اسماء بنت عمیس تھیں۔ ان آٹھ ہستیوں سے دو کربلا میں شہید ہو گئے اور دو باقی رہے۔ اصغر اور عون بن جعفر ہیں۔

صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ نے ان دو شہیدوں کو جناب عبداللہ بن جعفر کے فرزند لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر دو بیٹے مکہ سے باہر امامؑ کے ساتھ شامل کیے تھے کہ اگر جنگ ہو جائے تو یہ دونوں امامؑ پر اپنی جان قربان کر دیں اور شہزادوں کو سفارش کی کہ اپنی ماں کے ساتھ رہنا۔

شہادت جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؑ

صاحب روضۃ الشہداء لکھتے ہیں: اولادِ عقیلؑ کی شہادت کے بعد اولادِ جعفر طیارؑ کی باری آئی اور اولادِ جعفر بن محمد سے سب سے پہلے جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؑ امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور جہاد کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اذنِ جہاد عطا فرمایا اور جناب محمد میدان میں آئے اور رجز پڑھ کر دشمنوں کو یوں للکارا: ”اے دشمنو! میں تم سے جنگ کروں ہوں اور امام حسینؑ پر اپنی جان قربان کرنے آیا ہوں، میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا اور جعفر طیارؑ کے پاس تمہاری جگہ کروں گا۔“

آپ یہ رجز بھی پڑھتے تھے اور حملہ بھی کر رہے تھے اور اس منکار بدکار قوم کو ہلاک کر رہے تھے، آخر لاتے لاتے شہادت پر فائز ہوئے۔ جناب زینب خاتونؑ نے اپنے بیٹے کے فراق میں گریہ کیا اور امام حسینؑ نے انھیں تسلی دی۔ جناب مجلسیؒ بحار میں لکھتے ہیں: یہ شہزادہ امامؑ سے اجازت لے کر ماں اور بھائی کے ہاتھوں اور چہروں کے بوسے کر میدان میں آئے اور دس ملائین کو واصلِ جہنم کیا۔ آپؑ نے سخت جنگ کی اور میدانِ جنگ کو ملائین کے خون سے رنگ کر دیا۔

اب عامر بن ثعلبہؑ نے شہزادے پر حملہ کیا تو موت نے جناب زینب خاتونؑ کے دل کے میوہ کی شاخ حیات خشک کر دیا۔ جب بی بی زینبؑ کو اپنے بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملی تو بڑے اطمینان سے فرمایا: اگر میرا جوان بیٹا چلا گیا ہے

جس کیس کیونکہ میرے بھائی کا تو بال بھی بڑکا نہیں ہونے دیا۔

جناب عون بن عبد اللہ بن جعفر کی شہادت

جناب عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار نے بھائی کو جب کشتہ اور خون میں لت پت دیکھا تو میدان کارزار میں آئے۔ اپنے بھائی کے قاتل کو دیکھا کہ جناب محمد کی لاش کے پاس کھڑا ہے اور خون آلود تلوار ہاتھ میں ہے تو جناب عون نے یہ کاری ضرب لگا کر قاتل کو ہلاک کر دیا اور دوسرے جوانوں کی مدد سے بھائی کی لاش کو خیمہ میں لے آئے۔ پھر امام حسین سے عرض کیا: اے آقائے بندہ نواز! میں نے اپنے بھائی کی موت کو دیکھا تو بے اختیار ہو گیا۔ اب آپ بجزت لینے آیا ہوں تاکہ بھائی کے پاس پہنچ جاؤں۔

امام حسین نے بھانجے کو سینے بے لگایا، چہرے پر بوسہ دیا اور روتی آنکھوں سے جہاد کی اجازت دی۔ جناب مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ محمد کے بعد عون افسردہ دل اور شکستہ قلب سے میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھ کر پرحملہ کر دیا: ”اگر تم نہیں جانتے تو سنو میں جعفر طیار کی اولاد سے ہوں جو حنت میں پرواز کرتے ہیں اور یہ بہت بڑا ہے۔“ پھر شمشیر آذری لہرائی اور دشمنوں کے کشتوں کے پستے لگا دیئے اور آتش فشاں نیزے سے کافروں کے جگر کو ہونے سواروں کو بھگا دیا حتیٰ کہ تیس سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شدید لڑائی کے دوران میں اچانک عبد اللہ طائی شجاع نے کمین گاہ سے نکل کر جناب عون کی پشت پر عمود مارا جس سے عون کے چہرے ٹوٹ گئے اور جناب عون گھوڑے پر سنبھل نہ سکے۔ آپ زین سے زمین پر آئے تو روح پرواز کر گئی اور حسین کے جوانوں نے جا کر خون آلود اور خاک آلود لاش کو بھائی کی لاش کے ساتھ سلا دیا۔

امام حسن کی اولاد کی شہادتیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھانجوں کی شہادت کے بعد امام کے بھتیجیوں کی باری آئی۔ جناب امام حسن کی شہادت سے پہلے حضرت عبد اللہ بن حسن میدان میں آئے۔

جناب عبد اللہ بن امام حسن کی شہادت

مدینہ کا شفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جناب عبد اللہ بن حسن ابھی نوجوان تھے۔ اپنے چچا امام حسین کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے چچا! مجھے اجازت دیں کیونکہ اب میری طاقت برداشت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمہیں کس طرح جنگ کی اجازت دوں کہ تم میرے بھائی کی نشانی ہو اور مجھے بھاری یاد دلاؤ۔

جناب عبداللہ نے امامؑ کو تسلیم دی اور اجازت لینے میں اصرار کیا۔ بالآخر امامؑ سے اجازت مل گئی اور میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا: ”اگر مجھے نہیں پہچانتے تو ٹھیک ہے ورنہ سن لو میں امام حسنؑ کا بیٹا ہوں۔“ میدان میں آئے اور ذرا بھر توقف نہ کیا اور بے دریغ ابن سعد کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا اور صفوں کو منتشر کر دیا اور بڑھتے بڑھتے ابن سعد تک جا پہنچے۔ ابن سعد شہزادے کی تلوار کے خوف سے اپنے سواروں میں چھپ گیا۔ جناب عبداللہ میدان میں آئے اور مبارزہ طلبی کی۔

ابن سعد لشکر کے سامنے آیا اور لشکریوں کو اس شہزادے سے جنگ پر ترغیب دی۔ خلعت، غلام، گھوڑے اور درم و ینار دینے کا وعدہ کیا۔ اس وقت بختری بن عمرو شامی سامنے آیا اور کہنے لگا: اے ابن سعد! تو لشکر کا سردار ہے اور سالاروں کا معوے دار ہے لیکن اس شہزادے کی تلوار کی ضرب کا سامنا کرنے سے کیوں فرار ہوتا ہے۔ خود اس کے مقابل جاؤ۔

ابن سعد شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: اے بختری! جان ہر ایک کو عزیز ہے اور اگر میں اس شہزادے سے دُور نہ بھاگتا تو تجھ ملتا تھا، یوں اپنی عمر ختم کر بیٹھتا۔ اگر میری بات پر شک ہے تو ابھی یہ شہزادہ میدان میں کھڑا ہے تم جاؤ تا کہ تمہیں ہاشمیوں سے تنگ کا پتہ لگ جائے اور تم ان سے جنگ کا مزہ چکھ لو۔

بختری ابن سعد کی بات سن کر غضب ناک ہوا اور اپنی قیادت میں پانچ سو سواروں کے ساتھ جناب عبداللہ سے جنگ کرنے نکلا۔ اس وقت لشکرِ امامؑ سے امام حسنؑ کے غلام، محمد بن انس، اسد بن ابی دجانہ اور ہیروزان شہزادے کی نصرت کے لیے نکلے۔ جناب ہیروزان نے اپنے آپ کو بختری کے سامنے پیش کیا۔ بختری نے غضبناک ہو کر ہیروزان پر حملہ کیا۔ ہیروزان نے بھی حملے کا جواب دیا۔ شہزادے نے اپنے غلام ہیروزان کی نصرت میں سواروں کو نیزے سے روکا، اسد اور محمد بن انس نے می حملہ کر دیا۔ جب ہیروزان نے دیکھا کہ شہزادے نے حملہ کر دیا ہے تو بختری کے مقابل سے ہٹ کر غلاموں اور امامؑ سے مل گیا اور ایک حملہ کر کے پانچ سو سواروں کے پاؤں اکھنڈ دیئے اور وہ اس طرح بھاگے کہ قلب لشکر میں جا پہنچے۔

اس وقت حبش بن ربیع نے پانچ سو سواروں کے ساتھ بختری کو لکارا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ اس قدر سواروں کے ہمراہ ہونے کے باوجود بھی ان چار بھوکے پیاسوں سے بھاگ رہے ہو، پس اُسے اپنے لشکر کی طرف واپس موڑا اور خود بھی پانچ سو سواروں کے ساتھ لے کر حملہ آور ہو گیا اور ان چار شخصوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

جناب عبداللہ سلام اللہ علیہ نے حبش پر حملہ کیا، محمد اور اسد ساتھ تھے جبکہ ہیروزان نے پھر بختری پر حملہ کیا اور اس کے لڑکے کو زبردست زخمی کر دیا۔

سحر نے کہا: میں بیروزان کی جنگ دیکھ رہا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اسے ایک گھونٹ پانی کا دیا جاتا تو وہ پورے لشکر سے بہت زیادہ بہت بڑے شجاع تھے، اور میں شمار کر رہا تھا کہ بیروزان نے ایک سو تیس یزیدوں کو نیزہ سے اور تیس سے ہلاک کیا۔ بیروزان جنگ کرتے کرتے تھک گئے اور واپس آنا چاہتے تھے کہ امام حسینؑ کے پاس واپس آئے۔ اسی دوران میں عثمان مصلیٰ پیچھے سے چھپ کر آیا اور نیزہ بیروزان کی کمر میں دے مارا جس سے وہ گھوڑے پر چڑھ کر پرخولی اور تلوار سے جنگ شروع کر دی۔

اسد بن ابودجانہ نے دیکھا کہ بیروزان پیدل لڑ رہے ہیں تو اپنے گھوڑے کو جولان دی اور اس گروہ پر حملہ کر دیا۔ ابن کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور ان اشقیاء کے چودہ ملائین کو قتل کر دیا جب کہ باقی بھاگ گئے۔ جناب بیروزان کے قریب آئے اور کہا: اے بھائی! ہمت کرو میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ بیروزان سوار ہوتا چپک دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ شروع کر دیا۔ اسد نے بیروزان کو چھوڑ دیا اور دشمنوں کے ساتھ جنگ ہو گئے۔

حیران میں بختری جناب اسد کے دائیں طرف سے آیا اور ان کے پہلو میں نیزہ مارا جس کی نوک دوسرے پہلو سے جناب اسد کے ہاتھ سے اپنا نیزہ گر گیا۔ آپؑ نے چاہا کہ تلوار چلائیں لیکن ہاتھوں نے کام نہ کیا اب اس محنت سمجھتے ہوئے ازرق بن ہاشم آیا اور ایک ضربت سے اسد کو شہید کر دیا۔

جناب عبداللہ بن حسن شہت بن ربیع سے مصروف جنگ تھے۔ حضرت کے جسم پر سترہ بڑے بڑے زخم لگ چکے تھے۔ قدر شدید حملے کیے کہ دشمن فرار ہو گیا۔ پھر شہزادے نے دیکھا کہ لشکر نے اسد اور بیروزان کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ان کے لیے ان کے پاس پہنچے۔ وہاں جا کر دیکھا تو اسد شہید ہو چکے تھے۔ جناب عبداللہ نے جناب اسد کے پاس آ کر بختری کو زخمی کیا جبکہ اس کا لشکر فرار کر گیا۔ پھر جناب عبداللہ جناب بیروزان کے پاس آئے اور ہاتھ لمبا کر کے ان سے اٹھایا، زمین پر اپنے آگے رکھا اور روانہ ہو گئے۔

اسد کے گھوڑا چند قدم تک چلا، پھر رک گیا کیونکہ اس گھوڑے کو سیکڑوں تیر لگے تھے۔ پھر یہ گھوڑا پیاسا، بھوکا اور تھکا ہوا ہے جب دو شخص زین پر سوار ہوئے تو دو شخص کو اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ شہزادہ عبداللہ گھوڑے سے اترے اور زین پر سوار رکھا۔ شہزادے کے چچا جناب عون بن علیؑ کی نظر پڑی تو انھوں نے شہزادے کو تازہ دم گھوڑا دیا اور گھوڑے اور بیروزان کو جناب عون کے سپرد کر دیا۔ عون چند قدم ہی چلے تھے کہ بیروزان زمین پر گر پڑے اور روح

شہزادہ عبداللہ بہت روئے، عون بھی روئے۔ عبداللہ دوبارہ میدان میں آئے اور مخالف لشکر سے بہادرانہ لڑائی لڑی۔ کسی کو شہزادے کے مقابل ٹکرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابن سعد کو غصہ آیا اور اپنے لشکر کو گالیاں دیں، لعنت کی کھینچنے کے مقابل کیوں نہیں لڑتے۔

یوسف بن الحجار نے ابن سعد سے کہا: ترے کی جاگیر تم نے لینی ہے اور لشکر کی سالاری کا علم بھی تو ہے۔ خود ان کے مقابل کیوں نہیں جاتا جبکہ ہماری کیوں مذمت کرتا ہے۔

عمر بن سعد نے جواب دیا: مجھے اپنے امیر نے یہ حکم نہیں دیا کہ میں خود دشمنوں سے لڑوں بلکہ اس میں دیا کہ اس لشکر میں سے جسے چاہوں جنگ پر بھیجوں۔ تو میرے فرمان کے تابع ہے نہ کہ میں تیرے فرمان کے تابع۔ اب جاؤ اور اس شہزادے سے جنگ کرو ورنہ ابن زیاد کے پاس تمہاری شکایت کروں گا۔

یوسف بن الحجار عمر بن سعد کی شکایت کے خوف سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جناب عبداللہ کے مقابل آئے۔ حضرت کے سینے میں نیزہ مارا۔ لیکن شہزادے نے اس کے وار کو رو کر دیا اور اس کے حلقوم میں ایسا نیزہ مارا کہ اس سے نکل آئی۔ وہ شقی گھوڑے سے گرا اور واصل جہنم ہو گیا۔ جب اس کے بیٹے طارق بن یوسف نے باپ کی بیعت انعام لینے کے لیے عبداللہ پر حملہ آور ہوا۔ وہ بے ہودہ زبان بول رہا تھا اور حیا ادب کو بالکل چھوڑ دیا، گالیاں جھگڑاں۔ جناب عبداللہ برداشت نہ کر سکے اور طارق پر نیزے کا وار کیا۔ طارق نے چشتی سے تلوار نکالی اور جب نیزے کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اب طارق نے اسی تلوار سے (بھوکے پیاسے تھکے ماندے) شہزادے کے سر پر کاٹنے چاہتا تھا کہ عبداللہ زین میں کھڑے ہوئے اور طارق کے تلوار والے ہاتھ کو ایسا مضبوطی سے پکڑا کہ جوں ہی مروڑا اس کی آستین کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ جناب عبداللہ بن حسن نے دوسرا ہاتھ اٹھا کر اور زین سے زمین پر ایسے زور سے گرایا کہ بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

طارق کے چچا مدرک بن سہیل نے جب اپنے بھتیجے کے مرنے کی حالت کو دیکھا تو غم و الم سے بھرے منہ ناک ہو کر میدان میں آیا اور جناب حیدر کز اور ان کی اولاد کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ شہزادے سے برداشت جوں ہی آیا شہزادے نے تلوار سے حملہ کر دیا جس سے اس کا سر، اور دو ہاتھ تن سے جدا ہو گئے۔ اس کے بدن کا سر زمین پر گرا اور آدھا حصہ زین پر رہا۔ شہزادے نے پاؤں سے پکڑ کر اس کے آدھے زین والے حصے کو گھوڑے سے دیا اور اس کے قیمتی گھوڑے پر خود سوار ہوئے اور مبارز طلب کی۔ لشکر کفر نے شہزادے کی تلوار کی ضربوں سے خوف کھاتے ہوئے لشکر پر شہزادے کا رعب بیٹھ گیا تھا لہذا مبارز طلبی کے باوجود کوئی مبارز نہ نکلا۔ شہزادہ عبداللہ لشکر پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔

اس ایک مضبوط نیزہ آیا، حضرت نے اسے اٹھایا اور سر کے اوپر گھما کر لشکر کے سینہ پر حملہ کر دیا اور لشکر کی صف توڑ دی۔
پ نے نیزہ سے بارہ ملائین کو ہلاک کیا۔

اب پیاس کی شدت، زخموں کی کثرت اور گرم میدان کی حدت نے مجبور کیا کہ ایک مرتبہ خیام کے پاس حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: یَا عَمَّالُ الْعَطَشِ
حضرتؑ نے فرمایا: اے چچا کی آنکھوں کی روشنی! اب تمہیں تمہارے دادا اور باپ آپ کوثرؑ سے سیراب کریں
اے اور آپ کے دل کے زخموں پر راحت کی مرہم لگائیں گے۔

پس اس بشارت سے جناب عبداللہ کو سرور آیا اور پیاس کی شدت کا احساس کم ہو گیا، وہ پھر میدان میں آگئے۔ اس
نہ پانچ ہزار سپاہیوں نے شہزادے پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ وہ تیروں، تلواروں، نیزوں اور خنجروں سے شہزادے کو زخم لگا رہے
تھے، زخم اس قدر لگے کہ آپ حملہ نہ کر سکتے تھے حتیٰ کہ ان کے گھیرے سے نکل بھاگ نہ سکے تھے۔
حضرت عباسؑ علمدار نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو عبداللہ کے پاس آئے اور لشکر کے محاصرے کو توڑ کر میدان
میں لائے۔ جناب عبداللہ کو بہت زیادہ زخم لگ چکے تھے اور آہستہ آہستہ چل رہے تھے کہ پیچھے سے بنحان بن زہیر نے آکر
زخموں پر ضرب لگائی جس سے شہزادہ زمین پر گر گئے اور روح پرواز کر گئی۔

جناب عباس علمدار نے یہ دیکھا تو گھوڑا دوڑایا اور بنحان بن زہیر کے سر پر پہنچے اور ایک ضرب سے اس کا بھس
مٹ دیا۔ اس کے بیٹے حمزہ بن بنحان نے حملہ کیا تو عباس عازمیؑ نے اسے بھی ہلاک کر دیا اور عبداللہ کو اٹھا کر خیام کے چائن
لے آئے۔

شہادت حضرت قاسم بن الحسنؑ

روز عاشور حضرت قاسم بن حسنؑ بڑے دھمکی دل، بے درد خاطر سے قبلہ عالم امکان حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور
منش کیا: یَا عَمَّالُ الْجَانِّیَّةِ لَا مَضِیَّی اِلَیَّ قِتَالِ هُلَآءِ الْکُفْرِ ”چچا! مجھے میدان میں جا کر کافروں سے جنگ کرنے کی
جرات دی جائے کیونکہ اب مجھ میں روز عاشور کی عزید مصیبتیں برداشت کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔“

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے میرے بھائی کی جان! تمہیں میدان میں جانے کی اجازت کیسے دوں اور تمہارے
تن کو کیسے برداشت کروں۔ میں تمہارے لطیف اور نرم و نازک پیکر کو تیروں اور تلواروں کے میدان میں کیسے سمجھوں۔ میرا دل
یہ سوچ کر بھی کانپتا ہے۔

قاسمؑ نے چچا کا دامن پکڑا اور بہت روئے۔ جناب قاسمؑ اس قدر دُکھی ہیں کر رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔
 ام کے صبر کے بند ٹوٹ گئے اور قاسمؑ کے گلے میں ہانپیں ڈال کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ دونوں چچا بھتیجا کو ایک دوسرے
 کے گلے میں ہانپیں ڈال کر روتے ہوئے جب دوسرے جوانوں نے دیکھا تو وہ بھی زار و قطار رونے لگے۔ اور جب ان
 نے کی آواز خیامؑ میں گئی تو مندرستہ عصمت اور اطفالِ اہل بیتؑ کا گریہ بلند ہوا۔

قاسمؑ رو رو کر جس قدر التجا کرتے تھے اجازت نہ ملتی تھی۔ جناب قاسمؑ پریشان حالت اور روتی آنکھوں سے اپنے خیمے
 کے ایک کونے میں آ بیٹھے اور غم کے زانو بغلوں میں رکھ کر بابا کے فراق، ماں کی تنہائی، چچا کی غربت، بھائیوں کی شہادت،
 ستورات کی بے چینی کی وجہ سے اس قدر افسردہ اور غمگین تھے کہ موت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے جب کہ ایک طرف دیو
 ہے تھے کہ باقی تمام جوان میدان جانے کے لیے حاضر کھڑے ہیں اور اذن لے کر باری باری اپنی جانیں قربان کرتے ہو
 رہے ہیں۔

جناب طرحی نے منتخب التاريخ میں لکھا ہے کہ جب جناب قاسمؑ اجازت ملنے سے مایوس ہوئے فَجَلَسَ مَغْمُومًا
 بَيْنَ الْقَلْبِ مَتْلَمًا وَوَقَعَ رَأْسُهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ

”زانوؤں پر سر رکھ کر غمگین اور پریشان ایک طرف جا بیٹھے اور اپنی بے کسی و یتیمی پر زار و قطار روتے اور ہر سانس کے
 تھ بابا بابا کہتے رہے۔ اسی غمگینی کی حالت میں یاد آیا کہ بابا نے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور وصیت کی تھی کہ اے قاسمؑ!
 غم و اندوہ کا پہاڑ تمہارے اوپر غلبہ کرے تو اس تعویذ کو کھولا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہو اس پر عمل کرنا۔ اپنے دل میں
 کیا کہ آج تک چچا کے زیر سایہ رہا ہوں، کبھی کوئی غم اور اندوہ نہیں دیکھا اور آج تک ایسا مشکل وقت بھی مجھ پر نہیں آیا۔
 یہ حالت کبھی نہیں دیکھی، آج دکھوں کے پہاڑ میرے اوپر آ رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ آج تعویذ کھولوں اور اس کے مضمون کو
 دیکھوں اور عمل کروں۔ تعویذ کو کھولا تو دیکھا کہ بابا نے اپنی تحریر میں یہ لکھا تھا:

يَا وَلَدِي يَا قَاسِمَ إِذَا رَأَيْتَ عَمَّكَ الْحُسَيْنَ بِكَوْبَلَاءٍ وَقَدْ أَحَاطَ الْإِعْدَاءُ فَلَا تَتَرُكْ
 الْبِرَّ وَالْجِهَادَ لِإِعْدَاءِ اللَّهِ وَأَعْدَاءِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا تَتَحَلَّ عَلَيْهِ بِرُوحِكَ وَكُلَّمَا
 نَصَاكَ عَنِ الْبِرِّ غَاوَدَ لِيَأْذَنَ لَكَ

”اے نور دیدہ قاسمؑ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تمہارے چچا دشمنوں میں گھر جائے تو کوشش
 کرنا کہ اپنا سر ان کے قدموں پر قربان کر دو۔ اگر وہ تمہیں جان قربان کرنے کی اجازت نہ دیں تو بار
 بار اجازت مانگنا تاکہ اجازت دے دیں کیونکہ حسینؑ پر جان قربان کرنا ابدی سعادت کی کنجی ہے۔“

حاجہ قاسم سلام اللہ علیہ نے بابا کی وصیت پڑھی تو خوشی سے آرام نہ کر سکے بلکہ فوراً چچا کے پاس آئے اور بابا کی لکھی جوں ہی حضرت امامؑ کی نظر بھائی کی تحریر پر پڑی اور مضمون نظروں سے گزرا بنگی بُکاء اشدیدا تو اونچی نہ لگے۔

مسلم اللہ علیہ

جنت از مترجم: بعض کتب میں عقد کی روایات موجود ہیں اور امامؑ کے فعل میں کئی مصالح ہوتی ہیں لیکن ذاکر بن نے حادی کی جو بنا رکھی اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے (شمارہ نے بابا کی تحریر چچا کو دی تو امامؑ متاثر ہوئے اور رو کر فرمایا کہ یہ وصیت تھی جو آپ کو بابا نے کی تھی اور بے بھائی نے بھی مجھے کی تھی لہذا اس پر بھی عمل ہونا چاہیے۔

جنت از مترجم میں ہے کہ فَأَخَذَ بِيَدِ الْقَاسِمِ وَأَدْخَلَ الْخِيَمَةَ وَطَلَبَ عَوْنًا وَعِبَاسًا 'امامؑ نے جناب قاسمؑ کا تیر میں تشریف لائے، جناب عباسؑ علمدار اور جناب عونؑ وغیرہ کو بلایا۔ جناب قاسمؑ کی ماں کو بلایا اور فرمایا: يَا قَاسِمُ يَا الْقَاسِمُ شَيْابٌ جُدُّدٌ قَالَتْ لَا 'اے جوان کی ماں! کیا قاسم کے لیے نئے کپڑے موجود ہیں۔ بی بی نے جسر۔ امامؑ نے بہن جناب زینبؑ سے فرمایا: اے بہن بھائی حسن کی امانتوں والا صندوق لے آئیں۔ بی بی وہ لے آئی، کھولا اور امام حسنؑ کا عمامہ اور قبائیل کر جناب قاسمؑ کو پہنائے۔ پھر فرمایا: میری بیٹی فاطمہ جو جناب قاسمؑ سے بیٹھ جائیں۔ مندرات عصمت روتی آنکھوں اور دھکی دلوں سے جناب فاطمہؑ کو لائیں۔ جناب فاطمہؑ کے پیچھے پیچھے عصمت تشریف لائیں۔ حضرت امامؑ نے ایک ہاتھ جناب فاطمہؑ کا پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں جناب قاسمؑ کا ہاتھ جناب عباسؑ و عونؑ کو گواہ بناتے ہوئے تمام مندرات عصمت میں عقد کا خطبہ پڑھا اور روتے ہوئے جناب فاطمہؑ کے پاس قاسمؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: یہ میرے پاس تمہاری امانت تھی۔ پھر حضرتؑ نیز آپ کے بیٹوں اور مندرات عصمت کو خالی کر دیا۔

حاجہ روضۃ الشہداء میں ہے کہ جناب قاسمؑ نے جناب فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا اور دیکھ رہے تھے اور سر جھکایا ہوا تھا کہ سن آواز جناب قاسمؑ کے کانوں میں پہنچی کہ وہ کہہ رہے تھے: اے حسینؑ! تمہارا کوئی مبارز بچ گیا ہے یا سب مارے گئے؟

سب مدائق الانس میں ہے کہ جب قاسمؑ (وفاطمہؑ) نے ہل من مباہرہ کی آواز سنی تو دونوں امامؑ کی غرت پر

رونے لگے۔ جناب قاسم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، پس اُسے اور جناب فاطمہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

جناب فاطمہ نے عرض کیا: یا بن النعم ابن ترید؟ ”اے چچا زاد! کہاں جاتے ہو؟“

جناب قاسم نے فرمایا: میں اپنے سر کو چچا کے قدموں پر قربان کرنا چاہتا ہوں۔

بی بی نے جناب قاسم کے دامن کو پکڑا اور زار و قطار رو کر عرض کیا: اے قاسم! مجھے کس کے سپرد کرے؟

جناب قاسم نے رو کر فرمایا: تجھے خدا کے سپرد کر کے جا رہا ہوں، اب ہم شادی کی خوشیاں آخرت میں منائیں۔

وہاں ملاقات ہوگی، گھبرانا نہیں ہر مصیبت پر صبر کرنا۔

جناب فاطمہ نے رو کر عرض کیا کہ قیامت کو کہاں ملاقات ہوگی اور کیسے پہچانوں گی کوئی نشانی تو بتاؤ۔

جناب قاسم نے فرمایا: مجھے اپنے بابا اور دادا کے پاس پاؤں کی اور اپنی آستیں سے کچھ کپڑا بچھاؤ اور فریادیں

ہے کہ جس کی آستین پھٹی ہوئی ہوں وہ قاسم ہوگا۔

جناب قاسم میدان میں

علامہ مجلسی لکھتے ہیں: جب امام عالی مقام نے دیکھا کہ جناب قاسم مبارزہ کے لیے باہر آئے ہیں اور جگہ

لیے اذن چاہتے تو قاسم کو گلے لگایا اور کافی دیر تک دونوں بچا جھتیجا روتے رہے۔ دونوں اس قدر رزے

حتیٰ غشیٰ علیہما کہ دونوں کو غش آ گیا۔

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں: گریہ و زاری کے بعد امام نے پوچھا: یا وَلَدِی اَتَمِشِی بِہِجَتِی

”اے میرے نورِ نظر! کیا خود موت کی طرف چل کر جاتے ہو؟“

جناب قاسم نے عرض کیا: میری روح آپ پر قربان، میری جان قربان، میں کیسے موت کی طرف

یَا نَعْمَ اَنْتَ بَیْنَ الْاَعْدَاءِ وَجِدًا فَرِیدًا ”جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ دشمنوں کے درمیان غریب تر

قَلَمَ یَزُولُ اَنْ لَّمْ یُقْبَلْ یَدِیْہِ وَہِجَلِیْہِ شہزادہ بار بار کبھی مولاً کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور کبھی

دیتا کہ اجازت ملے۔ جب امام نے جناب قاسم کے شدید اشتیاق اور بار بار کا التماس دیکھا تو فرمایا:

اَذِیَابُ الْقَاسِمِ وَقَدْ اَمَامَتْہُ نَصَفِینِ خود جناب قاسم کی قمیص کے دامن کو دونوں طرف سے بچھاؤ۔

کیے۔ ایک حصہ سر پر، اور دوسرا حصہ کفن کی شکل بنا کر گلے میں ڈال دیا۔ اس طرح جوان کو آراستہ

بھی اس حالت کو دیکھے ان پر رحم کرے اور اس کا دل ان کی تیشی اور جوانی پر دکھی ہو جائے۔ تواریخ کبریٰ

اب پہلے خیمہ میں جا کر مخدرات کو الوداع کر لو۔ شہزادہ قاسم خیام میں آئے اور سب بیسیوں کو الوداع کہا۔

جناب فاطمہؑ نے پوچھا کہ قیامت کو کہاں ملو گے اور نشانی کیا ہوگی تو جناب قاسمؑ نے فرمایا: اے میری چچا زاد! عَرَفْنِی بِهَذَا الرِّكَانِ المَقْطُوعَةِ ”مجھے شہداء کی صف میں دادا اور بابا کے نزدیک اس پٹی ہوئی آستین سے پہچان لینا۔“ علامہ مجلسی بحار اور جلاء العیون میں لکھتے ہیں: كَانَ وَجْهَهُ كِفَلَقَةِ الْقَمَرِ ”کہ جناب قاسمؑ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور منور تھا۔“

لشکر ابن سعد کا سرکاری مورخ حمید بن مسلم کہتا ہے: میں ابن سعد کے لشکر میں تھا، اچانک میں نے دیکھا کہ امام حسینؑ کی طرف سے ایک چودھویں کے چاند کی طرح درخشاں چہرے والے جوان نے طلوع کیا جس نے تلوار لگائی ہوئی تھی اور لمبا حیران پہنا ہوا تھا اور ٹھٹھان کا ایک تہہ کھلا ہوا تھا۔ جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھا:

”اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو سنو! میں فرزندِ حسنؑ ہوں جو سبطِ پیغمبرؐ ہیں۔ امام حسینؑ تم ظالموں میں گرفتار ہیں، میں ان کے دفاع میں لڑنے آیا ہوں۔ اے ابن سعد! اولادِ پیغمبرؐ اس قدر پیاسی ہے کہ دنیا ان کی نظر میں تاریک ہے۔“

جناب قاسمؑ کی اس (بے سوز) گفتگو سے ابن سعد کے دل کو آگ لگ گئی۔ خود بھی رویا اور لشکر والے بھی روتے رہے۔ ابن سعد نے کہا: اے لشکر والو! اس شیریں نوجوان کو جانتے ہو؟

لشکریوں نے کہا: ہم نہیں جانتے۔

ابن سعد نے کہا کہ یہ امام حسنؑ کا یتیم ہے کہ اس فصاحت و بلاغت سے بات کر رہا ہے، شجاعت اور رشادت اس کے جسم سے ظاہر ہے۔ یہ تم سے جنگ کرنے آیا ہے تاکہ لشکر نے ایک گروہ کی زندگی تباہ کر دے، پس بہتر یہ ہے کہ اس کا محاصرہ کرو اور موت کے گھاٹ اتار دو۔

لشکریوں کا دل نہ چاہتا تھا کہ اس نوجوان پر تلواروں اور نیزوں کے وار کریں، اس لیے پیادہ لوگوں کو ابن سعد نے حکم دیا کہ پتھروں کی بارش کر دیں۔ اچانک شہزادے نے دیکھا کہ ہر طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی ہے۔ روزِ عاشورا ان چار اشخاص پر پتھر برسائے گئے۔

① جناب حرمین یزید ریاحی ② جناب جالب بن نجیب شاکری ③ جناب شہزادہ قاسم بن حسن ④ جناب سید الشہدا

حضرت امام حسین علیہ السلام۔

پھر ابن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا: اَمَّا تَخَافُ اللّٰهَ اَمَّا تَرَاهِبُ اللّٰهَ يَا اَعْمٰی الْقَلْبِ اَمَّا تَرَا عِی رَسُولَ اللّٰهِ ”اے عمر بن سعد! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے ہو؟ اے دل کے اندھے! رسول اللہ کی حرمت کی رعایت کیوں نہیں کرتے؟“

صاحب روضۃ الشہداء میں ہے کہ شہزادے نے فرمایا: وَلَیْلَک قَتَلْتَ الشُّبَّانَ وَأَفْنِیْتَ الْکُھُولَ وَقَطَعْتَ الْفُرُوعَ وَاجْتَشَشْتَ الْاَصُولَ وَهَذِهِ بَقِیَّةُ اللّٰہِ سِرْدِمَۃٌ قَلِیْلَۃٌ مُّسْتَاَصِلَۃٌ ”افسوس ہے تم پر اے ابن سعد! اے بے حیہ! تو نے ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا ہے، ہمارے بزرگوں کو پریشان کر دیا ہے۔ ہماری اصل فرع کو کاٹ دیا ہے، ذریت و پیغمبر کے اب تھوڑے سے افراد باقی ہیں۔“

أَفَلَا تَکْفُ عَنِ الْبَجَا وَسَفَلِ الدِّمَاءِ ”کیا تم بھی جفا کو جاری رکھو گے کیا اب بھی خون بہاتے رہو گے؟“ کہہ ان بچوں اور مخدرات کو جن کے باپ، بھائی، بیٹے مارے گئے کو اپنے وطن جانے نہیں دو گے تاکہ وہ ایک طرف ہو کر زندگی گزار سکیں۔

عمر بن سعد ملعون نے کوئی جواب نہ دیا۔

جناب قاسمؑ نے پھر فرمایا: اے ابن سعد! ہائے افسوس تو دعویٰ تو مسلمانی کا کرتا ہے لیکن اپنے گھوڑے کو پانی پلاتا ہے اور نواسہ رسولؐ کو پیاسا رکھا ہے اور پانی بچوں پر بھی بند کر دیا حالانکہ بچوں اور مخدرات کی حالت شدتِ پیاس سے تشویشاک ہے۔

جناب قاسمؑ کی شجاعت و شہادت

ابو جحَف نے لکھا ہے کہ جناب قاسمؑ روز عاشور ۶۱ ہجری میں چودہ سال کے تھے۔ میدان میں آئے، گھوڑے کو جولان دی اور مبارز طلب ہوئے۔

ابن سعدؑ نے ادھر ادھر دیکھا، ازرق شامی پر نظر پڑی، اسے بلوایا۔ یہ ملعون بڑا مغرور تھا، اس نے اس وقت تک جنگ کا اسلحہ نہیں اٹھایا تھا کیونکہ اس قسم کی جنگ کو معمولی سمجھتا تھا۔ ابن سعدؑ نے کہا: اے ازرق! ہر سال امیر کوفہ سے انعام لیتے رہتے ہو اور اپنی شجاعت کے قصے آسمانوں تک پہنچاتے ہو، اس کربلا کی جنگ میں ابھی تک تم نے ذرا بھر شجاعت نہیں دکھائی۔ یہ جوان مبارز طلب ہے اور کوئی شخص میدان میں نہیں جاتا، لہذا تم اس جوان سے جا کر جنگ کرو۔

ازرق ابن سعدؑ کی بات سن کر غصے میں آ گیا اور کہا کہ اے ابن سعد! شام کے شاہسوار مجھے ہزار سواروں کے برابر سمجھے ہیں، اب تم مجھے ذلیل کرتا چاہتے ہو اور ایک بچے سے جنگ کرنے کے لیے بھیجتے ہو!! یہ بچہ ہے اس کے منہ سے ابھی دودھ کی خوشبو آ رہی ہے، کسی اور کو اس کے مقابل بھیجو۔

ابن سعدؑ نے کہا: اس بچے کو معمولی مت سمجھو، خدا کی قسم! اگر یہ پیاسا نہ ہوتا تو تنہا ہزاروں لشکریوں کے لیے کافی

ہوتا اور تمام کو قتل کر دیتا۔ خصوصاً یہ جوان جو تجھے بچہ نظر آتا ہے، اسے شجاعت وغیرہ سے ورثہ میں ملی ہے۔ حسن کا فرزند ہے، علی کا پوتا ہے، تم جاؤ اور اس کی بہادری کا نظارہ کرو۔

ازرق نے سمجھا کہ اب کوئی چارہ نہیں، اس لیے جانا پڑے گا۔ ابن سعد نہیں چھوڑتا۔ ازرق کے چار بیٹے تھے جن میں سے ہر ایک شجاعت و جہور میں مشہور تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے کو بلایا اور غضب ناک ہو کر کہا کہ جاؤ اور اس نوجوان کا سر کاٹ دو۔ یہ بڑا بیٹا تمام جنگی اسلحہ سے آراستہ ہو کر شہزادے کے مقابل آ گیا۔ اپنی تلوار بلند کی اور حیدر کے پوتے پر حملہ کر دیا۔ جناب قاسم نے جب دیکھا کہ ایک سوار تلوار لہرائے میرے سر پر آن پہنچا ہے تو ڈھال اپنے چہرے کے سامنے کی اور چاند جیسے چہرے کو چھپا لیا۔ ازرق کے بیٹے نے تلوار کی ضرب لگائی جس سے جناب قاسم کی ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے اور حضرت کا بایاں ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا تو جناب محمد بن انس کو ایک اور ڈھال دے کر شہزادہ قاسم کی نصرت کے لیے بھیجا۔ جب محمد بن انس پہنچے تو قاسم نے اپنے عمامہ کا ایک حصہ پھاڑا اور اپنے ہاتھ کے زخم پر باندھا۔ نئی ڈھال ملی تو شہزادے کو اپنے چچا کی مہربانی پر خوشی ہوئی۔ ڈھال لے کر تلوار سے ازرق کے بیٹے پر ایک ایسی ضرب لگائی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا اور خود اس کے سر سے گر پڑی۔ اس کے سر کے بال بہت لمبے تھے اس لیے شہزادہ قاسم گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے نیچے جھکے، ہاتھ لہبا کیا اور اس ملعون کے بالوں سے پکڑ کر اپنے گھوڑے کو حرکت دی اور اس ملعون کو گھسیٹا، پھر اسے بالوں ہی سے پکڑ کر اٹھایا اور زور سے زمین پر مارا۔ یوں وہ واصل جہنم ہوا۔

قاسم نے اس ملعون کو قتل کر کے اس کی قیمتی تلوار کو اٹھالیا اور مبارز طلب ہوئے۔ ازرق نے دوسرا بیٹا بھیجا، وہ آیا اور شہزادے کو گالی دی تو شہزادے نے اسے مہلت ہی نہ دی اور اس کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر ازرق کا تیسرا بیٹا صرصر کی طرح میدان میں بھائیوں کا بدلہ لینے آیا، بدزبانی کی اور گالیاں بکنا شروع کیں کہ اے بے رحم! تو نے میرے دو بے مثل بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔

جناب قاسم نے فرمایا: پریشان نہ ہو، اگر بھائیوں سے محبت ہے تو تجھے بھی ابھی ان کے ساتھ ملحق کر دیتا ہوں۔ اس ملعون نے غصہ میں آ کر جناب قاسم کو نیزہ مارنا چاہا۔ جناب قاسم نے جلدی سے اس کے بھائی کی تلوار سے اس کا وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا جس سے نیزہ پھینکنا چاہتا تھا۔ اس وقت یہ ملعون میدان سے بھاگ گیا۔ قاسم اس کے پیچھے حملہ آور ہوئے اور اسے تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ زمین تک دو ٹکڑے ہو گیا اور یوں جہنم میں پہنچ گیا۔

پھر ازرق کا چوتھا بیٹا میدان میں آیا، ابھی اس کی آمد سے اڑنے والی گرد نہ بیٹھی تھی کہ تلوار کی ایک ضرب سے

شہزادے نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ لشکر نے شہزادے کی قوت بازو اور شوکت اور انداز جنگ پر حیرانی کا اظہار کیا تو جناب قاسم نے یہ رجز پڑھا: ”اے یزید! میں قاسم ہوں اور علی کا بیٹا ہوں۔“

ادھر ازرق نے اپنے چار بیٹوں کے قتل ہو جانے پر گریبان چاک کیا، خیمے میں گیا، جنگ کا اسلحہ اٹھایا اور تیز رفتاری سے گھوڑے پر سوار ہو کر سیلاب کی طرح میدان میں آیا۔

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں: ازرق کے چار بیٹوں سے لڑائی کی وجہ سے اگرچہ قاسم کے بازوؤں میں کمزوری آچکی تھی، پیاس کی شدت تھی۔ فَهَمَّ بِالرَّجُوعِ اِلَى الْخِيْمَةِ خِيَام کی طرف سانس لینے اور تھکان دور کرنے کے ارادے سے پلٹنا چاہتے تھے کہ اچانک ازرق شامی نے راستہ روک لیا اور لاکر کہا: تو نے میرے چاروں بیٹوں کو بے رحمی سے قتل کر دیا جن کی دنیا میں کوئی نظیر نہ تھی! اب جاتے کہاں ہو؟ میں بدلہ لینے آیا ہوں۔

جناب قاسم واپس آئے، دیکھا کہ پہاڑ کے اوپر ایک پہاڑ رکھا ہے یعنی یہ ملعون آلات حرب اور اسلحہ جنگ سے مکمل بھرا ہوا ہے۔ جناب قاسم کے دل میں ذرا بھر خوف نہ آیا اور بے خطر فرمایا: اے بد بخت! تیرے بیٹے جہنم میں تیرے منتظر ہیں، ابھی ان کے پاس پہنچ دیتا ہوں۔

جناب ملا حسین کا شفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ نے ازرق ملعون کو قاسم کے مقابل آتے ہوئے دیکھا تو اپنے شہزادے پر رحم آیا کیونکہ ازرق کی شجاعت پوری دنیا میں مشہور تھی لہذا امامؑ نے ہاتھ اٹھائے اور شہزادے کی کامیابی کے لیے دعا مانگی۔ ادھر خیام میں جب پتہ چلا کہ ازرق شامی مقابل آ گیا ہے تو تمام مخدرات عصمت نے حکم امامؑ سے دیا کہ وہاں سے ہٹ جائیں اور پریشان دلوں کے ساتھ جناب قاسم کی فتح و نصرت کی دعا کی۔ گویا خیام میں گریہ اور اضطراب کا زلزلہ مچ گیا۔ ادھر لشکر کفر کی تمام صفیں غور سے دیکھ رہی تھیں کہ ان دو میں سے کون غالب آتا ہے؟ ازرق نے پہلے نیزے سے جناب قاسم پر وار کیا۔ شہزادے نے بھی مقابلے میں نیزہ اٹھایا۔ دونوں کے درمیان بارہ مرتبہ نیزوں کا رد و بدل ہوا۔ ازرق غضبناک ہوا اور نیزہ جناب قاسم کے گھوڑے کے پیٹ میں دے مارا، گھوڑا زخمی ہو کر گر ا تو قاسم پیدل ہو گئے۔ امام حسینؑ نے دیکھا تو محمد بن انس یا بقول قزوینی جناب عباسؑ کو تازہ دم بہترین گھوڑا دیا کہ قاسم کو پہنچاؤ۔ قاسم کے رخسار محبت امامؑ میں چمک اٹھے۔ رکابوں کو چوما اور گھوڑے پر سوار ہوئے، تلوار کھینچی اور ازرق پر حملہ آور ہوئے۔ ازرق کی نظر تلوار پر پڑی تو (دھوکا چھپنے کے لیے) کہا: اے جوان! یہ تو میرے بیٹے کی تلوار ہے، ہزار دینار سے خریدی تھی، تمہارے ہاتھ میں کیوں کر لگی؟

جناب قاسم نے فرمایا: اسی کے ذریعے تجھے میٹھا شربت پلانا چاہتا ہوں اور تجھے بیٹے کے پاس پہنچاتا ہوں۔ اے ازرق! یہ کیا جواز ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کے بڑے شجاعوں میں شمار کرتے ہو اور گھوڑے کا تنک کھلا ہوا ہے اور جنگ کرتے

ہو۔

پس جوں ہی ازرق جمکا کہ جنگ کو دیکھے، جناب قاسم نے اس قدر زور سے تلوار کا وار کیا کہ ہرے ملائم کھیرے کی طرح بھٹکے ہو گیا اور ہر کھڑا گھوڑے کے دونوں جانب نیچے گر گیا۔ اب قاسم نے دیکھا کہ ازرق کا گھوڑا بھاگنا چاہتا ہے تو چلائی گام کر فوراً اس گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے چچا کے پیچھے ہوئے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھام کر خیام کی طرف چچا کے حضور پہنچے اور عرض کیا: يَا عَمَّ الْعَطَشُ الْعَطَشُ ”چچا جان! ایک گھونٹ پانی مل جائے تو اس لشکر کو تہ تیغ کر دوں۔“

امام عالی مقام نے جناب قاسم کو سینے سے لگایا اور اپنی انگلی قاسم کے منہ میں رکھ دی۔ جناب قزوینی لکھتے ہیں: اس انگلی سے پانی کا چشمہ نکلا اور قاسم سیراب ہو گئے۔ پھر میدان میں جانے لگے تو امام نے فرمایا: ایک مرتبہ خیام میں جاؤ اور الوداع کر لو۔ خیام میں آئے تو ماں نے استقبال کیا اور فرمایا: قاسم! میں تم پر بہت راضی ہوں پھر چہرے پر بوسے دیئے۔

جناب قاسم نے جناب فاطمہ بنت حسینؑ کو دیکھا کہ سر کو زانوؤں پر رکھے رو رہی ہیں تو فرمایا: هَذَا أَنَا جِئْتُكَ ”اے چچا زاد! گر یہ مت کرو، زندگی ختم ہونے والی چیز ہے۔“

جناب فاطمہؑ نے آواز سنی تو جلدی سے سر بلند کر کے استقبال کیا اور عرض کیا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَمَرَنِي وَجْهَكَ قَبْلَ الْمَوْتِ ”خدا کا شکر ہے کہ شہادت سے پہلے آپؑ کی زیارت ہوئی۔“

جناب قاسمؑ نے فرمایا: اے میری چچا زاد! فرصت نہیں کہ بیٹھوں اور باتیں کروں۔ شہزادے نے ماں اور چچا زاد کو تسلیاں دیں اور الوداع کر کے میدان کی طرف نکلے۔

صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ جب قاسمؑ نے میدان میں جانے کا ارادہ کیا تو گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان میں آئے۔ جوں ہی میدان میں پہنچے یزیدی لشکر سے آوازیں آ رہی تھیں کہ وہ دیکھو ازرق شامی کا قاتل دوبارہ میدان میں آ گیا ہے، لہذا جنگ کے طبل بجتے شروع ہو گئے اور ہر طرف سے حملہ کرنے کا اعلان ہو گیا۔

شہزادے کی نظر علم پر پڑی جو عمر بن سعد کے ہاتھ میں تھا، لہذا شہزادے نے حملہ کر کے حامل علم تک پہنچنے کی کوشش کی جب کہ حامل علم قلب لشکر میں تھا۔ پس پہلی صف پر حملہ کر کے آگے بڑھے، پھر دوسری صف پر حملہ کر کے اُسے چیرا۔ پھر تیسری صف پر حملہ کر کے راستے سے ہٹایا، پھر چوتھی صف اور پانچویں صف تک جا پہنچے۔

حالت یہ تھی کہ صاحب حدائق الانس لکھتے ہیں: آپؑ جس صف کے پاس پہنچتے تو وہ صف خود بخود شہزادے کے رعب اور ہیبت سے کھل جاتی تھی۔ دشمن خائف ہو کر جناب قاسمؑ کو راستہ دیتے اور قاسمؑ گزر جاتے۔ پھر پیچھے سے صف بند

ہو جاتی۔ جب پانچویں صف پر پہنچے تو قاسم نے اپنے آپ کو لشکر کے درمیان گھرا ہوا پایا۔ آپ ابھی اس (کثیر الشہداء) علمدار تک نہ پہنچ سکے تھے کہ تمام لشکر نے شہزادے کا محاصرہ کر لیا، ہر طرف سے نیزوں اور گواروں سے حملہ آور ہوئے۔ خون جاری تھا۔ لڑتے لڑتے قاسم تھک گئے۔ بازوؤں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ جب لشکر اعداء نے دیکھا کہ سزا کر سکتے ہیں اور نہ واپس جاسکتے ہیں بلکہ اب تو ان کی آواز بھی خیاں تک نہیں پہنچ سکتی تو اس ضمن میں صاحبِ روضہ حمد و قمر ازہیں کہ تب پیادہ فوج نے ان کا راستہ بند کر دیا ہے۔ حضرت جنگ میں مشغول تھے کہ کئی گھڑسواروں نے ان کو محاصرہ کر لیا ہے اور تیروں، نیزوں، گرزوں اور گواروں سے حملہ آور ہوئے۔

جناب قاسم نے ایک شدید حملہ کیا جس میں تیس پیدل فوجیوں اور پچاس گھڑسواروں کو گرادیا، جس سے ان سے راستہ مل گیا، لہذا چاہتے تھے کہ لشکر کے درمیان سے باہر نکل آئیں لیکن شہزادے کے گھوڑے کو اس قدر نیزے لگے کہ گھوڑا گر گیا۔ جناب قاسم پیدل ہو گئے۔ اسی دوران میں حبیب بن سعد نے جناب قاسم کے سینے میں ایسا نیزہ پشت سے نکل آیا۔

اس قسم کے گہرے زخم (تقریباً ستائیس تھے) جن سے کثیر مقدار میں خون بہہ گیا۔ آپ نے آواز دی۔ یہ آواز ادھر کنی ”چچا جان! میری مدد کو آئیے۔“

جیسے ہی امام نے بھیجے کی آواز سنی، تیزی سے میدانِ جنگ میں آئے۔ لشکر کی صفوں کو حملہ کر کے ہٹایا اور وسطِ لشکر میں۔ جناب قاسم کو خاک و خون میں غلطاں پایا۔ حبیب ملعون شہزادے کے سر پر کھڑا سر کاٹنے کے انتظار میں تھا۔ حضرت ابن ابی اسد نے ایک ہی ضرب سے حبیب ملعون کو جہنم میں رسید کیا۔ پھر قاسم کو اٹھایا اور خیموں میں لے آئے۔ ابھی قاسم کی کچھ سانس باقی تھیں۔ حضرت نے سر کو گود میں لیا اور چہرے پر بوسے دیئے۔ جناب قاسم کی ماں اور دیگر بیبیاں گریہ کر رہی تھیں۔ جناب قاسم نے آنکھیں کھولیں، سب کو سرہانے دیکھا تو مسکرائے اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔

مؤلف کتاب ہذا کے مطابق کسی صاحبِ مقتل نے جناب قاسم کا قاتل حبیب بن سعد کو نہیں لکھا سوائے روضۃ مشہور کے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت قاسم کا قاتل عمر بن سعد ازدی تھا۔

جناب شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں: حمید بن مسلم جو عاشور کے دن تاریخ نویس تھا، کہتا ہے: ”جب جناب قاسم کا قاتل عمر بن سعد ابن نفیل ازدی تھا اور امام حسینؑ نے اس پر حملہ کیا تو یزیدی لشکر اس عمر بن سعد بن نفیل کی حمایت میں حملہ آور ہوا۔ وَحَمَلَ خَيْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ لِيَسْتَنْقِذُوهُ فَتَوَطَّأَتْ بِأَسْرِهِ حَتَّى مَاتَ کہ عمر بن سعد بن نفیل ازدی کو امام حسینؑ سے بچا لیا۔ لیکن جب جنگ کا گرد و غبار بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ

حسین قاسم کے سر کے پاس کھڑے ہیں اور قاتلوں پر لعنت کر رہے ہیں، جبکہ قاسم خاک و خون میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے شہزادے کے کھڑے کھڑے جسم کو سینے سے لگایا اور خیام میں لائے اور میں نے دیکھا کہ جناب قاسم کے قدم زمین پر لگتے آرہے تھے۔ آپ نے قاسم کو خیام میں جناب علی اکبر اور دیگر شہداء کے ساتھ رکھ دیا۔

مرحوم طبری نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ جب قاسم کو حضرت امام حسینؑ خیمہ میں لائے تو وَبِهِ رَمَقٌ فَفَتَحَ عَيْنِيهِ فَجَعَلَ يَكْلِمُهُ

”قاسم نے آنکھیں کھولیں اور چچا، پھوپھیوں، ماں اور دیگر خندرات کو دیکھا کہ سب کھڑے رو رہے ہیں۔ پھر سب کو سلام کیا اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ان کے بعد جناب احمد بن حسن مجتبیٰؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد جناب ابو بکر بن حسن مجتبیٰ کی شہادت ہوئی۔

جناب حسن مثنیٰ کا میدان میں جانا، زخمی ہونا اور قید ہونا

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے تمام فرزندوں کی شہادت کے بعد صرف حسن مثنیٰ باقی بچے۔ یہ جلیل القدر، عظیم المنزلہ، فاضل، بارع، متقی و پرہیزگار ہستی تھے اور حضرت علیؑ کی طرف سے صدقات کے والی رہ چکے تھے۔

سید مرحوم نے لہوف میں لکھا ہے کہ ان کا تذکرہ کتب مقاتل میں نہیں ہے صرف مجلسی، ابن شہر آشوب، صاحب عمدۃ المطالب اور سید نے لہوف میں لکھا ہے کہ جناب حسن مثنیٰ نے واقعہ کربلا میں اپنی جان قربان کی اور جب تک طاقت اور توانائی تھی، اپنے چچا کی حمایت کی۔

قزوینی مرحوم نے کتاب مصابح سے نقل کیا ہے کہ جناب حسن مثنیٰ نے میدان جنگ میں سترہ یزیدیوں کو ہلاک کیا اور سترہ زخم جسم پر ہے۔ آپ زخموں کی کثرت اور قوت کے ضعف کی وجہ سے بے حال ہو کر زمین پر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے اور شہداء میں بے ہوش پڑے تھے۔

صاحب عمدۃ المطالب لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ اور انصار اور بنی ہاشم سب شہید ہو گئے تو ابن سعد نے حکم دیا کہ تمام شہداء کے سر تن سے جدا کیے جائیں۔ جب حسن مثنیٰ کے سر پر آئے تو اُن میں کچھ رقت چان باقی تھی۔ ابن سعد کو اطلاع دی گئی کہ ان کے بارے کیا کیا جائے تو اسماء بن خارجہ بن عتبہ بن عمیرہ بن حدیقہ بن بدر القرآزی البوحسان نے سن لیا۔ وہ ابن سعد کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابن سعد! حسن بن حسن مثنیٰ میرا بھانجا ہے لہذا مجھے بخشا جائے۔ عمر بن سعد نے قبول کیا اور اس کو اختیار

مرحوم مجلسیؒ نے بحار میں لکھا ہے کہ جوں ہی اسماء نے سفارش کی اور وہ قبول ہوئی تو اس نے فریاد کی: تمہیں خدا کے کوئی شخص میرے بھانجے حسن بن ثنیٰ کو ہاتھ نہ لگائے۔

صاحب عمدۃ المطالب نے لکھا ہے کہ اسماء نے ابن سعد سے کہا کہ حسن بن ثنیٰ میرا بھانجا ہے، میں اسے ابن زیاد سے پاس لے جاؤں گا، سفارش کروں گا اور اُس نے قبول کی تو ٹھیک ورنہ تم اسے قتل کر دیتا۔

ابن سعد مان گیا اور کہا کہ حسن بن حسن ثنیٰ کو اسماء ابوصحان کے سپرد کر دو۔ ابی حسان اسماء جناب حسن ثنیٰ کو زخمی حالت میں خیمہ اٹھا لایا۔

علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ زخموں کی کثرت سے بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ نہ امام حسینؑ ہیں، نہ چچا عباسؑ، نہ جوانانِ بنی ہاشم اور نہ خیام۔ پوچھا میں کہاں ہوں اور اہل بیت کہاں ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ کوفہ ہے اور تمہارے تمام چچا اور بھائی مارے گئے ہیں۔ اب ان کے سروں کو نیزوں پر سوار کر کے اور خواتین کو قید کر کے کوفہ میں لایا گیا ہے۔

جب ابی احسان اسماء نے ابن زیاد کے سامنے اپنے بھانجے حسن ثنیٰ کی سفارش کی تو اس حرام زادے نے کہا: ہمارا مقصود تو صرف (نعموز باللہ) خارجی کا قتل تھا اور حسن ثنیٰ تیرا بھانجا ہے، لہذا اُسے قتل نہیں کرتے بلکہ قیدیوں کے ساتھ شامل کر کے شام بھیجتا ہوں۔ حسن ثنیٰ کو شام بھیجا گیا اور انہوں نے شام سے اویسی پر مدینہ میں وفات پائی۔

شہادتِ اولادِ علیؑ

شہادتِ جناب ابوبکر بن علیؑ

امام حسنؑ کی اولاد کی شہادت کے بعد اولادِ علیؑ کی باری آئی۔ حضرت علیؑ کی اولاد سے پہلے جوان جو عازم میدان ہوئے اور شہید ہوئے وہ جناب ابوبکر بن علیؑ ہیں جن کا نام عبد اللہ ہے۔

مرحوم شیخ علیؑ نے اپنے رجال میں لکھا ہے کہ ان کی ماں مسعود بن خالد دارمیہ کی بیٹی لیلیٰ ہیں اور ان کا خالو ابوالاسود الدؤل ہے۔

مرحوم کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں: جناب ابوبکر بن علیؑ امام حسینؑ کے حضور مشرف ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اجازت دیں تاکہ ان ظالموں سے اپنے عزیزوں کا انتقام لے سکوں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: آپ ایک ایک کر کے جارہے ہیں اور مجھے تنہا چھوڑتے جارہے ہیں، آپ ان مخدرات

عصمت کو کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔

امام کا کلام سن کر ابو بکر بن علی زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا: اے میرے آقا اور مولا! آج تک ہم نے جو دیکھا آپ کی بزرگی اور آقا کی ہی دیکھی ہے لیکن آپ کی ظاہری عزت کا آفتاب زوال پذیر ہے جو ہم غلاموں سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس کے علاوہ کافی مدت سے مجھے خواہش تھی کہ آپ کی خدمت میں تحفہ دوں لیکن آپ کے شایان شان تحفہ نظر نہیں آ رہا تھا، اب آج دیکھ رہا ہوں کہ جان قربان کرنے سے بڑا تحفہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اجازت دیں کہ اپنی جان آپ کے قدموں پر قربان کر سکوں۔

جناب امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اجازت ہے ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ

وہ شجاع اجازت ملتے ہی بھائیوں سے الوداع کر کے میدان میں آئے اور پہلے اس کوفہ و شام کو وعظ و نصیحت کی کہ اے بے دین اور سنگ دل لوگو! تم نے دین کو بیچ دیا اور غضب الہی کو خریدا۔ نیز چند روزہ عیش کی خاطر ابدی عذاب کو قبول کیا ہے۔ تم نے ایسے شجاع جوان قتل کر دیے ہیں جن کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اب تم جان رسول اور میوہ باغ بتول کو بھی خاک و خون میں ملانا چاہتے ہو اور ازکان توحید کو گرانا چاہتے ہو۔ پھر تلوار نکالی اور حیدر کرار کی طرح قلبہ لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور ملعون کا قتل عام کیا، حتیٰ کہ کثیر زخموں اور پیاس کی شدت سے کمزوری پیدا ہو گئی تو ایک ملعون عبداللہ بن عقبہ غنوی نے حملہ کر دیا اور انہیں شہید کر دیا۔

مرحوم مجلسی نے بحار میں لکھا ہے کہ ابو بکر کا نام عبید اللہ تھا۔ صاحب ارشاد شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں: عبید اللہ بن علیؑ اور ابو بکر بن علیؑ دونوں حضرت علیؑ کے فرزند ہیں اور ان کی ماں مسعود ثقفی کی بیٹی لیلیٰ تھیں۔

قرودینی مرحوم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میری تحقیق یہ ہے کہ عبید اللہ اور ابو بکر دو بھائی تھے اور ابو بکر بن علیؑ کربلا میں شہید ہوئے۔

ان کے بعد جناب عمر بن علیؑ شہید ہوئے۔ ان کے بعد جناب عثمان بن علیؑ شہید ہوئے۔

شہادتِ عون بن علیؑ

اپنے بھائیوں ابو بکر بن علیؑ، عمر بن علیؑ اور عثمان بن علیؑ کے بعد جناب عون جو بہت خوبصورت جوان تھے۔ امام کی خدمت میں آئے اور اجازت لینے کے بعد عرض کیا کہ مجھے دشمنوں سے جنگ کرنے کی بہت جلدی ہے۔

امامؑ نے فرمایا: کیا دشمن کا لشکر بہت زیادہ ہے اور وہ سوار ہیں؟

عونؓ نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! شیر کو کبھی لومڑیوں کی کثرت کا خوف نہیں ہوتا۔ اجازت ملی، میدان میں آئے۔ گھوڑے کو جولان دیا اور قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن حجار نے دو ہزار کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا۔ عونؓ نے تلواریں ان کی صفوں کو پھیرا اور لشکر کو اپنے آگے لگا کر بھگا دیا۔ جنگ کرتے کرتے آپؐ مجروح ہوئے تو خیام کی طرف آئے۔ امامؑ نے شاباش دی اور فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مجروح ہو اور کثرتِ زخم میں خیام میں جاؤ اور مرہم لگاؤ۔

عرض کیا: اے برادر! آپؐ کو اپنے جد رسولؐ پاک کی روح کی قسم! مجھے جنگ سے نہ روکو۔ ممکن ہے کہ میں پیاس کی شدت سے مر جاؤں۔ مجھے علم ہے کہ ساتی کوثر جام اٹھا کر کھڑے ہیں۔ وہ مجھے اشارہ کرتے ہیں لہذا میں جلدی جانا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اس گھوڑے ادھم پر سوار ہو جاؤ جو مولا علیؑ نے تمہیں دیا تھا۔ عونؓ کے لیے وہ گھوڑا آیا۔ خود حضرت امام حسینؑ نے سوار کیا، زرہ پہنائی، تیغِ یمانی حماک کی، رومی نیزہ عطا کیا اور عونؓ میدان میں آئے۔

جب صالح بن یسار کی نظر پڑی تو وہ کانپنے لگا اور اس کے دل کا دیرینہ کینہ تازہ ہو گیا۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کی حکومت میں اس نے شراب پی تھی اور مستی کی حالت میں حضرتؓ کے پاس لایا گیا تو حضرتؓ نے عونؓ کو فرمایا تھا کہ اے اسی کوڑے لگاؤ۔ عونؓ نے حکم امامؑ پر عمل کرتے ہوئے اسے اسی کوڑے مارے۔ اس کے دل میں عونؓ کے خلاف کینہ چھپا ہوا تھا۔ جب عونؓ میدان میں آئے تو یہ نام کا صالح اور عاقبت کا طالح انتقام لینے کے لیے تلوار کھینچے اور گالیاں بکتے ہوئے عونؓ پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ وہ زبان درازی کر رہا تھا اس لیے جناب عونؓ نے اسے مہلت نہ دی اور اُس کے منہ پر نیزہ مارا جو گردن سے نکل آیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس وقت میمنہ اور میسرہ سے ہزار ہزار کے دستوں نے جناب عونؓ پر حملہ کر دیا۔ جو قریب آتا جناب عونؓ اُسے موت کی وادی میں بھیج دیتے۔ جنگ کرتے کرتے بہت زخم آئے اور توانائی میں ضعف آ گیا۔ شدتِ پیاس نے دنیا تاریک کر دی اور بھوک نے بہت کمزور کر دیا تھا تو اس وقت ایک ملعون خالد بن طلحہ نے ایک ایسا نیزہ مارا کہ آپؐ زین پر نہ سنبھل سکے اور جب زمین پر آئے تو پڑھا: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مَنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ”اے فرزند رسولؐ! میں آپؐ کی حمایت کے لیے دنیا میں آیا تھا اور آپؐ کی وفاداری میں آخرت کی طرف جا رہا ہوں۔“ یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔

عونؓ کے بعد جناب جعفر بن علیؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد جناب عبداللہ بن علیؑ شہید ہوئے۔

جناب محمد بن عباس علمدار بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی شہادت

صدر قزوینی مرحوم کتاب حدائق الانس میں لکھتے ہیں: جن شہداء نے امامؑ پر جان قربان کی ان میں جناب محمد بن عباس

بہر صورت راوی قاسم بن اصغ کہتے ہیں کہ میں نے سر کو پہچان لیا لیکن سوار نہ پہچانتا تھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے پوچھا کہ یہ سوار کون ہے؟ تو جواب ملا: یہ خرمہ بن کامل اسدی ہے۔

راوی کہتے ہیں: تھوڑے عرصے کے بعد میں نے اسی خرمہ کو دیکھا جس کا چہرہ سیاہ تارکول کی طرح ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے بد بخت و پلید اس دن بارہ محرم کو قیمتی گھوڑے کی لگام تیرے ہاتھ میں تھی اور تو بڑی شان و شوکت سے چل رہا تھا۔ تیرے گھوڑے کی گردن میں چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوا چہرہ لٹک رہا تھا تو خوش و خرم تھا۔ تیرا چہرہ بڑے چمک دار تھا۔ آج یہ حالت کیسے بن گئی کہ قبیح ترین اور بد صورت ترین ہے؟

قاسم کہتا ہے کہ خرمہ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اور کہا: اے قاسم! خدا کی قسم! جس دن سے یہ فعل کیا (محمد بن عباس کے سر کو لٹکانا) ہر رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ دو شخص غضبناک ہو کر آتے ہیں، میرے گریبان کو پکڑتے ہیں اور بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ آج تک ہر رات یہی ہوتا ہے اور کبھی مجھے ان سے خلاصی نہیں ملتی کیونکہ میں نے امام حسینؑ کے ساتھ آئے ہوئے ایسے شہداء کو قتل کیا تھا جس کے چہرے پر ابھی ریش کے بال تک نہیں اُگے تھے اور پیشانی پر آثارِ نبوت تھے۔ اس دن سے لے کر آج رات تک وہی شہداء خواب میں مجھے جہنم میں غوطے دیتا ہے اور جو شخص اُس وقت بیدار ہو وہ میری چیخ و پکار بھی سنتا ہے۔

سردارِ کربلا، علمدارِ کربلا قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت

جو کچھ کتبِ مقاتل سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قمر بنی ہاشم ظہیرِ عاشورہ کے بعد تمام بھائیوں کی شہادت کے بعد شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں کتب میں چار روایات ہیں۔

① پہلی روایت بہ نقل شیخ مفید: جب روزِ عاشور تمام اصحاب شہید ہو گئے، انصار و اقرباء، شہداء گان تمام خاک و خون میں غلطاں ہو گئے تو اہل بیت حسینؑ میں سے صرف حضرت عباسؑ باقی تھے۔ جب بے حیا لشکرِ عمر سعد نے امامؑ کو تنہا اور غریب دیکھا تو جسارت کی اور گالیاں بکنا شروع کیں۔ وہ خیام کے قریب آ گئے اور ایک جماعت نے امامؑ پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ، عترتِ طاہرہ کے تحفظ اور حفاظت کے لیے ذوالفقارِ حیدری لہرائی اور بادل کی طرح گر بجے اور جوش سے نعرہ بلند کیا۔ حضرت عباسؑ بھی امامؑ کے ساتھ دشمنوں پر حملہ میں شامل ہو گئے۔ اسد اللہ کے ان دو فرزندوں نے ایک ہی حملہ حیدری سے ان لومڑیوں اور خرگوشوں کے لشکر کو خیام سے دُور بھگا دیا۔

حملہ کے دوران حضرت امام حسینؑ پر نعلی کی شدت ہوئی، آپؑ لشکر کے درمیان میں آئے ہوئے تھے، لہذا عزم بالجزم

کیا کہ فرات پر جاؤں اور اپنے اور بھائی کے جگر کو پانی سے ٹھنڈا کروں۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کی مدد سے فرات کی طرف روانہ ہوئے اور بھوکے شیروں کی طرح عالم سے آنکھیں بند کر کے لشکر کو ریوڑ کی طرح آگے لگا رکھا تھا۔ ان کو قتل کرتے اور پھینکتے جاتے تھے اور مکاری کی طرح لشکر کو متفرق کرتے جاتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ تلوار کا وار کرتے اور فرماتے: اَآا اِیْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اور حضرت عباسؑ علمدار تلوار چلاتے تو فرماتے: اَآا اِیْنُ اَسَدِ اللّٰہِ کنارہ فرات تک پہنچ گئے۔ عباسؑ آگے آگے تھے۔ امامؑ فرات میں اترتا چاہتے تھے کہ لشکر نے حملہ کر دیا اور فرات میں داخل ہونے کا موقع نہ دیا۔ ایک بنی داری لشکر کو ان الفاظ سے لگا رہا تھا: وَلِیْکُمْ حَوْلُوا یَیْنَهُ وَبَیْنَ الْفُرَاتِ وَلَا تَمِکْنُوْهُ مِنَ الْمَآءِ

”اے لشکر والو! خبردار! حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل ہو جاؤ اور کسی صورت پانی تک نہ پہنچے دو۔ حضرتؑ نے اس لگا کرنے والے شخص کو بددعا کی: اَللّٰهُمَّ اَعْطِشْہُ ”میرے اللہ! اسے پیاس کا مزہ چکھا۔“

داری کو غصہ آیا اور تیر کمان میں ایک زہر آلود تیر لگایا اور امامؑ کے حلق کا نشانہ لگایا۔ وَاَمَّا ہُمْ اَسْبَتَتْہُمْ فِیْ حَنْکِہِ اس ملعون کا تیر حلق میں لگا۔ امامؑ نے ہاتھ سے تیر کو نکالا تو خون کا فوارہ نکلا۔ لشکر نے دیکھا کہ امام حسینؑ نے دونوں ہاتھ اپنے حلق پر رکھے ہیں۔ وَبَسَطَ یَدَیْہِ تَحْتَ حَنْکِہِ فَاَمْتَلَاَت رَاَحَتَاہُ بِالْدَمِ فَرَمٰی دَوُوں ہاتھوں سے خون لیا اور پھینک دیا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْکُوْ اِلَیْکَ مَا یَفْعَلُ بِاَبْنِ بِنْتِ نَبِیْکَ ”اے خدا! میں تیرے پاس شکایت کرتا ہوں تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے سے یہ اُمت کیا سلوک اور رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔“

حضرت عباسؑ علمدار نے جب اپنے غریب بھائی کی یہ حالت دیکھی کہ حلق میں تیر لگ جانے کی وجہ سے پانی بھی نہ پی سکے دل کو شدید دکھ ہوا اور فوجِ اشقیاء پر غضبناک ہو کر ایسا حملہ کیا کہ سروں کو گیند کے مثل اور خون کو مثلِ نہر کے جاری کر دیا۔ حضرت عباسؑ اکیلے لڑتے رہے تھے، جو شخص آگے بڑھتا قتل ہو جاتا حتیٰ کہ تمام لشکر نے فرزندِ علیؑ پر یک بارگی حملہ کر دیا اور حضرت عباسؑ کو اپنے محاصرے میں کر لیا۔

امامؑ اپنی خوفا آنکھوں سے علم کو دیکھ رہے تھے کہ علم قائم ہے تو میرا دل قائم ہے۔ حضرت عباسؑ نے شجاعت کے جوہر دکھائے جب تک طاقت تھی لڑتے رہے لیکن زید بن ورقا، حکیم بن طفیل میں سے ایک نے حضرتؑ کا دایاں ہاتھ اور ایک نے بایاں ہاتھ قلم کر دیا۔ علم سرنگوں ہوا تو امامؑ کی اُمیدیں ختم ہو گئیں اور کمر ٹوٹ گئی۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت جناب عباسؑ علمدار کو اتنے زخم لگائے گئے کہ کمزوری اور ضعف سے گر پڑے اور پھر اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی اور روح پرواز کر گئی۔

(۲) دوسری روایت: ابن شہر آشوب و مجلسی: مرحوم مجلسی نے بحار الانوار کی دسویں جلد میں ابن شہر آشوب سے شہادت حضرت عباسؓ علمدار کو اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عباسؓ سقائے اہل بیتؑ، علمدار حسینیؑ قمر بنی ہاشم اپنے مادری بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ چونکہ شجاعوں کے سردار تھے لہذا امام حسینؑ نے علم ان کے سپرد کیا تھا۔ حضرت عباسؓ پانی لینے فرات کے کنارے پہنچے، جب لشکر کو آپ کے مقصد کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت کا راستہ روکا اور حملہ کر دیا۔ حضرت نے جواباً حملہ کیا اور ان کی جماعت کو یکجہر دیا۔ لڑائی کے دوران میں زید بن ورقانے ایک کھجور کے پیچھے چھپ کر حملہ کیا اور زہر آلود تلوار سے دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ قمر بنی ہاشم نے تلوار بائیں ہاتھ میں رکھ لی، لڑتے رہے حتیٰ کہ کمروری پیدا ہو گئی۔ بائیں ہاتھ سے قتل کرتے رہے۔ جب ذراعف آیا تو حکم بن طفیل طائی نے ایک کھجور کے پیچھے سے نکل کر بائیں بازو کو شہید کر دیا۔ حضرت زندگی سے مایوس ہو گئے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ جب لشکر نے دیکھا کہ اب دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں لہذا اب قریب آئے اور گھبرا ڈالا۔ اس وقت حضرت عباسؓ یہ شعر پڑھ رہے تھے: ”اے نفس مطمئنہ! کفار سے گھبرا نہیں، تجھے جنت کی بشارت ہو۔“

فرزند سید مختار کے ساتھ میرے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے ہیں۔ حضرت عباسؓ کٹے ہوئے بازوؤں سے ایک مقام پر رک گئے۔ بازوؤں سے خون جاری تھا اور غربت کی حالت میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھ رہے تھے۔ اشتیاء بے غیرت آئے اور ثواب کی نیت سے آپ کو گالیاں بکتے تھے اور تلواریں، نیزوں کی ضربیں لگاتے۔ پھر ایک ملعون آیا، گالیاں بکتے کے بعد ایک گرز حضرت کے سر پر مارا کہ جس سے آپ زین سے زمین پر آئے اور روح پرواز کر گئی۔ جب امام نے نہر فرات کے کنارے علمدار کو اس حالت میں دیکھا تو بہت روئے اور لشکر کو مخاطب ہو کر فرمایا: ”اے قوم! تم اپنے پیغمبر کی اولاد پر جسارت، تجاوز کیا، جلدی سزا ملے گی۔“

(۳) تیسری روایت: منتخب التواریخ طریخی: جناب عباس علمدار امام حسینؑ کے بھائی تھے جب آپ نے دیکھا کہ تمام بھائی، عزیز اقارب، انصار اور اصحاب شہید ہو گئے ہیں تو آپ خون کے آنسو روئے اور دردناک آہیں بھرنے لگے۔ آپ شہیدوں کے غم میں زار و قطار روتے تھے اور رب الدارجات کی ملاقات کے لیے بے تاب ہو گئے۔

فَحَمَلَ الرَّأْيَةَ وَجَاءَ نَحْوَ أَخِيهِ الْحُسَيْنِ وَقَالَ هَلْ مِنْ رُحْصَةٍ رَوَتْ أَنْكُحُوا مِنْ رُحْصَةٍ رَوَتْ أَنْكُحُوا
پاس آئے اور عرض کیا: اب مجھے بھی اجازت دیں تاکہ میں بھی اپنی جان قربان کر دوں۔ فَبَكَى الْحُسَيْنُ بُكَاءً شَدِيدًا حَتَّى انْزَلَتْ يَدَايَاهُ مِنْ عَيْنَيْهِ اس قدر شدت سے روئے کہ قیص بھی تر ہو گئی۔ پھر فرمایا:

كُنْتُ عَلَامَةً مِنْ عَسْكَرِي وَمَجْمَعٌ عَدَدِنَا فَإِذَا أَنْتَ مَضَيْتَ يُوَلِّ جَمْعَنَا إِلَى الشَّتَاتِ وَعِمَارَتَنَا

تَنْبَعْتُ إِلَى الْحَوَابِّ ”اے بھائی! تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو، تمہارے پاس تو افراد اور میرا لشکر جمع رہتا ہے۔ جب تم چلے جاؤ گے تو ہمارا اجتماع انقطاع میں اور ہماری آبادی بربادی میں بدل جائے گی۔“ فَقَالَ الْعَبَّاسُ فِدَاكَ رَوْحُ أَخِيكَ يَاسَيِّدِي قَدْ صَنَّاكَ صَدِيقِي مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا حضرت عباس سلام اللہ علیہ نے عرض کیا: میری روح آپ پر قربان ہو جائے میرا دل دنیا سے اکتا چکا ہے۔ مرنا اس زندگی سے بہتر ہے کہ آپ اور اہل بیتؑ کو دشمنوں کے ہاں اس طرح پریشان اور خوار دیکھوں، بچوں کی العطش العطش کی آوازیں سنوں۔ مجھے اجازت دیں کہ ان ظالموں کو انتقام کی تلوار کا مزہ چکھاؤں۔

امامؑ نے اجازت دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ دیکھا تو فرمایا: اے بھائی! اگر آپ کا مفقود میدان میں جانا ہے تو پہلے ان کو وہ پیغام دینا جو میں تمہیں دیتا ہوں۔ اگر انہوں نے اس کو نہ سنا اور اس پر عمل نہ کیا تو پھر ان سے جنگ کرنا۔ جب شجاعوں کے سردار کو قبلہ عالم سے اجازت ملی تو محکم پہاڑ ایسے بدن اور مستحکم دل کے ساتھ میدان میں قدم رکھا۔ كَانَ فَاِرسًا هَمَامًا وَيَطْلًا صَرَعَامًا وَكَانَ جَسُورًا عَلَيَّ الطَّعْنِ وَالضَّرْبِ فِي مَيْدَانِ الْكِفَّاحِ وَالْحَوْبِ وَهُ بِهٖ شَهْسُورًا، شَجَاعًا، ثِيْرًا غَفْفَرًا، تجربہ کار نیزہ زن اور تلوار چلانے کے ماہر تھے۔ اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار ہو کر مصری تلوار، رومی خود اور مکی ڈھال لے کر میدان میں اترے۔

میدان کے درمیان گھوڑے کو روکا اور رکابوں سے پاؤں نکال کر ایک نعرہ لگایا: يَا قَوْمِ اَنْتُمْ كَفَرْتُمْ اَمَ مُسْلِمُونَ ”اے بے حیا گروہ! تم کافر ہو یا مسلمان؟“ اگر تم مسلمان ہو تو اسلام کا یہ طریقہ نہیں کہ پیغمبرؐ کی اولاد اور جناب فاطمہؑ زہراءؑ کی ذریت اور ساقی کوثرؑ کے فرزندوں کو نہر فرات کے کنارے پیسا رکھ کر ظلم کیا جائے۔ پھر حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کا پیغام پہنچایا۔

يَقُولُ اِنَّكُمْ قَتَلْتُمْ اَصْحَابَهُ وَ اِخْوَتَهُ وَبَنِي عَمِّهِ وَبَقِيَ فَرِيدًا مَعَ عِيَالِهِ وَاَطْفَالِهِ وَوَصَلُوا اِلَى الْهَلَائِكِ

”امام حسینؑ فرما رہے ہیں کہ تم نے میرے اصحاب، بھائی، چچا زاد سب شہید کر دیے، اب میں اپنے اہل و عیال، بچوں کے ساتھ تمہارا گھیر گیا ہوں اور میرے بچے پیاس سے دنیا سے گزرنے والے ہیں۔“ وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يَقُولُ لَكُمْ دَعُونِي اَنْ اَخْرَجَ اِلَيَّ طَرَفِ الرُّومِ اَوْ الْهِنْدِ وَاُخْلِيَ لَكُمْ الدِّجَجَاتِ وَالْعِرَاقِ

”اس کے باوجود امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ تم مجھے چھوڑ دو، میں روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں

گا اور حجاز و عراق کو خالی کر دوں گا۔“

اگر میری یہ خواہش پوری کرتے ہو تو وعدہ کرتا ہوں کہ کل قیامت کو تمہاری شکایت نہیں کروں گا اور اپنے جوانوں سے خون کا بدلہ نہیں مانگوں گا۔ خدا کی جو مرضی آئے گی تمہارے ساتھ کرے گا۔ اے بد بخت لوگو! میرے بھائی کی یہ خواہش چھو کر، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اس بے حیا قوم نے باب المراد کی نصیحتیں سنیں تو کچھ رونے لگے اور کچھ خاموش کھڑے رہے۔ پھر کچھ لوگ ایک طرف ہو کر گھوڑوں سے اترے، سر میں خاک ملائی اور رونے لگے۔

اے بے انصاف لوگو! اگر یہ خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے تو پانی دے دو جو ان کی ماں فاطمہ زہراء کا حق مہر ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے مرنے سے بچ جائیں۔ یہ بات سن کر اکثر لوگ رونے لگے۔

شمر نے حبش بن ربیع کو ساتھ لیا اور دونوں ایک طرف ہو گئے۔ پھر چلتے ہوئے قمر بنی ہاشم کے قریب آئے اور آہستہ سے کہا: اے ابوتراب کے فرزند! جاؤ اپنے بھائی سے کہہ دو کہ تمام دنیا پر پانی آ جائے اور ہمارے اختیار میں ہو تو بھی ایک قعدہ نہیں دیں گے نہ تمہیں اور نہ تمہارے اہل بیت کو اور نہ بچوں کو، البتہ یزید کی بیعت کر لینے سے سب کچھ مل سکتا ہے۔

جناب قمر بنی ہاشم مایوس ہو کر واپس بھائی کے پاس آئے اور ان ملائین کا جواب بتایا اور روتے رہے۔ حضرت نے سر نیچے کر لیا اور اس قدر رونے کہ گریبان تک قمیص بھی تر ہو گئی۔ جناب قمر بنی ہاشم بھی کھڑے روتے رہے۔ لشکروالوں نے شور مچایا اور گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ ہم سورج کی گرمی میں جل رہے ہیں، جلدی میدان میں نکلو۔ لشکر کی زبان درازیوں پر خیام میں مخدرات عصمت کی آہ و بکا تھی۔ بچے العطش العطش کر رہے تھے۔

حضرت عباس علمدار اپنی زندگی سے سیر ہو چکے تھے اور مزید جینا پسند نہ کرتے تھے، اس لیے رو کر امام حسینؑ سے عرض کیا: مجھے اجازت دیں کہ شاید تلوار کی گرمی سے ان چھوٹے بچوں کے لیے پانی لاسکوں، اجازت ملی کہ جاؤ (صرف) پانی لے آؤ۔ جناب عباس مشک لینے کی خاطر خیام میں آئے اور زبان حال سے فرمایا: اے بچو! خدا حلقہ! میری خدمت پر راضی رہنا۔

جب مخدرات عصمت نے الوداع کی آواز سنی تو تمام بیبیاں پریشان اور اضطراب زدہ ہو گئیں اور اسی کیفیت میں جناب زینب سلام اللہ علیہا غش کر گئیں اور باقی مخدرات کا گریہ بلند ہوا۔ بچوں نے چچا کے دامن میں پناہ لی اور گریہ کیا اور ایک خشک منک لائے اور علمدار سے پانی طلب کیا۔

حضرت قمر بنی ہاشم نے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا:

إِلٰهِي وَسَيِّدِي أُرِيدُ أَعِيذُ بَعْدَتِي وَأَمْلِي لِهَؤُلَاءِ الْاِطْفَالِ قَرِيبَةً مِّنَ الْمَاءِ
 ”اے میرے اللہ! میری امید کو ناامیدی میں نہ بدلنا، کاش ایک مشک پانی ان بچوں کے لیے
 لاسکوں۔“

فَرَكِبَ فَرَسَهُ وَآخَذَ رُمْحَهُ وَالْقَرِيبَةَ فِي كَتِفِهِ
 ”پس اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ اٹھایا، مشک کندھے سے لٹکائی اور سفر آخرت پر روانہ
 ہو گئے۔“

عمر سعد ملعون نے دریائے فرات پر چار ہزار سواروں کو بطور موکل مقرر کر رکھا تھا کہ امام حسینؑ کا کوئی شخص فرات کے
 پانی کو دیکھ بھی نہ سکے۔

فَلَمَّا رَأَوْا الْعَبَّاسَ قَاصِدًا نَحْوَ الْفُرَاتِ أَحَاطُوا بِهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَمَكَانٍ
 ”جب لشکر نے حضرت عباسؑ علمدار کو فرات کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو ہر طرف سے راستہ روک
 لیا“

حضرت عباسؑ نے نعرہ حیدری لگاتے ہوئے فرمایا: اے بد بخت قوم! کیا یہی مسلمانی ہے کہ اس پانی کو سورا، بھیڑیے
 اور یہود و نصاریٰ تو پی رہے ہیں لیکن اولاد پیغمبرؐ پیاسی مر رہی ہے؟ اس کے بعد حضرتؑ نے حملہ کر دیا:

فَشَدَّ عَلَيْهِمُ بِالْفَوْجِ الْمُتَقَابِلِ بِالسَّهَرِيِّ الذَّاهِلِ وَهُوَ يَهْتُمُّ كَالْأَسَدِ الْبَاسِلِ
 وَكَشَفَهُمْ عَنِ الْمَشْرِعَةِ بِالصُّوْلَةِ الْخَيْدَرِيَّةِ وَالسُّودَةِ الْغَضَنْفَرِيَّةِ

اور نعرہ حیدری بلند کر کے ان کو فرات کے کنارے سے ہٹا دیا تو ان ملائین نے تیروں کی بارش کر دی۔ حضرتؑ کے
 دریائے غیرت میں جوش آیا اور قہاریت کا سمندر موجزن ہو گیا۔ آپؑ نے ایک لمحہ میں لومڑی صفت لشکر کو متفرق کر دیا۔
 لشکر والے ایسے بھاگتے تھے جیسے لومڑی شیر سے بھاگتی ہے۔ نہر فرات پر عباسؑ کا قبضہ ہو گیا۔ آپؑ فرات میں داخل ہوئے تو
 پانی سے آنے والی نسیم حضرتؑ کے مشام میں کچپی۔ آپؑ نے رکابوں کے نیچے والے پانی کو ہاتھوں میں اٹھایا اور پانی کو دیکھتے
 رہے، پیاس کی شدت تھی۔ فَذَكَرَ عَطَشَ الْحُسَيْنِ، لیکن پھر امام حسینؑ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس یاد آئی تو
 آپؑ نے پانی کو دریا میں پھینک دیا اور مشک بھر کر کندھے پر لٹکائی اور فرات سے باہر نکل آئے۔

جب لشکر نے دیکھا کہ حضرت عباسؑ فرات سے پانی کی مشک بھر کر خیام میں لے جانا چاہتے ہیں تو ایک دم سب نے
 حملہ کر دیا اور حضرتؑ کے خیام کو جانے والے راستے بند کر دیئے بلکہ ہر طرف احاطہ کر لیا۔ فَخَارَ بِهِمْ مُحَارَبَةً عَظِيمَةً بہت

شدید جنگ ہوئی۔ اسی جنگ کے دوران میں نوفل بن ازرق ملعون نے کمین گاہ سے نکل کر تلوار سے حملہ کیا جس سے عباس علمدار کا دایاں بازو کٹ گیا۔ یوں باب المرادی آدمی امیدیں ٹوٹ گئیں۔ فَحَمَلَ الْقِرْبَةَ عَلٰی كَتِفِهِ رَجُلًا۔ حضرت نے نیزہ اور مشک بائیں بازو میں کر لیے۔ ایک ملعون نے کمین گاہ سے تلوار کا وار کیا جس سے حضرت غازی کا بائیں بازو بھی قلم ہو گیا۔ اب ابوالفضل العباس کی امیدیں ناامیدی میں بدل گئیں۔

ہزاروں مشکل سے مشک کو اپنے دانتوں میں لیا اور اسی حال میں ایڑیاں لگا لگا کر خیام کی طرف گھوڑے کو تیز دوڑاتے تھے کہ دو تیر دشمن کی طرف سے آئے۔ فَجَاءَ سَهْمٌ فَأَصَابَ الْقِرْبَةَ ثُمَّ جَاءَ سَهْمٌ آخَرُ فِي صَدْرِهِ کہ ایک تیر مشک سے لگا اور دوسرا تیر سینہ مبارک پر لگا اور وہیں پیوست ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر ایک اور تیر آیا جو سیدھا حضرت کی دائیں آنکھ میں لگا۔ لیکن آپ کے ہاتھ نہ تھے۔ تیر نکالتے۔

ارباب مقاتل نے لکھا ہے: ان تیروں کے لگنے سے شدت درد کی وجہ سے آپ نے زمین پر اس طرح چبھ کر کھائے۔ فَانْقَلَبَ عَنْ قَوْسِهِ إِلَى الْأَرْضِ کہ زین سے زمین بوس ہو گئے اور امام کو آواز دی: يَا أَخِي الْحُسَيْنِ اذْبِرْ كَتِفِي "بھائی حسین میری مدد کو پہنچئے"۔

جب آپ اس حالت میں گونجی تو خدا گواہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام بہت مشکل سے اٹھے اور بڑی مشکل سے بھٹ کے پاس پہنچے۔ آپ کی حالت وہ تھی تو خاک و خون میں غلٹاں پایا۔ ہاتھ کٹ چکے تھے، سینہ زخمی تھا۔ امام حسین نے یہ بین کر کے ماتم کیا:

وَأَعْبَاسًا وَأَقْرَبَ عَيْنَاهُ وَأَقْلَبَ نَاصِرَاهُ

مرحوم صدر قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: اس روایت کی سند کے مرحوم طریحی بھی معتقد ہیں کہ امام بھائی کی رشت کو خیام میں لائے۔ جبکہ اسی روایت کے آخر میں لکھتے ہیں: فَجَاءَ دَوَا الْأَحْزَانِ وَأَقَامُوا الْعَزَاءَ جب لاش خیام میں آئی تو پھر ماتم اور گریہ زاری کی تجدید ہوئی اور اس طرح خندرات عصمت اور بچوں نے عزاداری کی اور سوگ منایا۔

ابوحنفہ اور مرحوم طریحی کا اس روایت پر اعتقاد ہے لیکن مشہور عندا لمجور یہی ہے کہ امام نے جس قدر کوشش کی کہ رشت کو خیام میں لے جائیں، نہ لے جاسکے۔

چوتھی روایت از ابوحنفہ و طریحی: ابوحنفہ اور طریحی نے اس روایت کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ مرحوم طریحی لکھتے ہیں:

لَمَّا التَّقَى الْعَسْكَرَانِ وَامْتَأَنَرَ الرَّجَالَةُ مِنَ الْفُرْسَانِ

یعنی روزِ عاشور جب حق و باطل کے لشکروں کا مقابل ہوا تو صفیں ایک دوسرے کے سامنے لگ گئیں۔ سوار اور پیادے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ مبارزہ کا آغاز ہوا اور دونوں لشکروں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی، جب کہ جنابِ امام حسینؑ کے لشکر پر پیاس کا غلبہ تھا، اس لیے حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو بلایا اور فرمایا کہ بھائیوں اور بھتیجیوں کو بلا کر کنواں کھودیں کہ شاید پیاسوں کے لیے پانی حاصل ہو جائے۔

حضرت عباسؑ نے امامؑ کے حکم کے مطابق عمل کیا اور کنواں کھودا لیکن پانی نہ نکلا چنانچہ اس کنویں کو بند کر دیا اور دوسرا کنواں کھودا اس سے بھی پانی نہ نکلا۔ اس کنویں کو بھی بھر دیا۔ فَتَوَ اَيَّدَ الْعَطَشَ عَلَيْهِمْ اب پیاسوں کی پیاس میں مزید شدت آگئی تو حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے بھائی! ہماری پیاس بہت شدید ہو گئی ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو گئی خصوصاً بچوں اور تازہ جوانوں کی حالت بہت تشویش ناک ہے، ان کے لیے پانی کی کوئی اور فکر کرنی چاہیے۔

حضرت امامؑ نے فرمایا: بھائی! ہمت کریں اور نہ فرات پر جائیں شاید پانی لانے میں کامیاب ہو جائیں۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا: سَمْعًا وَ طَاعَةً اور حضرت نہ فرات کو جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت امامؑ نے اپنے چند صحابی جنابِ عباسؑ کے ساتھ روانہ کیے۔ نہ فرات پر حضرت عباسؑ علمدارِ مع اصحاب کے پہنچے۔ وَ سَارُوا حَتَّى اَشْرَفُوا عَلَى الْمَشْرِعَةِ جب نہ فرات پر پہنچے تو محافظینِ فرات جوش و خروش میں آ گئے اور راستہ روک کر پوچھا کہ تم کیوں اور یہاں آئے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم امام حسینؑ کے لشکر سے ہیں اور پیاس سے نڈھال ہیں خصوصاً امام حسینؑ کے اہلِ حرم بہت پیاسے ہیں، ہم عترتِ رسولؐ کے لیے پانی لینے آئے ہیں۔

ابنِ زیاد کے لشکر نے نامناسب جواب دے کر اصحابِ حسینؑ پر حملہ کر دیا۔ جب علیؑ کے فرزندِ رشید نے کوفیوں کی بے حیائی دیکھی تو آگ برسانے والی تلوار نکالی اور نعرہٴ حیدری لگا کر لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب یہ حال تھا کہ موسمِ خزاں میں جس طرح درختوں سے پتے گرتے ہیں اسی طرح ان ملائین کے سر گر رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ان ملائین نے فرات کا کنارہ چھوڑ دیا تب حضرت عباسؑ علمدار نے بلند آواز سے فرمایا: ہم موت سے ڈرنے والے نہیں اور بہت جفاکش ہیں۔ پھر نہ فرات میں داخل ہوئے۔ پہلے اپنی مٹک بھری، پھر چٹو میں پانی لیا کہ ہمیں فَذَكَرَ عَطَشَ الْحُسَيْنِ لیکن اپنے بھائی کی پیاس کو یاد کر کے فرمایا: خدا کی قسم! جب تک امام حسینؑ پیاسے ہیں میں اپنے خشک لبوں کو تر نہیں کروں گا۔ پھر مٹک بھر کے مولڈا لٹکے اور اپنے آپ سے کہا کہ اے عباسؑ اگر امام حسینؑ کے بعد زندہ رہنا چاہتے ہو تو ذلیل اور خوار ہوں گے اور اگر امام حسینؑ سے

پہلے پانی پینا چاہتے ہو تو یہ ناممکن ہے کہ ہم ٹھنڈا پانی پیئیں اور امام حسینؑ موت کا ناگوار شربت، یہ کوئی دین داری نہیں۔ جب حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پر آئے تو لشکر ابن سعد کی نظر حضرت عباسؑ اور اُن کی مشک پر پڑی۔ اُنہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ ہر طرف سے جناب عباسؑ کی طرف تیرا رہے تھے اور حضرت عباسؑ خیام کی طرف جا رہے تھے، اور بڑی دقت سے مشک کو سینے سے لگائے حفاظت کر رہے تھے، جب کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر اپنے جسم سے رہے تھے تاکہ مشک کو کوئی تیر نہ لگنے پائے۔ اس دوران میں آپؑ کا جسم خارِ پشت کی طرح ہو گیا۔ پھر برص بن شیبان بن ملعون نے چھپ کر تلوار کا وار کیا۔ فَطَّارَتْ مَعَ السَّيْفِ تَوَحُّرَاتُ كَادَايَاں ہاتھ کٹ گیا لہذا حضرتؑ نے بائیں ہاتھ سے زمین پر گر گئی ہوئی تلوار اٹھائی اور بائیں بازو سے جنگ شروع کر دی اور یہ رجز پڑھا:

”اے ملائین! اگر تم نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے تو بھی میں دین کی حمایت کرتا رہوں گا اور اپنے صادق امامؑ سے وفا کرتا رہوں گا جو نبی معظمؐ کے سوا امین ہیں۔“

ابو جحیف اور طریق نے لکھا ہے کہ جنابؑ نے بائیں ہاتھ سے (فَقَتَلَ مِنْهُمْ رَجُلًا وَنَكَسَ إِبْطَالًا) کئی بہادریوں کا قتل کیا اور کافی دلیروں کے قریب تھے کہ عرب بن سعد نے اپنی سپاہ کو لالکا رہا: وَيَلِكُمُ أَرَشَقُوا الْقُرْبَةَ بِالْثَبَلِ، ”اے لشکر یو! تم پر افسوس ہے، ایسا کام کرو کہ عباسؑ یہ مشک خیام میں نہ لے جائے۔“ تم مشک پر تیروں کی بارش برسا دو۔ قَوْلَ اللَّهِ إِنْ شَرِبَ الْحُسَيْنِ الْمَاءَ أَفَنَّاكُمْ عَنْ آخِرِكُمْ أَمَّا هُوَ الْفَارَسُ ابْنُ الْفَارَسِ ”خدا کی قسم! اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو وہ تمام لشکر کو قتل کر دیں گے کیا تم نہیں جانتے کہ وہ میدانِ شجاعت کے زوردار اور مقامِ رشادت کے شہسوار کے فرزند ہیں۔“

ابن سعد کی اس تحریر سے ترغیب و ترغیب سے تمام لشکر نے حضرت عباسؑ پر هجوم کر دیا۔ حضرت عباسؑ نے بائیں ہاتھ سے اُن پر حملہ کیا اور اسی ملائین کو جہنم واصل کیا۔ اسی دوران میں عبداللہ بن یزید شیبانی نے چھپ کر حملہ کیا اور حضرتؑ کا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ آپؑ کی تلوار زمین پر گر پڑی۔ فَانْكَبَّ عَلَى السَّيْفِ بِفِيهِ، گھوڑے سے جھک کر تلوار منہ کے ساتھ اٹھائی اور دانتوں میں تلوار پکڑ کر حملہ جاری رکھا۔ اس حالت میں کبھی تلوار کی نوک سے اور کبھی رکابوں کے کونوں سے حملہ کرتے تھے جب کہ آپؑ کے بازوؤں سے خون جاری تھا۔

جب ابن سعد کے لشکر نے دیکھا کہ اب عباسؑ کوئی حملہ نہیں کر سکتے تو سب نزدیک آئے اور فَحَمَلُوْهُ عَلَيْهِ بِاجْمَعِهِمْ جَمِيعًا اُنہوں نے مل کر باب الحوائج پر حملہ کر دیا۔ ہر شخص اپنے باپ، بھائی، چچا اور بیٹے کا بدلہ لینے کے لیے ضربیں لگا رہا تھا۔ یوں عباسؑ خطہ دار کے نازنین بدن کو نیزوں سے چھلی کر دیا گیا۔ اسی دوران میں ایک ملعون نے لوہے کا گرز آپؑ کے سر پر مارا۔ فَضْرَبَتْهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ بِعُمُودٍ مِنْ حَدِيدٍ فَقَلَقَ هَامَتَهُ وَانْصَرَعَ عَفِيرًا عَلَى الْأَرْضِ کہ حضرتؑ کا

دماغ باہر نکل آیا اور حضرت زمین پر گر پڑے اور عرض کیا:

يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَلَيكَ مِنِّي السَّلَامُ، بھائی! میں جا رہا ہوں، آپ کی سلامتی نصیب ہو، میری وفا کو قبول کرتا۔ یہ آواز امام حسینؑ کے کانوں میں پہنچی تو خیام سے یہ بین کرتے ہوئے نکلے: **وَإِذَا أَخَاكَ وَأَعْبَابُكَ۔**

امامؑ روتے ہوئے آئے اور عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کو حضرت عباسؑ سے دُور ہٹا کر حضرت عباسؑ کے سر ہانے بیٹھے اور ایک نوحہ پڑھا اور ماتم کیا۔ پھر حَمَلَهُ عَلَى ظَهْرِ جَوَادِہِ وَأَقْبَلَ إِلَى الْخِيْمَةِ بھائی کی لاش کو گھوڑے پر سوار کیا اور گھوڑے کی نگام پکڑ کر آگے آگے چلتے ہوئے خیام کی طرف چلتے آئے۔ خیام میں لاش اُتاری اور لاش پر بیٹھ کر بہت گریہ زاری کی۔ تمام حاضرین نے ماتم شروع کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بھائی! خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے خوب جہاد کیا۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں: لاش کا خیمہ لانے والی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے علماء اور ہمارے مخالفین کی اکثریت نے یہ روایت نقل نہیں کی بلکہ علمائے تصریح کی ہے کہ حضرت عباسؑ کی لاش کثرتِ زخم اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے قابلِ حال نہ تھی اور شہداء کو دفن کرنے والی شخصیت نے ان کو وہاں ہی دفن کر دیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے کیونکہ ان کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

امام حسینؑ کی تنہائی اور جہاد کے لیے تیاری

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ التَّفَقُّتِ الْحُسَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ فَلَمْ يَرِ احْداً مِنَ الرِّجَالِ وَالتَّفَقُّتِ عَنْ يَسَارِهِ فَلَمْ يَرِ احْداً

کہ امام حسینؑ نے دائیں طرف دیکھا تو کوئی مرد نظر نہ آیا پھر بائیں طرف نظر کی تو ادھر بھی کوئی مرد نہ تھا اور تمام یار و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اور امام سجادؑ کی نظر امامؑ کی اس غربت کی حالت میں پڑی تو آپؑ نے آسمان کی طرف غریبانہ نگاہ کی، دکھی دل سے آہ بھری اور اپنے مقام سے اٹھے، تلوار اٹھائی، اگرچہ باوجود کمزوری اور ضعف کے چلنے کی طاقت بھی نہ تھی اور کمزوری اور ضعف کی وجہ سے تمام اعضاء و جوارح کا بچتے تھے لیکن اس حالت میں بھی اپنے بابا کے پاس گئے۔ جب امامؑ نے اپنے بیٹے کو مڑ کر دیکھا تو امام سجاد علیہ السلام کا بچتے ہوئے آرہے تھے۔ امام حسینؑ نے بیٹے سے فرمایا: اے میرے نو! نظر! واپس چلے جاؤ، آپؑ تجھے خدا ہیں اور میرے خلیفہ ہیں۔ پھر امام حسینؑ اپنے اس بیٹے کو خود خیمہ میں لائے اور بیمار کے پاس بیٹھے اور اسرارِ امامت ان کے سپرد کیے نیز وصیتیں فرمائیں۔

مرحوم طرحی نے منتخب میں لکھا ہے کہ حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا کہ بابا اپنی شہادت سے ایک گھنٹہ پہلے میرے خیمے میں تشریف لائے اور میرے دل کی تسلی کی خاطر یہ حدیث فرمائی: اے میرے نورِ نظر! ایک دن جبرئیلؑ جنابِ دیدہ کبھی صورت میں ہمارے نانا کے پاس آیا، میں اور بھائی حسنؑ اپنے نانا کے کانٹھوں پر بیٹھے اور اترتے تھے کہ جبرئیلؑ نے اس طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک انار، ایک بھی اور ایک سیب لیا اور ہمارے ہاتھوں میں دے دیا۔

رسول پاکؐ نے فرمایا: اے میرے نورِ نظر! اب گھر چلے جاؤ، ہم گھر آگئے اور اپنے بابا اور تمہارا دادا کو یہ واقعہ سنایا تو:۔۔۔ نے فرمایا: یہ مت کھاؤ جب تک رسول پاکؐ تشریف نہ لے آئیں۔ ہم نے ان جنتی میوؤں کو محفوظ رکھا یہاں تک کہ رسول پاکؐ ہمارے گھر تشریف لائے، ہم پانچ خجما ایک جگہ جمع ہوئے اور وہ میوے درمیان میں رکھے۔ سب نے ان پھلوں کو اس قدر کھایا کہ سب سیر ہو گئے لیکن انار، بھی اور سیب پھر بھی اسی حالت میں تھے اور ہم ان پھلوں سے جب اور جس قدر بھی کھاتے وہ ویسے کے ویسے رہتے، یہاں تک کہ نانا کا اس دنیا سے وصال ہو گیا۔ فَقَدْنَا الزُّمَانَ وَبَقِيَ السَّفَرُ جَلَّ وَالتَّفَاحَةُ جب رسول گرامیؐ کا انتقال ہو گیا تو انار غائب ہو گیا اور بھی اور سیب باقی رہے۔ جب بابا علیؑ شہید ہوئے تو بھی بھی غائب ہو گیا اور سیب باقی رہا جو آج تک اپنی لطافت اور تازگی کے ساتھ موجود ہے۔

جب سے ظالموں نے پانی بند کیا ہے مجھ پر لعنتی کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سیب کی خوشبو لیتا ہوں اور میری لعنتی دُور ہو جاتا ہے۔ اے میرے نورِ نظر! آج اس سیب کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی تراوت و تازگی ختم ہو گئی ہے۔ اَيَقْنْتُ بِالْفَنَاءِ۔۔۔ لیے مجھے اپنی موت کا یقین ہے اور میرے جانے کے ساتھ وہ سیب بھی غائب ہو جائے گا۔

حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام فرماتے ہیں: جب میں مقل میں گیا اور اس سیب کو تلاش کر رہا تھا تو وہ سیب تو نہ مل سکا لیکن اس کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، اب جب بھی باباؑ کی زیارت کو جاتا ہوں اس سیب کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور زوار جو کربلا میں جاتا ہے اسے سحری کے وقت قبرِ مطہر سے اُسی سیب کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے بیٹے کو تسلی دی اور فرمایا: اے میرے نورِ نظر! آپؑ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں، آپؑ حجتِ خدا ہیں، یہ آپؑ کو قتل نہیں کریں گے لیکن آپؑ قیدی ضرور ہوں گے اور شام جاؤ گے، پھر مدینہ آؤ گے، میرے شیعہ اور دوست آپؑ کی زیارت کے لیے آپؑ کے گھر آئیں گے، آپ ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا: جب میرے غریب بابا میدان میں جانے لگے تو تمہیں سلام بھیجتے تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہاری راہ میں سرِ قربان کیا ہے، خود قربان ہوا، اکبر، امضا، قربان کیے، بہنوں اور بیٹیوں کی چادریں قربان کیں لیکن تم سے اجر کوئی نہیں مانگا، بس میرا پیغام یاد رکھنا کہ جب بھی خشتِ چادر پہنا، میرے خشک لبوں کی پیاس کو یاد رکھنا۔

شَبِیْعَتِی مَہْمَا شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذَابٍ فَادْکُرُونِی ”شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد کرتا۔“

امام حسینؑ کا اہل حرم سے پہلا وداع کرنا

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
سب بیبیاں لٹٹیں شے والا کے قدم سے

جب امام عالی مقام کے تمام یار و انصار اور اقربا شہید ہو گئے اور سب کو خاک پر سویا پایا تو ادھر دشمن کی طرف سے بار بار مبارزہ طلب کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپؑ خود میدان میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس لیے اہل حرم سے الوداع کرنے خیام میں آئے اور بلند آواز سے کہا:

یَا سَکِیْنَةُ یَا رُقِیَّةُ! یَا نَرِیْنُبُ! یَا اُمِّ کلثوم! عَلَیْکِنَّ مِنِّی السَّلَام

اے سکیئہ! اے رقیہ! اے زینب! اے اُم کلثوم! تم پر میرا سلام ہو، خدا حافظ!

اہل حرم یہ آواز سنتے ہی حضرتؑ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور بقول صاحب بیت الاحزان سب سے پہلے سکیئہ باپ کے پاس آئی اور عرض کیا: یَا اَبَتَاہُ! اِسْتَسَلَمْتُ لِّلْمَوْتِ! کیا آپؑ نے موت کو قبول کر لیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: کَیْفَ لَا یَسْتَسَلِمُ مَنْ لَا نَاصِرَ لَہُ وَلَا مُعِیْن، اے بیٹی! میں کس طرح شہادت سے گھبراؤں اور شہید ہونے پر راضی نہ ہوں جب کہ میرا کوئی یار و انصار نہیں ہے۔

جناب سکیئہ نے عرض کیا: یَا اَبَتَاہُ! رُکِّنَا اِلَیْ حَرَمِ بَعْدَتِنَا، اے بابا! اگر آپؑ بھی شہید ہونے جا رہے ہیں تو پھر ان تمام عورتوں اور بچوں کو ہمارے جد کے حرم پر پہنچا دو۔

امامؑ نے فرمایا: لَوْ تَرِکَ الْقَطَا لَنَامَ وَغَفِی، یعنی ہائے افسوس! اگر مرغ قحط کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کبھی اپنا آشیانہ نہیں چھوڑتا یعنی اگر مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں تو کبھی اپنا وطن اور نانا کا حرم نہ چھوڑتا۔

جب حضرتؑ نے اظہار فرمایا تو خواتین مضطرب ہوئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت شہادت کو جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ لہذا سب عورتوں اور بچوں نے یک بارگی گریہ زاری اور آہ و فریاد شروع کر دی۔ امامؑ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کو خاموش کیا اور وداع کو مکمل چھوڑ کے میدان کی طرف چلے گئے۔

امام علیہ السلام کی عمر بن سعد سے گفتگو

امام عالی مقام جب میدان جنگ میں آئے تو آواز دی کہ کہاں ہے عمر بن سعد؟ وہ ملعون نزدیک آیا تو حضرتؑ نے

فرمایا: تجھے تین کاموں میں اختیار دیتا ہوں کہ ایک کو انجام دو۔

اُس بے حیائے کہا کہ وہ تین کام کون کون سے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: تَتَرَكْنِي حَتَّىٰ اُرْجَعَ اِلَى الْمَدِينَةِ الی حرَمِ جدی ”پہلایہ ہے کہ مجھے اپنے ۔۔۔ تاکہ میں مدینہ اپنے جد کے پاس واپس چلا جاؤں۔ قَالَ: مَا لِي اِلَىٰ ذٰلِكَ مِنْ سَبِيلٍ، عمر بن سعد نے کہا: یہ ۔۔۔ کر سکتا کیوں کہ اپنے امیر ابن زیاد کی طرف سے مجھے اجازت نہیں کہ آپؐ کو چھوڑ دوں۔ قَالَ اِسْقِنِي بِشْرَبَةٍ ۔۔۔ امام عالی مقام نے فرمایا: میری دوسری خواہش ہے کہ مجھے پانی کا گھونٹ دیا جائے کیوں کہ میں بہت پیاسا ہوں۔

قَالَ اللّٰعِينُ بَنِ اللّٰعِينِ وَلَا اِلٰی الثَّانِيَةِ مِنْ سَبِيلٍ اس ملعون عمر بن سعد لعین بن لعین نے جو ۔۔۔ دوسری حاجت بھی پوری نہیں کر سکتا۔

قَالَ اِنْ كَانَ لَا بُدَّ مِنْ قَتْلِي فَلْيُبْرِئِ اِلَیَّ رَجُلًا بَعْدَ رَجُلٍ، امامؑ نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے قتل نہ ۔۔۔ میری تیسری خواہش یہ ہے کہ میرے ساتھ جنگ کرنے ایک ایک شخص آئے۔ اس ملعون نے یہ خواہش قبول کی اور ۔۔۔

امام زین العابدینؑ سے امام حسینؑ کا وداع بروایت صدر قزوینی

مرحوم صدر قزوینی نے ”حدائق الانس“ میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام یار و انصار اور اقربا زمینِ کربلا پر ۔۔۔ ہو گئے تو امام تمام شہداء کے لیے دُکھی تھے، اب حضرتؑ کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا، پس حضرتؑ نے دُکھی دل سے ہَلّ ۔۔۔ یَنْصُرُنِي، اور هَلّ مِنْ ذَابٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ کی صدا میں بلند کیں:

فَخَرَجَ عَلٰی بَنِ الْحُسَيْنِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ وَكَانَ مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ اَنْ يَغْلَّ سَيْفَهُ وَامَّ
كَلْثُومَ تُنَادِي خَلْفَهُ يَا بُنَيَّ اِرْجِعْ

”بابا کے یہ استغاثے سن کر امام زین العابدینؑ خیمہ سے نکلے جبکہ وہ مریض تھے اور تلوار بھی نہ اٹھا
سکتے تھے۔ جناب اُمّ کلثومؑ نے دوڑ کر اپنے بچے کے دامن کو پکڑا اور رو کر فرمایا: اے میرے نورِ نظر!
کہاں جاتے ہو اور اس حالت میں کیوں جاتے ہو؟ آپؑ تو جنگ کرنے کی طاقت بھی نہیں
رکھتے۔“

جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

فَقَالَ يَا عَمَّتَاهُ ذَرِينِي اُقَاتِلْ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ رَسُولِ اللّٰهِ

”اے چھو بھی اماں! مجھے چھوڑ دیں میں اپنی جان فرزند رسول پر قربان کرنا چاہتا ہوں۔“
 فقال الحسين يا امر كلثوم خذيه لئلا تبقى الارض خاليًا من نسل آل محمد
 ”یہ حالت دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے آواز دی: اے کلثوم! میرے بیٹے کو پکڑاؤ، تاکہ زمین
 نسل آل محمد سے خالی نہ ہو جائے۔“

پس حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بازو سے جناب ام کلثوم نے پکڑا اور دوسرے بازو سے جناب زینب
 کبریٰ نے پکڑا اور خیمہ میں لائیں اور اپنے بستر پر سٹلا دیا، کیونکہ امام زین العابدین بیمار تھے اور بیماری کی وجہ سے ان کے بدن
 میں لرزہ تھا، سانس بند ہو چکا تھا لہذا جوں ہی بستر پر لیٹے، غشی طاری ہو گئی۔

ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی
 عاشور کو غش تھا کہ یکایک خبر آئی شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراء کی کماٹی
 ہوش آیا تو گھر آگ سے جلتے ہوئے دیکھا
 ماں بہنوں کو بکوعے میں نکلتے ہوئے دیکھا

شہادت جناب علی اصغرؑ

سن کر یہ صدا گردن تسلیم جھکائی
 تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
 جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
 تعویذ پہ منہ رکھ دیا رشتہ بہت آئی
 فرمایا کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ
 ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

جناب علی اصغرؑ کی شہادت میں، ان کے بدن میں اختلاف ہے اس لیے دونوں روایات بیان کر دی ہیں۔ پہلی روایت
 یوں ہے: عاشور کے غم زدہ اور دکھی دن جب امام حسینؑ کا کوئی یار اور ناصر باقی نہ رہا تو حضرت خود میدان کی طرف جانے کے
 لیے تیار ہوئے۔ آپؑ نے خیام کے دروازے پر آ کر نندا حنفی کا سلام کیا۔ جونہی عورتوں اور بچوں نے حضرت کا وداعی سلام
 سنا تو سب حضرت امامؑ کے گرد جمع ہو گئے۔ امامؑ ہر ایک کو تسلیاں دیتے رہے اور مبر و حوصلہ کی تلقین کرتے رہے۔

اسی دوران میں جناب علی اصغرؑ کی آواز امامؑ کے گوشِ امامت میں پہنچی۔ سید نے لبھف میں لکھا ہے کہ حدیث نے بہن سے فرمایا: میرے چھوٹے بچے کو لاؤ تاکہ ان کو بوسہ دے کر خدا حافظی کر لوں۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا جناب علی اصغرؑ کو لائیں جو شدتِ پیاس سے رو رہے تھے اور آرام نہ کر پاتے تھے۔ بشت کی طرح آنسو جاری تھے۔ آنکھیں اندر کی طرف دھنس چکی تھیں۔ پیٹ پشت سے چمٹا ہوا تھا اور لب سوختہ تھے۔ علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر لیا اور چاہتے تھے کہ بیٹے کے خشک ہونٹوں اور آنسوؤں سے آلودہ چہرے کو بوسہ دیں کہ اچانک جرحِ ملعون نے ایک تیر مارا جس نے علی اصغرؑ کے گلے کو کاٹ کر ذبح کر دیا۔ امامؑ نے بہن کو بلایا اور فرمایا: بچے کو لے لو اور نہ مگرانی کرو۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے روتی آنکھوں، دکھی دل اور سوختہ جگر سے بچے کو اٹھایا تو امامؑ نے اپنے دونوں ہاتھ بچے کے گلے سے بہنے والے خون کو لیا اور چلو بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: بہن! یہ مصیبت بہت بڑی مصیبت ہے البتہ خدا دیکھ رہا ہے۔

قال الباقر قَلَمْ يَسْقُطُ مِنْ ذَلِكَ الدَّمِ قَطْرَةٌ عَلَى الْأَرْضِ
”حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کا جو خون آسمان کی طرف پھینکا اس کا ایک قطرہ واپس زمین پر نہیں گرا۔“

شہادتِ علی اصغرؑ کی دوسری روایت

مرحوم مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں: جب زمینِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے تمام یار و انصار شہید ہو گئے اور آپؑ نے تمام جوانوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا تو دل پر تمام کے فراق کا داغ لگ گیا۔ چنانچہ امامؑ نے یہ استغاثہ بلند کیا۔

هَلْ مِنْ ذَا بٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللَّهِ هَلْ مِنْ مُؤَخِّدٍ يَخَافُ اللَّهَ فِينَا وَهَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللَّهَ فِي إِغَاثَتِنَا

”حضرتؑ نے اپنے دکھی دل سے آواز دی کہ کوئی ہے جو اس محرابِ حرمِ پیغمبر کا شر سے دفاع کرے؟ آیا کوئی موجد ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور ہمیں نہ ڈرائے؟ آیا کوئی ہے جو فی سبیل اللہ آلِ محمدؑ کی فریاد سنی کرے؟

جب امامؑ کی آواز خیام کے اندر پہنچی تو تمام اہل حرم کا گریہ و زاری بلند ہوا، امامؑ یہ آہ و زاری سن کر خیام میں آئے۔

فَقَالَ نَاوُلُونِي عَلَيَّا ابْنِي الطَّفَلِ حَتَّى أُودِّعَهُ، حضرت نے تمام اہل و عیال کو خاموش کرادیا لیکن علی اصغر مسلسل رورہے تھے۔

حضرت نے فرمایا: میرے اصغر کو میرے پاس لاؤ تاکہ ان سے الوداع کرلوں۔ جناب علی اصغر حضرت کے ہاتھوں پر آئے، امام نے دیکھا کہ پیاس سے غر حال ہیں تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ جس سے تمام مستورات رونے لگیں اور عرض کرنے لگیں: اے مولا! دودن ہو گئے ہیں کہ پانی اور غذا نہ ہونے کی وجہ سے اصغر کی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو گیا ہے اور یہ بچہ پیاسا اور بھوکا ہے۔

حضرت بچے کی حالت سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ پیاس کی شدت میں جل رہا ہے اور مسلسل آنسو بہا رہا ہے تو حضرت اتمام حجت کے لیے ذوالجناح کی زمین پر سوار ہوئے اور اپنے بیٹے کو لیے میدان میں آئے اور بچے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر بلند کیا۔ پھر بلند آواز سے کہا: اِنْ اَکُنْ اَنَا اِثْمٌ عَلٰی نَرِّ عَمَّکُمْ، اگر تمہارے اعتقاد کے مطابق میں قصور وار ہوں تو اس بچے کی کوئی تعمیر نہیں ہے۔ آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کس طرح پیاس ہے اور اب پیاس سے مر رہا ہے۔ اے لشکر والو! ایک گھونٹ پانی دے دو تاکہ اس بچے کی جان بچ جائے۔ اگر مجھے پانی نہیں دیتے تو آؤ یہ بچہ لے جاؤ اسے خود پانی پلا دو اور پھر مجھے واپس کر دو تاکہ اس کی ماں کے حوالے کر دوں۔

ملائین نے جواب دیا: اذنی امیر کے بغیر ایک گھونٹ پانی آپ کو اور آپ کی اولاد و ذریت کو نہیں دیں گے۔ اسی دوران حرملہ بن کامل نے تیر مارا۔ فَاسْتَهْدَفَ حَلَقُ الرُّضِیْعِ وَعَبْرَتِ النِّشَابَةِ مِنْ حَلَقِهِ اِلٰی عَضْدِ الْحُسَيْنِ، حرملہ کا تیر علی اصغر کے گلے سے گزرتا ہوا امام حسین کے کاندھے میں جا لگا۔ امام نے اصغر کے گلے سے خون چلو میں لیا اور آسمان کی طرف پھینکا۔ پھر بچے کو خیمے میں لائے اور ماں کو دیا اور فرمایا:

اُخْرِجْنِي وَخَذْنِي ابْنُكَ الشَّهِيدَ فَاِنْ جَدَّهٖ سَقَاهُ اِنْ الْكُوْثَرُ

”اپنے بچے کو لو اس کے دادا نے کوثر پلا دیا ہے۔“

شہادت علی اصغر کی تیسری روایت

ابو مخنف نے لکھا ہے:

اِنَّهُ اَقْبَلَ اِلٰی اُمِّ كَلثُوْمٍ وَقَالَ لَهَا يَا اُخْتَاهِ اَوْصِيْكَ بِوَلَدِي الْاَصْغَرِ فَاِنَّهُ طِفْلٌ صَغِيْرٌ
وَلَهُ مِنَ الْعُرْسَةِ اَشْهُرٌ

”امام غریب و مظلوم نے تمام عورتوں میں سے جناب ام کلثوم سے فرمایا: اے بہن! میں آپ کو اپنے شیر خوار علی اصغر کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کی حالت کی رعایت کرنا اور حفاظت کرنا کیونکہ وہ مجھے ماہ کے ہیں۔“

ام کلثوم نے عرض کیا: اے بھائی! تین دن ہو گئے ہیں کہ یہ بچہ پانی اور ماں کے دودھ سے محروم ہے، لہذا بہتر ہے کہ اس بچے کے لیے قوم اشقیاء سے پانی مانگیں تاکہ اس کی تسکینی دور ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا: میرے شیر خوار بچے کو میرے پاس لاؤ۔ پس بچے کو لایا گیا اور امام کے حوالے کیا گیا۔ بچہ گھوڑے پر سوار ہوئے، عبائے مبارک کندھے پر ڈالی اور چھوٹے بچے کو اپنی عبا سے ڈھانپا تاکہ سورج کی گرمی اور حرارت سے محفوظ رہے کیوں کہ سورج کی گرمی اور خون ریزی سے پیاس میں شدت آ جاتی ہے۔

راوی کہتا ہے: طلوع آفتاب سے اس وقت تک امام کئی مرتبہ خیام میں گئے اور پھر میدان میں آئے اور ہر مرتبہ اتمام حجت کے لیے کوئی چیز اپنے ساتھ لائے۔ ایک مرتبہ قرآن لائے اور فرمایا: اے قوم! کیا یہ وہی قرآن نہیں جو مجھے جد امجد پر نازل ہوا؟ اور میں فرزند پیغمبر نہیں ہوں۔

دوسری مرتبہ رسول گرامی کا عمامہ پہن کر آئے اور فرمایا: اے قوم! کیا یہ عمامہ، زرہ اور اونٹ رسول پاک کے سر

پس؟

سب نے کہا: ہاں یہ سب نشانیاں رسول اسلام کی ہیں۔

پھر میدان میں آئے تو اپنے حسب و نسب کا اظہار کیا۔ پھر آئے تو خطبہ و نصیحت و موعظہ کر کے اتمام حجت کیا۔ یہ مرتبہ سر پر عبا کیے ہوئے میدان میں آئے۔ لوگوں نے کہا: خدا معلوم اس مرتبہ کون سی نشانی لائے ہیں۔ لشکر ابن زیاد دیکھ رہا تھا کہ اچانک حضرت نے عبا سے ہاتھ نکالے اور ایک شیر خوار بچے کو جو قد اقد میں لیٹا ہوا تھا، اس قدر بلند کیا کہ تمام لشکر و امراء نے دیکھا اور حضرت نے بلند آواز سے فرمایا: اے کوفیو! اے شامیو! اے تونو! کَیْفَ یَتَلَطَّی عَطَشًا ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ شدت پیاس سے اس کی حالت کیا ہو گئی ہے“ یعنی قریب المرگ ہے۔ فَاسْقُوا شُرْبَةً مِنَ الْمَاءِ ”اس بچے کو پانی پلاؤ۔“ کتاب منیع الدموع میں ذکر ہے کہ لشکر کے سپاہی ایک دوسرے کی مذمت کرتے تھے کہ اگر اس بچے کو ایک گھونٹ پو۔ دے دوں تو کیا ہو جائے گا؟ لشکر سے ایک ہمسہ بلند ہوا یعنی ترحم کے لیے ہائے ہائے کی آوازیں آئیں۔

ابن سعد نے سوچا کہ کہیں لشکر میں بغاوت نہ ہو جائے لہذا حرمہ کو لاکار کر کہا: اقْطَعِمْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ ”حسین کو سخت جواب دو“۔ حرمہ نے کہا: اے امیر! باپ کو جواب دوں یا بیٹے کو؟ یہ کنایہ تھا کہ باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو اپنے تیر کا نشانہ بناؤں۔

عمر بن سعد نے کہا: کیا تمہیں بچے کے گلے کی سفیدی نظر نہیں آتی؟ خرملہ اپنے گھوڑے کو ایک ٹیلے پر لایا اور چمر گھوڑے سے اتر کر تیرکمان میں رکھا۔ راوی کہتا ہے: جب تیر کے چلنے کی آواز آئی تو میں نے امام کے ہاتھ پر نگاہ کی، وہ بچہ ذبح شدہ مرغ کی طرح تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے رہا تھا۔

ابو جحیف نے لکھا ہے: فَذَبِیحَ الطِّفْلُ مِنَ الْأَذْنِ إِلَى الْأَذْنِ ”اس زہر آلود تیر نے ایک کان کے نیچے سے اُترے دوسرے کان کے نیچے تک بچے کو ذبح کر دیا۔“ پھر امام نے بچے کا خون ہاتھوں پر لیا اور آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اے میرے اللہ! گواہ رہنا کہ گویا انہوں نے منت مان لی ہے کہ ذریت پیغمبرؐ سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

ثُمَّ رَجَعَ بِالطِّفْلِ مَذْبُوحًا دَمُهُ يَجْرِي عَلَى صُدْرِ الْحُسَيْنِ

پس حضرت دلی پر حسرت سے اپنے مذبوح بنے کو واپس خیام میں لائے، ایک ہاتھ میں قداقہ تھا اور دوسرے ہاتھ سے جلد سے لٹکے سر کو پکڑے ہوئے تھے جبکہ خون علی اصغرؑ امام پاکؑ کے سینے پر جاری تھا۔ امام نے جناب ام کلثومؑ کو بلایا اور بچے کو ان کے سپرد کیا۔ بی بی پاکؑ نے ٹھنڈی آہ بھری اور پھر مین کیے اور تمام مستورات جمع ہو کر ماتم کرتی رہیں۔

شہادت علی اصغرؑ کے بارے میں فاضل در بندی کی چوتھی روایت

مرحوم در بندی لکھتے ہیں:

لَمَّا سَمِعَ هَذَا النُّوْرَ النَّبِيْرَ وَالْقَمَرُ الْمُنِيْرَ اسْتَغَاثَهُ ابْنُهُ قَطْعَ الْقِمَاطِ وَالْقَى نَفْسَهُ
”جب امام حسینؑ کے استغاثے کی آواز نور تابیاں اور ماہِ درخشاں شہزادہ علی اصغرؑ نے سنی تو اپنے قداقے کو پھاڑ دیا اور خود کو گہوارے سے زمین پر گرا دیا۔“

وَبَكَى وَضَعًا حَيْرًا بِذَلِكَ مَوْحِي وَأَرْوَاحَ الْعَالَمِيْنَ قَدَاهُ إِلَى إِجَابَةِ دَعْوَةِ ابْنِهِ فَرَجَعَ
الْإِمَامُ إِلَى نَحْوِ الْخِيَامِ وَسَمَّلَ الصَّدِيقَةَ الصَّغْرَى اعْنِي نَرْيَبُ عَنْ سَبَبِ يَلِكَ
الْحَالَةَ فَأَخْبَرَتْهُ بِمَا صَنَعَ الطِّفْلُ بَعْدَ اسْتِغَاثَتِهِ وَاسْتِنْضَادِهِ

زمین پر خود کو گرانے کے بعد بلند آواز سے گریہ و نالہ اور آہ و زاری کی اور اس طریقے سے بابا کے استغاثہ کا جواب دے رہے تھے۔“ اصغرؑ کی حالت دیکھ کر خیام میں کھرام بچ گیا۔ امام نے یہ آواز غم سنی تو خیمہ میں آئے اور جناب صدیقہ صغریٰؑ اور حضرت زینب کبریٰؑ سے خیام میں کھرام برپا ہونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے بھائی! جب سے آپؑ نے استغاثہ بلند کیا ہے اس شیر خوار نے قداقہ کے بند توڑ دیئے اور خود کو گہوارے سے گرا دیا اور رو کر کہتا ہے: بابا میں آ رہا ہوں،

اس کی یہ حالت اور آپ کی غربت پر تمام مستورات میں گریہ وزاری ہوا۔

امامؑ نے فرمایا: میرے شیرخوار بچے کو لاؤ۔

جناب علی اصغرؑ امام کے ہاتھوں پر آئے۔ حضرت نے زین پر اپنے آگے گود میں سنبھالا اور میدان کی طرف آئے۔ مرحوم طبری احتجاج میں لکھتے ہیں: جناب علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ خیام کے عقب میں گھوڑے سے اترے اور تلوار سے گڑھا کھودا اور اپنے خون آلود بیٹے اصغرؑ کو اس گڑھے میں دفن کر دیا۔ پھر بارگاہِ الہی میں رو کر عرض کیا: یہ خداوند! ہمارا انتقام ان دشمنوں سے خود لے۔

مرحوم شیخ جعفر شوسریؒ اپنی کتاب خصائص میں لکھتے ہیں: حضرت امام حسینؑ نے شہزادہ علی اصغرؑ کو دفن کیا، جب اور کسی شہید کو دفن نہیں کیا، اسی کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں:

- ① شیرخوار بچے کا دفن کرنا ایک فحش کے لیے ممکن تھا۔
- ② جنگ کے بعد دوسرے شہیدوں کی طرح شیرخوار کا سر نہ کٹے۔
- ③ دوسرے شہداء کی طرح تین دن تک دھوپ اور گرمی میں نہ پڑا رہا۔
- ④ شیرخوار بچے کا جسم پامالی سے بچ جائے۔
- ⑤ دوبارہ اس خون آلود قتلہ پر نظر نہ پڑے اور دل کو مزید دکھ نہ ہو۔

نصرتِ امامؑ کے لیے جنوں کی آمد

جناب طبریؒ منتخب میں لکھتے ہیں: جب امام حسینؑ کربلا کی سرزمین پر بے یار و مددگار اور تنہا ہو گئے تو دُشمن فوج ورفوہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کے بعد عرض کیا:

يَا حُسَيْنُ نَحْنُ أَنْصَارُكَ فَهَرَبْنَا بِأَمْرِكَ مَا تَشَاءُ فَلَوْ أَمَرْتَنَا بِقَتْلِ كُلِّ عَدُوٍّ لَكُمْ لَفَعَلْنَا
 ”کہ اے مولا حسین! ہم آپ کے مددگار اور ناصر ہیں، جو چاہے ہو ہمیں حکم دو۔ اگر آپ اپنے تمام دشمنوں کے قتل کر دینے کا حکم دیں تو ہم تمام کو قتل کر دیں گے۔“

حضرت امامؑ نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا:

جَزَاكُمُ اللَّهُ خَيْرًا إِنَّي لَا أَخَالِفُ قَوْلَ جَدِّي

”خدا تمہیں جزائے خیر دے، میں اپنے ناناؑ کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ انہوں نے مجھے یہ

فرمایا تھا:

إِنَّ اللَّهَ شَاءَ أَنْ يَرَاكَ مُقْتُولًا مَلْطَعًا بِدِمَائِكَ مَخْضَبًا شَيْبَكَ بِدِمَائِكَ مَذْبُوحًا مِنْ قَقَاكَ
”مشیئتِ خدا یہ ہے کہ تمہیں مقتول اور خون و خاک میں غلطاں دیکھے، داڑھی کو خون سے رنگین اور سر
کو پس گردن کٹتے ہوئے دیکھے۔“

پس حضرت امامؑ نے جنوں سے فرمایا: یہ میرے بارے میں خدا کی چاہت ہے، البتہ میرے ناموس اور اہل کے
بارے میں میرے پاک نانے نے فرمایا تھا:

وَقَدْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرَى حُرْمَكَ سَبَائِيًّا عَلَى اقْطَابِ الْمَطَايَا وَإِنِّي وَاللَّهِ سَأَصْبُرُ
”خدا کی چاہت یہ ہے کہ اہل بیتؑ قیدی ہو کر بے پالان اڈنوں پر سوار دیکھے۔“

اے جنوں کے سردار! میں خداوند عالم کی چاہت اور رسولؐ پاکؑ کے اشارہ پر عمل کرتے ہوئے صبر کروں گا اور شہید
ہونے کے لیے تیار ہوں اور اہل بیتؑ کے قیدی ہونے پر بھی آمادہ ہوں اور خدا اعظم الحاکمین ہے۔

لشکرِ کفر پر امام حسینؑ کا اتمامِ حجت

ابوجہف لکھتے ہیں:

ثُمَّ تَرَلَفَ نَحْوَ الْقَوْمِ وَقَالَ: يَا وَيْلَكُمْ عَلَى مَا تَقَاتِلُونِي؟ أَعَلَى حَقٍّ تَرَكْتُهُ أَمْ عَلَى
سُنَّةٍ غَيَّرْتُهَا أَمْ عَلَى شَرِيعَةٍ بَدَّلْتُهَا؟

”امام لشکرِ کفر کے پاس گئے اور فرمایا: اے سپاہِ کوفہ و شام! اے گروہِ خون آشام! میرے ساتھ کیوں
لڑتے ہو؟ میرا تصور کیا ہے؟ میرے گناہ کون سے ہیں؟ کیا کسی کا حق غصب کیا ہے یا کسی کے مال
کو پاؤں تلے پامال کر دیا ہے یا پیغمبرؐ کی شریعت کو تبدیل کر دیا ہے؟ یا دین میں میں نے کوئی
بدعت جاری کر دی ہے؟ آخر تم کیوں میرے خون کے پیاسے ہو؟“

فوجِ اہیاء نے جواب دیا:

نَقَاتْلُكَ بُغْضًا مِنْكَ لِأَبِيكَ يَا حُسَيْنَ

”اے حسین! ہم تم سے جنگ بھی کریں گے اور تمہارا خون بھی بہائیں گے۔“

کیونکہ ہم سب کے دلوں میں تمہارے بابا علیؑ کا بغض موجود ہے، علیؑ نے ہمارے والدین کو قتل کیا ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَ صَلَوَاتِ اللَّهِ عَلَيْهِ كَلَامَهُمْ بَكَى بُكَاءً شَدِيدًا فَجَعَلَ يَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَلَمْ يَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ وَانْصَارِهِ إِلَّا مَنْ صَافَعَ التُّرَابَ جَبِينَهُ وَقَطَعَ الْحَمَامَ أُنَيْنَهُ ”جب امامؑ نے ان کی بات سنی تو بہت بلند آواز سے روئے، دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی یار و مددگار نظر نہ آیا مگر وہی نظر آئے جن کی جبینوں پر مٹی اور جسموں سے روح نکل چکی تھی۔“

پس دہی دل سے بلند آواز سے فرمایا:

يَا مُسْلِمُ بْنُ عَقِيلٍ يَا هَانِي عَزْوَةَ ، يَا حَبِيبُ بْنُ مَظَاهِرٍ ، يَا نَهْهِيْرُ بْنُ قَيْنٍ ، يَا يَزِيدُ بْنُ مَظَاهِرٍ ، يَا حَبِيبِيْنَ بْنِ كَثِيْرٍ ، يَا هَلَالُ بْنُ نَافِعٍ ، يَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْحَصِيْنِ ، يَا عَمِيْرُ الْمَطَاعِ ، يَا اسْدَ الْكَلْبِيّ..... اِلَى اٰخَرِ

کسی نے جواب نہ دیا، پھر اپنے اقارب کو ندا دی اور فرمایا: اے علیؑ بن الحسینؑ! اے میرے رشید جوان، اے میری اُمید، اے علیؑ اکبرؑ! اُٹھو اور اپنے غریب بابا کی حالت زار کو دیکھو، اے میرے علمدار، اے میری پشت پناہ، اے میرے بھائی عباسؑ! اُٹھو میری غریبی اور بے کسی کی حالت دیکھو، ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو پھر فرمایا:

مَا لِي اَنَا دِيْكُمُ فَلَا تُجِيبُوْنِي وَاَدْعُوْكُمْ فَلَا تَنْتَصِرُوْنَ

اے میرے یار و انصار! اے میرے روحانی مددگارو! میں تمہیں پکارتا ہوں تم جواب نہیں دیتے۔“
(وہ عاشورؑ تو کہتے تھے، ہم اکیلے چھوڑ کے نہیں جائیں گے) ”میں بلاتا ہوں تم میری مدد کو نہیں آتے؟“
اَنْتُمْ يٰنَا مَرَّجُوْكُمْ تَنْتَبِهُوْنَ

”تم سوئے ہوئے ہو تو میری خواہش ہے کہ بیدار ہو کر میری غربت کی حالت کو دیکھو۔“

اَمْ مَالَتْ مَحَبَّتُكُمْ عَنْ اِمَامِكُمْ

”کیا تمہاری محبت اپنے امامؑ سے کم ہو گئی ہے اور دلوں سے امامؑ کی الفت ختم ہو گئی ہے جو جواب نہیں دیتے؟“

هَذِهِ بَنَاتُ الرَّسُوْلِ لِفَقْدِكُمْ قَدْ عَلَاهُنَّ النَّحُوْلُ

”اے میرے عزیزو! خاک سے سراٹھا کر اہل بیتؑ کی نالہ و زاری، آہ و بے قراری کی جینیں سنو کہ تمہارے لیے گریہ کر رہے ہیں، تمہارے فقدان کی وجہ سے نالہ زاری بلند ہے کیونکہ تم ہی تو تھے جو

کہتے تھے: جب تک ہم زندہ ہیں ہم اہل بیت کی حفاظت اور حمایت کریں گے اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان کو ردنا چھوڑ کر خود چلے گئے اور آرام سے سو گئے۔“

قَوْمُوا عَنْ نَوْمَتِكُمْ أَيُّهَا الْكَرَامُ ۖ وَارْفَعُوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ الطُّغَاةَ اللَّئَامَ
”اٹھو! نیند کو چھوڑو! رسول خدا کی اولاد کو ان کافروں اور فاسقوں کے ظلم سے نجات دو اور عترت پیغمبر سے ان کے شر کو دور کر دو۔“

پس حضرت نے اپنی کرامت، شرافت اور وسیع عنایت سے زبان شہداء سے معذرت کی اور یوں فرمایا: اے عزیزو! سوتے رہو سونا اب تمہارا حق بھی ہے۔

صَرَاعُكُمْ وَاللَّهِ رَيْبُ الْمُنُونِ وَغَدَا بِكُمْ الدَّاهِرُ الْخُنُونُ ۖ إِلَّا لَمَّا كُنْتُمْ عَنْ دَعْوَتِي تُقْصِرُونَ وَلَا عَنْ نُصْرَتِي تَحْتَجِبُونَ
”کیونکہ خدا کی قسم! زمانے نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے، خیانت کا زمانے نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے، ورنہ تم ایسے صحابہ نہ تھے کہ حسین کو تنہا چھوڑ دیتے اور ناموس پیغمبر کو دشمنوں کے سپرد نہ دیتے۔“

فَهَا نَحْنُ عَلَيْكُمْ مُفْتَخِعُونَ وَبِكُمْ لَاحِقُونَ
”پس آگاہ رہو کہ میں بھی تمہاری طرح سے ان بیانات رسول اور نوجوان بیٹیوں کے غم میں بہت دکھی ہوں اور مجبور ہوں کہ میں بھی ان کو تنہا چھوڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔“

ثُمَّ صَفَقَ صَفَقَةً وَقَالَ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ
پھر حضرت امام نے افسوس کے ہاتھ ملے اور کلمہ استرجاع پڑھا اور پھر اپنے اصحاب و فاکا مرثیہ پڑھتے رہے۔“

خاص آلِ عبا کا مبارزہ اور اظہارِ شجاعت

حضرت کے اتمامِ حجت کے بعد جب کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی سرکشی میں اضافہ ہوا تو امام نے عمر بن سعد سے فرمایا:

أَخِيرُوكَ فِي ثَلَاثِ خِصَالٍ

”میں تجھے تین کاموں میں اختیار دیتا ہوں ان میں سے ایک کو اختیار کرو۔“

ابن سعد نے کہا: وہ تین کام اور خواہشیں کیا ہیں؟

حضرتؓ نے فرمایا: تین کام یہ ہیں:

یا مجھے چھوڑ دو تا کہ اپنے اہل بیت کو ساتھ لے کر روضہ رسولؐ پر چلا جاؤں یا پھر شدتِ پیاس کی وجہ سے میرا جگر اور لب خشک ہیں، مجھے پانی دے دو یا میدانِ جنگ میں میرے مقابل ایک ایک شخص آئے۔

عمر بن سعد نے کہا: آپؐ کی تیسری خواہش پر عمل کروں گا اور اس پر امامؑ کا ابن سعد سے معاہدہ ہوا۔
مرحوم مجلسیؒ نے بحار الانوار میں لکھا ہے:

ثُمَّ دَعَى النَّاسَ إِلَى الْبَرَاءِ

”یعنی امامؑ بغیر فوج کے میدان میں گئے اور مبارزتِ طلبی کی اور جز میں اپنے حسب و نسب کو بیان کیا:

ثُمَّ وَقَفَ قِبَالَ الْقَوْمِ وَسَيْفُهُ مُصَلَّتٌ أَيْسَارًا مِنَ الْحَيَوَاةِ غَائِبًا عَنِ الْمَوْتِ

”یعنی پھر امامؑ سپاہِ کوفہ و شام کے مقابل آئے۔ آپؑ نے تلوار کو غلاف سے نکالا ہوا تھا، زندگانی سے مایوس تھے، موت کے لیے تیار تھے تو اس حالت میں امامؑ نے قوم کو خطاب کیا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ قُبْحًا لَكُمْ وَنَرَحًا وَبُؤْسًا وَتَعَسًا فَحِينَ اسْتَصْرَخْتُمُونَا وَالْهَيْئِ
فَأَتَيْنَاكُمْ مَوْجِفِينَ..... الخ

”اے بے وفا کوفیو! تم پر افسوس ہے کہ اس قدر مجھے ذلیل و خوار کرنے پر اتر آئے ہو، قیامت کے عذاب سے بچو! جو تمہیں کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے تاکہ بروز قیامت تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نہیں جانتے تھے۔“

پھر امامؑ نے مبارزہ طلب کیا۔

روضۃ الشہداء میں ملا حسین کا شفی نے لکھا ہے کہ دشمن کی فوج سے حمیم بن قحطبہ جو شام کا مشہور شجاع تھا، وہ آیا اور کہا: اے فرزندِ ابو تراب! کب تک دشمنی کرو گے، تمہارے سب فرزندانِ شہید ہو گئے ہیں اور تمام یار و انصار اور غلام تمہیں چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ابھی تک جنگ کرتے ہو۔ ایک تمہا شخص کیسے ۲۰ ہزار کا مقابلہ کرے گا؟

امام حسینؑ نے فرمایا: اے شامی! کیا میں تم سے جنگ کرنے آیا ہوں؟ یا تم مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟ میں نے ترستہ راستہ روکا ہے، یا تم نے میرا راستہ روکا ہے؟ تم نے میرے بھائی، بیٹے اور انصار سب قتل کر دیے ہیں۔ اب میرے ہاتھ درمیان تلوار چلنے کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ پس زیادہ بکواس مت کرو اور جس کام کے لیے آئے ہو وہ کرو۔ یہ کہہ کر۔۔۔

ایک نعرہ لگایا کہ لشکریوں میں سے کافی لوگوں کے دل بیٹھ گئے اور یہ تہی خاموش کھڑا رہا۔ جیسے اُس کے ہاتھ شل ہو چکے ہوں۔ امام نے اس کی گردن پر تیغ چلائی جس سے اس کا سر پچاس قدم دُور جا پڑا۔ پھر لشکر پر حملہ کیا تو آپ کی تلوار کی ضرب اور ہاتھ کی ضرب سے لشکر گھبرا گیا۔ یزید اُٹھی نے لشکر کو لکارا۔ اے بے ہمت اور بے غیرت لوگو! تم سب گھبرا گئے ہو، اب دیکھو میں تمہا کس طرح یہ کام کرتا ہوں۔ پھر اسلحہ لگا کر امام حسینؑ کے سامنے آیا۔ یہ شخص شام، عراق، مصر، روم کے علاقوں میں بہت مشہور جرات مند، دلیر اور بہادر تھا۔ سپاہ عمر نے جب اس یزید اُٹھی کو امام حسینؑ کے مقابل دیکھا تو خوشی سے ایسے نعرے لگائے کہ اہل بیتؑ ان نعروں کی آوازوں سے گھبرا گئے۔

فَلَمَّا رَأَاهُ نَزَعَتْ عَلَيْهِ رَعَقَةً عَلَوِيَّةً وَحَمَلَ عَلَيْهِ حِمْلَةً هَاشِمِيَّةً

جب وہ امام حسینؑ کے مقابل آیا تو امامؑ نے اسے لکارا، کیا تم مجھے نہیں جانتے، اس طرح گستاخی کر کے میرے مقابل

آئے ہو؟

اُٹھی نے جواب نہ دیا اور امام حسینؑ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ حیدر کرارؑ کے فرزند نے ذوالفقار نیام سے نکالی اور اس کی کمر پر ایسی ضرب لگائی کہ تازہ کھیرے کی طرح دو ٹکڑے ہو گیا۔ لشکر حضرت امامؑ کے ہاتھوں کی طاقت اور تلوار کی ضربات سے حیران ہوا اور ہر طرف سے الخدر الخدر کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ امام عالی مقامؑ میدان میں گھوڑے کو جولان دیتے اور مبارزہ طبعی کرتے رہے۔

مرحوم سید ابوہریرہؓ میں لکھتے ہیں:

كَانَ يَقْتُلُ كُلَّ مَنْ بَرَزَ إِلَيْهِ حَتَّى مَقْتَلَهُ عَظِيمَةً

”کہ جو بھی امامؑ کے مقابل آیا اسے امامؑ نے قتل کر دیا حتیٰ کہ امامؑ نے بہت سے یزیدی لشکریوں کو قتل کیا۔“

پھر مہینہ پر حملہ کر دیا اور فرمایا:

الْمَوْتُ خَيْرٌ مِنْ رَاكِبٍ الْعَارِ

وَالْعَارُ أَوْلَى مِنْ دُخُولِ النَّارِ

”کہ موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے اور ذلت جہنم میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔“

جب میسرہ پر حملہ کیا تو پھر رجز پڑھ رہے تھے:

”میں حسین بن علیؑ ہوں، اپنے بابا کے مشن کو آگے چلاؤں گا اور میں دین مصطفیٰؐ پر چل کر عترتِ نبویؐ

کی حفاظت کرتا رہوں گا۔“

صاحبِ منتہی الآمال لکھتے ہیں: بعض روایات نے کہا ہے: خدا کی قسم! ہم نے ایسا شخص آج تک نہیں دیکھا، جس کا ہر نے احاطہ کر رکھا ہو، اس کے بھائیوں، بیٹوں، مددگاروں کو قتل کر دیا گیا ہو۔ اس کے اہل بیت محصور ہو کر رہ گئے ہوں۔ پھر بھی امام حسینؑ کا سا زیادہ شجاع ہو، کیونکہ ان ناگفتہ بہ حالات میں امام حسینؑ نے وہ شجاعت کے جوہر دکھائے کہ توسل علیؑ کی شجاعت بھول گئی۔

تمام مصائبِ امامؑ کے دل پر اور پھر نفسی، گرمی کی شدت، زخموں کی کثرت کے باوجود گردِ اضطراب اور اضطراب کے دامن پر نہ بیٹھی اور کسی قسم کے تزلزل کے آثار ان کے وجود پر نظر نہ آئے۔ اسی حالت میں آپؑ ضریں لگاتے اور دشمن قتل کرتے جا رہے تھے۔ کبھی بہت بہادر سپاہی حضرتؑ پر حملہ کر دیتے تو ان کو ایسا جواب دیتے۔ وہ اُن بھیڑیوں کی طرف بھاگتے نظر آتے جن کو اپنے شکار ہو جانے کا ڈر ہو یعنی لشکرِ ابنِ سعد امامؑ کے حملہ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے۔ پھر دوسرے تیس ہزار کا لشکر جمع ہو جاتا تھا اور ایک دوسرے کی پشت کو مضبوط کرتے تھے لیکن جب امامؑ حملہ کرتے تو مکرپوں کے منتشر ہونے کی طرح اُڑتے اور بھاگتے جاتے اور اطرافِ دشمن سے خالی ہو جاتے۔ آپؑ قلبِ لشکر سے اپنے مرکز کی طرف دیکھتے دیکھتے کلمہ مبارکہ پڑھتے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

مرحوم قزوینی ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں:

وَنَمَثَلُ مَفْرَقَةَ الشَّرِيفِ إِلَى الْقَدَمِ بِالنَّاقِمِ مِنَ الدَّمِ يَرَى شَخْصَهُ فِي الْجَوْلَانِ كَأَنَّهُ شَجَرَةُ الْأَرْجَوَانِ

”امامؑ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک خون سے لت پت تھے، حرکت اور جولان دیتے وقت حضرتؑ کے قدم و قامت ارغوان کے درخت کی شاخوں کی طرح رنگین ہوتے۔“

وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يَطْلُبُ الْمَاءَ

”اس کے باوجود کہ حضرتؑ اپنی پیاس کی شدت کا ذکر فرماتے تھے۔“

سورج کی گرمی، حرکت کی گرمی، اسلحہ کی گرمی، روزہ دار چہرہ، کثرتِ زخم، شبِ عاشور کی بیداری، بچوں اور اہل بیتؑ دکھ درد، جوانوں کی شہادت کا داغ، سب نے حضرتؑ کو اس قدر غمِ حال کر دیا کہ حضرتؑ کو یہ دنیا دھوئیں کی طرح (دہم و خیال) نظر آتی تھی۔

عمر سعد کی عہد شکنی

روزِ عاشور ابن سعد نے دوسرے امام سے عہد شکنی کی اور اپنی خیانت، خیانت کا اظہار کیا۔ پہلے اس وقت عہد توڑا کہ جب قلمبر عاشورہ سے پہلے طرفین کے درمیان عہد ہوا تھا کہ لشکرِ اسلام لشکرِ ابن سعد کے ساتھ ایک ایک کر کے جنگ کرے گا، یعنی ایک ایک شخص دونوں طرف سے میدان میں نکلے گا اور دونوں باہم لڑیں گے۔ اس معاہدہ پر کچھ دیر تک عمل ہوتا رہا لیکن جب ابن سعد کے لشکر نے دیکھا کہ اس قلیل لشکر کا جو سپاہی بھی آتا ہے جب تک کثیر سپاہیوں کو قتل نہ کر لے مارا نہیں جاتا تو خسر ابن سعد سے عمرو بن جراح زبیدی نے لاکارا:

يَا حَقِي أَتَدْرُونَ مَنْ تُقَاتِلُونَ ، تُقَاتِلُونَ قَوْمًا مُسْتَمَنِّينَ لَا يَبْدُرُ مِنْكُمْ أَحَدٌ

”اے احمق! تم جانتے ہو کہ کن لوگوں سے لڑ رہے ہو؟ یہ اہل جراح ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں

جن کی تمنا (محض) شہادت ہے۔“

یہ وہ لوگ ہیں کہ میدانِ رزم کو مجلسِ بزم سمجھتے ہیں، روزِ جنگ کو شبِ زفاف جانتے ہیں۔ تم اس قوم سے اس عہد پر عمل نہیں کر سکتے لہذا یہ عہد توڑ دو اور اب تم ایک ایک میدان میں نہیں جاؤ گے، صبر کرو کہ جب حسینؑ کا کوئی صحابی بھی میدان میں آئے تو بجائے ایک ایک نکلنے کے یکبارگی ہر طرف سے حملہ کرنا ہے، پس عہد توڑ دیا گیا۔

دوسری مرتبہ اس وقت عہد توڑا گیا جب ابن سعد نے امام حسینؑ سے عہد کیا تھا کہ اپنے لشکر سے ایک ایک بہادر کو امام سے مقابل بھیجے گا لیکن جب چند شجاع اور نامور مثلاً حمیم بن قحطبہ اور یزید ابطحی وغیرہ امام حسینؑ کے ہاتھوں حیرت انگیز طریقے سے واصلِ جہنم ہو گئے تو شمر غضب ناک ہوا اور ابن سعد کو ملامت کر کے کہا: یہ کیا عہد ہے جو حسینؑ سے کیا ہے؟ اگر دنیا کے ور سے عالم کے ختم ہونے تک تمام روئے جہان کے مبارز امام حسینؑ کے مقابل جاتے رہے تو تمام گروہ ہلاک ہوتے جائیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنے عہد و پیمان کو توڑ اور حکم جاری کر کہ اب لشکرِ یکبارگی امام حسینؑ پر حملہ کر دے اور اُن کا کام تمام کر دے۔

ابن سعد نے شمر کی تجویز کو قبول کیا اور حکم جاری کیا کہ تمام لشکرِ تلوار، نیزہ، خنجر، تیر، پتھر، لکڑی، عمو، گرز، کلنگ، سا طور وغیرہ سے امام مظلومؑ پر حملہ کر دے، لہذا ان ملائین نے چاروں طرف سے امامؑ پر حملہ کر دیا اور بارش کے قطرات کی طرح زہرِ حرب امامؑ کے سر، چہرے اور بدن پر برس رہے تھے۔

حمید بن مسلم کوئی کہتا ہے:

قَوَّ اللَّهُ مَا رَأَيْتُ مَكْشُورًا قَطُّ وَقَدْ قُتِلَ وَلَدُهُ وَأَهْلُ بَيْتِهِ وَأَصْحَابُهُ أَرْبَطُ جَاشًا وَلَا

اَمْضِیْ جَنَآئِا مِنْه

”خدا کی قسم! میں نے عالم کائنات میں امام حسینؑ سے زیادہ دل شکستہ نہیں دیکھا۔ جس کے بھائی، بیٹے اور انصار شہید ہو چکے ہیں لیکن جنگ کے وقت قوتِ قلب اور ثباتِ قدم اس قدر زیادہ ہے کہ مثال نہیں ملتی۔“

مرحوم سید لہوف میں فرماتے ہیں:

حَتّٰی قَتَلَ مِنْهُمْ قَتْلَةً عَظِیْمَةً یَنْهَیْ مُوْنَ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ كَانَتْهُمْ الْجُرَآذُ الْمُنْتَشِرُ
”حضرتؑ نے اس قدر دشمنوں کو قتل کیا کہ کشتوں کے پٹے لگا دیئے اور لشکر آپؑ کے حملہ سے اس طرح پراگندہ ہو گیا جیسے مگڑی بیابان میں پراگندہ ہو جاتی ہے۔ زمین پر بلا دشمنوں کے وجود سے خالی ہو گئی۔ حضرتؑ اپنے مرکز پر نیزہ پر ٹیک لگائے ذرا ٹھٹکی دُور کر رہے تھے کہ دشمن کا لشکر دربار ابن سعد کے لکارنے اور شمر کے دُشنام کرنے پر جمع ہو گیا اور چاروں طرف سے حضرتؑ پر حملہ کر دیا۔ حضرتؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے یحییٰ و یسار پر ایسا حملہ کیا کہ سر گیند کے مثل اُچھلنے لگے اور خون ندی کے مثل جاری تھا۔“

اگرچہ لشکر نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا لیکن اس قدر شجاعت سے جنگ کی کہ زین پر بیٹھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے کہ ہر شخص حضرتؑ کو اپنے سامنے دیکھتا تھا۔ اس لیے ایک زخم بھی حضرتؑ کو پشت پر نہ لگا۔
امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے جدِ حسینؑ پر جس قدر زخم تھے وہ سب جسم کے اگلے حصے میں تھے یَئَر حضرتؑ نے دشمن کو کبھی پشت نہیں دکھائی البتہ ایک زخم جو سامنے سے تھا اتنا گہرا تھا کہ پشت کی طرف بھی سوراخ ہو گیا اور وہ شُعبہ تیر کا زخم تھا جو حضرتؑ کے سینے میں لگا۔ اس تیر کو جس قدر کوشش کی آگے سے نکالیں وہ سہ شُعبہ ہونے کی وجہ سے نہ نکال سکتے تھے۔
تو مجبوراً اُس کو پشت سے نکالا گیا۔

پس امام حسینؑ نے چند گھنٹوں میں اس قدر دشمنوں کو قتل کیا کہ ضعیف فہم اور ناقص عقول عوام اس کا انکار کرتے ہیں۔ ایک شخص اس قدر کیسے قتل کر سکتا ہے؟

صاحب مناقب کی روایت کے مطابق امام حسینؑ نے بارہ حملے کیے اور ہر حملہ میں دس ہزار ملائین سے زیادہ کو جنت پہنچایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بے نظیر ولیعہدِ امامؑ نے ان حملوں میں اٹھارہ ہزار بے دینوں کو واصلِ جہنم کیا۔
طریقی مرحوم نے مغرب میں لکھا ہے:

فَتَّارَةً يَحْمِلُ عَلَى السَّيْمَةِ وَأُخْرَى عَلَى السَّيْمَةِ حَتَّى قَتَلَ مَا يَزِيدُ عَلَى عَشْرَةِ

الْأَلْفِ فَارْسٍ

”آپ بھی مینہ پر حملہ کرتے اور بھی سپرہ پر، حتیٰ کہ دس ہزار سوار سے زیادہ ملائین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔“

مرحوم مجلسی نے تمام اربابِ مقاتل سے کم تر تعدادِ مقتولین نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نے زخموں کے علاوہ نو صد چھوٹے ملائین کو بہ تیغ کیا۔ اس وقت ابنِ سعد نے سمجھا کہ اس کائنات میں کسی کی جرأت اور طاقت نہیں کہ امام حسینؑ سے جگ کرے اور اگر اس طرح جگ رہی تو تمام لشکر باری باری ختم ہو جائے گا۔

فکلی کی وجہ سے ضعف اور کمزوری

صدر قزوینی مرحوم اپنی کتاب حدائق الانس میں لکھتے ہیں: جو کتبِ مقاتل کی عبارتوں سے مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ نہ امکن حضرت امام حسینؑ جب تک سوار اور مشغول جنگ رہے تلوار کی ایک ضرب بھی جسم مبارک پر نہ لگی البتہ تیر، نیزہ، چمر، عود کے زخم بدن پر زیادہ تھے اور تیر کی کثرت زہ کے حلقوں میں بیوست تھی اور بدنِ اطہر کا کوئی مقام زخم سے خالی نہ تھا۔ سین اس وقت تک تلوار کا ایک بھی زخم جسم پر نہ لگا تھا کیونکہ کسی کو جرأت نہ تھی کہ نزدیک آئے اور تلوار کی ضرب لگائے۔

وَالسَّهَامُ يَأْخُذُهُ مِنْ كُلِّ نَاجِيَةٍ وَهُوَ يَتَّقِيهَا بِصُدْرِهِ وَنَحْوِهِ وَيَقُولُ يَا أُمَّةَ السُّوءِ
بِئْسَ مَا خَلَقْتُمْ مُحَمَّدًا فِي عِزَّتِهِ

”جب کہ تیر بارش کی طرح ہر طرف سے آتے تھے اور امامؑ ان تیروں کو اپنے سینے، چہرے اور گلے میں برداشت کرتے رہے اور فرماتے کہ تم بہت بُری اُمت ہو، تم نے اپنے پیغمبرؐ کی عزت سے بُرا سلوک کیا ہے۔“

حضرتؑ نے جس قدر بھی نصیحت فرمائی کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ ان کی بے شرمی اور بے حیائی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت امامؑ میں جس قدر قوت و قدرت تھی اُس کے مطابق جہاد میں سُستی نہ کی بلکہ فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلْ حَتَّى أَصَابَتْهُ جَرَاحَاتٌ عَظِيمَةٌ قَدْ ضَعُفَ عَنِ الْقِتَالِ مسلسل جنگ و جدال، قتل و قتل میں مشغول رہے حتیٰ کہ زخموں کی کثرت اور زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری اور ضعف ہونے لگا۔ اس کمزوری کی حالت میں مالک ابنِ النضر الکندی ملعون ڈرتے ڈرتے قریب آیا اور امامؑ کا استحان لینے کی خاطر پہلے گالی بکی (استحان اس چیز کا لیا کہ شاید امام حسینؑ کمزور نہ ہوں بلکہ

محض کمزوری کا اظہار کر رہے ہوں اور اچانک حملہ کر دیں اور میں جہنم واصل ہو جاؤں) جب اس ملعون نے دیکھا کہ وہ جواب دینے کا حال بھی نہیں ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ حضرتؑ میں قوت اور قدرت جنگ کمزور پڑ گئی ہے اس لیے اس نے وضو نہ کیا، زہر آلود تلوار غلاف سے نکالی اور اس قدر ترور سے تلوار حضرتؑ کے سر اقدس پر ماری کہ سر پر موجود نمٹ نہ دھسے ہو گئے اور عمامہ سر سے گر پڑا اور سر سے آبرو تک شکاف ہو گیا۔ حضرتؑ نے اُسے بدعا کی کہ اس ہاتھ سے نہ۔۔۔ نہ ہے۔

صاحبِ فہم مقام لکھتے ہیں: مالک بن النسر الکندی قریب آیا۔ اُس نے امامؑ کو گالی دیکی اور تلوار کی ضرب پر سر مبارک پر آبرو تک شکاف ہو گیا۔ حضرتؑ نے زخم کو کپڑے سے باندھا اور دوسرا عمامہ اس پر باندھا اور بدعا کی:

لَا اَكَلَتْ بَيْمِينِكَ وَلَا شَرِبَتْ بِهَا وَحَشَرَكَ مَعَ الظَّالِمِينَ

”اس ہاتھ سے نہ کھائے گا نہ پیے گا اور تجھے خدا ظالموں کے ساتھ محشور کرے گا۔“

امام علیہ السلام کی بددعا کے اثر سے اس کے ہاتھ خُل ہو گئے گویا کہ لکڑی کے ہوں اور مسلسل فقیر ہوتا گیا اور اپنی حالت میں واصل جہنم ہوا۔

مرحوم مجلسیؒ فرماتے ہیں: حضرتؑ کے عمامے کے نیچے ایک ریشمی ٹوپی تھی۔ کندی نے وہ ٹوپی چرائی۔ جنگ کے بعد آکر اُس نے بیوی سے طشت مانگا اور ٹوپی کو دھونے میں مشغول ہو گیا۔ طشت خون سے پُر ہو گیا۔ اس کی بیوی نے رونا شروع کیا اور کہا: ہائے افسوس تجھ پر کہ فرزندِ بغیرِ قتل کیا اور ان کے سر کی ٹوپی کو چدرا کر گھرا لیا ہے۔ خدا کی قسم! اب اس گھر سے رہوں گی۔

منتخبِ طریقی میں ہے کہ وہ ظالم اٹھا اور عورت کے پیچھے آیا، چاہتا تھا کہ طمانچہ مار کر عورت کو واپس لائے۔ آخر اس کے ہاتھ جسم سے کٹ گئے اور حضرتؑ کی بددعا پوری ہو گئی۔

اہلِ حرم سے امام حسینؑ کا دوسرا وداع

اربابِ مقاتل کی کتب سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ روزِ عاشورہ امام حسینؑ نے اہلِ حرم سے دو مرتبہ الوداع کیا۔ حافظی کی۔ اگرچہ امام علیہ السلام کئی مرتبہ خیام میں آئے اور میدان میں گئے لیکن باقاعدہ وداع دو مرتبہ کیا اور دوسری مرتبہ حرم سے گفتگو کی اور یہ وداع اس وقت کیا جب میدان میں جہاد کر کے تھکنی کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے اور جسم پر کثیر زخم ہوئے تھے، اور سر اقدس بھی مالک ابن النسر الکندی کی تلوار کی ضرب سے شکافتہ ہو چکا تھا اور حضرتؑ تنگ سر خیام اہلِ

میں آئے اور اہل حرم سے ایک رومال کے ذریعے زخم کو بندھوایا اور اوپر عمامہ باندھ دیا۔ آپ کا چہرہ خون آلود تھا، اسی حالت میں فرمایا:

يَا تَرَيْنَبْ يَا اُمَّ كَلْتُوْمٍ يَا سَكِيْنَةً يَا رُقَيْئَةً يَا فَاطِمَةَ عَلَيْكُنَّ مِیْنِ السَّلَامِ

جب اہل حرم کی نگاہ حضرت کے خون آلود چہرے پر پڑی تو سب نے گریہ کیا کیونکہ اہل حرم نے پہلے وداع میں امام کو صبح و سالم دیکھا تھا؛ لیکن اس دفعہ دیکھا تو سر مبارک شگافہ تھا، پہلو زخمی تھا، سینہ جلا ہوا تھا، بدن کانپتا تھا، دل مجروح اور تمام اعضاء و جوارح سے خون جاری تھا۔

سب سے پہلے جس ہستی نے اٹھ کر امام کا استقبال کیا اور امام کے پاس آئیں وہ جناب نذیب سلام اللہ علیہا تھیں۔ آپ بھائی کے پاؤں میں گر گئیں اور رو کر فرمایا:

اُخِي يَا اُخِي يَا خَيْرَ ذَخِرٍ فَقَدْتُهُ وَاَنْفُسَ شَيْءٍ صَانِنِي مِنْهُ نَافِسٌ
”اے بھائی! اے بہن کے بہترین ذخیرہ بھائی! آج آپ میرے ہاتھ سے جا رہے ہو اور آج میں
آپ جیسے جواہر کو کھو رہی ہوں۔“

اُخِي الْيَوْمَ مَاتَ الْمُصْطَفَى وَوَصِيُّهُ وَلَمْ يَبْقَ لِلْإِسْلَامِ بَعْدَكَ خَارِسٌ
”میرے برادر! حقیقت میں آج پیغمبر خدا، علی مرتضیٰ دنیا سے جا رہے ہیں۔ آپ کے بعد دین
اسلام کا نگہبان کون ہوگا؟“

اُخِي مَنْ لِأَطْفَالِ النَّبُوَّةِ يَا اُخِي وَمَنْ لِلْيَتَامَى إِنْ قَضَيْتَ نَوَاسِرَ
”میرے بھائی! آپ کے بعد ان بچوں کا نگہبان کون ہوگا؟ اور ان یتیموں کی سرپرستی کون کرے
گا؟“

پھر جناب ام کلثوم آئیں، اپنے بھائی کے دامن کو پکڑا اور گریہ و زاری سے عرض کیا:

قَدْ كُنْتُ لِي ذَخِيرًا وَلَكِنْ الْفَتَى أَبَدًا إِلَيْهِ حِمَامَهُ مَجْلُوبٌ
فَالآنَ بَعْدَكَ ظَلٌّ مَجْدِي قَالِصٌ وَلِمَاءَ وَجْهِي حِفَّةٌ وَنُضُوبٌ
”اے بے کسوں کی پناہ گاہ! ہم پر رحمت کا سایہ آپ تھے، اب آپ کا سایہ ختم ہو رہا ہے اور ہماری
عظمت برباد ہو جائے گی۔ ہمیں آپ کے بعد زندگی کی کوئی خواہش نہیں، پس رو رو کر مرجائیں
گے۔“

پھر جناب سیکنہ خاتون سلام اللہ علیہا نے دیکھی اور بے درد انداز میں بابا کے دامن سے پکڑا اور سوز و گداز سے عرض کیا:

أَبِي يَا أَبِي مَا كَانَ أَسْرَعَ فُرْقَتِي لَكَ يَا فَمَنْ لِي بَعْدَكَ الْيَوْمَ يُكَفَّلُ
وَمَنْ لِلْيَتَامَى بَعْدَ فَقْدِكَ سَيِّدِي وَمَنْ لِلْيَتَامَى كَافِلٌ وَمُكْفَلٌ
”اے بابا جان! ابھی میری قیمتی کا وقت نہ تھا، آپ کتنی جلدی مجھ سے جدا ہو رہے ہیں؟ آپ کے بعد ان یتیم گان کا جو دشمنوں کے درمیان محصور ہیں، کون نگہبان ہوگا؟“

فَعَذَّبَ حَيَاتِي بَعْدَ فَقْدِكَ وَالْيَدِي وَمَا دُمْتُ حَتَّى لِلْيَتَامَى حَنْظَلٌ
بابا جان! جب تک آپ کا پرہیزگار سایہ رہا، ہماری زندگی میٹھی (خوش گوار) اور اچھی تھی، اب ہماری زندگی تلخ اور نامناسب ہوگی۔“

اسی طرح باقی تمام مخدرات عصمت نے امام کے گرد ہالہ ڈالا ہوا ہے جیسے پانچ ستارے عطار، زہرہ، مرغ، مشتری، زحل، چودھویں کے چاند کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ تمام مستورات مضطرب، پریشان، کانپتی ہوئی اور سہمی ہوئی تھیں کہ چند ساعت کے بعد ہم پر کیا کیا مصیبتوں کے پہاڑ آنے والے ہیں۔ ان تمام کی پناہ گاہ تو امام تھے جو ابھی جا رہے تھے۔
چونکہ خواتین تھیں، کسی نے امام کے دامن کو پکڑا، کوئی امام کا طواف کر رہی تھی، کوئی ٹنگن چہرے سے آنسو بہا رہی تھی، کوئی ماتم کر رہی تھی، غرض اس قدر غم و غلغلہ تھا کہ ملائکہ میں بھی گریہ برپا ہو گیا۔ حضرت کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتے تھے اور مسلسل آنسو جاری تھے۔

امام ان مخدرات اور بچوں کی مظلومیت اور غربت پر گریہ فرما رہے تھے اور اہل بیت امام کی غربت اور مظلومیت، تنہائی اور خون آلود جسم پر رو رہے تھے۔ ایک قیامت برپا ہو گئی تھی کہ سوائے خدا کے اس پر حقیقتاً کوئی واقف نہیں اس لیے وداع دوم کو بڑے مصائب میں شمار کیا گیا ہے۔

بہر صورت امام اب تو خیام میں ٹھہر سکتے تھے اور نہ میدان میں جا کر جنگ کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ اگر خیمے سے باہر جاتے تھے تو مخدرات لپٹ جاتی ہیں اور باہر نہیں آنے دیتی تھیں۔ اگر خیمہ میں ٹھہرتے ہیں تو لشکر بے حیائی کرتا ہے اور خیام کی طنابوں کے قریب آتا جا رہا ہے اور آوازے لگاتا ہے کہ اے حسین اکب تک خیام میں رہو گے؟ کیوں باہر نہیں آتے؟ ہم گرمی میں تمہارے انتظار میں کھڑے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: میں یہاں ہوں کہیں چلا تو نہیں گیا، ابھی آ رہا ہوں، پھر خود کو مخدرات سے باہر نکالا اور سفارش کی کہ رونے کی آواز بلند نہ ہو، کیوں کہ تمہارا رونا دشمن کی شامت کا باعث ہوگا، لیکن اگر میری شہادت کے بعد گریہ و زاری بلند

ہوئی تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

شیخ جعفر شوسترؒی خاصائص میں لکھتے ہیں: جب امامؑ نے مستورات کو خاموش کیا اور بہنوں کو مبر و سکوت اور بچوں کی دیکھ بھال کی وصیت فرمائی تو جنابِ ننب سلام اللہ علیہا نے جو اپنا گریہ روک نہ سکتی تھیں اور بہت داغ دیدہ تھیں، جب دیکھا کہ امامؑ کی مرضی ہمارے مبر و سکوت میں ہے تو عرض کیا: بھائی جان! میں مبر کروں گی، مگر یہ کو اپنے گلے میں روکتی رہوں گی، خیمہ ہی میں بیٹھی رہوں گی، بچوں کی نگہداری کروں گی اور میں اس قدر مبر کروں گی کہ مجھ سے عاجز آ جائے گا۔

پھر امامؑ نے فرمایا: بہن میری دوسری یہ خواہش ہے کہ بے تابی اور بے قراری نہیں کرنی۔

بی بی نے عرض کیا: اس پر بھی عمل کروں گی۔

پھر امامؑ نے فرمایا: بہن ایک پرانی قمیص مجھے دو جس پر کوئی طمع نہ کرے۔

بی بی نے عرض کیا: برادر پرانی قمیص کو کیا کرتا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: بہن جب میں قتل ہو جاؤں گا تو یہ میرا لباس بھی لوٹ لیں گے اور میرے بدن کو برہنہ کریں گے، اس

پرانے لباس کو اس لباس کے نیچے پہننا چاہتا ہوں، تاکہ کوئی اس پرانے لباس کو نہ اتارے۔

جب مخدراتِ عصمت نے یہ سنا کہ آقا امامؑ نے پرانا لباس طلب کیا ہے جو اس لباس کے نیچے پہنیں گے اور وہی ان کا کفن ہوگا تو بلند آواز سے پھر رونا شروع کر دیا۔

ثُمَّ اتَتْ بِثَوْبٍ عَتِيقٍ فَخَرَّقَتْهُ وَمَرَّقَتْهُ مِنْ أَطْرَافِهِ وَجَعَلَتْهُ تَحْتَ ثِيَابِهِ

”پرانے لباس لایا گیا تو حضرتؑ نے اُسے کئی جگہوں سے پھاڑ دیا اور پھر اپنے لباس کے نیچے اس

پرانے پٹے لباس کو پہن لیا“

امام حسینؑ کا امام زین العابدینؑ سے وداع

جب امام حسینؑ کی شہادت کا وقت آیا تو امامؑ مخدراتِ عصمت سے الوداع کر کے دھکی دھکی دل سے خیمہ سے نکلے اور ذوالجناح پر سوار ہوئے تاکہ میدان میں جائیں کہ اچانک چونسٹھ عورتوں اور بچے روتے ہوئے حضرتؑ کے ذوالجناح کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ جب رونے کی آواز حضرتؑ امام سجاد علیہ السلام کے کانوں تک پہنچے تو وجہ پوچھی، ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؑ کے ہاں سیر آخرت پر عازم ہیں اور مخدراتِ عصمت اور بچے ان سے وداع کر رہے ہیں اور گریہ و زاری ہو رہی ہے تو امام زین العابدینؑ بہت ہی متاثر اور مضطرب ہوئے اور بہت کمزور اور ضعیف آواز سے عرض کیا:

يَا أَبَتَهُ مَهْلًا مَهْلًا ”بابا مبر کریں، مبر کریں!!“

امام حسینؑ نے جب اپنے بیمار بیٹے کی آواز سنی تو خیمہ میں آئے۔ امام زین العابدینؑ نے دیکھا کہ بابا ان — بیٹے میں تشریف لے آئے ہیں تو پھوپھی سے عرض کیا کہ مجھے سہارا دیں تاکہ اٹھ کر بابا کا استقبال کروں۔ امام حسینؑ بیٹے — میرے میں آئے اور امامت و ولایت کی انگٹھی اپنی انگشت مبارک سے اتاری اور امام زین العابدینؑ کی انگشت میں پہنا دی۔

جناب محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ ولایت کی انگٹھی امام حسینؑ کی شہادت — ہے کہاں گئی؟ کیا وہ بھی لٹ گئی تھی تو امام صادق علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ انگٹھی پیغمبر کی میراث میں سے ہے۔ جب — حسینؑ جناب امام زین العابدینؑ کے خیمے میں آئے اور اپنے بعد بیٹے کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا تو وہ انگٹھی بھی بیٹے — دی اور اسرار امامت ان کے سپرد کیے جس طرح یہ کام رسولِ مختار نے حضرت علیؑ سے کیا تھا اور حضرت علیؑ نے آخری وقت — انگٹھی امام حسنؑ کو پہنائی اور امام حسنؑ نے اپنے آخری وقت میں امام حسینؑ کو پہنائی اور امام حسینؑ نے اپنے بیٹے زین حسینؑ کو پہنائی اور امام زین العابدینؑ نے آخری وقت میں وہ انگٹھی میرے بابا امام محمد باقر علیہ السلام کو پہنائی اور بابا نے وقت — مجھے سپرد کی اور اب وہی انگٹھری میرے ہاتھ میں ہے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت وہ انگٹھی پہن کر نماز جمعہ — ہوں۔

جناب محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن خدمتِ امامؑ میں مشرف بہ زیارت ہوا۔ حضرت نماز — مشغول تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرتؑ نے اپنا ہاتھ لمبا کیا اور مجھے وہ انگٹھی پہنی ہوئی دکھائی۔ اس انگٹھی کی — نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور اس انگٹھی پر یہ نقش تھا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِدَّةُ لِلْقَاءِ وَاللَّهِ

بہر صورت امام حسینؑ نے امامت کے اسرار اپنے بیٹے امام زین العابدینؑ کے سپرد کرنے کے بعد بیٹے کو سینے سے لگا — چہرے پر بوسہ دیا اور مصائب اور مشکلات میں مبر کرنے کی وصیت کی اور یوں بیٹے سے الوداع کیا۔

فَحَوَّلَ ذُو الْجَنَاحِ فَطَوَى الْعَرَصَةَ كَأَنَّهُا يَطِيرُ بِالْجَنَاحِ وَقَدْ مَلَأَهَا مِنَ الصُّهَيْلِ وَالصِّدَاعِ
”پس ذوالجناح کو حرکت دی تو وہ کیوتر کی طرح اڑ کر میدان میں جا پہنچا۔ امام علیہ السلام کو میدان — کے درمیان پہنچایا۔“

جب لشکرِ کفر نے فرزندِ پیغمبر کو میدان میں دیکھا تو ہر طرف سے مڑی کے غول کی طرح حملہ کر دیا اور اس عہد کو تو — کہ ایک ایک کر کے لڑنا، حضرتؑ نے باوجود خشکی، قسب، بھوک اور تشنگی کے ایسے حملے کا جواب دیا گویا تازہ دم ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی شجاعت کا ظہور

جب حضرت امام حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں کوفیوں اور شامیوں کے لشکر کے درمیان گھر گئے اور مبارزہ طلبی سے یہ شجاع کو واصلِ جہنم کر چکے تھے کہ دشمن کی صفوں سے کوئی مقابلہ کے لیے نہ نکلا تو شمر نے ابنِ سعد کو تجویز دی کہ ایک یہ مبارز والا عہد توڑ دے اور جنگِ مغلوبہ کا اعلان کر دے ورنہ تمام لشکرِ کفر دستِ حسینؑ سے ضائع ہو جائے گا۔ ابنِ سعد نے بھی حالات کو دیکھتے ہوئے یکبارگی حملہ کرنے کا اعلان کر دیا اور جو چیز جس کے ہاتھ میں تھی اس سے حملہ نہ ہوا اور جنگ کے مختلف حرب استعمال کیے گئے۔ پس زمانہ میں واحد فرزندِ پیغمبرؐ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام نے عمامہ سر پر باندھا اور ہاتھوں پر ربیعی دستانے چڑھائے اور ہتھار کو نیام سے نکال کر ہاتھ میں لے کر حملہ کیا۔ آپؑ کبھی میمنہ پر اور کبھی میسرہ پر حملہ کرتے تھے، آپؑ جس طرف حملہ کرتے لشکر والے کمزوری دکھا کر بھاگ جاتے تھے۔ کبھی کبھی قلبِ لشکر پر حملہ کیا اور تمام کو تارومار کر دیا۔ چونکہ ابنِ سعد نے عہد توڑ دیا کہ ایک ایک نکلے اور جنگِ مغلوبہ کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود فرزندِ حیدر کزاز کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا تھا۔ ابنِ سعد نے دیکھا کہ میرے لشکر کا شیرازہ بکھرنے والا ہے تو پریشان ہو کر اپنی ڈاڑھی گونپنے لگا اور لشکریوں کو لاکارا:

أَتَدْرُونَ بِمَنْ يُقَاتِلُونَ هَذَا ابْنُ أَنْزَعِ الْبَطِينِ هَذَا ابْنُ قَتَالِ الْعَرَبِ
 ”کیا تم جانتے ہو کہ کس شخص سے جنگ کر رہے ہو، یہ حیدر کزاز کا فرزند اور عربیوں کو قتل کرنے والے کا بیٹا ہے۔“

لشکر والوں نے کہا: اے امیر! اب کیا کریں؟ جو تو نے حکم دیا وہ ہم نے کر دیا، اب جو حکم دو گے اس پر بھی عمل کریں گے۔

ابنِ سعد نے کہا: امام حسینؑ کے دل کو دکھی کرو تا کہ ان پر فتح حاصل ہو۔

لشکریوں نے کہا: ہم کس طرح ان کے دل کو دکھی کریں؟

ابنِ سعد نے کہا: اس پر حملہ کرو تا کہ وہ تم پر حملہ کریں۔ پھر تم پیچھے ہٹے جاؤ۔ حسینؑ تمہارا تعاقب کرے گا تو اس طریقے سے اسے خیاں سے دُور کر دینا۔ جب وہ خیمہ سے دُور ہو جائے تو تم حسینؑ اور خیاں کے درمیان حائل ہو جانا اور اہل بیت کو زجر اور ایذا کی دھمکیاں دینا شروع کر دینا۔

جب ان کے گریہ کی آواز بلند ہوگی تو وہ آواز حسینؑ کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح ان کا دل ٹوٹ جائے گا

اور وہ پریشان حال ہوں گے جس سے ان کے ہاتھ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

پس ان بد بختوں نے شیر پڑھ شجاعت پر حملہ کر دیا۔ امامؑ نے ان کا مقابلہ کیا اور برابر ان شعلوں کو خیام اہل بیتؑ کے اطراف سے دور بھگاتے رہے۔ جب ان کی بے حیائی حد سے بڑھ گئی تو امامؑ نے ان پر بھرپور حملہ کیا۔ لشکر ابن سعد فرار ہو گیا۔ امامؑ نے تعاقب کیا اور خیام سے دور ہو گئے۔ اس وقت شمر ملعون کے ایک ہزار سوار پیادہ لشکر کو ساتھ لے کر خیام لہہ امام حسینؑ کے درمیان حائل ہو گئے۔ وَمَالُوا بَيْنَهُ وَرَحْلَهُ۔ جب مندرات عصمت نے امام حسینؑ کو خیام کے پاس نہ دیکھا اور شمر ملعون کے لشکر کو دیکھا تو خیام میں حیح و پکار شروع ہو گئی۔ ہائے ہائے کی صدائیں گونجنے لگیں اور وامحمد و اعلیاء واحسنہ و احسینہ کے مین بلند ہوئے۔ جب ان بیٹوں کی آواز امام حسینؑ نے سنی تو اپنے خیام کی طرف آنا چاہا لیکن شمر نے راستہ روک لیا تھا۔ اس وقت امامؑ نے غضب اور غیرت سے فرمایا:

يَا شَيْعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ إِنَّمَا يَكُنْ لَكُمْ دِينٌ وَلَا كُنْتُمْ تَخَافُونَ الْعَارَ فَكُونُوا
أَحْرَارًا فِي دِينِكُمْ

”اے ابوسفیان کے بیروکارو! اگر تمہارا کوئی دین ہے اور تم تک و عار سے غافل نہیں ہو تو پھر دنیا میں آزاد مرد بنو۔“

شمر ملعون نے کہا: مَا تَقُولُ يَا بَنَ فَاطِمَةَ الْبَتُولِ ”اے فرزند فاطمہ! کیا کہہ رہے ہو؟“
حضرتؑ نے دوبارہ فرمایا:

أَنَا الَّذِي أَقَاتِلُكُمْ وَأَنْتُمْ تَقَاتِلُونِي وَالنِّسَاءُ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جَنَاحٌ
”میں تمہارے ساتھ جنگ کر رہا ہوں تم میرے ساتھ جنگ کرو، عورتوں کا کیا گناہ ہے کہ خیام کی طرف حملہ آور ہو رہے ہو، میرے حرم کے خیام سے دور ہو جاؤ۔“
شمر نے لشکر سے کہا:

إِلَيْكُمْ مِنْ حَوْرٍ الرَّجُلِ فَلَعَبْرِي أَنَّهُ كُفُو كَرِيمٍ
”اس شخص کے حرم سے دور ہو جاؤ، مجھے اپنی ذات کی قسم کہ یہ شخص کریم کفو ہے اور اس کی مثل کائنات میں کوئی چیز نہیں ہے۔“

پس سپاہی حرم اہل بیتؑ سے دور ہو گئے اور حضرتؑ پر حملہ کر دیا اور حضرت امامؑ نے بھی غضبناک شیر کی طرح حملے کا جواب دیا اور ایسی تلوار چلائی کہ اہل لشکر کے سر ایسے گر رہے تھے جیسے موسم خزاں میں درختوں سے پتے گرتے ہیں۔ جس

طرف بھی حملہ کرتے دشمن بھاگ جاتے اور حضرتؐ گرد و غبار میں اپنی ٹنگ زبان ٹنگ ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے فرماتے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

پھر سپاہ ابن سعد پر حملہ کر دیا اور ان کو مولیٰ گاجر کی طرح کاٹنے جاتے تھے۔

حَتّٰی اَصَابَتْهُ مِنْ تَكَافُرِهِمْ وَتَجَاسُرِهِمْ جَوَاحِثٌ مُّنْكَرَةٌ وَنَشِبَتْ فِی ثَقَبَاتٍ وَرَحَبَاتٍ
سِبْطًا كَثِیْرًا

”حتیٰ کہ لشکر کی کثرت اور جسارت کی وجہ سے بہت زیادہ زخم لگے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام کی روایت میں ہے کہ تین صد میں سے زیادہ زخم لگے تھے اور یہ تمام زخم امام کے جسم کے اگلے حصے پر تھے۔“

آپؑ کا اس قدر خون زمین پر بہہ گیا کہ جہاد کرنے میں حضرتؐ کمزور ہو گئے تھے۔ چنانچہ کچھ وقت توقف کیا تاکہ کچھ استراحت کر سکیں کہ اچانک ایک ظالم نے پھر مارا جو امامؑ کی پیشانی پر لگا اور سجدہ کے وقت پیشانی کی زمین پر لگنے والی ہڈی ٹوٹ گئی جس سے خون امامؑ کے چہرہ پر اور چہرہ سے ریش مبارک پر اور ریش مبارک سے سینہ پر گر رہا تھا۔ امامؑ نے چاہا کہ اپنی قمیص کی آستین سے پیشانی اور چہرے کا خون صاف کریں تو اچانک زہر آلود سہ شعبہ تیر حضرتؐ کے سینہ مبارک یا دل پر زور پر لگا۔ حضرتؐ نے اس وقت فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ پھر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر فرمایا: خدایا! تو جانتا ہے کہ یہ لوگ اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں کہ زمین پر جس کے علاوہ کوئی فرزند پیغمبرؐ نہیں ہے۔ پھر ہاتھ تیر میں ڈالا اور پشت سے تیر کو نکالا کیوں کہ سہ شعبہ تیر تھا اس لیے تیر والے سوراخ سے ایسے خون جاری ہوا جیسے موسلا دھار بارش میں پرنا لہ سے پانی گرتا ہے۔ اس گرتے خون کو ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا تو ایک قطرہ واپس نہ آیا۔ آپؑ اس خون کو لے کر چہرے اور سر کو خضاب کرتے تھے اور کبھی خون سے اپنی ریش مبارک کو رنگین کرتے اور فرماتے تھے: میں اسی کیفیت میں اپنے نانا سے ملاقات کروں گا اور اپنے قاتلوں کے نام ان کو بتاؤں گا۔

اسی دوران میں ایک اور تیر آیا اور امامؑ کی سواری کو لگا۔ کھوڑا خون میں غلطاں ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ کھوڑا مرنے لگا۔ سزا و اہتمام امامؑ زیادہ ہو گئے۔ اب لشکر نے بہت بے حیائی کی اور حضرتؐ پر حملہ کر دیا۔ حضرتؐ دشمن کو اپنے سے دُور کرتے رہے، حملہ کرتے اور پھر واپس اپنی جگہ آ کر رُک جاتے اور تھکان دُور کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن الحسنؑ الجبلی کی شہادت

صدر قزوینی مرحوم نے حدائق الانس میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسنؑ کے عبداللہ نامی دو بیٹے تھے۔

ایک عبداللہ اکبر اور دوسرے عبداللہ اصغر تھے۔ ایک کی ماں اُم اسحاق بنت طلحہ ہے اور دوسرے کی ماں اُم ولدہ ہے۔ دونوں بھائی کر بلا کے شہید ہیں۔

مورخین کے مطابق امام حسن مجتبیٰ کے پندرہ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں: بیٹوں کے نام یہ ہیں:

- ① حسن بن حسن ② عمرو بن حسن ③ حسین بن حسن ④ زید بن حسن ⑤ عبداللہ بن حسن ⑥ عبدالرحمن بن حسن
- ⑦ عبداللہ بن حسن ⑧ اسماعیل بن حسن ⑨ محمد بن حسن ⑩ یعقوب بن حسن ⑪ جعفر بن حسن ⑫ طلحہ بن حسن ⑬ حمزہ بن حسن ⑭ ابوبکر بن حسن ⑮ قاسم بن حسن

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی نسل جناب حسن بن حسن ثنیٰ اور زید بن حسن سے چلی۔

شہادت جناب عبداللہ اصغرؑ

بعض مورخین کے مطابق یہ شہادت امام حسینؑ کے پہلے حملہ کے موقع پر واقع ہوئی۔ بعض نے دوسرے حملے کے دوران میں لکھی ہے، بعض نے امام حسینؑ کے سواری کے وقت اور بعض نے امام حسینؑ کے سواری سے گرنے کے وقت لکھی ہے۔

جناب امیر محمد، روضۃ الصقاء میں اور طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: جب مقاتلہ کے دوران میں امامؑ کے گھوڑے کو تیر لگا اور گھوڑا اگر تو امام حسینؑ میدان میں پیدل مبارزہ طلبی کر رہے تھے لیکن پھر بھی کوئی آگے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا حالانکہ حضرت نہایت تھکے ہوئے اور پیاس سے نڈھال تھے۔ اسی دوران میں ایک بچہ خیام سے باہر نکلا جو عبداللہ بن حسنؑ تھا۔

شیخ طریخی منتخب التواریخ میں جناب عبداللہ کی شہادت، امامؑ کی جنگ سے پہلے لکھتے ہیں:

وَدَاعَ أَهْلَهُ وَأَوْلَادَهُ وَدَاعَ مُفَارِقٍ لَا يَعُودُ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَسَنِ الزَّكِيُّ وَاقِفًا
بِأَنَاءِ الْخَيْبَةِ هُوَ يَسْمَعُ وَدَاعُ الْحُسَيْنِ فَخَرَجَ فِي اثَرِهِ وَيَبْكِي وَيَقُولُ وَاللَّهِ لَا
أَفَارِقُ..... الخ

”جب امام حسینؑ اہل خیام اور مخدرات عصمت سے وداع کر رہے تھے اور اپنی اولاد اور بیٹیوں سے خدا حافظی کر رہے تھے تو جناب عبداللہ بن حسنؑ یہ گفتگو سن رہے تھے کہ امامؑ نے فرمایا: اے مستورات اب دوبارہ مجھے نہ دیکھو گی میرا یہ آخری وداع ہے۔ اب تم میری آواز نہیں سونگی کیونکہ میں جا رہا ہوں اور واپس نہیں آؤں گا۔“

امام خيام سے نکلے تو عبداللہ بھی آپ کے پیچھے نکلے اور زار و قطار رو کر کہتے جا رہے تھے، خدا کی قسم! میں اپنے چچا کو
 اُسے نہ چھوڑوں گا۔ اے بچا جان! جہاں بھی جاؤ مجھے ساتھ لے جاؤ، میرا باپ نہیں، چچا بھی چلا گیا تو کہاں جاؤں گا۔ آپ چچا
 سے جدا نہ ہوئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ البتہ اکثر اہل تاریخ نے امام کے جہاد کے دوران میں جناب عبداللہ کی شہادت لکھی ہے
 نہ۔۔۔ مگر کے گر جانے کے وقت جسے ذکرین میں مشہور ہے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت پیدل تھے اور پیادہ صورت میں جنگ اور دفاع میں مشغول تھے۔ کبھی ٹھہر جاتے اور تھکان
 تیرتے اور کبھی حملہ کرتے۔ اسی حالت میں عبداللہ نے اپنے آپ کو چچا کے پاس پہنچایا ہو۔

مرحوم سید کی ”لہف“ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت پیادہ تھے اور کھڑے تھے تاکہ تھکان دُور کر لیں۔ فَلَبِشُوا
 هَيْئَةً ثُمَّ عَادُوا إِلَيْهِ يَزِيدُوا لُغْمَهُمْ كَمَا رَامُوا قَتْلَهُ، لیکن دوبارہ حملہ کرتا اور حضرت کا محاصرہ کر لیتا تھا۔ فَخَرَجَ
 هَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ تَوَّاسَ وَقْتُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَسَنِ خِيَامَ مِنْ نَكَلٍ۔

مرحوم سید نے ”لہف“ میں لکھا ہے:

فَلَحِقَتْهُ نَهْيَنْبُ بِنْتُ عَلِيٍّ لِتَحْبِسَهُ فَأَلْبِي وَامْتَنَعَ امْتِنَاعًا شَدِيدًا

”جناب زینبؓ نے عبداللہ کو روکنا چاہا کہ نہ جاؤ لیکن عبداللہ راضی نہ ہوئے اور یہ کہتے تھے کہ خدا کی
 قسم! میں اپنے چچا کو اکیلا نہ چھوڑوں گا جہاں بھی وہ جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔“

اس وقت حرم سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو امام کے جہاد میں کمزوری عارضی ہو گئی اور امام زمین پر بیٹھ گئے۔
 تھ خیم کی طرف لگائی اور غور سے سنا کہ مخدرات کے رونے کی آواز ہے اور جب عبداللہ کے بار بار باہر آنے کے اصرار کو سنا
 کہ عبداللہ باہر نکلنا چاہتے ہیں اور جناب زینبؓ عبداللہ کے ہاتھ سے پکڑ کر خیمہ کی طرف کھینچتی ہیں اور میدان میں جانے سے
 ڈرتی ہیں۔ بالآخر عبداللہ نے اپنا ہاتھ جناب زینبؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور دوڑتے ہوئے چچا کے پاس پہنچ گئے۔ عبداللہ نے
 ابجر بن کعب زین سے جھک کر تلوار کی ضرب سے امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو عبداللہ نے غصہ اور بلند آواز سے

وَيْلَكَ يَا بِنَ خَبِيْثَةٍ اَتَقْتُلَ عَمِيْ فَضْرَبُهُ بِالسَّيْفِ فَاتَّقَاهَا الْغُلَامُ بِيَدِهِ فَاطْنَهَا اِلَيَّ

الجلد

”اس ملعون ابجر نے تلوار کی ضرب امام کے سر پر لگائی تو عبداللہ نے اس ضرب کے آگے اپنے ہاتھ
 کر دیے تاکہ چچا کو ضرب نہ لگے لیکن تلوار کی ضرب سے بچنے کے ہاتھ کٹ گئے اور صرف جلد کا چمڑا

نک جانے کی وجہ سے لٹکے لگے۔ شہزادے نے فریاد کی: ”اے اماں! میری مدد کرو۔“

امامؑ نے عبداللہ کو اپنی آغوش میں بٹھایا اور فرمایا: اَجِرْ يَا بُنَيَّ، ”بیٹا صبر کرو ابھی تکلیف ختم ہو جائے گی۔“

اسی دوران میں فرماتا: حُرِّمَ مَلَهُ بِسْمِهِمْ فَذَبَحَهُ وَهُوَ فِي حِجْرِ عَتَبَةٍ حُرَّمَهُ نَعْتِ تِوَارِ مَارَاجِو عَبْدِ اللّٰهِ كَعَسَرِ مَسْ

اور عبداللہ اپنے چچا کی آغوش میں ہی ذبح ہو گئے۔

امام حسینؑ کا زین چھوڑنا

حائری مرحوم معالی السطین میں لکھتے ہیں: امام حسینؑ کے سقوط کے کئی اسباب بیان ہوئے ہیں۔ مرحوم سید۔۔۔ میں لکھا ہے کہ جب امام دشمنوں کے تیروں سے خار پست (سکی) کی طرح ہو گئے تو صالح بن وهب نے حضرتؑ کے پس منہ نیزہ مارا اور حضرتؑ زین سے زمین پر آ گرے، جب کہ گرتے ہوئے یہ فرما رہے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

مرحوم صدوق امالی میں لکھتے ہیں: حضرتؑ کے گلے میں تیر لگا جس کی وجہ سے زین چوڑا پڑ گئی اور زمین کو زینت بنی اور تیر کو نکال کر پھینک دیا۔

ابو جعفر لکھتے ہیں: خولی نے حضرتؑ کو تیر مارا جو حضرتؑ کے سینہ اقدس میں بیوست ہو گیا اور حضرتؑ زین سے زینت۔ آگرے۔ آپؑ خون میں غلطاں تھے، تیر نکالا تو خون کا فوارہ پھوٹا۔ لَحْدَ لَحْدَ حضرتؑ کے ہاتھ خون سے بے ہو جاتے اور خون۔۔۔ چہرہ اور ریش مبارک پر مل لیتے تھے اور فرماتے کہ میں اسی حالت میں تانا سے ملاقات کروں گا اور امت کی شکایت کروں گا۔

امامؑ کے زین سے زمین پر آنے کا انداز

اربابِ مقاتل نے امام حسینؑ کے زین سے زمین پر آنے کے انداز میں اختلاف کیا ہے۔ مرحوم سید ”لہوف“ میں لکھتے ہیں:

وَلَمَّا أَخَذَ الْحُسَيْنُ بِالْجَوَاحِ وَبَقِيَ كَالْقَنْدُزِ طَعْنَهُ صَالِحُ بْنُ وَهْبٍ الْمُرِّيَّ عَلَيَّ خَاصِرَتِهِ طَعْنَةً فَسَقَطَ الْحُسَيْنُ عَنْ قَوْسِهِ إِلَى الْأَرْضِ عَلَى خَدِّهِ الْأَيْمَنِ

”یعنی جب امامؑ زخموں کی کثرت کی وجہ سے کمزور ہو گئے اور تیروں کی کثرت کی وجہ سے بدن قفل کی طرح ہو گیا تو اس حالت میں صالح بن وهب مری نے حضرتؑ کے پہلو میں اس قدر زور سے

نیزہ مارا کہ حضرتؑ دائیں رخسار کے بل زین سے زمین پر آئے۔“

شیخ صدوق امالی میں لکھتے ہیں:

رَأَى بِسَهْمٍ فَوْقَهُ فِي نَحْرِهِ وَخَرَّ عَنْ فَرْسِهِ فَأَخَذَ السَّهْمَ قَوْمِي بِهِ وَجَعَلَ يَتَلَقَّى
الدَّمَّ بِكَفِّهِ فَلَمَّا امْتَلَأَتْ لَطَعَتْ بِهَا رَأْسَهُ وَلَحَيْتَهُ وَيَقُولُ أَلْقَى اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ وَأَنَا
مَظْلُومٌ مُتَلَطِّعٌ بِدَمِي ثُمَّ عَلَى خَدِّهِ الْأَيْسَرِ صَرِيحًا

”حیر حضرت کے گلوئے مبارک پر لگا تو تیر کو نکالا، دونوں ہاتھوں پر خون لیا اور خون سے سر، صورت
اور ریش مبارک کو خساب کیا اور فرمایا: میں اسی حالت سے خدا کے پاس جاؤں گا اور میں ایسا مظلوم
ہوں جو اپنے خون میں رنگین ہوں۔ پھر زمین سے زمین پر ہائیں رخسار کے بل آئے۔“

مرحوم قزوینی ریاض الاثران میں لکھتے ہیں: حضرت کا زمین پر گرنا ایک یا دو مرتبہ نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ کمزوری کی وجہ سے
زمین پر گر پڑے، پھر اٹھتے ہی ایک مرتبہ دائیں رخسار کے بل گرے، دوسری مرتبہ بائیں رخسار کے بل گرے اور پھر مجدد کی
حالت میں گرے۔

جناب زینب کا اضطراب اور استغاثہ

جب امام عالی مقام زین سے زمین پر آئے تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور گلے سے تیر نکالا۔ بی بی زینب نے جب بھائی کو اس
حال میں دیکھا تو غم زدہ ہو کر ابن سعد سے کہا:

يَا عَمْرُو اَيَقْتُلُ ابُو عَبْدِ اللَّهِ وَأَنْتَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ

”اے عالم! میرے بھائی امام حسین قتل ہو رہے ہیں اور تم تماشا دیکھتے ہو۔“

ابن سعد نے اس وقت اس قدر گریہ کیا کہ دُمُوْعُهُ يَسِيلُ عَلَى خَدَّيْهِ وَلَحَيْتَيْهِ آنسو اس کے رخساروں اور
واڑی پر بہنے لگے۔ لیکن اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور بی بی کو جواب نہ دیا۔

جب بی بی نے دیکھا کہ ابن سعد نے بے پروائی کی اور جواب نہیں دیا تو مجبوراً لشکر کی طرف دوڑیں اور فرمایا: اَمَّا
فَيْنُكُمْ رَجُلٌ مُسْلِمٌ ”کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے؟“

لشکر سے بھی کوئی جواب نہ آیا تو ناچار اس مقام پر آئیں جہاں بھائی گرے ہوئے تھے، بھائی کا طواف کیا اور کسی کو
بھائی کے قریب نہ آنے دیا۔

حضرت نے بہن سے فرمایا:

أُخْتِي لَقَدْ كَسَرَتْ قَلْبِي إِرَاجِعِي إِلَى الْخَيْمَةِ

”اے بہن! میرا دل ٹوٹ گیا ہے تم جلدی خیمہ میں پلٹ جاؤ۔“

ذوالجناح کی وفاداری

روایت میں ہے جب امام حالت تیر یا نیزہ کے سبب زین سے زمین پر آئے کچھ وقت تو سجدہ کی حالت میں رہے، پھر زمین سے اٹھے، تلوار ہاتھ میں لی اور جس قدر ہمت تھی جہاد کیا۔ اس دوران میں ذوالجناح امام کا خوف سے بے یار و مددگار غریب مظلوم کی حمایت کرتا رہا اور جب تک امام لڑتے رہے یہ امام کی حفاظت کرتا رہا۔ ابوحنیفہ لکھتے ہیں:

لَمَّا أَصْرَعَ الْحُسَيْنَ فَحَمَلَ فَرَسُهُ يُحَامِي عَنْهُ وَيَشَبَّ عَلَى الْفَارِسِ فَيَهْبِطُهُ عَنْ سَرِّجِهِ وَيَدْوِسُهُ حَتَّى قَتَلَ الْفَرَسُ أَرْبَعِينَ رَجُلًا
 ”جب امام زین سے زمین پر آئے تو ذوالجناح آپ کی حمایت کرتا رہا، سواروں پر حملہ کرتا تھا، دانتوں سے شہسواروں کو گریبانوں سے پکڑتا اور زین سے زمین پر کھینچ لیتا اور زمین پر دے مارتا تھا۔ پھر انہیں سموں تلے رگڑ دیتا اور اس طریقے سے اس قوم بد بخت کے چالیس افراد کو واصل جہنم کیا۔“

ذوالجناح کی خیام میں آمد

ابن شہر آشوب اپنے مناقب میں روایت کرتے ہیں:

ذوالجناح تَتَرَعَّغَ فِي كَمَرِ الْحُسَيْنِ وَقَصَدَ نَحْوَ الْخَيْمَةِ وَلَهُ صَهْلِيلٌ عَالٍ وَيَضْرِبُ بِيْنِيْهِ الْأَرْضَ
 ”ذوالجناح نے اپنا سر اور چہرہ امام کے خون میں رنگین کیا پھر خیام کا قصد کیا جب کہ شہنشاہ غم زدہ تھی، رونا، تسوہاٹا اور دوڑتا ہوا آیا تو ذوالجناح کے زخموں سے خون جاری تھا۔ اپنے پاؤں زمین پر مارتا تھا اور دوڑتا تھا کہ خیام سے کوئی تھنہ لب حسین کے مددگار کو لے جائے۔“

اسی حالت میں خیام کے قریب آیا۔ جب خیام کے دروازے پر آیا تو فراق کی فریاد کی اور مہذرات عصمت تک اپنے آواز پہنچائی۔ جو نبی اہل حرم نے ذوالجناح کی آواز سنی تو بے اختیار سب خیمہ کے دروازے پر آگئیں تاکہ دیکھیں کہ امام تشریف لائے ہیں یا خالی ذوالجناح آیا ہے۔ جب بیبیوں نے مرکب کو بغیر راکب کے دیکھا اور یہ ملاحظہ کیا کہ ذوالجناح نہ لگا میں کئی ہوئی، زین ایک طرف ڈھلی ہوئی، چہرہ اور سر خون سے غلطاں ہے نیز فریاد کرتا ہے، کبھی زمین کو اپنے سموں سے کوڑ

ہے اور کبھی سر کو زمین پر مارتا ہے تو بیسیوں کی آہ و زاری اور گریہ و فریاد بلند ہوئیں، سب کو معلوم ہو گیا کہ امامؑ پر بڑی مصیبت نازل ہو گئی ہے، چنانچہ تمام بیٹیاں خیام سے باہر آئیں اور ایک دلولہ و زلزلہ برپا ہوا۔ ہر بی بی اپنے چہرے پر ماتم کر رہی تھی، بر خاتون برہنہ پاتھی، بال بکھرے ہوئے تھے اور بین کر رہی تھی۔ و اماماء و اسیداء۔ پھر بیسیوں نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بٹایا۔ چونکہ مستورات اور بچوں نے ذوالجناح کو گھیر لیا، بعض نے ذوالجناح کی لگام کو پکڑ کر مولیٰ کے متعلق پوچھا۔ بعض نے مکابوں کو بوسہ دیا اور بارش کے قطروں کی طرح اُن کے آنسو جاری تھے اور بعض نے غم ہو کر گھوڑے کے سموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ بعض اس ذوالجناح کے بدن سے تیر نکال رہی تھیں۔ بعض اس ذوالجناح کے چہرے سے جو خون امامؑ اپنے ہاتھوں پر لگا کر اپنے بالوں اور چہرے کو خضاب کر رہی تھیں۔ ذوالجناح بھی مستورات کے ساتھ گریہ و زاری کر رہا تھا اور باشعور انسان کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ ذوالجناح سے بیسیوں نے کہا کہ ہمیں وہاں لے چل جہاں حسینؑ کو اتارا ہے تو ذوالجناح آگے آگے مور تمام مستورات، بچے اور کنیریں ذوالجناح کے پیچھے پیچھے ماتم کرتے ہوئے مقتل کی طرف روانہ ہو گئیں۔ امام زین العابدینؑ من کے ہمراہ موجود نہ تھے کیونکہ وہ بیمار تھے اور ان کے علاوہ کوئی خیمہ میں باقی نہ تھا۔

جب یہ سب مقتل میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ظالم کسی کا سر کاٹ رہا ہے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا اور ذوالجناح کے مددہ کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ جو مظلوم خاک و خون میں غلطاں ہے اور جس کا سر کاٹا جا رہا ہے وہ امام حسین علیہ السلام ہیں۔

امام حسینؑ کو شہید کرنے کے لیے کئی لوگوں کو بھیجا گیا

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بدن پر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخموں کی کثرت کی وجہ سے ایک وقت ایسا آیا کہ آپؑ زین سے زمین پر آ گئے۔ امن سعد کی طرف سے دو دو، یا تین تین شخص امام حسینؑ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آتے تھے لیکن وہ واپس چلے جاتے تھے کیونکہ جو بھی حضرتؑ کو اس حالت میں دیکھتا اس کو رحم آ جاتا تھا اور قتل کا ارادہ ترک کر دیتا تھا۔

کتاب ریاض الشہادت اور روضۃ الشہداء میں اسماعیل بخاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے امامؑ کے قتل کے مرادے سے امامؑ کے قریب آیا۔ حضرتؑ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

إِنْصَرِفْ ، لَسْتَ أَنْتَ بِقَاتِلِي

”تم واپس چلے جاؤ تم میرے قاتل نہیں ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم جہنم میں جاؤ۔“

وہ شخص بہت رویا اور عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبر! میں قربان جاؤں آپؑ اس حالت میں بھی ہماری فکر کرتے ہیں، اس

فخص کے اندر انقلاب برپا ہو گیا۔ اس نے اپنی مٹی تلوار ہاتھ میں لیے عمر بن سعد کی طرف رخ کیا اور رو کر کہہ دیا: ”میں نے کیا تصور کیا ہے کہ سب لشکر تلوار و خنجر لے کر کھڑا ہے۔ اس مظلوم نے کیا گناہ کیا ہے کہ پانی بند کر دیا گیا اور تھکنے کے درپے ہو گئے ہو۔“

اس بے دین لشکر نے کوئی جواب نہ دیا تو اس شخص نے اپنی تلوار ابن سعد کی طرف ماری لیکن ابن سعد نے یہ سب پیچھے کر لیا اور اپنے غلاموں اور نوکروں کو اس شخص پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے اس شخص پر ہجوم کر دیا۔ تلواریں، نیزے اور پتھر مار مار کر اسے شہید کر دیا۔

اس جوان نے زندگی کے آخری لمحات میں امام کی طرف منہ کر کے عرض کیا: اے فرزند پیغمبر! گواہ رہنا۔ میں نے آپ کی محبت کے جرم میں قتل کر رہے ہیں اور کل بروز قیامت میری شفاعت کرنا۔ امام نے کانپتی اور وحشی آواز سے فرمایا:

طَبْ نَفْسًا فَإِنِّي شَفِيعٌ لَّكَ عِنْدَ اللَّهِ

”جتنے خوشخبری ہو میں تمہاری اللہ کے پاس شفاعت کروں گا“

لشکر ابن سعد نے اس جوان پر حملہ کر کے شہید کر دیا۔ لیکن امام حسین کو قتل کرنے کے لیے کوئی شخص آمادہ نہ تھا جسے بھی قتل کے لیے بھیجا جاتا وہ نزدیک آ کر وحشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا تھا اور اس ہولناک خیانت سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس حالت پر ابن سعد اپنے لشکر سے غضب ناک ہوا اور گالیاں دیں۔ لشکر والوں نے کہا کہ تم خود قتلِ امام کے سبب سے نہیں جاتے اور فرزند پیغمبر کے خون بہانے کے جرم کو اپنے دوش پر کیوں نہیں لیتے۔

ابن سعد حرام زادہ گھوڑے سے اتر ا اور برہنہ خنجر لے کر امام کے قریب آیا۔ امام نے جب قدموں کی آہٹ سنی تو خاک سے اپنا سر اٹھایا اور عمر سعد کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

يَا عُمَرُو أَلَأَنْتَ جِئْتَ بِقَتْلِي ”اے عمر! تو میرے قتل کے لیے آیا ہے، تجھ جیسا اور کوئی بے رحم نہیں ہے“

عمر ملعون کو شرم آئی اور وہ واپس آ گیا۔ ہر طرف دوڑ دوڑائی کہ کس شخص کو اس مقصد کے لیے بھیجا جائے کہ اچانک کی نظر ایک نصرانی پر پڑی جو اپنا سر نیچے کیے ہوئے اپنے خیمے میں جا رہا تھا۔ اس نصرانی کو ابن سعد نے بلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جو شخص بھی قتل کی نیت سے امام کے قریب جاتا، شرمندہ ہو کر واپس آ جاتا۔ نصرانی کو کہا گیا کہ وہ شخص غمزدہ و زخمی جو دیکھ رہے ہو، وہ تمہارے دین کا دشمن اور ہمارے نزدیک مغضوب ہے اگر اسے قتل کر دو تو یقیناً عیسیٰ نبی کے مقرر بندے بن جاؤ گے۔

نصرانی نے اس خیال سے کہ یہ لشکرِ اسلام ہے اور اسلام پیغمبرِ خاتم کی طرف سے منسوب ہے اور ان کا رہبر اولیائے خدا میں سے ہوتا ہے، الماسی خنجر عمر بن سعد سے لیا اور فرزندِ پیغمبر کو قتل کرنے کے قصد سے قتل گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب امامؑ کے قریب پہنچا، اور اس کی نظر امامؑ غریب پر پڑی کہ تیروں، نیزوں، تلواروں کے اس قدر زخم لگے ہوئے ہیں کہ بدن کا کوئی مقام خالی نہیں اور چہرہ باوجود خون میں غلطاں ہونے کے اس قدر نور کیریائی سے درخشاں ہے کہ آنکھیں ان کے چہرے کو دیکھ کر شرماتی ہیں۔ بے اختیار حضرتؑ کے جمال اور کمال میں محو حیرت ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ اے عالم کے سردار! اے اولادِ آدمؑ کے محبوب! میں تمہارا نام اور خاندان نہیں جانتا لیکن تمہارے جلال میں حیران ہوں۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ تو سبھی کہ تم کون ہو؟ اور بدن پر اس کثرت سے زخموں کی کیا وجہ ہے؟

نصرانی نے دیکھا کہ یہ مظلوم غریب خاک پر سوتے ہوئے ہیں اور اپنے خدا سے مناجات کر رہے ہیں اور جواب نہیں دیتے لیکن آنکھ کھولی اور ایک کیسا اثر نظر اس نصرانی پر ڈالی کہ ایک نظر سے اس کا وجود کی خاک سونے میں بدل گئی۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: آپؑ کو مسیح کی قسم اور مریم مقدس کی قسم! مجھے جواب دو کہ آپؑ کون ہیں اور کیوں زخمی ہیں؟ پھر بھی جواب نہ سنا پھر اپنے دین کے تمام مقدسات کی قسمیں دیں۔ پھر بھی جواب نہ سنا، پھر ایک قدم آگے بڑھا، دائیں اور بائیں کو دیکھا۔ کربلا کے دشت میں شہداء کی لاشیں دیکھیں کہ تمام خاک و خون میں غلطاں تھیں۔ جوان، بزرگ، چھوٹے بڑے، سب خاک پر پڑے تھے۔ حضرتؑ کو ان شہدائے کربلا کی قسم دے کر پوچھا لیکن پھر بھی جواب نہ ملا تو عرض کیا: اے غریب و بے نوا! اے یہ روم و گار شہید! خدا را مجھے جواب دو۔ اس مرتبہ بھی نصرانی کو کوئی جواب نہ ملا۔ اسی دوران میں اس نصرانی نے دیکھا کہ ایک معتکف خاتون جو ہی خیمہ سے نکلی اس غریب نے پریشان ہو کر خاک سے سر اٹھایا اور اسے خیمہ میں پلٹ جانے کا اشارہ کیا۔ اس نصرانی نے اسی معتکف خاتون کی قسم دی تو اب حضرتؑ برداشت نہ کر سکے، سر خاک سے اٹھایا اور اپنا تعارف کرایا۔

نصرانی نے ادب کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور عرض کیا: آقا آپؑ حسینؑ ہیں نا! جو کوفیوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپؑ کی تعمیر کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: مجھ سے نہ پوچھو بلکہ ان لشکر والوں سے پوچھو کہ میری تعمیر کیا ہے؟

نصرانی نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میں نے بہت پہلے خواب دیکھا تھا اور اب اس کی تعبیر دیکھ رہا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تمہارے خواب کو بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سا خواب تھا۔

نصرانی نے عرض کیا: میں قربان جاؤں میرا خواب بیان فرمادیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم نے خواب میں میرے جد کو دیکھا کہ میرے غم میں تمام پیغمبروںؑ میں سر کو زانوئے غم پر رکھے

ہوئے ہیں، اس دوران میں حضرت عیسیٰؑ نے تجھے فرمایا: مجھے پیغمبروں کے سامنے شرمندہ نہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ فرزندِ پیغمبرؐ خون سے آلودہ نہ کرنا۔

نصرانی نے عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ جَدَّكَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں مسلمان ہوا اور تلوار نکال کر ابنِ سعد کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا اور چند ملائین کو قتل کر دیا۔ لشکریوں نے اس نو مسلم کو گھیر لیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ جوان گرا تو امامؑ کی طرف دیکھا اور امامؑ سے عنایت کا تقاضا کیا۔ امام علیہ السلام نے چاہا کہ انھیں لیکن اُنھہ نہ سکے اور فرمایا: اے جواب! میری معذرت قبول کرنا کیونکہ میں اُنھہ نہیں سکتا۔

مصاحبت مقدس امام حسینؑ کی لشکر کی طرف سے توہین

جب امام علیہ السلام زخموں کی کثرت اور پیاس کی شدت سے زمین پر گر پڑے تو ابنِ سعد کو یقین ہو گیا کہ اب امامؑ کے اندر طاقت اور قدرت نہیں رہی کہ اُنھہ سکیں، لہذا شمر ملعون نے خیام کا رُخ کیا اور خیمہ پر نیزہ مارا اور کہا: آگ لے آؤ تاکہ ان خیام کو موج ان کے ساقوں کے جلا کر راکھ کر دوں۔

مستورات نے شمر کی آواز سن کر نالہ و زاری کی اور اس قدر دکھی بین کیے کہ لشکرِ ابنِ سعد کے سپاہی بھی ان کی مظلومیت اور غربت پر رونے لگے۔ پھر شبث بن ربعی آگے بڑھا اور شمر کو واپس پلٹا لیا۔ خیام میں مخدراتِ عصمت ان ظالموں کے خوف سے خاموش ہو گئیں اور کانپتی اور ڈرتی ہوئی آواز بھی نہ نکالتی تھیں۔

اس وقت شمر نے لشکر سے کہا: تمہاری مائیں تمہارے غم میں روئیں کس کا انتظار ہے؟ کیوں کھڑے ہو؟ یہ شخص تو گر چکا ہے نہ معلوم اس میں جان ہے یا روح پرداز کر چکی ہے؟ تمام مل کر اس پر حملہ کرو اور اسے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ پس یہ سنتے ہی لشکریوں نے ہر طرف سے امامؑ پر ہجوم کیا اور حضرتؑ کا محاصرہ کر لیا۔

ابو لھو ق ملعون نے امامؑ کی پیشانی میں تیر مارا کہ پہلے فرات کے کنارے پر بھی اسی مقام پر تیر مارا گیا تھا۔ ابویوب غنوی نے امامؑ کے گلوے مبارک پر تیر مارا۔

صاحبِ ریاض الاضاح ان قطر از ہیں: تلوار کی ضربیں، نیزے کے زخم اور وجود مقدس پر اعدا کی جنایت ان قدر تھیں کہ قوتِ امامت کے علاوہ ان کو برداشت کرنا ناممکن ہے کہ اس وقت زندہ رہے۔ اسی دوران میں سنان ابنِ انس حرازوے نے (کہ اسے شمر کے برابر اہلِ فنِ حرب سمجھا جاتا تھا) ایک لمبے نیزے سے حضرتؑ پر حملہ کیا اور نیزے کی نوک گلے کی گودی میں لٹکی۔

محمد بن جریر طبری لکھتا ہے: جب سنان نے گلے کی گودی میں نیزہ مارا اور باہر نکالا تو امامؑ کی روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ اس لیے بعض صاحبِ مقاتل سنان بن انس کو امامؑ کا قاتل سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اس ملعون کے نیزے نے امامؑ پاک کے گلے مبارک کو کاٹ دیا گویا حضرت نحر ہو گئے، اس لیے تو امامؑ زمانہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں فرماتے ہیں: اَلْسَّلَامُ عَلٰی مَنْ هُوَ نَحْرُهُ مَنخُوْرٌ

لیکن محمد بن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ایک اور ملعون نے حضرتؑ کے کاندھے پر تلوار کی ضرب لگائی اور زرعہ بن شریک نے ہاتھ کی ہتھیلی کو جدا کر دیا اور عمرو بن غلیفہ جعفی نے گردن کی رگوں پر تلوار کی ضربیں لگائیں۔

قاتل امامؑ کون؟

جب امامؑ میدان میں زخمی جسم سے زمین پر گر پڑے تو ابن سعد نے ایک امیر لشکر سے کہا کہ تم معطل کیوں کھڑے ہو، حسینؑ کا کام ختم کرو۔ خولی نے جلدی کی کہ وہ امامؑ کا سر جدا کرے۔ جونہی یہ حرام زادہ امامؑ کے قریب پہنچا تو اس کا بدن کاٹنے لگا کیونکہ جب امامؑ نے نظر اٹھا کر اُسے دیکھا تو اس کے اندر لرزہ پیدا ہو گیا لہذا وہ اپنے مقصدِ شوم میں کامیاب نہ ہوا۔ کتاب حمر المذاب میں لکھا ہے: جب خولی کا نپٹا اور ہانپتا ہوا واپس آیا اور شمر نے اس کی یہ وحشت زدہ صورت دیکھی تو کہا کہ تیرے ہاتھ مثل ہو جائیں گا نپٹا کیوں ہے؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں فرزندِ رسولؐ کو کبھی قتل نہیں کروں گا۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

شمر زنا زادہ نے کہا: تَمَلَّكَتْ هَذِهِ اللَّحْيَةُ لِأَنَّهَا تُنْبِئُ عَلٰی غَيْبِ رَجُلٍ حَنِئُ رَءِے ہیں تیرے بال جو چہرے پر ہیں، کیونکہ تو مرد نہیں اور تیرے چہرے کے بال (ڈاڑھی) ایک نامرد کے بال ہیں۔

مرحوم طبری لکھتے ہیں: جب امامؑ وصالِ حق کے قریب تھے تو چالیس سواروں نے حضرتؑ کے قتل کا ارادہ کیا اور ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کا سر تن سے جدا کرے۔ ان میں سے ایک حبش بن ربیع تھا جب وہ آگے آیا تو حضرتؑ نے آدمی آنکھ سے دیکھا، حبش کے ہاتھوں سے تلوار گر گئی اور وہ بھاگ گیا۔

سنان ابن انس نے کہا: حسینؑ کو قتل کیوں نہیں کیا؟ اپنی تلوار مجھے دے دو۔ حبش نے اپنی تلوار اسے دے دی۔ سنان قتل گاہ میں آیا، جونہی امامؑ کے قریب گیا اور امامؑ نے جلالت کی آنکھ سے اُسے دیکھا تو اس کے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا اور وہ ڈر گیا۔ تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: سنان بن انس الجعفی گھوڑے سے اُترا اور تلوار حضرتؑ کے گلو مبارک پر ماری اور کہا: خدا

کی قسم کہ میں تمہارا سر بدن سے جدا کرنے آیا ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تو فرزندِ رسولؐ ہے اور تیرے والدین نہ سمجھنے سے بہتر ہیں۔ اُس نے امام کا سر جدا کر دیا۔

لیکن اربابِ مقاتل میں مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا قاتل شمر ذی الجوشن ملعون ہے۔

شمر کے قتل کرنے کی کیفیت

الحاج مرزا رفیع گرم ددی اپنی کتاب ذریعۃ النجاة میں لکھتے ہیں: جب امام علیہ السلام غشی کی حالت میں زمین پر پڑے تھے تو شمر قریب آیا اور جوتوں سمیت حضرت کے سینہ اقدس پر بیٹھ گیا۔ امام نے جب اس ملعون کو اپنے سینے پر بیٹھا محسوس کیا تو فرمایا:

يَا وَيْلَكَ مَنْ أَنْتَ فَقَدْ اِهْتَقَيْتَ مُرْتَقًا عَظِيمًا
”ہائے وائے ہو تجھ پر! تو کون ہے؟ تو بہت بلند اور عظیم مقام پر بیٹھا ہے۔“

اس ملعون نے جواب دیا: میں شمر ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: میں کون ہوں؟

شمر نے کہا: تم حسین بن علی ہو، تمہاری ماں فاطمہ الزہراءؑ اور جد محمد مصطفیٰؐ ہے۔

امام نے فرمایا: اے ملعون! میرے حسب و نسب کو بھی جانتا ہے اور پھر بھی مجھے قتل کرنے آیا ہے؟

شمر بولا: اگر تمہیں قتل نہ کروں تو یزید کا انعام کیسے وصول کروں گا؟

امام نے فرمایا: تیرے نزدیک یزیدی انعام بہتر ہے یا میرے جد کی جنت کی شفاعت؟

شمر نے کہا: یزید کا انعام ایک جو کے دانے کے برابر بھی میرے لیے تم سے اور تمہارے جد کی شفاعت سے بہتر ہے۔

امام نے فرمایا: اب اگر تو نے ہی مجھے قتل کرنا ہے تو ایک گھونٹ پانی پلا دے۔

شمر نے کہا: ایک گھونٹ پانی بھی ہرگز نہیں دوں گا بلکہ پیاسا ماروں گا۔

امام نے فرمایا: اپنے سینے سے قمیص ہٹا تا کہ میں اپنے قاتل کی نشانی دیکھ لوں۔

شمر نے اپنے حکم اور سینے سے قمیص ہٹائی تو امامؑ نے دیکھا کہ یہ ملعون اَبْلَق (ڈنڈا) اور مبروس ہے اور اس کا چہرہ

کتوں اور خنزیریوں کے مشابہہ لگتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: میرے نانا رسول پاکؐ نے سچ فرمایا تھا۔

شمر نے کہا: تمہارے نانائے کیا کہا تھا؟

امامؑ نے فرمایا: میرے نانائے میرے بابا علی سے فرمایا کہ یا علی! تمہارے اس بیٹے کو ایک مبرص اور ابلق اور کتوں اور خزیروں کے مشابہہ شخص قتل کرے گا۔

شمر ملعون غضب ناک ہوا اور کہا: مجھے کتوں اور خزیروں سے تشبیہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم! میں پس گردن سے تمہارے سر کو جدا کروں گا۔ پھر اس ملعون نے امامؑ کو منہ کے بل لٹایا اور پس گردن ضربیں مار مار کر سر کو تن سے جدا کر دیا۔

شمر حرام زادہ جب سر جدا کر رہا تھا تو یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

(مفہوم اشعار): ”آج تجھے قتل کر رہا ہوں حالانکہ مجھے علم الیقین ہے کہ تیرا باپ پیغمبرؐ کے بعد ساری دنیا سے بہتر تھا۔“

”آج میں تجھے قتل کرتا ہوں حالانکہ جانتا ہوں کہ عنقریب پشیمان ہوں گا اور میرا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔“

یہ ملعون حضرت امامؑ کے حلقوم کی جس رگ کو کاٹا تھا، امامؑ کی یہ ندا آئی:

وامحمداء واجداه واحسناء واجعفاء واعقلاء ، واعباساء ، واقتیلا واقلة ناصراء

مرحومؑ طرحی لکھتے ہیں: جب اس ملعون نے امام علیہ السلام کا سر جدا کیا تو سر کو نیزہ پر بلند کیا اور تکبیر پڑھی تو لشکر نے بھی اس کے بعد تکبیریں کہیں۔

ابو جحفہ تحریر فرماتے ہیں: لشکر نے تین بار تکبیر کہی، زمین میں زلزلہ آیا، شرق و غرب عالم تاریک ہو گئے۔ برق و رعد نے لوگوں کو ڈرایا، آسمان سے تازہ خون کی بارش ہوئی اور منادی نے آسمان سے ندا دی: خدا کی قسم! امامؑ فرزند امام، برادر امامؑ حمزہ کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا۔ قد قتل الحسین والاقد ذبح الحسین

شمر ملعون کا امام حسینؑ کو شہید کرنا

مرحوم علامہ مجلسیؒ بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

فَمَجَاءَ شِمْرٌ وَسَنَانُ بْنُ أَنَسٍ وَالْحُسَيْنُ بِأَخْرِ رَمَقٍ يَلُوكُ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ وَيَطْلُبُ الْمَاءَ

”شمر، سنان بن انس کے ہمراہ امام حسینؑ کا سر جدا کرنے کے لیے آیا تو امامؑ کے آخری سانس تھے، شدت پیاس کے سبب سے زبان منہ میں ہی رچی ہو چکی تھی اور حضرتؑ اس کیفیت میں پانی

مانگ رہے تھے۔

فَضْرَبَتْ شِمْرَ لَعْنَةُ اللَّهِ بِرِجْلِهِ

اس ملعون نے بجائے پانی دینے کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور کہا:

يَا بَنَ أَبِي تُرَابٍ اَلَسْتَ تَزْعُمُ اَنَّ اَبَاكَ عَلٰى الْخَوْضِ النَّبِیِّ یَسْقِیْ مَنْ اَحَبُّهُ فَاَصْبِرْ
حَتّٰی تَاْخُذَ الْمَاءَ مِنْ یَدِهِ

”اے ابو تراب کے بیٹے! کیا تیرا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ تیرا باپ علیؑ ساقی کوثر ہے؟ جس کو چاہے گا پلائے گا۔ اگر یہی عقیدہ ہے تو ذرا صبر کرنا کہ میں تمہیں قتل کر دوں اور تجھے تیرے باپ علیؑ پانی پلا دے۔“

ثُمَّ قَالَ لِلسَّانِ اِجْتِزِ رَاسَهُ قَفَاً

”پس شمر نے سان سے کہا: جس حالت میں حسینؑ زمین پر پڑا ہے، پس گردن سے سر کاٹ لے۔“

سان نے کہا: میں یہ کام نہیں کرتا اور فرزندِ پیغمبرؐ کے خون کو اپنے ذمے نہیں لیتا۔ شمر غضبناک ہوا اور سان کو گالیاں دیں۔ پھر غصہ میں آ کر اپنے نجس جوتوں سمیت حضرتؑ کے سینے پر سوار ہو گیا اور پُر خون ریش مبارک میں ہاتھ ڈالا، اس وقت امامؑ نے فرمایا:

يَا شِمْرُ تَقْتُلْنِيْ وَلَمْ تَعْرِفْ مَنْ اَنَا

”مجھے قتل کر رہے ہو تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟“

شمر نے کہا کہ جانتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے نانا، بابا اور ماں تمام کائنات سے بہتر ہیں۔ پھر ان کو گالی بکی اور کہا: میں تمہیں قتل کرتا ہوں اور میرے دل میں خوف ہے اور نہ رحم ہے؟

فَضْرَبَ بِسَيْفِهِ اِثْنِيْ عَشَرَ ضَرْبَةً ثُمَّ جَرَّ رَاسَهُ الشَّرِیْفَ

”اس ملعون نے بارہ ضربیں لگائیں اور سر کو بدن سے جدا کر دیا۔ اس وقت زمین کو زلزلہ آیا اور تیز سرخ آمدگی چلی۔“

سمیہ و توجیہ! قتلِ امامؑ کی کیفیت روایات میں مختلف ہے اور جو مد رک معتبر اور مستند ہے وہ یہ ہے:

اولاً: حضرت امام حسینؑ کو ذبح کیا گیا۔

ثانیاً: حضرت کا سر مبارک پس گردن سے کاٹا گیا۔

لما اولاً: مدرک ذبح تو امام زمانہ کی زیارت کا وہ جملہ ہے جس میں ذبح سمجھا جاسکتا ہے اور زیارت کا فقرہ یہ ہے:

وَالشَّعْرَ جَالِسٌ عَلَى صَدْرِكَ وَمَوْلَانِ سَيْفُهُ عَلَى نَحْرِكَ قَابِضٌ عَلَى شَيْبَتِكَ يَبِيبُهُ

ذَابِجٌ لَكَ بَهْنَدِيَّةً (بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۳۲۲)

’میرا سلام ہو اس مظلوم پر جس کے سینے پر شعر بیٹھا تھا اور تلوار کو مقام نحر پر مار رہا تھا اور اُس نے خون آلود ریش مبارک کو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور تلوار سے ذبح کر رہا تھا۔‘

اس کے علاوہ متعدد روایات ہیں جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ ایک طریقے سے ذبح/شہید

ہوئے۔ ان روایات میں سے ایک ریان ابن شعیب کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

يَا بْنَ شُعَيْبٍ! اِنْ كُنْتَ بَاكِيًا لِّشَيْءٍ فَاَبْلِكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ ذُبِحَ

كَمَا يُذْبَحُ وَالْكَتَبُش (بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۱۰۳، سطر ۲)

’اے فرزند شعیب! اگر دنیا میں کسی چیز پر رونا چاہتے ہو تو پس امام حسینؑ کے مصائب پر رویا کرو

کیونکہ آپ کو ایسے ذبح کیا گیا جیسے گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے۔‘

ثانیاً: سر مبارک کے پس گردن جدا کرنے کا مدرک بہت سی روایات ہیں یعنی جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان روایات

سے ایک روایت علامہ مجلسیؒ نے بخار میں نقل فرمائی ہے، جس میں جناب زینبؑ کے دو فقروں میں تصریح ہے کہ فرماتی ہیں:

هَذَا حُسَيْنٌ مَحْزُورٌ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَاءِ مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ..... الخ

’یہ حسینؑ ہے جس کا سر پس گردن سے جدا کیا گیا.....‘

دوسرے مقام پر یوں فرماتی ہیں:

هَذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ صَرِيحٌ بِكَرْبَلَا ، مَحْزُورًا الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَاءِ مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ

وَالرِّدَاءِ..... الخ

’یہ خاک آلود حسینؑ ہے جو کربلا میں مارا گیا، اور سر پس گردن جدا کیا گیا جس کا عمامہ اور چادر اور

کپڑے بھی لوٹ لیے گئے۔‘

شمر ملعون کا امام حسینؑ کے سر کو نیزے پر بلند کرنا

شمر ملعون نے سرتن سے جدا کیا تو امامؑ کے سینے سے اُترا اور بلافاصلہ خون میں لت پت سر کو ایک لمبے نیزے پر چڑھا

کر بلند کیا اور بلند آواز سے نعرہ بکیر لگایا۔ ابن سعد کے لشکر کی نظر جب سر پر پڑی تو انہوں نے بھی نعرہ ہائے بکیر بلند کیا۔ شمر ملعون کا نیزہ پر سر مقدس کو بلند کرنے کا راز یہ تھا کہ تمام لشکر دیکھ لے اور مطمئن اور خوش ہو جائے، اسی وجہ سے سب نے بکیریں کیں۔ جو نبی امام کا سر جدا ہوا، زمین میں زلزلے شروع ہو گئے اور فضا سے بہت شور و غل بلند ہوا اور قیامت آوازیں آنے لگیں۔

وَمُزِلْنَاهُ مِنَ الْأَرْضِ وَأَخْلَلْنَاهُ السَّمُوتَ وَإِنْ كَسَفَتْ الشَّمْسُ بِحَيْثُ بَدَتْ الْأَنْجُمُ
”زمین کو زلزلہ آیا، آسمان تاریک ہو گیا۔ سورج کی روشنی ایسی تاریکی میں بدلی کہ ستارے نظر آنے لگے۔“

وَقَطَرَ مِنَ السَّمَاءِ لُحْمٌ سَبْعَ قَطْرَاتٍ

”سات قطرے خون کے آسمان سے گرے اور آسمان سے ندا آئی۔“

قَدْ قُتِلَ وَاللّٰهُ الْاِمَامُ بْنُ الْاِمَامِ اخِ الْاِمَامِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قُتِلَ وَاللّٰهُ الْهَمَامُ بْنُ الْهَمَامِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ عمر بن سعد کے لشکر سے ایک شخص نے نعرہ لگایا تو انہوں نے پوچھا کہ تجھے یہ ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے خود اپنی آنکھوں سے رسول پاک کو دیکھا ہے کہ وہ ایک نظر امام حسینؑ پر ڈالتے ہیں تو دوسروں نگاہ لشکر پر کرتے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ ابھی عذاب الہی نازل ہونے والا ہے، اس لیے نعرہ لگایا ہے۔ لوگوں نے اس کی خدمت کی اور کہا کہ یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے۔

راوی نے امام سے سوال کیا کہ یہ نالہ و گریہ کرنے والا کون تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: میں تو اسے جبرئیل سمجھتا ہوں کہ اپنے سردار کی شہادت پر نالہ کیا اور اگر چاہتا تو ایک چیخ سے تمام کائنات کو برباد کر دیتا۔

حضرت امام حسینؑ کا لباس لوثا

امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ ایک گھنٹہ تک متحیر ہو گئے، کیونکہ زمین کو زلزلہ آ گیا تھا۔ فضا میں ہولناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں، سورج کو گرہن لگ گیا، ہوا تاریک ہو گئی، ستارے ظاہر ہو چکے تھے، اس کے ساتھ ساتھ آسمان سے خون برسا، سرخ اور سیاہ آغشی چلی، دنیائے عالم کی حالت بدل گئی۔ لوگوں میں عجیب وحشت پیدا ہو گئی کہ ابھی آسمان سے کوئی

غدا ب آنے والا ہے یا زمین اپنے اہل کو غرق کرنے والی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد آہستہ آہستہ فضا روشن ہوئی، گرد و غبار بیٹھ گیا۔ سرخی ہر طرف ہوئی، زمین کا زلزلہ رک گیا۔ لوگوں کی حالت معمول کے مطابق ہونے لگی اور حیرت و درماندگی سے نکلے تو ملائین نے پھر سے سرکشی شروع کر دی۔ ظلم اور تجاوز کرنا شروع کر دیا، شرارت اور فساد کا اعادہ کیا اور امام مظلومؑ کی لاش پر ہجوم کر کے حضرتؑ کے لباس تن کو لوٹ لیا۔

۱) پیراہن امام اسحاق بن حیوۃ حضری نے اٹھایا اور جب پہنا تو برص کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اس کے سر اور چہرے کے بال گر گئے۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: امامؑ کے اس پیراہن میں ایک صد تیرہ سوراخ تھے جو نیزوں، تیروں اور تلواروں کی وجہ سے ہوئے تھے۔

۲) حضرتؑ کا عمامہ افض بن مرہد یا جابر بن یزید اودی نے لوٹا اور جب سر پر باندھا تو وہ دیوانہ اور مجذوم ہو گیا۔

۳) حضرتؑ کی نعلین مبارک اسود بن خالد نے چرائی۔

۴) اور حضرتؑ کی انگشتی بھل بن سلیم نے لوٹی اور انگوٹھی اتارنے کے لیے امامؑ کی انگلی بھی کاٹ ڈالی۔

ارباب تاریخ نے لکھا کہ اس انگوٹھی کو اتارنے اور امامؑ کی انگلی کاٹنے کے جرم میں جناب مختار ثقفی نے اس ملعون

بھل بن سلیم کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے اور وہ اپنے خون میں تڑپتا رہا اور تڑپتے ہوئے واصلِ جہنم ہوا۔

۵) ایک ریشمی کپڑا قیس بن اصف نے لوٹا، یہ ملعون جذام میں مبتلا ہوا اور گھر والوں نے اسے دُور کر دیا اور اسے

گندگی پر ڈال دیا اور ابھی یہ زندہ تھا کہ کتے اس کے گوشت کو کھڑے کھڑے کر کے کھاتے رہے۔

۶) حضرتؑ کی زرہ عمر بن سعد نے لوٹ لی اور جب مختار ثقفی نے عمر بن سعد کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل ہو گیا اور جہنم

میں پہنچ گیا تو اس کے قتل کو زرہ دی گئی۔

مرحوم محدث قمی ختبی الآمال میں لکھتے ہیں: حضرتؑ کی دو زرہیں تھیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ امامؑ کی دوسری زرہ

نک بن یسر نے لوٹی اور وہ دیوانہ ہو گیا۔

۷) حضرتؑ کی شمشیر (بروایت شیخ مفید در ارشاد) اسود بن حظلہ نے لوٹی۔

مرحوم محدث قمی ختبی الآمال میں لکھتے ہیں: یہ تلوار ادری ذوالفقار کے علاوہ تھی۔ کیونکہ ذوالفقار تو نبوت و امامت کے

مواہرے سے ہے جو محفوظ اور مامون رہی۔

۸) مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اُوپر والی شلوار ابجر بن کعب تمیمی نے لوٹی، اور نیچے والی شلوار کے بارے میں اہل

حرم سے سوال کیا اور اُس نے اس کو پارہ پارہ کر دیا۔

﴿۹﴾ منتخب مریخی نے لکھا ہے کہ اس ملعون کے ہاتھ اسی وقت مثل ہو گئے اور وہ اسی وقت مر گیا۔

شہادتِ امامؑ کے بعد ذوالجناح کی خیام میں آمد

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کا سر کاٹ لیا گیا، عبالوث لی گئی اور امامؑ کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت امامؑ کے مخصوص گھوڑا یعنی ذوالجناح جو امامت کے موارِیث میں سے تھا، آنسو بہاتا ہوا اپنے آقا کے بدن کا طواف کرتا رہا۔ اس کو پکڑ کر مالِ غنیمت بنانے کے لیے آگے بڑھتا وہ اپنی ٹانگوں سے اسے رگڑ دیتا۔ لشکر والوں نے جس قدر بھی ذوالجناح پکڑنے کی کوشش کی کہ مالِ غنیمت بنا سکیں وہ ناکام رہے کیونکہ یہ حیوانِ امانتِ امامت میں سے تھا اور کوئی شخص جس کا مخصوص امانت کو نہیں رکھ سکتا (جو چیزیں امامؑ کے لباس سے لوٹی گئیں مثلاً عمامہ، شمشیر، انگلی وغیرہ امامت کے موارِیث میں سے تھیں)۔

یہ ذوالجناح خشکی، تشنگی اور بدن میں کثیر تیروں کے پیوست ہونے کے باوجود امامؑ کی لاش کا طواف کر رہا تھا۔ اور سکون نہ کرتا تھا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف آ جاتا تھا اور دیکھی بین کرتا تھا اور آنسو بہاتا تھا۔ نیز دشمنوں کو پوسے مارتا اور امامؑ سے دُور کرتا۔ چونکہ اس ذوالجناح کو امام حسینؑ سے بہت محبت تھی، لہذا امامؑ کے بدن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ دشمنوں نے اس کو ”مُحَر“ سے تشبیہ دی۔ (مُحَر گھوڑے کا وہ بچہ ہوتا ہے جو کسی صورتِ مال سے جدا نہیں ہوتا) مرحوم مریخی منتخب میں لکھتے ہیں: جب امامؑ شہید ہو گئے تو ذوالجناح بین کرتا اور شہیدوں میں پھرتا رہتا تھا۔ عمرت سے نے کہا کہ اس گھوڑے کو پکڑ لاؤ کیونکہ یہ نجیب اور اصیل گھوڑا ہے۔ جو شخص پکڑنے آتا وہ اسے دانتوں سے کاٹتا اور پیروں سے مارتا اور جہنم میں پہنچا دیتا۔

ابن سعد نے دیکھا کہ اب کوئی چارہ نہیں رہا تو حکم دیا کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور دیکھو کہ کیا کرتا ہے۔ لشکر و دُور ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ذوالجناح امام حسینؑ کی لاش پر آیا اور نالہ و زاری اور بیان کرنے شروع کر دیئے۔ سب نے دیکھا کہ ذوالجناح حضرت امام حسینؑ کی خوشبو سونگھتا ہے اور حضرتؑ کے زخموں پر منہ رکھ کر چومتا ہے اور ایسی ماں کی طرف روتا ہے جس کا نوجوان بیٹا مر گیا ہو۔

پھر انھوں نے دیکھا کہ ذوالجناح میدان سے واپس آیا اور خیام میں مخدرات کی طرف سے رخ کیا۔ خیام کے دروازے پر روتا ہوا ہنہانیا تو تمام مخدرات بے سرو پا برہنہ باہر دوڑیں۔ جب ذوالجناح کو خالی دیکھا تو دل سے سر آہیں نکھر

اور چہروں پر ماتم کرنے لگیں اور یہ بیان کیے: واسیدہ و احسینہ..... اور ذوالجناح کے ارد گرد ماتمی حلقہ بنا لیا۔ ہر کوئی ذوالجناح سے اپنی زبان حال میں باتیں کر رہا تھا۔ البتہ ان سب کا ایک سوال مشترک تھا اور وہ یہ تھا کہ اے ذوالجناح! تم تو اپنے مالک کے بڑے وفادار تھے، انہیں کیوں چھوڑ آئے ہو اور واپس نہیں لائے ہو؟

ذوالجناح بہت شرم کرنے والا تھا لہذا شرم کے مارے اپنے دائیں ہاتھ کو پیٹ کے نیچے کر لیا اور بائیں ہاتھ کو آگے لمبا کر لیا اور اپنے سر کو شرمندگی کی وجہ سے بائیں ہاتھ کے نیچے چھپا لیا جب کہ آنسو مسلسل بارش کی طرح جاری تھے۔ اور بچوں، خدوات کی غربت اور حالت ذوالجناح کو مزید بے قرار کر رہی تھی اور ان مظلوموں کا دکھی انداز میں اس قدر گریہ و زاری سنی تو دیوانہ وار کبھی اس طرف جاتا اور کبھی اُس طرف جاتا نیز دکھ اور پریشانی کی وجہ سے اس قدر اپنا سر زمین پر مارا کہ روح پرواز کر گئی۔ چنانچہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے:

إِنَّهُ رَمَى بِنَفْسِهِ عَلَى الْأَرْضِ وَجَعَلَ يَصْهَلُ وَيَضْرِبُ رَأْسَهُ الْأَرْضِ عِنْدَ الْخِيْمَةِ حَتَّى مَاتَ

مرحوم قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: ذوالجناح کی حالت موت کے بارے چار روایات اور بھی ہیں:

① صاحب روضۃ الشہداء ابوالموید خوارزمی سے نقل کرتے ہیں کہ ذوالجناح امام کی شہادت کے بعد بیابان کی طرف چلا گیا اور کسی نے اس کو پھر نہ دیکھا اور غائب ہو گیا۔

② مرحوم درہندی لکھتے ہیں: جناب شہر بانو اس ذوالجناح پر سوار ہوئیں اور وہ شہر رے آئیں البتہ یہ روایت نہایت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

③ ابو جعفر نے عبد اللہ بن قیس سے نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام کا ذوالجناح دشمنوں کو امام سے دور کر رہا تھا، پھر خیام کی طرف آیا۔ وہاں سے فرات کی طرف گیا اور خود کو فرات میں ڈال دیا اور اس میں ڈوب گیا پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

④ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ذوالجناح کربلا سے مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے سامنے پہنچ کر امام کی شہادت کی خبر رسول پاک کو دی اور اب ذوالجناح امام زمانہ کے پاس موجود ہے۔

پامالی لاش سید الشہداء

مرحوم کلینی اپنی کتاب شریف 'کافی' میں اور میں بن عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں:

لَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنِ اِمْرَاؤُا وَالْقَوْمَ اَنْ يُوطِئُوهُ الْخَيْلَ

جب امام شہید ہوئے تو ابن سعد کے لشکر نے امام کی لاش پر گھوڑے دوڑانے چاہے، جناب فقہ نے جناب نبی صلی اللہ علیہا کی خدمت میں عرض کیا کہ دشمن پامالی کرنا چاہتے ہیں۔ اے بی بی زینب! سفینہ جو رسول پاک کا آرزو تھا، جب دریا میں اس کی کشتی ٹوٹ گئی اور تیرتے ہوئے ایک جزیرہ میں پہنچے تو ایک شیر نے سفینہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ سفینہ نے فوراً کہا:

يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ

”اے شیر! میں رسول اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں، مجھے اذیت نہ دینا۔“

فَهَمَّ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى اَوْقَعَهُ بَيْنَ الطَّرِيقِ

جونہی شیر نے رسول پاک کا نام سنا تو سفینہ کو اذیت نہ دی بلکہ سفینہ کو اشارہ کر کے اپنے اوپر سوار کیا اور راستے پر آیا۔ پھر جناب فقہ نے عرض کیا: اے بی بی زینب! میں نے سنا ہے کہ اس علاقہ میں بھی ایک شیر رہتا ہے، اگر مجھے اجازت ہو تو میں جاؤں اور اس شیر کو اس واقعہ شہادت امام کی اطلاع دوں تاکہ اس غربت اور بے بسی کی حالت میں وہ ہماری فریاد پہنچے اور مولّا کے جسم کی حفاظت کرے۔

بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے اجازت دے دی۔ جناب فقہ صحرا کی طرف گئیں اور خود کو شیر کی کچھار تک پہنچیں۔ نزدیک گئیں اور بلند آواز سے کہا:

يَا اَبَا الْحَارِثِ قَرِّعْ رَأْسَهُ اے ابو الحارث! شیر نے سر اٹھایا تو فقہ نے کہا: اَتَدْرِى مَا يُرِيدُونَ اَنْ يَفْعَلُوْا غَدًا بِابِي عَبْدِ اللَّهِ ”اے شیر! تم جانتے ہو کہ خدا سے بے خبر اس گروہ کا کل کیا ارادہ ہے اور سلطان دین و دنیا کے جسم سے بارے میں کیا سوچ ہے؟“ ”يُرِيدُونَ اَنْ يُوطِئُوهُ الْخَيْلَ ظَهَرَ“ ”ان ملائین کا ارادہ ہے کہ امام کے بدن پر گھوڑے دوڑا دیں اور سینہ اقدس اور پشت مبارک کی ہڈیوں کو پھور پھور کر دیں۔“

جب شیر نے یہ دیکھی خبر سنی تو غراتا اور آنسو بہاتا ہوا سید الشہداء علیہ السلام کے مقتل میں آیا اور بڑھت نکا ہوں سے شہداء کو دیکھا، زار و قطار رویا اور شہیدوں کے بدنوں میں جسم مطہر سید الشہداء کو تلاش کر کے اس طرح کرنا کہ ہر شہید کو دیکھا اور آگے گزر جاتا بالآخر امام کے زخمی بدن کو تلاش کر لیا۔ یہ ایسا بدن تھا جس کے تمام اعضاء و جوارح زخمی تھے اور کوئی عضو سالم نہ تھا۔ شیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس شہید کے بدن پر ایسے رکھے کہ بدن شیر کے ہاتھوں کے نیچے چھپ گیا اور محفوظ ہو گیا۔ لشکر کوفہ نے گھوڑے بدن پر دوڑانے چاہے تو دیکھا کہ شیر لاش پر بیٹھا ہے۔ ابن سعد کو خبر دی تو اس ملعون نے کہا کہ

یہ ایک امتحان اور آزمائش ہے، اسے آشکار و ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔ پھر لشکریوں کو حکم دیا کہ فی الحال لاش پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں کیوں کہ اس میں مصلحت نہیں۔ یہ ملعون پامالی سے منحرف ہو گئے اور شیر گیارہویں کی رات شہداء کے پاس رہا اور لاشِ امام کی حفاظت کرتا رہا۔ پھر گیارہ محرم کو قتل کو چھوڑ کر چلا گیا۔

گیارہ محرم کی عصر کے وقت جب ابن سعد نے اپنے فوجیوں کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا تو شیر کے چلے جانے کی وجہ سے چند لوگوں سے کہا کہ اب حسینؑ کے بدن پر گھوڑے دوڑا دو، تاکہ ابن زیاد کے حکم پر عمل درآمد ہو جائے۔

علامہ مجلسی نے بحار (ج ۴۵، ص ۵۹) میں پامالی کرنے والوں کے نام یہ لکھے ہیں: ① اسحاق بن حیوہ الحضرمی ② انص بن مرثدہ ③ حکیم بن طفیل السنسی ④ عمرو بن صبیح البصید اوی ⑤ رجا بن مہذب العبیدی ⑥ سالم بن خیشمہ ⑦ صالح بن وھب بنی الجھفیان ⑧ واخط بن ناعم ⑨ ہانی بن عتبہ الحضرمی ⑩ اُسید بن مالک

ابو عمرو زاہد سے روایت ہے کہ میں نے ان لوگوں کے نسب کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دس کے دس حرام زادے ہیں۔ جب مختار ثقفی نے انہیں پکڑا تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کو زمین پر پھیلا کر میخیں ٹھوک دیں اور پھر ان خبیثوں کے بدن پر اس قدر گھوڑے دوڑائے کہ یہ سب واصل جہنم ہو گئے۔

تنبیہ و توجیہ: متعدد روایات موجود ہیں جن میں حضرت امامؑ کے بدنِ مطہر کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرنا ثابت ہے۔ ان روایات سے ایک روایت امام باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور اس حدیث کا آخری فقرہ ہمارا شاہد ہے:

وَلَقَدْ قُبِّلَ بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَالْحِجَارَةِ وَالْخَشَبِ وَالْعَصَاءِ وَلَقَدْ وَطِئَهُ الْخَيْلُ بَعْدَ ذَلِكَ

”فرمایا: حضرت سید الشہداءؑ تلواروں، نیزوں، پتھروں، لکڑیوں اور عصا سے قتل ہوئے اور شہادت

کے بعد گھوڑوں سے بدن کو پامال کیا گیا۔“

شامِ غریباں اور غارتِ خیام

امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب لشکر والے امامؑ کی لاش لوٹنے سے فارغ ہوئے تو سوار اور پیادہ ظالم سپاہیوں نے خیام کی طرف ہجوم کیا اور لباس، چادریں، گھر کے سامان، سواریاں، آلات و اسبابِ حرب لوٹنے لگے اور اس لوٹ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے رہے۔

اربابِ مقاتل نے لکھا ہے کہ پہلے تو فوجِ اشقیاء تلواریں نکال کر خیام میں داخل ہوئی اور لوٹنا شروع کیا۔ جب تمام سامان لوٹ لیا تو پھر مزید تجاوز کرتے ہوئے مخدرات اور بچوں کے لباس لوٹنے شروع کیے۔ چند لکھوں میں بچیوں کے

گوشوارے چھن گئے، کانٹے اتر گئے اور مستورات کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔

اہل بیتؑ سید الشہداءؑ کے لیے سخت ترین مصائب کا وقت بھی تھا جب یہ پاک لوگ ان کمینہ مفت اور پست فہمت کوفیوں کے چنگل میں پھنس گئے۔ دشمنوں کی فوج کے ایک صحابی حمید بن مسلم نے کہا ہے:

قَوْلَ اللَّهِ لَقَدْ كُنْتُ أَرَى الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَائِهِ وَبَنَاتِهِ وَأَهْلِهِ تَتَنَارَعُ ثُوبَهَا وَعَنْ ظَهْرِهَا حَتَّى تَغْلِبَ عَلَيْهِ فَيَذْهَبَ بِهِ عَنْهَا

”کہ خدا کی قسم! میں نے شامِ غریباں امام حسینؑ کی عورتوں، بیٹیوں اور اہل بیتؑ کو دیکھا کہ جب ان کی چادریں چھیننا چاہتے تھے تو یہ خدراتِ عصمتِ قبل اس کے کہ نامحرم ان کی طرف چادر چھیننے کے لیے ہاتھ دراز کریں خود ہی اپنی چادریں، زیورات اور سامانِ زمین پر پھینک دیتی تھیں تاکہ نامحرم مالِ لوٹ کر چلے جائیں اور معترض نہ ہوں۔“

صاحبِ بیت الاحزان نے لکھا ہے: سب سے پہلے جسے لشکرِ کفار نے لونا وہ بی بی جنابِ نجب سلام اللہ علیہا ہیں کہ من کے سر سے چادر اور متعہ چھین لیا گیا۔ گوشوارے کانوں سے کھینچ لیے۔ ان کے بعد جنابِ اُم کلثومؑ، جنابِ فاطمہؑ مکبریٰ کے گوشوارے اس قدر جلدی سے کھینچے کہ ان کے کان بھی زخمی ہو گئے۔

کتابِ مصائبِ المعصومینؑ میں لکھا ہے: شرمِ ملعون جب امام سجاد علیہ السلام بیمار کر بلا کے خیمہ میں داخل ہوئے، شمر کے ساتھ چند اور بھی منافق تھے جنہوں نے امام سجادؑ کو قتل کرنا چاہا۔ شمر نے اجازت دی کہ جس طرح اپنے بستر پر سوئے ہیں اسی حالت میں قتل کر دو۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں آگے آیا اور کہا: سبحان اللہ! کیا تم چھوٹے بچوں کو قتل کرتے ہو۔ اے قوم! یہ بزرگوار! عمرِ نوجوانی میں ہے اور اس قسم کا صدمہ اور بیماری دیکھ رہا ہے اسے چھوڑ دو۔ جب میں نے بہت منت سماجت کی تو وہ ملعون امام کے قتل سے باز آئے۔ لیکن جنابِ نجب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

نَظَرُ إِلَى تَرَيِّبِ الْعَابِدِينَ قَرَاهَ مَطْرُوحًا عَنِّي نَظَمٌ مِنَ الْإِدِيمِ وَهُوَ عَلِيلٌ فَجَذَبَ النَّظَمَ مِنْ تَحْتِهِ وَالْقَاءَ مَكْبُوبًا عَلَيَّ وَجْهَهُ

”نیلی آنکھوں والے ملعون نے ہمارا سامانِ لونا، پھر اس ملعون کی نظر امام سجاد سید الساجدینؑ پر پڑی۔ امام چڑے کے کٹڑے پر سوئے ہوئے تھے اور سخت بیمار تھے۔ اس ملعون نے چڑے کے اس کٹڑے کو اس زور سے کھینچا کہ امام سجادؑ منہ کے بل زمین پر گر گئے۔“

شیخ صدوقؒ امامی میں جناب فاطمہ بنت الحسینؑ سے روایت لکھتے ہیں: جب فوج اشقیاء ہمارے خیام میں داخل ہوئی تو میں چھوٹی سی تھی، میرے پاؤں میں دو سونے کی پازتیں تھیں۔ ایک ملعون آیا اور وہ پازتیں میرے پاؤں سے اتارنے لگا اور وہ رو بھی رہا تھا۔ میں نے کہا تو روتا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: گریہ کیسے نہ کروں کہ دختر رسولؐ کی توہین کر رہا ہوں۔

میں نے کہا: اگر تو جانتا ہے کہ میں دختر رسولؐ ہوں تو پھر لوٹا کیوں ہے؟

ملعون نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں (یہ پازتیں) نہ اتاروں گا تو کوئی اور آ کر اتار لے گا۔

جناب فاطمہؑ کبریٰ فرماتی ہیں: جو کچھ ہمارے خیام میں تھا وہ لوٹ لیا گیا حتیٰ کہ ظالم ہمارے سروں سے چادریں بھی جھین کر لے گئے۔ بی بی فرماتی ہیں: خیام لٹنے کے بعد میں خیام کے دروازے پر کھڑی تھی اور اپنے بابا اور اصحاب کے ٹکڑے ٹکڑے ابدان کو ”قربانی کے گوشت کی طرح“ زمین پر پڑا دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بے دین گروہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ادھر ادھر جا رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ بابا کی شہادت کے بعد بنی امیہ ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ کیا ہمیں قتل کر دیں گے یا قیدی بنائیں گے؟

اچانک میں نے دیکھا کہ ایک بے حیا ملعون گھوڑے پر سوار آیا اور عورتوں کو آگے لگاتے ہوئے نیزے کی آئی سے زخمی کر کے ہانک رہا تھا۔ ان بیٹیوں کی کوئی پناہ نہ تھی اس لیے ایک دوسرے کی پناہ لیتی تھیں حالانکہ ان بیٹیوں کا سامان اور لباس لوٹ لیا گیا تھا۔ ان بیٹیوں کی فریاد اور آواز یہ تھی:

وَأُمِّحَمَّدَاةَ وَآبَتَاةَ وَأَعْلِيَّةَ وَاقِلَّةَ نَصْرَاةَ وَاحْسَنَاتَ وَاحْسِنَاتَ

کبھی کبھی یہ بھی استغاثہ کرتی تھیں:

أَمَّا مِنْ مُجَبِّزٍ يُجَبِّرُنَا وَأَمَّا مِنْ تَرَالٍ يَنْوُدُ عَنَّا

”یعنی کوئی ہے جو رسولؐ زادوں کو پناہ دے، کوئی ہے جو رسولؐ کی بیٹیوں کو ظالموں کے شر سے بچا

سکے۔“

جناب فاطمہؑ کبریٰ فرماتی ہیں: میں یہ حال دیکھ کر پریشان ہو گئی اور میرے ہوش اڑ گئے، میرے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی اور اس بے حیا سوار کے ڈر سے کبھی پھوپھی اُم کلثومؑ کی دائیں طرف جاتی اور کبھی بائیں طرف جاتی تھی کہ اس ظالم کے شر سے محفوظ رہ سکوں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہ ملعون میرا تعاقب کر رہا ہے اور لحظہ بعد میں نے محسوس کیا کہ اس ملعون کے نیزے کی آئی میرے کندھوں کے درمیان آ گئی ہے۔ میں فوراً زمین پر گر پڑی۔ وہ بے حیا، بے مروت اپنے گھوڑے سے اتر اور میرے خلفال اس طرح کانوں سے کیچنے کے لیے میرے کان زخمی ہو گئے۔ پھر میری چادر اور منقحہ اُتار اور خیام کی جانب چلا گیا۔

میں زمین پر گری ہوئی تھی، میرے چہرے سے خون جاری تھا، شدید صدمے اور تکلیف کی وجہ سے غشی ہو گیا۔ غشی کی حالت ختم ہوئی اور ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ پھوہکی نینب میرے پاس بیٹھی ہیں اور رو رو کر فریادیں کر رہی ہیں۔ پھوہکی کی جان! اے قاطمہ! اٹھو تاکہ خیمہ کے اندر جائیں اور دیکھیں کہ باقی بیٹوں اور تمہارے بیمار بھائی سجادؑ پر یہ حالت میں اٹھی اور عرض کیا: پھوہکی اماں! کیا آپ کے پاس کوئی کپڑا ہے کہ ناکھروں سے اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیں۔ حضرت نینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اے قاطمہ! عَمَّتْكَ وَشَلَّتْ تیری پھوہکی بھی تیری طرح ہے یعنی ہے۔ چھین لی گئی ہے اور سر ڈھانپنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔

جناب قاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: جب میں پھوہکی کے ساتھ خیمہ میں آئی، دیکھا کہ خیمہ میں جو کچھ تھا وہ ہے اور بھائی سجادؑ اسی حال میں منہ کے بل خاک پر پڑے تھے۔ کیونکہ ظالم نے امام سجادؑ کے نیچے سے چڑے کا فرش چھین لیا تھا کہ بیمار امامؑ منہ کے بل زمین پر گر گئے۔ اور ابھی اسی حالت میں پڑے تھے۔ وہ بیمار تھے اور قحطی و بے روزگاری سے اُن میں اٹھنے، بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ جب پھوہکی اور میں نے بیمار کو اس حال میں دیکھا تو بے اختیار گریہ کرنے لگی۔ ہم بھی بہت گریہ کیا۔ وہ ہماری غربت اور درہداری پر رو رہے تھے اور ہم ان کی بیماری، پیاس، بھوک اور خاک پر رونا سنتے پڑے ہوئے پر رو رہے تھے۔ پس ہم نے سجادؑ بیمار کے بازو کو پکڑ کر زمین سے اٹھایا اور سیدھا کر کے بٹھایا اور سب سے کہا: بیمار مظلوم کے پاس بیٹھ کر سب بیماریاں دور ہی تھیں نیز خوف و اضطراب اور ماتم کر رہی تھیں۔ امام سجادؑ کی حالت بہتر نہ ہو سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے بلکہ شدت بھوک اور پیاس کی وجہ سے کبھی سر خاک سے اٹھاتے اور کبھی خاک پر گر جاتے تھے۔ کبھی پریشان بیبیوں کی طرف دیکھتے کہ برہنہ ہیں اور تازیانوں اور نیزوں کی وجہ سے بدن پر زخم اور خشک ہوتے تھے۔ جس سے امامؑ کو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔

شیخ مفید مرحوم حمید ابن مسلم سے نقل کرتے ہیں: عیموں کے لٹنے اور مستورات کے سر برہنہ ہونے کے بعد ہر ایک کے سر ہانے پہنچے۔ شمر نے ساتھیوں سے کہا: اس بیمار کو قتل کر دو۔ حمید کہتا ہے کہ میں نے شمر کو ملامت کی اور کہا: کیا اس کو شمر اس قدر متقلین کافی نہیں ہیں؟

صاحب اخبار الاقول نے لکھا ہے کہ شمر نے امامؑ کو قتل کرنے کے لیے مخبر بھیجا تو ہر طرف سے بچوں اور مستورات روتی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب نینب سلام اللہ علیہا نے اپنے آپ کو امام زین العابدینؑ پر گر دیا اور امامؑ کو اپنے سر میں کر لیا اور بہت روئیں لیکن بھائی حسینؑ کی وصیت پر عمل کیا کیونکہ امام حسینؑ نے وصیت کی تھی کہ بہن امیری شہادت بعد ظالم کئی مرتبہ میرے بیمار بچے کو قتل کرنا چاہیں گے، جب آپ سے جس قدر ہو سکے گریہ و زاری کرنا اور آنسو بہا کر

خدا کی جان کی حفاظت کرنا۔

پس جنابِ ننبِ امام سجادؑ کے اوپر گر پڑیں اور شمر سے فرمایا: وَاللّٰهُ لَا تَقْتُلُ حَتّٰی أَقْتُلُ ”خدا کی قسم! میں اپنے پیار کو مقتول نہیں دیکھوں گی، تو پہلے مجھے قتل کر دے۔“

شمر ملعون خنجر ہاتھ میں لیے ہر طرف حرو لہ کر رہا تھا اور دھکی مورتیں اور ڈرے ہوئے بچے آہ وزاری کر رہے تھے۔ گریہ وزاری اس قدر شدید تھی کہ عمر بن سعد دوڑتا ہوا جبکہ اس ملعون نے سید الشہداءؑ کی زرد پٹن رکھی تھی، مخدرات کے نزدیک آیا اور گریہ وزاری سنی۔ اہل بیتؑ نے فریادیں کیں اور بچوں نے روتے ہوئے کہا: اے ظالم! اولادِ علیؑ پر آخر کس قدر ظلم و تشدد کرتے رہو گے؟ اے بے رحم! ہم کس کس مصیبت پر صبر کریں؟

ابن عمر اگرچہ بڑا شقی القلب تھا لیکن مستورات کے گریہ وزاری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے اصحاب سے کہا:

لَا يَدْخُلُ مِنْكُمْ أَحَدٌ بَيُوتَ هَؤُلَاءِ النِّسَاءِ وَلَا تَعْرُضُوا لِهَذَا الْغَلَامِ

”کوئی شخص بھی ان عورتوں کے گھروں (خیموں) میں داخل نہ ہو کسی کو اجازت نہیں اور کوئی بھی اس نوجوان سے معترض نہ ہو۔“

جب پاک مستورات نے اس لعنتی کردار سے ذرا بھر رحم دیکھا تو ایک خواہش اور کردی:

سَأَلْتُهُ النِّسْوَةَ لِيَسْتَرْجِعَ مَا أَخَذَ مِنْهُنَّ لِيَسْتَوْنَ بِهِ

”جو لشکر نے ہمیں سے لوٹا ہے وہ سامان، خصوصاً چادریں واپس کر دے تاکہ ہم اپنا پردہ بنا سکیں۔“

ابن سعد نے لشکر کو بلند آواز سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

مَنْ أَخَذَ مِنْ مَتَاعِهِمْ شَيْئًا فَلْيَرْدِّهِ عَلَيْهِمْ

”جس جس شخص نے ان پردہ داروں کا مال و متاع لوٹا ہے واپس لوٹا دو۔“

لیکن محسوس کسی ایک نے بھی کوئی ایک شے واپس نہ لوٹائی۔

وَكَمَّلَ بِالْفُسْطَاطِ وَبَيُوتِ النِّسَاءِ وَهَلَّى بِنِ الْحُسَيْنِ جَمَاعَةً مِّمَّنْ كَانُوا مَعَهُ وَقَالَ

إِحْفَظُوا لَهُمْ لِيَلَّا يَخْرُجَ مِنْهُمْ أَحَدٌ لَا تَسْأَلُونِ إِلَيْهِمْ

”اس کے بعد عمر سعد نے خیم پر ایک جماعت کو مقرر کیا کہ ان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں

تاکہ کوئی ان سے باہر نہ نکل پائے نیز کوئی شخص ان کو اذیت نہ دے اور ان کے خیم کی حفاظت کر دے۔

یہ حکم دے کر ابن سعد چلا گیا۔“

خیام حسینی کو آگ لگانا

جب خیام اور اہل خیام کی حفاظت کے لیے ابن سعد نے ایک جماعت مقرر کی تو شمر بہت غضب ناک بن گیا۔ اس نے کہا کہ آخر ابن سعد اولاد علی سے اس قسم کا نرم برتاؤ کیوں کرتا ہے حتیٰ کہ اُس نے بیمار کی سفارش کی اور جسے قتل سے باز رہنے کی تاکید کی۔ تم دونوں دیکھتے رہو اور ابن زیاد کے سامنے ابن سعد کے خلاف گواہی دیتا ہے۔

جب شمر کے نظریے کی اطلاع ابن سعد کو ملی تو وہ خوف سے مارا مارا آیا اور کہا: اے لشکر ہمارا مقصود حسینؑ کا قتل کر دیا ہے لیکن عورتوں اور بچوں کا کوئی تصور نہیں، پھر جو انہوں نے دکھ دیکھ لیے، پریشانیاں دیکھ لیں اور مصیبتوں کو چھو اب اس پر تم راضی نہیں ہو اور میرے اس حکم پر خوش نہیں ہو تو جاؤ میں یہ حکم واپس لیتا ہوں جو ظلم کر سکتے ہو کہ دگر بے نی نہ کرنا۔ پس شمر ملعون چند دشمنوں کے ساتھ خیام کے پاس آیا اور حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو خیام سے نکال دو۔

سید بن طاووس درلہوف میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ أَخْرَجَ النِّسَاءَ مِنَ الْخَيْمَةِ وَأَشْعَلُو فِيهَا النَّارَ فَخَرَجْنَ حَوَاسِرَ ، مَلْبَاتٍ خَافِيَاتٍ
بَاكِياتٍ يَمْسِئِينَ سَبَابًا فِي أَسْبَرِ الذِّلَّةِ

”راوی کہتا ہے کہ تمام عورتوں اور بچوں کو خیام سے باہر نکالا گیا۔ پھر خیام کو آگ لگا دی گئی۔
مخدرات عصمت نے جب یہ حالت دیکھی تو سر برہنہ اور ننگے پاؤں روتے اور آہ و فریاد کرتے
ہوئے وہاں سے نکلے۔ اس وقت ان بے دینوں نے انہیں قیدی بنایا اور ذلت و خواری سے لے گئے۔“

مرحوم قزوینی رقم طراز ہیں: راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ تمام مخدرات باہر دوڑیں حتیٰ کہ بچوں کو پا برہنہ کر کے
پر آرام نہ آتا تھا، کبھی دائیں بھاگے اور کبھی بائیں بھاگتے تھے اور ہر بچہ یا محمدؐ یا علیؑ کا ورد کر رہا تھا۔ لیکن میں نے ایک جگہ
خاتون کو دیکھا کہ آگ لگے خیمے میں تھی، کبھی باہر جاتی اور کبھی خیمہ کے اندر جاتی۔ بہت مضطرب اور پریشان تھی۔ میں نے
سوچا کہ کوئی قیمتی چیز خیمہ میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ خیمہ سے دُور کیوں نہیں جاتی؟ اس معظّمہ بی بی نے فرمایا کہ اس آگ
لگے ہوئے خیمے میں میرا بیمار بھتیجا ہے۔

مکیا، حویہ، فصل

شبِ شامِ غریباں کے ہولناک واقعات

اس رات بہت ہولناک واقعات ہوئے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دو بچوں کی شہادت

صاحبِ کتاب ہذا کا بیان ہے: خیامِ حرم میں آگ لگنے اور کوفی و شامی بھیڑیوں اور کتوں کے دھیانہ حملوں کے بعد شہر راتِ عصمت اور بچے، ان خوشخوار و درندوں سے محفوظ رہنے کے لیے ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ پھر آگ کے بجھ جانے اور ان بے غیرتوں کے چلے جانے کے بعد اسی حاطہ میں پھر اہل بیت اور مستورات، چھوٹے بچے دوبارہ جمع ہو گئے اور مل کر حلقہ بنایا۔

بحرِ مصائب میں ہے کہ گیارہویں کی پُر دروڑات جنابِ ننب کبریٰ نے فتنہ سے فرمایا: میرے بھائی کے بچوں کو ایک ایک کر کے اکٹھا کریں لیکن پتا چلا کہ دو بچے نہیں ہیں۔ دکھی دل سے گریہ زاری کی اور اپنے آپ سے کہا: مجھے تو بھائی کی وصیت ہے کہ میرے بچوں کا خیال رکھنا، آج پہلے دن ہی وصیت پر عمل نہ ہو سکا۔ تعجب ہے ننب کی غربت پر۔ آج صبح جب بھائی نے وداع کیا تو اہم وصیتِ قیموں کی حفاظت کی تھی۔ پھر اپنی بہن اُم کلثوم سے فرمایا: آج ہم سب مصائب میں گھرے رہے، میں نہیں جانتی کہ یہ دو بچے کہاں گئے ہیں؟ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟

پس دونوں بہنیں کربلا کے صحرا میں بچوں کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ ہر طرف بچوں کو تلاش کیا حتیٰ کہ ایک نیلے کے قریب پہنچیں جس پر گھاس اُگی ہوئی تھی تو ایک چھوٹے سے پودے کے نیچے ان دونوں قیدیوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کی گردن میں بانٹیں ڈالے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کے منہ پر منہ رکھا ہوا ہے اور اس قدر یہ شہر ادرو تے رہے ہیں کہ خاک کربلا آنسوؤں سے گیلی ہو چکی ہے۔

جنابِ ننب نے بہن اُم کلثوم کو بلایا کہ بچے مل گئے ہیں، دونوں بہنیں ان کے سرہانے بیٹھی روتی رہیں، پھر جنابِ ننب نے فرمایا: بہن! اب رونے کا فائدہ نہیں اٹھو ایک کو تم اٹھاؤ اور ایک کو میں اٹھاتی ہوں، لیکن آہستہ آہستہ اٹھایا کہیں نیند سے بیدار نہ ہو جائیں کیوں کہ بھوکے اور پیاسے ہیں لیکن جوں ہی ان کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ دونوں شہید ہو چکے ہیں۔

خدا نے حضرت موسیٰؑ نبی کے لیے یہ روزہ خوانی کی تھی: یَا مُوسٰی صَغِيرُهُمْ يُبَيِّتُهُ الْعَطَشُ وَكَسِيَهُ

مَنْكَمَش

گویا یہی چھوٹے بچے ہوں گے جو خشکی سے فوت ہو گئے۔

امام حسینؑ کی اگھیاں کاٹنا

مرحوم صدر قزوینی نے اس کافر کا مفصل حال تین کتابوں بحار، منتخب طریحی اور تاج الملوک سے نقل کیا ہے۔

مختصر بیان کرتے ہیں:

ایک مجازی شخص کہتا ہے: ایک دن میں مدینہ کے کوچہ میں سے گزر رہا تھا کہ جناب جابر بن عبد اللہ

ملاقات ہو گئی جن کے ہاتھ کو نظر کی کمزوری کی وجہ سے غلام نے پکڑا ہوا تھا لیکن جابر بہت روتے جا رہے تھے۔

اور رونے کی وجہ پوچھی۔

جابر نے کہا: ابھی قبر رسولؐ مطہر کی زیارت سے آ رہا ہوں، راستے میں اس غلام نے کہا: ایک شخص کی میت

میں لرزہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ شخص کس صورت کا ہے؟

غلام نے کہا: یہ شخص ایک گدا ہے جس کا چہرہ تارکول کی طرح سیاہ ہے، بالوں کو گویا آگ لگی ہوئی ہے، آنکھیں

اور پھٹی ہوئی ہیں اور ہاتھ خشک شدہ ہیں۔

میں نے غلام سے کہا کہ جاؤ اس شخص کو بلا کر لاؤ۔ غلام گیا اور اس شخص کو بلا لایا۔ جب بازار سے نکل گئے تو

اس شخص سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ اور اس قدر بد صورت کیوں ہو گیا ہے؟

اس شخص نے کہا: اے جابر! میں تمہیں پہچانتا ہوں کہ پاک رسولؐ کے صحابہ خاص میں سے ہو اور تم بھی مجھے

ہو کہ میں بریدہ بن وائل ہوں جو امام حسینؑ کے قافلہ کا ساربان تھا۔ ابھی یہ کلام اس کے منہ میں تھی کہ بہت رویا۔ جب

جب امام حسینؑ کا نام سنا تو بہت روئے۔

پھر اس بد بخت شخص نے کہا: کر بلا کے سفر میں خاص آلِ عباؑ ہمیشہ مجھ پر مہربانی کرتے رہتے تھے۔ ایک

تجدید وضو کے لیے شلوار اور قمیص کو اوپر کیا تو میری نظر سنہری ازار بند پر پڑی جو بادشاہ ایران نے اپنی بیٹی جناب شہ

ہدیہ دیا تھا اور اس ازار بند میں جواہر پروے ہوئے تھے اور بہت قیمتی تھا۔ میرے دل میں یہ ازار بند لینے کی خواہش یہ

حضرت امام عالی مقامؑ سے مانگنے کا ارادہ کرتا لیکن حضرتؑ کی بیعت مانع ہو جاتی۔ انتظار میں تھا کہ امامؑ کے ازار بند

زبوں لیکن چوری کرنے کا موقع بھی نہ ملا اور قافلہ کربلا میں پہنچ گیا۔

شب عاشور جب امامؑ نے تمام محابیوں، غلاموں اور ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اپنے وطن پلٹ جانے کی ہر ایک کو جوت دے دی۔ مجھے بھی فرمایا اور معذرت بھی کی کہ میرے حالات تبدیل ہو گئے ہیں، معاف کرنا جس قدر میرا یہ بننا تھا۔۔۔ سے زیادہ اور انعام کے ساتھ دیا اور وطن کو چلے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ مگر اس قدر تاکید کی کہ آج رات اس سرزمین سے نکل جا، کیونکہ میرا اور میرے جوانوں کا قبرستان یہاں ہی ہے اور اگر اس صحرائے کربلا میں رہو گے تو تمہارے پر بہت مشکل ہوگا۔

میں آگے بڑھا اور آپؑ کے دونوں ہاتھوں پر بوسہ دیا اور اپنا کرایہ اور انعام وصول کیا۔ آقا زادوں سے خدا حافظی کی، دُتوں کو آگے لگایا اور روانہ ہو گیا۔ راستے میں ازار بند کا خیال آیا کہ ازار بند حاصل نہ کر سکا۔ بہت پریشان ہوا اور بہت ہی تکلیف ہوئی کہ ازار بند حاصل نہ ہو سکا۔ بالآخر مہم ارادہ کیا کہ جس طرح ممکن ہوا ہر صورت ازار بند لوں گا۔ لہذا کربلا کے شرقی سمت کی طرف سے ایک تھمائی جگہ تھی اس میں اتر گیا، اُونٹوں کو چراگاہ کی طرف بھیج دیا، بالآخر دسویں کا دن غروب ہوا۔ بہت صبر کے وقت بہت تنگ ہوا تھا کہ اچانک ہوا تاریک ہو گئی، سخت آندھی چلی، زلزلہ آیا، سورج کی کئی سیاہ ہو گئی تھی، نعرے بند ہو رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ اس کائنات میں کوئی عظیم حادثہ ہو گیا ہے کہ زمین میں زلزلہ ہے، آسمان سے خون برس رہا ہے، اپنے آپ پر کنٹرول نہ کر سکا لہذا اُونٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور خود نیوٹی میں آیا۔ دیکھا کہ نین سعد کا لشکر واپس جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: اہل کوفہ نے امامؑ کو شہید کر دیا ہے اور اہل بیتؑ و قیدی بنالیا ہے۔

میں اپنے مقصد کے حصول کی خاطر قتل گاہ کی طرف گیا۔ میری نظر کھڑے کھڑے ہوئے جسموں پر پڑی کہ بغیر غسل و کفن کے خاک پر پڑے ہیں۔ ان مقتولین کے درمیان گردش کی کہ میری نظر کھڑے کھڑے ہوئے نازنین جسد حسینؑ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں اور دشمن لباس بھی لوٹ کر لے گئے۔ اس تاریکی شب کے باوجود ان کے بدن مبارک سے نور چمک رہا تھا جو چاند کے نور پر غالب تھا۔ میں نے وہ شلوار تلاش کی جس میں ازار بند تھا جب ازار بند کو دیکھا تو حضرتؑ نے کئی گریں لگائی ہوئی تھیں تاکہ کوئی کھول نہ سکے۔ میں خوش ہوا اور ڈرتے کانپتے ہوئے ازار بند کو کھولنے میں مشغول ہو گیا، اچانک دیکھا کہ امامؑ نے دایاں ہاتھ بلند کیا اور ازار بند پر رکھ دیا۔ میں ڈر گیا اور اپنی جگہ سے اٹھا اور حیران ہوا کہ اگر زندہ ہیں تو پھر سر کیوں نہیں؟ اور اگر زندہ نہیں تو ہاتھ کو کس طرح حرکت دیتے ہیں، ایک لمحہ سوچا اور پھر شقاوت میرے اوپر غالب ہو گئی اور قریب آیا، ہاتھ ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ہاتھ نہ ہٹا سکا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ حضرتؑ اسی دائیں ہاتھ سے مجھے اس قدر

شدید مارا کہ میری ہڈیوں کے جوڑ اور اعضاء کے جوڑ ٹوٹے محسوس ہوئے۔ لیکن میں نے بہت بے شرمی کی اور حضرت نے سینے پر پیر رکھا اور پوری طاقت سے ہاتھ کو بجائے خود ایک انگلی کو ازار بند سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن نہ ہٹا سکا۔ پس میرے پاس ایک چاقو تھا، اسے نکالا اور کھولا اور چاقو سے امانم کے ہاتھ کی پانچ انگلیاں کاٹ دیں۔

البتہ منتخب التواریخ میں لکھا ہے: تلوار سے حضرت کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے تھے۔ وہ ظالم خود کہتا ہے: میں نے آسمان سے خوفناک صدائیں اور گرج سنی کہ زمین کا پٹنے لگی، میں نے اب ازار بند کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا کہ اپنے پیچے سے گریہ و زاری کی بہت دھکی آواز سنی جس سے میرا جسم کا پٹنے لگا۔ آسانی بجلی چمکی گویا آسمان سے کوئی تارہ ٹوٹ کر گرا ہو۔ مجھے لگا ہو۔ پس اپنے آپ کو اسی قتل گاہ میں گرا دیا۔ اچانک دیکھا کہ پیغمبر خدا، علی مرتضیٰ، فاطمہ زہراء اور حسن مجتبیٰ صلوات علیہم اجمعین اور دیگر بزرگان جن کو میں نہ جانتا تھا آئے ہیں اور امانم کے ارد گرد حلقہ بنا کر ماتم کرنا شروع کر دیا:

فَنَادَى رَسُولُ اللَّهِ يَا سَبِطُ أَحْمَدُ يَعْزُ عَلَيْنَا أَنْ نَرَاكَ مُرَضَّضًا

”پیغمبر خدا نے بلند آواز سے فرمایا: اے فرزند دختر احمد! ہم پر یہ بہت گراں ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی لاش کو پامال کیا گیا ہے۔“

ثُمَّ مَدَّ رَسُولُ اللَّهِ يَدَهُ إِلَى نَحْوِ الْكُوفَةِ

پھر پاک رسول نے اپنا ہاتھ کوفہ کی طرف بڑھایا اور امانم کے سر کو کوفہ سے لائے اور بدن سے ملحق کر دیا۔“

اور امام اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے پہلے پیغمبر اکرم پر، پھر امیر المومنین پر، پھر فاطمہ الزہراء پر اور پھر امام مجتبیٰ پر سلام کیا۔

پیغمبر نے فرمایا: اے میرے دل کی ٹھنڈک! تجھے اس حال میں کیسے دیکھوں تمہارا جسم کیونکر اس طرح ٹکڑے ٹکڑے اور سوراخ سوراخ ہوا ہے۔ تمہارے جسم کی ہڈیاں کس طرح پھوڑ پھوڑ رہی ہیں؟ عرض کیا: اے میرے نانا!

مِنْ سَبَائِكَ الْخَيْلِ سَحَقْنِي وَهَشَشْتَ عِظَامِي

”گھوڑوں کے سسوں (ٹاپوں) نے مجھے ایسے پیس دیا کہ تمام جسم کی ہڈیاں پھوڑ پھوڑ رہی ہیں۔“

پیغمبر خدا بلند آواز سے روئے اور وَاَحْسَيْنَا وَ وَا وَلَدَاهُ کے بین کرتے رہے۔ پھر حضرت امیر المومنین آگے بڑھے اور فرمایا: حسین! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری ڈاڑھی خون آلود ہے اور چہرہ مجروح ہے، تمہیں گوسفند کی طرح ذبح کیا گیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے عرض کی: ہاں بابا! شرمطعون نے میرا سر پس گردن کاٹا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے بہت زیادہ رولینے کے بعد فرمایا: اے کاش! میں زندہ ہوتا اور اپنی جان تمہارے اُور قربان کرتا۔ پھر جناب فاطمہ زہراءؑ اپنے شہید بیٹے کے قریب آئیں اور فرمایا: اے میرے نور! یہ تم حسینؑ ہو جو خاک پر پڑے ہو، ابھی تک تمہیں دفن ہی نہیں کیا گیا اور تمہاری قبر ہماری قبور سے دُور کر دی گئی۔

فَقَالَتْ الْاَقْبَى اللّٰهُ فِیْ یَوْمِ حَشْرِنَا وَاشْكُوْا اِلَیْهِ مَا الْاَقْبَى مِنَ الْبَلَاءِ ثُمَّ مَرَّغَتْ فَرْقَهَا بِدَمِیْہِ
”پس فرمایا: بروز قیامت خدا سے جب ملاقات کروں گی تو جو مصیبتیں مجھ پر اور میری اولاد پر آئیں سب کے لیے شکایت کروں گی، پھر اپنے فرزند حسینؑ کے خون سے اپنے سر کے بال خضاب کیے۔“

منتخب طریقی میں ہے کہ سید الشہداء نے ان کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: اے حید بزرگوار! خدا کی قسم! ہمارے جوانوں کو قتل کیا، ان کے لباس اور اموال کو لوٹ لیا گیا۔ اسی طرح کچھ لھٹات جناب سید الشہداءؑ اپنے بزرگوں سے باتیں کرتے رہے اور اپنا حال بتاتے رہے۔ اس وقت جناب زہراءؑ نے رسولؐ پاک کے حضور میں عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ کی اُمت نے میرے فرزند پر یہ مصیبتیں نازل کی ہیں؟ اے بابا! مجھے اجازت دو کہ میں اپنے بیٹے کے خون سے اپنے سر کے بالوں کو خضاب کر لوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے فاطمہ! اپنے بالوں کو خضاب کرلو۔ میں بھی اپنی ریش کو خون حسینؑ سے خضاب کرتا ہوں۔ پس پیغمبر اکرمؐ، مولا علیؑ، جناب فاطمہؑ اور حسن مجتبیٰؑ صلوات اللہ علیہم اجمعین نے خون سید الشہداءؑ سے خضاب کیا۔ پھر رسول اللہؐ کی نظر امام حسینؑ کے ہاتھوں پر پڑی تو فرمایا: اے میرے نورِ نظر!

مَنْ قَطَعَ یَدَکَ الْیَمٰنِیَّ وَکُنِیْ بِالْیُسْرٰی

”تمہارے ہاتھوں پر کس ظالم نے ظلم کیا ہے؟“

امامؑ نے عرض کیا: میرا ایک ساربان تھا، ازار کے لالچ میں اُس نے میرے ہاتھوں پر ظلم کیا ہے۔ ابھی جب آپؐ تشریف لائے ہیں اس ملعون نے اسی وقت یہ کام کیا ہے۔ جب آپؐ کی آواز سنی تو اس نے اپنے آپ کو متولین میں چھپا دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسولؐ خدا اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے پاس آئے اور فرمایا: اے بے مروت! میرے بیٹے نے تیرا کیا نقصان کیا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ جو جسے جبرئیلؑ اور ملائکہ چومتے تھے، تو نے شہید کر دیا۔ کیا پہلے زخم اور ضربیں کم تھیں کہ تم نے بھی ضربیں لگائیں۔ سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْہَکَ یَا حَمَّال ”اے جمال تیرا چہرہ سیاہ ہو۔ اب تو کبھی دنیا و آخرت میں اچھا لہنے دیکھے گا۔“ اور خدا تجھے دونوں ہاتھوں سے محروم کر دے گا اور بروز محشر قاتلین کے گروہ میں محشور ہوگا۔

چونکہ رسول خدا نے میرے لیے یہ دعا کی تو اسی وقت میرے ہاتھ خل ہو گئے، چہرہ سیاہ ہو گیا اور میری یہ حالت صحیح تھی۔

بعض مقاتل اس واقعہ کے منکر ہیں اور حکایت ساربان کے بنیادی طور پر انکاری ہیں لیکن بندۂ حقیر کی نظر میں کوئی بھد نہیں اور کسی منطق اور مہان کے منافی نہیں اور پھر ماثور اور مروی بھی ہے۔

سر مطہر کا کوفہ پہنچنا

ارباب مقاتل میں اختلاف ہے کہ سر مطہر کو کون کوفہ لے گیا اور کون ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ بعض نے لکھا ہے سر مطہر لے جانے والا شرمعون تھا۔ بعض نے لکھا ہے: خولی بن یزید ملعون سر کو کر بلا سے کوفہ لانے والا تھا۔ صاحب کتاب ہذا کا بیان ہے: امام کا سر مقدس عصر عاشورہ تن سے جدا ہو گیا اور جدا کرنے والا شمر تھا۔ اسی وقت کوفہ سے کر بلا نکل ہوا اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ سر کو کوفہ لے جانے والا کون تھا۔ اس میں دو قول اور چند روایات ہیں:

۱ قول مشہور: ارباب مقاتل کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ عمر بن سعد نے خولی بن یزید انکی پلید کو سر مقدس امام دیا اور کہا: اسے فوری طور پر امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ صاحب ارشاد، لہوف، روضۃ الشہداء، نفس المہموم و ختمی الآمال کا یہی نظریہ ہے۔

صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

وَسَرَّحَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ وَهُوَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
مَعَ خَوْلِي بْنِ يَزِيدٍ الْأَصْبَحِيِّ وَحَمِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ الْأَمْرَدِيِّ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ وَأَمَرَ
بِرَأْسِ الْبَاقِيْنَ مِنْ أَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ فَقُطِعَتْ وَكَانُوا اثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ رَأْسًا
مَسْرُوحَ بَهَا مَعَ شَمْرِ بْنِ ذِي الْجَوْشَنِ وَقَيْسِ بْنِ الْأَشْعَثِ وَعُمَرُ بْنُ الْحَجَّاجِ فَأَقْبَلُوا
حَتَّى قَدِمُوا بِهَا عَلَى ابْنِ زِيَادٍ

”یعنی عمر بن سعد اسی دن روز عاشورہ امام کے سر مقدس کو خولی، حمید بن مسلم کے ہمراہ عبید اللہ بن زیاد کو بھیج دیا اور باقی اصحاب اور بنی ہاشم کے سر کاٹنے کا حکم دیا۔ سر کاٹے گئے تو وہ بہتر تھے۔ ان بہتر سروں کو شمر نے قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کی سر پرستی میں عبید اللہ ابن زیاد کے پاس بھیجا اور انہوں نے یہ سر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیے۔“

۴) لہوف میں روایت سید: عمر بن سعد نے روزِ عاشورہ امام کے مقدس سر کو خولی اور حمید بن مسلم کے ہمراہ عبید اللہ بن زیاد کو بھیجا اور باقی شہداء کے سر کاٹ کر شہر، قیس بن اخطب اور عمر بن حجاج کے ساتھ کوفہ بھیجے۔

۵) روایت صاحبِ روضۃ الشہداء: عمر بن سعد نے سروں کو قبائل میں تقسیم کیا۔ بائیس سر بنی ہوازن کو دیے، چودہ سر بنی تمیم کو جن کا سردار حصین بن نمیر تھا، تیرہ سر بنی کندہ کو جن کا امیر قیس بن اخطب تھا، چھ سر بنی اسد کو دیے جن کا سردار ہلال بن اعمور تھا، پانچ سر بنی ازد کو دیے۔ بارہ سر بنی ثقیف کے حوالے کیے اور ان سب کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور امام کے سر کو ان سے پہلے خولی کے ذریعے کوفہ بھیج دیا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ خولی سر مقدس کو کوفہ لایا، اس کا گھر کوفہ سے ایک منزل پہلے تھا، لہذا رات گھر میں رہا۔ اس کی بیوی انصار میں سے تھی اور اہل بیتؑ کی محبت تھی۔ خولی نے اپنی بیوی کے ڈر سے امام کے سر کو تنور میں رکھ دیا اور اوپر ڈھکنا دے دیا اور خود سو گیا۔ عورت نے پوچھا کہ چند دن سے کہاں چلا گیا تھا۔ اس نے کہا: ایک شخص نے یزید سے بغاوت کی تھی، اس سے جنگ کرنے گیا تھا۔ عورت نے اور کچھ نہ پوچھا اور اسے کھانا دیا اور وہ کھانا کھا کر سو گیا۔ اس مومنہ عورت کی عادت تھی کہ نماز شب پڑھتی تھی۔ اس رات نماز شب کے لیے اٹھی تو اس طرف آئی جہاں تنور تھا تو گھر کو روشن دیکھا گویا لاکھوں شمعیں اور چراغ کی روشنی ہے۔ جب غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ روشنی تو تنور سے باہر آ رہی ہے۔ بہت تعجب کیا اور کہا: سبحان اللہ! نہ میں نے تنور کو روشن کیا اور نہ کسی اور سے کہا تو پھر یہ روشنی کہاں سے آگئی؟

اسی حیرت کی حالت میں دیکھا کہ تنور سے نکلنے والا نور آسمان کی طرف جا رہا ہے تو اس کے تعجب میں مزید اضافہ ہوا۔ اچانک اس نے چار خواتین دیکھیں جو آسمان سے اتری ہیں اور تنور کی طرف گئیں۔ ان میں سے ایک تنور کے سر پر مگنی اور اس سر کو باہر نکال کر بوسہ دیا اور اپنے سینے پر رکھا اور گریہ کیا اور یہ بین کیا: اے ماں کے شہید بیٹے! اے ماں کے مظلوم بیٹے! خدا مدد تو قیامت تجھے قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا اور جب تک یہ فیصلہ نہ ہوگا عرشِ الہی کا پایہ نہیں چھوڑوں گی۔

دوسری خواتین بھی اس خاتون کے ساتھ ساتھ بہت گریہ کرتی رہیں۔ سب نے سر کو بوسہ دیا اور پھر سر کو تنور میں رکھ کر غائب ہو گئیں۔ خولی کی یہ انصاری بیوی اٹھی اور تنور سے سر کو اٹھایا اور غور سے دیکھا تو پہچان گئی کیونکہ یہ حسینؑ ہیں۔ امام حسینؑ کو اس مومنہ نے کئی بار دیکھا ہوا تھا۔ اُس نے بین کیا اور بے ہوش ہو گئی۔ اس نے بے ہوشی میں دیکھا کہ ہاتھ غیبی کی آواز آ رہی ہے: اٹھو اے عورت تجھے تیرے شوہر کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہوگا۔

عورت نے ہاتھ سے پوچھا کہ یہ چار بیبیاں جو سر مقدس پر روتی رہیں کون تھیں؟ جواب ملا کہ جو بنی سر کو سینے پر رکھتی تھیں اور سب سے زیادہ روروی تھیں اور ماتم کر رہی تھیں وہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا تھیں اور دوسری عورت جنابِ خدیجہ

تیا تھیں، تیسری عورت حضرت مریم مادر حضرت عیسیٰ تھیں۔ چوتھی عورت جناب آسیہ زین فرعون تھیں۔

پس یہ انصاری عورت ہوش میں آئی تو کسی کو نہ دیکھا، تور سے سر کو نکالا، بوسہ دیا، مٹک وغیرہ کستوری اور گلاب عرق سے اسے اچھی طرح دھویا، کافور لگایا، بالوں میں کنگھی کی اور پاک مقام پر رکھا اور خولی کو بیدار کر کے کہا: اے خولی! اے پست و بد بخت! یہ کس کا سر ہے کہ جو تو گھرا لیا ہے اور تور میں رکھ دیا ہے؟ یہ تو فرزند رسول کا سر ہے! اٹھ اور سن کہ آسمان و زمین تک گر پہ زاری ہو رہی ہے اور ملائکہ کے گروہ آرہے ہیں اور اس سر مقدس کی زیارت کر کے جا رہے ہیں۔ گر یہ وزاری اور ماتم کر رہے ہیں اور تجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ میں اس دنیا میں اور آخرت میں تجھ سے بے زار ہوں۔ سر پر چادر کی اور گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر چلی گئی۔

خولی نے کہا: اے عورت کہاں جا رہی ہو؟ بچوں کو کیوں یتیم کر رہی ہو؟ مومنہ نے کہا: اے لعین تو نے فرزند ان مصلیٰ کو یتیم کیا تو تجھے کوئی خوف نہ آیا لیکن اپنے بچوں کی یتیمی کا بڑا احساس ہے۔ پس وہ عورت چلی گئی اور پھر کسی نے اسے نہیں دیکھا۔

کلام محدث قتی درختی الآمال: عمر بن سعد نے شہادت امام کے بعد سب سے پہلے کام یہ کیا کہ امام علیہ السلام کے سر کو بذریعہ خولی اور حمید بن مسلم کوفہ بھیجا اور خولی بہت جلدی سفر کر کے کوفہ پہنچ گیا لیکن چونکہ رات ہو گئی تھی اور رات کو ابن زیاد کی ملاقات ناممکن تھی اس لیے رات کو سر سمیت اپنے گھر چلا گیا۔

طبری اور ابن نما کی روایت ہے کہ زوجہ خولی نوار کا کہتا ہے: یہ ملعون سر کو گھرا لیا اور بڑے تقار (یا ٹوکرے) کے نیچے رکھ دیا اور بستر پر آرام کرنے لگا۔ میں نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا: ایک دینار لایا ہوں اور سر حسین لایا ہوں۔

میں نے کہا: ہائے تم پر افسوس کہ لوگ گھروں میں سونا چاندی لاتے ہیں اور تو بد بخت فرزند رسول کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب تیرا اور میرا سر ایک سر ہانے پر اکٹھا نہ ہوگا۔ میں نے یہ کہا اور اٹھ کر اس ٹوکرے کے پاس گئی۔ میں نے دیکھا کہ نورعمود کی طرح زمین سے آسمان کی طرف جاری ہے۔ پھر سفید پرندے دیکھے جو اس سر کے ارد گرد طواف کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور یہ ملعون سر مطہر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

۲ قول غیر مشہور: اور یہ رائے صاحب قبر غذاب و اقدی کی ہے وہ رقم طراز ہے: امام حسین کا سر کربلا سے کوفہ لانے والا شمر تھا اور جب شمر فرزند رسول کے سر کو اپنے گھر لایا تو چونکہ کافی دیر ہو گئی تھی اور رات کو ابن زیاد سے ملنا مشکل تھا لہذا گھر میں بیٹی پر سر رکھا اور اوپر ایک تقار یا ٹوکرہ رکھ دیا اور خود سو گیا۔ شمر کی بیوی رات کو اٹھی اور دیکھا کہ اس ٹوکرے سے آسمان کی

طرف نور کی لہر اٹھ رہی ہے۔ وہ اس کے قریب آئی تو رونے والوں کے رونے کی آوازیں سنیں اور شمر کے پاس آئی اور کہا: اے شخص! میں نے یہ یہ کیفیت دیکھی ہے، بتا اس نقار کے نیچے کیا ہے؟

شمر نے کہا: یہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف خروح کیا تھا۔ اب اس کے سر کو یزید کے پاس بھیجوں گا تاکہ وہ مجھے کثیر انعام عطا کرے۔

عورت نے پوچھا کہ اس خارجی کا نام کیا تھا کہ جس سے نور کا ظہور ہو رہا ہے اور وہ بریدہ سر گفتگو کرتا ہے۔

شمر نے کہا: اس کا نام حسین بن علی ہے۔

عورت کی ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر گئی اور غش کر گئی۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگی: اے شمر مجھو! کیا خوف خدا تمہیں لاحق نہ ہوا کہ فرزند پیغمبر کو قتل کر دیا اور ان کے سر کو اتنی ذلت اور توہین سے نقار کے نیچے رکھ دیا ہے۔ پس وہ ضعیفہ گریہ زاری کرنے لگی اور سر کے قریب آ کر سر کو اٹھایا، سینے سے لگایا، بوسے دیے، اپنی جھولی میں رکھا اور گھر کی تمام عورتوں کو بلا کر بتایا کہ آؤ اس غریب مظلوم حسین پر مل کر گریہ کریں۔ اگر ان کی ماں زندہ ہوتی تو ان کے سر پر گریہ کر رہی ہوتی۔ تمام عورتیں آئیں اور ماتم کیا۔ آخر شب جب اس ضعیفہ کی آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ اس کا گھر وسیع ہو چکا ہے اور ملائکہ سفید پرندوں کی شکل میں اُڑ رہے ہیں۔ پھر دو معظمہ خواتین آئیں، ایک جناب فاطمہ زہراء اور دوسری جناب مریم مادر حضرت عیسیٰ تھیں۔ انہوں نے خون آلود سر کو اٹھایا اور زار و قطار رونا شروع کیا۔ پھر دیکھا کہ کئی شخص خون کے آنسو بہاتے ہوئے آئے، ان کے درمیان نبی اکرمؐ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے تھے، انہوں نے سر کو اٹھایا اور بوسہ دیا۔ پھر ایک دوسرے کو سردیتے گئے اور زار و قطار گریہ کیا۔ جناب فاطمہ زہراء اور جناب خدیجہ الکبریٰ میرے پاس آئیں اور فرمایا: تم جو ہم سے چاہتی ہو، ہم تمہیں عطا کریں گے۔ جو حاجت ہے مانگو، ہم دیں گے: فَإِنَّ لَكَ عِنْدَنَا مِثْقَالَ حَبِّ خَلْتٍ۔ کیونکہ ہماری گردن پر حق ہے کہ ہمارے بیٹے کے سر کا احترام کیا۔ اگر چاہتی ہو کہ جنت میں ہمارے ساتھ رہے تو ابھی اٹھو اور اپنے کام کو مکمل کرو اور ہم تک پہنچو۔

شمر کی اس مومنہ بیوی کی خواب سے آنکھ کھلی اور دیکھا کہ ابھی سر مقدس اس کے زانو پر ہے تو پھر گریہ زاری شروع کر دی اور پہلے سے زیادہ آرزو ہوئی۔

شمر نے دیکھا کہ بیوی کو قرار ہے نہ آرام تو وہ آیا اور بیوی سے سر لیتا چاہا لیکن بیوی نے سر دینے سے انکار کر دیا اور

کہا:

طَلَّقْنِي فَإِنَّكَ يَهُودِيٌّ أَوْ وَلَدٌ الزَّانَا

”اے عالم! مجھے طلاق دے تجھ جیسے یہودی اور حرام زادے شوہر کے ساتھ میں زندگی نہیں گزار

سکتی۔“

شمر نے اُسے طلاق دی اور کہا: سر مجھے دے اور میرے گھر سے چلی جا۔

عورت نے کہا: میں تیرے گھر کو چھوڑ رہی ہوں لیکن تجھے سر نہ دوں گی۔ شمر نے جس قدر اصرار کیا اور اذیت دی۔ عورت نے سر نہ دیا حتیٰ کہ شمر نے اس عورت کو لالتوں اور تازیانوں سے اس قدر مارا کہ وہ شہید ہو گئی اور جنابِ فاطمہؑ الزہراءؑ سے ملحق ہو گئی۔

شہداء کے سر کاٹنے کا حکم

گیارہویں کی پُرخم اور اٹھوہ گیس رات گزرنے کے بعد گیارہ محرم کی صبح جب ابنِ سعد نیند سے اٹھا تو ظہر تک چند کام کیے اور بوقتِ عصر کوفہ کی طرف روانگی کی۔

الف: شہداء کے سر جدا کیے گئے اور قبائل میں سروں کو تقسیم کیا گیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ب: اپنی نجس لاشوں کو دفن کرنا۔

ج: شہداء کے لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر پامال کرنا۔

سروں کو کاٹنے کی تفصیل سید بن طاووس نے لہوف میں یوں لکھی ہے:

عمر بن سعد نے شمر کو قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ساتھ سروں کو کوفہ میں ابنِ زیاد کے پاس پہنچانے کا حکم دیا تو قبائل کے سرداروں نے شور مچایا کہ ہمیں اس خدمت کا موقع دیا جائے تاکہ ہم بھی ابنِ زیاد کے دربار میں قرب حاصل کر سکیں اور آمرومند بن جائیں۔

ابنِ سعد نے ان طاہنین کی درخواست قبول کی اور شہداء کے سروں کو ان قبائل میں تقسیم کر دیا۔ یہ سر بہتر یا افسر تھے۔ تیرہ سر قبیلہ کندہ کے سپرد کیے گئے جن کا سردار قیس بن اشعث تھا۔ بارہ سر قبیلہ ہوازن کو دیے گئے جن کا سردار شمر بن ذی الجوشن ملعون تھا۔ سترہ سر بنی تمیم کو دیے گئے اور دوسرے قبائل کو تیرہ، تیرہ سر دیے۔ ان تمام قبائل نے سروں کو نیزوں پر بلند کیا اور کوفہ کی طرف چلے گئے۔

ب: شرحِ دفنِ اجساد: مرحوم قزوینی ریاض القدس میں فرماتے ہیں: ابنِ سعد نے حکم دیا کہ مقتولین کو جمع کیا اور ان پر نماز پڑھی گئی اور پھر ان کو دفن کر دیا گیا۔ کسبہ مقاتل میں ہے کہ قبیلہ بنی ریاح کے کچھ لوگ ابنِ سعد کے پاس آئے اور التماس کی کہ ہمارے قبیلہ سے تھا، اجازت دی جائے کہ اسے دفن کر دیں۔ ابنِ سعد نے اجازت دے دی اور دفن ہو گئے۔

ج: پامالی شہداء: صدق و بی لکھتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: ابن سعد نے شہدائے آلِ محمد کو دفن نہ کیا اس کی وجہ کیا تھی؟ تو حضرتؑ نے فرمایا: دو وجہیں تھیں:

① یہ لاشے صحرا میں پڑے رہیں تاکہ درندے ان کو کھیں اور ان کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

② اس لیے دفن نہ کیا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ خارجی اور بے دین ہیں جس طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب عالیہ سلام اللہ علیہا نے جناب فقہ کو عمر بن سعد کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ ہم اس پر خوش نہیں کہ تم اپنے لاشوں کو دفن کرتے ہو اور ہمارے شہیدوں کو خاک پر پڑا رہنے دیا۔ ہمیں اجازت دے تاکہ ہم عورتیں اپنے شہداء کو دفن کر دیں۔

عمر سعد نے جواب دیا کہ دفن کا حکم ہمارے متولین کے لیے ہے لیکن تمہارے شہداء کے لیے حکم آیا ہے کہ ان کی لاشوں پر گھوڑا دوڑا کر لاشوں کو پامال کیا جائے۔

★.....★.....★

بارھویں فصل

کاروانِ اہل بیتؑ کی کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی

جب گیارہویں کا دن دوپہر کو پہنچا تو ابن سعد نے حکم دیا کہ لشکر زمین کربلا کو چھوڑ دے اور کوفہ کی طرف جہت کرے۔ لشکر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس نے دوسرا حکم جاری کیا: اہل بیتؑ کے قیدیوں کو سوار کرو اور ان کی نگرانی کرو۔ ان سے کوئی قیدی گم نہ ہو جائے۔

کاروانِ اہل بیتؑ میں مردوں سے صرف امام سجاد علیہ السلام، زید و عمر فرزند ان امام حسنؑ اور امام باقر علیہ السلام تھے۔ خدا معلوم کس طرح مختصراتِ عصمت کو بغیر پالان اور محمل کے اُونٹوں پر سوار کیا گیا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ان خاندان نے نیزوں اور تازیوں سے بچوں اور عورتوں کو بے پالان اُونٹوں پر سوار کیا۔

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اہل بیتؑ باشرافت کو اُونٹوں پر سوار کیا گیا اور وہ اونٹ ایسے تھے جن کی پشت پر نہ محسوس نہ سائبان صرف چھوٹی سی گدیاں تھیں، ان دشمنوں میں ان کے چہروں پر کوئی پردہ نہ تھا حالانکہ یہ سب پیغمبر خدا کی امت تھیں۔ ان کو ترک و روم کے قیدیوں کی طرح سخت ترین سلوک سے لے جایا جا رہا تھا۔

ان قیدیوں میں امام سجاد علیہ السلام بھی تھے جو اس قدر بیماری کی وجہ سے لاغر اور کمزور تھے کہ سب ان کی زندگی سے ناامید تھے۔ اس بے غیرت قوم نے اس حالت کے باوجود ان کے ہاتھ پس گردن باندھے ہوئے تھے اور زیارتِ ناجیہ سے جملے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں میں جھکڑیاں ڈالی گئیں اور اُونٹ پر بٹھا کر دونوں پاؤں کو اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے آپس میں باندھ دیا گیا۔

جب قیدیوں کو ابن سعد کے حکم سے جبراً اور قہراً اُونٹوں پر سوار کر دیا گیا تو انہیں لشکر کے ساتھ کربلا سے روانہ کیا گیا۔ حالت یہ تھی کہ آگے آگے علم تھے، ان کے پیچھے شہداء کے سر نیزوں پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے کاروانِ اہل بیتؑ کے قیدی تھے۔ طبل اور نقارے بج رہے تھے، لشکر کی ”ہاہو“ اور شور و غل اس قدر زیادہ تھا کہ کوئی بات سنائی نہ دیتی تھی۔ اکثر اُونٹوں پر عورتوں کی جھولیوں میں دو سالہ، تین سالہ بچے تھے جو سب کے سب سر برہنہ اور نیچے پاؤں پریشان حال، بالوں میں خاک، آنسو بہا رہے تھے۔ ان بچوں کو جوں ہی کوئی بہانہ ملتا وہ اپنے غریب، باپ کی جدائی، بھائی اور چچا سے فراق پر بہت روتے

تھے بورشٹی القلب فوجی نیزوں کی اُنیوں اور تازیانوں سے اُنھیں خاموش کراتے تھے۔

قیہ یوں کا عبور قتل ہے

کوفہ کی طرف روانگی کے وقت کاروانِ اہل بیت کو قتل سے گزارا اور اس بات پر تمام مقاتل کا اتفاق ہے۔ البتہ حریف اس میں ہے کہ یہ اہل بیت کی خواہش پر قتل سے گزارا گیا یا ظالموں نے اہل بیت کو زیادہ دھکی اور پریشان کرنے کے لیے قتل سے گزارا گیا۔ اکثر کتب کی عبارتوں سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ظالموں نے اہل بیت کو زیادہ دکھ، اذیت اور تکلیف دینے کے لیے قتل سے گزارا۔

لیکن صاحبِ مقام نے تصریح کی کہ قتل سے گزانا اہل بیت کی خواہش تھی کیوں کہ اہل بیت نے کہا تھا:

بِحَقِّ اللّٰهِ اِلَّا مَرَّتْ مِ نَبَا عَلٰی مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ

”خدا کی قسم! ہمیں قتلِ حسین سے گزانا۔“

ان کے علاوہ صاحبِ مثنوی الآمال بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ اہل بیت کی اپنی خواہش پر اُنھیں قتل سے گزارا گیا۔ یہ کہ وہ لکھتے ہیں: جب ان ملائین نے خیموں کو آگ لگا دی اور شعلے بلند ہوئے تو فرزندانِ پیغمبر ڈر کر نچے پاؤں اور سر پر ہند خیموں سے دوڑ کر نکلے اور لشکر والوں کو خیم دی کہ ہمیں قتلِ حسین سے گزارتا۔ پھر قتل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ان دھکی غریب مستورات کی نگاہ میں بے سر شہداء کے خاک و خون میں غلطان لاشوں پر نظر پڑی تو ماتم شروع ہو گیا۔ سروچہرہ پر ماتم یہ گیا اور نوحہ و زاری کی مگنی۔

روایات کے مطابق تمام اہل بیت سے امام سجاد علیہ السلام کی حالت بہت نازک ہو گئی جیسے ابھی روح پرواز کرنے والی ہے۔ امام زین العابدین خود فرما: ۱۰۴۶: میری یہ حالت میری پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا نے دیکھی تو فرمایا:

یہ تمہارا کیا حال ہو گیا ہے۔ اے میرے نانا! بابا اور بھائیوں کی یادگار! اپنی جان سے کھیل رہے ہو، اپنے آپ کو

ہیں نے کہا: میں کس طرح جزع فزع نہ کروں اور یہ حالت نہ ہو جب کہ اپنی آنکھوں سے اپنے بابا، بھائیوں، بچوں، چچا زادوں اور انصار کو خاک و خون میں لت پت زمین پر رہندہ دیکھ رہا ہوں، ان کے لباس لوٹ لیے گئے، نخلین اور نرمے اُتار لیے گئے، بغیر کفن اور دفن کیے پڑے ہیں اور کوئی بھی ان کے پاس نہیں گویا یہ دہلیم کے خاندان سے ہیں۔

پھوپھی نے فرمایا: جو کچھ دیکھا ہے اس پر جزع فزع نہ کرو۔ خدا کی قسم! یہ عہد و پیمان تھا جو آپ کے نانا نے آپ کے

دادا علیؑ، باپ حسینؑ اور چچا حسنؑ سے لیا تھا اور خدا نے اسی اُمت کے ایک گروہ سے عہد لیا جو آسمانوں پر مشہور ہیں۔ یہ سب اعضاء شہداء کو جمع کریں گے اور دفن کر دیں گے اور اپنی خاک آلود ابدان اور خاک آلود جسموں سے محبت کریں گے۔ سر زمین میں آپؐ کے بابا کی قبر کی خاص نشانی رکھیں گے جس کا اثر کبھی پرانا اور نئے والا نہ ہوگا اور شب و روز اس قبر سے کوئی مناسکیں گے۔

اور اکثریت گمراہان رہبران کفر والہ ان نشانات کو مٹانے کی پوری کوشش کریں گے لیکن بجائے مٹنے کے روئے مقدس نشانات کربلا واضح اور آشکار ہوتے جائیں گے۔

میں نے پوچھا: پھوپھی اماں! یہ کون سا عہد تھا اور کون سی حدیث ہے؟ پھوپھی نے فرمایا: ہاں مجھے اُم ایمن سے ہے کہ رسولؐ پاک ایک دن جناب زہراءؑ کے گھر تشریف فرماتے۔ حسینؑ شریفینؑ بھی موجود تھے۔ رسولؐ پاک اور حسینؑ غرما اور بالائی تاول فرمائی۔ پھر رسولؐ پاک نے اپنے ہاتھ دھوئے جبکہ مولا علیؑ پانی ڈال رہے تھے۔ حضرتؑ نے پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور علیؑ و فاطمہؑ و حسینؑ کی طرف سر دھوئے نشاط کی نظر کی۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر قبلہ کی طرف رخ فرمایا۔ ہاتھ اوپر اٹھا کر دعا کی۔ پھر روتے روتے سجدہ کیا اور (حالت سجدہ میں بھی) بلند آواز سے رورہے تھے اور آنسو مسلسل بہتے۔

پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور چل پڑے حالانکہ آنسو کا قطرہ قطرہ گر رہا تھا گویا بارش برسنے کی حالت تھی۔ جناب رسولؐ گرامی کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ شریفینؑ بہت غمگین ہوئے اور میں بھی بہت متاثر ہوئی اور روتی رہی لیکن ہم میں سے کسی نے بھی غم کی وجہ نہ پوچھی اور سب گریہ کا سوال نہ کیا۔ پھر یہ حضرت رسولؐ گرامی کا رونا اتنی دیر نہ جاری رہا کہ حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اثر ہر اٹھ کر پوچھنا پڑا کہ روئے کی وجہ کیا ہے؟

یا رسول اللہ! کس چیز نے آپؐ کو اس قدر رُلا لیا ہے کہ ہمارے دل زخمی اور دکھی ہو رہے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: برادر جان! تمہاری وجہ سے بہت خوش اور شادمان تھا اور اس قدر مسرور تھا کہ آج تک اتنی خوشی مجھے نہیں ہوئی۔ تجھے دیکھا اور خدا کا آپؐ جیسی نعمت دینے پر شکریہ ادا کیا اور حمد کی۔ اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا تمہارے دل کی حالت کو جانتا ہے اور جانتا ہے کہ تمہاری خوشی حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسینؑ شریفینؑ کے واسطے سے ہے۔ پس اپنی نعمت کو آپؐ پر کامل کیا اور عطیہ خاص کی عنایت کی اور انھیں ان کی ذریت، ان کے محبوب اور شیعوں کو بہشت میں آپؐ کا ہمسایہ بنا دیا ہے۔ آپؐ اور ان کے درمیان جدائی نہ ہوگی۔ وہ بغیر کسی منت و حاجت کے عطا سے فائدہ حاصل کریں گے جس طرح آپؐ فائدہ لیتے ہیں اور ان پر بھی عطا ہوگی جس طرح آپؐ پر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ

آپؐ اور وہ راضی اور خوش ہو جائیں گے بلکہ حق تعالیٰ ان کی اور آپؐ کی رضایت سے بھی زیادہ عنایت کرے گا۔ اور یہ عنایت اور لطف ان کثیر امتحانات اور ابتلاات کے بدلے ہوگی جو دنیا میں آپؐ اور ان پر آئیں گے اور وہ سب اور دکھ جو آپؐ کی اُمت کی طرف سے آپؐ کو اور ان کو پہنچیں گے۔ وہ لوگ اپنے آپؐ کو اُمت رسولؐ میں سمجھتے ہوں گے جب کہ خداوند آپؐ سے بہت دُور ہوں گے اور اس اُمت کے گمراہ کی طرف سے کبھی ضربِ شدید یا قابلِ برداشت گئے۔ اور کبھی وہ آپؐ کا اور ان کا قتل و کشتار بھی کر دیں گے۔ تیری ذریت کی قتل گاہیں مختلف اور پراگندہ ہوں گی اور ان کی قبریں یہ دوسرے سے بہت دُور ہوں گی۔ پس اپنے لیے اور ان کے لیے خیر کی تلاش کرو، اور اللہ کی قضا و قدر پر راضی ہو۔

پس میں نے اللہ کی حمد کی اور اللہ کے ہر فیصلہ پر رضامندی کو اختیار کیا۔ پھر جبرئیلؑ نے مجھے کہا: اے محمد مصطفیٰؐ! آپؐ بھائی آپؐ کے بعد منکوب اور مظلوم ہو جائیں گے اور آپؐ کے دشمنوں سے رنج و غم دیکھیں گے۔ آپؐ کے بعد حقوق سے بدترین اور شقی ترین شخص آپؐ کے بھائی علیؑ کو قتل کر دے گا، ان کے قاتل کی مثال ناقہ صالح کے پاؤں کاٹنے والے کی طرح ہے۔

آپؐ کے بھائی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک شہر کی طرف ہجرت کریں گے کہ وہ شہر شیعوں کا محلِ نشوونما ہے۔ اس شہر میں اہل بیتؑ پر بہت مصیبتیں آئیں گی اور یہ کہ آپؐ کے سبط امام حسینؑ ایک جماعت اور بیٹوں اور اہل بیتؑ نے سمیت فرات کے کنارے کربلا کی زمین میں قتل کر دیا جائے گا۔ کربلا کو کربلا اس لیے کہا جاتا ہے کہ حزن اور دکھ جو دشمنوں سے آپؐ کے فرزندوں کو دیئے جائیں گے اُن کا شمار کرنا ناممکن ہے اور جس میں اس قسم کے غم اور دکھوں کی کثرت ہوگی۔ یہ زمین کربلا روئے زمین پر پاکیزہ ترین اماکن میں سے ہے اور تمام زمین کے حصوں سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ زمین میں آپؐ (حسینؑ) اور ان کے عزیز اور ساتھی شہید کیے جائیں گے۔ کربلا بہشت کی زمینوں میں سے ایک ہے جب وہ دن آئے گا جس دن آپؐ کا سبط اور ان کے ساتھی شہید ہوں گے اور لشکر ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگا تو آپؐ کے غضب اور آپؐ کے فرزندوں کے غضب کی وجہ سے زمین کو لرزہ ہوگا، پہاڑوں میں بھی جنبش پیدا ہوگی۔ دریا کی موجیں متلاطم ہوں گی اور ہر چیز خدا سے اجازت چاہے گی کہ آپؐ کے اس مظلوم اور غریب سبط کی مدد کرے اور خدا وحی کرے گا کہ میں رہوں، کوئی شخص ان پر غالب نہیں آ سکتا اور نہ ان کو شکست دے سکتا ہے۔

اور اپنے اولیاء کی نصرت اور ان کے دشمنوں سے انتقام لینے پر بھی قادر ہوں۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جس نے میرے نمائندوں کو چھوڑ دیا اور توہین کی، ان کو قتل کیا، عہد توڑا اور اہل بیتؑ پر ظلم کیا تو ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی پر یہ سزا نہ ہوا ہوگا۔ ان ظالموں پر تمام ساواہی اور ارضی موجودات چیخ اٹھیں گے اور جنہوں نے عمرت پر ظلم کیا اور توہین کی وہ

ان پر لعنت کریں گے۔ جب آپؐ کے فرزندوں اور اہل بیتؑ کی قبروں کی طرف روانگی ہوگی تو خدا خود ان کی قبروں سے اٹھ کرے گا اور ساتویں آسمان سے فرشتوں کو بھیجے گا جن کے پاس:

① زمرہ اور یاقوت کے ایسے ظروف ہوں گے جو آب حیات سے پُر ہوں گے۔

② بہشتی لباسوں سے کئی لباس ہوں گے۔

③ جنت کے عطروں میں سے ایک عطر ہوگا۔

پس فرشتے ان کو بلا والوں کو اس آب حیات سے غسل دیں گے اور بہشتی لباس پہنائیں گے اور جنتی عطر لگائیں گے اور گروہ درگروہ ہو کر ان پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

نماز جنازہ کے بعد آپؐ کی اُمت کے ایک گروہ کو جن کو کفار نہ جانتے ہوں گے اور نہ وہ خون شہداء میں آئیں گے۔ قصہ کسی لحاظ سے شامل ہوں گے، بھیجے گا جو ان شہداء کے جسوں کو دفن کریں گے اور سید الشہداءؑ کی قبر کا بہت بڑا نشانہ بنے گا۔ تاکہ اہل حق کے لیے یہ نشان حق موجود رہے اور اہل ایمان کے لیے سچائی کا سبب بنے۔ نیز ہر شب روز ہر ماہ آسمان سے ایک لاکھ فرشتے اس قبر کا طواف کرنے کے لیے آتے رہیں گے اور حضرتؑ پر صلوات پڑھتے اور تسبیح کرتے رہیں گے۔ جناب امام حسینؑ کے زائرین کی بخشش کے لیے دعا کریں گے اور یہ فرشتے ان تمام زائرین کے نام بمع ولایت اور سستی لکھیں گے جو خلوص سے زیارت کے لیے آئیں گے اور ان زائرین کے ماتھے پر نور عرش الہی سے یہ عبارت لکھی جائے گی۔ ”یہ شخص سید الشہداءؑ کی قبر کا زوار اور افضل الانبیاءؑ کے بیٹے کی قبر کا زوار ہے۔“

روز قیامت اس کے ماتھے پر نور الہی کی روشنائی سے لکھی گئی عبارت سے نور ساطع ہوگا کہ جس سے آنکھیں روشن ہوگی اور اسی نور سے یہ زائرین پہچانے جائیں گے۔

گویا اے محمدؐ! آپؐ میرے اور میکائیل کے درمیان ہوں گے اور علیؑ ہمارے آگے ہوں گے اور ساتھ فرشتے۔ زیادہ ہوں گے کہ ان کی تعداد بے شمار ہوگی۔ اس نور کے صدقے جو ان کی پیشانیوں سے ظاہر ہوگا، ان کو تمام مخلوق سے کر لیں گے اور وہ اس دن ہول و وحشت سے نجات پالیں گے۔

اور یہ حکم خدا ہے ان لوگوں کے بارے جنہوں نے آپؐ کی قبر یا آپؐ کے بھائی کی قبر یا آپؐ کے دو سبطوں (حسینؑ و حسینؑ) کی قبروں کی زیارت کی ہوگی اور خلوص دل سے قریۃ الی اللہ زیارت کی ہوگی۔ البتہ اُمت کے کچھ لوگ جو جنت و غضب الہی کے مستحق ہوں گے وہ بھی آئیں گے اور ان قبروں کے نشانات کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن خدا تعالیٰ قادر ہے، وہ ایسے نشانات کبھی مٹا نہیں سکیں گے۔ پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: اس جبرئیلؑ کی خبر نے مجھے بہت زیادہ

اندوہناک کر دیا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ابنِ ملجم نے بابا کو ضرب لگائی اور حضرت کا وقعِ موت قریب آیا تو میں نے عرض کیا: بابا جان! اُم ایمن نے مجھے اس طرح کی حدیث سنائی تھی۔ مجھے یہ پسند ہے کہ وہی حدیث آپ سے سنوں تو بابا نے فرمایا: اے بیٹی! حدیث اسی طرح ہے جس طرح اُم ایمن نے آپ کو سنائی ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کے گھر کی بیٹیاں اس شہرِ کوفہ میں اسیر ہو کر آئیں گی اور انہیں ذلت آمیز طریقے سے لایا جائے گا۔ آپ کو ہر لحظہ سے خوف رہے گا کہ ظالم مردِ ہم پر ظلم کریں گے۔ اس وقت صبر کرنا، خدا کی قسم! روئے زمین پر آپ کے علاوہ اور آپ کے محبوبوں اور شیعوں کے علاوہ کوئی ولیٰ خدا نہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تو فرمایا: اُس روز جب اہل بیت پر ظلم ہوگا، ابلیس خوشی سے پرواز کرے گا اور اپنے تمام شاگردوں اور دوستوں کو اکٹھا کر کے کہے گا:

اے جماعتِ شیطانی و ابلیسی! میں نے اپنا بدلہ اولادِ آدم سے لے لیا ہے اور ان کی موت سے اپنی انتہائی آرزو کو پورا کیا ہوں اور جو لوگ اہل بیت پیغمبر کے محبت اور پیرو ہوں تو کوشش کرو کہ لوگوں میں ان پیروکاروں کو مشکوک کر دو، ان کی دشمنی پر برا ہیچ کرنا کہ اس طریقے سے لوگوں کی گمراہی اور ان کا کفر مسلم اور محقق ہو جائے اور ان کو نجات دیے والا بھی کوئی نہ آ سکے۔

ابلیس اگرچہ بہت دھوکا باز اور جھوٹا ہے لیکن یہ بات اس نے اپنے شیطان بھائیوں کو سچ بتائی ہے۔ اگر کوئی شخص اہل بیت سے دشمنی رکھے تو اس کا کوئی عمل صالح اُس کے لیے نافع نہیں ہے اور اگر اہل بیت سے کسی شخص کو محبت ہو تو کوئی گناہ سوائے گناہانِ کبیرہ کے اُسے نقصان نہیں پہنچاتا۔

اس حدیث کو سننے سے جنابِ سجاد نے اپنے آپ کو سنبالا اور آپ کی حالت بہتر ہو گئی۔ اس تمام کارواں سے جب مقتل سے گزرے تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے دُکھی آواز اور دلی غم و اندوہ سے رورو کر یہی بین کرتی تھیں:

وَمَحَمَّدَا صَلَّ عَلَیْكَ مَلِیْكَ السَّمَاءِ هَذَا حُسَيْنٌ مُّرْمَلٌ بِالْيَمَاءِ مَقْطَعُ الْأَعْضَاءِ
وَبَنَاتُكَ سُبْنَاءٌ وَآلِی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰی وَآلِی مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی..... الخ

”واحمدا! ناٹا آپ پر آسمانوں کے فرشتے صلوٰت پڑھتے ہیں جبکہ یہ آپ کا حسین خون میں لت پت ہے، اعضاء کٹے ہوئے ہیں اور آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں، اللہ ہمارا تیرے پاس شہوہ ہے، یہ حسین جو خاک و خون میں غلطان ہے، جسم گرد آلود ہے، اسے اولادِ زنا نے قتل کیا ہے۔ اے اصحاب

عمر! یہ مصطفیٰ کی ذریت ہے جو قیدی ہیں۔“

اس قسم کے دُکھی بین اس طرح کیے کہ دوست دشمن ان کی غربت پر رو پڑے۔ جناب سیکرہ بابا کے گلے گلے۔ مٹ پر گر پڑیں اور اس قدر نالہ و فریاد کی کہ جس کی توصیف ممکن ہی نہیں۔

محدث قہنی لکھتے ہیں: جناب سیکرہ خاتون نے بابا کے جسم کو آغوش میں لیا اور جناب سیکرہ فرماتی ہیں کہ اس سے مجھ ایسی حالت طاری ہو گئی گویا میں بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو میں نے سنا تو میرے بابا فرما رہے تھے:

شِیْعَتِی مَا اِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذَابٍ فَادْكُرُونِی

اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْ شَهِیدٍ فَادْكُرُونِی

”اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا اور اگر کسی غریب یا شہید کی مظلومیت دیکھو تو مجھ پر غم نہ کرو اور گریہ کرو، جس قدر کر سکتے ہو۔“

★.....★.....★

تیوہویر فصل

دفن شہدائے کربلا

صاحب ارشاد رقم طراز ہیں کہ جب ابن سعد کا لشکر کربلا سے کوثر روانہ ہو گیا تو قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ جو غابریہ میں آباد تھے، آئے اور امام پاک اور دیگر تمام شہداء پر نماز جنازہ پڑھی اور کلی کلی بکھرے زہراء کے پھولوں کو دفن کیا اور امام کو اس مقام پر جہاں آج قبر مطہر ہے دفن کیا اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کو حضرت کے پانچویں کی طرف دفن کیا اور دیگر شہداء کو حضرت امام کی پانچویں کی طرف دس گز کے فاصلہ پر ایک مشترکہ قبر میں دفن کیا۔

حضرت عباس علیہ السلام کو جہاں وہ شہید ہوئے، وہاں دفن کیا۔ یہ بنی اسد شہداء کی تدفین کے بعد تمام عرب کے قبائل پر فخر کرتے تھے کہ ہم نے امام حسین اور ان کے اصحاب اور ساتھیوں کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کیا۔

حضرت امام سجاد کا تدفین شہداء میں آنا اور بنی اسد کی رہنمائی کرنا

علامہ مجلسی نے بخار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب میرے چچا امجد زمین کربلا پر وارد ہوئے تو جناب محمد حنفیہ اور تمام بنی ہاشم کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ یوں تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِیِّهِ وَمَنْ قَبْلَهُ
مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ

اَمَّا بَعْدُ فَاَنَّ الدُّنْیَا لَمْ تَكُنْ وَكَانَ الْآخِرَةُ لَمْ تَزَلْ وَالسَّلَامُ

”یعنی دنیا فانی ہے اور آخرت ہمیشہ کے لیے ہے۔“

خط لکھنے اور مدینہ ارسال کرنے کے بعد اس زمین کے مالکوں کو بلایا جو اہل غابریہ تھے اور چار فرسخ ضرب (x) چار فرسخ (چار فرسخ مربع یا ۲۲ کلومیٹر مربع) زمین ساٹھ ہزار دینار میں خریدی اور اس کو وقف کیا اور اس وقف کا متولی انہی بنی اسد کے مالکوں کو اس شرط پر بنایا کہ آج سے دس دن بعد وہ یہاں آئیں گے اور تمام شہداء کے ابدان مطہرہ کو دفن کریں گے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ جو شیعہ دور و نزدیک سے قبر مطہر کی زیارت کو آئیں تو ان کا استقبال کریں، ان کو تین دن اپنا مہمان ٹھہرائیں اور ان کو اقامت میسر کریں۔

اہل غاضریہ کے اسدی لوگوں نے یہ شرطیں قبول کیں اور رقم آپس میں تقسیم کی اور حضرت سے رخصت ہو گئے۔ دن کے بعد جب لشکر ابن سعد امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر کے، سر جدا کرنے اور لباس لوٹنے کے بعد وہ حجۃ شہداء کی لاشیں دھوپ میں پڑی تھیں۔

بنی اسد کی عورتوں نے دیکھا کہ ہمارے مرد تو شہداء کے دفن کرنے سے خوف کھا رہے ہیں تو اپنے شوہروں سے کہہ اے بے مروت مردو! کیا تم نے فرزند رسولؐ کی شرط قبول نہیں کی تھی کہ اجسادِ طاہرہ اور ابدانِ مطہرہ کو دفن کریں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قتل کی طرف نہیں جاتے اور خاموش ہو۔ کیا خوفِ خدا تم میں نہیں ہے اور بغیر اکرمؐ سے شرم نہیں ہے۔ کیا قیامت کے دن پر تمہارا یقین نہیں ہے؟

بنی اسد کے مردوں نے کہا: ہمیں وہ شرط بھی یاد ہے اور خوفِ خدا بھی لاحق ہے اور قیامت پر یقین بھی ہے۔ زیاد سفاک و ظالم کے ظلم سے ڈرتے ہیں۔ اگر اسے علم ہو گیا کہ ہم نے شہداء کو دفن کیا ہے تو ہمیں قتل کر دے گا۔ عورتوں نے مردوں سے کہا کہ اگر تمہیں جانوں کا خطرہ ہے تو ٹھیک ہے ہمیں خطرہ نہیں بلکہ اگر خطرہ ہے مجھ سے۔ جانیں بنی ہاشم کی عورتوں پر فدیہ کے طور پر قربان کر دیں گی۔

إِنَّا نَذْهَبُ إِلَى دَفْنِ أَجْسَادِ الشُّهَدَاءِ أَنْفُسَنَا لَهُمُ الْفِدَاءُ وَاللَّهُ يُعْطِي الْجَزَاءَ
”ہم قتل میں جاتی ہیں اور اجسادِ مطہرہ کو دفن کرتی ہیں، اس کا اجر ہمیں خدا دے گا۔“

پھر عورتوں نے رونا شروع کیا، نالہ و زاری کی، مائیں بہنیں اپنے اپنے خیمے سے بچے اور کٹنگ اور قبر کھودنے کے آلات اٹھا لائیں اور جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ پس بنی اسد کے جوانوں نے اپنی عورتوں کی حمیت اور ہمت دیکھی تو کمر ہمت باندھی اور بچے، کٹنگ وغیرہ عورتوں سے لے کر خود کر بلا میں پہنچے۔ ان کی عورتیں ان کے پیچھے سر و چہرہ پر نہ تھیں اور روتی ہوئی آئیں اور کر بلا میں قتل گاہ تک ماتم کرتی رہیں۔

بنی اسد کے لوگ قتل گاہ میں حیران اور سرگرداں کھڑے تھے اور اجسادِ ابدانِ مطہرہ کو دیکھ رہے تھے کہ کھڑے نہ ہو کر بکھرے پڑے ہیں۔ سب موسمِ بہار کے بادلوں کی طرح آنسو بہانے لگے کیونکہ لاشوں کی ایسی حالت ہو چکی تھی کہ مصعبؓ ہوتا تھا کہ آقا کون ہے اور غلام کون؟ باپ کون ہے اور بیٹا کون؟ وہ پریشان کھڑے تھے کہ ایک نقاب پوش سوار وہاں پہنچا اور بنی اسد کے لوگوں سے پوچھا کہ کیوں حیران و پریشان کھڑے ہو؟

بنی اسد کے لوگوں نے آنے کا مقصد بتایا اور عرض کیا: ہم تو کسی کو پہچانتے نہیں کس طرح دفن کریں؟ اس سوار نے کہا: اَنَا أَعْرِفُهُمْ وَأَعْرِفُكُمْ أَيَّاهُمْ وَاحِدًا وَاحِدًا ”میں ان سب کو جانتا ہوں اور تمہیں سب کا یہ

یہ کر کے تعازف کراتا ہوں۔“

پھر اس وجود مقدس نے بنی اسد کے گروہ کی نصرت کی اور ان کی رہنمائی میں شہداء کی تجہیز و تدفین میں مشغول ہو گئے۔ ایک ایک شہید کے پاس آتے اور اُس وجود مقدس سے ان کا نام پوچھتے اور پھر دفن کر دیتے۔

مرحوم مفید ارشاد میں لکھتے ہیں:

وَحَفَرُوا لِلشَّهِدَاءِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَأَصْحَابِ الدِّينِ صَبْرًا حَوْلَهُ ، مَا يَلِي بِرَجُلٍ
الْحُسَيْنِ وَجَمْعُهُمْ وَدَفَنُوهُمْ جَمِيعًا
”یعنی تمام شہداء جو اہل بیت سے تھے، جو امام حسینؑ کے ارد گرد پڑے تھے، اُن کے لیے ایک گڑھا
کھودا اور تمام کو اس گڑھے میں جمع کیا اور نماز پڑھی اور دفن کر دیا۔“

پھر تلاشی کے دوران میں ایک ایسے بدن کو دیکھا جو کھڑے ہو چکا تھا، سر ساتھ نہ تھا اور زخم قاتلہ شمار نہ تھے تو وجود مقدس امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کس شہید کا بدن مبارک ہے؟

جوں ہی امام سجاد علیہ السلام کی نظر زخمی بدن پر پڑی تو رو کر اس بدن پر گر پڑے اور بلند آواز سے گریہ کیا: بنی اسد کے مردوزن نے بھی گریہ کیا اور پورا گھنہ امامؑ اس مظلوم بدن پر آنسو بہاتے اور ماتم کرتے رہے۔ نیز سر میں خاک ملائی، پھر فرمایا:

اے بنی اسد! یہ میرے مظلوم بابا حسینؑ کا بدن مبارک ہے۔ امامؑ نے نماز پڑھائی اور خود اس مبارک بدن کو دفن کیا، جیسی اس قبر میں جو خود رسول اللہؐ نے نیار کی تھی، دفن کر دیا اور بڑی حسرت اور دکھ سے قبر پر مٹی ڈالی اور اس قدر آنسو بہائے کہ یہ خاک گل گارا بن گئی اور پھر کانپتی انگلی سے قبر پر لکھا:

هَذَا قَبْرُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ

اور اپنے بابا کی وصیت کے مطابق کہ جو آخری وداع کے موقع پر امام حسین علیہ السلام نے کی تھی یعنی اپنے بھائی علی اکبرؑ کو میرے قریب ترین دفن کرنا۔ جناب شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کے مبارک بدن کو ان کے بابا کے پانچویں کی طرف دفن کر دیا۔

سید الشہداءؑ اور دیگر شہداء کی تدفین کے بعد بنی اسد نے رخصت لی تو امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اے دوستو! آپ نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے اور اپنے احسان کو ختم کر رہے ہو حالانکہ کام ابھی مکمل نہیں ہوئے کیونکہ ایک شہید باقی ہے جو ان شہداء سے دُور جا کر شہید ہوئے ہیں اور وہ سلطانِ کربلا کے وفادار بھائی حضرت عباسؑ علیہ السلام

ہیں۔ پس بنی اسد کے لوگ امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ نہر علقمہ کے قریب آئے، لاش کی حالت دیکھی تو سب زہر توڑے۔ کرتے رہے اور ماتم برپا رہا۔ پھر یہاں قبر کھودی گئی اور حضرت عباس علیہ السلام کے بدن مطہر کو، کئے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میں رکھ کر دفن کر دیا گیا۔

★ ★ ★

کوفہ میں اہل بیت کا ورود

گیارہ محرم کی ظہر کے بعد ابن سعد نے کربلا سے کوفہ جانے کا حکم جاری کیا اور تمام لشکر مع اہل بیت کے قیدیوں کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوفہ کے نزدیک پہنچ کر ابن زیاد کو اطلاع دی گئی کہ لشکر فتح و کامیابی سے کربلا سے آ رہا ہے اور تمام شہداء کے سر اور اہل بیت کے تمام باقی افراد کو قیدی کر کے لا رہے ہیں، لہذا اب امیر کے حکم کی انتظار ہے کہ کوفہ میں کس وقت، کس دروازے اور کس حالت اور کس شان میں داخل ہوتا ہے؟

جب ابن زیاد کے پاس یہ پیغام پہنچا تو بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ خوشی کے طبل بجائے جائیں، لشکر کے سرداروں اور سالاروں کو دربار میں دعوت دی جائے اور شہر میں منادی ندا کرے کہ کوئی شخص جنگی آلات لے کر شہر سے باہر نہ نکلے، پس ہر گلی، کوچہ پر نگہبانوں اور سیکورٹی کے افراد کی ڈیوٹیاں لگ گئیں تاکہ شہر میں امن امان قائم رہے اور کوئی شرابہ نہ ہو۔

پھر خولی بن یزید اموی کو بلایا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سر مطہر کو قیدیوں کے استقبال کے لیے ابن سعد کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ اس سر کو ایک لمبے نیزے پر بلند کرے اور تمام سروں کو قیدیوں کے آگے آگے لایا جائے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم کے مطابق مسلح فوجی تلوار نیام سے نکالے ہوئے ہر چوک اور موڑ پر تعینات کیے گئے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے اور شہر کوفہ دریا کی موجوں کی طرح ہجوم سے جھوم رہا تھا۔

جاسوسوں نے سلطان کربلا کی شہادت کی خبر پورے شہر میں پھیلا دی تھی حتیٰ کہ گھروں میں بیٹھی عورتوں تک خبر پہنچ گئی کہ امامؑ کو شہید کر دیا گیا اور ان کے اہل بیت کو قیدی بنا کر اب شہر کوفہ میں لا رہے ہیں۔

اچانک کوفہ کے مرد و زن، بچرو جوان، شریف اور بے پروا لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور ہر طرف سے واحسیناۃ و اماماۃ کی فریادیں اور بین بلند ہوئے اور زمین اور زمان میں شور و غل پیدا ہوا۔ حکومت کے کرایہ داروں اور پولیس کے جوانوں نے رعب جمانے اور ہر شورش صدا کو خاموش کرنے کے لیے طبل اور نقارے بجانے شروع کر دیے اور طبل اور نقارے کی آوازیں شہر کے ہر کونے سے بلند ہوئیں۔

اسی اثنا میں شہر کے دروازہ سے خولی پہنچ گیا جبکہ اس کے بہت لمبے نیزے پر امام حسینؑ کا سر سوار تھا اور وہ سر چاند کی

طرح نیزے پر نور افشانی کر رہا تھا۔ جب سپاہیوں اور دیگر لوگوں کی نظر اس سرِ مطہر پر پڑی تو ہر شخص کے منہ سے یہ کلمہ نکلیں۔ قیدی مستورات اور بچوں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ لشکرِ تکبیر کیوں لگا رہا ہے۔ اچانک یہ نیزے پر امام حسینؑ کا سرِ مطہر سوار دیکھا تو چونٹھ مستور اور بچوں نے بلند آواز سے گریہ شروع کیا اور ماتم کیا۔

اسی وقت جب جنابِ نَسَبِ سلام اللہ علیہا کی نظر بھائی کے سر پر پڑی تو بی بی نے روزِ عاشور کے بعد کچھ حالت میں سر کو دیکھا تو آپ کی ایسی حالت ہو گئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ فقط اس قدر لکھنے کی طاقت ہے کہ بی بی نے سچی نظروں سے بھائی کے سر کو دیکھتی تھی۔ لوگ پہلی کے چاند کی طرح اس سر کی طرف اشارے کر رہے تھے تو بی بی نے جمعہ سے یہ بین کیے:

برادرِ م، اور میرے ہلال، تو نے روزِ عاشور غروب کیا اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو میری دنیا بے حجب ہو چکی ہے۔

اُخِی یا اُخِی ای المصائب اشتکی: فِرَاقُكَ اُمِّ هَتِکِی وَ تَرَا لَی وَ غُرَبَی،

”اے بھائی! کون سے مصائب کی شکایت کروں۔“

اُخِی لَیْتَ هَذَا النَجْرَ کَانَ بِمَنْحَرِی: وَ یَالِیْتَ هَذَا السَّهْمَ کَانَ بِمَهْجَتِی

”بھائی کاش! آپ کے بجائے میں نحر ہو جاتی اور تیر میرے قلب پر لگتے۔“

اُخِی یَلِیْغُ الْمُخْتَارَ طَهَ سَلَامُنَا: وَقُلْ اُمِّ کُلْشُومٍ بِکَرٍ وَ مَحَبَّةٍ

”اے بھائی! بہن کی اس حالتِ زار سے اللہ کے رسولؐ کو آگاہ کرو کہ میری بہنیں مصائب میں

گہر چکی ہیں۔“

اُخِی یَلِیْغُ الْکِذْرَا عَنِّی تَحِیَّیَّةٌ: وَقُلْ تَرَا یَنْبُ اَصْجَحْتُ تَسْأَلُ بِذِلَّةٍ

”اے بھائی! میرے سلام میرے پاک بابا علیؑ کو پہنچا دینا اور کہہ دینا آپ کی بیٹیِ نَسَبِ کو ذلت

و خواری سے کوفہ شہر میں لائے ہیں۔“

ان بیٹوں کے بعد مخدرہ بی بی نے قرط غم میں اپنا سر محل کی چوب پر مارا تو پیشانی زخمی ہو گئی جس سے خون بہا۔

اہل بیتؑ کے وُزُو کو فہ کے حالات

جب اولادِ رسولؐ و قاطرۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو روتی آنکھوں خون شدہ دلوں سے کوفہ میں داخل کیا گیا تو زہرا

کے ہجوم کی وجہ سے گزرنے کا راستہ بند ہو گیا، تقریباً بیس سر نوکب نیزہ پر سوار تھے اور چونسٹھ عورتوں کو اُونٹوں پر سوار کیا ہوا تھا اور عمن ایسے تھے کہ پردہ تک نہ تھا یا بعض اُونٹوں کے محل ہی نہ تھے۔ ہر مستور کی جھولی میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جس کے سر اور پاؤں برہنہ تھے اور وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ کوئی زن و مرد، چھوٹے بڑے سب تماشاخی بن کر کھڑے تھے۔ بعض سکرارتے تھے اور بعض رو رہے تھے۔

جدیلہ اسدی کی روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں اکٹھ جہری میں کوفہ تھا۔ لشکر ابن زیاد کربلا سے واپس آیا اور آل احمد کے قیدیوں کو بازار کوفہ سے لایا گیا۔ میں نے ایسی چند عورتوں کو دیکھا کہ گریبان چاک اور سینے پر ماتم کرتے ہوئے اور چہرے پر طمانچے مارتے ہوئے، اور آنسو بہاتے ہوئے آ رہی تھیں۔ میں نے ایک بوڑھے سے ان دل شکستہ قیدیوں کے بارے پوچھا تو بوڑھے نے جواب دیا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ پیغمبرؐ کے فرزند کا سر اقدس نوکب نیزہ پر بلند کیا ہوا ہے۔

اسی دوران میں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو نورانی چہرے سے ایک ایسے کمزور اُونٹ پر سوار ہے جس اُونٹ پر نہ پالان تھا اور نہ بی بی کے چہرے پر حجاب تھا۔ میں نے اس بوڑھے شخص سے پوچھا کہ یہ معظمہ خاتون کون ہیں؟ اس نے کہا: یہ اُم کلثوم بنت علیؑ بن ابی طالب ہیں۔

جناب اُم کلثومؑ کے پیچھے ایک بیمار کمرنیدہ جوان کو دیکھا کہ جو ایک کمزور اُونٹ کی کوبان پر سوار ہے، برہنہ سر، پاؤں نیچے سے باندھے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے پنڈلیوں سے خون جاری تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بوڑھے نے بتایا: یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں۔

ان کو دیکھتے ہی مجھے بے ساختہ رونا آ گیا اور یوں لڑنے کی طاقت ختم ہو گئی لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چمتوں پر بیٹھ کر اس کارواں کا تماشا کر رہی تھیں اور ان بچوں کو جو مستورات کی جھولیوں میں تھے، کونان اور غر بادے رہی تھیں۔

بی بی اُم کلثومؑ نے فرمایا:

حَرَجَ عَلٰی مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلَيْنَا اَهْلَ النَّبِیْتِ فَاِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ
اے کوئی عورتو! یہ ہمدردی جو تم کر رہی ہو بے شک ہمارے بچے بھوک سے مرجائیں لیکن صدقہ ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے۔

پھر بچوں سے نان اور کھجور لے کر پھینک دیتی تھیں۔ جناب اُم کلثومؑ کی اس کیفیت سے مرد و زن بہت روئے اور بعض لوگوں کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ یہ اولاد پیغمبرؐ ہیں اور وہ سر مقدس فرزند زہراءؑ کا ہے تو ان لوگوں نے گریبان چاک

کیے اور بلند آواز سے یہ بین شروع کر دیے:

وَابْنَتْ نَبِیَّ اللّٰہِ وَاَحْسَنَہٗ وَاَحْسِنَہٗ

ان مستورات میں ایک ایسی بی بی کو دیکھا جس کا سر ننگا، بال پریشان اور بالوں سے چہرے کا پردہ بتایا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ بھی چہرے پر رکھے ہوئے تھے تاکہ ناخمریوں سے اپنی صورت کو چھپالے۔

میں نے پوچھا کہ یہ مخدرہ کون ہیں؟

بتایا گیا کہ یہ جناب سکیئہ بنت امام حسین ہیں۔

پھر میں نے ایک اونٹ پر تین بچیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان کے چہرے چاند جیسے تھے لیکن سر برہنہ اور پا برہنہ تھے اور بال پریشان تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

مجھے بتایا گیا کہ ایک رقیہ، دوسری صفیہ اور تیسری فاطمہ صغریٰ ہیں۔

ان بچیوں کی پریشان حالت دیکھ کر میں نے اس قدر ماتم کیا اور سرد صورت پر اتنا پٹا کہ میری آنکھوں کا نور ختم ہو گیا۔ اسی طرح دیگر مخدرات ایک دوسرے کے پیچھے آئیں اور گزر گئیں حتیٰ کہ میں نے ایک معظمہ خاتون کو دیکھا کہ جو آنسو بہاتے ہوئے فریاد کرتی ہیں:

اَمَّا یَغْضُوْنَ اَبْصَارَکُمْ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

”کیا تم حرم رسول خدا کا تماشا دیکھ رہے ہو؟ شرم کرو اور آنکھیں بند کرو۔“

لوگوں کی ہائے کی آواز نکلی اور پوچھا کہ یہ کون معظمہ ہے؟

بتایا گیا: ہذیہ نرینب بنت علی۔ ”یہ علی کی بیٹی نرینب ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ اُس بی بی نے فرمایا: اے کوفیو! تمہارے مردوں نے ہمارے مرد قتل کر دیئے اور اب تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں تو کن کے مردوں نے ہمیں قتل کیا ہے؟

کوفہ کے لوگ بی بی کا کلام سن کر اس قدر روئے کہ شہر میں آہ و فغاں کی صدائیں تھیں، انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے تھے۔

ایک کوفی عورت کا اہل بیت کی حالت دیکھ کر متاثر ہونا

مقاتل میں لکھا ہے: ایک ضعیفہ عورت تماشائی بن کر آئی تھی اور قیدیوں کو دیکھ رہی تھی اور اپنے مکان کی جھت پر بیٹھ کر

قیدیوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اسی اثنا کچھ محترم اور معظم خواتین کو دیکھا کہ جو بے حجاب معمول میں اونٹوں پر بیٹھی تھیں، پریشانی اور نالہ و فغان میں مصروف ہیں۔ اس ضعیفہ نے آواز دی:

اے دل شکستہ اور پریشان قیدی عورتو! اِن آئِیِ الْاُمَسَّارِیْ اَنْتُنَّ ”تم کس قبیلہ، ملت اور شہر کے قیدی ہو؟“

ایک معظمہ خاتون نے جواب دیا: یہ کیسا سوال کر رہی ہو؟

ضعیفہ نے کہا: میں نے اپنی زندگی میں بہت سے قیدی دیکھے ہیں لیکن کوئی قیدی تمہاری طرح کے نہیں دیکھے کہ آفتاب کی گرمی نے تمہارے چہرے کی چمک کو ماند کر دیا، گرسنگی اور تشنگی کے صدمات تمہیں آئے ہیں، اس کے باوجود تمہارے چہروں سے نور طلوع ہوتا ہے اور تمہارے روحانی شکل و شمائل دیکھتے دیکھتے دل سیر نہیں ہوتا۔

ایک معظمہ خاتون نے جواب دیا کہ نَحْنُ بَنَاتُ آلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَبَنَاتِہِ وَنِسَاءُ الْحُسَیْنِ ”ہم رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں، بعض خود پیغمبر کی بیٹیاں اور بعض فرزند پیغمبر امام حسین کی بیٹیاں ہیں۔“

پس جوں ہی اس ضعیفہ کو علم ہوا کہ یہ آل رسول ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر مارے اور فریاد کی:

وَأَمْصِیْبَتَاہُ عَلَیْکُمْ یَا أَهْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ”ہائے اہل بیت پر مصائب۔ یہ ضعیفہ مکان کی چھت سے نیچے سڑی اور اپنی بیٹیوں، بہنوں اور بھانجیوں، بھتیجیوں کو خبردار کیا کہ حضرت علیؑ کی بیٹیوں اور اولادِ قاطمہؑ و اولادِ رسولؐ کو ابن زیاد نے روم کے قیدیوں کی طرح مظلومانہ انداز میں کوفہ میں داخل کیا ہے کہ جس شہر میں ان بیٹیوں کے والد اور دادا نے حکومت کی تھی۔ اُٹھو اور تمہارے پاس جو لباس، چادریں اور مقبضے ہیں وہ لاؤ، ان قیدیوں کے سر پر چادریں، مقبضے نہیں ہیں اور بے حجابی نہ وجہ سے بہت شرمندہ ہیں۔

اس ضعیفہ کی بیٹیوں، بہنوں کے پاس جو لباس اور چادریں تھیں لائیں۔ ان چادروں اور مقبضوں کو ضعیفہ نے ایک تھیلے میں بند کیا اور جلدی سے گھر سے نکل کر قیدیوں کے پاس آئی اور جنابِ اُم کلثومؑ کے قریب آئی اور عاجزانہ انداز میں عرض کیا:

یَا سَیِّدَتِیْ خُذِیْ قَابِسْتَرِیْ هَذِهِ النِّسْوَانُ

”اے میری سردار! یہ لباس اور چادریں لو اور ان سر پر ہنہ عورتوں میں تقسیم کر دو تاکہ اپنا پردہ بنا لیں اور برہنگی کا دکھ کم ہو جائے۔“

جنابِ زینبؑ کبریٰ نے فرمایا: اے ضعیفہ! اگر یہ سنا مان صدقہ کے طور پر لائی ہے تو جان لے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ اس ضعیفہ نے عرض کی: لَا یَا سَیِّدَتِیْ اِنَّمَا هِیَ هِبَةٌ مِّنْیَ الْبَیْکُمْ اِیْنَهَا هَدِیْہ ”نہیں میری سردار بی بی! یہ صدقہ نہیں بلکہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے جو آپ کو بخش رہی ہوں۔“

نے آخرت کے لیے ذخیرہ بنا کر آگے بھیجا ہے، یہ تمہاری یہاں اور وہاں دونوں جہان میں بربادی ہے۔ تم نے بہت بُرا سودا کیا ہے۔ غضبِ خدا کو خود دعوت دی ہے۔ ذلت و خواری کو خود گلے لگایا ہے۔ ہائے افسوس! تم پر کہ تم نے رسولؐ کے جگر کو قتل کر دیا ہے اور رسولؐ کی ذریت کو قیدی کر لیا ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتُخْرُ الْجِبَالُ هَذَا

”تم نے بہت بُرا اور ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ آخرت کا عذاب بہت سخت ہے جہاں کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا۔ اب تمہاری زندگی چند روزہ ہے جو تمہیں مہلت کے طور پر دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرو اور خدا تم سے انتقام لے۔ تم اس کی قدرت سے بھاگ نہیں سکتے۔“

جب یہ خطبہ بی بی نے دیا تو مرد حیران و پریشان ہو کر رو رہے تھے۔ ایک بوڑھا جو میرے ساتھ کھڑا تھا، اس قدر رو دیا کہ اُس کی ریش آنسوؤں سے تر ہو گئی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا:

يَا بِي وَأُمِّي كَهَوْلُهُمْ خَيْرُ الْكُهُولِ وَشَبَابُهُمْ خَيْرُ شَبَابٍ وَنَسْلُهُمْ نَسْلَ كَرِيمٍ وَفَضْلُهُمْ فَضْلَ عَظِيمٍ

”میرے ماں باپ قربان! آپ کے بوڑھے کائنات سے افضل، آپ کے جوان افضل ترین جوان اور آپ کی نسل کریم ترین نسل ہے۔“

اس مقام پر جناب امام سجاد علیہ السلام نے بی بی کو خطبہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

أَنْتِ عَالِمَةٌ غَيْرَ مُعَلِّمَةٍ وَفَهِيْمَةٌ غَيْرَ مُفَهِّمَةٍ

”آپ عالمِ بعلمِ الہی ہیں، کسی اور سے علم حاصل کرنے کے بغیر علم رکھتی ہیں۔“

خطبہ امام سجادؑ

سید بن طاووس میں حدیث سے روایت کی ہے کہ ان کے بعد جناب امام سجاد علیہ السلام نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ حمد و ثنا سے بعد فرمایا:

قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الْمَذْبُوحِ بِشَطِيقَاتِ الْفَرَاتِ مِنْ غَيْرِ دُخْلِ وَلَا تَرَاثٍ أَنَا ابْنُ مَنْ أَنْتَهَكَ حَرِيمَهُ وَسَلَبَ نَعِيمَهُ وَأَنْتَهَبَ مَالَهُ وَسَبَى عِيَالَهُ أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا فَكُفِّي بِذَلِكَ فَخْرًا..... الخ

”امامؑ نے فرمایا: جو مجھے جانتے ہیں سو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان کو اپنا نام و نسب بتاتا ہوں تاکہ وہ بھی جان لیں۔ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جسے لب فرات بلا جرم و خطا گو سفند کی طرح ذبح کیا گیا ہے۔ جس کی مخدرات کو قیدی بنایا گیا ہے، مال لوٹا گیا، مخدرات کی چادریں چھین لی گئیں۔ خیام کو آگ لگا دی گئی تھی حتیٰ کہ میرے بابا حسینؑ کو شہید کر دیا۔“

اے لوگو! بتاؤ کیا تم نے ان کو خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت نہ دی تھی؟ اور دھوکا اور مکر سے تاکید کی، پھر آشکارا ان کے لیے بیعت بھی کی لیکن جب وہ تمہارے پاس آئے تو بیعت کا عہد و پیمان توڑ دیا اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ شہید کر دیا۔ پس بربادی ہے تمہارے لیے دونوں جہانوں میں کیوں کہ تم نے بہت بڑی..... جہاں بھیجی ہے، بہت غلط تم نے فیصلہ کیا۔ اب رسولؐ پاکؑ کے سامنے کس طرح جاؤ گے اور کیا جواب دو گے؟ ان کی عترت کو قیدی بنایا، نامحرموں میں متعارف کرایا، کیسے جواب دو گے؟“

جب امام علیہ السلام نے خطبہ یہاں تک پڑھا تو لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور کہا کہ ایسا نہ ہے۔ آپؑ کہہ رہے ہیں۔ ہم نے دونوں جہان برباد کر دیئے ہیں۔ ہم نے غلط کیا۔ اب آپؑ حکم کریں کہ ہم آپؑ کے دشمن۔ ابھی ہلاک کر دیں اور رسولؐ پاکؑ کے سامنے سرخرو ہوں تو امام سجاد علیہ السلام نے جھڑک کر فرمایا:

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اَيُّهَا الْغَدَاةُ الْمَكْرَةُ حِيلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ شَهَادَاتِ اَنْفُسِكُمْ اَتُرِيدُونَ اَنْ تَاْتُوْا اِلَيَّ لَمَّا اَتَيْتُمْ اِلَى اَبَائِيْ مِنْ قَبْلُ كُلًّا وَرَبِّ الرَّاْقَصَاتِ اِلَى مَنْ فَاِنَّ الْجُرْحَ لَمَّا يَنْدَمِلُ قُتِلَ اَبِيْ بِالْاَمْسِ وَاَهْلَ بَيْتِهِ مَعَهُ فَلَمْ يَنْسَنِ شُكْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَصَلَّى اللّٰهُ وَاٰلِهٖ وَثُكُلَ اَبِيْ وَبَنِيْ اَبِيْ وَوَجْدُهُ بَيْنَ لَهَا نِزْمِي وَمِرَاثُهُ بَيْنَ حَنَاجِرِيْ وَخَلْقِيْ وَغَصَصُهُ تَجَرِيْ فِيْ فِرَاشِ صَدْرِيْ

”ہائے افسوس اور ہائے افسوس! اے دھوکے بازو! یہ حیلہ گریاں کرتے ہیں، یہ تمہارا ارادہ دھوکا ہے کیونکہ امام حسینؑ سے بھی یہی وعدے کیے تھے۔ ابھی رسولؐ اللہ کی رسالت بھولی نہیں، رسولؐ کی شہادت کا دکھ، دادا کے سر پر ضرب کا دکھ، چچا حسنؑ کے جگر کے ٹکڑوں کا درد اور مظلوم حسینؑ کی شہادت تو کل کی بات ہے اور ہمیں بھولی نہیں وہ زخم ابھی باقی ہیں لیکن تم نے ہمارا نقصان ہی نہیں کیا اپنا نقصان کیا ہے۔“

خطبہ جناب فاطمہ الصغریٰ

احتجاج طبری میں زید بن موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ جب کربلا سے کوفہ قافلہ آیا تو جناب فاطمہ صغریٰ نے یہ خطبہ بازار کوفہ میں دیا:

قَالَتْ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحصى وَرَبَّةَ الْعَرْشِ إِلَى الثَّرَى أَحْمَدُهُ وَأَوْمَنُ بِهِ
وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ الطُّغَاةَ ذَبَحُوا أَوْلَادَ بَشِطِ الْفِرَاتِ مِنْ غَيْرِ
دَخَلٍ وَلَا تُرَابٍ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَفْتَرِيَ عَلَيْكَ الْكِذْبَ وَأَنْ أَقُولَ عَلَيْكَ
خِلَافَ مَا أَنْزَلْتَ عَلَيْهِ مِنْ أَخَذِ الْعَهْدِ لِيُوصِيَنِي عَلِيٌّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ الْمَسْلُوبِ حَقَّهُ
الْمَقْتُولِ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ كَمَا قُتِلَ وَلَوْهَ بِالْأَمْسِ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِهَا
مَعَشَرٌ مُسْلِمَةٌ بِالسِّنَنِ تَعْسًا لِرُؤُسِهِمْ مَا دَفَعْتَ عَنْهُ ضِيماً فِي حَيَاتِهِ وَلَا عِنْدَ مَوَاتِهِ
حَتَّى قَبْضَةٍ إِلَيْكَ مَحْمُودًا النَّقِيَّةَ طَيِّبَ الْعَرِيكِه معروف المناقب..... الخ

”بی بی نے حمہ خدا اور رسول پاک پر درود و سلام کے بعد اپنے جد امجد حضرت علیؑ کے مناقب و فضائل پڑھے اور چند آثار محمودہ اور دین کے احکام مضبوط کرنے میں ان کے کردار اور شرک کی بنیادوں کو گرانے اور امتحانات کا شہادت تک تذکرہ کیا۔

پھر اہل بیتؑ کے فضائل پڑھے اور کوفیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: اے کوفیو! خدا نے تمہاری آزمائش ہمارے ذریعہ سے کی ہے اور ہماری آزمائش تمہارے مسلط ہو جانے سے ہم کامیاب ہوئے اور تم ناکام کیونکہ تم نے اللہ کے علم کے خزانوں اور حکمت کے پردانوں کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ ہمارے خون کو حلال اور ہمارے اموال کے لوٹنے کو مباح سمجھا ہے، گویا ہمیں ترک اور کامل کی اولاد سمجھا ہے۔

میرے جد امجد امیر المومنینؑ کو شہید کیا ہے، اور کل میرے بابا کو شہید کیا ہے اور ابھی ہمارا خون تمہاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور یہ تمہارے پرانے کپنے کی وجہ سے ہوا اور تمہارے دل خوش ہو گئے اور غضب الہی کو دعوت دی ہے، خدا تم سے انتقام لے گا اور ابھی اللہ کی لعنت اور عذاب کے منتظر رہو۔ عنقریب تمہیں خدا آپس میں الجھائے گا اور ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔ تمہارے

دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہیں کہ تم حق بات سن سکو۔ شیطان نے تمہارے ان افعال پر پردہ ڈال دیا ہے اور تمہیں صاف اور اچھے اعمال دکھاتا ہے تاکہ تمہیں راہ ہدایت نہ مل سکے۔

یہاں تک خطبہ دیا تو مکر مخدولی نے دو شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں علیؑ کے قتل کرنے اور اس کی اولاد کے مرنے پر فخر ہے۔

پاک بی بی نے فرمایا: تیرے منہ میں خاک، کہ جس قوم کو خدا نے پاک و پاکیزہ پیدا کیا اور رکھا اور تمام کائنات پر کوفضیت دی ایسی قوم کو قتل کر کے اور اس کی اولاد کو قید کر کے فخر کرتے ہو۔ یہ تمہارے دلوں میں ہمارے خلاف حسد و کینہ ہے جو اب کر بلا میں ظاہر ہوا ہے حالانکہ یہ فضائل خدا نے دیے ہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ

”جسے اللہ دے اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔۔۔ اور جس کے لیے اللہ نور قرار نہ دے اس کو نور نہیں مل سکتا۔“

لوگوں کا گریہ بلند ہوا اور انہوں نے کہا: يَا ابْنَةَ الطَّيِّبِينَ، اے بی بی طیبہ، نصیحت بس کرو ہمارے دل جل چکے ہیں۔ ہمارے اندر آگ بھڑک رہی ہے۔

خطبہ جنابِ ام کلثومؓ

مرحوم سید نے لبوف میں لکھا ہے: اس کے بعد روتی ہوئی آواز سے جنابِ ام کلثومؓ نے یہ خطبہ دیا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ سَوَاءٌ لَكُمْ مَا لَكُمْ خَذَلْتُمْ حُسَيْنًا وَقَتَلْتُمُوهُ وَانْتَهَبْتُمْ أَمْوَالَهُ وَوَرَسْتُمُوهُ وَسَبَّيْتُمْ نِسَاءَهُ وَنَكَبْتُمُوهُ فَتَبَا لَكُمْ وَسُحْقَا وَيْلَكُمْ أَتَدْرُونَ أَي دَوَاهٍ دَهْتَكُمْ وَأَي وَهْرٍ عَلَى ظُهُورِكُمْ حَمَلْتُمْ وَأَيَّ دِمَاءٍ سَفَكْتُمُوهَا وَأَيَّ كَرِيمَةٍ أَصَبْتُمُوهَا وَأَيَّ صَبِيَّةٍ سَلَبْتُمُوهَا وَأَيَّ أَمْوَالٍ أَنْتَهَبْتُمُوهَا قَتَلْتُمْ خَيْرَ رَجَالَاتٍ بَعْدَ النَّبِيِّ وَنَزَعْتِ الرَّحْمَةَ مِنْ قُلُوبِكُمْ إِلَّا إِنْ حَزَبَ اللَّهُ هُمُ الْفَائِزُونَ وَحَزَبَ الشَّيْطَانُ هُمُ الْخَاسِرُونَ

”اے اہل کوفہ! تم بہت بُرے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ حسینؑ کی مدد نہ کی بلکہ ان کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹے اور وارث بن گئے۔ ان کے اہل و عیال کو قیدی بنایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتنی بڑی

زیادتی تم نے کی اور کتنا بڑا بوجھ اپنے اُوپر اٹھایا، کس قدر عظیم خون بہائے، اور کتنی عظیم بیٹیوں کو سر پر ہنہ کیا۔ کیا تمہارے دلوں میں ذرا بھر رحم نہ تھا کہ تم نے ایسا کیا ہے؟ اور پیغمبرؐ کے بعد سب سے بہتر اور افضل شخص کو قتل کر دیا ہے۔“

اس خطبہ پر کوئی روتے رہے، عورتوں نے بالوں میں مٹی ملائی اور سر و صورت پر ماتم کیا۔

مسلم معمار کا آنکھوں دیکھا واقعہ

مسلم کہتے ہیں کہ مجھے ابن زیاد نے دارالامارہ کی اصلاح اور مرمت کے لیے بلایا۔ میں کوفہ میں بنائی، گچ کاری اور دارالامارہ کی تعمیر میں مشغول ہو گیا۔ جب میں دارالامارہ کے دروازوں کی گچ کاری کر رہا تھا کہ (فَإِذَا بِالرَّعْفَاتِ قَدِ رَتَفَعَتْ مِنَ جَنَابَاتِ الْكُوفَةِ) اچانک اطراف کوفہ سے خوفناک اور عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں اور اس قدر شور و غل تھا کہ گویا زمین کو زلزلہ آ گیا۔ خادم سے میں نے پوچھا کہ یہ کس قسم کا شور اور آوازیں ہیں؟

خادم نے کہا: ابھی کوفہ میں ایک خارجی کا سر لائے ہیں جس نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس خارجی کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: حسین بن علی ہے۔

جب میں نے یہ نام سنا تو خادم سے دُور چلا گیا اور لَطَمْتُ بوجھتی حتیٰ خشیتِ عَلٰی عَيْنِي اَنْ تَذَهَبَا میں نے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے اور اس قدر گچ آلود ہاتھوں سے ماتم کیا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے ختم ہو جانے کا ڈر ہوا۔ بچے ہاتھوں کو دھویا اور محل سے باہر نکلا اور محلہ کناسہ کی طرف گیا۔ یہاں تماشاخی لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ گزرنے کو راستہ نہ ملتا تھا اور یہاں تمام لوگ قیدیوں اور سروس کے آنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔

اسی اثناء میں دیکھا کہ اِذَا قُبِلْتُ نَحْوَ اَمْرِ بَعِيْنٍ شِقَّةٌ تَحْمِلُ عَلٰی اَمْرِ بَعِيْنٍ جَمَلًا فِيْهَا الْحَرَمَ وَالنِّسَاءَ وَاَوْلَادَ فَاِطْمَئَنُّوْا تقریباً چالیس اونٹ (جن کے پالان چند لکڑیوں کے ٹکڑے تھے جو آپس میں بندھے ہوئے تھے) پر اولادِ قاطرہ، ڈریت، پیغمبرؐ اور حرم سید الشہداء کو بٹھایا ہوا ہے اور ہر اونٹ پر لکڑی کی گھٹھٹ باندھے تھے اور ان دل شکستہ اور کبوترانہ حرم کو ان پر بٹھایا ہوا ہے۔

اِذَا بَعْلِيْ بِنِ الْحُسَيْنِ عَلٰی بَعِيْرٍ بَغِيْرٍ وَطَاءٍ وَاَوْدَاجَةٍ تَشْخَبُ دُمًا

”مسلم کہتے ہیں کہ اچانک میری نظر بیمار امّ پر پڑی کہ انتہائی کمزوری اور لاغری سے بغیر محل کے اونٹ پر بیٹھا ہوا ہے اور پنڈلیوں اور گردن سے خون بہہ رہا تھا۔ (شعب اس پستان کو کہتے ہیں جو

دودھ سے لبریز ہوا اور جونہی ہاتھ کی انگلیوں کا اشارہ ہوتا اس پستان سے دودھ آنا شروع ہو جائے۔

مسلم معمار چاہے کہ اسی طرح خون جناب سجادؓ بیمار کی رگوں سے بہہ رہا تھا اور بڑی حالت زاری سے

آہستہ آہستہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

يَا أُمَّةَ السُّؤْلَا سَقِيَا لِزَيْعِكُمْ يَا أُمَّةَ لَمْ تَزْطَى جَدِّنَا فِينَا
تَسِيرُونَا عَلَى الْأَقْتَابِ عَادِيَةً كَانْنَا لَمْ نَشِيدْ فِيكُمْ دِينَا
”اے بدترین! خدا تمہیں رُسوا کرے کہ تم نے ہمارے جد کا ہمارے حق میں لحاظ نہ رکھا، اور اولاد وغیرہ
کو اوتوں کی کھڑیوں پر بٹھایا اور قیدی بنا کر کوفہ شہر میں لائے۔ کیا ہم تمہارے دین کے مرشد نہ تھے؟“

مسلم کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ کے ان جملات کے بعد کوئی اہل بیتؑ کے بچوں کو کھجور، نان، بادام

اور جناب ام کلثومؑ فریاد کرتی تھیں اے مسلمان نما درندو! یہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ ہم آل محمدؑ ہیں اور بچوں سے کھجور

بادام وغیرہ لے کر پھینک دیتی تھیں۔ کوفہ کے زن و مرد یہ دیکھ کر زار و قطار روتے تھے کہ دیکھو بچے بھوک سے مرنے والے

اور مخدرہ بی بی ان کو کھجور اور نان سے محروم کر رہی ہے۔ جب بی بی پاکؑ نے عورتوں کا گریہ دیکھا تو فرمایا:

تَقْتُلُنَا بِجَالِكُمْ وَتَبْكِينَا نِسَاءَ كُمْ ”تمہارے مرد ہمارے قاتل ہیں اور تمہاری عورتیں ہماری مظلومیہ

ہیں۔“ فَالْحَاجُّمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَوْمَ فَصْلِ الْقَضَاءِ ”خدا ہمارے اور تمہارے درمیان بروز قیامت فیصلہ کر

مسلم کہتا ہے: جب بی بی پاکؑ اہل کوفہ سے خطاب کر رہی تھی تو اس وقت ایک شور و غل پیدا ہوا۔ جب دیکھ تو

کے سر لائے جا رہے ہیں۔ يَقْتُلُهُمْ رَأْسُ الْحُسَيْنِ وَهُوَ رَأْسُ مَهْرِي أَشْبَهَ الْخَلْقِ بِرَسُولِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

سے آگے آگے امام حسینؑ کا سر تھا۔ وہ سر چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور رسول اللہؐ کے مشابہ تھا۔ رشتہ

ایسے خوب صورت لگ رہی تھی جیسے چاند کے ارد گرد ہالہ ڈالا ہوا ہے اور ریش مبارک اپنے خون سے رنگین تھی اور جب ہو

وَالزَّيْمُ يَلْعَبُ يَبِينُنَا وَشَمَلَا ”ریش مبارک کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف ہوجاتی۔“

اچانک جناب نسبؑ نے اپنے بھائی کا سر دیکھا، جونہی سر پر نظر پڑی جو نیزے پر تھا تو برداشت نہ کر سکا

فَنَطَّحَتْ بِجَبِينِهَا بِسِقَامِ السَّحَابِ حَتَّى رَأَيْنَا يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ قَنَاعِهَا ”بی بی نے اپنا سر بلند کیا اور پیشانی

کی ایک لکڑی پر مارا۔ محل چلا رہا اور خون گرتا رہا۔“ مَهْرًا وَمَنْتَ إِلَيْهِ بِخَوْفَةٍ وَجَعَلْتَ تَقُولُ بَهَائِي كِي طَرَفِ

اور شگافہ پیشانی سے اشارہ کیا اور فرمایا: ”اے نسبؑ کے پہلی رات کے ہلال! لوگ تیری طرف انگلیوں سے اشارہ

ہیں، ابھی تمہارا کمال پورا نہ ہوا تھا کہ بہن کی آنکھوں کے سامنے غروب کر گیا۔“

اے حسینؑ برادر! میں آپؑ کی معیتوں اور دکھوں سے باخبر ہوں لیکن یہ مصیبت کبھی فراموش نہ ہوگی کہ حیرا سر نوک نذرہ پر ہوا اور زینبؑ کے سر پر چادر نہ ہو۔

اپنے آپ میں کہتی تھی کہ شاید میرا اور آپؑ کا اس انجام تک موقع نہ آئے گا۔ اب میرے اُوپر وہی مصائب آ گئے جن کا ڈر تھا۔ اے میرے دل کے کٹڑے اور زینبؑ کا جگر! صرف ایک مرتبہ اپنی بیٹی فاطمہؑ صغریٰ سے ایک لفظ تو بول دو ورنہ وہ مر جائے گی۔ اے میرے بھائی! آپؑ تو بہت نازک دل تھے اور اپنے بچوں سے بڑی محبت تھی اب ان بچوں سے ایک ایک حرف بات تو کر لو۔

زندانی کوفہ میں آمد

روایت حدائق الانس: مرحوم صدر قزوینی جناب شیخ صدوقؑ کی امالی سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اہل بیت رسالت، حرم ولایت ستارے انتہائی مظلومیت کی حالت میں کوفہ داخل ہوئے تو اسی دن ابن زیاد کے دربار میں پیش نہ کیا بلکہ ابن زیاد کا حکم تھا کہ قیدیوں کو زندان میں لے جائیں اور کل دربار عام ہوگا اس میں ان قیدیوں کو پیش کیا جائے اور دوسرا حکم یہ ہوا کہ امام سجادؑ کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر قید خانہ میں رکھا جائے۔

راوی حاجب کہتا ہے: میں کارواں کے ساتھ تھا اور ان دل شکستہ خواتین کو زندان کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو جہاں سے گزرتے ہر گلی اور بازار تماشاخیوں سے پُر تھے، جو نئی تماشاخیوں کی نظر ان بے حال عورتوں اور بچوں کی غربت و مظلومیت پر پڑی تو ایک دم لوگوں کے گریہ کا شور مچا بلند ہوتا تھا، سر و صورت پر طمانچہ مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ اس حالت میں ان مظلوموں کو زندان میں لے جایا گیا۔

کاش کہ آج کوئی نجف میں خبر پہنچاتا کہ یا علیؑ اٹھو اور اپنی آنکھوں سے خون بہاؤ کیونکہ آپؑ کی بیٹیوں کو زندان کوفہ میں لے جا رہے ہیں۔ اے کاش اذہراءؑ آج دیکھتیں کہ نوجوان بیٹیاں اور بے کس بچے اور بیمار امائم کے ساتھ کس حالت زار میں زندان پہنچے ہیں۔ جو نئی محذرات عصمت و طہارت کی نظر زندان پر پڑی تو بہت سوز اور گریہ و زاری بلند ہوا اور ہر ایک زندانی کی اپنی زبان حال تھی۔ فَمَحْبِسُوا فِي سِجْنٍ وَضَيْقٍ عَلَيْهِمْ

شیخ صدوقؑ فرماتے ہیں: تمام اسیروں کو ایک انتہائی تنگ مکان میں زندانی کیا گیا اور ان پر بہت سختی کی۔ مرحوم علامہ صاحب ریاض الاحوال لکھتے ہیں: میں نے جس قدر تحقیق کی اور کسی کتاب میں اس زندان کی کوئی تفصیل موجود نہیں کہ اس زندان کی چھت قعی یا نہ؟ ایک کمرہ تھا یا متعدد کمرے تھے؟ ان میں ضرور بات زندگی مہیا تھیں یا نہ تھیں؟

لیکن اہل بیت پر سختی اور سختی کرنے کی کیفیت تو واضح ہے کہ پائی زندان میں قیدیوں کو آنے جانے سے ۔ ۔ ۔ پانی اور کھانا نہیں دیتے تھے۔ جس طرح مغضوب علیہم قیدیوں سے سلوک کیا جاتا ہے بلکہ ان سے بھی اہل بیت سختی کی گئی ہے۔

صاحب ریاض الاثران لکھتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُمْ سُجِنُوا ذُكُورًا وَأُنَاثًا السَّادَةِ وَالْأَمَاءِ وَالْخَادِمَةِ وَالْمَخْدُومَةِ فِي سِجْنٍ وَاحِدٍ لَا يَدْرُونَ مَا يَفْعَلُ وَيَسْتَقْبِلُهُمْ مِنَ الْخُطُوبِ الْمُتَوَلِّدَةِ مِنَ الْبَغْضَاءِ وَالْبَغْضَاءِ وَالْإِخْنِ وَالْإِخْنِ

”یہ اخبار سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اہل بیت کے کارواں کے مرد اور عورت، سردار اور کنیزوں، خادم اور مخدوم سب کو ایک ہی زندان میں رکھا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کل ابن زیاد ان سے کیا سلوک کرے گا۔ تمام قیدیوں پر خوف اور لرزہ طاری تھا۔“

يَتَضَرَّعُونَ وَيَتُوحُّونَ وَيَبْكُونَ وَيَنْدَبُونَ عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَالَةِ الْقَادِحَةِ الْعَاضَةِ الْكَاسَةِ الْمُفْجِعَةِ الْمُفْضِعَةِ

تمام قیدی دل کی گہرائیوں اور بند بند سے روتے، نوحہ کرتے اور ایک نوحہ میں ہوتا تو دوسرا گریہ کرتا۔ ایک ٹھنڈی سانس لیتا تو دوسرا گریہ کرتا، ایک مناجات کرتا اور یا جہی یا جہی کہتا تو دوسرا بابا بابا کے فریاد کرتا تھا۔ یہ بھائی کرتا تو دوسرا دکھوں پر روتا تھا۔ ایک زمانے کی بے وفائی پر روتا تو کوئی کوفیوں کی بے وفائی پر روتا اور سب سے زیادہ حسین کی بہن تھی جس کے دل تمام کے دکھ اور درد تھے اور تمام کوتسلایاں بھی دیتی تھیں۔ جوانوں کوتسلایاں دیتی حالانکہ زینب کوتسلی دینے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ جب ان کے دل پر مصائب کا اجتماع ہوتا تو ایسی دکھ بھری آہ کھینچتی تھیں کہ عرش کا نپ جاتا تھا۔

صاحب ریاض الاثران نے لکھا ہے:

فلما جلست زینب بنت علی فی المجالس وحولها النساء والبنات والیتامی بحالة تقشعر منه الجلود بل یدوب الحجر الجلمود

”جب زینبؓ عالیہ دختر امیر المومنینؑ زندان میں پہنچیں اور بیٹھیں اور ان کے ارد گرد دل خون عقیق مستورات، غمگین دل بیٹیاں اور دکھی یتیم اور دل شکستہ بچے بیٹھے تو دل پانی اور جگر کباب ہو گیا تھا۔“

بی بی کی حالت یہ تھی:

اَخَذَتْ تَبْكِي بِحَرْقَةٍ وَتَوْجَعٍ وَتَنُوحٍ بِشَجْوَةٍ وَتَفَضُّعٍ وَتَبْكِي بَبْكَائِهَا الْحَوَاتِيْنَ
وَالْاِمَاءَ وَالْاِثْمَامِلَ وَالْيَتَامَى وَالْمُسْلِبَاتِ وَالْاِيَامَى..... الخ

”بی بی زینب اپنی اور دوسری خواتین کی غربت اور مظلومیت پر بہت روئیں کہ زندان میں جگہ تنگ،
زن و مرد ایک جگہ، بغیر فرش اور چراغ کے تو بہت گریہ کیا اور دل پر درد سے ٹھنڈی سانس لیتی
تھیں۔ بی بی کے آنسو کے قطرات لولو کی طرح گرتے تھے۔ بی بی کو روتا دیکھ کر تمام عورتوں میں ماتم
اور کھرام مچ گیا۔“

جناب زینبؓ نے اُم کلثوم بہن سے کہا: اے بہن! ہمارے دن تاریک ہوں گے۔ اس سے زیادہ ہم پر کیا ظلم کرنے
ہیں۔ آؤ مل کر روئیں بلکہ اس مظلوم پر روئیں جس کے آخری وقت میں سرہانے نہ تھیں اور آنکھیں بند نہ کر سکیں۔ اے حسین!
نیش تیرے پیاسے ہونٹوں پر قربان ہو جائیں، تیرے بیٹوں اور یتیم بچوں پر قربان ہو جائیں۔
مرحوم ریاض الاحزان میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا سُجِنُوا وَطَبِقَ بَابُ السِّجْنِ عَلَيْهِمْ تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُمْ اِمَّا شَامِتِيْنَ فَرِحِيْنَ اَمَّا
بَاكِئِيْنَ مُنْتَدِجِيْنَ فَمَضُوا لِسَبِيلِهِمْ

”جب تمام قیدی زندان میں آ گئے اور زندان کا دروازہ بند کر دیا تو تماشائی لوگ متفرق ہو گئے، بعض
خوش اور مسرور تھے جبکہ بعض روتے اور غمگین تھے۔ تمام لوگ گھروں کو چلے گئے لیکن اہل بیت کے
افراد زندان میں بھوکے پیاسے روتے رہے۔“

شیخ صدوق لکھتے ہیں: جب قیدی ابن زیاد ملعون کے دربار میں تھے تو ابن زیاد نے جناب اُم کلثوم بنت امام حسین کو
مطلب کر کے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہارے مردوں کو قتل کیا، دیکھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا کر دیا ہے؟
بی بی پاکؓ نے فرمایا: اَعِدْ لِبَجْدَةٍ جَوَابًا فَانَّهُ خَصَمَكَ غَدًا ”اے بے حیا! تو میرے جد کے لیے جواب تلاش کر
کیونکہ کل وہ تیرے دشمن ہوں گے اور خدا تجھ سے ہمارے اوپر ظلموں کا بدلہ لے گا۔“

عمر بن سعد سے ابن زیاد کی بے اعتنائی

عمر بن سعد نے عظیم جنابت کا ارتکاب کیا اور فرزندِ پیغمبرؐ کو شہید کیا اور اہل بیت کو قیدی کر کے کوفہ لایا اور زندان میں

پہنچا دیا۔ پھر یہ ملعون بڑے غرور، تکبر، رعب سے عبید اللہ بن زیاد کے پاس گیا اور پورے غرور و نخوت سے اپنی فتنہ سے
کے اظہار پر بڑا فخر کرتا تھا۔ یہ ابن زیاد سے مدح، تعریف، شاباش ملنے کی اُمید میں بیٹھا تھا لیکن اس کا غرور، تکبر، غرور
گیا جب ابن زیاد نے کوئی محبت کا اظہار نہ کیا اور کوئی تعریف اور شاباش نہ دی۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ جب بن سعد اور ابن زیاد کی ملاقات ہوئی ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا:

إِيْتَنِي بِكِتَابِ الَّذِي كَتَبْتَهُ إِلَيْكَ فِي مَعْنَى قَتْلِ الْحُسَيْنِ وَمَلَكَ الرَّأْيِ "وہ حکم نامہ مجھے دے دے۔"
امام حسینؑ کے قتل کے بارے لکھ کر دیا تھا۔

عمر بن سعد نے کہا: وہ حکم نامہ تو میں تم کر بیٹھا ہوں، خدا کی قسم! تم ہو گیا۔

ابن زیاد نے کہا: اس حکم نامہ کو ہر صورت حاضر کرنا پڑے گا۔ اگر وہ حکم نامہ مجھے واپس نہ کیا تو کبھی میری طرف
کوئی انعام نہ ملے گا کیونکہ امام حسینؑ کی طرف جنگ کرنے کے لیے تیرے جانے میں سستی اور کاہلی تھی اور اگر وہ حکم
چاہتا تھا اور یوڑھی عورتوں سے زیادہ اپنے آپ کو عاجز شمار کرتے تھے کیا تو وہی شخص نہیں ہے جو کہتا تھا کہ بخدا تم
اور جہنم کے درمیان کھڑا ہوں۔ تم سے کی جاگیر چھوڑ دوں یا امام حسینؑ کا قتل چھوڑ دوں۔

ابن سعد نے کہا: ہاں میں یہ کہتا تھا اور تجھے بھی اس فعل سے روکتا تھا اور نصیحت کرتا تھا کہ میرا باپ بھی مجھ سے
امور میں مشورہ کرتا تو یہی کہتا اور جو تجھے میں نے کہا تھا وہی اپنے باپ کو کہتا اور پوری حقوق ادا کرتا۔ لیکن تم نے میرا
کو نہ جانا۔

ابن زیاد نے کہا: اے بد بخت تم مجھ کو نصیحت نہیں کی بلکہ اپنی مرضی اور شوق سے کہتا ہے۔

ابن سعد نے جب ابن زیاد کا یہ رویہ دیکھا تو اپنی مذمت اور سرزنش کی اور کہا کہ سب سے زیادہ غلط کام
ہے کہ ابن زیاد کی اطاعت کی اور خدا کی نافرمانی کی ہے اور اپنے رحم کو قطع کیا ہے۔ پس ابن زیاد کے دربار سے
غضبناک باہر آیا اور بار بار اپنے آپ کو یہ ملعون کہتا تھا کہ میں نے بہت بڑا نقصان اٹھایا ہے۔

اہل بیتؑ کی ابن زیاد کے دربار میں پیشی

۱۲ محرم الحرام کی رات اہل بیتؑ نے ابن زیاد کے زندان میں گزازی۔ پس ۱۲ محرم کی صبح دارالامارہ کا دروازہ کھولا

چھڑکا دیا گیا اور ہماڑو دیا گیا۔ مدعو امراء، اعیان، وزراء اور حکومتی ارکان دربار میں آئے۔ ابن زیاد فرعون زمانہ بن کر غرور
شدا کی طرح دربار میں آیا اور تخت پر بیٹھا تو منافق، کفار، چالوس اور اشرار ارد گرد جمع ہو گئے۔ ہر شخص اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دربان اور غلام جمع ہو گئے۔ ہر شخص اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دربان اور غلام مع سپاہیوں کے دارالامارہ کے دروازے سے باہر صف بستہ کھڑے تھے۔

فَأَمَرَ اللَّعِينَ فِي النَّشَاتَيْنِ بِاحْضَاكِ رَأْسِ الْحُسَيْنِ فِي طُشْتٍ مِنَ اللَّجِينِ ”ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے سر کو سنہری طشت میں رکھ کر میرے پاس لایا جائے۔ فاحضرہ عندہ وسالیر الرؤس منصوبۃ علی الاخشاب بالباب ”پس سلطان مقلوبین کے سر کو لائے اور اس طعون کے سامنے رکھ دیا اور دوسرے سر جو تقریباً دو صد تھے۔“

یہ سر پہلے دارالامارہ میں موجود تھے۔ لوگ نیزہ پر چمکتی شمع اور مشعل کی طرح ہر چہرہ روشن تھا۔ کوفہ کے اور ادھاش لوگ خوشحالی، خوش گزرانی اور تماشا کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ان سروں کو بھی ابن زیاد کے سامنے لایا گیا۔

ثُمَّ أَمَرَ بِاحْضَاكِ الْأَسَارَى ذُكُورًا وَأُنثَا مِنَ السِّجْنِ فِي الْمَجْلِسِ ”ایک حکم یہ دیا کہ آل رسولؐ اور اولاد فاطمہؑ بتول کے قیدیوں کو زندان سے دربار میں لایا جائے۔“

یہ حکم ملتے ہی دشمن زندان کے دروازے پر پہنچ گئے اور زندان سے نيزوں اور تازیانوں سے آل رسولؐ کے قیدیوں کو لایا گیا جب کہ قیدی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ گویا نہایت غربت اور ذلت سے دربار میں لایا گیا۔

فَادْخُلُوهُمْ عَلَيْهِمُ وَالرَّأْسَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَاقْفُوهُمْ أَجْمَعًا لَدَيْهِ ”اس حالت سے اسیروں کو دربار میں لایا گیا کہ قیدی ابن زیاد کے سامنے کھڑے ہو گئے، قیدی مردوں کے سر جھکے ہوئے تھے، چھوٹے بچے کانپ رہے تھے، مستورات نے بالوں سے منہ کو چھپایا ہوا تھا اور ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہی تھیں۔ فَاطَرَقَ عِنْدَهُمْ رِجَالُهُمْ وَاسْتَتَرَتْ بِسَائِلِهِمْ بَعْضُهُنَّ بِالشُّعُوبِ ”بعض عورتوں نے اپنے چہروں کو آستینوں سے چھپایا ہوا تھا۔“

ابن زیاد کے حلاوتواریں نیام سے نکالے ہوئے ان قیدیوں کے ارد گرد کھڑے تھے، قیدی ان ظالموں کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ عوام تماشا دیکھنے کے لیے جھوم کر رہی تھی کیونکہ ابن زیاد نے أَذْنٌ لِلنَّاسِ إِذْنًا عَامًا لوگوں کو دربار میں آنے کا اذن عام دیا تھا اور حاجین کو منع کر دیا تھا کہ کسی آنے والے کو نہ روکا جائے۔ اس لیے دربار کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔

امام سجاد علیہ السلام جو بیمار بھی تھے اور اپنی بیماری کے ساتھ زنجیر پہنے ہوئے ابن زیاد کے سامنے کھڑے تھے، نے

فرمایا:

سَنَقُوتُ وَتَقُوتُونَ وَتَسْأَلُونَ وَأَنْتُمْ لَا تَعُدُّونَ وَلَا تَزُونَ لِرَسُولِ اللَّهِ جَوَابًا

”مقریب ہم اور تم رسول خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو رسول اللہ کو کیا جواب دو گے؟“

ابن زیاد نے امامؑ کی ذلیل کر دینے والا کلام سنا لیکن جواب نہ دیا۔ جنابِ ننب کبریٰ سلام اللہ علیہا جو بے غائب تھیں، دربار کے گوشے میں چند چادر والی کنیزوں کے درمیان کھڑی تھیں اور اپنے بالوں سے چہرے کا پردہ بنایا ہوا تھا۔ صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں:

فَدَخَلَتْ نَرِیْنَبُ أُخْتِ الْحُسَیْنِ فِی جُمْلَتِهِمْ مَتَنَكِرَةً وَعَلَيْهَا أَرْدَلٌ ثِیَابِهَا فَتَضَتَّ حَتَّى جَلَسَتْ نَاجِیَّةً مِّنَ الْقَصْرِ وَحَقَّتْ بِهَا أَمَالُهَا

”یعنی جنابِ ننب ایسے انداز میں دربار میں وارد ہوئیں کہ کوئی پہچان نہ سکے، پرانے لباس کے ساتھ جو جگہ جگہ سے جلا اور پھٹا ہوا تھا، کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں، محل کے گوشے میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے حلقہ ڈالا ہوا تھا۔“

ابن زیاد متوجہ ہوا کہ کنیزوں کے درمیان وہ مخدرہ معظمہ پوشیدہ ہیں اور خود کو عام عورت ظاہر کر رہی ہیں تاکہ کوئی پہچان نہ پائے اس لیے اس ملعون نے پوچھا:

مَنْ هَذِهِ الَّتِیْ اِنْحَاثَتْ فَجَلَسَتْ نَاجِیَّةً مِّنَ الْقَصْرِ

”یہ عورت کون ہے جو دربار کے ایک کونے میں کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہے۔“

کسی نے اس ملعون کو جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ اس نے پوچھا تو بھی جواب نہ ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے پوچھا تو ایک کنیز نے جواب دیا:

هَذِهِ نَرِیْنَبُ بِنْتِ فَاطِمَةَ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَیْهَا

”یہ ننب بنتِ فاطمہ سلام اللہ علیہ ہیں۔“

جب ابن زیاد کو علم ہوا کہ یہ مخدرہ دختر احمد مختار اور حیدر کرارؑ ہے، یتیموں کی ماں ہے، زہراء بتولؑ کی بیٹی ہے، امام حسینؑ کی بہن ہے، خدا کی ناموس ہے، علی اکبرؑ کی پھوپھی ہے، تو اس کے ذہن میں آیا کہ ان کو چھوڑ دوں کہ یہ مظلومہ ہے، چھ بھائیوں کا داغِ موت سینے پر لیے ہے۔ ۱۸ بنی ہاشم کے جوانوں کی شہادت سے کمر جھکی ہوئی ہے۔ دروازہ کوفہ پر سر زخمی ہو گیا ہے، شبِ گذشتہ زندان میں بھوکے پیاسے یتیم بچوں کی آہ و بکا سنتی رہی ہے۔ پس اُس نے کہا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَ قَتَلَکُمْ وَ کَذَبَ اَحَدُ وُثُقُکُمْ

”حمد ہے خدا کے لیے جس نے تمہیں ذلیل کیا اور قتل کر دیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کر دیا۔“

بنتِ علیؑ برداشت نہ کر سکی اور فوراً جواب دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَكْرَمَنَا بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدًا وَطَهِّرَنَا مِنَ الرَّجْسِ تَطْهِيرًا اِنَّمَا يَفْتَضُّ
الْفَاسِقُ وَيَكْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ غَيْرُنَا

”ہم اس اللہ کی حمد کرتے ہیں جس نے ہمیں محمدؐ جیسا نبی دے کر کرم فرمایا اور ہمیں رجس سے پاک رکھا، ذلیل ہوتا ہے فاسق اور جھٹلایا جاتا ہے فاجر اور وہ ہم نہیں ہمارا دشمن ہے۔“

ابن زیاد نے کہا: اے علیؑ کی بیٹی! اللہ نے تمہارے اہل بیت سے کیا سلوک کیا اور وہ کس طرح خوار ہوئے؟
بی بی پاکؑ نے فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرُّوْا اِلَيَّ مَضَاجِعِهِمْ ”اللہ نے ہمارے لیے شہادت روزِ اول سے لکھی تھی جو ہم نے قبول کی اور جو شہید راہِ حق ہو گئے اور وہ مرتبہ عالیہ پر فائز ہو گئے۔“

سَيَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ فَيُحَاجُّوْنَ اِلَيْهِ وَيَخْتَصِمُوْنَ
”عنقریب خدا تمہیں اور ان شہداء کو ایک جگہ پر جمع کرے گا اور شہداء خدا کے سامنے تم سے انتقام لیں گے۔“

پھر بی بی پاکؑ نے فرمایا:

فَانْظُرُوْا لِمَنِ الْفَتْحُ يَوْمَئِذٍ شُكِّلَتْ اُمْلَكُ يَابِسٍ مَّرْجَانَةٍ

”اے مرجانہ کے بیٹے! اس دن دیکھنا کہ کون کامیاب ہوتا ہے تیری ماں تیرے غم میں روئے! تو نے بہت بڑی جرأت کی اور خاندانِ رسالت کو ویران کر دیا اور اہل بیت کو در بدر کر دیا۔“

فَغَضِبَ اَبْنُ مَرْيَادٍ فَاسْتَشَاطَ

”ابن زیاد کو بی بی کے کلام پر غصہ آیا اور بہت سخت جواب دیے۔“

عمرو بن حرث داروغہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس نے تخت کے قریب آ کر کہا:

اَيُّهَا الْاَمِيْرُ اِنَّهَا اِمْرَاَةٌ وَالْمَرْأَةُ لَا تَوَاجِدُ بِشَيْءٍ مِنْ مَنَظِقِهَا

”اے امیر! ایک عورت سے کوئی بحث کرتا ہے اور وہ بھی ایسی عورت جو داغ دیدہ اور ستم رسیدہ ہو۔“

ابن زیاد نے کہا: قَدْ شَفَا اللّٰهُ نَفْسِيْ مِنْ طَاغِيَّتِكَ وَالْعَصَاةَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ ”تیرے بھائی کو قتل کر کے

میرے دل کو شفا مل گئی ہے اور تیرے اہل بیت کے نافرمانوں کو نگوڑے نگوڑے کر کے مجھے بہت خوشی اور لذت محسوس ہوئی ہے۔“

بی بی معتمدہ کو ابن زیاد کے ان بکواسات سے بہت دکھ ہوا اور اسی دکھ کی وجہ سے رو کر فرمایا:

لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي وَأَبْرَزْتَ أَهْلِي وَقَطَعْتَ فَرْجِي وَاجْتَنَنْتَ أَصْلِي فَإِنْ يُشْفِكَ هَذَا
فَقَدْ اسْنَفَيْتَ

”اے ابن زیاد! تو نے ہمارے بزرگ (امام حسینؑ) قتل کیے، آلِ محمدؐ کی عورتوں کے پردے لوٹ کر ان کو بے حجاب کر دیا، ان کے خیموں کو آگ لگا دی، ان کو قیدی کر کے بے پالان اُونٹوں پر سوار کر کے دربار میں لے آیا ہے، بازاروں میں ناعمرسوں کے ہجوم میں پھرایا ہے اور اس دربار کے پُر ہجوم اجتماع میں ہمیں حاضر کیا ہے۔

اے ابن زیاد! تو نے ہمارے نوجوانوں کو قتل کیا جن کی مثل کائنات میں نہ تھی جیسے قاسمؓ، علی اکبرؓ، عباسؓ۔

اے ابن زیاد! تجھے معلوم ہے کہ تو نے کیا جرم کیا ہے خدا کی قسم! تو نے ہمیں اجازت دیا اور برباد کر دیا ہے۔ اے ابن زیاد! اگر ان کاموں سے تیرے دل کو شفا ملتی ہے تو اے شقی بے حیا! کیا مجھے قتل کرنے سے بھی تجھے شفا ملتی ہے تو شفا حاصل کر لے۔“

ملعون نے یہ کلام سن کر حاضرین کی طرف منہ پھیرا اور کہا: هَذِهِ شَجَاعَةٌ وَلَقَدْ كَانَ أَبُوْهَا شَجَاعًا شَاعِرًا ”یہ عورت بہت فصیح و بلیغ ہے، کلام کا قافیہ، ردیف شاعرانہ ہے، اس کا باپ بھی بڑا فصیح و بلیغ تھا اور کلام میں قافیہ ردیف کو نظم کرتا تھا اور بہت اچھے شعر پڑھتا تھا۔“

جناب زینبؓ کبریٰ نے فرمایا: اے ابن زیاد! عورت کو فصاحت و بلاغت اور کلام میں قافیہ ردیف کو منظم کرنے کی کیا ضرورت ہے خصوصاً مجھ جیسی دیکھی عورت کو ایسے کلام کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں میرے دل کے غموں نے مجھے اس بات پر وار د کیا ہے کہ اپنے بہت سے زیادہ فضائل سے بہت کم احوال کو بیان کرو۔

اے ابن زیاد! مجھے بہت تعجب ہوا ہے کہ تو ایسا شخص ہے کہ جسے امام کو قتل کرنے سے شفا ملتی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ قیامت کو تجھ سے انتقام لیا جائے گا۔

پس جب ابن زیاد نے سمجھ لیا کہ جناب زینبؓ سلام اللہ علیہا سے کلام کر کے اس کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو ایسا جواب سنتا ہوں کہ میں خود لا جواب اور شرمندہ ہو جاتا ہوں اور میرا کفر اور منافقت مزید ظاہر ہوتی ہے تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس مظلومہ سے بات نہ کی جائے لہذا پھر جناب ام کلثومؓ سلام اللہ علیہا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: یہ بی بی کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ جناب ام کلثومؓ ہیں اور امام حسینؑ کی دوسری بہن ہیں۔

فَقَالَ يَا أُمَّ كُثُومٍ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَتَلَ بِرِجَالِكُمْ فَكَيْفَ تَزَوْنَ مَا فُوعِلَ بِكُمْ
 ”اے ام کثوم! خدا کی حمد سے جس نے تمہارے مردوں کو قتل کر دیا، پس تمہارا کیا خیال ہے اس
 کے بارے میں جو تم سے ہوا؟“

فَقَالَتْ يَا بَنَ نَرِيَادٍ لَّيْنٌ قَرَّتْ عَيْنُكَ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ فَطَالَ مَا قَرَّتْ عَيْنَ جَدِّكَ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِهِ
 ”جناب ام کثوم سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اگر قتل حسین سے تیری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، تو جان لے
 کہ وہ زمانہ بہت طویل تھا کہ رسول پاک کی آنکھ امام حسینؑ کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوتی تھی۔“

وَمَا كَانَ يُقْبَلُهُ وَيَلْتَمِسُ شَفَتَيْهِ وَيَضَعُهُ عَلَى عَاتِقِهِ

اے ابن زیاد! تجھ پر خدا کی لعنت ہو! تو نے اس سستی کو قتل کر دیا اور ان کے نازک بدن کو گرم ہوا اور ریت پر صحرا میں
 پڑا رہنے دیا اور ان کے سر کو نوک نیزہ پر بلند کر دیا حالانکہ حسینؑ کے نانا تو ان کے بوسے دیتے اور ان کے لبوں کو جو آج
 تیرے نیزے کی وجہ سے مرجھا چکے ہیں، چومتے رہتے تھے اور کئی بار ان کو اپنے دوش مبارک پر سوار کرتے تھے۔

فَقَالَتْ يَا بَنَ نَرِيَادٍ أَعِدْ لِجَدِّكَ جَوَابًا فَإِنَّهُ خَصَصْتُكَ عَدَا

”اے ابن زیاد! بروزی قیامت رسول پاکؐ کا جواب تیار کرو کیونکہ کل وہ حیرے دشمن ہوں گے اور
 پوچھیں گے۔“

پس اس مکار نے سمجھ لیا کہ جناب ام کثوم بھی اپنی بہن کی طرح حاضر جواب ہیں اور انہیں بھی اپنے باپ علیؑ سے
 فصاحت و بلاغت وراثت میں ملی ہے۔ اگر وہ ان سے مزید بات کرے گا تو وہ خود شرمندہ اور رسوا ہوگا۔ لہذا اس ملعون نے منہ
 امام سجاد علیہ السلام تیار کر بلا کی طرف پھیرا اور کہا: یہ بیماروں ہے؟
 بتایا گیا کہ یہ علی بن حسینؑ ہیں۔

ملعون نے کہا کہ کیا علی بن حسینؑ کر بلا میں شہید نہیں ہوئے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے شقی! میرا ایک بھائی تھا جس کا نام علیؑ تھا، لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: لوگوں نے نہیں اللہ نے اُسے قتل کیا ہے۔

حضرت امامؑ نے ابن زیاد کے جواب میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی: اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا

اب ابن زیاد کو یہ بھی سمجھ آگئی کہ اگر ان سے بات جاری رکھی تو یہ مجھے رسوا کر دیں گے پس غضب ناک ہوا اور کہا:

لَكَ جُرْأَةُ عَلِيٍّ جَوَابِي ”تم میں اتنی جرأت ہے کہ میری ہر بات کا بے باکی سے جواب دیتے ہو؟“
 اِذْهَبُوا اِيَّاهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ ”اس کو لے جاؤ اور قتل کرو۔“ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا نے امامؑ سے کہہ کر
 سنی تو فرمایا:

يَا بْنَ زَيْدٍ اِنَّكَ تَتَّبِعُ مِنَّا اَحَدًا فَلَنْ عَزَمْتَ عَلٰى قَتْلِهِ فَاَقْتُلْنِيْ مَعَهُ
 ”اے ابن زیاد! تو نے پہلے ہمارا کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا، تمام کو قتل کر دیا، کوئی ہمارا محرم باقی نہیں
 رہا، سوائے اس پیارے جوان کے۔“

اے ابن زیاد! اگر اس نوجوان کو قتل کرنا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دے۔“

ابن زیاد ملعون نے بی بی کی بات پر توجہ نہ کی اور جلاد کو پکارا۔ نیلی آنکھوں والا ایک جلاد سامنے آیا اور امام سید
 السلام کے بازو سے پکڑا تا کہ دربار سے باہر لے جا کر قتل کر دے۔ اس وقت تمام مستورات اور بچوں نے آ کر امام سیدؑ سے
 ارد گرد حلقہ بنا کر ماتم شروع کر دیا۔

صاحب ارشاد لکھتے ہیں: جناب زینب سلام اللہ علیہا نے بیمار امامؑ کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر فرمایا:
 اے ابن زیاد! وہی خون کافی ہیں جو تو نے بہا دیے، میں ان کے گلے سے ہاتھیں نہیں نکالوں گی حتیٰ کہ اگر ان سے
 کرنا ہے تو ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔

روایت میں ہے کہ یہ ظالم ایک لمحہ تو آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ ساکن، حیران اور شکر رہا۔ پھر درباریوں سے کہہ کر مجھے
 اس رحم اور اپنوں سے محبت پر تعجب ہے۔ خدا کی قسم! جناب زینب سلام اللہ علیہا کو امامؑ بھیجے کے ساتھ قتل ہونا پسند ہے لیکن پھر
 اس کے دل میں رحم آیا اور کہا: اے جلاد! اس بیمار کو چھوڑ دو، یہی بیماری اس کے لیے کافی ہے۔ اس وقت جناب سجادؑ نے
 پھوپھی سے فرمایا:

اے پھوپھی جان! آپ خاموش ہو جائیں تاکہ میں اس ملعون سے بات کروں۔ پھر امام سجادؑ نے ابن زیاد کو مخاطب
 کر کے فرمایا: اے ابن زیاد! کیا تو مجھے قتل کر کے ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔ کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ شہادت ہماری کرامت ہے
 اور قتل ہونا ہماری عادت ہے۔

ابن زیاد غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ اس بیمار کے گلے میں طوق ڈالا جائے۔ پس طوق ڈالا گیا اور پاؤں میں زنجیر
 پہنائے گئے اور پھر سب قیدیوں کو زندان میں بند کر دیا گیا۔ ایک راوی جو ابن زیاد کے ملازمین میں سے تھا۔ کہتا ہے: میں
 دربار سے زندان تک ان قیدیوں کے ساتھ تھا کہ جس کوچہ اور گلی سے گزرتے۔ تماشاویوں کا ہجوم ہو جاتا تھا اور تمام مرد و زن

بچے سرد چہرہ پر ماتم کر رہے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔

مرحوم سید بن طاووس لکھتے ہیں: جناب زینت سلام اللہ علیہا السلام نے فرمایا:
لَا يَدْخُلْنَ عَلَيْنَا بِحُورَةٍ إِلَّا أُمٌّ وَلَدًا أَوْ مَمْلُوكَةٌ فَإِنَّهُنَّ سَبِيْنٌ وَنَحْنُ سَبِيْنَا
”یعنی زندان میں کوئی آزاد عورت ہمارے پاس نہ آئے جب کہ کنیریں آ سکتی ہیں خواہ اولاد دار
ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ایسی کنیریں بھی قیدی تھیں اور آج ہم بھی قیدی ہیں۔“
زندان میں گریہ و زاری اور ماتم ہر وقت جاری رہا۔

تن زیاد کا سر مطہر کو بازاروں میں پھراننا اور امامؑ کے سر کا کلام کرنا
صاحب ارشاد لکھتے ہیں: دوسرے دن صبح ابن زیاد کے حکم سے بَعَثَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ قَدِيرَ بَهْ فِي سُكْنٍ
لِحُكُوفَةٍ وَقَبَائِلِهَا ”امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کے تمام بازاروں، گلیوں اور قبائل عرب میں پھرایا گیا۔“
مرحوم مجلسی علیہ الرحمہ بحار میں روایت کرتے ہیں کہ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ
چوٹ میں نے ایک بلند نیزہ دیکھا، جس پر امام حسینؑ کا سر نصب تھا۔ جب وہ نیزہ میرے گھر کے سامنے سے گزرا تو میں
نے سنا کہ سر مطہر یہ آیت قرآن پڑھ رہا تھا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرُّقْمِ كَانُوا مِنَ الْيَتَامَا عَجَبًا

اس سر مقدس سے یہ آیت سنتے ہی میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں کانپ گیا اور عرض کیا:

رَأْسُكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ أَعْجَبَ أَعْجَبَ

اے فرزند رسول! آپ کے سر کا بولنا بہت عجیب و غریب ہے۔“

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے: إِنَّهُ صَلَّبَ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ بِالصِّيَاذِ الْكُوفَةِ فَتَنَحَنَّمَ الرَّأْسُ وَقَرَّءَ
سُورَةَ الْكَهْفِ إِلَى قَوْلِهِ: إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَرِزْقُهُمْ هُنَا
قصی کہتا ہے کہ جب مظلوم کربلا کے سر کو صلیبوں کے بازار میں لٹکایا گیا تو میں نے خود دیکھا کہ سر مقدس نے کھانسی
نے سورہ کہف کو اس آیت تک پڑھا۔ پس کوفیوں پر فضالت بھی چھائی ہوئی تھی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ سر مطہر نے ایک موقع پر یہ آیت پڑھی جسے تمام خلق نے سنا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ

مَنْعَبٍ يَنْفَلِتُونَ ○

ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کے لبوں کی حرکت کو دیکھا، میں نے توجہ کی تو سنا کہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: فَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۝ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝ بعض معتبر کتب میں حارث بن کیدہ سے روایت ہے، اس نے کہا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اس کے سر کو نوک نیزہ پر اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے خود سنا کہ سر مطہر نے سورہ کہف کی آیت کی تلاوت کی۔ میں شک میں پڑ گیا اور متحیر ہوا کہ ایک طرف تو امام کی دلربا آواز سے صدائے مبارک سن رہا تھا اور دوسری طرف یہ فکر کرتا تھا کہ یہ سر بغیر بدن کے کیسے بول سکتا ہے؟ تو مجھے خطاب کر کے سر مطہر نے فرمایا:

يَابْنَ وَكِيدَةَ اَمَّا عَلِمْتَ اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَلَمَةِ اَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّنَا تُؤْمِنُ

”اے سر وکیدہ! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم ائمہ علیہم السلام اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔“

جب یہ سنا تو میرا تعجب اور زیادہ ہو گیا اور میں نے دل میں خیال کیا کہ اس سر مطہر کو ان بدنختوں کے پاس نہیں رہنا چاہیے کہ یہ ظالم اسے اس قدر سخت سے پھرا رہے ہیں اور تو بین کر رہے ہیں بس دل میں فیصلہ کیا کہ اس سر مقدس کو ان لوگوں سے چرالوں۔ یہ خیال کرتا تھا کہ سر مقدس نے پھر مجھ سے خطاب کر کے فرمایا:

يَابْنَ وَكِيدَةَ لَيْسَ لَكَ اِلَيَّ ذٰلِكَ سَبِيل

”اے فرزند وکیدہ! میرا خون بہانا خدا کے نزدیک بہت بڑا امر عظیم ہے بہ نسبت اس کے کہ اب یہ میرے سر کو پھرا رہے ہیں، ان کی جو مرضی ہے کرنے دو۔ عنقریب انھیں اپنے اس برے عمل کی سزا ملے گی۔“

اِذَا الْاَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ

”جب ان کی گردنوں میں آگ کے طوق اور جہنم کی زنجیریں ہوں گی۔“

ابن زیاد کی تقریر پر عبداللہ بن عقیف کی تنقید اور ان کی مظلومانہ شہادت

ابن زیاد اتنا شقی تھا کہ آل احمد کے اسیروں کی سرزنش اور توہین کر کے زندہ بھج دیا اور وہ قیدی اپنی جان سے یہ تھے، امام سجاد علیہ السلام کے پاؤں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال دیا گیا اور روتی آنکھوں سے ان کو اس خاندان (خاندان خراب) میں بھیج دیا گیا جو مسجد کے ساتھ واقع تھا۔ اس کے دورے دن (تیرہ محرم) کو سر اقدس کو تمام کوچوں اور بازاروں میں پھرایا گیا اور خود ابن زیاد رباع اور دبدبے سے مسجد میں آیا، تمام حکومتی اور خوشامدی افراد اس کے ساتھ مسجد میں آئے۔ اچھ نہ اہر شخص مسجد میں آیا، مسجد بھر گئی تھی اور یہ شقی بن شقی بے شرفی اور بڑی بے حیائی سے منبر پر بیٹھ گیا اور یہ خطبہ پڑھا:

قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَظْهَرَ الْحَقَّ وَاهْلَهُ وَنَصَرَ اَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَزِيْدَ وَحَزَبَهُ وَقَتَلَ
الْكُذَّابَ بْنَ الْكُذَّابِ وَشَيْعَتَهُ

”حمد ہے اس خدا کی جس نے حق کو اور اہل حق کو ظاہر کیا اور امیر المؤمنین یزید (معاذ اللہ) اور اس
کے گروہ کی مدد کی اور کذاب بن کذاب (نعوذ باللہ) اور ان کے شیعوں کو قتل کر دیا۔“

جب یہ بکواس اس ملعون کی زبان سے نکلی تو ایک مخلص زاہد، عابد شیعہ اور بہادر جناب عبداللہ بن عقیف برداشت نہ
کر سکے اور اپنی جگہ سے اٹھے (یہ امیر المؤمنین کے صحابیوں میں سے ہیں اور ان کی ایک آنکھ جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کی
غارت میں ضائع ہو گئی تھی اور دوسری آنکھ جنگِ جمل میں مولا علیؑ کی حمایت میں قربان ہو گئی تھی، اس نابینائی کے باوجود اکثر
اسی مسجد میں عبادت کے لیے ٹھہرے رہتے تھے اور شب و روز یہاں عبادت کرتے تھے) اور لکار کر کہا: اے ولد الزنا! إِنَّ
لِالْكُذَّابِ بْنِ كُذَّابٍ اَنْتَ وَابْنُكَ ”جھوٹا اور فرزند کذاب تو ہے اور تیرا باپ تھا اور وہ جھوٹا ہے جس نے تجھے اس شہر کا
امیر بنایا ہے اور اہل ایمان کی جان کو آگ لگا دی ہے۔“

اے بے دین! فرزندِ غیر کو قتل کرتا ہے اور پھر مسلمانوں کے سامنے منبر پر آ کر یہ بکواس کرتا ہے۔ اے بے حیا! منبر
سے نیچے اُتر آ تو اس کا اہل نہیں ہے۔

ابن زیاد غضبناک ہوا اور پوچھا کہ یہ اندھا کون ہے؟ کہ میرے ساتھ اس طرح گستاخانہ کلام کر رہا ہے؟
عبداللہ بن عقیف نے کہا: گستاخانہ کلام کرنے والا میں ہوں، اے دشمنِ خدا! تم نے ذریتِ محمد کو قتل کر دیا جنہیں
معدِ پاک نے پاک و پاکیزہ خلق کیا تھا اور پھر تو مسلمانی کا دعویٰ کرتا ہے؟

جناب عبداللہ بن عقیف نے مزید کہا: ابْنِ زَيْدٍ اَفَضَّ اللّٰهُ وَلَعَنَّ اللّٰهُ اَبَانَكَ وَعَذَّبَكَ وَاَحْزَاكَ ”خدا تیرے منہ
کو توڑ دے، تیرے باپ پر لعنت ہو، تجھ پر عذاب کرے اور زسوا کرے اور تجھے اور تیرے باپ اور تیرے امیر کو جہنم کی آگ
میں جلائے۔“

اے زنا زادے! کیا امام حسینؑ کو قتل کرنا کافی نہ تھا کہ اب منبروں پر ان پر سب و شتم کر رہا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد کا غضب اور زیادہ بڑھ گیا، اس کی گردن کی رگیں پُر خون ہو گئیں اور اُس نے کہا: اس بد بخت
نہمے کو میرے سامنے لاؤ۔ غلام اور محافظ عبداللہ بن عقیف پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو پکڑ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا چاہا تو
ن کی قوم اور رشتہ دار اور بزرگانِ کوفہ ان کے اطراف میں جمع ہو گئے اور ان کی حمایت کی اور ابن زیاد کے محافظوں کو انہیں
پکڑنے نہ دیا۔ اسی اثنا میں ان کے اپنے ایک گروہ نے ان کو چھپا لیا اور ان کو اپنے گھر پہنچا دیا۔

ابن زیاد غیض و غضب کے ساتھ منبر سے اتر آیا اور دارالامارہ چلا گیا اور حکم دیا کہ اس اندھے کو ہر صورت میں گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کروں۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں: جب ابن زیاد دارالامارہ میں بیٹھا اور ارکان حکومت آئے تو ابن زیاد نے جب عبداللہ بن عقیف کی جرأت اور جسارت کے کمال کی شکایت کی کہ اس اندھے نے آج ہماری شان و شوکت اور غرور و تکبر خاک میں ملا دیا۔

محققین نے کہا: حق آپ کے ساتھ ہے اور اس اندھے نے بڑی توہین کی ہے لیکن ہمیں اس سے زیادہ دکھ اس بات ہے کہ ازدی قبیلہ کے بزرگان ہمارے مقابلے میں آگئے اور عبداللہ کو ہم سے محفوظ کر لیا، یہ بات ہم پر بہت گراں گزری ہے۔ ابن زیاد ان خوشامدین کی تحریک سے غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ بنی ازد کے اشراف اور بزرگان کے گھروں پر اچانک چھاپے مارو اور ان کو اپنے عزیزوں کے ہمراہ گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ پس ابن زیاد کے سپاہی ان بزرگان کے گھروں حملہ آور ہوئے اور ان تمام کو گرفتار کر لیا۔ ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور زندان میں ڈال دیا گیا۔

ان اشراف میں عبدالرحمن محبت ازدی بھی تھا جو قبیلہ ازد کا سردار تھا۔ پس ابن زیاد ملعون نے محمد بن اشعث، عمرو بن حجاج اور حبشہ کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اور اس ظاہری و باطنی اندھے کو پکڑ لاؤ۔ یہ تین خونخوار سردار اپنے نوکروں، سپاہیوں، غلاموں کے ساتھ عبداللہ بن عقیف کے دروازے پر گئے۔ ازدی قبیلہ کے کچھ لوگ یہاں موجود تھے انہوں نے مزاحمت نہ جنگ شروع ہو گئی اور ازدی قبیلہ نے ابن زیاد کے سپاہیوں پر ہجوم کیا تو وہ شکست کھا گئے جب کہ ازدیوں کو فتح ہوئی۔ زیاد کے کچھ سپاہی قتل ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے۔

ابن زیاد کو خبر ملی تو اس ملعون نے مصری قبیلہ کو ان تین سرداروں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ قبیلہ پہنچا تو پھر شروع ہو گئی۔ دونوں طرف سے کافی لوگ مارے گئے اور ابن زیاد کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔ ابن زیاد کے سپاہیوں عبداللہ بن عقیف کے گھر داخل ہونے کے لیے ہجوم کیا اور دروازہ توڑ دیا۔ عبداللہ بن عقیف کی ایک بیٹی تھی جو باپ کی خدمت کرتی تھی۔ اس لڑکی نے فریاد کی: بابا! ان سپاہیوں نے دروازہ توڑ دیا اور اب اندر داخل ہونے والے ہیں اور آپ کو ہلاک کر لیں گے اور مجھے یتیم بنا دیں گے یہ کہا اور گریہ و زاری شروع کر دی۔

عبداللہ نے کہا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک ڈرو نہیں اور میرے دل کو بھی مت توڑو، پس مجھے تلواریں اور میرے پیٹوٹر کھڑی ہو جاؤ اور دیکھتی رہو، جس طرف سے دشمن آئے مجھے بتاتے رہنا۔ بیٹی نے باپ کو تلوار دی اور خود ایک جگہ کھڑی ہوئی کہ اچانک ابن زیاد کے سپاہیوں کا لشکر تلواریں اور نیزے لیے شوروغل اور حملہ سے اندر پہنچ گیا۔

ضعیف و نحیف مکرور یا دل عبد اللہ ایک تنگ مقام پر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی تلوار کو اپنے گرد گھمایا، پھر حسرت بھری صدا سے کہا: کاش میری آنکھیں ہوتیں تو میں ابن زیاد کے سپاہیوں کی جانیں ان کے ہاتھوں پر رکھ دیتا۔ ان ملائین نے عبد اللہ کے اطراف سے حملہ شروع کیا۔ بیٹی بتاتی رہی بابا اب دائیں طرف سے آئے ہیں، اب بائیں طرف سے لیکن بید کی شاخوں کی طرح کانپ رہی تھی اور شجاع ضعیف ایسی تلوار مارتے کہ سپاہی گر جاتا حتیٰ کہ بقول ابنی جحف تیس سپاہیوں کو جہنم واصل کیا۔ آپ لڑتے لڑتے تھک گئے اور کمزور ہو گئے۔ بیٹی نے جب دیکھا کہ اب اس کے باپ تھک چکے ہیں اور لڑنے کے قابل نہیں رہے لہذا گرفتار ہو جائیں گے تو ایک دھکی فریاد کی کہ ہائے میری بے کسی کہ میرے باپ کا کوئی حامی اور ناصر نہیں ہے۔

بیٹی بار بار بلند آواز سے یہی کہتی کہ لوگو! میرے بابا کا کوئی مددگار نہیں، بابا! میں تیری غربت اور مظلومیت پر بہت دھکی ہوں۔ لَیْتَنِی کُنْتُ رَجُلًا حَتَّى اُخَاصِمَ بَیْنَ یَدَیْکَ کَاش میں مرد ہوتی تو تمہارے سامنے اپنی جان قربان کر دیتی لیکن بابا میں مجبور ہوں کہ تجھے اس حالت میں دیکھ رہی ہوں، کاش میں مرجاتی۔

بالآخر اس ضعیف عبد اللہ بن عفیف کو گرفتار کر لیا گیا، ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور کھینچتے اور کھیٹتے اور ناسزا کہتے ہوئے ابن زیاد کے دربار میں لے گئے۔ اسی دوران میں اپنی بیٹی کے رونے کی آواز عبد اللہ بن عفیف کے کانوں تک پہنچی تو غیرت میں آگ بگولا ہو کر کہا:

اے مرجانہ کے بیٹے! مجھے جلدی قتل کر دے، میں اپنی بیٹی کا محرموں میں رونا اور نالہ کرنا برداشت نہیں کر سکتا۔ پس ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو اور اس کے بدن کو لٹکا دو۔ اس سفید ریش، عابد اور شب زندہ دار کو قتل کیا گیا اور بدن کو لٹکا دیا گیا۔ رات کو ازودی قبائل جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی تنگ و عار کی بات ہے کہ ہمارے بزرگ کی شائستگی رہے اور ہم بستر پر آرام سے سوتے رہیں۔ پس جمع ہو کر اسی رات جناب عبد اللہ بن عفیف کا بدن سولی سے اُتارا اور غسل و کفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔

شہادتِ امام حسینؑ کی یزید کو اطلاع اور اس کا خوشی منانا

جناب سید الشہداءؑ کے شہید ہونے اور اہل و عیال کو قیدی کرنے کے بعد کوفہ میں مسجد کے ساتھ ایک ویران گھر میں زندان کے طور پر بند کر دیا گیا۔ سید الشہداءؑ کے سر کو کوفہ کے بازاروں اور کوچوں میں پھرانے کے بعد ہر طرف اپنی فتح و کامیابی کی بشارتیں بھیجیں خصوصاً مدینہ اور شام کی طرف امام حسینؑ کی شہادت کی خوشخبری بھیجی۔

سید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: ابن زیاد نے یزید کو ایک خط لکھا جس میں امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے اہل بیت کو

قیدی کرنے کی بشارت دی۔ جب قاصد شام پہنچا اور یزید کو ابن زیاد کا بشارت نامہ دیا تو یہ ملعون بہت خوش ہو گیا۔ شہادت سے اس کو بڑی راحت محسوس ہوئی۔

وہ ایک لحظہ کو سوچنے لگا اور بشارت نامہ پر غور کیا اور باطنی سرور کا اظہار کیا۔ اس نے سوچ لیا کہ یہ بہت عجیب ہے جو مسلمانوں کی پریشانی اور غم کا باعث بن سکتا ہے اور مسلمان اس واقعہ میں توبہ اور تضرع کریں گے لہذا عجب واقعہ کو ناپسند کیا اور کہا کہ إِنَّ ابْنَ مَرْجَانَةَ فَعَلَ كَذَا كَذَا "ابن مرجانہ ملعون نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور ظلم کیا۔" میں اس کے افعال پر راضی نہیں تھا اور میں نے اسے امام حسینؑ کے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ وَتَبَّ عَلَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ "میں نے تو اسے اسلامی حدود سے باہر بھیج دینے کا کہا تھا تاکہ وہ کسی طرف جمع نہ کر سکیں اور اپنی حکومت نہ بنالیں اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری حکومت کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں۔"

ابن زیاد بے وقوف نے جلد بازی میں ان پر ظلم کیا اور انہیں قتل کر دیا اور ان کے اہل بیت کو قیدی کر کے وہاں سے لے گیا۔ فَقَعَلَ كُلُّ ذَلِكَ بِسُوءِ سَرِيرَتِهِ وَضَعْفِ رَأْيِهِ قَبَّحَهُ اللَّهُ وَمَا صَنَعَ هُمَا "یہ تمام کام ابن زیاد نے اپنے خبیث باطنی اور بُری صفات کے مالک ہونے کی وجہ سے انجام دیا ہے۔ خدا اس کے چہرے کو سیاہ کرے۔"

اس نے یہ کام بنی امیہ کی حکومت کی مضبوطی کے لیے کیا ہے۔ کچھ لوگ تو اس کے اس کام کی تعریف کرتے ہیں۔ میں اس کے ان کاموں کو برا سمجھتا ہوں جب کہ ابن زیاد کی طرف جواب لکھا:

اے ابن زیاد! تمہارا بشارت نامہ اور فرح انگیز خط بہت اچھے وقت میں میرے پاس پہنچا جس سے میرا دل زیادہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ تم نے میری خوشیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ تم پر آفرین اور ہزار آفرین کہ تم نے آلِ سفینہ کو قتل کر دیا اور ہماری سابقہ جنگوں میں بہائے جانے والے خون کا اولاد علیؑ سے انتقام لے لیا ہے۔ جب میرا یہ خط پہنچا تو تمام مقتولین کے سروں اور قیدیوں کو شام بھیج دینا تاکہ عراق میں کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے کیونکہ عراق شیعوں کا ہے، جب کہ شام مجاہد آلِ امیہ کا علاقہ۔

یزید نے لکھا کہ سروں اور قیدیوں کو ایسے راستے سے بھیجنا کہ راستہ میں اعراب ان کی حمایت پر کمر بستہ نہ رہیں۔ جس قدر ان کو ذلیل و خوار کر سکتے ہو، کرو کہ یہ ہمارے بزرگوں کی خوشی کا باعث ہوگا۔

زندانی میں اہل بیتؑ کو خوف زدہ کرنا

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: جب غلامین امام حسینؑ کے سر کو کوفہ میں پھرانے سے فارغ ہوئے تو عبید اللہ ابن زیاد ملعون نے سرِ مطہر کے ساتھ دوسرے شہداء کے سروں کو اہل بیتؑ کے قیدی قافلہ کے ساتھ زجر بن قیس اور ابابردہ بن عوف، طارق بن ابی ظہیان اور شمر کی سربراہی میں شام بھیجا۔

تاریخِ کامل میں ہے کہ جب مہدِ رات عصمت کو کوفہ لایا گیا تو زندان میں رکھا گیا۔ ایک دن زندان کے باہر سے زندان کے اندر پتھر ڈالا کہ جس پتھر پر لکھا تھا کہ ابن زیاد نے تمہارے بارے شام قاصد بھیجا ہے جب وہ واپسی حکم نامہ لائے گا تو اس پر عمل ہوگا۔ اگر تم نے تکبیریں سنی تو سمجھ لینا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا ورنہ اپنی زندگی گزارنا۔

چند دنوں کے بعد ایک اور خط پتھر کے ساتھ ہاندھ کر زندان میں ڈالا گیا۔ اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ شام کی طرف بھیجے ہوئے قاصد کے واپس آنے میں تین دن باقی ہیں، لہذا تم وصیتیں کرلو۔

قاصد یزید کا خط لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا جس میں یزید نے لکھا تھا کہ امام سجادؑ اور قیدیوں کو شام میرے پاس بھیج دو۔ ابن زیاد نے مخر بن شہر بن ذی الجوشن کو بلایا اور ان کی نگرانی میں قیدیوں کو شام بھیج دیا۔ پھر عبدالملک بن حرث السلمی کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچانے کے لیے عمرو بن سعید مدینہ کے والی کے پاس بھیجا۔

ابن زیاد کے حجاب عبدالملک کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن زیاد کے پیچھے پیچھے میں قصر میں داخل ہوا تو اچانک دیکھا کہ آگ کے شعلے ابن زیاد کے چہرے کے سامنے آ گئے۔ اس نے ان سے بچنے کے لیے اپنی آستین چہرے پر رکھی اور چہرے کو پھیر لیا۔

ابن زیاد نے پوچھا: کیا تو نے یہ شعلے دیکھے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا کہ اس بات کو لوگوں میں مخفی رکھنا اور کسی کو بیان نہ کرنا۔

ابن زیاد نے شہادتِ امامؑ کی اطلاع مدینہ بھیجی

ابن زیاد نے عبدالملک بن حارث کو مدینہ شہادتِ امامؑ کی اطلاع کے لیے بھیجا۔ عبدالملک خط لے کر مدینہ وارد ہوا تو ایک قریشی نے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو؟ عبدالملک نے کہا کہ اپنے امیر (عمرو بن سعید) سے سنا۔ اس قریشی نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ راجِعُونَ کہ خدا کی قسم! حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔

عبدالملک مدینہ کے والی عمرو بن سعید کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ عبدالملک نے کہا: وہ خبر لایا ہوں

جس سے آپ کو خوشی اور سرور ہوگا اور وہ ہے امام حسینؑ کی شہادت کی اطلاع۔

عمرو بن سعید نے کہا کہ پھر یہاں نہ بیٹھو، باہر جاؤ اور لوگوں میں اعلان کرو۔ عبدالملک کہتا ہے کہ جوں جوں یہ خبر دی تو ہاشمی گھروں سے ایسی آہ و فغاں اور گریہ زاری بلند ہوئی کہ اس قدر غم و ماتم میں نے نہ کبھی سنا اور نہ دیکھا تھا۔ عمرو بن سعید کے پاس آیا تو وہ بہت خوش تھا اور مسکرا کر کہنے لگا: آج ہاشمی عورتوں کا رونا اس گریہ کا بدلہ ہے جو عثمانؓ نے موقع پر بنی امیہ کی عورتوں نے کیا تھا۔

پس عمرو بن سعید منبر پر بیٹھا اور عوام کے لیے تقریر کی اور یزید کی تعریف کی اور اس نے دورانِ تقریر میں یہ شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

إِنَّهَا لَكُنْمَةٌ وَصَدَمَةٌ بِصَدَمَةٍ كَمِ مِنْ خُطْبَةٍ بَعْدَ خُطْبَةٍ وَمَوْعِظَةٍ بَعْدَ مَوْعِظَةٍ حَكْمَةٌ بِالْفَقَةِ فَمَا تُغْنِي النَّدَامَ

”ہم تو چاہتے تھے کہ حسینؑ زندہ رہیں اور شہید نہ ہوں لیکن وہ مسلسل ہمیں گالیاں دیتے تھے جب کہ ہم ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ ہم سے رشتے توڑتے تھے اور ہم بار بار ان سے رشتہ جوڑتے تھے لیکن بہت کوشش کے باوجود انہوں نے یزید کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا، لہذا ان کو راستے سے دُور کرنا ضروری سمجھا گیا۔“

عبداللہ بن السائب نے کہا: اگر صدیقہ طاہرہ زندہ ہوتیں اور اپنے بیٹے کا کنارہ دیکھتیں تو ہمیشہ روتی رہتیں۔

عمرو بن سعید کو بہت غصہ آیا اور مکارانہ لہجے سے کہا کہ ہم جنابِ فاطمہؑ کے اقرب و اولیٰ ہیں کیونکہ ان کے ہمارے چچا زاد اور ان کا شوہر ہمارا بھائی اور ان کا بیٹا ہمارا بیٹا ہے۔ ہاں فاطمہؑ ضرور بیٹے پر روتیں اور ان کے قاتل کو سخت کرتیں۔

جنابِ عبداللہ بن جعفر طیار کے ایک غلام نے واقعہ کربلا کے بعد جنابِ محمد و عون کی شہادت کا افسوس کیا اور کہا: یہ وہ ہمیں حسینؑ کی جگہ سے پہنچا ہے۔ عبداللہ بن جعفر کو بہت غصہ آیا، انہوں نے غلامِ ابوسلاسل کو نطنس سے بہت سخت مارا اور کہا:

يَا بَنَ اللَّحْتِ لِلْحُسَيْنِ تَقَوُّ هَذَا

”کیا تم حسینؑ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہو؟ اگر میں کربلا ہوتا تو اپنا خون ان کے قدموں میں بہا دیتا۔ میرے بیٹوں کی شہادت کے بارے میں میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ وہ اپنے ماموں کی حمایت میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔“

مدینہ میں عزاداری کی ابتدا

عمر بن سعید منبر سے نیچے اتر آ تو لوگ متفرق ہو گئے البتہ امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مدینہ کے تمام محلوں اور گھروں میں گریہ زاری شروع ہو گئی۔ مدینہ کے لوگ گلیوں بازاروں میں آئے، اُن کے ہاتھوں میں رومال تھے اور خون کے آنسو روتے تھے۔ بعض لوگوں نے گریبان چاک کیے، بعض نے سر میں خاک ملائی اور چہرے پر ماتم کرتے رہے۔

وَحَرَجَتِ الْمُخَذَّرَاتُ الْمَسْتُورَاتُ مِنَ الدُّوَابِ مُشَقَّقَاتٍ لِلْجُيُوبِ وَالْخُمُورِ لَا طَلَمَاتٍ
لِلْجُودِ وَالصَّدُودِ نَادِيَاتٍ بِالْوَيْلِ وَالشُّبُورِ

”شہادت امام حسینؑ کی خبر جب مدینہ کی عورتوں تک پہنچی تو مخدرات با احتشام اور مستورات با احترام اپنے گھروں سے دوڑتی ہوئی باہر نکلیں، گریبان چاک کیے اور سر و چہرہ پر طمانچہ مارے۔ وہ ماتم کرتی تھیں، نوحہ اور گریہ زاری کرتی تھیں۔“

حَتَّى بَرَزَتْ الْعُرُوسَاتُ مِنَ الْجِبَالِ وَعَلَتْ أَصْوَاتُ أَبْكَاءِ الزَّجَالِ وَنَوَاحِ الصِّبْيَانِ وَالْأَطْفَالِ
”حتیٰ کہ تازہ شادی شدہ لڑکیاں اپنے محبوں سے باہر نکلیں اور ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کے بین کرتی تھیں۔ مرد اور بچے بھی بلند آواز سے روتے تھے۔“

نوجوانان جو جناب علی اکبرؑ کے دوست تھے، نے گریبان چاک کیے اور زمین اور زمان میں اس قدر روئے کہ نالہ و زاری کا ایسا شور مچا کہ کوئی اور آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آفاق سیاہ ہو گئے، زمانہ ہامیوں پر تنگ ہو گیا، سب سے زیادہ دکھ تو اُمّ البنینؑ کو ہوا کہ جن کے چاروں بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ ہاشمی نژاد بیہیاں اور ابوطالبؑ کی نسلوں سے عورتیں جناب نعبہ کبریٰ کی بے بسی اور جناب سکینہؑ کی یتیمی پر اس قدر گریہ کرتی تھیں کہ جہان تنگ ہو گیا۔ ان گریہ کرنے والوں میں ایک طرف جناب نعبہ بنت عقیل بن ابی طالبؑ کا ماتم تھا تو دوسری طرف اُمّ لقمان اور ان کی بہن اُمّ ہانیؑ، اسماءؑ اور رملہ کے ساتھ ماتم کناں تھیں اور تیسری طرف مدینہ کی عورتیں جو ننگے پاؤں، بال کھلے بین کرتی ہوئی سرو منہ پر ماتم کرتے ہوئے اور گریہ زاری کرتے ہوئے آتی تھیں۔ یہ عورتیں جس شخص کو دیکھتیں تو یہی کہتی تھیں:

”اے لوگو! آخر رسولؐ پاک کو کیا جواب دو گے اور اس وقت کیا جواب دو گے جب رسولؐ پاک پوچھیں گے کہ میرے بعد میری عترت سے کیا سلوک کیا گیا۔ میں نے اپنی عترت کے بارے کس قدر وصیت اور سفارش کی۔ کیا میری تاکید کا صلہ تم نے دیا کہ میری عترت کو قتل کر دیا اور قیدی بنالیا۔ کیا میری نبوت کی یہی جزا ہے جو تم نے مجھے دی ہے؟“

اس دن کے بعد جورات آئی اُس رات ہاتھ غیبی کی آواز مدینہ والوں نے سنی جو کہہ رہا تھا: لوگو! اب عذاب نہ چھوڑو، تمہارے اوپر موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور بن داؤدؑ کی لعنت ہے۔ اہل آسمان تمہیں بددعا کر رہے ہیں۔ یہ آواز سننے ہی مدینہ کھرام بچ گیا اور شہادت کی خبر نے مدینہ کے تمام چھوٹے بڑے، مردوں، عورتوں، حتیٰ کہ تازہ بیابائی لڑکیوں اور بچوں۔۔۔ گریبان چاک کیے اور اس قدر غم کا اظہار کیا کہ چند گھروں میں تو باقاعدہ مجلس عزاء برپا ہو گئی۔ مرد و زن دستہ دستہ آتے۔۔۔ شدہ گریبان سے مجلس میں بیٹھتے، نوحہ کرتے اور پھر ایک گھر سے دوسرے گھر جہاں عزاء خانہ بنا ہوا تھا، جاتے اور وہاں۔۔۔ نوحہ کرتے۔ اس طرح کی عزاداری مدینہ میں چند روز جاری رہی۔

- پہلی مجلس عزاء خانہ: ان چند گھروں میں جہاں صفِ عزاء کبھی تھی ان میں سے ایک گھر جناب اُم الحسنینؑ حضرت عباسؑ علمدار کا تھا کہ جن کے چار جوان بیٹے کربلا میں شہید ہوئے۔
- دوسری مجلس عزاء خانہ: دوسرا گھر جہاں صفِ عزاء کبھی تھی وہ حضرت امام حسینؑ کا گھر تھا کہ جناب فاطمہؑ مدفون ہیں یہاں عزادار تھیں۔

مَلَائَتُ دُورِ الْحُسَيْنِ بِالرِّجَالِ مِنْ نِسَاءِ بَنِي هَاشِمٍ وَحَنِينُهُمْ عِنْدَ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ

”امام حسینؑ کا گھر بنی ہاشم کی عورتوں اور مردوں سے بھر گیا تھا جو سب تعزیت کر رہے تھے اور جناب فاطمہؑ صغریٰ کو بابا کی شہادت پر ماتم کر کے تسلی دیتے رہے۔“

- تیسری مجلس عزاء خانہ: تیسرا وہ گھر عزاء خانہ بنا ہوا تھا جو امام حسنؑ کا تھا لیکن اب اس گھر میں کوئی نہ تھا۔ یہ ذرا تھ

بس عزادار آتے اور نوحہ و گریہ زاری کرتے اور پھر چلے جاتے۔

وَكَاثَتُ بَيُوتِ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَالِيَةً مُوَحِّشَةً حَيْثُ أَنَّ أَوْلَادَهُ قُتِلُوا فِي الْوَاقِعَةِ وَأُسْرَ الْبَاقُونَ

”امام حسنؑ کے کمرے خالی پڑے تھے اور گھر میں کوئی نہ تھا۔ وحشت ہی وحشت تھی کیونکہ ان کی اولاد واقعہ کربلا میں کچھ شہید ہو گئے اور باقی قید ہو گئے۔“

- چوتھی مجلس عزاء خانہ: جناب محمد حنفیہؑ کا گھر تھا کہ جس میں ہاشمی مرد و زن ماتم کرتے رہے۔ رسولِ پاکؐ کی قبر سے ماتمی جلوس چلتا اور امام حسنؑ کی قبر تک جاتا اور وہاں سے جناب فاطمہؑ زہراءؑ کی قبر تک ماتمی جلوس چلتے رہے۔

پندرہویں فصل

سرہائے شہداء اور اہل بیتؑ کی شامِ روانگی

جب یزید کا جوابی خط آیا کہ سروں اور قیدیوں کو شام بھیج دو تو ابن زیاد نے زحر بن قیس کی سربراہی میں شہداء کے سروں اور امام سجاد کو (امامؑ کے ہاتھ پس گردن باندھے گئے تھے) بمع مہد راس عصمت کے بے محل اُونٹوں پر سوار کیا اور روانہ کر دیا۔

ابن عبد ربہؒ کے قول کے مطابق غاز بن ربیعہ جرسی کہتا ہے کہ میں یزید بن معاویہ کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک زحر آیا، یزید نے ڈرتے ہوئے کہا: مَا وَرَاكَ يَا زُحْرُ! تیرے پیچھے کیا ہے؟“
زحر نے کہا: امیر المؤمنین کو فتح و نصرت اور کامیابی کی مبارک ہو اور کہا:

وَرَدَ عَلَيْنَا الْحُسَيْنَ بْنِ عَلِيٍّ فِي ثَمَانِيَةِ عَشَرَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَسِتِّينَ رَجُلًا مِنْ شِيعَتِهِ فَبَرَمْنَا إِلَيْهِمْ فَسَلَّلْنَا لَهُمْ أَنْ لَوْ يَنْزِلُوا عَلَى حُكْمِ الْأَمِيرِ عَبِيدَ اللَّهِ أَوْ الْقَتْلِ ، فَاخْتَارُوا الْقِتَالَ فَغَدَوْنَا عَلَيْهِمْ مَعَ شُرُوقِ الشَّمْسِ فَاحْطَطْنَا بِهِمْ مِنْ كُلِّ نَاجِيَةٍ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ السُّيُوفُ مَأْخَذَهَا مِنْ هَامِ الْقَوْمِ جَعَلُوا يَلْدُوذُونَ بِالْأَكَامِرِ وَالْحَفَرِ كَمَا لَا ذِلْحَامَ مِنْ صَقَرٍ فَوَاللَّهِ مَا كَانَ إِلَّا جَزْرًا جَزُورًا أَوْ نَوْمَةً قَالِيلٌ ، حَتَّى آيْتَنَّا آخِرَهُمْ فَهَاتَيْكَ أَجْسَادَهُمْ مُجْرَدَةً وَيَتَابُهُمْ مَرِيئَةٌ خُدُوذُهُمْ مَعْفَرٌ تَصْهَرُهُمُ الشَّمْسُ وَتَسْفِي عَلَيْهِمُ الرِّيحُ..... الخ

”ہمارے پاس امام حسینؑ، بنی ہاشم کے اٹھارہ جوان اور ساٹھ اصحاب کے ساتھ آئے۔ ہم نے پہلے انہیں کہا کہ ابن زیاد کے حکم کی اطاعت کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں تو انہوں نے ذلت اختیار نہ کی اور جنگ کو اختیار کیا۔ روزِ عاشور ہر طرف سے اس پر حملہ کیا اور کواہیں چلیں اور جتنا وقت قصاب کے اُونٹ نحر کرنے میں صرف ہوتا ہے اتنے ہی وقت میں ہم نے امام حسینؑ کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ان کے بدنوں کو سحرائے کربلا میں برہنہ بغیر دفن کے چھوڑ دیا، ان کے چہرے

خون آلود، سورج کی تپش میں پڑے سوائے پرندوں کے کوئی ان کے پاس نہیں ہے۔“

یزید نے ایک لحظہ سر نیچے کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا:

قَدْ كُنْتُ أَرْضَى مِنْ طَاعَتِكُمْ بِدَوْنِ قَتْلِ الْحُسَيْنِ أَفَالَوْ أَنِّي صَاحِبُهُ لَعَفَوْتُ عَنْهُ
”میں تم پر امام حسین کے قتل کے بغیر بھی راضی ہوتا اگر میں ابن زیاد کے مقام پر ہوتا تو امام حسین
سے درگزر کر جاتا۔“

صاحب ارشاد رقم طراز ہیں: سر امام کو شام بھیجنے کے بعد اہل بیت کو شمر بن ذی الجوشن اور معطر بن ثعلبہ کی قیادت میں
شام بھیج دیا گیا۔ البتہ امام سجاد علیہ السلام کے گلے میں لوہے کا خاردار طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر شام کی طرف روانہ کیے
گئے۔

کوفہ سے شام تک کاروانِ اہل بیت کے منازل

کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں فاقہ کش تھنہ دہن معصیٰ غم لٹتے ہیں
دھبہ الم میں گرفتار ستم لٹتے ہیں شور برپا ہے یہ راغظوں میں کہ ہم لٹتے ہیں
قتل وارث ہوئے سامانِ گرفتاری ہے
یا علی آؤ کہ اب وقفِ مددگاری ہے

جب اہل بیت کرام کو مع شہدائے عظام کے سروں کے شام غم انجام بھیجا گیا تو ہر منزل پر کوئی نہ کوئی کرامت اور
برہان حق ظاہر ہوئی جس سے بعض لوگوں کی تسبیح ہو جاتی تھی اور بعض کو ہدایت مل جاتی تھی لیکن جوشی تھے ان کی شکوات میں
اضافہ ہوتا رہا کیونکہ خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا - بَلْ لَمْ يَزِدْهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا وَعُرُورًا

ابو جحف لکھتے ہیں: اس کاروان کو حصاصہ کی شرقی جانب سے قیدیوں اور سروں کو لے کر گئے اور نکریت کے ایک طرف
سے گزرتے ہوئے کاروان کو لے چلے۔ انہوں نے نکریت کے عامل کو لکھا: ہمارا استقبال کیا جائے اور لشکر کا کھانا اور گھوڑوں کا
چارہ وغیرہ لایا جائے، ہماری تعداد زیادہ ہے اور ہم ابن زیاد کی طرف سے مامور ہیں۔ ہمارے پاس امام حسین اور اصحاب
حسین کے سر ہیں جن کو کربلا میں شہید کیا گیا ہے اور اب ہم ان کے سر یزید کی طرف لے جا رہے ہیں۔

نکریت کے حاکم نے یہ خط پڑھا تو حکم دیا کہ لشکر کی غذا اور لشکر کے ساتھ موجود حیوانوں کا خوراک کا انتظام کرا جا

اور ان کا استقبال کیا جائے چنانچہ بہت سے لوگ استقبال کے لیے گئے جنہوں نے سرخ اور زرد عمامے اپنے آگے اٹھائے ہوئے تھے۔ بوق نقارہ کی صدا جاری تھی، لوگ ہر جانب اور ہر مکان سے استقبال کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب دونوں فریق ایک دوسرے سے ملے تو ایک دوسرے کو بشارت اور مبارک دی۔ تماشا کی لوگ امام کے نورانی سر کے متعلق پوچھتے تو ان کو جواب ملا: هَذَا رَأْسُ الْخَامِرِ جی۔

اتفاقاً اس اجتماع میں ایک نصرانی تھا جو کوفہ سے آیا تھا، اُس نے کہا: اے بد بختو! میں بھی کوفہ میں تھا وہاں تو اسی سر کا نام راس الخمر تھی نہ تھا بلکہ وہاں تو ان کا نام حسین بن علی تھا۔ وہی علی جنہوں نے کئی سال کوفہ میں حکومت کی اور وہ ہمارے امیر تھے۔ ان کی ماں جناب فاطمہ زہراء ہیں اور جد محمد مصطفیٰ ہیں۔ یہ سراسی مصطفیٰ کے بیٹے کا ہے۔ نصرانیوں نے جب یہ سنا تو ناقوس بجانے شروع کر دیے اور راہبوں نے اپنے کلیسوں کے دروازے بند کر دیے اور قاتلان حسینؑ پر شب و روز لعنت اور لعن کرتے رہے تھے اور بار بار یہی کہتے تھے:

اَللّٰہِیْ مَعْبُوْدُ اَنَا بَرِّئْنَا مِنْ قَوْمٍ قَتَلُوْا ابْنَ بَنَتِ نَبِیِّہِم

”اے اللہ! ہم اس قوم سے بری ہیں جس نے اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا۔“

لشکر کے سالار شریک یہ خبر پہنچی کہ نصرانیوں نے یہاں شور و غل مچایا ہوا ہے اور عنقریب باقی لوگوں کی شورش کا خطرہ ہے تو ابن زیاد کے پاس ہی ڈر گئے۔ خَنَمٌ یَدْخُلُوْهَا وَرَاحِلُوْهَا عَنْ تَکْرِیْتٍ ”اور کمریت کے شہر میں وارد نہ ہوئے۔“ وہاں سے وہ باہر باہر سے آگے نکل گئے، چلتے چلتے عروہ نصرانی کے کلیسا کے پاس جا پہنچے وہاں بھی نہر کے بلکہ وادی نخلہ میں رات کا پڑاؤ کیا۔

ابو جحف لکھتے ہیں: جب قیدی لبنا شہر پہنچے تو شہر لبنا میں اطلاع دی گئی۔ لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا

حتیٰ کہ:

فَخَرَجَتِ الْمُحَدَّمَاتُ مِنْ خُدُورِهِنَّ وَالْكُهُولُ وَالشَّبَابُ يَنْظُرُونَ اِلَى رَأْسِ الْحُسَيْنِ
وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ وَعَلَى جَدِّهِ وَاَبِيْهِ وَيَتَعَنُّوْنَ مِنْ قَتْلِهِ..... الخ

”مرد و زن، چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان اور عورتیں تک پس پردہ سے نکل کر امام حسینؑ کے سر کو دیکھتے تھے اور ان پر، ان کے نانا پر، اور ان کے باپ پر صلوٰۃ پڑھتے تھے۔ نیز قاتل پر لعنت کرتے

تھے اور اس لشکر کو گالیاں دیتے ہوئے کہتے تھے:

یَا قَتْلَةُ اَوْلَادِ الْاَنْبِیَاءِ اُخْرِجُوْا مِنْ بَلَدِنَا

”اے اولادِ انبیاء کے قاتلو! ہمارے شہر سے جلدی نکل جاؤ۔“
جب لشکر والوں نے یہ سنا تو لبنا سے کوچ کر لیا اور کھلے نامی منزل پر پہنچ گئے۔

واقعہ منزلِ کھیلہ

جب ابن زیاد کے سپاہی کھیلہ پہنچے تو اس شہر کے اہل کو پیغام بھیجا کہ تم ہم سے ملاقات کرو یعنی استقبال کرو۔ ہمارے غزوہ اور حیوانوں کا چارہ بھی ساتھ لاؤ، کیونکہ ہمارے ساتھ حسین کا سر ہے اور ہم شام جا رہے ہیں۔ والئی کھیلہ نے آذوقہ و غلوذہ کا انتظام کیا، لوگوں نے استقبال کیا اور خود تین میل تک استقبال کے لیے باہر آئے۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کیا خبر ہے؟ جواب ملتا کہ خارجیوں کے سروں کے ہمراہ ان کے اہل و عیال کو قیدی بنا کر شام لے جا رہے ہیں جن کو کربلا میں لے کر زیاد کے حکم سے شہید کیا گیا۔

ایک شخص جو حقیقتِ حال سے واقف تھا اس نے کہا: افسوس تم پر، تمہاری زبان لال ہو، خارجی نہ کہو کہ وَاللّٰہُ ہَذَا رَأْسُ الْحُسَيْنِ ”یہ تو امام حسین کا سر ہے۔“

جب آنے والوں نے یہ سنا تو گریہ زاری کی اور چار ہزار شاہ سواروں نے آپس میں عہد کیا اور قسمیں اٹھائیں کہ لے کر زیاد کے سپاہیوں کو قتل کر دیں گے اور سر چھین کر کربلا لے جا کر ان کے جسموں سے ملحق کر دیں گے اور قیدیوں کو قید سے رنج و دلائیں گے تاکہ قیامت تک ہماری نسلیں ہمارے کارنامے پر فخر کرتی رہیں لیکن جاسوسوں نے یہ خبر ابن زیاد کے لشکر تک پہنچ دی کہ اوس و خزرج کی جماعت چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ تم پر حملہ کرنے والی ہے۔ تو جلد ہی لشکر ابن زیاد ڈر کے مارے کجیہ میں رات نہ ٹھہرا اور وہاں سے چل دیا اور جلدی جلدی سفر کر کے منزلِ جھدیہ پہنچ گیا۔

واقعہ منزلِ جھدیہ

جھدیہ کے عامل کو لشکر ابن زیاد نے اطلاع دی کہ حسین کا سر ہمارے ساتھ ہے اور ہم ابن زیاد کی طرف سے شام میں یزید کے پاس جا رہے ہیں۔ ہمارا استقبال کرو اور ہماری غذا و غلوذہ (جانوروں کے لیے چارہ) کا بھی انتظام کرو۔ پس وہ نے شہر کو سجایا اور علم بلند کیے اور لوگ استقبال کے لیے آئے لیکن جب ان کو پتا چلا کہ ان کے پاس امام حسین کا سر ہے تو ہزار لوگ ان کے خلاف جمع ہو گئے اور جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ سروں اور قیدیوں کو ان سے چھین لیں لیکن لشکر ابن زیاد فوری طور پر وہاں سے فرار ہو گیا۔

واقعہ منزل موصل

لشکر ابن زیاد چلتے چلتے موصل کے نزدیک پہنچا تو کسی کو موصل کے امیر کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ شہر کو آراستہ کرو اور ہمارا استقبال کرو اور جب ہم تمہارے پاس پہنچیں تو زور و دولت مہیا کر کے ہم پر ثناء کرو اور تمام شہروں کے حکام پر فخر کرو کیونکہ امام حسینؑ اور اس کے بھائیوں اور صحابیوں کے سر اور ان کے خاندان کے باقی افراد کو قیدی کر کے ہم تمہارے پاس ہے ہیں۔ والسلام!

موصل کے حاکم عماد الدولہ نے اہل شہر کو جمع کیا اور حالات حاضرہ بتائے اور کہا: اے قوم! ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ استقبال نہ کرو اور نہ اپنے شہر میں ان کو داخل ہونے دو کیونکہ یہ تمہارے لیے ننگ و عار ہے۔ رعایا نے کہا: اے امیر! خدا تمہیں خیریت سے رکھے تم ہمیشہ رعایا پر مہربان تھے اور ہیں لیکن آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پس اہل موصل نے غذا، پانی اور علوفہ (گھاس) لشکر کے لیے بھیج دیا اور پیغام دیا کہ آپ لوگوں کا شہر میں داخل ہونا خلاف مصلحت ہے یہ غذا اور جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔

لشکر ابن زیاد اس رویہ سے غضب ناک ہوا اور شہر موصل کے باہر ہی سے گزر گیا۔ یوں شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ کیا اور امام حسینؑ کے سر کو نوک نیزہ سے اُتار کر وہاں موجود ایک بڑے پتھر پر رکھا۔ خون کے چند قطرے اس پتھر پر گئے اور وہ قطرے خون اس پتھر کے اندر محفوظ ہو گئے۔ روزِ عاشور ہر سال اس پتھر سے تازہ خون جوش مارتا تھا اور یوں گرد و نواح کے لوگ وہاں آتے اور اس پتھر کے گرد حلقہ بنا کر ماتم کرتے تھے اور یوں رسم عزاداری ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان علیہ ماعلیہ کے زمانے میں اس پتھر کو یہاں سے اٹھایا گیا تو پھر اس پتھر سے روزِ عاشور کوئی نشانی نہ دیکھی لیکن اہل موصل نے اس مقام پر ایک بارگاہ اور گنبد تعمیر کیا اور اس مقام کا نام مشہد الحظہ رکھا۔ مونیٰ ہر سال روزِ عاشور وہاں آتے ہیں اور رسم عزاداری ادا کرتے ہیں۔

صاحبِ روضۃ المشہداء لکھتے ہیں: جب اہل موصل نے لشکر ابن زیاد کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی تو شہر میں ملعون نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر سے باہر رات گزاری اور صبح یہ لوگ نصیبین کی طرف روانہ ہو گئے۔

واقعہ منزل نصیبین

غمِ زینبؑ ہیں بہت اہل یقین روئیں گے
حشر تک جب حق مہدی دیں روئیں گے

جب اہل بیتؑ کو لشکر ابن زیاد نصیبین شہر کے قریب لائے تو سروں کو مسند و قوس سے نکال کر نیزوں پر سوار کیے۔ بیت کے سامنے لایا گیا۔ فَلَمَّا رَأَتْ نَرِيْبَ رَأْسَ أَخِيْهَا بَكَتْ جب بی بی زینبؑ نے اپنے بھائی کے سر کو دیکھا تو روئیں اور فرمایا: کیا تم ہمیں شہروں میں پھراتے رہو گے حالانکہ ہم تو اس کی اولاد ہیں جس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔ رب کا انکار اور اپنے نبیؐ کا بھی انکار کیا۔ گویا تمہارے پاس نبی پاک آئے ہی نہ تھے۔

صاحبِ روضہ لکھتے ہیں: لشکر ابن زیاد نے نصیبین کے حاکم کو قاصد بھیجا اور پیغام دیا کہ شہر کو سجائے اور استقبال کو آئے، نیز ہماری مہمان نوازی کا اہتمام کرے۔ پس شہر سجایا گیا تو دروازہ شہر پر لشکر ابن زیاد کے قیدیوں کو لے کر تماشائی آگئے تو فَنَالُوا لَبِئْسًا إِلَّا أَنْ بَرَقَتْ سَحَابَةٌ عَلَيْهِمْ بِبَرْقٍ مِنَ الْقَهْرِ الْإِلَهِيِّ ”اچانک قہر الہی سے بادل سے بھر۔ جس نے آدھے شہر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ شہر میں شور و غل برپا ہوا تو لشکر ابن زیاد یہاں سے شرمندہ ہو کر آگے کوچلا اور کے قریب پہنچا جس کا امیر سلیمان بن یوسف تھا۔

نصیبین کے بعد کا واقعہ

سلیمان کے دو بھائی تھے، ان میں سے ایک جنگِ مقین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اور سلیمان کے ساتھ اس شہر پر حکومت کرنے میں شریک تھا۔ اس شہر کے دو دروازے تھے: ایک دروازہ سلیمان سے متعلق تھا۔ دوسرے کا تعلق اس کے بھائی سے تھا۔ جب ابن زیاد کے لشکر کے آنے کی خبر سنی تو خوب اہتمام کیا گیا اور تشریفات کا انتظام کیا گیا لیکن لشکر کے کس دروازے سے درود ہو، اس بات پر دونوں میں اختلاف ہو گیا۔ ایک کہتا تھا کہ لشکر میرے دروازے سے داخل ہو اور دوسرا کہتا کہ میرے دروازے سے داخل ہو۔ پس دونوں نا صبی بھائیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

فَقَامَتِ الْفِتْنَةُ وَهَاجَتِ الْفَسَادُ فَآخَذَ السَّيُوفُ مِنْ جَانِبَيْنِ فَآخَذَهَا وَتَفَذَّتِ السَّهَامُ
مِنَ الطَّرَفَيْنِ مَنَافِذَهَا وَانْقَطَعَ الْأَمْنُ وَالْأَمَانُ فَقُتِلَ سُلَيْمَانُ

”تکواریں چلیں، تیر چلے، اسی دارو گیر میں سلیمان بھی وارو جنگ ہوا اور مارا گیا۔“

اس واقعہ سے لشکرِ شمر یہاں سے بھی خاموشی سے آگے نکل گیا اور حلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ البتہ راستہ میں یہیں الورد سے بھی گزر گئے۔

شہر حلب کا واقعہ

طوق ہاتھوں سے سنبھالے جو پر روتا ہے

بیار سے حضرت فہرؑ کا سر روتا ہے

ابو جحیف لکھتے ہیں: شہر حلب کو شہداء کے سروں اور اہل بیت کے درود کے لیے سجایا گیا اور ساز اور نثارے بجا کر اہل بیت کو نہایت ذلت و خواری سے شہر میں داخل کیا گیا۔ شہر کے کوچہ و بازار میں اہل بیت کی تشہیر کی گئی حتیٰ کہ اقامت گاہ پر پہنچے تو وہاں سروں کو نیزوں سے اُتارا گیا اور امام حسینؑ کے سر کو زوال سے غروب تک کھلی جگہ پر رکھا گیا۔ لوگ گردہ در گردہ سر مبارک کو دیکھنے کے لیے آتے تھے اور ان لوگوں میں کوئی نہ کوئی شیعہ اور محب اہل بیت بھی ہوتا تھا۔ جب یہ پہچان لیتا کہ یہ امام حسینؑ کا سر ہے تو زار و قطار روتا اور آپؑ، آپؑ کے جد اور باپ پر صلوٰۃ پڑھتا اور قاتلین پر لعنت کرتا تھا۔

لیکن جاہل اور پست لوگ سر مقدس کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے لوگوں کو بلاتے اور کہتے کہ ہَذَا رَأْسُ خَابِرِ جِجِی آؤ تماشا کرو یہ اس خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف کربلا میں بغاوت کی اور مارا گیا۔

جب یہی صدا جناب زینب کبریٰؑ سلام اللہ علیہا کے کانوں تک پہنچی تو تمام بیبیوں نے سر و صورت پر ماتم کرنا اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

ابو جحیف لکھتے ہیں: ابھی تک وہ مقام موجود ہے جہاں امامؑ کا سر رکھا گیا تھا۔ لَا يَجُوزُ فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا تَقْضَىٰ لَهُ حَاجَةٌ ”یہاں جو محتاج شخص پناہ لیتا اور مدد مانگتا ہے تو اس کے درود کی دوا اور اس کی حاجت روا کی جاتی ہے۔“

لشکر ابن زیاد نے یہ رات عیش و عشرت میں گزاری اور کثرت سے شراب پینے کی وجہ سے ان کی حالت خراب سے خراب تر ہو گئی۔ وہ رنگارنگ کے حرام کھانے کھاتے رہے لیکن اہل بیتؑ مناک آنکھوں سے ایک خرابہ میں دکھی دل اور خستہ جسموں نیز بیماری و لا چاری کی حالت میں صبح تک بھوکے پیاسے بیٹھے رہے۔ امام سجاد علیہ السلام اپنی غربت پر بار بار روتے تھے اور کہتے تھے: اللہ! تو ان سے ہمارا انتقام لے۔

غیر معلوم مقام کا ایک واقعہ

ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ ابو سعیدؓ نے کہا: میں جب طواف بیت اللہ میں مشغول تھا تو ایک شخص کو پردہ کعبہ پکڑ کر مناجات کرتے دیکھا، وہ مناجات میں یہی بات کہتا تھا: اے میرے اللہ! مجھے معاف کر دے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں نے اس شخص کی خدمت کی اور کہا: اے بندہ خدا! خدا سے شرم کرو! اس طرح کیوں کہتے ہو؟ اگر تمہارے گناہ درختوں کے پتوں کے برابر اور بارش کے قطرؤں کے برابر بھی ہوں تو بھی توبہ کرو اور معافی مانگو وہ غفور و رحیم ہے۔

اس نے مجھے جواب دیا: میں رحمت خدا سے ناامید ہوں کیونکہ میں نے بہت بڑا ظلم کیا ہوا ہے۔

میں نے کہا: وہ کون سے گناہ ہیں؟

اس نے کہا: آؤ ایک طرف بیٹھتے ہیں اور میں تمہیں اپنا حال بتاتا ہوں۔

إِعْلَمُ إِنَّا كُنَّا خَمْسِينَ نَفَرًا مِّنْ سَائِمَةِ الْحُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ

”میں ان پچاس نوگوں سے ہوں جو امام حسینؑ کا سرشام کی طرف لے جا رہے تھے۔“

ایک دن امام علیہ السلام کا سر نوکب نیزہ پر تھا کہ رات ہوگئی، رات کو ہم امامؑ کے سر کو صندوق میں بند کر دیتے تھے۔ اس کے پاس بیٹھ کر شراب پینے لگ جاتے تھے، اُس رات شراب پینے اور مستی آ جانے کے بعد دوسروں کو نیند آگئی لیکن میں جاگتا رہا کیونکہ میں نے اُس رات نہ شراب پی اور نہ ان کے ہم رنگ ہوا۔ آدھی رات کو جب فضا تاریک ہوگئی تو اچانک میں نے دیکھا کہ گرج چمک ہوئی، پھر آسمان کے دروازے کھل گئے اور ان دروازوں سے حضرت آدم صغی اللہ، حضرت نوح صغی اللہ، حضرت ابراہیم صغی اللہ، حضرت اسماعیل صغی اللہ، حضرت موسیٰ صغی اللہ اور حضرت عیسیٰ صغی اللہ، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آسمان سے اترے۔ جبرئیل ملائکہ کے گروہ کے ساتھ ان انبیاء کے ساتھ تھے۔ سب انبیاء ملائکہ امام حسینؑ کے سر مقدس والے صندوق کے پاس گئے۔ جبرئیل نے بڑھ کر صندوق کا دروازہ کھولا اور سر مطہر کو اٹھا کر مجھ سے لگایا اور لیوں پر بوسے دیئے، حتیٰ کہ جب پیغمبر اکرمؐ کی باری آئی تو حضرتؐ نے بہت ہی بوسے دیئے اور بہت زیادہ گریہ کیا، جیسے کوئی باپ اپنے نوجوان بیٹے کی لاش پہ آنسو بہاتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بیٹے کے سر پر نوحہ خوانی کی اور بڑی بے قراری کا اظہار کیا۔ باقی انبیاء رسولؑ پاک کو تسلی دیتے تھے لیکن رسول اکرمؐ آدم نہ کرتے تھے کہ جبرئیل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپؐ کی اتباع اگر آپؐ مجھے حکم دیں تو میں اس زمین کو اٹھا کر دوبارہ پھینکوں تاکہ زلزلہ برپا ہو اور فہر لوٹ کی طرح اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر ہو جائے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیل! آخر قیامت تو ہے؟ میں صبر کرتا ہوں تاکہ اُس روز ان سے دشمنی کروں، رسول پاکؐ نے پھر گریہ شروع کر دیا۔ ملائکہ رسول پاکؐ کے گریہ سے بہت زیادہ طول اور غم زدہ ہوئے لہذا آگے بڑھے اور امامؑ کے سر کے پاس ہاتھوں کو مارنا چاہا۔ جب میرے پاس پہنچے تو میں نے پکارا:

یا رسول اللہ! الاءن، الامان، خدا کی قسم! میں نے قتل حسینؑ میں ہمارا ہی نہیں کی اور اس کام پر راضی بھی نہ تھا۔ خدا مجھے معاف کر دیں تو رسول پاکؐ نے فرمایا: تم پر افسوس! کیا اب تم ان کے ہمراہ نہیں ہو اور اہل بیتؑ کی غربت نہیں دیکھتے! میں نے عرض کیا: ہاں! دیکھ رہا ہوں۔

پس فرمایا کہ خدا تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور پیغمبرؐ نے ملک الموت سے فرمایا کہ تم اسے چھوڑ دو یہ خود بخود مر جائے گا۔ پس اس وحشت سے اس مقام سے اٹھا، صبح کو دیکھا کہ میرے تمام ساتھی جل کر راکھ ہو گئے اور میرا آدھا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے اور ابھی تک میرا چہرہ آگ میں جل رہا ہے۔

واقعہ دیر راہب

غربت ہے رھک بخت سکندر بنی ہوئی
صحرا کی دھوپ خود ہے سمندر بنی ہوئی
دیکھو سر حسینؑ کی بخشش کا معجزہ
نوک سناں ہے دوش پیغمبرؐ بنی ہوئی

کتاب مدارج الحسینیہ میں حسین بن محمد بن احمد رازی سے اور وہ شیخ ابوسعید سے نیز صاحب روضۃ الشہداء بھی ابوسعید دمشقی سے نقل کرتے ہیں کہ میں اس جماعت کے ہمراہ تھا جو امام علیہ السلام کے سر مطہر اور اہل بیت کو شام کی طرف لے جا رہی تھی۔ جب ہم دمشق کے قریب پہنچے تو لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ قحطاع نخواستی نے ایک لشکر تیار کیا ہے اور وہ ابن زیاد کے لشکر پر شب خون مارنا چاہتا ہے تاکہ سر اور قیدی چھین لے۔

ابن زیاد کے لشکر کا سالار مضطرب ہوا اور بڑی احتیاط سے سفر کیا۔ رات کو وہ ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں ایک عظیم راہب کا کلیسا تھا جس میں نصرانی رہتے تھے۔ لشکر کی یہ رائے ظہری کہ اس کلیسا کو اپنی پناہ گاہ بنالیں تاکہ اگر رات کو کوئی شب خون مارے تو کامیاب نہ ہو سکے۔ پس شمر ملعون کلیسا کے پاس آیا اور ان کے بزرگ کو بلایا تو چھت سے ایک ضعیف شخص نے کلیسا کے دائیں بائیں دیکھا تو یبابان میں ایک لشکر پھیلایا ہوا پایا۔ اس نے پوچھا: کیا کام ہے؟ شمر نے کہا: ہم ابن زیاد کا لشکر ہیں اور کوفہ سے شام جا رہے ہیں۔

اس ضعیف نے پوچھا: شام خیر سے جا رہے ہو؟

شمر نے کہا: عراق میں ایک شخص نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی، ہم نے اس سے جنگ کی ہے، وہ اور اس کے تمام ساتھی مارے گئے، اب ان کے سر اور ان کے اہل بیت کو قیدی بنا کر امیر المومنین یزید کے پاس لے جا رہے ہیں۔ اس ضعیف نصرانی نے سروں کی طرف نگاہ دوڑائی۔

فَرَأَى مَرْوَسًا مُّشْرِقَةً عَلَى الْفُجَاءِ مِنَ الْأَيْسَرَةِ وَالرَّمَاكِ كَأَنَّ كَلًّا مِنْهَا نَجْمٌ

مِنَ السَّمَاءِ.....الاخ

”تو دیکھا کہ تمام سرچمکتے ستاروں کے مثل ہیں جو نیزہ و سنان کے آسمان پر طلوع ہیں اور تمام صحرا کو روشن کر رہے ہیں۔“

نصرانی نے پوچھا: ان سروں میں بزرگ اور بڑا کون ہے؟ امام حسینؑ کے سر کی طرف اشارہ کیا گیا اور امام کا سر سجھ گیا۔ بوڑھے نصرانی نے امامؑ کے سر کو غور سے دیکھا تو حالتِ مہلب اور دگرگوں ہو گئی۔ امام عالی مقامؑ کے جلال و عظمت نے نصرانی کو مات کر دیا اور اس کے اعضا و جوارح میں سستی آگئی نیز حزن و ملال دل میں بیٹھ گیا۔

ضعیف نصرانی نے پوچھا: میرے کلیسا سے کیا چاہتے ہو؟

شمر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس سر کے محبوں اور عاشقوں نے ایک لشکر جمع کیا ہے کہ وہ ہم پر رات کو حملہ کرے۔ ہم سے یہ سر مقدس اور قیدی چھین لیں۔ پس آج رات آپ کے کلیسا میں پناہ چاہتے ہیں، کل یہاں سے چلے جائیں گے۔ نصرانی نے کہا: تمہارے لشکر کی تعداد زیادہ ہے اور میرے کلیسا میں اس قدر گنجائش نہیں لیکن دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے سروں اور قیدیوں کو کلیسا کے اندر لے جائیں اور لشکر کلیسا کے ارد گرد پڑاؤ رکھ لے۔ رات کو آگ جلا کر روشنائی کریں اور بیدار رہیں تاکہ رات کے شب خون سے مامون رہیں۔

شمر نے کہا: یہ بہت اچھی رائے ہے۔ فَوَضَعُوا الْكَرِيمَ فِي صَنْدُوقٍ شَدِيدٍ وَقَفْلُوهُ بِقَفْلٍ حَدِيدٍ ”پس امامؑ کے سر مقدس کو مضبوط صندوق میں رکھا گیا، اسے نئے تالے لگائے گئے اور صندوق کلیسا میں رکھ دیا گیا اور کمرے کو تالے لگادیے اور امام زین العابدینؑ کو دیگر قیدیوں سمیت کلیسا کے اندر بٹھا دیا۔“

جب آدھی رات ہوئی تو راہب اپنے حجرے سے باہر نکلا اور روشنائی دیکھ کر اس کمرہ کے پاس آیا، جہاں امامؑ رکھا ہوا تھا۔ وہ کمرے کا طواف کرتا رہا، اچانک دیکھا کہ وہ کمرہ جس میں چراغ تھا نہ شمع، روشن اور منور ہو گیا۔ گویا کمرے میں لاکھوں شمعیں اور چراغ روشن ہیں۔

قَرَأَهُ أَنَّهُ يَظْهَرُ كَأَنَّهُ فِيهِ أَلْفُ شَمْعٍ

”راہب نے ان عجائب کو دیکھ کر تعجب کیا اور خود سے کہا کہ یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے؟“

أَيْنَ هَذَا النُّورُ وَالضِّيَاءُ وَلَمْ يَطْلُعْ قَمَرٌ وَلَا بَيَضَاءُ

”جب کہ نہ چاند ہے اور نہ ہم نے کمرے میں چراغ اور شمعیں روشن کی ہیں؟“

اے رب العالمین! یہ چمکتا سورج کس ملک سے طلوع ہوا ہے؟ اتفاقاً اس کمرہ کے ساتھ دوسرے ملحقہ کمرہ میں یہ

روشن دان تھا، راہب دوسرے کمرے میں آیا اور اس روشن دان سے جھانک کر دیکھا کہ روشنی اس صندوق سے نکل رہی ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ زیادہ ہوتی گئی اور اس قدر پھیل گئی کہ دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

خلاصہ اس نور کے غلبہ سے کمرے کی چھت میں شگاف ہو گیا۔ وَهَبَطَ مِنَ السَّمَاءِ هَوْدَجٌ وَطَلَعَتْ مِنْهُ خَاتُونٌ وَضِيئَةٌ وَاحْتَفَّتْ حَوَارِ بِكَيِّمٍ وَالْجَمَالَ

”اور آسمان سے نوری سواری اُتری، اس سواری سے ایک نورانی روحانی خاتون برآمد ہوئی، جن کے گرد کنیزوں نے حلقہ بنایا ہوا تھا اور وہ آواز دے رہی تھی: طَرِقُوا طَرِقُوا، یعنی راستہ دو راستہ دو کیونکہ تمام مردوں کی ماں حوا اور صفیہ آ رہی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور نورانی سواری اُتری جس میں حوریں اور ایک معظمہ بی بی تھی۔ وہ سواری سے باہر آئیں تو حوروں نے طَرِقُوا طَرِقُوا کی آواز دی کہ راستہ دو، راستہ دو۔ جناب ابراہیم خلیل کا حرم حضرت سارہ آ رہی ہیں۔ پھر ایک اور نوری سواری اُتری جس سے خوبصورت حوریں باہر آئیں اور کہا کہ راستہ دو کیونکہ جناب ہاجرہ مادر اسماعیل آ رہی ہیں۔

پھر ایک اور نوری عماری اُتری کہ جس سے سورج کی طرح چمکتی ہوئی حوریں نکلیں اور آواز دی کہ راستہ دو کیونکہ جناب یوسف کی ماں راحیل آ رہی ہیں۔ پھر ایک اور نوری عماری نازل ہوئی جس سے جناب کلثوم خواہر موسیٰ برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری عماری اُتری جس سے جناب آسیہ خاتون زوجہ فرعون برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری عماری اُتری جس سے جناب مریم مادر حضرت عیسیٰ برآمد ہوئیں۔ پھر ایک اور نوری محل اُترا جو بہت عظیم تھا۔ اس محل سے جناب خدیجہ الکبریٰ برآمد ہوئیں۔ فَأَقْبَلْنَ جَمِيعًا إِلَى الصُّنْدُوقِ ”یہ سب نورانی مستورات اور حوریں اس صندوق کی طرف گئیں“ اور صندوق کے مرد گرد کھڑے ہو کر گریہ و زاری کیا۔ پھر صندوق کا دروازہ کھولا اور خون سے آلود سرِ امام کو باہر نکالا، ایک کے بعد دوسری کے ہاتھوں میں امام کا سر آیا تو سب نے زیارت کی اور بوسے دیئے اور صلوٰۃ پڑھی۔

فَإِذَا بِصُرْحَةٍ عَالِيَةٍ صَارَ الْبَيْتَ مِنْهَا ضَبْجَةً وَاحِدَةً لَهْرَانِي رَاهِبٌ كَهْتَا ہے کہ اچانک گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی۔ گویا وہ کرہ گر گیا ہے جس میں وہ سر مقدس تھا۔ وَحَبِطَتْ هَوْدَجَةٌ تَضِي كَعَيْنِ الْبَيْضَاءِ ایک نوری عماری کمال روشنی میں چشمہ خورشید کی طرح اُتری جس سے ایسی حوریں برآمد ہوئیں جن کے گریبان چاک، لباس میلے اور حریر پھٹے ہوئے تھے۔ وہ پریشان حال، بال کھولے حسین حسین کا نوحہ پڑھتے ہوئے اس صندوق کے قریب گئیں اور بین کر رہی تھیں کہ اچانک راہب کو جھڑک کر کہا:

اے لہرانی راہب! آنکھیں بند کرو اور اب ادھر مت دیکھنا کیونکہ فَإِنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةَ النِّسَاءِ هَابِطَةٌ مِنَ السَّمَاءِ جناب فاطمہ زہراء سیدۃ النساء آسمان سے اُترنے والی ہیں۔ ان کے بال کھلے ہوئے ہیں اور وہ بیٹے کی زیارت کے لیے آ رہی

ہیں۔

راہب کہتا ہے: میں تو اس سخت جہڑ کی سے بے ہوش ہو گیا، جب ہوش آیا تو اپنی آنکھوں کے سامنے جو ۔۔۔
اب مجھے وہ کمرہ اور اس میں آنے والی عماریاں اور نورانی مستورات کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن ان مستورات کے ۔۔۔
کی آواز سننا تھا کہ تمام مستورات نالہ و زاری اور بے قراری میں مشغول تھیں لیکن اس قدر زار و قطار رونے اور گرہ ۔۔۔
باوجود ایک مستور کی آواز میرے کانوں میں آرہی تھی، وہ ایسے بین کر رہی تھی جیسے ماں اپنے جوان بیٹے کی موت ۔۔۔
ہے۔ وہ رورور کر یہ زیارت نامہ پڑھ رہی تھیں:

اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا الْمَظْلُوْمُ الْحَرِیْبُ ، اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا الشَّهِیْدُ الْغَرِیْبُ ، اَلْسَّلَامُ
عَلَیْكَ یَا ضِیَاءَ الْعِیْنِ وَ مَهْجَةَ قَلْبِ الْاُمِّ یَا حُسَيْنَ قَتْلُوْكَ وَ مِنْ شَرْبِ الْمَاءِ مَنْعُوْكَ
”اے ماں کے مظلوم! شہید اور غریب بیٹے حسین! اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک حسین! تمہیں پیاسا
شہید کیا گیا، گھبراؤ نہیں میں تمہارا انتقام تمہارے دشمنوں سے لوں گی۔“

راہب بی بی کے ان دھکی بیٹوں کو سن کر بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو نوری عماریوں اور محلوں میں ۔۔۔
بھی نہ تھا اور نہ کوئی رونے والا تھا۔ وہ اٹھا اور کمرے سے باہر آیا اور سر مقدس والے کمرے کے تالوں کو توڑا ۔۔۔
صندوق کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا اور اس سر سے نورِ ساطع اور لامع تھا۔ راہب پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ روتے اور ز ۔۔۔
ہوئے صندوق کے پاس زمین پر گر پڑا۔ پھر اٹھا اور سر مقدس کو صندوق سے نکالا اور خون آلود، خاک آلود سر کو منقب ۔۔۔
عرقِ گلاب سے دھو کر نفیس و ظریف سجادہ زمین پر بچھایا اور اس پر رکھا۔

وَ اَوْقَدْ عِنْدَهُ شَمْعًا مَعْنَبًا كَا فُوْرًا ثُمَّ جَلَسَ عَلٰی رَکْبَتَیْهِ وَ جَعَلَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ وَ یَبْكِی
عَلَیْهِ بِدَمٍ مِّنْسَجَمٍ وَ تَاوَهُ مُضْطَرِمٌ

”کافوری شمعیں ارد گرد روشن کیں اور حیرت سے اس نورانی سر کو دیکھا۔ وہ زار و قطار روتا، آنسو بہاتا
اور دل جلی آہیں بھرتا تھا۔“

پھر زانوائے ادب طے کر کے بیٹھ گیا اور رو کر سر کی طرف دیکھا اور کہا: اے کائنات کے سرور کے سر! اور ۔۔۔
اولاد سے بہتر سر! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اس جماعت سے ہیں جس کی صفات میں نے تورات اور انجیل میں پڑ ۔۔۔
آپ کو ہستی خدا کی حقانیت کی قسم! جس نے آپ کو یہ مقام و منزلت عطا فرمائی کہ تمام محترما کی کائنات، خواتین عطا ۔۔۔
کی زیارت کو آئیں اور آپ پر گریہ و زاری کرتی رہیں، مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟

فَاجَابَهُ الْكَرِيمُ بِعَنَانِيَةِ الْعَلِيمِ الْحَكِيمِ

”فوری طور پر ذوالجلال کے حکم سے وہ سر مطہر بولا اور فرمایا: میں زمانے کا ستم رسیدہ ہوں، کوفیوں کی تلوار کا شہید ہوں، اور شامیوں نے مجھے خون میں غلطان کیا ہے۔ میں اپنے شہر سے اور اپنے خاندان سے دُور پیغمبر اسلام کا فرزند ہوں۔“

راہب نے عرض کیا: اے مظلوم! میں آپ کے قربان جاؤں ذرا واضح فرمائیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے راہب! میرے حسب و نسب کا پوچھتا ہے یا میری پیاس کے متعلق پوچھتا ہے؟ اگر نسب پوچھتا ہے تو میں پیغمبر اکرمؐ کا فرزند اور والی مدینہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں اور پھر امامؑ نے اپنے اُوپر ہونے والے تمام مصائب سنائے کہ وہ راہب صبح تک آہ و نالہ میں مشغول رہا۔ کبھی روتا، کبھی ماتم کرتا اور کبھی نوحہ کرتا تھا اور کبھی افسوس سے ہاتھوں کو رگڑتا تھا۔ صبح کو یہ راہب اپنے کمرے سے نکلا اور وہاں موجود تمام نصرانیوں کو جمع کیا اور ان کو تمام واقعات سے مطلع کیا، خود بھی روتا رہا اور سب نصرانیوں کو بھی رلاتا رہا۔ وہ اس قدر روئے کہ فرط غم میں گریبان چاک کر لیے اور سر میں خاک ملا لی۔ نیز نوحہ کرتے ہوئے تمام نصرانی امام زین العابدینؑ کے پاس آئے۔

وَهُوَ فِي قَيْدِ الْأَسْرِ وَالذِّلَّةِ وَحَوْلَهُ مِنَ الْيَتَامَى وَالشَّوَاكِلِ فِي مَجْلِسِ عَدِيمِ السَّقْفِ
”جب نصاریٰ کی نظر حضرت امام سجادؑ پر پڑی تو دیکھا چند قیدی خواتین اور بچے جنہیں زنجیروں اور رسیوں سے باندھا ہوا ہے وہ پریشان حال، خاک پر سوئے ہوئے ہیں اور دیران جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

نصرانیوں نے جب قیدیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ زار و قطار رونے لگے، گریبان چاک کیے اور امام سجاد علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑے اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر راہب نے وہ واقعات بیان کیے جو رات کو اس نے دیکھے تھے اور عرض کی کہ میں قربان جاؤں، ہمیں اجازت دیں تا کہ ہم کلیسا سے باہر جا کر لشکر ابن زیاد پر شب خون لگائیں، ان کے ظلموں کی وجہ سے ہمارے دلوں میں غم کو ہم خالی کر سکیں۔ اگر ہم قتل ہو گئے تو آپ کا ثبوت ہوگا۔

امام سجاد علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ تمہارا اسلام لانا قبول ہے اور لشکر ابن زیاد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ بہت جلدی ان کو اپنے کیے کی شدید سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کی قضا و قدر پر راضی ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ○

کوفہ و شام کے درمیان غیر معلوم مقام کا واقعہ

جناب قطب راوندی سلیمان بن اعمش سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص یوں دعا مانگ رہا تھا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اَنَا اَعْلَمُ اَنْكَ لَا تَغْفِرُ ”کہ میرے اللہ! مجھے معاف کر دے جبکہ میں جانتا ہوں کہ معاف نہ کرے گا۔“

اس دعا کے سننے سے میرے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ حرم خدا و رسولؐ میں یہ کیسی نا اُمید کا اظہار کر رہے ہو۔

اس نے کہا: میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔

میں نے کہا: تیرا گناہ بڑا ہے یا کوہِ قحطام؟

اس نے کہا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔

میں نے کہا: تیرا گناہ بڑا ہے یا رواسی کے پہاڑ؟

اس نے کہا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔

میں نے کہا: یہ کون سا گناہ ہے جو اس قدر بڑا ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی!

اس نے کہا: حرم سے باہر جا کر میں یہ گناہ بتاؤں گا۔ ہم حرم سے باہر آئے تو اس نے کہا کہ میں لشکر ابن زیادؓ سے تھا اور ان چالیس افراد میں سے تھا جو سر حسینؑ کو کوفہ سے شام پہنچانے والے تھے۔ شام کے راستے میں ہم ایک کلیسا کے دروازے سے گزرے۔ امامؑ کا سر نوکب نیزہ پر سوار تھا، ہم اس نیزے کے پاس کھانا کھانے لگے تو اسی اثناء میں دیکھا کہ غائب سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اُس نے کلیسا کی دیوار پر یہ لکھا:

اَتَرْجُوا اُمَّةً قَتَلَتْ حُسَيْنًا - شَفَاعَةُ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

”کیا وہ لوگ جو امام حسینؑ کو قتل کرتے ہیں ان کے ناناکا شفاعت کی امید کرتے ہیں۔“

یہ دیکھ کر ہمارے اندر خوف پیدا ہوا اور ہم میں سے ایک نے چاہا کہ لکھنے والے ہاتھ کو پکڑ لے لیکن ہاتھ غائب ہو گیا۔ پھر وہی ہاتھ ظاہر ہوا اور یہ جملہ لکھا:

فَلَا وَاللّٰهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيعٌ وَهُمْ الْقِيَامَةُ فِي الْعَذَابِ

”یعنی نہیں خدا کی قسم ان کا شفیع کوئی نہیں ہوگا اور وہ عذاب میں پہنچ جائیں گے۔“

اسے پڑھتے ہی ہمارے اندر خوف مزید بڑھ گیا لیکن ہمارے ساتھی کئی اور لوگ بھی تھے جن کی شقاوت میں اضافہ نہ

اور انہوں نے ہاتھ کو پکڑنا چاہا لیکن وہ غائب ہو گیا۔ ہم پھر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی کھانا ختم نہ ہوا تھا کہ ہاتھ پھر ظاہر ہوا اور دیوار پر یہ شعر لکھنا شروع کر دیا:

وَقَدْ قَتَلُوا الْحُسَيْنَ بِحُكْمِ جَوْرٍ
وَخَالَفَ حُكْمَهُمْ حُكْمُ الْكِتَابِ

”انہوں نے خالمانہ حکم سے امام حسینؑ کو قتل کیا اور ان کا حکم قرآن کے خلاف تھا۔“

ہم پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ ہم نے کھانا چھوڑ دیا۔ اسی دوران میں راہب آیا اور سر مطہر پر نظر کی تو سر سے ایک نور ساطع ہو کر آسمانوں تک پہنچتا دکھائی دیا اور چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ پوچھا گیا کہ یہ کس کا سر اظہر ہے؟ اور تم کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اہل عراق ہیں اور یہ سر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے۔ راہب نے کہا: وہ حسینؑ جو قاطمہ زہراءؑ کا بیٹا اور محمد مصطفیٰؐ کے چچا زاد بھائی علیؑ کا فرزند ہے؟ ابن زیاد کے لشکر نے کہا: ہاں وہی حسینؑ ہے۔

راہب نے کہا: تَبَّ لَكُمْ وَاللَّهِ لَوْ كَانَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ لَحَمَلَتَا عَلٰی أَحَدِا قَنَا ”پس ہلاکت ہے تم پر اور افسوس ہے تمہارے آئین پر۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کا ایک بیٹا بھی ہوتا تو ہم نصاریٰ ان کے بیٹے کو آنکھوں کی پلکوں پر بٹھاتے۔“ اے بے مروت لوگو! تم نے فرزند پیغمبرؐ کو شہید کیا ہے اور اسے قتل کرنے پر فخر بھی کرتے ہو!! اب میری تم سے ایک جہت ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا حاجت ہے؟

راہب نے کہا: مجھے دس ہزار درہم آپے آباء سے وراثت میں ملے تھے، یہ درہم لے لو اور یہ سر مجھے دے دو تا کہ میرا مہمان ہو، جب تم جانا چاہو تو ساتھ لیتے جانا۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ راہب نے دس ہزار درہم دے دیے۔ عرب بن سعد نے ترازو منگوا لیا اور ان کا وزن کیا، صرانی کی قیمت لگائی اور درہم اپنے خازن کے حوالے کیے۔ پھر حکم دیا کہ سر اس راہب کے حوالے کر دیا جائے۔ راہب نے سر سے اپنی جان کی طرح پیار کیا۔ فَتَسَلَّهُ وَتَنْظَفُهُ وَحَشَاةُ بَيْسَلِكٍ وَكَافُورٍ ”اور سر مقدس کو منگک اور گلاب کے عرق سے دھویا اور کاغذ لگایا۔“ اسے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹا اور اپنی آغوش میں رکھا اور نوحہ و گریہ زاری کی۔ اس نے گریہ کی حالت میں یہ آواز سنی: طُوبَى لَكَ وَطُوبَى لِمَنْ عَرَفَ حُرْمَتَهُ ”اے راہب! تمہیں مبارک ہو، تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں معرفت مل گئی۔“ پس راہب نے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے یہ دعا کی: يَا رَبِّ بِحَقِّ عِيسَى تَأْمُرُ هَذَا الرَّأْسَ بِالتَّكْلِيمِ مِثْنِي ”جواب عیسیٰؑ کے رب! اس سر کو حکم دے کہ وہ میرے ساتھ کلام کرے۔“

ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اچانک مثل غنچہ مثل حضرتؑ کے لب کھلے اور فرمایا: يَا رَاهِبُ اَتَيْ شَيْءٌ تُرِيدُ "اے راہب! تو کیا چاہتا ہے؟"

راہب نے عرض کیا: میں آپؑ کی معرفت چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

فرمایا: اَنَا بِنُ مُحَمَّدٍ الْمَصْطَفَى اَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْمُرْتَضَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَآلِ الْمَقْتُولِ بِكَرْبَلَاءِ وَاَنَا الْعَطَّشَانُ "میں مصطفیٰ کا بیٹا، علی مرتضیٰ کا دلید، فاطمہ زہراءؑ کا جگر گوشہ ہوں اور مجھے کربلا میں پیاسا اور بھوکا قتل کیا گیا ہے۔"

پھر راہب نے سر کو اپنے سجادے پر رکھا جیسے نمازی سجدہ میں سر رکھتا ہے اور حضرتؑ کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھ کر عرض کیا: اے فرزندِ رسول! بخدا آپؑ کے چہرے سے اپنا چہرہ کبھی نہ اٹھاؤں گا جب تک آپؑ کی زبان سے یہ نہ سنوں کہ برو: قیامت شفاعت کروں گا۔

امام کے بریدہ سر سے آواز آئی کہ پہلے میرے نانا کے دین کو قبول کر۔ راہب نے شہادتین زبان پر جاری کیں۔۔۔ مسلمان ہو گیا۔ حضرتؑ کے لبوں نے حرکت کی اور فرمایا: اے راہب! روزِ محشر میں تمہارا شفیع ہوں گا۔ راہب خوش ہو گیا۔ لیکن راوندی کی روایت میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ جب راہب سر مبارک کو جھولی میں رکھ کر اس کی غربت پر رورہ تھا اور باتیں کر رہا تھا تو ابن زیاد کا لشکر آیا اور سر کا مطالبہ کیا۔ راہب نے کہا: اے کائنات کے سرور! میں قربان جاؤں میرے پاس سوائے آپؑ کے اور کچھ بھی نہیں ہے، پس آپؑ گواہ ہیں کہ میں آپؑ کے بریدہ سر کی برکت سے کلمہ اسلام پڑھتا ہوں: وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔

اے میرے سردار! میں آپؑ کا غلام ہوں اور جب تک زندہ ہوں آپؑ کی مظلومیت پر روتا رہوں گا۔ پھر سر کو اٹھا کر راہب لایا اور کہا کہ لشکر کا سردار کہاں ہے؟ مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔ عمر بن سعد کی طرف اشارہ کیا گیا تو راہب عمر بن سعد کے پاس آیا اور بڑے عجز سے کہا:

يَا عُمَرُو سَأَلْتُكَ بِاللّٰهِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ لَا تَعُوْدَ اِلَيَّ مَا كُنْتُ تَفْعَلُهُ بِهَذَا الرَّاسِ
 "اے عمر! میری تم سے گزارش ہے کہ تجھے اللہ اور رسول اللہؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اب اس سر مقدس کے ساتھ بے احترامی نہ کرتا۔"

یعنی نیزے پر سوار نہ کرنا اور لوگوں میں دھوپ میں نہ پھرانا اور سر مقدس کو بہنوں، بیٹیوں اور بیٹے کے سامنے نہ کر دینا۔ صندوق سے باہر نہ نکالو کیونکہ اس سر کا خدا کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے۔

عمر سعد نے کہا: ٹھیک ہے اور سر راہب سے لے لیا۔ فَقَعَلَ بِالرَّأْسِ مِثْلَ مَا كَانَ يَفْعَلُ فِي الْأَوَّلِ ”اور سر سے وہی سلوک روا رکھا جو پہلے جاری تھا یعنی سر کو نیزہ پر سوار کیا اور بہنوں، بیٹیوں اور بیٹوں کے سامنے کیا۔“

راہب اسلام قبول کرنے کے بعد بزیر میں چلا گیا اور جب تک زندہ رہا آقا حسینؑ کی غربت پر روتا اور گریہ زاری کرتا تھا۔ جب عمر بن سعد نے شام کے نزدیک اپنے خزانچی سے وہ دس ہزار درہم طلب کیے تو دیکھا کہ ان درہموں کا رنگ بدل گیا ہے اور ان پر ایک طرف لکھا تھا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ○

اور دوسری طرف یہ لکھا تھا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○

چنانچہ عمر بن سعد شرمندہ ہوا اور کہا: خَسِرَتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ کہ جاؤ اور ان کو نہر میں پھینک دو دونوں جہانوں میں نقصان ہے۔“

واقعہ منزل حران

صاحب روضۃ الشہداء معین الدین لکھتے ہیں: جب ابن زیاد کا لشکر منزل حران پر پہنچا تو اس شہر والے تماشا دیکھنے کے لیے استقبال کو آئے۔ اس مقام پر ایک ٹیلہ تھا جس پر ایک یہودی کا گھر تھا جسے مٹی حرائی کہتے تھے۔ یہ بھی تماشائیوں میں موجود راستے پر کھڑا تھا۔ وہ سب قیدیوں کو دیکھتا رہا اور سر بھی گزر گئے۔ ان سروں میں اچانک اس کی نظر امام حسینؑ کے سر اقدس پر پڑی جو نیزہ پر چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ فَلَمَّا أَمَعَنَّ النَّظَرَ فِيهِ أَنَّ شَفَتَيْهِ يَتَخَوَّ سُكَّانَ وَسَمِعَ كَلَامَهُ عَلَيْهِ السَّلَام ”جب یہودی نے غور سے دیکھا تو امامؑ کے لبوں میں حرکت ہوئی، یہودی نے امامؑ کا کلام سنا تو فرمایا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ○

اس یہودی نے تعجب کیا کہ بریدہ سر بھی بولتا ہے۔ گویا یہ سر مظہر یا کسی پیغمبرؐ کا یا اس کے وحی کا ہے۔ اے لوگو! تمہیں

خدا کی قسم! مجھے بتاؤ یہ کس کا سر ہے؟

کہا گیا کہ یہ سر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے جس کی ماں رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہؑ زہراءؑ ہے۔

مٹی یہودی نے اپنے آپ سے کہا: اگر ان کے جد کا دین حق نہ ہوتا تو یہ برہان (سر کا بولنا) ظاہر نہ ہوتا۔ پس باوازی بلند

اعلان کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ ابْنَهُ هَذَا مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ
 ”لوگو! گواہ رہنا کہ محمدؐ برحق ہے اور ان کا شہید بیٹا بھی برحق ہے اور ان کے اہل بیت کو ناحق قیدی بنایا
 گیا ہے۔“

پھر اپنا عمامہ اُتارا اور اس کے کٹڑے کٹڑے کیے اور مستورات کے قریب آیا اور عمامے کے کٹڑوں کو تقسیم کیا تاکہ وہ
 حجاب کر سکیں۔ پھر اپنا جبہ اُتارا اور امام سجادؑ کے کاندھے پر رکھا اور ہزار درہم امام سجادؑ کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا:
 میں قربان جاؤں، یہ رقم سفر کے دوران میں حسب ضرورت صرف کرنا۔ جب ابن زیاد کے لشکر نے یہودی کی یہ محبت دیکھی تو
 اس یہودی کی مذمت کی اور کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تم امیر شام کے دشمنوں سے محبت اور اُن کی حمایت کر رہے ہو۔ ان قیدیوں
 سے دُور ہو جاؤ ورنہ ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔

مٹھی یہ سن کر بہت غضب ناک ہوا۔ أَخَذَتْهُ الْغَيْرَةُ وَجَذَبَتْهُ الْمُحِبَّةُ

اس کی غیرت ایمانی نے جوش مارا اور محبت اہل بیتؑ کے جذبے نے اس کو جذب کیا، اُس نے اپنے نوکروں اور
 خادموں کی جماعت سے کہا: میری تلوار لاؤ اور اپنے اسلحے لگاؤ اور بکیر کہہ کر ابن زیاد کے ان سپاہیوں پر حملہ کر دو۔

مٹھی کی تلوار لائی گئی تو اُس نے غلاف سے نکالی۔ فَسَنَلْنَهُ عَنْ غَدِيدِهِ وَنَنْظُرَ إِلَى قَرْنِدِهِ فَصَاحَ بِأَعْلَى صَوْتِ
 اللَّهِ أَكْبَرَ ”تلوار فضا میں لہرائی اور بلند آواز سے بکیر کہی اور ان ملعونوں پر حملہ کر دیا۔“

مٹھی نے پانچ ملعونوں کو واصلِ جہنم کیا، اس کے غلاموں نے بھی کئی ملائین قتل کیے اور بعض کو زخمی کر دیا۔ فَجَاشُوا
 عَلَيْهِ وَجَعَلُوهُ فِي مِثْلِ الْحَلَقَةِ ”ابن زیاد کے لشکر نے اس تازہ مسلمان مٹھی کو اپنے درمیان لے کر حملہ کیا، اس کے گرد
 حلقہ ڈال لیا اور فَضْرَبُوهُ بِالسَّيْفِ وَالسَّيْفَانِ وَرَشَفُوهُ بِالْأَحْجَامِ وَالنَّبْلَانِ ”اس کو تلواروں، نیزوں، پتھروں اور عیروں
 سے ہر طرف سے مور و نشانہ قرار دیا اور شور و غل پیدا ہوا۔“

جب یہ صدائیں اہل بیتؑ کے کانوں تک بھی پہنچیں۔ ادھر تازہ مسلمان کو ابن زیاد کے لشکر نے گھیر لیا اور قتل و غارت
 کرنے لگے۔ مٹھی نے بہت زخم کھائے اور زخموں سے خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے کمزور ہو گیا اور امام سجادؑ علیہ السلام پر سلام
 کر کے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا اور ایک سلام سرِ مطہر پر بھی کیا۔

معین الدین روضہ میں لکھتے ہیں: اس مٹھی کی مرقد دروازہ حران پر معروف ہے جسے مقبرہ مٹھی شہید کہا جاتا ہے اور ان
 کی قبر پر مانگی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

اس کے بعد منزل اندرین پھر منزل معرۃ العمان، پھر منزل شیزر، پھر کفرطاب کی منازل کو طے کرتے ہوئے سیبور پہنچے۔

واقعہ سیبور

ابی جحف لکھتے ہیں: سیبور میں ایک بڑا عالم رہتا تھا۔ اس نے اپنے تمام قبیعین، چھوٹے بڑے، بوڑھے جوانوں کو بلایا اور کہا کہ یہ سر امام حسینؑ کا ہے یعنی یہ اولادِ آدمؑ کے سردار کے بیٹے اور خاتم الانبیاء کے فرزند کا سر ہے۔ اس قوم نے ظلم سے فرزندِ پیغمبر کو قتل کیا اور سر کو شام لے جا رہے ہیں۔ اگر تم نے اس ظالم گروہ کو اپنے شہر میں آنے دیا تو خدا تم سے مواخذہ کرے گا۔ فَقَالُوا وَاللّٰهِ مَا يَجُوزُونَ فِي مَدِيْنَتِنَا سب نے کہا: خدا کی قسم! ہم اپنے شہر سے گزرنے نہیں دیں گے اور ہم اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

بوڑھوں نے کہا کہ اللہ کے بندے فتنہ و فساد کبھی پسند نہیں کرتے۔ اس سر کو تمام شہروں میں لے گئے اور قیدیوں کو بھی تمام شہروں میں پھرایا ہے کسی نے مزاحمت نہیں کی تو ہم کیوں مزاحمت کریں۔ پس وہ آئیں گے اور گزر جائیں گے۔ لیکن اس شہر کے باغیرت جوان جوش میں آ گئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! ہم اس لشکر کو کسی صورت میں شہر میں نہیں آنے دیں گے۔ پس جوانوں نے تلواریں اور نیزے اٹھائے، آلاتِ حرب لگائے اور مارنے مارنے پر عزم بالجزم کر لیا کہ کوفیوں کے لشکر کو اپنے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے خواہ جس قدر خون بہہ جائے۔

بوڑھوں نے جب جوانوں کی غیرت کا اندازہ لگایا تو وہ بھی جوانوں کی غیرت کے جذبے سے جوش میں آ گئے اور تمام بوڑھے اور جوان شہر کے دروازہ سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے ابن زیاد کے لشکر کا راستہ روک لیا اور حاکمِ شام کو گالیاں دیں۔ خولی نے اپنی سپاہ سے ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ سیبور کی غیرت مند جمعیت نے مقابلہ کیا اور شاہِ مردان سے مدد طلب کرتے ہوئے خولی کے لشکر پر جوابی حملہ کر دیا۔ تو تھوڑے ہی وقت میں خولی کے لشکر کے چھ صد آدمی قتل ہو گئے اور سیبور کے غیرت مند جوانوں کے صرف پانچ جوان شہید ہوئے۔

ایک روایت میں ابنِ جوانوں سے ستر جوان شہید ہوئے اور یہ صحیح ہے کہ اس داروگیر لڑائی اور فساد میں ستر لوگ شہید ہو گئے کیونکہ اہل سیبور آلِ پیغمبرؐ کی حمایت اور نصرت کر رہے تھے۔

جنابِ اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے کہ یہاں کے لوگ دینی و ایمانی غیرت رکھتے ہیں؟ بتایا گیا: یہ سیبور نامی شہر ہے۔ تو بی بی اُمّ کلثومؓ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی:

أَعَذَّبَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى شَرَابَهُمْ وَارْحَصَ اسْعَارَهُمْ وَرَفَعَ أَيْدِيَ الظَّالِمَةِ عَنْهُمْ فَلَوْ أَنَّ
الْبَنِيَّاءَ مَسْلُوءَةً ظَلَمْنَا وَجُورًا لَمَأَنَّا لَهُمْ إِلَّا قِسْطًا وَعَدْلًا

”اے اللہ! اس شہر کے پانی کو صاف اور شیریں بنا، اس کے باسیوں کے رزق میں برکت و وسعت
اور فراوانی عطا فرما اور ظلم اور ظالموں کے شر سے ان کو محفوظ فرما۔ اگر دنیا ظلم و جور سے پُر ہو تو بھی
یہاں عدل و انصاف قائم رہے۔“

پھر لشکر ابن زیاد نے وہاں سے حرکت کی۔ حَتَّى وَصَلُوا أَحْمَاقَ

واقعہ منزل حماة

ابو جحف لکھتے ہیں: اہل حماة نے لشکر ابن زیاد کے ستم گروں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے
اور دیواروں اور برجوں پر سوار ہو کر ان سے کہا: خدا کی قسم! ہمارے شہر میں داخل نہ ہو سکو گے، خواہ ہم سارے بھی قتل ہو جائیں۔
لشکر ابن زیاد نے یہ سن کر یہاں قیام نہ کیا بلکہ حمص شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ ابن شہر آشوب کے کلام سے یہ
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پتھر لشکر ابن زیاد میں داخل ہوا۔ وہ پتھر جس پر امام کے خون کے قطرات تھے۔

لیکن علامہ نے ریاض الاحزان میں اپنے معاصر سے یہ حکایت کی ہے کہ میں مکہ کی طرف جاتے ہوئے شہر حماة سے
گزرا۔ اس کے باغات میں ایک مسجد دیکھی جسے مسجد الحسین کہتے ہیں۔ میں مسجد کے اندر گیا تو ایک پردہ لگا تھا۔ میں نے
اسے ہٹایا تو دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر نصب ہے۔ میں نے اس پتھر پر خشک شدہ خون دیکھا۔ مسجد کے خادم سے پوچھا کہ یہ
پتھر کیسا ہے اور اس پر خون کے نشان کیسے ہیں؟ خادم نے کہا کہ یہ پتھر وہ ہے کہ جب لشکر ابن زیاد کوفہ سے شام جا رہا تھا تو اس
شہر میں داخل ہوا اور اُس نے امام پاک کا سر مبارک اس پتھر پر رکھا تو سر مبارک سے چند قطرے خون کے گرے جو پتھر میں
داخل ہو گئے اور آج تک ایسے ہیں جیسے تم دیکھ رہے ہو۔

میں کئی سالوں سے مسجد کا خادم ہوں اور بغیر کسی وقفہ کے قرأت قرآن کی آواز آتی ہے لیکن نظر کوئی نہیں آتا، اور ہر
سال شہر عاشورہ اس پتھر سے نور ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر چراغ اور روشنی کے لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور اس پتھر کے
ارد گرد گرہ یہ اور عزاداری کرتے ہیں اور روز عاشورہ اس پتھر سے خون جوش مارتا ہے اور پھر وہ خون خشک ہو جاتا ہے اور کوئی شخص
اس خون کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یعنی کسی کی چیراوت بھی نہیں ہوتی کہ ایسا کرے۔

مجھ سے پہلے جو خادم تھا اس نے بھی مجھے بتایا کہ میں سالہا سال سے یہ منظر دیکھتا آ رہا ہوں اور وہ کہتا تھا کہ جو مجھ سے

پہلے خادم تھا اس نے بھی مجھے یہی بتایا کہ ہر سال شبِ عاشور اور روزِ عاشورہ یہ معجزہ دیکھتا رہا ہوں۔ جب میں مسجد سے باہر آیا تو اہل شہر سے پوچھا تو انہوں نے بھی وہی بتایا جو مسجد کے خادم نے بتایا تھا۔

واقعہ شہرِ حمص

جب لشکرِ ابنِ زیاد شہرِ حمص کے نزدیک پہنچا تو شہر کے والی کو پیغام بھیجا: ہم یزید کے گماشتے کوفہ سے شام جا رہے ہیں، ہمارے ساتھ امام حسین کا سر ہے اور اہل بیت بھی قید ہے، لہذا لشکر کے لیے کھانے پینے اور استقبال کا انتظام کرو۔
حمص کا حاکم خالد بن خلیفہ کا بھائی تھا جو شہرِ حمص کا حاکم تھا اور یہ یہاں کا والی تھا۔ جب اس حاکم کو اطلاع ملی تو اس نے جھنڈے نصب کروائے اور شہر کو آراستہ کروایا۔ نیز شہر سے تین میل باہر نکل کر استقبال کیا۔ تماشائی اکٹھے ہو گئے۔ ابنِ زیاد کا لشکر آیا تو انہوں نے سروں کو صند و قچوں سے نکال کر نیزوں پر سوار کر لیا اور اہل بیت کے قیدیوں کو نہایت ذلت و خواری سے شہر میں داخل کیا۔

جب اہل حمص کو معلوم ہوا کہ یہ قیدی اور شہداء کے سر تو حیدرِ کزرا اور پیغمبرِ اسلام کا خاندان ہے تو ان کی غیرتِ ایمانی بوش میں آ گئی۔ انہوں نے جب اہل بیت کے بچوں کا گریہ اور آہ و زاری سنی تو ان کا خون کھول اٹھا۔ اہل حمص کی عورتوں نے جب خاندانِ رسالت کی مستورات اور بچوں کی ذلت اور غربت دیکھی تو عورتوں میں گریہ و زاری کا شور بلند ہوا۔
فَإِنَّمَا دَحَمَتِ النَّاسُ فَرَمَوْهُمْ بِأَجْجَا مَةٍ، اہل شہر کی برداشت کی طاقت ختم ہو گئی اور لوگوں نے ابنِ زیاد کے لشکر کو پتھروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اور پتھروں کی اس قدر بارش برسائی کہ لشکرِ ابنِ زیاد کے چھبیس سپاہیوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔ شہر کے دروازوں کو بند کر دیا گیا اور کہا گیا: يَا قَوْمُ لَا تُكْفَرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ، ہم تمہارا ایک شخص بھی اب زندہ نہیں چھوڑیں گے یا یہ کہ خلی حرام زادے کو قتل کر دیں اور امام کا سر مقدس اس سے لے لیں تاکہ قیامت تک یہ افتخار ہمارے شہر کو حاصل رہے۔

انہوں نے اس نیت سے قسم اٹھائی اور خالد بن خلیفہ گھر کے قریب جمعیت کا ازدحام تھا۔ لشکرِ ابنِ زیاد نے ان لوگوں سے جنگ و جدال کی اور ان کو جنگ میں مشغول کر کے دوسرے دروازے سے سروں اور قیدیوں کو لے کر بھاگ گئے۔ پھر سوقِ الطعام آئے وہاں بھی جگہ نہ ملی اور بحیرہ کے راستے کیزرا کے مقام پر پہنچے تو بعلبک کے والی کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔

واقعہ بعلبک

شہر کے حاکم نے حکم دیا کہ شہر کو آراستہ کریں اور ابنِ زیاد کے لشکر کو احترام سے داخل کریں تو لشکر کو دف اور بینڈ باجوں سے وارد کیا گیا۔ جب منزل پر پہنچے تو خوش ہوئے کہ خطرے سے محفوظ ہیں۔

صاحبانِ مَقتل لکھتے ہیں: باتو بسٹلین یعنی انہیں بغیر کھانے پینے اور گپ شپ کے اور کوئی کام نہ تھا۔ لیکن ۔۔۔ کے اسیروں پر اس شہر میں بہت مصیبت آئی کہ جب جناب اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے کہ جس سے شہر کس قدر بے دین ہیں؟

کہا گیا کہ یہ بعلبک ہے؟ جناب اُم کلثوم نے ان لوگوں پر لعنت اور نفرین کرتے ہوئے فرمایا:

أَبَاذَ اللّٰهِ تَعَالٰی خَضَرَاتُهُمْ وَلَا أَعَذِبُ اللّٰهُ شَرِيَّهُمْ وَلَا دَفَعَ أَيْدِي الظَّالِمَةِ عَنْهُمْ..... إلّٰی

آخرہ

”اے خدا! ان کی فصلوں کو برباد کر اور ان کے پانی کو شیریں نہ کر بلکہ تلخ کر دے اور ان کو خالموں کے شر سے محفوظ نہ فرما۔“

صومعہ راہب کا واقعہ

جب لشکر ابن زیاد صومعہ راہب کے پاس پہنچا تو وہاں قیام کیا کہ سروں کو صومعہ کے ایک کونے میں رکھ دیا اور تہہ کو کھلی جگہ پر بٹھرایا۔ لشکر اپنی عیش و عشرت میں مصروف تھا اور اہل بیت اکٹھے بیٹھے اپنی غربت و مظلومیت پر آہ و بکا کرتے تھے۔

ابوحنفہ نے لکھا ہے: فَلَمَّا عَسَسَ اللَّيْلُ سَمِعَ الرَّاهِبَ ذُويًا كَدُوِيَ الرَّعْدِ وَتَسْبِيحًا وَتَقْدِيمًا۔۔۔ جب تاریکی چھا گئی تو راہب نے سنا کہ تسبیح و تقدیس کی آواز آرہی ہے جو گرج کی طرح جوش مار رہی ہے۔

اور ایک نور پیدا ہوا جس نے عالم کو روشن کر دیا اور اس نور سے اس کے کلیسا میں بھی روشنی ہو گئی۔ راہب نے غور سے دیکھا تو وہ نور اس نیزہ سے نکل رہا تھا جس پر امام حسینؑ کا سر سوار تھا اور وہ نور سر سے لے کر عمود آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ راہب نے دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور بہت سے ملائکہ باہر نکل کر زمین پر آ رہے ہیں۔ سرِ مطہر کے قریب آ کر السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ، راہب یہ عجائب دیکھ کر رونے لگا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ سرائیے فیض کا سر ہے جو زمین و آسمان کا حاکم ہے۔ اپنے کلیسا کی چھت سے نیچے آیا اور پوچھا: مَنْ نَرَعِيمُ الْقَهْرِ اس سر پر موکل اور ذمہ دار کون ہے؟ خولی کا بتایا گیا کہ وہ اس کا ذمہ دار ہے۔

خولی سے راہب نے پوچھا کہ یہ سر کس بزرگ ہستی کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ امام حسینؑ کا سر ہے کہ جن کی ماں فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ ہیں۔

راہب نے کہا: ہائے افسوس تم پر! فرزند پیغمبر کو قتل کر دیا گیا ہے اور ایک بد بخت غیر نجیب ابن زیاد اور یزید کی اطاعت میں ہو۔

ہمارے نصرانی علما نے یہ بتایا ہے کہ تم مسلمان اپنے پیغمبر کے فرزند کو قتل کرو گے تو آسمان سے خون برسے گا۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو وحی پیغمبر تھے۔ اب میری گزارش ہے کہ یہ سر مجھے دے دو اور جب جانے لگو تو واپس کر دوں گا۔ خولی نے کہا کہ میں سر کی کوئین دیتا بلکہ یہ سر یزید کو دے کر انعام حاصل کروں گا۔ راہب نے کہا: یزید کا جائزہ اور انعام کتنا ہوگا؟ خولی نے کہا: دو ہزار مثقال اشرفیاں۔

راہب نے کہا: میں تمہیں دو ہزار مثقال اشرفی دیتا ہوں، اس کے عوض تم سر مقدس مجھے دے دو۔ پھر راہب نے درہم دکھائے اور درہم اسے دے دیے۔ وَهُوَ عَلَى الْقَنَاقَةِ یعنی سر نیزہ پر تھا اُتارا گیا اور راہب نے اپنی جان کی طرح سنبھالا۔ فَقَبَّلَهُ وَيَبْكِي وہ بوسے بھی دیتا تھا اور روتا بھی تھا اور یہی نہیں کرتا تھا۔ يَغْدُوَ وَاللّٰهُ عَلَيَّ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ لَا اُوَاسِيْلَكَ بِنَفْسِي اے فرزند پیغمبر! خدا کی قسم اس حالت میں آپ کو دیکھنا مجھ پر بہت گراں ہے۔ کاش میں آپ پر جان قربان کر دیتا۔ اے مولاً! جب تانا سے ملاقات ہو تو میرے اخلاص کو وہاں بیان کرنا اور میری مسلمانی کی گواہی دینا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ اِنَّكَ الْاَمَامُ

پھر سر ان ملعونوں کو واپس کر دیا اور خود روتا ہوا اپنے کلیسا میں چلا گیا۔ راہب کے چلے جانے کے بعد ان ملعونوں نے درہموں کو تقسیم کیا تو اُن کے ہاتھوں میں وہ درہم کوئلے بن گئے اور اُن پر لکھا تھا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنِّيْ مُنْقَلَبٌ يَّنْقَلِبُوْنَ ابن زیاد کے لشکر کی حیرت زیادہ ہوئی۔ خولی نے کہا: اس معاملے کو اب چھوڑ دو اور اس کو ظاہر نہ کرو۔

واقعہ عسقلان

روضۃ الشہداء میں ہے کہ ابن زیاد کا لشکر آل رسول کو لے کر عسقلان کے قریب پہنچا تو والی عسقلان یعقوب عسقلانی تھا جو شام کے امراء میں سے تھا اور کربلا کی جنگ میں موجود تھا، جنگ کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس عسقلان آیا۔ جب پنے شہر کے قریب آیا تو حکم دیا کہ شہر کو آراستہ کریں اور تمام شہری فاخرہ لباس زیب تن کر کے خوشی منائیں کہ یزید کو فتح حاصل ہوئی ہے۔

فَرَيْنُوْا اِلَاسُوْقِ وَالشَّوَارِعَ وَالْاَبْوَابِ وَاحْضَرُوا الْمَطْرَبِيْنَ وَاَخَذُوْا فِي اللّٰهُوْ وَالنَّعْبِ

وَظَاهَرُوا الْفَرَحَ السُّرُورَ وَأَدْمَنُوا شُرْبَ الْإِبْنَذَةِ وَالْخُمُورِ وَجَلَسُوا فِي الْغُرُفِ
وَالرَّوَاشِيْنَ وَالْإِعْطَالِيِّ مِنَ الدَّانِي وَالْعَالِي

”چنانچہ شہر کو مزین کیا گیا، دروازوں کو آراستہ کیا گیا، چوکوں چوراہوں پر موسیقار بٹھائے گئے، ٹاپے والے ٹاپے میں مشغول تھے۔ لوگ لہو و لعب میں مصروف تھے، اوباش اور کینے لوگوں نے رنگ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے، شراب کی محفلیں سجائی گئی تھیں، گانا بجانا شروع تھا حتیٰ کہ کربلا کے قیدیوں کو جو گریہ و زاری کی حالت میں تھے، ساز و آواز کی دھنوں میں شہر میں ولہر دیا گیا۔ ایک طرف خوشیوں کے شادیاں بچتے لگے، دوسری طرف وطن سے دور، مظلوم اور بے کس قیدیوں کا رونا اور آہ و زاری تھی۔“

جناب رباب کے بین بلند ہوئے اور جناب سکنہ کی آہ و فریاد کی صدا تھی۔ ایک طرف میل اور موسیقی کی دھن اور دوسری طرف جناب ننب کے دھم بین۔ ایک ضریر نامی شیعہ جو اتفاق سے اسی شہر میں آیا ہوا تھا۔ اس نے شہر میں شور و غل مبل و موسیقی اور تالیاں بجانے والوں کا ہجوم دیکھا۔ وَهَائِي الْخَلَائِقُ يَسْتَبْشِرُونَ وَيَنْصَحَاكُونَ وَيَمُرُّونَ فَوْجًا فَوْجًا لوگ بڑے خوش تھے، قہقہے لگا کر بھٹتے ہوئے گروہ درگروہ ایک طرف جا رہے تھے، طبل بج رہے تھے، ہر طرف سے مبارک باد کی آوازیں آرہی تھیں۔ کسی نے پوچھا کہ آج شہر کے آراستہ کرنے اور اس قدر خوشیاں منانے کی وجہ کیا تھی۔ اہل شہر نے استعجب کہا: کیا تو مسافر ہے؟

ضریر نے کہا: ہاں میں مسافر ہوں اور آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔

اُس شخص نے کہا: عراق میں کچھ مجازی مخالفین نے یزید کے خلاف بغاوت کی تھی جو امراءِ شام و ابطال کو ذلے بغاوت کچل دی۔ ان باغیوں کے مردوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے سروں کو جسموں سے جدا کر کے ان کے اہل بیت کو قیدی کر کے یہاں لائے ہیں اور شام جانا ہے اور یہ خوشی اور سرور کا ماحول یزید کی فتح کا جشن ہے۔

ضریر نے کہا: یہ بغاوت کرنے والے مسلمان تھے یا مشرک؟

اُس شخص نے کہا: نہ مسلمان تھے اور نہ مشرک بلکہ باغی تھے جنہوں نے زمانے کے امام (یزید) کے خلاف خروج کیا

تھا۔

ضریر نے کہا: اُن باغیوں کے خروج کی وجہ کیا تھی؟

اُس شخص نے جواب دیا: وہ خارجی کہتے تھے کہ ہم یزید سے بہتر ہیں اور یزید کہتا ہے کہ میں ان سے بہتر اور اولیٰ ہوں۔

خارجی کہتا تھا کہ میرا نانا پیغمبر تھا، باپ امام تھا، ماں فاطمہ بنت رسول تھی لہذا سلطنت و خلافت ہمارا حق ہے۔
 بیزید کہتا تھا تیرے بھائی حسن نے خلافت کا حق ہمیں دے دیا ہے، اب تمہارا حق ختم ہو گیا ہے۔ جب کہ خارجی کہتا تھا
 کہ میرے بھائی نے اپنے حق پر (وقت کے مطابق) مصالحت کی تھی لیکن (اب) میں صلح نہیں کرتا، بالآخر وہ قتل ہو گیا اور اس
 کا سر شام جا رہا ہے۔

ضریر نے کہا: میرا جگر پانی ہو گیا، مجھے اس کا نام بتاؤ وہ کون ہے جو مارا گیا ہے؟
 اُس شخص نے کہا: اس کا نام حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔
 ضریر نے جو نبی نام حسین سنا اس کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو گئی اور گریہ گھویر ہو گیا۔ وہ اس دروازے کی طرف دوڑا
 جس دروازے سے قیدی لائے جا رہے تھے تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کا اس قدر ہجوم و ازدحام ہے کہ شمار سے باہر ہے۔ پھر اُس
 نے اچانک دیکھا:

إِذَا قَبِلَتِ الرَّايَاتُ ، وَامْتَفَقَتِ الْأَصْوَاتُ وَجَاءَ بِالرُّؤُسِ وَالسُّبَا يَا لِمَلِي وَكَافِ الْبِغَالِ
 وَأَقْطَابِ الْمَطَايَا

”کہ لہراتے ہوئے علم آئے جن کو دیکھ کر آوازیں بلند ہوئیں، ان کے پیچھے شہداء کے سر تھے،
 بوڑھے سے جوان تک، جیسے ماہے سے نوے سال تک کے شہداء کے سر نیزوں پر سوار تھے۔“

ان سروں کے پیچھے تھکے ہوئے قیدی پر شکستہ پردوں کی طرح مرجھائے ہوئے بے پالان اونٹوں پر سوار تھے۔ ان
 قیدیوں کے آگے آگے جناب علی بن الحسین کا اونٹ تھا۔ حضرت کے دونوں ہاتھوں میں ونچیر تھی اور پاؤں اونٹ کے پیٹ
 کے نیچے سے آہٹیں میں بندھے ہوئے تھے، وہ سر جھکائے آ رہے تھے۔

ضریر آگے بڑھا اور عرض کیا: سَيِّدَايَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَلَامُ کہا اور سیلاب کی طرح آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
 حضرت نے بھی گریہ آلود آنکھوں سے دیکھا اور درد بھرے لہجے میں فرمایا: اے جوان! تو کون ہے جو ہماری غربت میں ہم پر
 سلام کر رہا ہے؟ تو دوسروں کی طرح مسکراتا کیوں نہیں؟

ضریر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں میں آپ کو نہیں پہچانتا؟ کیوں کہ میں اس شہر میں مسافر ہوں۔ کاش میں مر گیا
 ہوتا اور یہاں نہ آیا ہوتا اور آپ کی یہ حالت نہ دیکھی ہوتی اور جناب فاطمہ کی اولاد کو اس حالتِ غربت میں نہ دیکھتا۔ اے
 کاش! میرے خاندان والے اور میرے دوست آج میرے ساتھ ہوتے تو تمہارا ان لوگوں سے بدلہ لیتے لیکن میں کیا کروں،
 غریب اور تنہا ہوں، میرا کچھ چارہ نہیں چلتا کہ مسافر اور دھکی ہوں۔

فَعِنْدَ ذَلِكَ بَكَى الْاِمَامُ وَقَالَ اِنِّى شَسْتُ مِنْكَ رَاحَةَ الْمُحَبَّةِ وَاَنْسْتُ فَيْكَ سَنِيَاءَ
مِنْ نَابِرِ الْمُحَبَّةِ

”تم نے محبت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری محبت کی آگ تمہارے سینے میں بھڑک رہی ہے۔“

ضریر نے عرض کیا: میں قربان جاؤں، میری گزارش ہے کہ مجھے کوئی حکم دیں تاکہ وہ انجام دے سکوں، ورنہ آپ بوجھ کچھ ہلکا کر سکیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس شخص کے پاس جاؤ جو سروں کا موکل اور امیر ہے اور اس سے التماس کرو اور اسے اس بات راضی کرو کہ شہداء کے سروں کو مستورات کی سوار یوں سے دُور لے جائیں تاکہ لوگ سروں کا نظارہ کریں اور مستورات (غلیظ) نظروں سے آسودہ ہو جائیں۔ نیز اولادِ ذہراءؑ کے پاس لوگوں کا ہجوم کم ہو جائے۔ اے جوان! اس قوم نے ہمارے حرموں کے مقام کو پامال کر دیا۔ خدا ان پر لعنت کرے انہوں نے ہمیں ذلیل اور رسوا کیا ہے۔

ضریر نے عرض کیا: سَمْعًا وَطَاعَةً فوراً موکلین کے سردار کو پچاس درہم دیئے اور کہا: میری التماس ہے کہ یہ درہم سرور کو محملوں سے دُور دُور لے جاؤ تاکہ یہ کہنے لوگ جنابِ فاطمہؑ الزہراءؑ کی اولاد کی طرف نہ دیکھیں۔ اس موکل نے یہ گزارش قبول کی اور سروں کو دُور دُور لے جانے کا حکم دیا۔ ضریر نے پھر دو کرامات کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مولاً! کوئی اور حکم دیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے جوان! اگر ان بے حجاب مستورات کے لیے چادریں اور برقعے مل جائیں تو خدا تمہیں بہشتی لباس عطا کرے گا۔

ضریر فوراً گیا اور ہر مستور کے لیے دو چادریں اور امام سجاد علیہ السلام کے لیے ایک کُچہ اور ایک عمامہ بازار سے خریدا۔ اسی اثناء میں بازار میں فریادیں سنائی دیں، ضریر نے دیکھا کہ شمر ذی الجوش اپنے چند شرابی سپاہیوں کے ساتھ خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے آیا۔ یہ سب ملعون شراب کے نشے میں مست تھے۔ لیکن حالت میں شمر ملعون امام سجادؑ کو گالیاں بک رہا تھا۔ ضریر نے یہ بکواس سنی تو اس سے مبرنہ ہو گا۔ اس کی غیرتِ ایمانی نے جوش مارا، وہ آگے آیا اور شمر کے گھوڑے کی اُچھڑ پکڑ کر کہا: اے بے دین لعین!

يَا عَدُوَّ اللّٰهِ رَأْسُ مِنْ نَفْسَتِهِ عَلَى سِنِينَ وَسَدَّاتِ سَنٍ سَبَّيْتَهَا بِالظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ

”اے دشمنِ خدا! تم یہ جانتے ہو کہ اس ستر کا برباد ہونا پر سوار کیا ہے اور ان قیدیوں کو جانتے ہو“

کہ کس کی اولاد ہیں، جنہیں تم نے بے پالان اونٹوں پر بٹھایا ہوا ہے۔ خدا تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے اور آنکھوں کو اندھا کرے۔“

جوں ہی ضریر سے یہ کلام سنا تو اس بدست شیطان نے اپنے غلاموں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو بے ادبی کی سزا دو۔ سپاہیوں نے ہر طرف سے ضریر پر حملہ کر دیا اور شہر کے لوگوں نے بھی اس کو پتھر، چھڑیاں اور ڈھیلے مارے لیکن ضریر شجاع زمانہ تھا۔ اُس نے ایک سپاہی سے تلوار چھین کر حملہ کر دیا اور ہر طرف سے شور مچا دیا لیکن آخر سپاہ ابن زیاد اور شہر کے لوگوں نے مل کر انہیں اس قدر زخمی کر دیا کہ وہ زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے یقین کر لیا کہ وہ قتل ہو گئے ہیں حالانکہ وہ بے ہوش تھے اور اس طرح پڑے رہے۔ جب آدھی رات کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایسے پایا جیسے کسی پرندے کے پر توڑ دیے گئے ہوں۔ لرزتے لڑکھڑاتے اٹھے اور چل پڑے۔ وہاں سے کچھ فاصلے پر چند پیغمبروں کی قبریں تھیں۔ لوگ ان کی زیارت کو آتے جاتے تھے۔ ضریر نے خود کو اس مقبرہ میں پہنچایا تو وہاں دیکھا کہ ایک گردہ ہے جو ننگے سر، گریباں چاک حلقہ بنا کر ماتم کر رہا ہے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

ضریر آگے بڑھا اور ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ ماتم کر رہے ہو جب کہ باقی شہر والے عیش و عشرت میں خوشیاں منا رہے ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ تو خارجی خوشیاں منا رہے ہیں اور ہم اہل بیت رسالت کے محبت ہیں۔ اگر تم اہل بیت کے دشمنوں میں سے ہو تو دشمنوں میں جاؤ اور اگر محبوں میں ہو تو آؤ اور ہمارے ساتھ غم و ماتم میں شریک ہو جاؤ، یعنی اگر درد مند اور دل سوختہ ہو تو ہمارے ساتھ غم مناؤ۔

ضریر نے کہا: میں تو محبوں سے ہوں اور سیکڑوں چیلے کر کے ان ظالموں سے خلاصی حاصل کی ہے۔ پھر اپنا سارا حال سنایا، پس ان کے ساتھ مل کر ساری رات عزاداری کی اور روتے رہے اور اس وقت کے واقعات ایک دوسرے کو سناتے رہے۔ یوں جی بھر کر غربت آل احمد پر گریہ کیا۔

یزید کو ورواہل بیت کی اطلاع

لشکر ابن زیاد عسقلان سے نکل کر جلدی جلدی سفر کرتے ہوئے جب شام سے چار فرسخ پر پہنچا تو وہاں توقف کیا اور قیام کیا اور خوشیاں منائیں کہ اب منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے یزید کو خط لکھا کہ ہم کوفہ سے آئے ہیں، شہداء کے سروں اور اہل بیت کو قیدیوں کو لارہے ہیں، اب تمہارے حکم کے منتظر ہیں کہ کس دن اُسرا اور شہداء کے سروں کو شہر

قاصد دمشق گیا اور یزید کے پاس پہنچا۔ یہ وہ وقت تھا کہ یزید ملعون بنی اُمیہ کے زعماء کے ساتھ میثاق کر رہا تھا۔

آپا، سلام کیا اور کہا:

أَقْرَأَ اللَّهُ عَيْنِكَ بِوَرُودِ رَأْسِ الْحُسَيْنِ

”تمہاری آنکھیں ٹھنڈی اور روشن ہوں تمہارا سر سلامت رہے، دشمنوں کے سر اور قیدی حاضر

ہیں۔“

یزید نے جب قاصد کے لفظ سنے کہ تمہاری آنکھیں روشن ہوں تو چاہا کہ لوگوں پر معاملہ مشتبہ ہو جائے اور وہ۔۔۔ مسر یہ ظاہر کرے کہ اس خبر سے خوش نہیں ہوا تو کہا کہ تمہاری آنکھیں روشن ہوں۔ پھر حکم دیا کہ قاصد کو زندان میں ڈال۔۔۔ بعد ازاں ابن زیاد کا خط پڑھا اور تمام حرکتوں اور قباحتوں سے مطلع ہوا۔ اگرچہ باطن میں بہت خوش اور سرور تھا لیکن وہ۔۔۔ سامنے انگلی دانتوں میں رکھی اور غصے کا اظہار کیا اور بعد میں کہا: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ!**

پھر حاضرین مجلس کو ابن زیاد کا غلط پڑھایا اور کہا: دیکھو! مرجانہ کے بیٹے! قسّی القلب و بد بخت نے میری اہل بیتؑ کو اجازت کے بغیر کیا کام کر دیا۔

حاضرین نے کہا: ابن زیاد نے کوئی اچھا کام نہیں کیا البتہ اس خط سے پہلے ابن زیاد نے ایک اور خط بھی بھیجا تھا۔ یزید کو اُس خط میں اپنے تمام کارناموں سے مطلع کیا تھا لیکن یزید نے وہ پہلا خط لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھا۔ نہ خط کے جواب میں یزید نے حکم دیا تھا کہ اُسرا اور شہداء کے سروں کو شام بھیجا جائے۔ بہر صورت جب یزید کو اطلاع ملی۔ عہ بیت شام سے چار فرسخ کے فاصلہ پر آ گئے ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ ابن زیاد کا لشکر وہاں ہی قیام کرے اور اسراء اور مردِ جنگ حفاظت کرے تا وقتیکہ دوسرا حکم پہنچے۔

پھر مزید نے حکم دیا کہ اس کے لیے جو ہرات سے جڑا ہوا تاج تیار کریں اور قیمتی پتھروں سے بہترین عمدہ تختہ بن جائے۔ شہر کو مکمل طور پر آراستہ و بھراستہ اور مزین کیا جائے، شیشہ کاری کی جائے اور تمام لوگ اچھے اور نئے لباس پہننے اور اپنی آرائش کریں، اور شریف، کینے امیر و غریب، چھوٹے بڑے ملازم، نوکر، مرد، عورت، بوڑھے اور جوان سب گلی کوچہ، محلوں اور سڑکوں پر ٹولیوں کی صورت میں آمد و رفت کریں اور ایک دوسرے کو حکومتِ شام کی فتح کی مبارکباد دیں۔

جب شہر مزین ہو گیا اور شیشہ کاری کا انتظام مکمل ہو گیا نیز تاج و تخت تیار ہو گیا تو اہل بیت رسالت کے شہر میں ہونے کا ایک دن معین کر دیا گیا اور حکم دیا گیا نیز تاکید کی گئی کہ اس معین روز تمام اہل شہر استقبال کو نکلیں، طبل، ساز و

دوسری طرف سے ابن زیاد کے گماشتوں نے مخدرات عصمت اور بچوں کو تازیانے اور نیزے مار مار کر گرہ دیا۔
 میں مزید اضافہ کر دیا۔ جب اہل بیت کو اہل شام کے ہجوم سے گزرا کیا تو شامی نسل خرامی نے اہل بیت کو گالیاں دینے
 سب و شتم کرنا شروع کر دیا۔ اہل بیت اپنی غربت اور مظلومیت پر سر جھکائے خاموش ہو کر جا رہے تھے۔ بعض عورتوں نے ب
 پریشان بالوں سے چہروں کا پردہ بنایا ہوا تھا اور بعض نے اپنی کلائیوں اور آستینوں سے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔
 صاحبانِ مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: کوفہ سے شام تک میرے بھائی کا ر
 نیزہ پر تھا اور حضرت کی آنکھیں مسلسل کھلی ہوئی تھیں اور ان کی نظر اطفال اور مستورات پر تھی، دیکھتے رہے لیکن شام میں س
 نے بھائی کے سر کو دیکھا تو آنکھیں بند ہو گئیں گویا امام حسینؑ برداشت نہ کرتے تھے کہ اس قدر گانے ناچنے والے، شارب
 اور طبل بجانے والے اہل بیت کے محملوں کے ارد گرد جمع ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے بابا امام سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ بابا نے فرمایا: ظالموں نے مجھے ایک
 پالان کمر و اونٹ پر بٹھایا ہوا تھا اور بابا کے سر کو زکب نیزہ پر بلند کیا ہوا تھا اور ہماری مخدرات عصمت کو بے پردہ محملوں پر س
 ہوا تھا۔ کہنے، ادبаш لوگوں نے ہمیں گھیرا ہوا تھا، اگر ہم سے کوئی اپنی غربت اور مظلومیت پر روتا تو سر میں نیزہ مارتے تھے،
 مسلسل اسی حالت میں ہم نے سفر کیا حتیٰ کہ دمشق پہنچے۔ وہاں منادی ندا کر رہے تھے:

يَا أَهْلَ الشَّامِ هَؤُلَاءِ سُبَّانَا أَهْلَ النَّبِيتِ

مرحوم سید لہوف میں لکھتے ہیں: اہل بیت رسالت سلام اللہ علیہا نے جب اہل شام کے اس قدر ازدحام اور جمعیت
 دیکھا تو جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے شمر سے فرمایا: اے شمر! ہماری ایک بات تو مان لو۔ شمر نے کہا: وہ کیا ہے؟ بی بی
 فرمایا: ہمیں اس دروازے سے شہر میں لے چلو کہ جمعیت کم ہو اور یہ بھی حکم دو کہ ان سروں کو عورتوں کے محملوں سے دُور لے ج
 تاکہ لوگ ان سروں کا تماشا نہ دیکھیں اور ہم ان کی نظروں سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن اس حرام زادے نے کہا: سروں کو عورتوں
 محملوں کے درمیان لے کر چلیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ مستورات کا تماشا کریں۔

عمر بھر سید سجادؑ رہے جو بکا

جس نے جس وقت بھی دیکھا انہیں روتا دیکھا

سہل بن سعید کی اہل بیت سے ملاقات

مختب التواريخ میں سہل بن سعید شمر زوری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے شہر زور سے بیت المقدس

زیارت کی خاطر آیا۔ جب شام میں پہنچا تو شہر میں بہت شور و غل تھا۔ شہر کے تمام دروازے کھلے تھے، دکانیں بند تھیں، شہر کی صفائی کی گئی تھی اور مزین کیا ہوا تھا اور لوگ گردہ در گردہ فاخرہ لباس پہن کر کوچوں اور بازاروں میں شاداں و فرحاں ایک دوسرے کو مبارک دے رہے تھے۔ میں نے ایک شامی سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے؟

شامی بولا: کیا تو مسافر ہے؟

سہل نے کہا: ہاں آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔

شامی بولا: لوگوں میں خوشی اس لیے ہے کہ یزید کو عراق میں ایک خارجی پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

سہل نے کہا: اس خارجی کا نام کیا تھا؟

شامی بولا: حسین بن علی بن ابی طالب۔

سہل نے کہا: وہ حسین جس کی ماں فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ ہیں؟

شامی بولا: ہاں! وہی حسین۔

سہل نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! یہ خوشی دختر پیغمبر کے فرزند کے قتل پر ہے، کیا اس کا قتل ہو جانا کافی نہ

تھا کہ اب اسے خارجی کہا جا رہا ہے؟

شامی بولا: اے شخص! اس قسم کے بول مت بولو اور اپنی جان پر رحم کرو کیونکہ اگر کوئی شخص حسین کا نام محبت سے لے تو

اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

سہل کہتے ہیں: میں نے زبان بند کی اور سانس بھی بند کر لیے اور سر جھکا کر روتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں

دیکھا تو کثیر تعداد میں پرچم داخل ہوئے، ان کے پیچھے طبال اور بینڈ باجے والے آئے۔ لوگ آگے بڑھتے تھے تاکہ سر مطہر کو

نزدیک سے تماشا کریں۔ شور و غل زیادہ ہوتا جاتا تھا، اور لوگوں کا مزاج و سرور بھی بڑھتا جاتا تھا۔ اچانک میں نے امام حسین

کے سر پر نور کو دیکھا کہ لبوں اور دہن مبارک سے نور ساطع تھا بلکہ مجھے تو رسول اللہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

سہل کہتے ہیں کہ جناب عباس علیہ السلام نے بھی اسے تروتازہ تھا گویا مبارک لبوں پر

مکراہٹ ہے جب کہ: وَرَأَيْتُ رَأْسَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي هَيْبَةٍ عَظِيمَةٍ مَعَ نُورٍ يَسْطَعُ مِنْهُ سَطْوَعًا

عَالِيًا وَلِحْيَتِهِ مُدَدَّرَةٌ قَدْ خَالَطَهَا الشَّيْبُ وَقَدْ خُضِبَتْ بِالْوَسْمَةِ

”امام حسین کا مصیبت والا سر مطہر اور نورانی عظمت والا چہرہ چمکتا تھا اور ریش مبارک گول تھی اور ڈاڑھی کے کچھ بال

سفید تھے اور خضاب آثار نمایاں تھے، آنکھوں کی سیاہی سے آسمان کی طرف نظر کیے ہوئے خوبصورت آبرو، کشادہ پیشانی،

زیارت کی خاطر آیا۔ جب شام میں پہنچا تو شہر میں بہت شور و غل تھا۔ شہر کے تمام دروازے کھلے تھے، دکانیں بند تھیں، شہر کی صفائی کی گئی تھی اور مزین کیا ہوا تھا اور لوگ گروہ در گروہ فاخرہ لباس پہن کر کوچوں اور بازاروں میں شاداں و فرحاں ایک دوسرے کو مبارک دے رہے تھے۔ میں نے ایک شامی سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے؟

شامی بولا: کیا تو مسافر ہے؟

سہل نے کہا: ہاں آج ہی اس شہر میں آیا ہوں۔

شامی بولا: لوگوں میں خوشی اس لیے ہے کہ یزید کو عراق میں ایک خارجی پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

سہل نے کہا: اس خارجی کا نام کیا تھا؟

شامی بولا: حسین بن علی بن ابی طالب۔

سہل نے کہا: وہ حسین جس کی ماں فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ ہیں؟

شامی بولا: ہاں! وہی حسین۔

سہل نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! یہ خوشی دختر پیغمبرؐ کے فرزند کے قتل پر ہے، کیا اس کا قتل ہو جانا کافی نہ

تھا کہ اب اسے خارجی کہا جا رہا ہے؟

شامی بولا: اے شخص! اس قسم کے بول مت بولو اور اپنی جان پر رحم کرو کیونکہ اگر کوئی شخص حسینؑ کا نام محبت سے لے لے تو

اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

سہل کہتے ہیں: میں نے زبان بند کی اور سانس بھی بند کر لیے اور سر جھکا کر روتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں دیکھا تو کثیر تعداد میں پرچم داخل ہوئے، ان کے پیچھے طبال اور بینڈ باجے والے آئے۔ لوگ آگے بڑھتے تھے تاکہ سر مطہر کو نزدیک سے تماشا کریں۔ شور و غل زیادہ ہوتا جاتا تھا، اور لوگوں کا مزاج و سرور بھی بڑھتا جاتا تھا۔ اچانک میں نے امام حسینؑ کے سر پر نور کو دیکھا کہ لیوں اور دہن مبارک سے نور ساطع تھا بلکہ مجھے تو رسول اللہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

سہل کہتے ہیں کہ جناب عباس علمدار قمر بنی ہاشم کا سر نوک نیزہ پر تھا اور چہرہ ایسے تر و تازہ تھا گویا مبارک لیوں پر سکرابٹ ہے جب کہ: وَرَأَيْتُ رَأْسُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي هَيْبَةٍ عَظِيمَةٍ مَعَ نُورٍ يَسْطَعُ مِنْهُ سَطُوعًا عَالِيًا وَلِحَيْتِهِ مَدَدٌ رَاقٍ خَالَطَهَا الشَّيْبُ وَقَدْ خُضِبَتْ بِالْوَسْمَةِ

”امام حسینؑ کا مصیبت والا سر مطہر اور نورانی عظمت والا چہرہ چمکتا تھا اور ریش مبارک گول تھی اور ڈاڑھی کے کچھ بال سفید تھے اور خضاب آثار نمایاں تھے، آنکھوں کی سیاهی سے آسمان کی طرف نظر کیے ہوئے خوبصورت آبرو، کشادہ پیشانی،

خوبصورت لب اور لہو کی نورانی چمک اور ہوا داڑھی کو کبھی دائیں کر دیتی اور کبھی بائیں گویا صورت علی اور نقشب رسولؐ نوک۔۔۔
پر سوار تھے۔ عربین منذر ہمدانی نے نیزہ اٹھایا ہوا تھا۔

صاحبِ غنیمت لکھتے ہیں: پہل نے کہا: جب سرِ مطہر کو اس انداز میں دیکھا تو میں برداشت نہ کر سکا۔ فَلَطَمْتُ غُصَّی وَجْہِی وَقَطَعْتُ اَطْمَارِی اور دونوں ہاتھوں سے منہ پر پٹینا شروع کیا، گریبان چاک کیا اور نالہ و فریاد بلند کی: ہائے افسوس! کہ ریشِ خون آلود ہے۔ بدن کربلا میں بے کفن و دفن پڑا ہے، ہائے رسول اللہؐ آپ کہاں ہیں؟ اپنے بیٹے کے سر کی محنت دیکھیں، آپ کی بیٹیوں کو بے حجاب محملوں پر بٹھا کر مجمعِ عام میں بازاروں میں پھرایا جا رہا ہے۔ ان کے سروں پر چادریں نہیں۔ تماشاخیوں کا ہجوم ہے؟ یا علیؑ آپ کہاں ہیں؟ آپ کے بدر و حنین کے بدلے لیے جا رہے ہیں۔ پھر میں نے ایسا درد نہ کر یہ کیا کہ جو لوگ میرے ساتھ کھڑے تھے وہ بھی رونے لگے لیکن اس قدر ہجوم تھا کہ کوئی میری طرف متوجہ نہ تھا اور وہ۔۔۔ جشن منا رہے تھے۔

پہل کہتے ہیں کہ سروں کے گزرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ قیدیوں کا قافلہ آیا اور مستورات بے حجاب محملوں پر سوار تھیں۔ کوئی بی بی کہتی: واما حمداہ! کوئی کہتی: واعلیاہ! کوئی بی بی کہتی: واخاہ! کوئی کہتی: واسیداہ! کوئی کہتی ہائے میرے۔۔۔ مظلوم بابا۔

اے رسول اللہؐ! آپ کی بیٹیوں کو یہود اور نصاریٰ کے قیدیوں کی طرح قید کیا ہوا ہے۔ کوئی بی بی فرماتی: اے نبی! تو سے باہر آ کر ہماری حالت دیکھو، ہمارے سروں پر چادریں نہیں ہیں۔

جب جنابِ اُم کلثومؓ اور جنابِ زینبؓ کبریٰ کا محل گزرا تو میں ان کے محل کے قریب گیا اور محل کے پائے کو پکڑ کر کہا: السلام علیکم یا رسول اہل بیت محمدؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بی بی نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: اے عبدِ خدا تو کون ہے؟ کہ اس شہر میں ہمیں سلام کر رہا ہے۔ یہاں کے لوگ تو ہمیں دشنام کرتے اور گالیاں بکتے ہیں۔

میں نے عرض کیا: بی بی! میں پہل شہر زوری ہوں اور تمہارے نان کا صحابی ہوں۔

جب بی بی کو معلوم ہوا کہ میں ان کے محبوں میں سے ہوں تو فرمایا: اے پہل! تو نے دیکھا ہے کہ اُمت نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا گیا ہے، ہمیں قیدی بنا لیا گیا ہے جیسے کینروں اور غلاموں کو قیدی کیا جاتا ہے اور ہمیں بے حجاب محملوں پر سوار کیا گیا ہے۔

میں نے عرض کیا: بی بی! اس موقع پر کوئی حکم ہے تو اطاعت کروں؟

بی بی نے فرمایا: اس محل کھینچنے والے سے کہہ دو کہ ہمارے محلوں کو پیچھے رکھے اور شہداء کے سروں کو آگے آگے لے جائیں تاکہ لوگ سروں کا تماشا دیکھیں اور ہم پر نظریں نہ ڈالیں۔

میں نے امام حسینؑ کے نیزہ دار سے گزارش کی کہ سروں کو آگے لے جائے تو اس نے میری بات نہ مانی اور مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ ایک نصرانی نے جب امام حسینؑ کے سر سے یہ آیت سنی تو مسلمان ہو گیا وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ○

اس تازہ مسلمان کے پاس تلوار تھی، وہ شامیوں پر حملہ آور ہوا اور گریہ زاری کرتے ہوئے چند ملائین کو واصلِ جہنم اور کچھ کو زخمی کیا۔ وہ کہتا تھا: خالو! کیا بکھرا اجر رسالت ہے۔ یزیدیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اُونٹوں کے نیچے روند کر اسے قتل کر دیا۔ شامی اسے قتل کر کے خوش ہو رہے تھے کہ اُم کلثومؑ نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟

عرض کیا گیا کہ ایک نصرانی آپؑ کی حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اُس نے کلمہ شہادت پڑھ کر شامیوں پر حملہ کر دیا اور خود بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ اس پر بی بی زینبؑ نے رو کر کہا: نصرانی تو دین اسلام کی حمایت کرتے ہیں اور اُمت محمدؐ اولاد پیغمبرؐ کو قتل کرتے ہیں اور اُن کے عیال کو قید کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: یا رسول اللہ! نصرانی ہماری اس حالت کو برداشت نہ کر سکا اور ہماری حمایت میں شہید ہو گیا۔ ہم آپؐ کی بیٹیاں ہیں جو بے چادر ہیں، بچیاں یتیم ہو گئی ہیں۔ عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں اور سب ماتم کناں ہیں۔ جب کہ کوئی ہمارا مددگار نہیں، کاش آپؐ ہماری اس حالت کو دیکھتے۔

وَرُوْدِ شام کے وقت اسراء کی ترتیب

طوق ہاتھوں سے سنبھالے جو پسر روتا ہے

پیار سے حضرت شہید کا سر روتا ہے

مقل ابو جحش میں ہے کہ شہداء کے سروں کو خیزران کے دروازے سے داخل کیا گیا۔ سہل کہتے ہیں کہ میں خود دیکھ رہا تھا کہ نالوے پر چم وار و شہر ہوئے۔ پھر شہداء کے سراور بعد میں اسراء و کیے گئے۔ سروں میں سے امام حسینؑ کے سر کو بلند نیزے پر سوار کیا ہوا تھا اور وہ نیزہ خولی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بلند آواز سے کہتا تھا: اَنَا صَاحِبُ الرُّمَحِ الطَّوِيلِ اَنَا صَاحِبُ الْمَجْدِ الْاَصِيلِ کہ میں وہ شخص ہوں جس نے یزید کے دشمنوں کو قتل کیا اور ان کو خاک و خون میں غلطان کر دیا۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: اے دشمن خدا! اس ہستی کے قتل کرنے پر فخر کرتا ہے

جس کے گہوارے کو جبرئیل جھلاتے تھے جسے میکائیل لوریاں دیتے اور جس کے لیے اسرائیل بستر بچھاتے، جس کا نام مَدِیْنَتِہ الہی پر مکتوب ہے جس کے تادم مصطفیٰ ہیں، ماں فاطمہ زہراء ہیں اور جس کے باپ مشرکین کے قاتل علی بن ابی طالب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

خولی نے کہا: اے اُم کلثوم! بے شک آپ ایک شجاع کی بیٹی اور خود بھی بہادر ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ میں نے جوانوں کے سر شمار کیے تو وہ اٹھارہ سر تھے۔ پہلے امام حسینؑ کا سر تھا ان کے بعد حضرت عباسؑ کا سر تھا، ان کے بعد حضرت عباسؑ کا سر تھا اور ان کا نیزہ قشعم بھی نے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اسی طرح ترتیب وار سروں کو لے رہے تھے اور آگے لے جا رہے تھے۔ جناب سہل کہتے ہیں کہ ان سروں کے بعد اُسرائیل اہل بیت لائے گئے۔ ان قیدیوں میں سب سے پہلے امام سجاد علیہ السلام تھے جو تھکے ماندے، بغیر پالان کے اُونٹ پر سوار تھے۔ ان کے پیچھے ایک مخدرہ بی بی نبیہؑ پر سوار تھیں جو یہ کہہ کر ماتم کر رہی تھیں:

وَاِبْتَاۗءَ وَاُمَحْسِنَاۗءَ وَاَعْلِيَاۗءَ وَاَحْسَنَاۗءَ وَاَحْسِنَاۗءَ وَاَعْبَاۗءَ وَاَحْمَرَاۗءَ

اور اپنی غربت اور حالت پر گریہ کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا تو اچانک مجھے جھڑک کر فرمایا: کیا تمہیں حیا نہیں آتی۔ حرم پیغمبر کو بار بار نظریں اٹھا کر دیکھ رہا ہے۔

میں نے عرض کیا: اے محترمہ خاتون! میری آنکھیں اندھی ہو جائیں اگر میری نگاہیں مٹھکوک ہوں۔

بی بی نے فرمایا: تو کون ہے؟

میں نے عرض کیا کہ میں سہل بن سعد فھر زوری ہوں اور آپ کے محبوب اور غلاموں میں سے ہوں۔ پھر میں نے امام سجاد علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپ کے موالیوں اور شیعوں میں سے ہوں، کاش میں بھی کربلا میں ہوتا اور جان قربان نہ کر لیتا۔ پس اگر اب کوئی حکم صادر فرمائیں تو اطاعت کے لیے موجود ہوں۔

امام نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی درہم و دینار ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں ہزار درہم موجود ہیں۔

حضرت نے فرمایا: ان درہموں میں سے کچھ رقم سر اٹھانے والے کو دو اور اس سے گزارش کرو کہ سروں کو محملوں سے لے جائے تاکہ نامحرم لوگ مستورات کا اس قدر زیادہ تماشا نہ کر سکیں۔

میں نے عرض کیا: بسم اللہ اور فوراً اس سر بردار کے پاس گیا اور اسے کچھ درہم دے کر گزارش کی کہ سروں کو محمل سے دور لے جاتا کہ تماشا ئی ان سروں کو دیکھیں۔ اس نے قبول کیا اور سروں کو ذرا آگے لے گیا۔ میں واپس امام سجاد علیہ السلام کے پاس آیا۔ امام نے مجھے دعا دی اور ایک دھکی مین کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ کاش میں مرجاتا اور میں اسے نہ دیکھتا اور یہ مجھے

اس حالت میں قیدی نہ دیکھتا۔

بوڑھے شامی کی توبہ

شام کا ایک بوڑھا اور بزرگ معزز امام سجاد علیہ السلام کے اوٹ کے پاس آیا اور بلند آواز سے کہا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی قَتَلَکُمْ وَاَهْلَکُمْ وَقَطَعَ قَرْنَ الْفِتْنَةِ

”کہ حمد کہ اس خدا کی جس نے تمہیں قتل اور ہلاک کیا اور فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔“

جس سے دنیا کو شکہ محسوس ہو اور پھر جس قدر گالیاں بک سکتی تھیں اور کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب وہ بولتے بولتے

تھک گیا اور چپ ہو گیا تو امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اے شیخ بزرگوار! جو کچھ تم نے کہا وہ میں نے سنا ہے، تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے اور اب ذرا خاموش ہو کر

میرے دو لفظ غور سے سننا۔

شیخ نے کہا: تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔

امام نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہو؟

شیخ بولا: ہاں! روزانہ قرأت کرتا ہوں۔

امام نے فرمایا: کیا تو یہ آیت قرآن میں پڑھی قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی؟

شیخ نے جواب دیا: ہاں یہ آیت پڑھتا رہتا ہوں۔

امام نے فرمایا: یہ تو نے اس آیت کی تلاوت بھی کی ہے؟ وَاَتٰ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہُ

شیخ نے کہا: ہاں یہ آیت بھی پڑھتا رہتا ہوں۔

امام نے کہا: کیا تو نے یہ آیت بھی پڑھی ہے؟

وَ اَعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسُہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

شیخ بولا: ہاں یہ آیت بھی پڑھتا رہتا ہوں۔

امام نے کہا: کیا اس آیت کو بھی قرآن میں پڑھتے رہتے ہو؟

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِيُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطْہِرَکُمْ تَطْہِیْرًا ۝

شیخ نے جواب دیا: ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے لیکن ان آیات کا آپ سے کیا رابطہ ہے کیونکہ یہ تمام آیات اولاد رسول

کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور عترتِ زہراءؑ کے لیے اُتری۔

امامؑ نے رو کر فرمایا: واللہ وہ اولادِ رسولؐ اور عترتِ زہراءؑ بتولِ ہم ہیں۔

شیخؑ کو جب معلوم ہوا کہ یہ خارجی تو نہیں بلکہ ذریتِ پیغمبرؐ ہیں اور جو شخص مجھ سے بات کر رہے ہیں وہ ان کے امامؑ ہیں تو اُس نے سر جھکایا اور بہت رویا، پھر لٹھے بعد عرض کیا: بِاللّٰہِ اَنْتُمْ هُمْ؟ آپؑ کو خدا کی قسم! کیا آپؑ پیغمبرؐ کے بیٹے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ہم ہی اولادِ پیغمبرؐ و فاطمہؑ ہیں، ہم اہل بیتؑ ہیں۔

شیخؑ نے کہا: میں قربان جاؤں مجھے معاف کر دو، میں آپؑ کو نہ جانتا تھا، لہذا گالیاں بکتا رہا اب مجھے معاف کر دو اور پھر اس شیخؑ بزرگ معزز شامی سے تین بار کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْكَ

اے میرے اللہ! میں نے توبہ کی اور آلِ محمدؐ کے دشمنوں پر تہرا کرتا ہوں۔ پھر اپنا عمامہ سر سے اُتارا اور زمین پر پیچھا اور بروایتِ محدثینِ اہل بیتؑ خود کو امامِ سجاد علیہ السلام کے اُونٹ کے نیچے گرادیا اور خاک سر میں ملائی اور بار بار رو کر توبہ کی سینے کو دھرتا رہا۔

امامؑ نے فرمایا: اے بزرگوار! تمہاری توبہ قبول ہے۔ اب زمین سے اپنا سر اٹھاؤ۔

شیخؑ نے کہا: اگر میری توبہ قبول ہے تو آپؑ کے اُونٹ کے پاؤں کے پاس موت آجائے اور اسی اثناء میں ایک فریادؑ اور روح بدن سے جدا ہوگئی۔ البتہ لبوف میں ہے کہ جب یزید کے سپاہیوں نے اس شیخؑ کے توبہ کرنے کی خبر یزید کو پہنچائی تو اس نے حکم دیا کہ اس شیخؑ کو قتل کر دو اور وہ شہید ہو گیا۔

خربلہ زندان میں درودِ اہل بیتؑ

سر برہنہ اور علیؑ کی بیٹیاں مانگ اُجڑی اور خالی گودیاں
خاک سر پر زرد چہرے دل تپاں کس کو دکھلاتی وہ دردوں کے نشاں
یہ بھی ظلم ناروا دیکھا گیا
قید خانہ اور آلِ مصطفیٰؐ

جب اہل بیتؑ کو شام میں پہنچایا گیا اور ان ذواتِ محرمات کو دلخراش مناظر میں لاکھوں تماشاخیوں کے سامنے لایا گیا

تو کیمینوں اور اوباشوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ سر اور اُسر ام بازار میں چل نہ سکتے تھے۔

صاحبِ روضۃ الشہداء معین الدین لکھتے ہیں: ابن زیاد کے لشکر کی کوشش تھی کہ اہل بیتؑ کو دروازہٴ ساعات سے وارد کریں لیکن ہجوم مانع تھا اور کوشش کے باوجود یہ ناممکن ہو گیا لہذا مجبوراً ان کو دوسرے دروازے سے داخل کیا گیا اور یہ عین زوالِ فہمِ ظہر کا وقت تھا کہ جب اہل بیتؑ کو شہر کی مسجد جامع میں پہنچایا گیا اور یہاں سے یزید کے دارالامارہ کی طرف لے جایا گیا۔ (یہ مسجد اور یزید کا تخت ملحق ہیں)۔

مرحوم طبری نے لکھا ہے کہ اہل بیتؑ کو دارالامارہ کے دروازہ پر تین گھنٹے روکے رکھا گیا اور اسی وجہ سے اس دروازے کو باب الساعات کہا جاتا ہے (کیونکہ یہاں کئی ساعات (گھنٹے) اہل بیتؑ کو انتظار میں رکنا پڑا)۔

اسی طرح بعض اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اُسی دن اہل بیتؑ کو دربارِ یزید میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ ایک پرانے خراب شدہ مکان میں زندانیوں کے طور پر رکھا گیا اور دوسرے دن اُن وجوداتِ محرمات کو یزید کی بارگاہِ نحوست میں پیش کیا گیا۔
مرحوم علامہ مجلسی نے لکھا ہے: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اہل بیتؑ کو امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ شام لے گئے تو ان کو ایک خرابہ میں رکھا گیا۔ یہ ایسا گھر تھا جس کی چھت گرنے کے قریب تھی اور اُسر ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ہمیں اس لیے اس ویران گھر میں ٹھہرایا ہے کہ مکان کی چھت اور دیواریں ہمارے اوپر گر پڑیں اور جو سپاہی اس زندانِ نما پرانے گھر میں آمدورفت رکھتے وہ بھی آپس میں کہتے کہ یہ قیدی اس کی چھت سے ڈرتے ہیں کہ شاید ہمارے اوپر گر جائے اور ان کو یہ خبر نہیں کہ کل جب یزید کی پیشی ہوگی تو وہ ان کے قتل کرنے کا حکم جاری کر دے گا۔

یہ رات اہل بیتؑ نے خوف و ہراس میں گزاری اور جو ان کی کیفیت تھی اسے سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس رات اہل بیتؑ پر کیا گزری؟

(از مترجم: میں نے ایک روایت پڑھی ہے کہ یہ گھر حشرات الارض کا مرکز تھا البتہ حشرات الارض اکٹھے ہوئے اور گر یہ کیا اور کہا کہ ہم ان ہستیوں کو تکلیف نہ دیں گے)۔

اہل بیتؑ کی یزید کے دربار میں پیشی

خیر کا ہر بول بالا کر دیا

قید ہو کر شر کو سُوا کر دیا

جب اہل بیتؑ شام میں وارد ہوئے تو ان کو ایک خرابہ نما ویران مکان میں ٹھہرایا گیا۔ دوسرے دن یزید نے پہلا حکم یہ

دیا کہ میرے دربار کو آراستہ و پیراستہ کیا جائے، رنگ رنگ کے پردے لٹکائے جائیں، قیمتی قالین بچھائے جائیں، سات رتے جواہرات سے جڑا تخت صدر بارگاہ میں رکھا جائے اور تخت کے ارد گرد سنہری کرسیاں لٹکائی جائیں۔ کشمیری شالیں ان کرسیوں پر ڈالی گئیں اور دربار سے اس کے گھر کو کھٹنے والے دروازے کو کھول دیا گیا اور اس دروازے پر باریک و لطیف سلطانی پردے لٹکائے گئے تاکہ گھر والے یعنی ابوسفیان کے خاندان کی عورتیں پس پردہ سے دربار اور قیدیوں کی آمد کے منظر کو دیکھ سکیں۔

پھر خود یزید نے نفیس ترین ریشمی لباس پہنا، قیمتی بادشاہی زیورات سے ایسے آراستہ ہوا، رنگ رنگ کے جواہرات سے مرصع تاج سر پر رکھا اور قیمتی تخت پر براجمان ہوا۔ اس کے حکم کے مطابق شراب کی تمام انواع و اقسام کے جام ترتیب سے رکھے گئے تھے۔ شطرنج، قمار کے آلات، حاضر کیے گئے تھے اور روم کے سفر اور مغرب کے فرنگی ایلچیوں کو ترتیب سے کرسیوں پر بٹھایا گیا۔ پھر شام کے اکابر، حکومتی وزراء، بڑی شخصیات اور حکومتی افراد کو تخت کے چاروں طرف کرسیوں پر بٹھایا گیا۔ بجائے والوں کو بلایا گیا اور ہر مثنیٰ اپنے غنا سے مجمع کو مسحور کر رہا تھا۔ ان تمام انتظامات کے مکمل ہونے کے بعد حکم دیا گیا۔ اب قیدیوں کو دربار میں پیش کیا جائے۔

پس نوکر اور غلام خرابہ زندان کے پاس آئے تاکہ اہل بیت کو دربار میں لے جائیں تو تمام قیدیوں، عورتوں اور بچوں میں گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں، ان کا گریہ آسمان تک پہنچ رہا تھا۔ انہیں مجبور کر کے ایک زنجیر اور لمبی رسی میں باندھ کر دربار کی طرف کھینچا گیا۔ تمام قیدیوں کو گوسفندوں کی طرح ایک رسی سے باندھا ہوا تھا۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسی کا ایک سرا میری گردن میں تھا اور دوسرا سراجناب زینبؑ کبریٰ پھونچنے کے بازو میں بندھا ہوا تھا۔ جب چلنے میں دقت ہوتی تو ظالم نیزوں اور تازیانوں سے مارتے کیونکہ قیدیوں میں بہت چھوٹی چھوٹی بچیاں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ بلند قامت مستورات بچوں کو اٹھانے کے لیے زکمتیں تو ظالم انہیں نیزے اور تازیانے مارتے اور بیبیوں کی نالہ و زاری کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ جب مخدرات عصمت جلدی سے چلتیں تو بچے ایک دوسرے پر گر جاتے یا زمین پر گر جاتے تو اس وقت یہ ملعون تازیانے مار مار کر بچوں کو زمین سے اٹھاتے۔ اس جاں سوز اور دل خراش حالت سے اہل بیت پیغمبرؐ کو یزید ملعون کے دربار میں لے جایا گیا۔

شہداء کے سروں کو قیدیوں کے آگے آگے دربار میں پیش کیا گیا اور پھر قیدی داخل ہوئے۔ شامی اوباش، کینے لوگوں نے قیدیوں کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ تالیاں بجاتے، ناچتے تھے، آوازیں کتے اور گالیاں بکتے تھے۔ شامی عورتیں اپنے مکانوں پر چھتوں پر بیٹھ کر پتھر اور انٹیں قیدیوں کو مارتی تھیں۔ نیز خاک اور خاکستر قیدیوں پر ڈالتی تھیں۔

جناب زینبؑ کبریٰ نے اس مجمع کے درمیان سے بھائی کو مخاطب کیا اور فرمایا:

یَا اَخِیْ اَیْنَ صَبْرِیْ وَمُهْجَتِیْ قَدْ اُذِیْبَتْ بِصُصَابٍ عَلَی الْجَلِیْلِ جَلِیْلِ
 ”اے بھائی! میرے مصائب پر تو بڑے بڑے صابروں کے صبر پکمل گئے ہیں۔“

قال ابی مخنف: ثُمَّ اَقْبَلُوا بِالرَّاسِ اِلَیْ بَابِ یَزِیْدٍ فَوَقَفُوا قُلُلًا سَاعَاتٍ یَطْلُبُوْنَ
 الْاُذْنَ مِنْ یَزِیْدٍ فَلَاجَلَ ذَلِكَ سُمِّیَ بَابُ السَّاعَاتِ

”یعنی قیدیوں کو سروں کے ساتھ لایا گیا اور وہ تین گھنٹے کے رہے اور یزید سے داخلہ کی اجازت
 طلب کی جاتی رہی اس لیے اُس کو باب الساعات کہتے ہیں۔ اہل بیت کو باب الساعات پر تین
 گھنٹے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی یزید کے مہمان نہ آئے تھے اور توقف کا وقت اہل بیت پر بہت
 گراں گزرا۔“

سہل کہتا ہے کہ جب قیدیوں کو دارالامارہ کے دروازے پر روکا ہوا تھا تو یزید کے گھر کے نزدیک مکان کی چھت پر بیٹھی
 پانچ عورتیں دیکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں میں ایک بوڑھی ایسی تھی جس کی عمر اسی سال تھی۔ اُس کی کمر جھک چکی تھی۔ اس نے
 جب دیکھا کہ امام کے سر پر نور والا نیزہ اس کے کمرے کے برابر ہے۔ فَوَثَبَتْ وَاحْذَاتِ حَجْرًا فَضَرَبَتْ بِهٖ رَاسَ
 الْحُسَیْنِ تُو اس کو جوش آیا اور ایک پتھر اٹھایا اور زور سے امام حسینؑ کے سر کو مارا تو پتھر سر پر لگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ
 پتھر امام کے دماغ مبارک کو شہید کر گیا۔

سہل کہتے ہیں: امام زین العابدینؑ یہ معصیت برداشت نہ کر سکے، لہذا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور خدا کے سامنے
 عرض کیا: اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ بِهَلَاكِهَا وَهَلَاكِ مَنْ مَعَهَا ”میرے اللہ! اس بوڑھی کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہلاک کر دے۔“
 ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کمرہ کی چھت گری جس پر یہ بوڑھی باقی چار عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھی، یوں یہ پانچوں
 عورتیں واصل جہنم ہو گئیں۔

روایت میں ہے کہ جب قیدی دارالامارہ کے دروازے پر پہنچے تو تمام لوگوں نے تکبیر کی صدا بلند کی۔ یزید نے سنا تو
 پوچھا کیا خبر ہے؟ کہا گیا کہ سر حسینؑ کو دروازے پر لائے ہیں۔ وہ ملعون ہٹا اور مسکرا کر کہا: کیا بہترین انتقام لیا ہے، اپنے
 آباء و اجداد کا کہ ان آباء کے سروں کے بدلے فرزندِ پیغمبرؐ کا سر جدا کر لیا ہے۔

صاحبِ منتخب لکھتے ہیں: جب قیدی سروں کے ساتھ دارالامارہ میں داخل ہوئے اور مروان بن حکم کی نگاہ پڑی تو بہت
 خوشی اور سرور کا اظہار کیا۔ وہ وجد کے حال میں ناچتے ہوئے تکبیر سے اپنے اطراف میں دیکھتا اور گالیاں بکتا جا رہا تھا۔ لیکن
 اس مروان ملعون کا بھائی ایک نیک شخص اور اہل بیت کا محب تھا اور ان کا نام عبدالرحمن تھا، جب وہ دربار میں آیا اور اس کی

نگاہ امام حسینؑ کے بریدہ سر پر پڑی تو زار و قطار روتے ہوئے ماتم کرتا رہا اور درباریوں سے کہنے لگا: اے خالمو! کیا تمہیں پیغمبرؐ کے سامنے نہیں جانا ہے؟ جب جاؤ گے تو وہ تمہارے گریبان سے پکڑیں گے اور بدلہ لیں گے۔ پس مجھے خدا کی قسم! اب میں اس شہر میں آؤں گا اور نہ یزید ملعون کو دیکھوں گا۔

یزید نے امام حسینؑ کا سر طلب کیا تو غلاموں نے نیزہ سے اُتار کر اسے سنہری طشت میں رکھا اور یزید کے سامنے تخت پر رکھ دیا۔ اسی طرح دوسرے سر بھی طبق میں رکھ کر یزید کے سامنے رکھ دیے گئے۔

سہل کہتا ہے کہ میں بھی ان کی جماعت میں داخل ہو گیا کہ دیکھوں سر امام حسینؑ پر کیا مصیبت آنے والی ہے؟ سر سامنے رکھا تھا جس پر ریشمی کپڑا ڈال رکھا تھا۔ اور بعض اہل تاریخ نے تو لکھا ہے کہ جب یزید نے امام حسینؑ کا سر بانگا تو انہوں نے سر مطہر کو غسل دیا۔ بَعْدَ اَنْ غَسَلُوْهُ وَ سَرَّحُوْا لِحَیَّتِیْنِہُ ”اور ریش مبارک میں کنگھی کی اور سنہری طشت میں رکھ کر اوپر ریشمی رومال ڈالا، پھر یزید کے سامنے تخت پر رکھ دیا۔ اور باقی امراء نے کوفہ نے بھی اپنے پاس موجود سردوں کو یزید کے پاس رکھ دیا اور یزید نے امراء کوفہ سے واقعہ کربلا کی تفصیلات سنیں۔

بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ بولنے والا زجر بن قیس تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ متکلم شمر ذی الجوشن تھا اور حق یہ ہے کہ پہلے زجر ملعون نے کلام کیا کیونکہ وہ فصیح و بلیغ مخض تھا۔

کامل السقیہ میں ہے کہ یزید پلید نے ایک ایک سر کے بارے میں پوچھنا شروع کیا کہ یہ کس کا سر ہے؟ اور یہ کس کا سر ہے؟ وہ ملعون جواب دیتے کہ یہ سرفلاں بن فلاں کا ہے۔ تام و اسم سے تعارف کراتے تھے۔ پھر یزید نے اپنا منہ امام حسینؑ کے سر کی طرف کیا اور سر سے مخاطب ہو کر کہا: ہم نے عزیز اور عظیم لوگوں کے سر جدا کیے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمارے اوپر بہت بڑے ظلم کیے تھے۔

مروان ملعون کا بھائی اس مجمع میں تھا۔ اس نے یزید کی سرزنش کی تو یزید نے اسے خاموش کر دیا، پس وہ غائب ہو گیا۔

یزید کی سید الشہداءؑ کے سر مطہر سے جسارت

مرحوم ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ علیہ السلام کا سر سنہری طشت میں رکھ کر یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو یزید ملعون کا امام حسینؑ سے خطاب میں پہلا جملہ یہ تھا: کَیْفَ رَأَیْتَ الضُّرْبَ یَا حُسَیْنِ؟ ”اے حسینؑ! میرے ہاتھ کی ضرب کو کیسا پایا؟“

پھر درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: یہ شخص جب تک زندہ تھا مجھ پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ

سے افضل ہے حالانکہ اس کے باپ نے میرے باپ سے سلطنت اور خلافت کے لیے دشمنی کی اور جنگ کی اور خدا نے میرے باپ کو اس کے باپ پر فتح و نصرت عطا فرمائی۔

یہ کہتا تھا کہ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں۔ یہ درست اور سچ ہے، مجھے اپنی جان کی قسم! جناب فاطمہ زہراءؑ میری ماں سے افضل تھیں اور یہ کہتا تھا کہ میرے جد یزید کے جد سے افضل ہیں تو جو شخص بھی خدا اور روز جزا ایمان رکھتا ہے وہ رسول پاک کو تمام کائنات سے بہتر سمجھتا ہے اور یہ کہتا تھا کہ میں خود یزید سے افضل ہوں تو یہ درست نہیں کیونکہ قرآن کی آیت ہے کہ:

قُلْ اَللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ..... الخ

صاحب ریاض الاحزان علامہ قزوینی لکھتے ہیں: اس آیت سے یزید استدلال کر کے چاہتا تھا کہ لوگوں کو سمجھائے کہ یہ خلافت من جانب اللہ ہے اور یہی استدلال یزید کے کمال جہالت اور تالافتی کی دلیل ہے کیونکہ یزید اور اس کے باپ معاویہ نے خلافت قاصبانہ طور پر حاصل کی ہے، لہذا یہ کبھی خلافت من جانب اللہ نہیں ہو سکتی، بلکہ ان دونوں کی خلافت تو نمود، شداد، بخت و نصیب وغیرہ کی طرح تھی۔

ایک دن معاویہ نے اس آیت سے اپنی خلافت کو حق ثابت کرنے کے لیے استدلال کیا تھا تو امام حسنؑ نے فرمایا:

اَلْخِلَافَةُ لِمَنْ عَمِلَ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّتِهِ نَبِیِّهِ لَیْسَتْ الْخِلَافَةُ لِمَنْ خَالَفَ کِتَابَ
وَعَطَّلَ السَّنَةَ

”کہ خلافت اس کی ہے جو کتاب اور سنت پر عمل کرے۔ اور جو شخص کتاب اور سنت کے مخالف عمل کرے تو وہ خلافت اس کی کبھی نہیں ہو سکتی۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس باب میں مثال دیتے ہیں اگر کوئی لباس پہنے ہو اور دوسرا شخص اس کے لباس کو اتار دے اور غصب کرے تو لباس غصب کر کے پہننے سے وہ قاصب صاحب لباس نہیں ہو جاتا۔

اسی چیز کو حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ قصصیہ میں بیان فرمایا ہے:

وَأَمَّا وَاللّٰهُ لَقَدْ تَقَبَّضَهَا فَلَا أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ مَحَلَّی مِنْهَا مَحَلُّ الْقَطْبِ مِنَ الرُّحَى

”خلافت کا گرتا فلاں نے زبردستی لیکن لیا حالانکہ خلافت کے بارے وہ میرے مقام کو جانتا ہے کہ میرا وہ مقام ہے جیسے بجلی کے قطب کا مقام ہوتا ہے (خلافت کو غصب کرنے سے کوئی اہل خلافت نہیں ہو جاتا)۔“

صاحبِ تبرِ مذاب لکھتے ہیں: تاریخ میں عین القضاء سے منقول ہے: جب سید الشہداءؑ کے سر کو یزید کے سامنے رکھا گیا۔ کَانَ یَزِیدٌ قَضِیْبٌ فَکَشَفَ عَنْ شَفِیْتِهِ وَثَنَایَا وَنَکْثَہُمَا بِالْقَضِیْبِ

تو یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اس نے چھڑی سے امامؑ کے لیوں اور دانتوں سے رومال ہٹایا اور پھر قرآن پڑھنے والے لیوں اور دانتوں پر چھڑی بھی مارتا تھا اور یہ شعر بھی پڑھتا تھا: کاش آج میرے بدر (میں مارے جانے) والے بزرگ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے کیسے آلِ محمدؐ سے بدلہ لیا ہے۔ اس کی اولاد کے سر کاٹ کر اور ان کو قید کر کے سارے شہروں میں پھرایا اور میں نے اپنے باطنی کفر کا اظہار کر دیا ہے۔

کچھ شامی لوگ یزید کے یہ کفریہ کلمات سن رہے تھے تو ان کے چہروں کا رنگ بدلا اور انہوں نے کہا: تو خود کو اسلامی بادشاہ کہتا ہے اور کفر بلکتا ہے۔ اُن لوگوں پر یہ گراں گزرا کہ امام حسینؑ کے سر کی توہین کرنا رہا، جب یزید نے ان بعض متذکر لوگوں کے چہروں کے تغیر کو دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا اور کہا: اے لوگو! کیا تم جانتے ہو یہ کس کا سر ہے؟

یہ حسین بن علیؑ کا سر ہے۔ یہ انکار کرتے تھے کہ میرے جد، باپ اور ماں یزید کے جد، باپ اور ماں سے بہت بہتر ہیں۔ میں خود بھی یزید سے بہتر اور افضل ہوں کیونکہ رسولِ خداؐ نے مجھے خود اپنے زانوؤں پر بٹھایا اور میرے بارے میں فرمایا ہے: حسینؑ میرے باغ کی خوشبو ہیں، جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، میری اولاد کے بارے میں پیغمبرؐ نے دعا فرمائی، لہذا میں یزید سے افضل اور اولیٰ بخلافت ہوں۔

لیکن حسینؑ کو یہ آیت بھول گئی کہ قُلْ اَللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُعْطِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ اللہ جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے۔

تو اللہؑ نے مجھے مقام دیا کہ حکومت دی ہے، لہذا میں حسینؑ سے افضل ہوں کیونکہ اللہؑ نے مجھے اس انعامِ مملکت کے قابل سمجھا۔ پس اس دلیل سے شامی سر تسلیم خم کر گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ یہی سچ ہے جو یہ کہہ رہا ہے حالانکہ اس آیت کی تاویل یہ نہیں ہے۔

مرحوم سید طاووس لہوف میں لکھتے ہیں: جب یزید کے سامنے امام حسینؑ کا سر رکھا تھا تو وہ چھڑی سے حضرت امامؑ کے پاک دانتوں پر مارتا رہا اور کہتا تھا: یَوْمَ بَیْوَمَ بَدْرٍ یعنی آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ پورا ہو گیا۔

بعض روایات میں تو یہ ہے کہ دانتوں سے چھڑی کے ساتھ کھیل رہا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ چھڑی مار رہا تھا جیسا کہ حضرت کی زیارت کا ایک جملہ ہے: اَلْسَلَامُ عَلَی الشَّعْرِ الْمَقْرُوعِ بِالْقَضِیْبِ قرع بمعنی کوٹنے کے ہے یعنی سلام ہو ان دانتوں پر جو چھڑی سے کوٹے جاتے رہے (یعنی جن پر چھڑی ماری جاتی رہی)۔

کامل السقیفہ میں ہے کہ اِنَّ الَّذِیْ جَاءَ بِالطَّلُشِ كَانَ غَشَاةً بِغَشَاوَةٍ فَوَضَعَهُ بَیْنَ یَدَیْ یَزِیدِ اِیکَ بِدَحْثِ
نے حضرت کے سر کو طشت میں رکھا اور سر مبارک پر کپڑا ڈالا اور یزید کے سامنے رکھ دیا۔ كَانَ بَیْدَ یَزِیدِ قَنِیْبِ مَحَلِّیْ
طَرَفَاہِ بِالذَّهَبِ تو یزید کے ہاتھ میں ایسی چھڑی تھی جس کے دونوں سروں پر سونے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ فَکَشَفَ
بِالقَنِیْبِ عَنِ الطَّلُشِ وَرَفَعَ الغَشَاوَةَ اُس نے اسی چھڑی سے طلائی طشت پر سے پردے کو ہٹایا اور امام کے بریدہ سر
پر نظر پڑی تو اس کے سینے میں اُھس و حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فَجَعَلَ یَدْفِی ثَنَائِہِ اُس ملعون نے امام کے دانتوں پر
طلائی چھڑی سے ضربیں مارنا شروع کر دیں۔

ابو جحیف اپنے مقتل میں قرع، دق کے لفظوں کے بجائے ان سے بڑا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں:
فَجَعَلَ یَزِیدُ یَنْکُثُ ثَنَائِہِ الحُسَیْنِ ”کہ یزید اپنی چھڑی سے امام کے دند ان مبارک کو توڑ رہا تھا۔“
اسی طرح صاحب زبدۃ الریاض لکھتے ہیں: فَضْرَبَ بِہَا ثَنَائِہِ الحُسَیْنِ حَتّٰی کَسَرَتْ ”جب یزید کے سامنے
امام کا سر رکھا گیا تو اپنی چھڑی سے امام کے دانتوں پر ایسی ضربیں ماریں کہ دانت ٹوٹ گئے۔“

سمرہ بن جندب صحابی رسول خدا دربار میں تھے، انھوں نے یہ کیفیت دیکھی تو اُٹھے اور فریاد کر کے کہا:
یَا یَزِیدُ قَطَعْتَ اللّٰہَ یَدَکَ تَضْرِبُ ثَنَائِہِ ظَالِمًا رَّأٰیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقْبَلُہَا وَیَلْعَمُ مَا بَیْنَ شَفَتَیْہِ
”اے یزید! خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے، جن لیوں پر تو چھڑیاں مار رہا ہے میں نے کئی مرتبہ
رسول پاک کو دیکھا کہ ان لیوں اور دانتوں کو بوسے دیتے اور چانتے تھے۔“

یزید نے حکم دیا کہ سمرہ بن جندب کو دربار سے نکال دیا جائے اور کہا کہ میں تیری صحابیت کا احترام کرتا ہوں ورنہ تیری
گردن ابھی کاٹ دیتا۔

سمرہ نے جواب دیا: اے ولد الزنا! میری صحابیت کا لحاظ رکھتے ہو تو کیا حسین فرزندِ غیر نہیں؟ ان کی قربت کا لحاظ
کیوں نہیں رکھتے۔

علامہ قزوینی ریاض الاہزان میں لکھتے ہیں: وندان توڑنے والی روایت ضعیف و تحیف ہے اور مرحوم مفید نے الفاظ
قرع، اٹکھ اور دق سے کوئی بھی روایت نہیں کی (البتہ دانتوں پر چھڑی مارنے کا ذکر تو حضرت زینب کے خطبہ میں بھی موجود ہے۔ معج)

دربار یزید میں امام حسینؑ سے متاثر لوگوں کی سزا

چند شخص ایسے تھے جنہوں نے یزید پلید کے دربار میں امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں زبان کھولی تا کہ یزید ملعون

سرِ مطہر سے جہارت نہ کرے۔

◇ راس الجالوت: ابو جحف اپنے مقتل میں لکھتے ہیں: دربار میں راس الجالوت بھی تھا۔ یہ یہودیوں کے بزرگ۔ احبار (اکابر علماء) سے شمار ہوتا تھا، جب اس نے یزید پلید کی خرافات سنیں اور اس کے قبیح اعمال اور حرکات دیکھیں تو۔۔۔ قوت برداشت ختم ہو گئی اور وہ بول پڑا: اے یزید! میرے سوال کا جواب دو۔

یزید نے کہا: پوچھو جواب دوں گا۔

راس الجالوت نے کہا: تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ یہ سر کس کا ہے اور اس کا گناہ کیا تھا؟

یزید بولا: هذا رأس الحسين بن علي، یہ حسین بن علی کا سر ہے اور اس کی ماں فاطمہ زہراء دختر رسول اللہ۔

راس الجالوت نے کہا: تو نے فرزندِ پیغمبر کو کس جرم و گناہ کی وجہ سے قتل کر دیا؟

یزید بولا: کوفیوں نے اسے خطوط لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی کہ آؤ اور ہم بیعت کرتے ہیں، پس کوفیوں نے دھما۔

اور یہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ کوفہ پہنچا۔ میرے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے اس کا راستہ روکا اور کربلا میں اسے اس۔

احباب سمیت شہید کر دیا اور سر میری طرف بھیج دیئے۔

راس الجالوت نے کہا: اگر دختر رسول کا فرزند موجود ہو تو وہی خلافت کا حق دار ہے۔ تمہارے کام کس قدر عجیب ہیں۔

اے یزید! میرے اور حضرت داؤدؑ کے درمیان ۲۳ پشتوں کا فاصلہ ہے (صاحبِ لبوف نے ستر پشت کا فاصلہ لکھا ہے) اور ابھی تک یہودی میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور میرے قدموں کی خاک کو تبرک سمجھتے ہیں اور اس خاک کو آنکھوں کا سر۔

بناتے ہیں اور بطور تبرک سر و چہرہ پر میرے قدموں کے نشانات کی خاک مٹاتے ہیں۔

وہ میرے حضور کے بغیر شادی نہیں کرتے اور میرے بغیر کسی معاملے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن تم کس قدر بے مروت۔

بد بخت اُمت ہو کہ کل تمہارے پیغمبرؐ نے وصال کیا اور آج تم نے اس کے فرزند کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! تم دنیائے عالمین بدترین اُمت ہو۔

یزید ملعون راس الجالوت کی مذمت سے غضبناک ہوا اور کہنے لگا: اگر پیغمبرؐ کی یہ حدیث نہ ہوتی: مَنْ أَدَّى مُدْعِنًا كُنْتُ خَصْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جس نے غیر مسلم کو تکلیف دی، بروزِ محشر میں اس کا دشمن ہوں گا) تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

راس الجالوت نے کہا: اے یزید! یہ بات اپنے آپ سے کہو، یہ جواب تیرے نقصان میں ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی معاہدہ کرنے والے غیر مسلم کو اذیت دے تو نجی دشمن ہیں اور تو اولادِ رسولؐ کو اذیت دینے والا ہے، پاک رسولؐ تیرے دشمن نہ ہوں گے؟

رأس الجالوت نے امام علیہ السلام کے سر مقدس کو مخاطب کر کے کہا: یا ابا عبد اللہ! اپنے نانا کے پاس گواہی دینا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ جَدَّكَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ”کہ میں وحدانیتِ خدا اور آپ کے جد کی رسالت پر ایمان رکھتا ہوں“

یزید بولا: تو اپنے دین سے خارج اور اسلام کے دین میں داخل ہو گیا اور میں مسلمانوں کا بادشاہ ہوں پس ایسے مسلمان کی، جو دشمن کی حمایت کرے مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ فَقَدْ بَرَّئْنَا مِنْ ذَمِّكَ ”اے جلا! اس ذمی شخص کی گردن اڑا دے، پس جلا دے اس غمزدہ زمانہ کے حکم سے اُس نو مسلم کو شہید کر دیا۔

﴿۲﴾ روایت جاثلیق: ابو جھف لکھتے ہیں: دربارِ یزید میں اس ملعون کی حرکتوں اور ظلم کو دیکھ کر جاثلیق نے اعتراض کیا۔ جب یزید خیز رانی چھڑی سے امام کے دانتوں پر مار رہا تھا تو جاثلیق جو بڑی شان و شوکت سے دربار میں آیا تھا، اٹھا اور یزید کے تخت کے قریب کھڑا ہو گیا، اس کے پاس عصا تھا، جس کی وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ كَانَ شَيْخًا كَبِيرًا وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ سَوْدٌ وَعَلَى رَأْسِهِ بَرَنْسَه یعنی جاثلیق نصرانی بوڑھا تھا اور سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کے سر پر کھلی ٹوپی تھی۔ کچھ دیر تو وہ تختِ یزید کے پاس کھڑا رہا، کبھی بریدہ سر حسینؑ پر نظر کرتا جو روشن مہتاب کی طرح طشتِ طلا میں موجود تھا اور یزید اپنے دیرینہ کینے کی بنا پر چھڑی امام کے دانتوں اور پاک لبوں پر مار رہا تھا۔

جاثلیق نے کہا: اے یزید یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے جواب دیا: ایک خارجی کا سر ہے، جس نے عراق میں ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔

جاثلیق نے کہا: ان کا نام و نسب کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: ان کا نام حسین بن علیؑ ہے۔

جاثلیق نے کہا: ان کی ماں کا نام کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: جنابِ فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ!

جاثلیق نے کہا: تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنے کا سبب کیا ہے؟

یزید نے جواب دیا: اہلِ کوفہ نے انہیں خلیفہ بنانے کا دعویٰ کیا اور ان سے دھوکا کیا اور یہ کوفہ چلے آئے اور ابنِ زیاد

گورنرِ کوفہ نے ان کو قتل کر دیا اور سر مجھے بھیج دیا۔

جاثلیق نے کہا: ان کا قصور کیا تھا، اہلِ عراق نے ان کو دعوت دی اور ان کا کام ہدایت کرنا تھا وہ آئے ہدایت کے لیے

تھے اور تمہارے گورنر نے انہیں قتل کر دیا گویا بے گناہ اور بے قصور قتل کر دیئے گئے۔

اے یزید! اِرْفَعُوْہُ مِنْ یَدِیْکَ وَلَا اَہْلَکَ اللّٰہُ۔ اب بھی اس سر مقدس کو اپنے آگے سے اٹھالے اور اس سر مقدس سے جسارت نہ کر اور چھریاں نہ مارو نہ خدا تجھے ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ میں ابھی اپنے کلیسا میں عبادت کر رہا تھا تو بلند آواز آئی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو ایک خوبصورت چمکتے ہوئے چہرے والی ہستی نیچے اتری اور ان کے ساتھ نورانی صورتوں والے بہت سارے اشخاص تھے۔ میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ہیں اور یہ نورانی لوگ پیغمبر ہیں۔ آدم سے لے کر عیسیٰ روح اللہ تک سب حضرت محمد سے تعزیت کرتے آئے ہیں۔

جاثلیق کی ان باتوں سے یزید غضبناک ہوا اور کہا: وَیْلَکَ جِنَّتٌ تَخْبِرُنِیْ بِاَحْلَآئِکَ، افسوس تجھ پر کہ تو مجھے اپنے خواب سنانے آیا ہے۔ وَاللّٰہِ لَا ضَرِبَیْنِ بِطَنَکَ وَظَہَرَکَ میں تیرے پیٹ اور پشت میں اس قدر ضربیں ماروں گا کہ تو مر جائے گا۔

جاثلیق نے کہا: اے یزید تو بڑا بے حیا ہے میں تو اس لیے آیا ہوں کہ تجھے بتاؤں کہ تو اپنے پیغمبر کے بیٹے پر ظلم نہ کر اور مجھے قتل کرنے کی دھمکی مت دے۔

یزید نے اپنے غلاموں سے کہا: اس بوڑھے کو پکڑ لو۔ غلاموں نے جاثلیق کو گریبان سے پکڑا۔ وَجَعَلُوْا یَضْرِبُوْنَہُ بِالسَّیَاطِیْطِ اور اس بوڑھے کے سر اور صورت میں تازیانے مارنے شروع کر دیے اور اس قدر تازیانے مارے کہ وہ زخمی اور بہت کمزور ہو گیا۔

جاثلیق سر اٹام سے مخاطب ہوا اور کہا: اے ابا عبد اللہ الحسین! اپنے نانا کے نزدیک میری گواہی دینا کہ میں وحدانیت خدا اور رسول کی رسالت اور قیامت کا ایمان و یقین رکھتا ہوں: اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَشْہَدُ اَنْ عَلِیَّ وَلِیُّ اللّٰہِ، اللہ واحد ہے، محمد رسول اللہ علیٰ مومنوں کے امیر ہیں۔

یزید نے جب جاثلیق سے اَشْہَدُ عَلِیَّ امِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کا کلمہ سنا تو غضبناک ہو کر پھر جلادوں سے کہا کہ اس بوڑھے کو اور تازیانے لگاؤ۔ اُسے اسی قدر تازیانے مارے گئے کہ اس کے تمام اعضاء ٹوٹ گئے۔

جاثلیق نے کہا: مجھے اور زیادہ تازیانے مار، خدا کی قسم! میں ابھی رسول خدا کی زیارت کر رہا ہوں جو میرے سامنے کھڑے ہیں، نوری پیرا ہن اور سنہری تاج ہاتھ میں ہے اور فرما رہے ہیں کہ یہ نوری پیرا ہن اور شہری تاج تمہارے لیے ہے۔ آؤ ہمارے پاس اور پیرا ہن و تاج اور بہشت میں میرے ساتھی بن جاؤ، اس لیے کہ تم میرے اہل بیت سے بہت محبت کرتے ہو اور تم نے میرے بیٹے حسین کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ پس ایک لمحہ کے بعد جاثلیق کی روح پر دروازہ کھلی اور وہ شہید

ہو گیا۔

﴿۴﴾ عبدالوہاب سفیر روم : یزید کا دربار مہمانوں، سفیروں، وزیروں اور معززین شام سے مملو تھا، روم کے نمائندے اور انگریز بھی موجود تھے۔ ان معززین اور مدعوین میں ملک روم کے ایک سفیر تھے جو دربار میں موجود تھے۔ جب سرِ مطہر یزید کے سامنے آیا تو اس خالم غدار کے منہ میں جو آیا، بکواس کرتا رہا اور جو چاہتا تھا سرِ مقدس سے کرتا رہا۔ ان تمام حرکات اور افعال کو دیکھ کر وہ دل برداشتہ ہو گیا۔ خصوصاً فَلَمَّا رَأَى النَّصْرَانِي رَأْسَ الْحُسَيْنِ بَنَكِي وَصَاحَ وَنَاحَ، جب سفیر روم کی نگاہ امامؑ کے سرِ مطہر پر پڑی تو وہ زار و قطار رونے لگا بلکہ صیحہ اور نوحہ کرنے لگا۔ وہ امامؑ کی غربت پر اس قدر رویا کہ اس کی ریش آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

یزید نے کہا: اے سفیر روم! اس قسم کی خوشی کی محفل میں تمہارے رونے کی وجہ کیا ہے؟

سفیر روم نے کہا: میں زمانہ پیغمبرؐ میں تجارت کے سلسلے میں مدینہ گیا اور رسولؐ خدا کی خدمت میں تحفہ و ہدایا لے گیا اور یہ تحفے مشک و عطر تھے۔ جب مجھے اندر جانے کی اجازت ملی اور میں نے ان کو دیکھا (فَلَمَّا شَاهَدَتْ جَمَالَهُ اِنْهَادًا عَيْنِي مِنْ لِقَائِهِ نُورًا سَاطِعًا وَتَهَادَنِي مِنْهُ سُرُورًا وَقَدْ تَعَلَّقَ قَلْبِي بِمُحَبَّتِهِ) تو میری نظر ان کے جمال پر پڑی تب میری آنکھوں کا نور زیادہ ہو گیا اور آنکھوں کی بصارت میں اضافہ ہو گیا اور فی الواقع چودھویں کا چاند بھی ان کے رخساروں کی چمک سے روشنی پیدا کرتا تھا اور سورج بھی ان کے جمال کی شمع کے مقابل مقاومت نہ کر سکتا تھا۔ میرے دل میں اس دن سے ان کی محبت اور عشق راسخ ہو گیا ہے۔ سلام کے بعد ہدیہ عطر پیش کیا تو انھوں نے شیریں زبان سے پوچھا: مَا هَذَا؟ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ معمولی ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت میں لایا ہوں اور میری آرزو ہے کہ آپ اسے قبول کریں۔ حضرت نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ عبداللہ شمس۔

فرمایا: اپنا نام تبدیل کر لو اور میں تمہارا نام عبدالوہاب رکھتا ہوں۔ اگر یہ نام قبول ہے تو تمہارا ہدیہ قبول کرتا ہوں ورنہ ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

میں نے ذرا فکر کی تو جانا کہ ان کے حالات اور کردار تو وہی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ بتا کر گئے ہیں، لہذا اسی وقت اسلام قبول کیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت نے مجھ پر بہت مہربانی فرمائی اور میں چند روز مدینہ میں رہا۔ میں روزانہ ان کی زیارت کے لیے جاتا تھا اور ان سے اسلام کے شرائع اور احکام و مسائل سیکھتا رہا۔ مدینہ سے واپس روم گیا تو میرے بخت نے یا کوجھ کی اور میں بادشاہ روم کا وزیر بن گیا۔ میں نے کسی کو اپنے اسلام لانے کی خبر نہ دی۔ اس مدت کے دوران میں مجھے اللہ نے

پانچ بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی۔ اے یزید! اب تیری مجلس میں گریہ و زاری اس لیے کی ہے جن ایام میں میرا مدینہ میں قیام ایک دن میں خدمتِ رسولؐ میں گیا تو (رَأَيْتَ هَذَا الْعَزِيزُ الَّذِي رَأْسُهُ بَيْنَ يَدَيْكَ مُهَيِّنًا حَقِيرًا قَدْ دَخَلَ عَسَى جَذْبًا) دیکھا کہ یہی عزیز جس کا سر تیرے سامنے ہے اور تو پشت میں رکھ کر اس کی توہین کر رہا ہے اور چھڑی مار رہا ہے پیچھے کے پاس آئے اور اس شان و شوکت سے آئے۔ جوں ہی پیغمبرِ اسلام کی نظر اس عزیز کے جمال پر پڑی، ان کو اٹھایا اور فرمایا: اے حسین! خوش آمدید۔ پھر اسی عزیز کو اپنے زانو پر بٹھایا (وَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ يُقَبِّلُ شَفَتَيْهِ وَتَنَائِيًا) اور ان کے لیوں اور دندانِ مبارک کے بوسے لیے۔ نیز فرمایا: بَعْدَ عَنْ رَحْمَةِ اللَّهِ مَنْ قَتَلَكَ وَالْمَنْ عَلَى قَتْلِكَ يَا حُسَيْنِ ”اے میرے نور! وہ شخص رحمتِ خدا سے دُور ہے جو تجھے قتل کرے یا قتل میں معاونت کرے۔“

پھر سفیرِ روم نے یزید کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے یزید! تو نے کس جرأت کے ساتھ اس عزیز کے، جو خدا، رسولؐ، فاطمہؑ، بتوں کے عزیز ہیں، لیوں اور دندانِ مبارک پر چھڑی مار رہا ہے۔ افسوس اور بربادی ہے تیرے اوپر اور تیرے دین پر۔ پھر یہ عبدالوہاب سفیرِ روم دھکی دل اور روتی آنکھوں کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھا اور سرِ مطہرِ امامؑ کے پاس آکر سرِ مبارک کو سینے سے لگایا اور بوسے دینے لگا اور بہت دیر تک چومتا اور روتا بھی رہا۔ اُس نے سرِ مطہر سے مخاطب ہو کر عرض کیا: یا بنِ رسولِ اللہ! گواہ رہنا کہ جو میں نے کہا تھا کہہ دیا اور حجت تمام ہوگئی۔ صاحبِ کابل السقیفہ لکھتے ہیں: یزید نے اس سفیر کو بھی قتل کر دیا۔

دربار میں یزید سے امامِ سجادؑ کی گفتگو

امامِ سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: جب ہمیں دربارِ یزید میں لے گئے تو ہم بارہ مرد تھے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہو۔ زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم خبیثِ یزید کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ میں نے یزید سے کہا: (يَا يَزِيدُ اَنْشَدَكَ بِاَلَانِهٍ مَا ظَنَنْتُكَ بِرَسُولِ اللَّهِ لَوْ رَأَيْنَا عَلَى هَذِهِ الْحَالَةِ) ”اے یزید! تجھے خدا کی قسم! بتاؤ اگر رسول اللہ اس حالت میں ہمیں دیکھیں تو ان کی کیا حالت ہوگی اور تو کیا جواب دے گا؟“

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: یزید کے سر پر دُڑوں سے جڑا ہوا تاج تھا۔ اس کے ارد گرد قریش کے بزرگان بیٹھے ہوئے تھے جو سب اس کے رشتہ دار یعنی بنی اُمیہ سے تھے اور وہ تخت پر بڑے غرور و سرور سے بیٹھا تھا۔ ایک دفعہ نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو پوچھا: مَنْ هَذَا؟ یہ جو ان کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ علی بنِ الحسین ہیں۔

اس ملعون نے سنا ہوا تھا کہ امامِ حسین علیہ السلام کے فرزند علی بنِ الحسین کر بلا میں شہید ہو چکے ہیں لہذا تعجب سے

پوچھا کہ مجھے تو بتایا گیا ہے کہ علی بن الحسینؑ کربلا میں شہید ہو گیا ہے، تم کون ہو؟
 امامؑ نے رد کر فرمایا: اے یزید! میرا ایک بھائی (علیؑ) تھا اسے لوگوں نے قتل کر دیا۔
 یزید نے کہا: تیرے باپ پر تعجب ہے کہ تمام بیٹوں کا نام علی رکھا۔
 امامؑ نے فرمایا: میرے باپ کو اپنے باپ سے بہت محبت تھی، لہذا بیٹوں کے نام علی رکھے۔
 یزید بولا: تمہارے باپ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا لیکن الحمد للہ یہ خلافت اس کو نصیب نہ ہوئی اور خدا نے مجھے ان پر
 فتح اور کامیابی دی۔ ان کا سر جدا کیا گیا اور اس کے اہل بیت کو قیدی کر لیا اور تمام شہروں میں ذلیل کر کے پھرایا ہے اور ہر
 ایک نے دیکھا ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا: دنیا میں کون ہے جو میرے بابا سے زیادہ خلافت کا اہل ہو کیونکہ وہ تمہارے پیغمبرؐ کے فرزند تھے۔
 یزید بولا: خدا کا شکر ہے کہ خدا نے اس کو قتل کیا اور اس کے شر سے مجھے بچا لیا۔
 امامؑ نے فرمایا: تیرے گماشتوں نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔
 یزید نے کہا: خدا نے قتل کیا ہے۔

امامؑ بولے: خدا لعنت کرے اس شخص پر جس نے میرے بابا کو قتل کیا۔ کیا میں استغفر اللہ خدا پر لعنت کر رہا ہوں؟
 یزید نے کہا: تمہارے باپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، قطع رحم کیا۔ وہ سلطنت کے معاملہ میں میرے حق کو ضائع
 کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے تازہ کیا، پھر خدا نے اس سے انتقام لیا۔
 امامؑ نے یہ آیت تلاوت کی:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنْزِلَ آهََا
 إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

”جو مصیبت بھی زمین پر یا تمہارے نفوس پر آتی ہے وہ پہلے لکھی جا چکی ہوئی ہے.....“

یزید نے اپنے خالہ نامی بیٹے سے کہا: اس قیدی کا جواب دو جو کہ جواب نہ جانتا تھا۔ اس لیے یزید نے اس کے جواب
 میں یہ آیت پڑھی: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ، یعنی جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے اپنے
 اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔“

امامؑ نے فرمایا: جو تو نے کہا اس کا جواب سن لیا ہے اب مجھے اجازت دے، ایک بات تجھ سے کرتا ہوں۔

یزید بولا: جو کہنا چاہتے ہو، کہو لیکن فضول اور ہدائی بات نہ کہنا۔

امامؑ نے فرمایا: مَا ظَنَنْتُكَ بِرَسُولِ اللَّهِ لَوْ رَأَيْتَنِي فِي الْغُلِّ تِيزُ رَسُولَ اللَّهِ كَيْ بَارِئِ فِي مِثْلِهِ كَمَا هُوَ؟

مجھے اس حالتِ کسمپرسی اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں تو انہیں کیا جواب دے گا؟

اس سوال پر یزید کا دل ٹوکھا اور اس نے کہا کہ اس قیدی کی رسیاں اور زنجیریں کھول دو۔

علامہ مجلسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یزید نے کہا: اے علیؑ! خدا

شکر ہے کہ خدا نے تیرے باپ کو قتل کیا تو امام سجادؑ نے فرمایا: خدا لعنت کرے اس پر جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ یہ

نے یہ جواب سن کر غضب ناک ہوا اور حکم دیا: اَمَرَ بِضَرْبِ عُنُقِهِ "اس بیمار کو قتل کر دو"۔

اس پر امامؑ نے فرمایا: فَإِذَا قَتَلْتَنِي فَبَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ مَنْ يَرْزُقُهُنَّ إِلَى مَنَازِلِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ مَحْرَمٌ عِندَ

"جو باقی بچا ہے اسے بھی قتل کرتا ہے تو رسول زاد یوں اور بتول زاد یوں کو اپنے گھروں اور وطن کی طرف کون پہنچائے گا؟"

یزید نے کہا: تم ان کو اپنے گھروں اور وطن تک لے جاؤ گے اور قتل کا حکم واپس کر لیا ہو زنجیر کھولنے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ زنجیر یزید نے خود کھولے اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے خود زنجیر کھولنے کا کام کیوں

ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اس لیے کہ تیرے سوا کسی کا میرے اوپر احسان نہ ہو۔

یزید نے کہا: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ، یعنی جو مصائب تم پر آئے تمہارے اپنے اذ

کی وجہ سے ہیں۔

امامؑ بولے: تعجب ہے اے یزید! یہ آیت تو ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے اور تو اس سے ہمارے خلاف استدلال

ہے، کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا

يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

راوندی کتاب "دعوات" میں لکھتے ہیں: یزید کا امام سجاد علیہ السلام کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ تھا لیکن امامؑ سے سو

اور گفتگو کرتا تھا تاکہ غمہ میں آ کر امامؑ کے منہ سے ایسا حرف نکل جائے جس سے قتل کا جواز بن سکے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ

جہت قتل کیا۔ لیکن یزید جو بھی بات کرتا اس کا کافی وافی جواب سنتا۔ امامؑ نے کوئی ایسا جملہ نہ فرمایا جس سے یزید کو قتل کر

بہانہ مل جاتا۔ جب امامؑ نے کوئی ایسا موقع نہ دیا تو اُس نے فضول باتیں شروع کر دیں۔

امامؑ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تسبیح تھی کہ انھیں سے اسے حرکت دے رہے تھے۔

یزید نے کہا: بہانہ بناتے ہوئے کہا: اے علیؑ! میں تم سے باتیں کر رہا ہوں اور تم مجھے جواب بھی دے رہے ہو تو پھر تسبیح پھیرنا کیل ہے؟ اور تجھے کیسے جرأت ہوئی کہ بادشاہ کے سامنے تسبیح ہلاتا رہے؟

امامؑ نے فرمایا: میرے بابا نے اپنے نانا رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص نماز فجر پڑھے اور نماز کے بعد گفتگو و کلام نہ کرے اور تسبیح ہاتھ میں لے کر یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ اَسْتَبِحُكَ وَاُمَجِدُكَ وَاَحْمَدُكَ وَاهْلُکَ بَعْدَ مَا اُوْدِرُ یعنی میرے اللہ! میں صبح کو تیری تسبیح، تیری تعجید، تحمید اور تلمیل ان منکوں کے برابر کرتا ہوں تو وہ اگر تسبیح کو (محض) ہاتھ میں لے کر پھیرے تو وہ شخص جو بھی کلام کرے گارات تک اس تسبیح کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا اور سوتے وقت ایک مرتبہ یہی ورد کر دے البتہ صبحت کی بجائے اصبیٹ کہے تو دوسری صبح تک تسبیح کا ثواب اُس کے لیے جاری رہے گا اور یہ سنت ہم نے رسول پاکؐ سے لی ہے۔

یزید نے کہا: سبحان اللہ! میں جو اعتراض کرتا ہوں اس کا جواب حاضر اور تیار ہوتا ہے۔ پس حضرتؑ کے قتل سے منصرف ہو گیا اور اَمْرٌ بِاطْلَاقِہ حکم دیا کہ اس کی گردن اور پاؤں سے زنجیریں اتار لی جائیں۔

مخدراتِ عصمت کی یزید کے دربار میں گفتگو

صاحبِ ارشاد لکھتے ہیں: ثُمَّ دَعَى بِالنِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ فَاجْلَسُوا بَيْنَ يَدَيْهِ، پھر یزید پلید نے مخدراتِ عصمت اور قیدی بچوں کو بلایا، سب یزید کے سامنے آئے تو یزید سے ان بچوں کی خستہ حالی نہ دیکھی جاتی تھی۔

علامہ قزوینی حدائق الانس میں فرماتے ہیں: شیخ مفید کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملعون یزید نے پہلے امام سجادؑ کو پوشی کے لیے بلایا اور آپؑ سے کلام کیا، اس کے بعد مستورات اور بچوں کو بلایا۔ ہمارے خیال میں کلمہ شہ سے یہی استفادہ ہوتا ہے۔ یزید نے پہلے امام سجادؑ سے گفتگو کی، پھر مستورات اور بچوں کو بلایا۔

جب قیدیوں کی حالتِ ذلت اور خواری دیکھی کہ ترک و دہلیم کے قیدیوں سے بھی خستہ حال ہیں تو ظالم یزید کو بھی ان پر رحم آ گیا اور کہا کہ خدا ابن زیاد کے چہرے کو سیاہ کرے کہ اس نے تمہاری یہ حالت بنا دی ہے۔ اگر (وہ) تمہارا رشتہ دار ہوتا تو کبھی ذلت و خواری سے اس قدر تمہاری یہ حالت نہ بناتا۔

صاحبِ روضۃ الواعظین لکھتے ہیں: جب بچوں اور عورتوں کو یزید ملعون کے سامنے پیش کیا گیا تو یزید کی عورتیں پردہ کے پیچھے بیٹھی دیکھ رہی تھیں اور تمام دربار کا تماشا کر رہی تھیں۔ جب ان عورتوں کی نظر اہل بیت کی مستورات اور بچوں کی خستہ حالی، پریشان بالوں، پرانے لباسوں، رسیوں میں بندھے ہاتھوں، آنسو بہاتی آنکھوں پر پڑی تو ہنس پرودہ سے آہ و فریاد بلند کی۔

فَصَحْنُ نِسَاءِ أَهْلِ يَزِيدٍ وَبَنَاتٍ مُعَاوِيَةَ وَاهْلُهُ قَوْلُهُنَّ وَأَقْنَعُ النِّسَاءِ
 ”یزید اور معاویہ کی عورتوں نے گریہ زاری اور ہائے کے غلطہ کی آوازیں بلند کیں اور ماتم شروع کر دیا۔“

مرحوم مجلسی، بحار میں لکھتے ہیں: ”ہاشمی عورتوں میں سے بھی جو ہنس پرودہ بیٹھی تھیں، آل محمد کے قیدیوں کو اس حالتِ زار میں دیکھا تو دلوں سے آہ کھینچی اور وَاحْسِيْنَاهُ وَاسْتَيْدَا اَهْلَ بَيْتِنَا يَا مُحَمَّدَا يَا رَهِيمَ الْاِهْرَامِ وَالْيَتَامَى يَا قَتِيلَ اَوْلَادِ الْاَدْعِيَا اور اس قدر گریہ بلند ہوا کہ ہر سننے والا بھی رو پڑا۔

یہ قیدی جب یزید کے سامنے پیش ہوئے تو جنابِ فاطمہ بنتِ امام حسینؑ نے فرمایا: يَا يَزِيدُ بَنَاتُ رَسُولِ اللهِ سَبَّيْنَاهُ اے عالم! دخترانِ پیغمبرؐ کو کس نے قید کیا ہے؟ کسی اور نے نہیں تم نے قید کا حکم دیا ہے اور اس جیلے پر تمام لوگ رونے لگے حتیٰ کہ یزید کے گھر کی عورتوں کے گریہ کی آواز بلند ہوئی تو تمام سننے والے بھی رونے پر مجبور ہو گئے۔

صاحبِ روضۃ الشہداء معین الدین نے لکھا کہ یزید نے حکم دیا اور اہل بیتؑ و دربار کے ایک کمرے میں بٹھا دیا اور دروازے پر پردہ لٹکانے کا حکم دیا۔

مرحوم سید لبوف میں لکھتے ہیں: ثُمَّ وَضِعَ رَأْسُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاجْلَسَ النِّسَاءُ خَفَّةً لِّئَلَّا يَنْظُرْنَ اِلَيْهِ

پھر یزید کے سامنے امام حسینؑ کا سر رکھا گیا اور اہل بیتؑ کو تخت کی پشت پر بٹھا دیا، تاکہ سرِ مطہر کو نہ دیکھ سکیں نیز یزید کے سرِ مہارک کے ساتھ اختیار کیے جانے والے روپیہ کو نہ دیکھ سکیں۔ اسی اثنا میں جنابِ نسبِ کبریٰ کی نظر بھائی کے سر پر پڑی تو آپؑ برداشت نہ کر سکیں اور اپنے گریبان کو پھاڑ دیا اور یوں فریاد کی کہ تمام سننے والے رونے لگے۔ بی بیؑ نے فرمایا:

يَا حُسَيْنَا يَا حَبِيبَ رَسُولِ اللهِ يَا هَنَ مَكَّةَ وَمِنَى يَا هَنَ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ يَا هَنَ مُحَمَّدِي
 المصطفیٰ

اے حسینؑ، اے رسولِ خدا کے حبیب! اے مکہ و منیٰ کے فرزند، اے فاطمہ زہراءؑ کے دلہندہ، اے

محمد مصطفیٰ کے بیٹے!

جب سب لوگ رو رہے تھے تو یزید خاموش بیٹھا تھا۔ صاحب فصول الہمہ لکھتے ہیں: (فَجَعَلَتْ فَاطِمَةُ وَسَكِينَةُ تَتَطَاوَلَانِ لِتَنْظُرَا إِلَى الرَّأْسِ وَجَعَلَ يَزِيدُ تَسْتُرُهُ عَنْهُمَا) جناب فاطمہ اور جناب سکینہ اٹھ اٹھ کر کوشش کر رہی تھیں کہ بابا کے سر کو ایک مرتبہ دیکھ لیں اور یزید کی کوشش تھی کہ سر کو ان کی نظروں سے چھپائے رکھے کہ اچانک ان دونوں بیٹیوں کی نظر بابا کے سر پر پڑ گئی۔ ایک مرتبہ فریادیں اٹھیں اور بین بلند ہوئے اور گریہ وزاری سے ماحول غم زدہ ہو گیا۔ تمام عورتوں میں اتنی کہ یزید کے گھر کی عورتوں میں بھی کہرام مچ گیا۔

اہل بیت کی یزید کے دربار میں پیشی (برداشت انوار نعمانیہ و منتخب التواریخ)

ان دونوں کتابوں میں ہے کہ مستورات اور بچوں کو ایک ہی رسی میں باندھا ہوا تھا اور اس رسی کا ایک سرازیر بن قیس صومون کے ہاتھ میں تھا۔ وہ انہیں وہاں کھینچتے ہوئے لایا اور یزید کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جوں ہی یزید کی نظر ان قیدیوں پر پڑی تو ایک ایک کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہنے لگا: مَنْ هَذِهِ؟ یہ بی بی کون ہے؟ یہ بی بی کون ہے؟..... اسے بتایا جاتا رہا: حَتَّى أَقْبَلْتُ امْرَأَةً تَسْتُرُ وَجْهَهَا بِوَدَّهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهَا خِرْقَةٌ تَسْتُرُ وَجْهَهَا ”حتیٰ کہ اس کی نظر ایک ایسی مستور پر پڑی کہ وہ اپنے چہرے کو ہاتھوں اور کلائیوں سے چھپائے ہوئے تھیں کیونکہ کپڑا اس قدر نہ بچا تھا کہ اپنے چہرے کا پردہ کر سکتیں اور شاید اس بی بی کی آستینیں بھی جل چکی تھیں۔“

یزید نے پوچھا: مَنْ هَذِهِ الَّتِي لَهَا سِتْرَانِ؟ یہ بی بی کون ہے جو اپنے ہاتھوں سے چہرہ کا پردہ بنائے ہوئے ہے؟

جواب ملا: هَذِهِ سَكِينَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ یہ سکینہ خاتون ہے جو امام حسینؑ کی ناز پروردہ ہیں۔

یزید نے پوچھا: أَنْتِ سَكِينَةُ؟ کیا تو سکینہ ہے؟

بی بی اس سوال کو جواب سے اس قدر دھکی ہوئیں کہ گریہ گلوگیر ہو گیا اور آنسو بارش کی طرح برسنے لگے۔ آپ اتنا دھکیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ روح ابھی پرواز کر جائے گی۔

یزید نے پوچھا کہ اس قدر زیادہ گریہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

بی بی نے فرمایا: كَيْفَ لَا تَبْكِي مَنْ لَيْسَ لَهَا سِتْرٌ ”وہ کیوں نہ روئے جو بنگے سر نامحرموں کے درمیان کھڑی ہو۔ کوئی چادر نہ ہو کہ اپنے چہرے کو تم اور ان درباریوں سے چھپا سکوں۔“

فَبَكَى يَزِيدٌ لَعَنَهُ اللَّهُ وَاهْلَ مَجْلِسِهِ ”اس وقت باوجود یزید اپنی قساوت قلبی رو پڑا اور اس کے رونے سے تمام

اہل دربار بھی رو پڑے۔“

پھر یزید کہنے لگا: خدا میرا جانہ کو تباہ کرے، اس نے آل رسولؐ پر اس قدر ظلم کیا ہے۔

یزید نے جناب سکینہؓ سے کہا: يَا سَكِينَةُ ابْنُكَ الَّذِي كَفَرَ حَقِّي وَقَطَع رَحْمِي وَنَازَعَ عَنِّي فِي مُلْكِي۔“

سکینہ! جب تمہارے باپ نے میرے حق کا انکار کیا اور قطع رحم کیا اور میرے ساتھ خلافت میں تنازعہ کیا۔ پھر یہی نتیجہ نکلتا تھا جو تم دیکھ رہی ہو۔“

بی بی کا دل یزید کی سرزنش سے دل خون ہو گیا اور فرمایا: اے یزید! کیا تم میرے باپ کے قتل ہونے پر خوشی منا رہے

ہو؟

لَا تَفْرَح بِقَتْلِ أَبِي فَإِنَّهُ كَانَ مُطِيعًا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ دَعَاؤُ اللَّهِ وَأَجَابَهُ اے یزید! خوشی مت کر دو میرے باپ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں تھے، ان کو اللہ نے بلایا اور انھوں نے لبیک کہا اور کامیاب ہو گئے اور تجھے خدا کو جواب دینا ہو گا۔

یزید نے کہا: اے سکینہ! خاموش ہو جاؤ تمہارے باپ کا یہ حق نہ تھا کہ مجھ سے جھگڑا کرتا۔ پس ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا

يَا يَزِيدُ هَبْ لِي هَذِهِ الْجَارِيَّةَ مِنَ الْغَنِيمَةِ لِتَكُونَ خَادِمَةً عِنْدِي

اے یزید! یہ کنیز مجھے بخش دو تاکہ میری خدمت گار بن جائے اور اس نے اشارہ جناب سکینہؓ بنت الحسینؓ کی طرف کیا۔

امام حسینؓ کی بیٹی نے جب یہ سنا تو اپنی پھوپھی اُم کلثومؓ کے دامن سے لپٹ گئیں اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا۔

عَمَّتَا أَتُرِيدُ نَسْلَ رَسُولِ اللَّهِ يَكُونُونَ مَمَالِيكَ لِلْأَدْعِيَا؟ ”اے پھوپھی اماں! کیا آج تک آپؓ نے کہیں دیکھا۔

کبھی سنا کہ پیغمبرؐ کی اولاد کو کسی زنا زادے نے اپنی کنیزیں بنایا ہو؟

جناب اُم کلثومؓ بنت علیؓ اس ملعون عرب پر غضبناک ہوئیں اور فرمایا: اُسْكُتْ يَا لَكُمْ الرِّجَالِ قَطَعَ اللَّهُ يَمَنَ بَنِي

وَأَعْمَى عَيْنَيْكَ وَأَيَّسَ يَدَيْكَ ”اے پست اور گھٹیا خاموش ہو جا اور بکواس بند کر، اللہ تیری زبان کاٹ دے، تیرے

آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ تیری نظر اولاد پیغمبرؐ پر نہ پڑ سکے اور ہاتھ خشک ہو جائیں جن سے تو نے ہماری طرف اشارہ کیا

ہے۔“

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! قَوْلُ اللَّهِ مَا اسْتَتَمَ كَلَامُهَا حَتَّى أَجَابَ اللَّهُ دَعَائَهَا ”ابھی بی بی کی کلام ختم نہ ہوئی تھی

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو پورا کر دیا۔“

اس ملعون کی چچ نلی اور اس نے اپنی زبان کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا، اس کے ہاتھ اس کی گروں سے چمٹ گئے

اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔

جناب اُم کلثومؓ نے فرمایا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَجَّلَ عَلَيْكَ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ الْآخِرَةِ ”خدا کی حمد ہے کہ اُس نے آخرت سے پہلے دنیا میں تجھ پر عذاب نازل کر دیا ہے اور یہ جزا ان لوگوں کی ہے جو پیغمبر کی بیٹیوں سے معروض ہوتے ہیں۔“

زہیر عراقی کا واقعہ

تاریخ کامل فی السقیفہ میں ہے کہ ایک دن یزید کا دربار بھرا ہوا تھا اور اس نے آلِ محمدؐ کے قیدیوں کو دربار میں بلایا اور سرِ مطہر کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی جو توہین کر سکتا تھا، کی جب کہ قیدی ایک طرف کھڑے تھے۔ اسی اثناء میں زہیر عراقی دربار میں داخل ہوا۔ یہ شخص مسخرہ اور بد زبان تھا۔ اس کی نظر آلِ محمدؐ کے قیدیوں پر پڑی اور جب اُم کلثومؓ کو دیکھا تو یزید سے کہا: يَا امير المؤمنين فَب لِي هَذِهِ الْجَاهِلِيَّةُ ”اے یزید یہ کنیز مجھے بخش دو تا کہ میری خدمت کرتی رہے“ اور اشارہ جناب اُم کلثومؓ کی طرف کیا۔

جناب اُم کلثومؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا: اقصر يدك عَنَّا قَطَعَهَا اللّٰهُ ”کہ ہم سے اپنے ہاتھ کو دور کر، اللہ تیرے ہاتھوں کو قطع کرے۔“

بی بی کے جھڑکنے سے زہیر کے بدن میں لرز پیدا ہو گیا اور وہ حیران ہو کر حاضرینِ مجلس سے پوچھا کہ یہ قیدی عربوں کے کس قبیلے کے ہیں کہ عربی میں کلام کر رہے ہیں۔ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہ کافر یا ترک و دہلم کے قیدی ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! یہ عام مستورات نہیں بناتو رسولؐ ہیں، جناب زہراءؑ کی بیٹیاں ہیں مگر تمہارے امیر نے انہیں قید کیا اور نامرہموں کے ہجوم میں پھرایا ہے۔

جب اس زہیر عراقی کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو دربار سے باہر نکل گیا اور بہت رویا اور کسی سے خجرا لیا اور وہ ہاتھ کاٹ دیا جس سے جناب اُم کلثومؓ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پھر اپنے کئے ہوئے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ میں اٹھایا جب کہ دائیں ہاتھ سے مسلسل خون جاری تھا۔ وہ دربار میں آیا اور جناب امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میں معافی مانگنے آیا ہوں، میری معافی کو اپنے کرم و جود کی وجہ سے قبول فرمائیے۔

بخدا! میں آپؐ کو نہ پہچانتا تھا، میرے جرم سے درگزر فرمائیں اور معاف فرمائیں۔ تحقیق خدا نے آپؐ کی پھوپھی کی

میری بہن نے دیکھا کہ اب کوئی چارہ نہیں تو فرمایا: اَمِیْرُ تَشْتُمُ ظَالِمًا وَتَقْهَرُ سُلْطَانًا کیا کروں تو امیر ہو گیا اور ہم قیدی ہو گئے، تو گالیاں دے رہا ہے اور ظلم کر رہا ہے تجھے اختیار ہے جو کہنا چاہتا ہے کہتا رہے۔“

فاطمہ بی بی نے فرمایا کہ شاید اس لعنتی یزید کو شرم آگئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اس بے وقوف شامی شخص نے اپنی خواہش کا اظہار کیا: اے یزید! یہ کینئر مجھے بخش دے۔

یزید نے اس شامی کو غضبناک ہو کر جھڑک دیا اور کہا: اَعْرُوبُ وَهَبَ اللّٰهُ حَتَّافًا قَاضِيًا ”دفع ہو جاؤ خدا تجھے اچانک موت دے۔“

شیخ مفید ارشاد میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت جناب فاطمہ بنت حسین سے ہے لیکن روایت میں اَخَذْتُ بِشِيَابِ اُخْتِي کی بجائے بِشِيَابِ عَمَّتِي ہے۔

دربار یزید میں جناب زینب کا خطبہ

اب جہاں مجلس شبیر پناہ ہوتی ہے

خلق شبیر کو زینب کے عوض روتی ہے

مرحوم شیخ صدوق امالی میں جناب سیکندہ سے روایت کرتے ہیں کہ بی بی نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے کائنات میں یزید سے زیادہ سخت دل کسی کو نہیں دیکھا اور کوئی کافر و مشرک یزید سے زیادہ جفا کار اور شریر نہ پایا کیونکہ ہمارے سامنے خیراں کی چھری ہے، وہ میرے بابا کے لیوں اور دانتوں پر مارتا تھا اور یہ شعر پڑھتا تھا:

لَيْتَ اَشِيَاخِي يَبْدِرُ شَهْدُوا جَزَعُ الْخَزَرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَلِ

لَا هَلُّوْا وَاسْتَهْلُوْا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوْا يَا يَزِيْدُ لَا تَشَلُّ

کاش میرے بدرد والے بزرگ آباء ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے ان کا کیا بدلہ لیا ہے! اگر وہ ہوتے

تو خوش ہوتے اور کہتے: یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔“

اس مقام پر جناب زینب بنت علی کی برداشت کی حد ختم ہو گئی اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، آپ انھیں اور مجمع عام میں یزید کو مخاطب کر کے ایسا خطبہ دیا جو بڑا فصیح و بلیغ تھا، جس میں یزید کی توخ اور تشنیع تھی:-

زینب عالیہ فرماتی ہیں خطبہ ارشاد حاضرین روتے ہیں سن سن کے ستم کی روداد

غم سے بیتاب جو ہوتا ہے سر شاہ زمیں بند آنکھیں کیے روتا ہے سر شاہ زمیں

یہ خطبہ صاحبِ لبوف (سید بن طاووس) نے یوں نقل کیا ہے:

قَالَتْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ صَدَقَ اللَّهُ
كَذَلِكَ بِقَوْلِ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَصَاؤُ السُّوَائِ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا
يَسْتَهْزِؤْنَ أَظَنَنْتَ يَا يَزِيدُ حَيْثُ أَخَذْتَ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الْأَرْضِ وَأَفَاقَ السَّمَاءِ
فَأَصْبَحْنَا نُسَائِلُ كَمَا تُسَائِلُ الْأُسْرَاءُ أَنَّ بِنَا هُوَ آتَا عَلَى اللَّهِ وَبِكَ عَلَيْهِ كَرَامَةٌ وَإِنْ
ذَلِكَ لِعَظِيمِ خَطَرٍ عِنْدَهُ فَشَغَتْ بِأَنْفِكَ وَنَظَرْتَ فِي عَطْفِكَ جَذَلَانَ مَسْرُورًا حِينَ
رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْثِقَةً وَالْأُمُورَ مُتَسَقَّةً وَحِينَ صَفَاكَ مَلَكُنَا وَسُلْطَاتِنَا فَمَهْلًا
مَهْلًا انْسَيْتَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا نُسَلِّيَ لَهُمْ خَيْرًا لَأَنْفُسِهِمْ
إِنَّمَا نُسَلِّيَ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ أَمِنْ عَدْلِ يَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيرِكَ
حَزَارِكَ وَإِمَالِكَ وَسَوْفَكَ بَنَاتِ رَسُولِ اللَّهِ سَبَائًا

مظفر بی بی نے مردوثا کے بعد فرمایا: اے یزید! تو اپنے آپ کو بادشاہ اور سلطان سمجھتا ہے، کیا یہ عدالت ہے کہ بڑے

عورتوں کو پیش پردہ میں بٹھایا ہوا ہے لیکن رسول کی بیٹیوں کو تو ننگے سر اور ننگے پاؤں نا محرموں میں لایا ہے؟

وَقَدْ انْتَهَكْتَ سَتُورَهُنَّ وَأَبْدَيْتَ وَجُوهَهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الْأَعْدَاءُ بَلَدٍ إِلَى بَلَدٍ وَيَسْتَشِرُ
فَهُنَّ أَهْلُ الْمَنَاهِلِ وَالْمَنَاقِلِ وَيَتَصَفَّحْنَ وَجُوهَهُنَّ الْقَرِيبُ وَلَتَبْعِيدُ وَالْذَّنْبِيُّ وَالشَّرِيفُ
لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ لَا مِنْ حَمَاتِهِنَّ حَمِي

”اے ظالم! تو نے آل رسول کی حرمت کا پردہ اتار دیا، ان کے چہروں کو دوستوں اور دشمنوں سب
کے سامنے عیاں کیا اور شہر بہ شہر میں پھرایا، آل رسول کو قریب اور بعید یعنی شہری اور بیابانی، پست
فطرت اور شریف سب نے ان کے چہروں کو دیکھا، ہر زن و مرد نے دیکھا، ان کا کوئی مرد اور مردگار
باقی نہیں رہا جو اپنے شہیدوں کے خون کا مطالبہ کرے اور مظلوم عورتوں کی حمایت کرے۔“

وَكَيْفَ يُرْتَجَى مُرَاقِبَةٌ مَنْ لَفَظَ قُوَّةَ أَكْبَادِ الْأَمْرِ كَيْفَاءَ وَنَبَتْ لِحْمُهُ بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ
”اس شخص سے اچھائی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو ان کا بیٹا ہو جنہوں نے بزرگانِ اسلام کے جگر کو
چبانے کے بعد پھینک دیا ہو (ہند مرادھی جو یزید کی دادی ہے جس نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو چبایا تو
وہ پتھر ہو گیا اور اس کے دانت کام نہ کر سکے تو اس نے پھینک دیا)۔ ایسے شخص سے کیا توقع کی

جاسکتی تھی جو اس کا بیٹا ہے جس کا گوشت پوست شہداء کے خون بہانے سے پیدا ہوا ہو۔
 كَيْفَ يُسْتَبَاطُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ نَظَرَ إِلَيْنَا بِالشَّنْفِ وَالشَّنَانِ وَالْإِضْغَانِ
 ”اور ایسا شخص بھڑا اہل بیت کب چھوڑ سکتا ہے جو ساری زندگی ہمیں بھڑ، کینہ اور عداوت سے
 دیکھتا رہا ہے۔“

ثُمَّ تَقُولُ غَيْرَ مَتَانٍ وَلَا مُسْتَعْظَمٍ وَأَهْلُوا وَاسْتَهْلُوا فَرَحًا ثُمَّ قَالُوا يَا زَيْدُ لَا تَشَلْ
 مُنَحْنِيَا عَلَيَّ ثَنَانِيَا أَبِي عَبْدِ اللَّهِ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ تَنَكَّهَهَا بِمَحْضَرَتِكَ
 ”پھر تو جرات اور جسارت سے کہتا ہے گویا تو نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا اور اپنے عمل کو برا نہیں سمجھا، تو
 کہتا ہے اے کاش! میرے بدر والے بزرگ ہوتے تو دیکھتے کہ کیسے آل علی سے بدلہ لیا ہے تو وہ
 تجھے شاباش دیتے اور کہتے کہ یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔ پھر تو جھک کر میرے بھائی حسین
 کے لبوں اور دانتوں پر چھڑی سے مارتا ہے اور اسی چھڑی پر ٹیک لگاتا ہے حالانکہ حسین جوانان
 جنت کے سردار ہیں۔“

وَكَيْفَ لَا تَقُولُ ذَلِكَ وَقَدْ نَكَاتِ الْقُرْحَةَ وَاسْتَأْصَلَتِ الشَّافَةَ بِأَرَأَيْتَكَ دِمَاءَ ذُرِّيَّةِ
 مُحَبَّبٍ وَنَجْوَمِ الْأَرْضِ مِنْ آلِ عَبْدِ الْمَطْلَبِ
 ”تو ایسی باتیں نہ کر، حالانکہ تو نے پرانے زخموں کو تازہ کر دیا اور ان زخموں کو بکھیر دیا جب سے تو نے
 آلِ اولاد عبدالمطلب کے ستاروں اور غیر خدا کی ذریت کے خون بہائے ہیں۔“

وَتَهْتَفُ بِأَشْيَاخِكَ تَرَعَمْتَ أَنَّكَ تُنَادِيهِمْ فَلْتَرُدُّنَّ وَشَيْكَا مَوَاهِدُهُمْ وَلَتَوَدِّنَ إِنَّكَ
 شَلَلْتَ وَبَغَمْتَ وَلَمْ تَكُنْ قُلْتَ مَا قُلْتَ وَفَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ

”تو اپنے مشائخ کو ندا کر رہا ہے، کیا تو سمجھتا ہے کہ وہ تیری آواز سنتے ہیں اور بہت جلدی تم ان
 سے ملتی ہو جاؤ گے اور جہاں وہ ہیں تو بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس وقت تیری آرزو ہوگی کہ کاش
 تیرے ہاتھ نہ ہوتے اور تو یہ کام نہ کرتا جو تو نے کیا ہے، اور تیری زبان بند ہوتی، گو لگا ہوتا اور وہ کچھ
 نہ کہتی جو کہہ چکی ہے۔“

پھر بی بی پاک نے بدعا اور نفرین کی اور خدا کے حضور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ خُذْ حَقَّنَا وَانْتَقِمْ مِنَّنَا ظَلَمَنَا وَاَحْلِلْ غَضَبَكَ فِيْ حَقِّيْ مِنْ سَفَلٍ لَّنَا وِمَا لَّنَا
وَقَتْلِ حِمَاتِنَا

اے اللہ کریم! ہمارا حق ان سے لے اور ظالموں سے انتقام لے اور ان پر غضب کر جنہوں نے
ہمارے خون بہائے اور ہمارے حامی قتل کر دیے۔

پھر فرمایا:

قُوْا اللّٰهَ مَا فَرِيْتِ اِلَّا جُلْدًا وَلَا جَزَاءَ اِلَّا لِحِمِكَ وَلَتُرَدَّنَّ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ بِمَا
تَحَمَّلْتِ مِنْ سَفَلٍ دَمَاءُ ذُرِّيَّتِهِ وَانْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِهِ فِيْ عَتَرَتِهِ وَلَحِمَتِهِ حَيْثُ يَجْمَعُ
اللّٰهُ شَعْلَهُمْ وَيَلْمُ شَعْنَهُمْ وَيَاْخُذُ لَهُمْ بِحَقِيْقِهِمْ

”اے یزید! خدا کی قسم! یہ گمان نہ کرنا کہ تو نے صرف ہم پر ظلم کیا ہے۔ خدا کی قسم! تو نے اپنی جید کو
پھاڑا ہے اور اپنا گوشت کاٹا ہے۔ جب تو رسول خدا کے سامنے اس حالت میں وارد ہوگا کہ تو نے
ان کی ذریت کا خون بہایا ہوگا، ان کی عترت کی ہر جگہ توہین کی ہوگی اور رسول خدا کے جگر گوشوں کو
آگ میں جلایا ہوگا تو کیا جواب دے گا؟ اور رسول پاک ہمارے چہروں کو اپنی آستین رحمت سے
صاف کریں گے اور ہمارا انتقام لیں گے پس تو نے اپنا نقصان کیا ہے۔“

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ
”ہرگز یہ گمان ہی نہ کرو کہ شہداء مر گئے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہے اور اپنے رب سے خصوصی رزق کھاتے
ہیں۔“

وَحَسْبُكَ بِاللّٰهِ حَاكِمًا وَبِسُحْمِدٍ خُصِيْمًا وَجِبْرَائِيْلَ ظَهِيْرًا وَسَيِّعَلَمُ مَنْ سَوَّلَ لَكَ
وَمَكَّنَكَ فِيْ رِقَابِ الْمُسْلِمِيْنَ بِنَسْ لِلْفَالِغِيْنَ بَدَلًا وَاَيْكُمْ شَرَّ مَكَانًا وَاَضَعَفَ جُنْدًا
”تیرے لیے خدا کا حاکم ہونا ہی کافی ہے اور محمد مصطفیٰ کی دشمنی تیرے لیے بہت ہوگی اور جبرائیل
محمد مصطفیٰ کے روز قیامت مددگار ہوں گے اور بہت جلد اس کو بھی سزا مل جائے گی جس نے تجھے اس
مسند پر بٹھایا ہے اور تجھے مسلمانوں کی گردن پر سوار کیا ہے۔ اس کا بُرا ٹھکانا ہوگا۔“

پھر فرمایا:

وَلٰكِنْ جَرَّتْ عَلٰی الدَّوَاهِيْ مُخَاطَبَتُكَ اَنِّيْ لَا اَسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ وَاسْتَغْطِمُ تَقْرِيعَكَ

وَأَسْتَكْثَرُ تَرْبِيَخَكَ

”اے یزید! اگرچہ زمانے کے حالات نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا کہ میں تجھ جیسے کے نجس دربار میں کھڑی تجھ سے مخاطب ہوں لیکن میں تجھے کچھ نہیں سمجھتی اور تجھے بہت جھوٹا کر دوں گی اور تیری سرزنش کو برا کروں گی، تیرے افعال کی توبیخ کروں گی، اگرچہ میں جانتی ہوں کہ میری نصیحت تجھ پر اثر انداز نہیں ہوگی لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ تیرے تجاوزات بہت زیادہ ہیں جن کی وجہ سے آئیں آج ہی آنسو بہا رہی ہیں اور سینوں میں ایسا درد ہے جو انسان کو بولنے میں کمزور کر دیتا ہے۔“

أَلَا فَالْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللَّهِ الْآتِقِيَاءِ الشُّرَفَاءِ النُّجَبَاءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطَّلَقَاءِ

عجب بالائے عجب تو یہ ہے کہ حزب اللہ کے افراد جو پاکیزہ، شرفاء اور نجیب تھے، کو حزب شیطان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔“

فَهَذِهِ الْآيِدِي تَنْطَلِفُ مِنْ دَمَانِنَا وَالْأَفْوَاهُ تَتَحَلَّبُّ مِنْ لُحُومِنَا وَتَلَكَّ الْجَنُثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَاجِي تَنْتَابِيهَا الْعَوَاسِلُ وَتَعْفُرُهَا أَمَّهَاتُ الْفَوَاعِلِ

”اے! تمام ہاتھوں سے ہمارے خون کے قطرے گر رہے ہیں اور آپ کے منہ سے گوشت گر رہا ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ ہمارے پاک و پاکیزہ جوانوں کی لاشیں صحرا میں بغیر کفن و دفن کے چھوڑ دی گئی ہیں تاکہ درندے ان کی توہین کریں۔“

اے یزید! اگر تو بنات رسول اور اولاد فاطمہ کو مال غنیمت شمار کرتا جاتا ہے تو جان لے کہ بہت جلدی ہم تمہارے لیے گراں ہوں گے۔ جب بروز قیامت تیرے پاس کچھ نہ ہوگا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا، میں اپنی شکایت خدا کے پاس کرتی ہوں اور مجھے اس ذات پر اعتماد ہے۔“

فَكَيْدَ كَيْدِكَ وَاسِعَ سَعِيكَ وَنَاصِبَ جُهْدِكَ قَوْلَ اللَّهِ لَا تَعْمُوا ذِكْرَنَا وَلَا تُبَيِّتْ وَحِينًا وَلَا تُدْبِرْ أَمَدَنَا وَلَا تَرْحُصْ عَنكَ عَمَرَهَا

”اے یزید! تو مکر کرنا چاہتا ہے کر لے اور جو ظلم کرنا چاہتا ہے کر لے۔ اپنی پوری کوشش کر جو کر سکتا ہے لیکن خدا کی قسم! تو ہمارا نام صفحہ ہستی سے نہیں مٹا سکتا اور ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا اور ہمارے

زندہ نام کو نہیں مار سکتا اور ہماری فغلیت کو درک بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تیرے کردار کا تنگ اور تیرے اعمال کی ذلت کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔“

هَلْ رَأَيْتَ إِلَّا قَنْدًا أَيَّامَكَ إِلَّا عَدَدٌ وَجَمْعَكَ إِلَّا بَدْرٌ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادُ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ

”اے یزید! تیرا نظریہ بہت کمزور ہے، تیرے ایام بہت تھوڑے ہیں اور تیرے ارد گرد کا اجتماع چند دنوں کا ہے۔“

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَتَمَ لَنَا بِالسَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ وَلَاخِرَنَا بِالشَّهَادَةِ وَالرَّحْمَةِ وَنَسْتَلِ اللَّهَ أَنْ يَكْتُمَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَيُوجِبَ لَهُمُ الْمُهَمَّ الْمَزِيدَ وَيَحْسِنُ عَلَيْنَا الْخِلَافَةَ إِنَّهُ رَاحِمٌ وَدُودٌ وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

”حمہ و شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے سلسلے کو سعادت اور مغفرت سے نوازا اور آخری سلسلے کو شہادت و رحمت عنایت فرمائی۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے گذشتہ مرحومین کا ثواب کامل کر دے اور پسماندگان کے لیے خلافت نصیب فرمائے اور وہ اللہ رحیم و کریم ہے۔“

جب یہ خطبہ یزید نے سنا تو جواباً یہ شعر پڑھا:

يَا صَبِيحَةَ تَحْمِيدٍ مِنْ صَوَائِحِ

مَا أَهْوَنَ الْمَوْتِ عَلَى الْفَدَائِحِ

”یعنی کسی داغ دار اور دکھی کی فریاد بہت اچھی ہوتی ہے اور عزادار کے سامنے موت بڑی آسان چیز ہوتی ہے۔“

پھر یزید نے اہل شام سے مشورہ لیا اور پوچھا کہ دیکھا تم نے اور سنا تم نے کہ اس دکھی اور غم زدہ عورت نے مجھے یہ کہا: اب تم بتاؤ گے کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ ان لعین شامیوں نے صرف یزید کی خوشامد کی خاطر کہا کہ من تمام عورتوں اور بچوں کو قتل کر دے تاکہ تجھے آسودگی اور راحت مل جائے لیکن نعمان بن بشیر اپنی کرسی سے اٹھا اور کہا:

أَيُّهَا الْأَمِيرُ أَنْظِرْ مَا كَانَ الرَّسُولُ يَصْنَعُهُ بِهِمْ فَاصْنَعْ بِهِمْ

”اے امیر! قیدیوں سے جو سلوک رسول پاک کرتے تھے تو بھی ان سے وہی سلوک کر۔“

یزید نے غضبناک ہو کر دختر علی کی طرف دیکھا تو درباریوں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ جتاپ نہ نب کبریٰ سلام اللہ علیہا و

قتل کرا دے گا۔ اُس وقت عمرو عاص کا بیٹا عبداللہ اپنی کرسی سے اٹھا، وہ تختِ یزید کے نزدیک آیا اور تختِ یزید پلید کو بوسہ دے کر کہا:

إِنَّ الَّذِي كَلَّمْتِكَ لَيْسَ شَيْءٌ تَأْخُذُ بِهِ فَسَكُنْ غَضَبَهُ

”جس بی بی نے تمہیں تیز و تند سنائی ہیں ان سے انتقام لینا مناسب نہیں کیونکہ وہ داغ دیدہ اور ستم رسیدہ ہے اور اپنے جگر کے دردوں کی وجہ سے اپنے غم کی بھڑاس نکال رہی ہے۔ آخر ان کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ پس یزید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔“

یزید ملعون سے امام سجادؑ کی گفتگو

مرحوم ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب اُسرہ کو دربارِ یزید میں لایا گیا تو یزید نے جنابِ نینب سے کہا: جو کہنا چاہتے ہو، کہو۔

بی بی نے فرمایا: تیرے ساتھ امام زین العابدینؑ کلام کریں گے، پھر امامؑ نے فرمایا: تو ہم سے یہ امید نہ رکھ کہ تو نے ہمیں ذلیل و خوار کیا ہے اور ہم تجھے عزت و اکرام دیں گے۔ اگر ہم تیری مذمت نہ کریں تو تو ہمیں زیادہ ذلیل و خوار کرے گا۔ خدا کی قسم! ہمارے دل کے اندر تمہاری کوئی حیثیت نہیں اور تمہاری ملامت اس لیے نہیں کرتے کہ تم ہمیں دوست نہیں رکھتے۔

یزید نے کہا: اے جوان! تم نے ٹھیک کہا ہے کیونکہ تمہارا دادا اور باپ حکومت لینے کی آرزو رکھتے تھے لیکن خدا نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے خون بہا دیے اور ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان دونوں کو قتل کر دیا۔

امامؑ نے فرمایا: لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ وَالْإِمْرَةُ لِأَبَائِي وَأَجْدَادِي مِنْ قَبْلِ أَنْ تَوَلَّكَ نُبُوتَ وَامَارَتِ بَيْتِهِ هَمَارِے خاندان میں تھی اور اس وقت سے ہے کہ جب تو پیدا بھی نہ ہوا تھا۔“

میرے والد خلافت کے اہل تھے یا تو؟ حالانکہ میرے باپ تمہارے پیغمبرؐ کے بیٹے تھے۔ تو اپنی حکومت پر تکبر نہ کر کیونکہ خدا تکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

یزید غضبناک ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس جوان کو قتل کر۔ جلاد آیا اور امامؑ کو ہاتھ سے پکڑا تو اہل بیتؑ کی فریادیں بلند ہوئیں۔ امام سجادؑ نے گریہ کیا اور رسولِ پاکؐ سے شکوہ کیا کہ اے جدِ بزرگوار اور اے رسولِ تاجدار! میری مدد کریں، آپ کے حسینؑ کو انہوں نے قتل کر دیا، آپؐ کی نسل کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور آپؐ کی بیٹیوں کو کنیروں کی طرح ذلت و خواری سے قیدی

کر کے نامحرم لوگوں کے ہجوم میں پھراتے رہے۔

اسے جِد بزرگوار! یہ مجھ پیار، ناتواں اور کمزور کو ذلت سے قیدی بنا کر اور زنجیر پہنا کر شام لائے اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں اور کوئی میری سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ تمام مستورات نے امام کے ارد گرد حلقہ بنا کر ماتم کیا۔

جناب اُم کلثوم سلام اللہ علیہا نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا: یَا یَزِیدُ الْمَلْعُونُ لَقَدْ اَمَرْتُ الْاِمْرَاضَ مِنْ دِمَاؤِ اَهْلِ الْبَيْتِ وَلَمْ يَبْقَ غَیْرُ هَذَا الصَّبِیِّ الصَّغِیْرِ ”اے یزید! تو نے اہل بیت کے خون سے زمین کو رنگین کیا ہے اور اس جوان کے علاوہ ہمارا کوئی مرد نہیں بچا۔“ ثُمَّ تَحَلَّقَتْ النِّسَاءُ جَمِیْعًا تَعْلُقُ الشَّفَقِیَّ پھر چونسٹھ مستورات اور بچے بیمار سجاد کے دامن سے لپٹ گئے اور سب فریاد کر رہے تھے کہ ہائے افسوس! ہمارے مرد، جوان، سب قتل کر دیے گئے، عورتوں کو قید کر لیا گیا اور اب ایک جو باقی بچہ ہے اس پر بھی تلوار تان دی گئی ہے۔

قیدیوں کی آہ و زاری اور دھمی بینوں نے یزید کے جسم میں لرزہ پیدا کر دیا اور دربار میں بیٹھے لوگوں کی حالت غمگین ہو گئی۔ یزید کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں بغاوت نہ ہو جائے چنانچہ وہ قتل امام سجاد سے منصرف ہو گیا۔

اہل بیت کا دربار خرابہ زندان میں قید ہونا

یزید نے امام سجاد علیہ السلام کے قتل سے منصرف ہونے کے بعد حکم دیا کہ ان کے گلے سے زنجیر کھول دی جائے اور عورتوں کے بازوؤں سے رسیوں کو کھول دیا جائے اور ان کو دوبارہ زندان بھیج دیا جائے تاکہ میں بعد میں سوچ کر ان کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکوں۔

علامہ مجلسی بخاری میں فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے مردوں سے بارہ افراد تھے، دربار یزید میں ان تمام کے گلے میں طوق اور زنجیر ڈالے گئے تھے۔ دربار سے واپسی پر زنجیر اتارنے کا حکم دیا گیا۔ صاحب کتاب ہذا کا بیان ہے کہ اہل بیت کے ان بارہ قیدیوں کے نام کتب میں مذکور نہیں صرف امام سجاد اور امام باقر علیہما السلام جو چار سال کے تھے۔ عمر بن الحسین، حسن بن حسن اور عمر بن حسن کا تذکرہ ہے۔

بہر صورت مرحوم قزوینی نے ریاض الاثران میں لکھا ہے کہ جب آل بیت کو قتل ہونے سے نجات ملی تو دوبارہ اس خرابہ زندان میں جس کی چھت نہ تھی لایا گیا۔ تمام مستورات اپنے جوانوں اور شہیدوں کی یاد میں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ ہر گوشہ میں تین تین چار عورتیں ایک دوسرے کے گلے میں بانٹیں ڈال کر اپنے شہیدوں پر آنسو بہاتی رہیں اور یتیم بچے اپنے زانوؤں پر ماتم کرتے رہے اور دل سے دھمی آہیں بھرتے رہے۔

مستورات اپنے جوانوں کے فراق میں آنکھوں سے بارش کی طرح آنسو بہا رہی تھیں اور حالت یہ تھی کہ تمام بیبیاں سڑکی تھکی ماندی تھیں، اُن کے رنگ اڑے ہوئے تھے، چہرے زرد تھے، بدن کمزور تھے، تازیانوں سے جسم پر نیلے داغ تھے، بے خوابی اور گرسلی کی وجہ سے انتہائی کمزوری ہو گئی، دلوں میں موت کی تمنائیں، دنیا سے سیر ہو چکی تھیں اور خدا سے مناجات کرتی تھیں۔

خرابہ شام کے زندان میں پریشانی

جب رات ہوئی اور تاریکی چھا گئی تو تمام غم اہل بیتؑ کے دلوں میں تازہ ہو گئے کیونکہ ایک طرف خرابہ کی دیواروں کے شکافوں اور دوسری طرف رات کی تاریکی کی وحشت سے بچے اور بچیاں خوف سے لرز رہے تھے۔ نہ بچانے کے لیے فرش تھا کہ اس پر بیٹھ سکیں۔ نہ چراغ تھا کہ روشنی کر لیں، نہ پانی تھا کہ تھکی دُور کر لیں۔ نہ کھانے کے لیے کوئی چیز موجود تھی۔

لَا طَعَامَ لَهُمْ وَلَا شَرَابَ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لَا فِرَاشَ لَا سِرَاجَ يَسْتَضِيئُونَ بِهِ وَلَا اَنْسَ

يَسْتَأْنِسُونَ..... الخ

”غربت کی حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر بیٹھے تھے۔ اطاعت، عبادت اور نماز کے

بعد مستورات نے بچے گود میں لیے اور سوز و گداز میں نوحہ پڑھنے لگیں۔ سب قیدی وحشت

اضطراب میں تھے کہ شاید خرابہ کی دیواریں اُوپر گر جائیں گی۔“

پس خدا جانتا ہے کہ کس مشکل سے اہل بیتؑ نے رات گزاری اور تمام مستورات اور بچوں کا درو جنابِ ننبؑ کبریٰ

کو تھا۔ آپؑ پوری رات جاگتی رہیں اور بچوں اور مستورات کو تسلیاں دیتی رہیں۔

خلاصہ یہ کہ مخدراتِ عصمت نے یہ رات نوحہ و زاری میں گزار دی اور جی بھر کر اپنے شہیدوں پر روتی رہی کیونکہ اس

سے پہلے سپاہی روہنے بھی نہ دیتے تھے۔ اس زندان میں نگہبان نہ تھے لہذا تمام ماؤں اور بہنوں نے کھل کر عزاداری کی اور

اپنے دل کے غم کو ذرا ہلکا کیا۔ جنابِ ننبؑ مرثیہ پڑھتی تھیں اور باقی سب روتے تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار میں بی بی پاکؑ کا یہ مرثیہ نقل کیا ہے۔

أَمَّا شَجَاكَ	يَا سَكَنُ	قُتِلَ الْحُسَيْنَ	وَالْحَسَنَ
ظِلْمَانِ مِنْ طُولِ الْحُزَنِ	وَكُلَّ	وَعَدْنَا	هَلْ
يَقُولُ يَا قَوْمُ أَيْبَى	عَلَى	الْبَرِّ	الْوَصِيِّ

”یعنی اے مستورات! میرے بھائی روزِ عاشور غریب و تنہا نقشہ لبوں سے میدانِ میں کھڑے تھے اور فرماتے تھے اے قوم! میرا باپ حیدرؑ و مہیٰ بنِ خنیسؑ ہے اور میری ماں فاطمہؑ شفیعہ یومِ محشر ہے اور میں حسینؑ رسولِ خدا کے دل کا چین ہوں، میری صرف ایک بات مان لو۔“

مَنْوَا عَلٰی اِبْنِ مُصْطَفٰی بِشَرِیْۃٍ تُحِیِّیْ بِہَا
اَطْفَالَنَا مِنْ الْقَتَاۃِ حَیْثُ الْفِرَاتِ سَائِلُ

”یعنی فرزندِ رسولؐ کی منت مانو اور میرے بچوں کو ایک گھونٹ پانی دے دو کہ ان کے جگر (پیاس سے) کباب ہو گئے ہیں، ان پیاس سے مرنے والوں کو پانی دو تاکہ وہ زندہ ہو جائیں۔“

قَالُوْا لَہٗ لَا مَآءَ لَنَا اِلَّا السَّیُّوْفُ وَالْقَنَاءُ
فَانْزِلْ بِحُکْمِ الْاَدِیْعِیَّاءِ فَقَالَ بَلْ اَقَاتِلْ

”ان ملعونوں نے میرے بھائی کے جواب میں کہا: اے حسین! تیرے لیے ہمارے پاس پانی نہیں بلکہ نیزے اور تلواریں ہیں۔ لیکن اگر تو ابنِ زیاد (حرام زادے) کی بیعت کرے تو پھر (پانی دیں گے) ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

میرے بھائی نے فرمایا کہ میں جنگ کے لیے حاضر ہوں اور پھر میرے بھائی نے اس قدر جنگ کی کہ میدانِ خالی ہو گیا لیکن ہاتھِ نبیؐ نے انہیں پھر روک دیا:

جَتِّیْ اَنَّاہُ مُشَقِّصُ رِمَآءَہٗ وَعَدَاۃُ اَبْرَصَ
مَنْ سَقَرٌ لَا یُخْلِصُ رَاجِسُ دُعیٰ وَاغْلُ

”پھر سہ شعبہ تیرا ایک مبروس ملعون نے ایسا مارا کہ اسی تیر سے میرے بھائی زمین پر آگرے اور دشمنوں نے خوشی کا اظہار کیا۔“

خرابہ شام میں دخترِ امام حسینؑ کی شہادت

زندگان میں ستم رسیدہ اور داغ دیدہ اہل بیتؑ صبح و شام اپنے جوانوں پر گریہ و زاری کرتے تھے اور یہاں نوحہ کرتی تھیں اور کسی وقت بھی خاموش نہ ہوتی تھیں۔ جب عصر کا وقت ہوتا تو یتیم بچے زندگان کے دروازے پر جا بیٹھتے اور شامیوں کو دیکھتے کہ شامی خوش و خرم اپنے بچوں کی انگلیاں پکڑے غذا اور پانی لیے اپنے گھروں کو جا رہے ہوتے اور پھر یہ بچے پڑ شکستہ

پرندوں کی طرح اپنی پھوپھی کا دامن پکڑتے اور کہتے کہ پھوپھی اماں کیا ہمارا کوئی گھر نہیں، ہمارے باپ کہاں ہیں؟ ہم کب گھر جائیں گے؟

جنابِ نذیب کبریٰ فرماتیں کیوں نہیں بیٹے! ہمارے گھر مدینہ میں ہیں، تمہارے بابا سفر پر گئے ہیں تو وہ بچے کہتے: پھوپھی جان! جو سفر پر جاتا ہے آخر وہ واپس تو آ جاتا ہے ہمارے بابا تو ابھی تک نہیں آئے۔ ان بچوں میں ایک بچی امام حسینؑ کی بیٹی تھیں جن کا نام فاطمہؑ تھا۔ ہجر و فراق کا درد لیے ہوئے، بابا کے سینے پر سونے کی عادی یہ بچی، لنگھی اور بھوک سے پریشان، سفر کی تکلیفیں اور غالموں کے طمانچے اور تازیانے، بابا اور بھائی کے داغِ مفارقت، اُونٹوں پر نیزے لگنے سے جسم زخمی، کانوں کے زور اُترنے سے کان زخمی، اپنی زندگی سے زیادہ غموں اور یتیمی نے اس بچی کو بہت متاثر کیا تھا۔ یتیمی اس کے سر و چہرہ سے ظاہر تھی۔

ایک رات بچی کے غم زیادہ ہو گئے اور وہ شدت سے مضطرب تھیں اور بار بار بابا کو یاد کرتی تھیں اور بابا کے جمال کی زیارت کی اور آرزو کرتی تھیں۔ یہ بچہ اگرچہ سن میں چھوٹی تھی لیکن اُن کی عقل کامل تھی اس لیے امامؑ کو بہت پیاری تھیں۔

فَالسَّبِطُ بِهَا حُبًّا فَمَا تَلَّتْ لَدَيْهِ يَشْتَهَى كَالْوَرْدِ یعنی اس بچی کی محبت کا بابا کے دل میں ایک مقام تھا، ہمیشہ بابا کے پاس بیٹھتی اور امامؑ اپنی شیریں زباں بنی کو پھول کی مانند اپنی بغل میں لے لیتے اور چومتے بھی تھے اور خوشبو بھی لیتے تھے۔ وہ رات کو امامؑ کے پاس سوتی تھیں۔ جب وہ اپنے بابا کی بے سربلای پر آئیں تو اپنی پیشانی کو بابا کے گلے سے نکلنے والے خون سے رنگین کر لیا اور عرض کیا: يَا أَبَتِہٖ اِذَا اَظْلَمَ اللَّیْلُ فَمَنْ یَحْمِلُنِی حَمَائِی ”بابا! اب جب رات ہو رہی ہے میں کہاں اور کس کے پاس سوؤں؟“

روزِ عاشورہ اس بچی کی حالت

تمام اصحاب اور احباب کی شہادت کے بعد جب امام علیہ السلام خیم میں آئے تاکہ سب سے وداع کریں تو کَانَ لِلْحُسَيْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِنْتُ عُمَرَا تَلَّتْ سَنَوَاتٍ فَجَعَلَ یُقْبِلُہَا وَقَدْ نَشَفَتْ شَفَتَاہَا مِنَ الْعَطَشِ حضرت امامؑ کی ایک بیٹی جو تین سالہ تھی، آئی اور دیکھا کہ بابا سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو بابا کے دامن سے پکڑا اور امامؑ نے بچی کو سینے سے لگایا اور پھول سے نازک چہرے کے بوسے لیتے اور کہی بے آب غنچہ کی طرح مرجھائے ہوئے لیوں کو چوستے تھے اور جھولی میں بٹھا کر تسلیاں دیتے تھے۔

اس مظلومہ نے باپ سے کہا: يَا أَبَتِہٖ الْعَطَشُ الْعَطَشُ فَإِنِ الظَّمَاءُ قَدْ أَحْرَقَ ”بابا میں بہت پیاسی ہوں، پیاس

نے میرے جگر کو کھاب کر دیا ہے۔“

حضرتؑ نے بیٹی کو تسلی دی پھر لباسِ جہاد پہنا، اسلحہ جنگ لگایا، مستورات کو وصیتیں اور امام سجاد علیہ السلام کو سفارشات کرنے کے بعد خیمہ سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو بچی نے پھر بابا کا دامن چڑا اور رو کر کہا: يَا أَبَتَ آيْنَ تَمْضِي عَنَّا يَا ابْنَهُمُ جَهْوَؤْ كِرْهًا جَابِرٌ هُوَ۔ اِمَامٌ نَعْمٌ فَرَمَا: بِئْسَ الْاجْلِسِيُّ عِنْدَ الْخَيْمَةِ لِغَلَىٰ آتِيكَ بِالْمَاءِ ”میری آنکھوں کی خشک، یہاں خیمہ میں بیٹھی رہو، میں جاتا ہوں اور پانی کا سوال کرتا ہوں شاید تمہارے لیے پانی لاسکوں“۔ یہ فرمایا اور میدان کی طرف چھے گئے۔

حَتَّىٰ دَنَىٰ نَحْوَ الْقَوْمِ وَكَشَفَهُمْ عَنِ الْمَشْرِعَةِ ”لشکر پر حملہ کیا اور لشکر کٹری کے غول کی طرح بکھر گیا اور فرات کا کنارہ خالی ہو گیا۔“ اور پانی کے پاس پہنچے ہی تھے کہ لشکروالوں نے فریاد کی: اے حسین! تم پانی پیتا چاہتے ہو جب کہ عرب تمہارے خیام کو لوٹنے لگے ہیں، یہ سنتے ہی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ جمہوٹی خبر ہے، امامؑ نے پانی نہ پیا بلکہ بجائے پانی کے ایک تیر گلے پر لیا اور خیام کی طرف گھوڑا دوڑا کر آئے۔ بچی نے دیکھا کہ بابا کا گھوڑا آ رہا ہے، تو خیمہ سے نکل کر آگے دوڑی۔ دونوں ہاتھ بغل میں کیے اور عرض کیا: یَا أَبَتَیْ هَلْ آتَيْتَنِی بِالْمَاءِ ”بابا! میرے لیے پانی لائے ہو؟“

امامؑ نے فرمایا: میری لخت جگر نہیں لاسکا صبر کرو، پھر جاتا ہوں شاید اب پانی لاؤں گا۔ دوبارہ میدان میں گئے اور پھر بچی پانی کا انتظار کرتی رہی لیکن نہ پانی آیا اور نہ بابا کی زیارت کر سکی۔ لیکن جب قیدیوں کو قتل سے گزرا جا رہا تھا اور امام حسینؑ کو اپنی مقل میں خاک و خون میں غلطان دیکھا۔

فَرَأَيْنِ جُثَّةً بِلَا رَأْسٍ فَسَقَطُنْ عَلَيْهِ وَكَشَرُنْ بِالْبَكَاةِ وَالْعَوِيلِ ”کہ بدن بغیر سر کے پڑا ہے تو تمام بیٹیاں لاش پر گر پڑیں۔ جناب فاطمہؑ نے بابا کے گلے کا خون ہاتھوں پر لے کر اپنے پریشان بالوں کو خضاب کر لیا۔ جب جناب زینبؑ نے بچی کی یہ حالت دیکھی تو جَعَلَتْ تَقْطِي وَجْهَهَا لِئَلَّا تَرَى أَبَاهُ مُخَضَّبًا بِاللِّدْمَاءِ اُس کے دامن کو پکڑا اور اس کے چہرے پر آستین کا پردہ بنایا تاکہ اپنے بابا کی یہ حالت نہ دیکھے لیکن یہ بچی عقلاً کامل تھی، جانتی تھی کہ کیا ہو گیا ہے اور پھر بھی اماں مجھ سے کیوں چھپانا چاہتی ہیں، اس لیے عرض کیا:

دَعُونِي اَقْبِلْهُ وَاَطْلُبْ مِنْهُ مَا وَعَدْنِي بِهِ ”چھو بھی اماں! مجھے چھوڑ دیں، میں بابا کو بوسے دے لوں اور جو وعدہ کر کے گئے تھے اس کا پوچھ لوں۔“

سب پردہ داروں نے کہا: اے آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹی! لَا تَرَآةِ الْآنَ وَغَدًا يَأْتِي وَمَعَهُ مَا تَطْلُبِينَ ”ابھی بابو نہ دیکھو، کل آ جائیں گے اور تمہارے لیے پانی لائیں گے۔“

✽ خلاصہ یہ کہ وہ دن گزرا لیکن بچی ہمیشہ بابا کا حال پوچھتی رہتی تھی اور زار و قطار روتی تھیں، وہ کہتی تھی: اَبن اَبی

وَوَالِدِی وَالْمَحَامِی عَنِّی ”میرے بابا کہاں ہیں؟ تمام مستورات تسلیاں دے کر ان کو خاموش کراتی تھیں حتیٰ کہ یہ قیدی کر بلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام آگئے۔“

شام کے راستے میں اس بچی نے شترسواری سے بہت تکلیف کا اظہار کیا اور اپنی بہن سے کہا: یا اُختی قَدْ ذَابَتْ مِنَ السَّیْرِ مُهْجَتِی ”اے بہن! اُونٹ اتنی تیزی سے چلتے ہیں کہ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میرا دل و جگر پانی پانی ہو گیا ہے۔“

اس پر جم بردار ساربان سے کہو کہ ایک لحظہ اُونٹوں کو روک دے تاکہ میں سانس لے لوں یا انھیں آہستہ چلائے ورنہ میں مر جاؤں گی۔ ساربان سے پوچھو کہ ہم کب منزل تک پہنچیں گے؟

جب شام آئی تو دربار یزید کی حالت دیکھی، منزل خرابہ زندان دیکھا تو اس بی بی کا دل بہت آزرده ہوا۔ نہ فرش، نہ چراغ، نہ پانی، نہ کھانا، دن کو سورج کی دھوپ اور رات کو گریہ زاری کہیں سے سکون نہ تھا۔ دُکھ ہی دُکھ تھا۔ ایک رات بابا کی زیارت کو دل اس قدر مجبور ہوا کہ زانوؤں کو بغل میں لے کر سر کو زانو پر رکھا اور بابا کے فراق میں رونا شروع کر دیا اور یہ فرمایا: بابا! اس خرابہ شام میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں کہ شاید آپ آج آئیں۔ اب تو میری ہڈیاں بھی آپ کے فراق میں تحلیل ہو گئی ہیں۔ اب تو میری جان نکلنے کو ہے اب ہی آ جاؤ۔

بازار شام دیدم دُشمنِا شنیدم دُشوار تر ندیدم از این خرابہ جانی
این دختران شامی سر گزارند بالین من شدہ خشت غافل چرا زمانی

بودی ہمیشہ جاہم در روی دامن تو

از تو عنیدہ بودم ایگو نہ بے وفائی

”بابا شام کے بازار دیکھے، ہمیں گالیاں دی گئیں وہ سنیں۔ اس زندان سے پریشان گن اور کوئی مقام تھا؟ شامی لڑکیوں کے سروں کے نیچے تکیے ہیں اور میں سر کے نیچے اینٹ رکھتی ہوں۔ اس قدر زمانہ غافل ہے۔ ہمیشہ میری جگہ آپ کے دامن میں ہوتی تھی۔ اب سے پہلے اس قدر بے وفائی نہ دیکھی تھی۔“

بچی اس طریقے سے اپنے بابا سے راز و نیاز کرتی رہی اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین ان کے آنسوؤں سے گیلی ہو گئی۔ روتے روتے نیند آگئی تو عالم خواب میں دیکھا کہ بابا کا سر طلائی طشت میں یزید کے سامنے پڑا ہے اور وہ چھڑی سے لبوں اور دانتوں پر مار رہا ہے اور بابا چھڑیوں کی ضربوں کے نیچے بار بار استغاثہ کرتے ہیں اور رب کو شکوہ کرتے ہیں۔ بچی نے باپ

کے بریدہ سر کو دیکھنے اور ان کو چھڑیاں لگنے کی وجہ سے گریہ وزاری اور آہ و فغاں کی اور خوف سے نیند سے بیدار ہو گئی۔

تَبْكِي وَتَقُولُ وَابْتَاةً وَاقْرَةً عَيْنًا وَاحْسِنَةً

ایسی دھاڑیں مار مار کر روئیں کہ تمام قیدی پریشان ہو گئے اور فریاد کر رہے تھے: وَاْمَحْمَدَاہُ وَاَعْلِيَاہُ وَاحْسِنَا۔ تمام مستورات نے حلقہ بنایا اور ان سے کثرت اور شدت گریہ کی وجہ پوچھی تو بی بی پاک نے فرمایا: اِيْتُوْنِي بِوَالِدِي وَ قُوَّةَ عَيْنِي ”میرے بابا کو لاؤ، نور چشم کو لاؤ تاکہ ان کے جمال کی زیارت کروں۔“

لَاتْنِي رَأْيْتُ رَأْسَهُ بَيْنَ يَدَي يَزِيدَ وَهُوَ يَنْكُثُهُ ”پھوپھی جان میں نے ابھی خواب میں دیکھا کہ بریدہ سر یزید کے سامنے پڑا ہے اور وہ ظالم چھڑی سے ان کے لبوں اور منہ پر مار رہا ہے۔“

اور میرے بابا کا سر خدا کے سامنے استغاثہ کرتا ہے۔ مجھے ابھی بابا کے سر سے ملاؤ۔ قیدی بیبیوں نے جس قدر بھی چاہا کہ اسے خاموش کرائیں، نہ کرا سکیں بلکہ بی بی کے گریہ وزاری میں اضافہ ہوتا گیا، جب عورتیں خاموش نہ کرا سکیں تو امام زین العابدین آگے بڑھے اور بہن کو بغل میں لیا اور سینے سے لگایا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا: بہن! صبر کرو، رو کر ہمارے دلوں کی زیادہ دکھی نہ کرو لیکن پھر بھی بچی کا گریہ وزاری جاری رہا اور وہ یہ کہہ کر ماتم کرتی رہیں: کہاں گئے میرے بابا! میرے تاجہ۔ بابا! میرے بزرگوار بابا! آپ ہمیشہ مجھے اپنی آغوش میں لیتے اور بوسے دیتے تھے۔ پھر امام زین العابدین کے دامن و چکر اس قدر گریہ وزاری کی کہ حَتَّى غَشِيَ عَلَيْهَا وَانْقَطَعَ نَفْسَهَا ”غش آ گیا اور سانس ٹوک گئے۔“

امام بچی کی غربت پر رو پڑے۔ امام کو دیکھ کر تمام مستورات کے گریہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ فَضْخُوا بِالْبُكَاءِ وَجَدَّوْا الْاَحْزَانَ وَخَشَوْا عَلٰی رُؤْسِهِمُ التُّرَابَ وَلَطَمُوا الْخُدُودَ وَشَقُّوا الْجُيُوبَ وَقَامَ الصِّيَاحُ ”یہ دیرانہ نہ خرابہ قیدیوں کے دکھی بین کر کے رونے سے بعد نالہ و بکا بن گیا۔ بچی بے ہوش ہو گئی، محدرات عصمت دکھ اور غم سے سر اور منہ پر ماتم کرتی تھیں۔ سروں میں خاک ملائی تھیں، گریبان چاک کرتی تھیں۔ رونے کا شور اس قدر تھا کہ یزید کے محل میں رونے کی آوازیں پہنچیں۔“

طاہر بن عبد اللہ دمشقی کہتا ہے کہ اس وقت یزید کا سر میرے زانو پر تھا اور فرزند زہراء کا سر ایک طشت میں پڑا تھا۔ جوں ہی قیدیوں کے رونے کی آواز بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ سر کے اوپر سے رومال ایک طرف ہو گیا اور سر نے بلند ہوتا شروع کیا اور چھت کے قریب بلندی پر جا کر بلند آواز سے فرمایا: اُخْتِي سَكَنَتِي اِبْنَتِي ”اے میری بہن زہرا! میری بیٹی و خاموش کیا؟“

پھر میں نے دیکھا کہ سر نیچے طشت میں آیا اور یزید کو مخاطب کر کے بولا: اے یزید! میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا کہ مجھے

قتل کیا ہے اور میرے اہل و عیال کو اسیر کیا ہے۔ پس اس خوفناک آواز اور گریہ زاری کی صداؤں سے یزید کی آنکھ کھل گئی اور اُس نے سر اٹھا کر پوچھا: ظاہر کیا بات ہے؟

میں نے کہا: اے یزید! میں اور تو کچھ نہیں جانتا صرف خرابہ شام سے قیدیوں کے زار و تظار رونے کی آواز آرہی ہے اور یہ دیکھا کہ گریہ کی آواز میں شدت آئی تو سر مبارک حسین طشت سے اٹھ کر چھت کے قریب جا کر یہی فرمایا کہ بہن میری بیٹی کو خاموش کراؤ۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ یزید نے غلام بھیجا کہ جاؤ خرابہ زندان سے خبر لاؤ کہ کیوں رونے کا شور و غل ہے۔ غلام آیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ امام حسین کی ایک چھوٹی بچی نے اپنے بابا کو خواب میں دیکھا ہے، اب وہ آرام نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ میرے بابا کو لاؤ۔ غلام آیا اور یزید کو یہ واقعہ بتایا تو اُس پلید نے کہا کہ: اِسْرِفُوا رَأْسَ اَبْنِیْہَا اِلَیْہَا ”کہا: جاؤ اس کے بابا کا سر اس کے پاس لے جاؤ تاکہ اسے آرام آجائے۔“

پس سر مطہر کو طشت میں رکھا اور اوپر رومال دے کر خرابہ زندان میں لایا گیا اور کہا گیا: اے قیدیو! یہ امام حسین کا سر آیا ہے۔

فَاتَوَّ بِهَا الطَّشْتَ یَلْمَعُ نُورُہٗ کَالشَّمْسِ بَلْ هُوَ فَوْقَہَا فِی الْبَہِجَةِ فَجَاؤَ بِالرَّأْسِ الشَّرِیفِ وَهُوَ مَغْطٰی بِمَنْدِیْلِ دِیْبَقٰی فَکَشَفَ الْغَطَاءَ عَنْہُ

سر کو جب بی بی کے آگے رکھا گیا تو بی بی نے رومال ہٹایا تو دیکھ کر پوچھا: مَا هٰذَا الرَّأْسُ ”یہ سر کس کا ہے؟“ دیگر بیبیوں نے کہا یہ آپ کے بابا حسین کا سر ہے۔ فَانْکَبَتْ عَلَیْہِ تَقْبِلُہٗ وَتَبْکِیْ وَتَضْرِبُ عَلٰی رَأْسِہَا وَوَجْہُہَا حَتّٰی اِمْتَلَا فَتْہَا بِالْدَّیْمِ ”تو وہ اپنے بابا کے سر پر گر پڑیں اور سر و صورت پر ماتم بھی کرتی تھیں اور بابا کے کئے گلے پر بوسے بھی دیتی تھیں۔ بی بی نے اس قدر بوسے دیے کہ اپنے بابا کے رخساروں اور ڈاڑھی کو چومتے ہوئے بی بی کا سر خون سے بھر گیا۔ پھر ایسے دُکھی بین کیے کہ صبر شام کی دیواریں بھی لرز گئیں۔

● پہلا بین: یَا اَبْنَاہُ مَنْ ذَا الَّذِیْ خَضَبَکَ بِدَمَائِکَ یَا اَبْنَاہُ مَنْ ذَا الَّذِیْ قَطَعَ وَرَیْدَکَ ”بابا! آپ کو اپنے اس خون کا واسطہ مجھے بول کر بتاؤ کہ کس حرام زادے نے آپ کو آپ کے خون سے خضاب کیا ہے؟ اور کس ملعون نے آپ کی رگوں کو کاٹا ہے؟“

● دوسرا بین: یَا اَبْنَاہُ مَنْ ذَا الَّذِیْ اُتْمِنٰی عَلٰی صَغِیْرِ سَنٰی یَا اَبْنَاہُ مِنْ لِلِیْتِیْمِ حَتّٰی تَکْبُرَ ”کس ظالم نے مجھے بچپن میں یتیم کر دیا۔ بابا آپ کے بعد یتیموں کی سرپرستی کون کرے گا تاکہ وہ بڑے ہوں۔“

● تیسرا بین: یَا اَبْنَاہُ مَنْ لِلنِّسَاءِ الْحَاسِرَاتِ یَا اَبْنَاہُ مَنْ لِلْاَرَامِلِ الْمُسْتَبِیَّاتِ ”بابا! یہ سر برہنہ مستورات

کہاں جائیں اور زنان بیوہ اپنی پناہ گاہ کو کہاں تلاش کریں؟“

● چوتھا بین: یَا اَبْتَاہُ مِنَ اللَّغُیُونِ الْبَاکِیَاتِ یَا اَبْتَاہُ مِنَ الشَّعُوْرِ الْمَنُشُوْرَاتِ یَا اَبْتَاہُ مِنَ بَعِیْدِ وَاخِیْبَتَاہُ مِنَ بَعْدِکَ وَاغْرِبَتَاہُ ”بابا جان! یہ روتی آنکھیں اور بے متع و چادر جسم اور یہ پردہ سی قیدی اپنے پریشان بالوں سے کیا کریں اور کدھر جائیں، بابا آپ کے بعد ہماری دنیا تاریک ہوگئی ہے۔“

● پانچواں بین: یَا اَبْتَاہُ لَیْتَنِیْ وَکُنْتَ لَکَ الْفِدَاءُ لَیْتَنِیْ کُنْتُ قَبْلَ هَذَا الْیَوْمِ عَمِیًّا یَا اَبْتَاہُ لَیْتَنِیْ وَسَدَّتِ الشَّرْیَ وَلَا اَرٰی شِیْبَکَ مُخَضَّبًا بِالْدِّمَآءِ ”اے بابا! کاش میں آپ پر قربان ہو جاتی اور کاش میں آپ کی یہ حالت نہ دیکھتی، کاش میں دفن ہوگئی ہوتی اور آپ کی ریش مبارک کو خون سے آلود نہ دیکھتی۔“

بہن بی بی پاکِ مسلسل یہ راز و نیاز کرتی رہیں اور روتی رہیں اور اس قدر دکھی بین کیے کہ گلے کی آواز آہستہ آہستہ بند ہوتی گئی۔ سانسوں کی رفتار سست ہوگئی۔ کبھی وہ سر کو اپنے دائیں طرف رکھتیں اور بوسے دیتی تھیں اور ماتم کرتی تھیں اور کبھی سر مقدس کو بائیں طرف رکھتیں اور بوسے دیتی تھیں۔ وہ بار بار بابا کی خون آلود ڈاڑھی سے خون ہاتھوں پر لگاتی اور سر پر ہتھ اور سر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تازہ تازہ تن سے جدا ہوا ہے۔

کُلَّمَا مَسَحَتْ الدَّمَ مِنْ شِیْبَہِ احْمَرَ الشَّیْبِ کَمَا کَانَ اَوَّلًا ”اور جس قدر بابا کے گلے سے خون صاف کرتی دوبارہ اسی قدر خون آ جاتا اور گلہ خون سے رنگین ہو جاتا۔“

● چھٹا بین: یَا اَبْتَاہُ مَنْ جَرَّ اَسْوَکَ یَا اَبِیْ مَنْ اَمْتَقٰی مِنْ فَوْقِ صَدْرِکَ قَابِضًا لِحِیْثَکَ ”باقی مستورات بچی کے ارد گرد کھڑی تھیں چونکہ تمام امام حسینؑ پر رونے کے لیے بہانے کی تلاش میں ہوتی تھیں اور آج وہ بہانہ بچی کے دکھی بہنوں سے زیادہ کون سا ہو سکتا تھا۔ جب مصومہ بین کرتی تو تمام بیبیاں ہائے کر کے روتی تھیں۔“

● ساتواں بین: یَا اَبْتَاہُ مِنَ النِّسَاءِ الثَّاکِلَاتِ ”بابا یہ شوہر مردہ (بیوہ) عورتیں کیا کریں۔“
ثُمَّ وَضَعَتْ فَمَہَا عَلٰی فِہِ الشَّرِیْفِ وَبَکَّتْ طَوِیْلًا ”پھر بچی نے اپنا منہ بابا کے لیوں پر رکھا اور کافی دیر تک بین نہ کیا لیکن زار و قطار روتی رہی۔“

فَنَادَاہَا الرَّاسُ بِنَتِّہِ اِلَیَّ اِلَیَّ هَلُمَّیْ فَاِنَّا لَکَ بِالْاِنْتِظَارِ ”تب سر مقدس سے آواز آئی: بیٹی آؤ میری طرف جلدی آؤ میں تمہارے انتظار میں ہوں۔“

جب بچی نے یہ آواز سنی تو فَعَشِیَ عَلَیْہَا عَشْوَةٌ لَمْ تَفْقَ بَعْدَہَا ”اُس پر غشی اور بے ہوشی طاری ہوگئی اور سانس نہ

رفقار رک گئی اور پھر ہوش میں نہ آئیں۔

فَحَرَّكَوْهَا فَاِذَا هِيَ قَدْ فَارَقَتْ رُوْحَهَا الدُّنْيَا ”جب بی بی کی نبض پر ہاتھ رکھا گیا اور بلایا گیا تو سب نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پس اہل بیتؑ کے غم میں شدت آگئی اور اس قدر غم و اندوہ و گریہ و زاری ہوئی کہ تمام ہمسائیوں کو پتہ چل گیا کہ کوئی بڑی مصیبت آئی ہے۔ سب ہمسائے دوڑ کر دروازہ خرابہ پر آئے تاکہ معلوم کریں کہ کیوں یہ سب رورہے ہیں اور مشکل روز عاشور عزاداری کیوں ہو رہی ہے؟

ہمسایہ کی عورتیں غسل عورت کو لائیں، کافور و کفن لائیں، چراغ لائیں، غسل کے لیے تختہ لائیں۔

غسل عورت سے جنابِ زینبؑ کا زبان حال میں خطاب

جب مصومہ کو تخت پر لٹایا گیا کہ غسل دیا جائے تو بی بی زینبؑ نے زبان حال سے فرمایا ہوگا: اے غسل! اس یتیم بچی کو خدا کی خوشنودی کے لیے غسل دے دے اور یہ خیال نہ کرنا کہ یہ اہل روم سے ہے کہ جن کو غسل دینا تیرے لیے بعید ہے۔ یہ عالمین کے سرور امام حسینؑ کے سینے کا تعویذ ہے اور اس کا نام قاطمہؑ ہے۔ اس کے پاؤں کے زخم دیکھ کر حیران نہ ہونا کیونکہ ظالموں نے اسے کانٹوں پر چلنے پر مجبور کیا اور اس کے جسم پر جو نیلے داغ نظر آئیں تو سمجھ لینا کہ ظالموں کے تازیانوں اور طمانچوں کے نشانات ہیں۔ اور جو زخم کندھے پر دیکھ رہی ہو اس نیزے کے زخم ہیں جو اسے رونے سے روکنے کے لیے لگائے جاتے تھے۔ اور کانوں سے جو خون بہہ رہا ہے وہ اس کے کانوں سے ظلم کے ساتھ دڑاتا رہنے کی وجہ سے ہے۔

غسل دینے میں مصروف ہو گئی اور مستور است اہل بیتؑ ماتم کر رہی تھیں۔ غسل کے بعد اسی پہنے ہوئے پیراہن کو کفن بنایا گیا اور اس بچی کو اسی خرابہ زندان میں دفن کر دیا گیا۔ جب بی بی زینبؑ قید سے چھوٹیں اور اہل بیتؑ وطن واپسی کے لیے تیار ہوئے تو جنابِ زینبؑ کبریٰؑ نے زندان کے دروازے پر آ کر محمل سے سر باہر نکالا اور شامی عورتوں سے فرمایا: ہماری ایک امانت اس زندان میں ہے، تمہیں اس کی جان کی قسم کبھی کبھی اس کی قبر پر ضرور حاضری دینا، ان کی قبر پر پانی چھڑکنا اور چراغ روشن کرنا۔

مزید مرثیہ بہ زبان حال

اے اہل شام! میں لبو لہو دل اور برستی آنکھوں سے تمہارے شہر سے جاری ہوں۔ تمہاری بے وفائی کی حد تمہی کہ امام حسینؑ کے قتل ہونے کے بعد تم نے خوشیاں منائیں اور مہندی لگائی۔ جن بیبیوں کے گھروں کا دربان جبرئیلؑ تھا ان کو اسے

خوابہ میں رکھا گیا اور جب تک ہم زندان میں رہیں ہمارا بستر خاک اور نگینہ اینٹیں تھیں۔ اب میں جا رہی ہوں اور آنسو بہاتے ہوئے ایک وصیت کرتی ہوں کہ ہماری چھوٹی بچی کی قبر پر، جو عالم غربت میں فوت ہوئی، کبھی کبھی آکر چراغ جلا دینا۔

شامی خطیب کے خطبے کے جواب میں امام سجادؑ کا انقلابی خطبہ

شام میں اہل بیتؑ کے مصائب میں سے ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ شامی خطیب حکم یزید منبر پر آیا اور حجت خداؑ کی موجودگی کے باوجود اور لوگوں کے پُرہجوم مجمع میں یزید کے آباء و اجداد کی مدح سرائی کی اور اولیا کے شہنشاہ کی مذمت کی۔ بعض کتب میں اجمالی اور بعض میں تفصیلی خطاب درج ہیں البتہ سب کے نزدیک خطبہ کا ہونا مسلم ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ خطبہ دربار یزید میں دیا گیا یا جامع مسجد میں دیا گیا۔

مرحوم سید لہوف میں اور دیگر مؤرخین بھی لکھتے ہیں: یہ دربار یزید میں وارد ہوا اور بعض دیگر نے جامع مسجد میں لکھتے ہیں جہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔

شیخ طبری نے احتجاج میں، ابوحنیفہ نے اپنے مقتل میں، ابن شہر آشوب نے مناقب میں یہ خطبہ نقل کیا ہے اور عمر مجلسیؒ نے بحار میں اس واقعہ کو مناقب میں سے شمار کیا ہے اور دوسروں سے زیادہ مفصل اس خطبہ کی تشریح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے۔ پھر ایک زبان دراز بد بخت خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر شہنشاہ اولیا کی سخت مذمت کرے۔

فَصَعَدَ الْخَطِيبُ الْمَنْبِرَ خَطِيبٌ بَنِي نَصِيبٍ اُتَمَّ اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ شروع کر دیا۔ پہلے حمد و ثناء الہی کی۔ ثُمَّ اَمْسَكَ الْوَقِيْعَةَ فِي عِلْيٍّ وَالْحُسَيْنِ ”یعنی شہنشاہ اولیاء اور سید الشہداء کے بارے میں گندی اور فضول زبان استعمال کی اور معاویہ و یزید کی تعریف میں بہت سے فضائل و مناقب پڑھے جن میں ان کی صفاتِ جمیلہ بیان کیں اور انہی فضائل و مناقب کے ساتھ معاویہ اور یزید کو خلافت کے لیے اولیٰ اور بہتر کہا۔

امام زین العابدین علیہ السلام یہ برداشت نہ کر سکے اور فرمایا: وَيْلَكَ اَيُّهَا الْخَاطِبُ اِشْتَرَيْتَ مَرْضَاتَ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ ”اے خطیب! ہائے افسوس تجھ پر، تو نے خالق کو ناراض کیا اور مخلوق کی رضامندی خریدی تو نے بہت بُرا کیا ہے؟“

پھر حضرت امام سجاد علیہ السلام یزید کے پاس آئے اور فرمایا: يَا يَزِيدُ اِيْذِنْ لِيْ حَتَّىْ اَصْعَدَ هَذِهِ لِلْعَوَادِ ”یزید! مجھے اجازت ہے کہ میں بھی ان کٹڑیوں کے مجموعے پر جاؤں اور ایسا خطبہ دوں جو زمانے خدا و رسول پر مشتمل ہو۔“

خطبہ سننے والوں کو بھی اجر اور ثواب ملے گا۔“

یزید نے کہا: آپ کے منبر پر جانے کی ضرورت نہیں لیکن ارکان و امراءِ شام نے کہا: اے امیر المومنین! اگر اجازت دے دو تو کیا حرج ہے۔ یہ ہاشمی جو ان بھی مجازی لہجہ کے ساتھ بھی منبر پر جائے اور ہم اس سے کچھ سنیں اور اس کے الفاظ و عبارات پر غور کریں تاکہ شام و حجاز کی فصاحت و بلاغت کا فرق سمجھ میں آجائے۔

یزید نے کہا: اے شامیو! یہ قبائل حجاز بہت فصیح و بلیغ ہوتے ہیں اگر یہ منبر پر گیا تو اس وقت تک نیچے نہیں آئے گا جب تک مجھے اور ابوسفیان کے تمام خاندان کو ذلیل و شرمندہ اور رسوا نہ کر دے گا۔ یہ بنی امیہ کے متعلق بہت بُرے الفاظ کہتے ہیں۔ فَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ نَرْقُوا الْعِلْمَ نَرْقًا ارکان دولت نے پھر درخواست کی کہ اے یزید! خدا اس کے معاملات صحیح فرمائے۔ اس نو جوان کی یہ طاقت کہاں کہ اس قسم کے پُر ہجوم مجمع میں کھل کر بات کر سکے۔ ہماری تو صرف یہ خواہش ہے کہ اپنے جدِ پیغمبر اکرمؐ سے ایسی حدیث سنائے جو ہمارے لیے صیحت اور سکون کا باعث ہو۔

اب یزید ان بزرگان اور ارکانِ حکومت کی بات کو رد نہ کر سکا اور مجبوراً اجازت دے دی۔ تب امام سجاد علیہ السلام زمین سے اٹھے اور منبر کے پاس آئے۔ پہلی اور دوسری سیڑھی پر قدم رکھا اور بٹھہ نورِ عرش پر جلوہ گر ہوا۔ لوگ دُور و نزدیک سے آئے کہ یہ مسافرِ مخلص کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے؟

امام علیہ السلام نے پہلے حمد و ثنائے باری تعالیٰ ۱ اور ایسی حمد کی کہ دنیا نے آج تک ایسی حمد نہ سنی تھی۔ پھر خطبہ دیا: ثُمَّ خَطَبَ خُطْبَةً بَلَكَ فِيهَا الْعَيُونُ وَأَوَجَلَ مِنْهَا الْقُلُوبَ ”ایسا خطبہ دینا شروع کیا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خوفِ خدا پیدا ہونے لگا۔“ پھر فرمایا: أُعْطِينَا سِتًّا وَفَضَّلْنَا بِسَبْعٍ ”خدا نے ہم اہل بیتؑ کو چھ چیزیں عطا کی ہیں اور سات چیزیں دے کر فضیلت دی ہے۔“

وہ چھ چیزیں جو عطا کیں وہ علم، حلم، سہمتہ (بزرگی)، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے یعنی جو بھی مومن ہے ہم سے محبت کرتا ہے اور وہ ساتویں چیز جو ہمیں بطور فضیلت دی گئی ہیں وہ یہ ہیں: نبی مختار حضرت محمد مصطفیٰؐ، جناب حیدر کزائرؑ، جناب جعفر طیارؑ، جناب حمزہ سید الشہداءؑ، اسد الرسول اور حسنؑ و حسینؑ کی ذواتِ مقدسہ ہم اہل بیتؑ پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے۔

اے شامیو! جو مجھے پہچانتا ہے تو ٹھیک اور جو نہیں پہچانتا تو اسے میں اپنی شناخت کرائے دیتا ہوں کہ میرے حسب اور نسب کو شرم بھی جانتا تھا اور وہ بھی جانتا ہے جس نے میرے بابا کے گلے میں تیر مارا اور پہلو میں نیزہ مارا اور یزید بھی مجھے جانتا ہے جس نے میرے بابا کے قتل کا حکم جاری کیا ہے لیکن لوگو! تم نہیں جانتے اور ہمیں خارجی کہہ رہے ہو، یہ بالکل غلط ہے اور

حقیقت اس کے برعکس ہے، لہذا سنو میں تمہیں اپنا حسب و نسب بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟

أَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمِنْهُ أَنَا ابْنُ نَزْمٍ وَالضَّفَاءُ أَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ الرُّكْنَ بِأَطْرَافِ الرِّدَاءِ
أَنَا ابْنُ خَيْرٍ مَنِ انْتَعَلَ وَاحْتَفَى أَنَا ابْنُ خَيْرٍ مَنْ طَافَ وَسَعَى أَنَا ابْنُ خَيْرٍ مَنْ حَجَّ
وَلَكِنِّي أَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ عَلَى إِبْرَاقٍ فِي الْهَوَاءِ أَنَا ابْنُ مَنْ أُسْرِى بِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْاِقْطَیِّ ، أَنَا ابْنُ مَنْ يَلْبِغُ بِهِ جَبْرِئِيلُ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى أَنَا
ابْنُ مَنْ ذَى فَتْكُلِّي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى أَنَا ابْنُ مَنْ صَلَّى بِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ أَنَا
ابْنُ مَنْ أَوْحَى إِلَيْهِ الْجَلِيلُ مَا أَوْحَى

لوگ بہت تعجب کر رہے تھے کہ اس قدر رسول پاکؐ کے القاب کہتے جا رہے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف دیتے رہے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں، جب کہ یزید نے شہرت کی ہوئی ہے کہ یہ خارجی ہیں۔ لوگوں نے مسجد کے محن میں بیٹھنے والوں کو خبر دی اور سب نزدیک آ گئے تو اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نحر یزید محمد مصطفیٰ ہوں۔ جب لوگوں نے سنا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں تو ان کا گریہ اور زاری بلند ہوئی۔ پھر فرمایا: میرے باپ کا دوسرا نام سنو:

أَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ حَرَاطِيمَ الْخَلْقِ حَتَّى قَالُوا أَنَا ابْنُ مَنْ حَرَبَ بَيْنَ يَدَي رَسُولِ اللَّهِ
بِسَيْفَيْنِ وَطَعَنَ بِرَمَحَيْنِ وَهَاجَرَ الْهَجْرَتَيْنِ وَيَايَمَ الْيَبْعَتَيْنِ وَقَاتَلَ بَدْرًا وَخُنَيْنَ
وَلَمْ يَكْفَرْ بِاللَّهِ طَرَفَةَ عَيْنٍ أَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَارِثِ النَّبِيِّينَ قَائِمِ الْمَلْحَدِينَ
يَعْسُوبِ الْمُسْلِمِينَ نُورِ الْمَجَاهِدِينَ وَنَرِينِ الْعَابِدِينَ وَتَاجِ الْبَكَائِينَ أَصْبَرِ
الصَّابِرِينَ وَأَفْضَلِ الْقَائِمِينَ ، مَنْ آلَ يُسِينَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ

أَنَا ابْنُ الْمُؤَيَّدِ لَجِبْرَائِيلَ الْمَنْصُورِ بِمِيكَائِيلَ أَنَا ابْنُ الْمُحَامِي عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِينَ
وَقَاتَلَ الْمَارْقِينَ وَالنَّاسِكِينَ وَالْقَاسِطِينَ وَالْمَجَاهِدِ اْعْدَاءَ اللَّهِ وَافْخَرُ مَنْ مَشَى مِنْ
قُرَيْشٍ اِجْمَعِينَ أَوَّلُ مَنْ اِجَابَ وَاسْتَجَابَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوَّلُ
السَّابِقِينَ وَقَاصِمِ الْمُعْتَدِينَ وَ مَبِيدِ الْمُشْرِكِينَ وَسَهْمِ مَنْ مَرَامَى اللَّهُ عَلَى
الْمُنَافِقِينَ وَلِسَانِ حِكْمَةِ الْعَابِدِينَ وَنَاصِرِ دِينِ اللَّهِ وَلِيِ اِمْرِ اللَّهِ وَبِسْتَانِ حِكْمَةِ اللَّهِ
وَعَيْبَةِ عَلَيْهِ سَمِحِ سَخِيٍّ يَهْلُو تَرْكِي اِبْطَحِي رَضِيٍّ مُقَدَّمِ هِمَامِ صَابِرِ ضَوَامِ أُمِّ
وَمَهْدَبِ قَوْمِ قَاطِعِ اِلْاَصْلَابِ مَغْرَقِ اِلْاِحْزَابِ اِرْبَطُهُمْ عَنَّا وَابْتَهْمُ جَنَانًا اِمْضَاهُمْ

عَزِیْمَةٌ وَاشْدَاهُمْ شَكِیْمَةً اسدِ باسلِ یطحنهم فی الحروبِ اِذَا اُنْ دلفت الٰی سِنَّةَ
وَقَرِیْبِ الِاعِنَّه طعن الرِّحَا ویذروهم فیہَا ذرٌ والرِّیحُ الهشِیمُ لیثُ المحجَّارِ کَبشُ
العِراقِ مَكْنِیُّ مَدَنِیُّ حَیْقِیُّ بَدَارِیُّ اَحَدِیُّ شَجَرِیُّ مَهَاجِرِیُّ مِنَ الْعَرَبِ سِیدُهَا
وَمَنْ الْوَعْنِیُّ لِیثُهَا وَاَرَاكَ الشَّعْرَیْنِ ابوالسَّبْطِیْنِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ ذَلِکَ عَلٰی بَنِ
اَبِی طَالِبٍ

”یہ میرے دادا ہیں جن کے القاب اور صفات میں نے ذکر کیے۔ میں اُنہی کا بیٹا ہوں جس ہستی نے
عرب کے فرعونوں کی گردنیں مروڑ کر اُنہیں کلمہ پڑھایا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسول اللہ کی
معیت میں دو تلواریں سے جنگ کی۔ دو نیزے توڑے، دو ہجرتیں کیں، دو بیعتیں کیں اور جو بدر و
حنین (میں کفار) کے قاتل ہیں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جو محمدین کے قتل کرنے والے، مسلمانوں کے
سردار، مجاہدوں کے نور، عابدوں کی زینت، رونے والوں کے سر کا تاج، صابر اور قاصمین سے افضل
ہیں۔

میں اس کا بیٹا ہوں جس کی تائید جبریلؑ نے کی، مدد میکائیلؑ نے کی۔ حرم رسولؐ کے محافظ، منافقین،
بیعت توڑنے والوں اور تجاوز کرنے والوں کے قاتل، دشمنوں پر مجاہد، اور قریش میں قابلِ فخر اور وہ
پہلے شخص جن کو اللہ نے بلایا اور انہوں نے فوراً لبیک کہی۔ وہ رسولؐ کو لبیک کہنے والے، تجاوزین کے
قاتل ہیں۔ مشرکوں کو بنیادوں سے اکھڑنے والے، منافقین پر اللہ کا تیر ہیں۔ عابدین کی حکمت کی
زبان، دین کے ناصر، امر اللہ کے ولی، اللہ کی حکمتوں کے باغ، اللہ کے علم کا خزانہ دار، بزرگوار نخی،
پاکیزہ، عظیم، راضی برضاء اللہ صابر، قائم، قاطع، گروہوں کو توڑنے والے، ان کی لگاموں کو پکڑنے
والے، شیر خنفر جنہیں جنگوں میں آزما یا گیا ہے۔ جب تیروں، تلواریں اور نیزوں کی جنگ کا عروج
ہوتا تو وہ جاتے، حجاز کے شیر، مکی مدنی، خثمی، عقیبی، بدری، اُحدی، شجری، ہیں جن کے وارث سبطین
حسنؑ اور حسینؑ ہیں، وہ میرے دادا علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

اے شامیو! میری دادی فاطمہ الزہراءؑ ہیں، میں سیدۃ النساء العالمین کا بیٹا ہوں جو تمام کائنات سے افضل ہیں۔ اسی
طرح امامؑ کہتے رہے: انا ابنُ..... انا ابنُ..... انا ابنُ..... اپنے خاندان اور اپنا تعارف کراتے رہے۔ لوگ بڑے غور سے
سن بھی رہے تھے اور ان کے آنسو بھی جاری ہو گئے تھے اور روتے روتے ایک وہ وقت آیا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے

لگے اور گریہ و زاری کا ایک ایسا شور بلند ہوا کہ ختم نہ ہوتا تھا۔

(اضافہ از مترجم: لوگوں کی بغاوت کے خطرے کو محسوس کر کے یزید نے مؤذن سے کہا کہ اذان دو۔ جب مؤذن نے کہا: اشہد ان محمدا رسول اللہ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے مؤذن رک جاؤ۔ اے یزید! اب بتاؤ یہ محمد بن کا نام اذان میں ہے میرے بتاؤ ہیں یا تیرا؟)

مزید خطبہ امام سجادؑ بروایت ابو جعفر

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

أَنَا ابْنُ صَرِيحٍ كَرَبَلَاءَ أَنَا ابْنُ مَنْ رَاحَتْ أَنْصَارُهُ تَحْتَ الثَّرَى أَنَا ابْنُ مَنْ ذُبِحَتْ
أَطْفَالُهُ مِنْ غَيْرِ سِوَى أَنَا ابْنُ مَنْ أَضْرَمَ الْأَعْدَى فِي خَيْمَتِهِ لُظَى أَنَا ابْنُ مَنْ أَضْطَجَعَ
صَرِيحًا بِالتَّفْطَى أَنَا ابْنُ مَنْ لَالَهُ غَسْلٌ وَلَا كَفَنٌ يَرِي أَنَا ابْنُ مَنْ رَأَفُوا رَأْسَهُ عَلَى
الْقَنَّا أَنَا ابْنُ مَنْ هَتَكَ خَرِيصَهُ

”اب امام نے اپنے باپ کا جنھیں یزید نے خارجی کی شہرت دے رکھی تھی کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا: میں مقتول کر بلا کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے انصار کو قبر میں سکون ملا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے بچوں کو ذبح کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے خیموں کو دشمنوں نے آگ لگا دی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے نہ غسل نہ کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے سر مبارک کو نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جن کے حرم کی توہین کی گئی۔“

امام علیہ السلام نے یہ جملے رو کر کہے اور آنسو مسلسل جاری تھے: فَلَمَّا سَمِعُوا انْناسَ كَلَامِهِ ضَجُّوا بِالْبُكَاءِ وَالنَّجِيبِ وَعَلَّتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْجَامِعِ ”جب شامیوں نے امام کا یہ کلام سنا تو گریہ سے اُن کی چیخیں نکل گئیں اور بلند آواز سے شامی رونے لگے۔ شور و غل پیدا ہوا تھا۔“

فَخَافَ يَزِيدُ الْفِتْنَةَ يَزِيدُ كُوبِغَاوَتِ كَا خَطَرِهُ مُحْسُوسٌ هُونِ لَگَا لِهَذَا مَوْذُنٌ سَہَا: تَمَّ اَذَانُ كُہوتا كَا اس كُوان كِ تَقْرِیرِ بَند ہو۔ مَوْذُنُ اُٹھا اور كُہا: اللہ اكبر، امام نے فرمایا: كَبُرَتْ تَكْبِيرًا وَعَظُمَتْ عَظِيمًا وَقَسَّ حَقًّا اے مَوْذُنُ! تُو نے خدا كو بزرگی سے یاد كِیا اور تُو نے سچ كُہا: لا شئى اكبر مِن اللّٰه جب مَوْذُن نے كُہا: اشهد ان لا اله الا اللّٰه تُو حضرت نے فرمایا: ہر شخص كِی كُواہی دیتا ہے اور میرے بال، میرا كُجم، میرا كُمش، پوست اور خون میری كُواہی دیتا ہے كہ اللہ وحدہ

لاشریک یعنی اے شامیو! جان لو کہ ہم مسلمان ہیں اور خارجی نہیں ہیں۔

جب مؤذن نے کہا: اشہد ان محمدًا رسول اللہ تو امام سجادؑ نے گریہ کیا اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین بھی رونے لگے۔ حضرتؑ نے روتے روتے فرط غم میں رملی العمامۃ من رأسہ ورامی بہا الی المؤذن اپنا عمامہ سر سے اتار کر مؤذن کی طرف پھینکا اور فرمایا: مؤذن تمہیں خدا کی قسم! یہاں رک جاؤ۔ مؤذن رک گیا تو امام علیہ السلام نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا: بتاؤ یہ محمدؐ میرے جد ہیں یا تیرے جد؟ اگر تو کہے میرے جد تو تو جھوٹ بولے گا اور اگر کہے کہ محمدؐ میرے جد امجد ہیں اور تیرے پیغمبرؐ ہیں تو بتا کہ تو نے فرزند پیغمبرؐ کو کیوں قتل کیا ہے اور مجھے کیوں یتیم کیا؟ یزید کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہذا اُس نے کہا: لا حاجة لی فی الصلوٰۃ مجھے نماز کی کوئی ضرورت نہیں اور نماز پڑھے بغیر اٹھ کر مسجد سے باہر چلا گیا۔ مسجد کے لوگ اٹھے تو امام منبر سے اترے تو تمام لوگ حضرتؑ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حضرتؑ سے اپنی بے پروائی کی معافی مانگتے رہے۔

منہال بن عمر کوئی اس مقام پر موجود تھا وہ اٹھا اور امام سجادؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آقا! ان مشکل حالات میں آپؑ کیسے گزر بسر کر رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا کیا حال ہوگا جس کا باپ قتل کر دیا جائے اور ان کے ناصر قتل کر دیے جائیں۔ اس غربت میں ہمارا یہی حال ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پردہ داروں کو ہر خاص و عام میں پھرایا گیا، نہ چادریں، نہ کھانا، نہ آرام۔

اے منہال! جو حال تم دیکھ رہے ہو میں کیا کروں، کیسے دن آگئے، میں ایک ایسا قیدی ہوں جسے ذلت اور خواری سے قیدی بنایا گیا ہے۔

اے منہال! زمانے نے مجھے اور میری اہل بیتؑ کو عزاداری اور غم کا لباس پہنا دیا ہے۔ ہمیں قوت اور کھانے کے بجائے مصیبتوں اور دکھوں کا زہر پلایا جا رہا ہے۔ میری اہل بیتؑ کا حال دیکھو کہ لوگوں کی انگلیوں کے اشارے ان کی طرف ہوتے ہیں، لوگوں سے گالیاں سنتے رہتے ہیں اور صبح و شام آنے والی مصیبتوں سے پریشان ہوتے رہتے ہیں۔

ایک وقت عرب فخر کرتے تھے عجوبوں پر کہ محمد مصطفیٰؐ ہم سے ہیں۔ قبیلہ قریش باقی قبائل پر فخر کرتا تھا کہ محمد مصطفیٰؐ ہمارے قبیلہ قریش سے ہیں اور ہم اسی محمدؐ کی اولاد ہیں کہ کبھی لوگ ہم پر فخر کرتے تھے، البتہ ہماری یہ حالت ہوگی کہ جوان مارے گئے، ہمارے گھروں کو آگ لگا دی گئی، ہماری عورتیں ناخرموں کے ہاتھوں قیدی ہیں۔ میرے بابا کے سر کو شہروں میں ہدیہ کے طور پر لے جایا جاتا ہے۔ گویا ہمارا کوئی حسب و نسب ہی نہیں۔ اب یہاں یزید کے قیدی ہیں اور کئیروں اور غلاموں کی طرح ہمارے

اوپر تہائی اور غربت ہے۔

منہال نے پوچھا: مولاً! آپ کی اقامت کہاں ہے کہ وہاں آپ کے پاس حاضر ہوں؟
امام کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: ہم ایک خرابہ نما مکان میں قیدی ہیں۔

واقعہ ہندہ زوجہ یزید

شام میں یزید کی طرف سے دیے گئے مصائب اور دکھوں میں ایک یہ ہے کہ جب قیدی خرابہ میں آئے تو حَتَّی تَقَشَّرَتْ وَجُوهُهُمْ وَتَغَيَّرَتْ أَلْوَانُهُمْ وَافْتَرَحَتْ أَجْفَانُهُمْ وَادْبَيْتَ لَحُومَهُمْ وَنَحَلَتْ جَسُومَهُمْ ”دھوپ اور گرمی کی وجہ سے چہروں کی جلد جھلس گئی تھی، رنگ تبدیل ہو گئے تھے۔ آنکھیں کثرتِ گرمی کی وجہ سے زخمی ہو گئی تھیں، جیسوں کا گوشت پانی بن گیا۔ ان کے لطیف اور نفیس جسم ضعیف اور نحیف ہو گئے۔“

یزید نے پھر ایک اور مصیبت نازل کی تاکہ اہل بیت کے دکھوں میں اضافہ ہو کہ اہل بیت کو خرابہ زندان سے نکال کر میرے گھر میں لایا جائے اور میری گھر والوں سے اہل بیت کی جنگ اور توہین ہوتی رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ حکم زوجہ یزید ہند کی درخواست پر ہوا جو کسی زمانہ میں ہند بنت عبد اللہ بن عامر امام حسین کے گھر میں نوکرانی بن کر رہی تھی اور وہ بنی ہاشم سے محبت رکھتی تھی۔ نیز اہل بیت کی وفادار تھیں، اس نے یزید سے کہا کہ اے یزید! مجھے اجازت دے کہ کچھ دن بادشاہ حجاز کی بیٹیوں کو اپنے گھر میں لاؤں اور ان کی خدمت کروں۔ چونکہ یزید کو اپنی بیوی ہند سے بہت محبت تھی اس لیے اس نے اجازت دے دی۔

صاحب منتخب لکھتے ہیں: ہند روایت کرتی ہے کہ ایک رات میں نے اپنے بستر پر اہل بیت کی غربت اور مظلومیت کے متعلق سوچ رہی تھی کہ مجھے نیند آگئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور ملائکہ صف در صف نیچے اتر رہے ہیں۔ پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں امام حسین کا سر تھا، گردہ در گردہ اندر جاتے اور کہتے: السّلام عَلَیْکَ یا بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ السّلام عَلَیْکَ یا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ

اسی اثناء میں ایک سفید بال نما سواری آسمان سے اُتری کہ اس میں کچھ خوبصورت شخص تھے، ان میں سے ایک بزرگوار جن کی صورت نورانی تھی، چاند کا چہرہ تھا وہ باہر آئے اور امام کے سرِ مطہر کے پاس پہنچ کر اپنے آپ کو سرِ مطہر پر گرادیا اور اپنے لبِ مظلوم حسین کے لبوں پر رکھے اور چومنا شروع کیا۔ آپ بوسہ بھی دیتے تھے اور زار و قطار روتے بھی تھے اور فرماتے تھے: تجھے ان ظالموں نے شہید کر دیا اور کوئی قدر نہ پہچانی۔ تجھے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا۔ اے میرے بیٹے! میں حیرانا نا محمد ہوں

اور وہ بابا علی آئے ہیں اور وہ بھائی حسن آئے ہیں۔ یہ جعفر، عقیل، حمزہ اور عباس آئے ہیں۔ اپنے افراد کو ایک ایک کر کے بتایا۔

ہند کہتی ہے کہ میں خوف کے مارے بیدار ہو گئی اور یزید کے پاس آئی لیکن اسے اپنے بستر پر نہ دیکھا۔ پھر غور کیا تو ایک تاریک کمرے سے یزید کے رونے کی آواز آئی۔ میں نے اسے خواب سنایا اور وہ شرمسار ہوا۔ میں نے کہا: اگر شرمندہ ہے تو ابھی حکم دے کہ قیدی چند روز ہمارے گھر میں مہمان ٹھہریں اور میں ان کی خدمت کروں۔ یزید نے حکم دے دیا تو قیدی ہندہ کے گھر آئے۔

علامہ قزوینی حدائق الانس میں لکھتے ہیں: حقیقت تو یہ ہے کہ یزید نے نرمی اور رحم کی وجہ سے قیدیوں کو اپنے گھر میں لانے کی ہندہ کی درخواست قبول نہیں کی بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اپنے تجملات اور عیش و عشرت کا سامان دل شکستہ اہلی بیت کو دکھایا جائے تاکہ ان کو مزید تکلیف اور دکھ ہو۔ کیونکہ اس کا یہ اقدام اگر رحم اور نرمی کی وجہ سے ہوتا تو پھر اہلی بیت کے اس کے گھر میں داخل ہونے کے وقت یہ حکم کیوں دیا کہ ان کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے امام حسین کا سر گھر کے دروازے پر لٹکایا جائے تاکہ داغ دیدہ مستورات حضرت کا سر لٹکا ہوا دیکھیں تو ان کے دل دکھیں اور جگر کباب ہو جائیں۔ کیونکہ علامہ مجلسی نے بحار اور ابو جحیف نے مقتل میں لکھا ہے:

إِنَّ يَزِيدَ أَمَرَ بَانَ يُصَلِّبَ الرَّاسَ عَلٰی بَابِ دَارِهِ وَأَمَرَ بِأَهْلِ بَيْتِ الْحُسَيْنِ أَنْ يَدْخُلُوا دَارَهُ "یزید نے حکم دیا کہ سر کو دروازہ پر لٹکایا جائے اور اہلی بیت کو یہاں سے گزار کر میرے گھر میں لایا جائے۔"

پس ان دل شکستہ اور چھوٹے بچوں پر کیا گزری ہوگی جب انہوں نے دروازے پر امام حسین کا سر لٹکا ہوا دیکھا ہوگا۔ پس جب قیدیوں کی نظر امام حسین علیہ السلام کے سر پر پڑی تو وہ زار و قطار رونے لگے اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین و زمان میں زلزلہ آتا محسوس ہونے لگا۔ جب ہند کو معلوم ہوا تو وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر یزید کے دربار میں دوڑتی ہوئی آئی اور کہا: يَا يَزِيدُ أَرَأَيْتَ إِنْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ مَصْلُوبٌ عَلٰی فَنَّا بَابِي "اے یزید! کیا تم نے امام کے سر کو میرے گھر کے دروازے پر لٹکانے کا حکم دیا ہے؟"

یزید نے کہا: ہاں! اور تو کیوں ننگے سر دربار میں آ گئی، یزید اٹھا اور ہند کے سر پر اپنی عبا ڈال دی تاکہ وہ نا محرموں کی نظر سے باپردہ ہو جائے۔ پھر کہا: تو حسین پر گریہ کر کیونکہ حسین تو قریش کا فریاد رس تھا لیکن ابن زیاد ملعون نے بہت جلدی میں حسین کو قتل کر دیا۔

علامہ مجلسی بحار میں فرماتے ہیں: فَلَمَّا دَخَلَتْ النِّسْوَةُ دَارَ يَزِيدَ لَمْ يَبْقَ مِنْ آلِ أَبِي سَفِيَّانٍ أَحَدٌ إِلَّا

اَسْتَقْبَلَهُنَّ بِالْبُكَاءِ وَالصَّراخِ وَالنِّياحَةِ عَلٰی الْحُسَيْنِ ”جب اہل بیتؑ ہند کے گھر گئے تو ابوسفیان کے گھرانے کی تمام عورتوں نے اُن کا استقبال کیا لیکن تمام یزیدی عورتوں نے فخرہ اور شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ تین دن تک یزید کے گھر گریہ و زاری اور ماتم ہوتا رہا۔“

صاحبِ مقاتل لکھتے ہیں: ہند نے جنابِ زینبؑ کبریٰ کی بہت منت سماجت کی کہ قالین پر بیٹھیں اور کمرے اور ایوانِ طلا میں آئیں لیکن بی بی نے قطعاً قبول نہ کیا اور فرمایا: میں کیسے ان قالینوں اور فرشوں پر بیٹھوں حالانکہ میں انہی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں کہ میرے بھائی کی لاش خاک اور دھوپ میں پڑی تھی۔ چنانچہ اہل بیتؑ کے تمام قیدی محسن خانہ میں خاک پر بیٹھ گئے اور سب قیدی بی بی زینبؑ کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ بی بی نے فرمایا: اب میرے بھائی کا سر لایا جائے۔ سر لایا گیا تو بی بی نے اپنے بال کھولے، ایک ہاتھ پر بھائی کے سر کو اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے سر و سینہ پر ماتم کرنا شروع کیا اور فرماتی تھیں: اے بنی اُمیہ کی عورتو! دیکھو یہ میرا بھائی تھا جسے روزِ عاشور نمازِ ظہر کے بعد کربلا میں پیسا شہید کر دیا گیا۔

مقامِ مخصوص برائے عزاداری سید الشہداءؑ

صاحبِ منتخب لکھتے ہیں: جب یزید نے ظاہر اپنے کردار پر شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا کہ عَلٰی وَالْحُسَيْنِ میرا کیا کام تھا کہ حسینؑ سے ٹکراتا۔ پھر قیدیوں سے کہا: اب یہ بتاؤ کہ تم شام میں رہو گے یا مدینہ واپس جاؤ گے۔ اگر یہاں رہو تو تمہاری شان و شوکت کے مطابق خدمت کی جائے گی، اور اگر مدینہ جانا پسند کرو تو انعام دے کر مدینہ پہنچا دیتا ہوں۔ جب قیدیوں نے یہ سنا تو مستورات اور بچوں کے رونے کی صدا بلند ہوئی۔ بی بی زینبؑ نے فرمایا: ہم قیدیوں کی یہ خواہش ہے کہ اولاً ہمیں اجازت دے کہ چند روز ہم حضرت امام حسینؑ اور ان کی اولاد کے غم میں آنسو بہائیں اور عزاداری کریں کیونکہ اب تک تیرے سپاہیوں نے ہمیں اپنے مظلوم اور مقتول شہداء پر رونے بھی نہیں دیا۔ اور یہ دکھ ہمارے دلوں میں ہے۔ نجب اولاً ان ننوح علی الحسین یزید نے قبول کیا اور حکم دیا کہ ایک گھر خالی کیا جائے، وہاں سے پتھر وغیرہ ہٹائے جائیں، گھر خالی ہوا اور بیبیوں کو عزاداری کی اجازت دے کر اس گھر میں منتقل کر دیا۔ جب شامی اور قریشی عورتوں نے سنا کہ اب اہل بیتؑ عزاداری میں مشغول ہیں اور یزید نے اجازت دے دی ہے تو شام میں جس قدر بھی مجاہدین اہل بیتؑ عورتیں تھیں، سب نے سیاہ لباس پہنے اور ان عزاداروں میں شامل ہو کر اپنے غم کو محکم کرتی رہیں۔ وہ نوحہ پڑھتی ہیں:

وَلَمْ يَبْقَ هَاشِيَّةٌ وَلَا قَرِيشِيَّةٌ إِلَّا وَلَبَّسَتْ السَّوَادَ عَلٰی الْحُسَيْنِ وَنَدَبُوهُ

”سات دن تک صبح و شام اس مکان پر عزاداری امام حسینؑ ہوتی رہی نوحہ پڑھنے والی دونوں بہنیں

جناب زینب کبریٰ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما۔

علامہ مجلسیؒ ہمارے لکھے ہیں: ثُمَّ أَنْزَلَهُمْ يَزِيدَ دَامِرَهُ الْخَاصَّةَ فَمَا كَانَ يَتَغَدَّى وَلَا يَتَعَشَى حَتَّى يَحْضَرَ
علی بن الحسین یزید نے اہل بیتؑ کے لیے ایک مخصوص گھر خالی کرایا اور وہاں عزاداری کی اجازت دی۔ اس عزاداری
نے شام میں انقلاب پیدا کر دیا کیونکہ پہلے عورتوں کو حقائق کا علم نہ تھا۔ جب علم ہوا تو شام کے حالات بدل گئے اور یزید کو
خطرات محسوس ہوئے۔

یزید کا اہل بیتؑ سے معذرت کرنا اور رہائی دینا

جب شام میں اہل بیتؑ کو رہتے کچھ عرصہ گزرا تو تمام اہل شام کو اہل بیتؑ کی معرفت ہو گئی اور معلوم ہو گیا
کہ امام حسینؑ خارجی نہ تھے بلکہ اولاد رسولؐ و فاطمہؑ بنوئے تھے۔ لوگوں نے ظاہراً اور چھپ کر یزید کے اس اقدام کو چیلنج کرنا
شروع کر دیا اور ہر طرف سے یزید پر اعتراضات ہونے لگے اور ہر گز، ہر گھر اور ہر بازار میں یزید کے اس فعل پر لعن طعن
ہونے لگی۔ لوگوں نے اُسے علانیہ بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تو اس کو شام میں بغاوت کا خطرہ محسوس ہوا، لہذا اس نے کوشش کی کہ
یہ اعتراض بند ہو جائیں تو اعلان کر دیا کہ امام حسینؑ کی شہادت میرے حکم کے بغیر ہوئی ہے۔ ابن زیاد ملعون نے قتل کرنے
میں جلدی کی، خدا اس پر لعنت کرے۔

پھر یزید نے حکم دیا کہ قرآن کے بہت سے حصے (سپارے) کیے اور تمام بازاروں میں لوگوں کو دیے کہ اس قرآن کو
پڑھنے میں مشغول رہیں اور مجھ پر اعتراض اور لعن طعن سے زبان بند رکھیں۔ اس وجہ سے اُس دن سے قرآن کو تیس پاروں میں
تقسیم کیا گیا اور لوگ قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔ لیکن لوگوں کی زبانیں بند نہ ہوئیں۔ یزید نے سمجھا کہ اہل بیتؑ کے
یہاں رہنے سے حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے ہیں لہذا اہل بیتؑ کو بلایا اور معذرت کی اور مال، لباس، درہم و دینار
پیش کیے۔ اُس لعین نے جناب اُم کلثومؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ دینار و درہم تمہارے بھائی کا خون بہا ہیں، مجھے معاف
کر دو۔

یہ سننا تھا کہ اُم کلثومؑ سلام اللہ علیہا کی گریہ زاری کی صدائیں بلند ہوئیں اور فرمایا: اے یزید! تو کتنا بے حیا ہے کہ
ہمارے اُن بھائیوں کو قتل کرایا جو ایسے جوان تھے کہ ان کے جسموں کے ایک ایک بال کی قیمت تمام کائنات بھی نہیں ہو سکتی اور
تو کہتا ہے کہ یہ درہم میرا احسان ہے۔

مرحوم سید ہوف میں فیحیاتے ہیں: پھر یزید نے امام سجاد علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا: اَذْكُرْ جُجَاعَتَكَ الثَّلَاثَ الَّتِي

امام علیہ السلام نے فرمایا: پہلی حاجت یہ ہے کہ اُن تَرْکِ دینی وجہ ای وسیدی اولاً مجھے اپنے بابا کا سرو کہ جو سید الشہداء ہیں۔

تالٹا: اگر مجھے قتل کرنے کا ارادہ ہے تو اہل بیت کو کسی امین شخص کے ساتھ پہلے مدینہ پہنچا دو۔

یزید نے کہا: اما وجہہ ابیک فلن تراہ ابداً تمہارے باپ کا سر تو نہیں مل سکتا، اور جہاں تک تمہارے قتل کی بات ہے تو وہ میں معاف کرتا ہوں اور درگزر کرتا ہوں۔ تم خود اپنے اہل بیت کو لے کر مدینہ چلے جاؤ۔ جہاں تک لوٹے ہوئے اموال کی واپسی کا تعلق ہے تو وہ بھی نہیں مل سکتے، البتہ ان اموال سے کئی گنا زیادہ قیمت دے سکتا ہوں۔

امام سجاد علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اَمَّا مَا لَكَ مَا نَرِيْدُ وَهُوَ مُوفِرٌ عَلَيْكَ

تیرے اموال کی ہمیں کوئی حاجت نہیں وہ تجھے نصیب ہوں، ہمیں دنیاوی اموال کا لالچ نہیں۔ اپنے لوٹے ہوئے اموال کو بھی اس لیے مانگ رہا ہوں کہ إِنَّ فِيهَا مَغْزُولٌ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ اَن اموال میں ایسے لباس اور چادریں تھیں جو حضرت فاطمہؑ بنت رسول اللہ کے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی ہیں۔ ان میں جناب فاطمہؑ کی چادر، مقنعہ، قمیص اور پیراہن شامل ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ جناب زہراءؑ کے لباس اور بنی ہوئی چیزوں کو نامحرموں کی نظرس دیکھیں اور وہ ان کو استعمال کریں۔ فَأَمَرَ يَزِيدُ بِوَدِّ ذَلِكَ بِسْ يَزِيدُ نے حکم دیا کہ تمام لوٹے ہوئے اموال واپس کیے جائیں۔ وہ سامان لایا گیا (کسی معتبر کتاب میں نہیں کہ کیا واپس لائے تفصیل کا ذکر نہیں ملتا) لیکن متاخرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ لوٹے ہوئے اموال کی گھڑی بندھی ہوئی تھی، اسے کھولا گیا تو اس میں تازہ خون آلود سرخ عقیق کی طرح کا ایک پرانا لباس، جو سوراخ سوراخ اور پھٹا ہوا تھا۔ یزید نے غور سے اس لباس کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا ہے؟

قَالُوا: هَذَا قَمِيصُ الْحُسَيْنِ أَخَذَهُ اَخْنَسُ بْنُ مَرْتَدٍ يَتَايَا غِيَا كَمَا يَزِيدُ يَهْ حُسَيْنٌ كِي وَهْ قَمِيصٌ هِي جَوَا خَرِي
وقت پہن کر آئے تھے اور اخنس بن مرتد نے لوٹی تھی۔

• یزید نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حسینؑ تو سلطنت بنانے کا دعویٰ کرتے تھے، لباسِ فاخر و پہننے تھے۔ یہ پھٹی پرانی قمیص کیسے ان کی ہو سکتی ہے؟

کہا گیا کہ یہ لباس اس لیے امام حسینؑ نے پہنا تھا کہ پرانا سمجھ کر لوٹا نہ جائے اور بطور کفن جسیدِ امامؑ پر رہے۔ لیکن ظالموں نے اس قدر ظلم کیا اور لوٹا کہ کربلا کی ریت ان کا کفن بن گئی۔

یزید نے پوچھا کہ اس میں اتنے زیادہ سوراخ کیوں ہیں؟

کہا گیا کہ یہ سوراخ تیروں اور نیزوں کے لگنے کی وجہ سے ہیں۔ جب اہل بیت کی نظر اس خون آلود پرانی قمیص پر پڑی تو اُن کے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں اور واحسیناہ واحسیناہ کے مین ہونے لگے۔

جناب زینب کبریٰ نے اس قمیص کو اپنے سینے سے لگایا، بوسے دیے اور اپنے ساتھ مدینہ لائیں اور جب اپنی ماں کی قبر پر پہنچیں تو دکھ کا بین بلند کیا کہ اماں! حسینؑ کو ساتھ لے گئی تھی لیکن بغیر حسینؑ کے واپس آئی ہوں، البتہ ایک نشانی لائی ہوں۔ پھر چادر سے وہ قمیص نکالی اور ماں کی قبر پر پھیلا دی۔ بی بی کی قبر کھل گئی۔ جناب زہراءؑ کا ہاتھ باہر آیا اور امام حسینؑ کی قمیص کو اپنی قبر میں رکھ لیا۔ آج تک جن سادات اور غیر سادات نے جناب زہراءؑ کو خواب میں دیکھا ہے تو اسی حالت میں کہ قمیص ان کے پاس ہے اور روز قیامت جب وہ قبر سے اٹھیں گی اور میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْقِبْصِ الْحُسَيْنِ تو میدانِ محشر کے وسط میں عرشِ الہی کے سامنے کھڑی ہو جائیں گی اور وہ خون آلود، سوراخ سوراخ قمیص سر پر رکھ کر آواز دیں گی: اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا قِبْصَ الْحُسَيْنِ اے عادل خدا! مجھے بتا کہ یہ میرے بیٹے حسینؑ کی قمیص ہے یعنی میرے اللہ! میرے بیٹے کا کیا جرم تھا کہ اس پر اس قدر نیرے اور تیرے سائے گئے اور پیسا شہید کیا گیا۔

(از مترجم: میرے اللہ! پہلے میرا اس مقدمہ کا فیصلہ فرما اور میرے بیٹے کے دشمنوں کو واصلِ جہنم فرما اور جو لوگ میرے حسینؑ کے ان مصائب میں ساری زندگی روتے اور غم مناتے رہے ان کو جنت میں داخل فرما اور میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گی جب تک میرے بیٹے حسینؑ کے غم میں مخلصانہ طور پر رونے والے جنت میں نہیں چلے جاتے۔)

★.....★.....★

اہل بیت کی شام سے رہائی

یزید نے ظاہری طور پر پشیمانی کا اظہار کیا لیکن دراصل وہ لوگوں کی بغاوت سے خائف تھا لہذا اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ اہل بیت کو شام سے رہا کر دے۔ پس اہل بیت کو بلایا، معذرت کی اور لوٹا ہوا سامان واپس کیا اور حکم دیا کہ اونٹ لائے جائیں۔ اونٹوں پر کجاوے اور محمل سجائے گئے اور کجاووں کے اوپر اچھے اچھے پردے لگائے گئے۔ پھر ایک سردار لشکر بلایا اور پانچ صد نفر اس کو دیئے اور کہا ان مصیبت زدوں کو بڑے احترام کے ساتھ مدینہ خیر الانعام پہنچاؤ۔

مشہور روایت یہ ہے کہ لشکر کا سربراہ نعمان بن بشیر انصاری تھا۔ صاحبِ کامل ”کامل السقیفہ“ میں لکھتے ہیں: لشکر کا سربراہ عمرو بن خالد قرشی تھا۔ بہر صورت یزید نے سربراہ کو اہل بیت کے متعلق بہت سفارش کی اور امام کے متعلق کہا کہ ان راستے میں کوئی تکلیف نہ پہنچانا اور امن کے ساتھ ان کو مدینہ پہنچا دینا۔ رات کو سفر کرنا اور دن کو آرام کرنا کہ سورج کی گرمی سے بچ جائیں۔ جب ان کو کہیں ٹھہراؤ تو اپنے خیمے ان سے ذرا دور لگانا تا کہ تمہارے کسی سپاہی کی نظر ان پر نہ پڑے اور اہل بیت کی حفاظت میں بہت احتیاط کرنا اور جس طرح وہ کہیں ان کی مرضی کے مطابق سفر کرنا۔

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ جب یزید اہل بیت کے سفر کے انتظامات سے فارغ ہوا اور سفر شروع ہونے سے پہلے امیر سجاد علیہ السلام کو بلایا اور ان سے علیحدگی میں ملاقات کی اور کہا کہ یہ ظلم عبید اللہ بن زیاد نے کیا ہے، خدا اس پر لعنت کرے۔ اگر میں اس مقام پر ہوتا جو آپ کے والد کہتے ہیں ان کی بات کو قبول کر لیتا اور ان کے قتل تک نوبت ہی نہ پہنچتی۔ بہر صورت اب کیا کروں جو ہوتا تھا وہ ہو گیا۔ اب میری خواہش ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد تمہاری جو بھی ضرورت ہو وہ مجھے مدینہ سے سمجھ بیٹھنا تا کہ تمہاری حاجات پوری کی جاسکیں۔ یہ نعمان بن بشیر آپ کے ساتھ ہے میں نے اسے تمہارے احترام کی سفارش کر دی ہے۔ یزید بولتا رہا اور امام سجادؑ کے آنسو بہتے رہے۔

جب کجاووں اور محملوں کو اونٹوں پر آراستہ کیا گیا اور محرمات اور دھکی بچوں کو ان محملوں میں بٹھایا گیا تو شامی عورتیں جو محبات اہل بیت تھیں الوداع کے لیے آئیں اور باقی عورتیں اپنے مکانات کی چمتوں سے انھیں الوداع کر رہی تھیں۔ بعض عورتیں بہت گریہ و زاری کر رہی تھیں اور بنی امیہ کی بعض عورتیں خاموش کھڑی تھیں۔ قافلہ اہل بیت خربہ زنداں سے نکلتا۔

جنابِ منصبِ کبریٰ نے اپنا سرِ محل سے نکالا اور روکے فرمایا: اے شامی عورتو! میں ایک امانت اس زندانِ شام کے خرابہ میں چھوڑ کر جا رہی ہوں، اس کی قبر کی حفاظت کرنا اور اس کی زیارت کرنا اور چراغ بھی جلانے رکھنا اور قبر پر پانی ضرور پھڑکتے رہنا۔

امام سجاد علیہ السلام کی اہل بیت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانگی

اربابِ تاریخ لکھتے ہیں: یزید نے اپنی شقاوت کا مظاہرہ کیا اور ظلم کیے لیکن جب شامیوں کو حقائق کا علم ہوا کہ یہ باغی نہیں بلکہ خانوادہٴ پیغمبر ہیں تو یزید نے اہل بیت کو شام میں قیدی رکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا، لہذا اس نے اہل بیت کے واپس مدینہ جانے کے لیے انھیں سواریاں دے کر اور دیگر انتظامات کر کے نعمان بن بشیر کو پانچ صد سپاہی دے کر سفارش کی کہ ان کو حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچا دو۔

جوں ہی ان بیوگان، ستم دیدہ مستورات کا قافلہ روانہ ہوا گریہ و زاری کی صدائیں بلند ہوئیں کیوں کہ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت کاساں اور حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے انتظامات یاد آئے تو گریہ و زاری ہونے لگی۔ لیکن اب واپس مدینہ کو جا رہا تھے تو کس قدر غربت، مظلومیت کے ساتھ، غموں اور مصیبتوں کو جھیل کر جا رہے تھے اس لیے بہت غم زدہ ہو کر رونے لگے۔ جو شخص سفر پر جاتا ہے وہ وطن جاتے ہوئے بہت خوش ہوتا ہے خصوصاً جو سفر میں تکلیفیں اٹھائے، دکھ دیکھے تو وہ وطن کو جاتے ہوئے خوش ہوتا ہے لیکن اہل بیتؑ وطن جاتے وقت خوش نہ تھے بلکہ رو رہے تھے۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتے اور دیگر مصائب سے روانگی مدینہ ایک خود مصیبت تھی اور دکھ تھا کہ بغیر جوانوں اور امام حسینؑ کے جا رہے ہیں۔ بجائے امام حسینؑ کے ان کا سر اور خون آلود قمیص ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بہت حسرتوں سے جا رہے تھے۔ مدینہ سے روانگی یاد آتی تھی کہ اس وقت کتنے شان و شوکت سے چلتے تھے اور کس قدر پردے کا انتظام تھا۔ انہوں نے نبوت و امامت کے پردوں میں پرورش پائی، ان کے چہرے کو سورج اور چاند نے نہ دیکھا تھا اور ناعرسوں نے تو ان کی آواز تک نہ سنی تھی۔ اس شوکت و عزت سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

اب یہ قافلہ واپس جا رہا ہے کہ اپنے پیاروں کی جدائی پر جگر کباب ہو گئے تھے۔ جوانوں کی شہادت سے دل پانی پانی ہو گئے تھے، کس قدر ذلت و خواری سے قیدیں نبھائیں، ان کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے کیونکہ انھیں گرمی اور دھوپ میں بغیر چادروں کے کینروں اور غلاموں کی طرح شہروں میں پھرایا گیا تھا۔ لوگوں نے گالیاں دیں، صحرا و بیابان کے سفر کیے۔ بھوک اور پیاس کا غلبہ رہا۔ بد معاشوں کی نظروں کا نشانہ بنے رہے۔ خرابیوں اور ویرانوں میں ٹھہرایا گیا۔

بہر صورت شام سے یہ کاروان روتا ہوا روانہ ہوا۔ نعمان بن بشیر نے بڑے احترام کے ساتھ قافلہ کو آہستہ آہستہ حرکت

دی اور قافلہ چل پڑا۔ سفر جاری رہا جہاں اہل بیتؑ نے کہا وہاں اقامت کی اور اہل بیتؑ نے کہا تو روانہ ہوئے اور جو راستہ اہل بیتؑ نے بتایا اس راستے پر نعمان قافلے کو چلاتا رہا۔ نعمان کے سپاہی آگے آگے چلتے تھے یا کاروان کے پیچھے پیچھے۔ قافلہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے دور راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ کربلا کی طرف جاتا تھا اور ایک مدینہ کی طرف جاتا تھا۔ اس وقت مستورات اور دھکی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اپنے اپنے شہداء کی قبروں کی زیارت کا بہت شوق تھا، اس لیے گریہ زاری شروع ہو گئی اور نعمان سے کہا گیا: بِحَقِّ اللّٰهِ عَلَیْكَ اِلَّا مَا عَرَّجَتْ بِنَا عَلٰی بِكَرْبَلَا "خدا کی قسم! ہمیں کربلا کے راستے سے لے جاؤ تاکہ اپنے عزیزوں کی قبروں کی زیارت کر لیں اور جو اس سفر میں ہمارے اوپر مصائب آئے ہیں وہ بھی قبر امام حسینؑ پر بیان کر لیں۔"

نعمان نے قبول کیا اور ان کے فرمانے پر عمل کیا۔ اُس نے کارواں کو کربلا کے راستے پر جانے کا حکم دیا۔ جوں جوں قافلہ کربلا کے قریب جا رہا تھا ہر بی بی کے دل میں اپنے عزیزوں کی قبروں کی زیارت شوق کی آگ شعلہ در ہو رہی تھی حتیٰ کہ سید الشہداءؑ کی تربت کی خوشبو بہنوں اور بیٹیوں کے مسام جاں تک پہنچی تو وہ اس بلبل کی طرح ہو گئیں کہ جو پھول کی خوشبو سونگھتی ہے تو فرط محبت سے غدا حال ہو جاتی ہے۔ جب ان بیبیوں کے مسام میں تربت حسینؑ کی خوشبو پہنچی تو وہ فرط محبت اور شدت غم سے مرثیہ پڑھنے لگیں۔

حیاتِ نذب کی زبان حال یہ تھی: اے بھائی! آپؑ کے بعد میں نے بہت دکھ دیکھے اور مجھے بہت سے شہروں اور ملکوں میں پھرایا گیا۔ مجھے خود پر تو اس قدر حوصلے اور صبر کی امید نہ تھی کہ آپؑ کے بغیر کربلا سے شام تک پہنچ سکوں گی لیکن خدا نے حوصلہ دیا۔ کربلا کے بعد جب پہلی دفعہ کوفہ میں آپؑ کے سر پر نظر پڑی تو میں نے فرط غم سے اپنی پیشانی کو کھمبل کی لکڑی پر دے مارا۔ بھائی! ہمیں کوفہ و شام کے بازاروں میں ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرایا گیا اور ہم نے ناعمرموں کی موجودگی کے سبب سر کو شرم سے جھکا لیا۔ جب یزید کے دربار میں بازو بندھے ہوئے پیش ہوئی تو کئی مرتبہ خدا سے موت مانگی لیکن ان دکھوں کے باوجود میں اس بات پر مطمئن ہوں کہ اپنی تقدیر جاں بچ کر آپؑ کا غم خرید لیا ہے۔

امام سجادؑ کی کربلا میں جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے ملاقات

جناب جابر بن عبد اللہ انصاریؓ فرماتے ہیں: جب اولادِ رسولؐ و بتولؑ شام غم انجام سے واپس بلخی اور عراق پہنچی تو نعمان بن بشرؑ سے کہا کہ ہمیں کربلا کے راستے لے چل تاکہ ہم قبروں کی زیارت کر لیں۔ پس اہل بیتؑ کربلا پہنچے اور وہاں آئے جہاں امام حسینؑ دوڑتے گھوڑے سے زمین پر آئے تھے۔ جب آلِ رسولؐ قتل میں پہنچی تو ہمارا جناب جابر بن عبد اللہ

انصاریؒ کو موجود پایا جو چند ہاشمیوں کے ساتھ مدینہ سے امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لیے آئے تھے اور یہ دن ۲۰ صفر سن ۶۱ ہجری تھا۔

امام سجاد علیہ السلام اور حضرت جابرؓ کی ملاقات ہوئی اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ جابر پہلے چہلم پر سب سے پہلے زیارت امام حسینؑ کے لیے آئے تھے۔ صرف اختلاف اس میں ہے کہ کربلا میں اہل بیتؑ کی آمد پہلے چہلم پر تھی یا دوسرے سال کے چہلم پر ہوئی اور اگر ملاقات سال اکٹھ ہجری میں ہوئی تو اربعین سے دوسرے دن ہوئی۔ اس مسئلہ پر تحقیق کے لیے ایک علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

اہل بیتؑ کا مدینہ میں واپس آنا

اہل بیتؑ شام سے کربلا اور کربلا میں چند روز عزاداری کرنے کے بعد مدینہ میں آئے۔ جس دن اہل بیتؑ کے پردے دار حرتوں اور دکھوں سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ کے دروازے سے لے کر قبر رسولؐ تک زمین عزاداروں کے آنسو سے گیلی ہو چکی تھی۔ مرد جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے گرد اور عورتیں دخترانِ بتولؑ کے ارد گرد جمع ہو کر گریہ زاری میں مشغول تھے اور سیدھے رسولؐ خدا کی مسجد (مسجد نبویؐ) میں گئے۔ وہاں اہل بیتؑ نے ظالموں کے ظلم کا شکوہ کیا۔ پھر وہاں سے جناب زہراءؑ کی قبر پر پہنچے اور یہ تو مسلم ہے کہ بیٹی اپنے دکھ درد سوائے ماں کے اور کون سے نہیں کہتی اور ماں سے کوئی دکھ نہیں چھپاتی۔

جب بی بی زہراؑ کی نظر ماں کی قبر پر پڑی تو جگر سے صدائے درد نکلی اور ہائے کر کے ماں کی قبر پر گر پڑیں۔ پھر بین کر کے فرمایا: اماں جان! میں حسینؑ کو ساتھ لے کر گئی تھی لیکن اب حسینؑ کو واپس نہیں لاسکی البتہ حسینؑ کی ایک نشانی لائی ہوں اور پھر امام حسینؑ کا خون آلود پیراہن نکالا اور قبر پر رکھ دیا اور عرض کیا: اماں جان! یہ آپؑ کے فرزند حسینؑ کی نشانی ہے اور اگر مجھ سے پوچھو کہ ہم پر کیا گزری تو اتنا عرض ہے کہ ہمیں ترک و یلیم کے قیدیوں کی طرح قیدی بنا کر شہر در شہر پھرایا گیا اور بہت زیادہ تلکفیں اور دکھ دیئے گئے۔

فاطمہ زہراءؑ کی قبر کو زلزلہ آیا، بی بی زہراءؑ کا ہاتھ باہر نکلا اور بی بی نے وہ پیراہن اٹھالیا اور اب وہ پیراہن بی بی کے پاس ہے۔ قیامت کو یہی قیص لے کر دوبارہ توحید میں آئیں گی۔

صاحب مخزن البکاء رقمطراز ہیں: جب اہل بیتؑ گریہ زاری اور ماتم میں مصروف تھے تو اُم المومنین جتیبہؑ نے خون کی ایک شیشی اٹھائی، ایک ہاتھ میں یہ شیشی تھی اور دوسرے ہاتھ سے پیار فاطمہؑ صغریٰ کو پکڑا ہوا تھا۔ یہ سن کر جب سے

جناب فاطمہ صغریٰ کے چہرے کا رنگ زرد تھا، جسم کانپ رہا تھا اور آنسو بارش کے قطرات کی طرح گر رہے تھے۔ جب اہل بیت کی نظر جناب فاطمہ صغریٰ پر پڑی اور جناب فاطمہ بیمار کی نظر اپنی پھوپھی، بہنوں اور دیگر خواتین پر پڑی تو ایک مرتبہ گریہ کا کھرام مچ گیا، چھین ٹکٹیں اور ماتم شروع ہو گیا اور جناب فاطمہ صغریٰ بے ہوش ہو گئیں۔ فاطمہ کبریٰ آئیں اور فاطمہ صغریٰ کھل میں لائیں لیکن خود بے ہوش ہو گئیں۔ دیگر خواتین نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور اپنے دکھوں کا حال ایک دوسرے کو سنایا۔ جناب فاطمہ صغریٰ نے اپنی بہن فاطمہ کبریٰ سے اپنے دکھوں کا حال پوچھا۔ جناب فاطمہ کبریٰ کی زبان حال یہ تھی:

اے بہن! میں آپ سے دُوری پر نکلاں تھی اور دن رات آپ کے غم و فراق میں پریشان تھی۔ آپ میرے دن رات کا پوچھتی ہو، میرا دن ماتم میں گزرتا تھا اور رات کسی خرابیہ ویران میں۔ لب فرات ہونے کے باوجود ہمارے شہداء بھی پیاسے چلے گئے اور ہم بھی پیاسے شام چلے گئے۔ خالموں نے ہرے بابا کے سر کو نوک نیزہ پر اٹھایا ہوا تھا اور ہم اس نیزے کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب یزید ملعون میرا بابا کے لہو پر چھری مار رہا تھا تو ہمارے دل کباب ہو گئے۔

جناب محمد حنفیہؑ سے ملاقات

مخزن البکاء میں ہے: جب اہل بیت شام غم انجام دے کر مدینہ کی طرف آئے اور مدینہ کے نزدیک پہنچے تو بشیر بن جذلم امام سجادؑ کے حکم سے مدینہ میں وارد ہوا اور اہل مدینہ کو اہل بیت کی آمد کی اطلاع دی تو ہر طرف آہ و فریاد اور گریہ و زاری و احسینا و اغریبا و اشہیدا کے بین کرتے ہوئے مرد و زن چھوٹے بڑے حقیر و شریف، ننگے سر، ننگے پاؤں، جوق در جوق مدینہ کے دروازے کی طرف روتے ہوئے نکلے۔ خصوصاً بنی ہاشم کے رشتہ دار، مستورات اور مرد، بڑے غم و اندوہ اور گریہ و زاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب یہ خبر جناب محمد حنفیہؑ کو ملی تو جلدی سے اُٹھے، اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور تیزی سے دروازہ مدینہ کی طرف رخ کیا۔ لوگ بھی حسینؑ حسینؑ کا ماتم کرتے جا رہے تھے، بہت ہجوم تھا، چلنا بڑا مشکل تھا۔

جناب محمد حنفیہؑ بھی آنسو بہاتے اور حسینؑ حسینؑ کرتے ہوئے اس قافلہ گریہ کے پاس پہنچے۔ جب سیاہ علموں اور بنیام حسینؑ پر نظر پڑی تو گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ بھارہ بلا خیمہ سے باہر آئے اور خود چچا کے پاس پہنچے۔ ان کے سر کو اپنے دامن میں رکھا تو محمد حنفیہؑ ہوش میں آئے، آنکھ کھولی اور اپنے جیم بچھتے کو اپنے سر ہانے دیکھا تو دل پر درد سے جھین اور فریادیں نکلیں اور فرمایا: اے یا بنی! آہی آہی میرے بچھے! میرے بھائی کہاں ہیں؟ میرے سر کے تاج سین کہاں ہیں؟ پھر زور زور سے روتے ہوئے پوچھا: آئین قُوَّة عَیْنی وَ ثَمَرَةُ قُوَادی آئین خَلِیْفَةُ اَبی، آئین

الْحُسَيْنِ ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کے میوہ، میرے باپ کے خلیفہ امام حسینؑ کہاں ہیں؟“

حضرت امام زین العابدینؑ نے گریہ میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا: يَا عَلِيُّ آتَيْتُكَ يَتِيمًا ”اے چچا جان! میں بابا کے ساتھ گیا تھا لیکن یتیم واپس آیا ہوں۔“ اور روزِ عاشور امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات سنائے اور فرمایا: اے چچا! آپؑ کربلا میں جو نہ تھے پہلے ہم پر پانی بند ہوا پھر جنگ مسلط کی گئی۔ صبح سے ظہر تک میرے بابا کے اصحاب شہید ہو گئے۔ پھر بنی ہاشم کے اٹھائیس جوان یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ تیروں، تلواروں، خنجر، نیزوں سے ان جوانوں کو جن کی مثال دنیا میں نہ تھی، کے جسموں کو کٹکڑے کٹکڑے کر دیا اور سب خاک کربلا میں غلطان ہو گئے۔ میرے بابا بھی تمہارے لیے میدانِ جنگ میں وہ بہت پیاسے تھے اور پیاسے شہید ہوئے۔

پھر شام کو کوفہ کے راستے کے مصائب بیان کرتے رہے اور محمد بن حنفیہؑ اپنے سر دینہ پر ماتم کرتے رہے۔ آخر ایک بار رو کر فرمایا: يٰعَبْدُ عَلِيٍّ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ يَا اَخِي كَيْفَ طَلَبْتَ نَاصِرًا فَلَمْ تَنْصُرُوا مَعِينًا فَلَمْ نَعْنِ ”اے بھائی حسین! مجھے اس بات نے بہت دکھی کر دیا ہے کہ آپؑ مدد مانگتے رہے اور کوئی آپؑ کی مدد کرنے کو نہ تھا۔“ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ کے استقائے بلند کرتے رہے اور کسی نے نصرت نہ کی۔ تمام مصائب سے یہ دکھ مجھے کھائے جا رہا ہے۔ کاش میں کربلا میں ہوتا اور اپنے بھائی پر جان قربان کرتا۔ خدا آپؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔

پھر جناب محمد حنفیہؑ بہنوں کے پاس آئے تو عورتوں میں قیامت کا شور و غم اور گریہ بلند ہوا اور محمد حنفیہؑ کی نظر جنابِ نعنہ کبریٰ پر پڑی تو ان کو نہ پہچانا کیونکہ بہت زیادہ مدد، مصیبتیں اور دکھ دیکھنے سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور بال سفید ہو گئے تھے۔ لہذا محمد حنفیہؑ نے تعجب سے پوچھا: اَأَنْتِ اخْتِي ”کیا آپ میری بہنِ نعنہ ہیں؟“ بہن! کہاں ہیں آپؑ کے بھائی، آپؑ میرے بھائی کو ساتھ لے گئیں لیکن واپس نہ لائیں۔

بی بی نے جواب دیا: میرے بھائی حسینؑ کو غربت میں ایسے شہید کیا گیا کہ اُن کا بدن مبارک کربلا میں خاک و خون میں غلطان تھا۔ مختصر اُمید حنفیہؑ واپس گھر آئے اور اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور تین دن گھر سے باہر نہ نکلے، تیسرے دن گھر سے باہر نکلے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور بیابان کی طرف چلے گئے اور گم ہو گئے حتیٰ کہ مختار کے خروج تک غائب رہے۔

نعمان بن بشیر قافلہ سالار سے معذرت

جب اہل بیتؑ کی قید سے رہائی ہوئی اور مدینہ واپس لوٹے تو تین دن تک امام حسینؑ کے گھر میں مجلسِ عزاء اور ماتم ہوتا رہا۔ لوگوں کا غم ہلکا ہوا لیکن اہل بیت حسینؑ کو دن کو چہین تھا نہ رات کو سکون۔ وہ ہمیشہ گریہ زاری میں رہتے تھے، آنسو

بہاتے تھے اور فریادیں بلند کرتے رہتے تھے۔ ان کی غذا اور قوت یہی آنسو بہانا تھا بلکہ اوڑھنا پھونکا یہی آنسو تھے۔ حتیٰ کہ سات سال تک اس قدر غم رہا کہ اہل بیتؑ کے چلوں سے کسی نے دھواں بلند ہوتے نہ دیکھا، نہ خضاب کیا اور نہ غسل کیا اور نہ کسی خوشی کی محفل میں شرکت کی۔

صاحبِ مخزن لکھتے ہیں: جب اہل بیتؑ مدینہ پہنچے تو تین دن تک بہت زیادہ عزاداری کی۔ پورا مدینہ غم زدہ رہا۔ ان تین دنوں کے بعد لوگوں کا غم کچھ ہلکا ہوا اور وہ ایک دوسرے سے حال پوچھنے لگے تو نعمان بن بشیر سالارِ کارواں، جس نے اہل بیتؑ کو شام سے مدینہ پہنچایا تھا، واپس جانے کا ارادہ کیا۔ اہل بیتؑ سے رخصت کی اجازت لی۔ جنابِ فاطمہؑ و خیر علیؑ نے جنابِ نسیبؑ کی خدمت میں عرض کیا: نعمان بن بشیر نے اس سفر میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اب نعمان جا رہا ہے کیا آپ کی صلاح ہے کہ اس کے حق میں کوئی احسان کیا جائے۔

جنابِ نسیبؑ کبریٰ نے فرمایا: خدا کی قسم! بات تو آپ کی بہت اچھی ہے لیکن کیا کروں ہمارے پاس تو اب بچا ہی کچھ نہیں کہ نعمان جیسے نیک شخص پر احسان کریں البتہ بہت تھوڑے زیور ہیں وہ دیتے ہیں، پھر دو کنگن، دو بازو بند اور پازتیں کنیر کو دیں اور فرمایا کہ یہ نعمان بن بشیر کو دے دو اور اسے کہنا کہ یہ چیزیں تیری خدمات کا صلہ تو نہیں لیکن ہمارے پاس اب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر زیادہ کے مالک ہوتے تو کبھی مضائقہ نہ کرتے۔ اس لیے ہم معذرت کرتے ہیں اور یہ تھوڑی سی خدمت ہمارے حیدرِ رسولؐ کے صدقے قبول کر لیں۔

فصولِ المہمہ میں ہے کہ نعمان نے یہ ہدیہ قبول نہ کیا اور عرض کیا: یہ رسالت کا خانوادہ ہے۔ میں نے صرف خوشنودنی خدا اور رضائے مصطفیٰؐ کی خاطر آپؐ کی خدمت کی ہے اگر ان خدمات کا عوض دینا چاہتے ہو تو میرے لیے بخشش کی دعا کیجیے نیز مجھے قیامت کے دن فراموش نہ کرنا۔

امامؑ کے سر کی تدفین کے بارے میں تحقیق

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرِ مطہر کے دفن کے مقام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے چند دنوں تک اپنے دروازے اور دربار میں لٹکائے رکھا اور پھر اسے خزانے میں رکھ دیا گیا اور یہ سر بنی اُمیہ کے خزانے میں تھا۔ حتیٰ کہ سلمان بن عبد الملک نے وہ سر مانگا تو سرِ مطہر لایا گیا، سر ابھی تک معطر اور منور تھا۔ اس کے حکم سے ایک صندوق بنایا گیا اور سر مقدس کو اس میں رکھ کر خوشبو اور عطر لگایا گیا، کفن دیا گیا اور نماز پڑھی گئی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا اور عمر بن عبد العزیز نے اس سرِ مطہر کا حال پوچھا تو بتایا گیا کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ قبر

کھودی جائے پھر سر کو باہر نکالا گیا اور کربلا بھیجا یہ مسور وہیں دفن کر دیا گیا۔

ابوریحان بیرونی کتاب آثار الباقیہ میں لکھتے ہیں: ہر جسم مہ حسین ۲۰ صفر کو اہم کے بدن مطہر کے ساتھ دفن ہو گیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سر مطہر امام حسینؑ جناب امیر المومنین سے سر ہونے دفن ہے۔ لیکن امامیہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ سر مطہر بالآخر جناب امام حسینؑ کے بدن کے ساتھ کربلا میں ملحق ہو گیا۔ انہ عام بالصواب!

یہ کتاب مکمل ہوئی از مدینہ تا مدینہ جو خاص آلِ عباس کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ ہر مبنی قصہ و سہ عجیبی قریبی کو اپنے ناتواں ہاتھوں سے اس بندہ کمترین سید محمد جواد ذہنی تہرانی نے قلم کی۔ خدا سے سہجہ ہے۔ میں نے سہ سہ محنت کو قبول فرمائے اور میرے لیے اس کتاب کو آخرت کا ذخیرہ قرار دے۔

(از مترجم: میں نے ۶ جولائی ۲۰۰۸ء کو اپنا آپریشن کرایا تو مجھے تین ماہ بالکل بستر پر آرام کرنے کا کہا گیا اور اس وقت میں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا تاکہ اس ذکر کے صدقے میرے آپریشن کے زخم جلدی ٹھیک ہو جائیں اور الحمد للہ جب کتاب کا ترجمہ ختم ہوا تو بندہ بھی چلنے کے قابل ہو گیا اور اب اس کتاب کے مندرجات کو مجالس میں لوگوں تک پہنچاتا ہوں)۔

★ ★ ★

150/-	موت کے بعد کیا ہوگا؟	125/-	صدائے سخن	100/-	ذکر حسین
150/-	تہذیب نفس یا اخلاق ملی	100/-	انکار محمد	125/-	برزخ چند قدم پر
150/-	بصورت عقائد	125/-	جام کوثر	100/-	اسلامی معلومات
135/-	صحیح زہرا	300/-	نیم الجہاں (دو جلد)	100/-	محمد بن عبد
85/-	اجر عظیم	150/-	اولی الامر کون؟	100/-	محمد باقی
135/-	خواہشات پر کنٹرول کیسے ہو؟	125/-	ریاض الجہاں	120/-	سورج بادلوں کی ادھ میں
120/-	ماہ زندگی	150/-	نصیر الجہاں	100/-	شہید اسلام
85/-	مٹی سے دشمن کیوں؟	165/-	گھر از خطابت	50/-	قیام عاشورہ
185/-	عملیات زرق	135/-	مہار سورت	100/-	قرآن اور طبیعت
175/-	جادو جن	135/-	خطبات شیخ ابی امہ	125/-	دینی معلومات (دو جلد)
145/-	مخلص امیر المومنین	250/-	بہشت	35/-	نوجوان پوچھتے ہیں شادی کس سے کریں؟
185/-	مولائے کائنات کے فیصلے	135/-	نصائح	15/-	خاتم ماکم اور سماجی امام
275/-	پھر وہ شہید ہو گیا	165/-	امامین کون؟	225/-	شیخ عزاء
145/-	آل رسول سے نفص کیوں	135/-	توحید	100/-	سیر درد فاقہ
165/-	تقویم شہید	175/-	ولایت	100/-	! بت
185/-	ملکوت الانوار	150/-	آداب ولایت	165/-	اسما
175/-	فضائل علی (حصہ اول)	150/-	آرزوے جبرئیل	265/-	سوگنا آل محمد
225/-	قسمت نامہ	150/-	سید العرب		انکار شریعت
250/-	قوم جنات	165/-	تہذیب آل محمد	14/-	سیرت آل محمد
135/-	تہذیب عملیات	150/-	توحیح المسائل	135/-	مناظرے
250/-	عملیات تعمیر و معیت	200/-	عصر حضور	240/-	آسان مسائل (چار جلد)
285/-	امالی شیخ المنید	100/-	جدید فقہی مسائل	100/-	تاریخ جنت البقیع
100/-	اجہ رسالت	150/-	کر بلا سے کر بلا تک	100/-	عمدہ الجہاں
100/-	تاجدار نبوت	60/-	سوغہ مہلبہ	35/-	حقوق زوجین
250/-	توحیح المسائل (صادق شیرازی)	60/-	مہدی حدیث کی روشنی میں	20/-	ارشادات امیر المومنین
175/-	ذات قسمت	165/-	احادیث قدسہ	50/-	صدائے مظلوم
185/-	ملی اجتماع الناس	135/-	اسلامی اصول تجارت	35/-	معجزات بتوں
300/-	1001 داستان ملی	135/-	آل محمد پر درود	35/-	لاکھ سنا لڑکی چاندی
150/-	پردہ کی امام	165/-	راہ خدا	35/-	اسلامی پیمائیاں
165/-	فضائل علی زبان نبی	130/-	اصول دین	15/-	فکر حسین اور ہم
250/-	خلاصہ المسائب	450/-	سردار کر بلا (دو جلدیں)	40/-	پیام عاشورہ
25/-	16 معجزے	500/-	کتب امامت و خلافت (دو جلدیں)	35/-	محققین کی کہانیاں
20/-	14 معجزے	165/-	بحر المسائب	35/-	ارشادات مرتضیٰ مصطفیٰ
185/-	کتاب قائم	145/-	قلعہ نصرت مہدی	10/-	آزادی مسلم
165/-	خطیب نوکستان	65/-	وفا نقب المومنین	100/-	نقد بیہیت
165/-	حکومت مہدی	500/-	امالی شیخ صدوق (دو جلدیں)	100/-	محمد بن حسن
185/-	فضائل نامہ	900/-	معجزات آل محمد (چار جلد)	100/-	حرف اس
150/-	علی اہل سنت کی نظر میں	2100/-	تفسیر نور المقلین (چھ جلدیں)	100/-	حسین میرا
165/-	امامت و نصیبت	135/-	نیم نامہ کر بلا (نوف کاترجمہ)	100/-	جام قدیم
165/-	حکم اطاعت اور ہماری ذمہ داریاں	1000/-	مناقب بابوسف (چار جلدیں)	150/-	زندہ گریز
265/-	عزائے آلی احمد	250/-	مناقب بابوسف (چار جلدیں)	100/-	شاہکار رسالت
125/-	گناہوں کے اثرات	150/-	عالم حق	60/-	مختصر عاشور
750/-	تہذیب الانام (3 جلد)	175/-	آداب عبادت	130/-	اسلام اور کائنات
150/-	جائشیں سون گون	65/-	سج اللہ	250/-	فریب زدہ
30/-	نہاد جعفریہ	65/-	فضائل اعلیٰ	135/-	نظرت
15/-	نہاد امامیہ	150/-	محبت اہلبیت کون؟	150/-	عق
20/-	نہاد شہید	135/-	سائرفہ شام	50/-	حسن (دو جلد)
		150/-	ولایت امام مہدی علم فہم	300/-	
			تفسیر سورہ مدید		



أحلامهم الخ الصالحين لأهول (وهم)